وَتِلْكَ الْقُرٰى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا

اور جب قوم کو ہم نے ایک وقت ہلاک کر دیا اس کا پھر ٹھہرنا محال ہے

کلام اللہ

تذکرہ

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهُ

(ہرگز نہیں یہ تو ایک عبرت ہے سو جو چاہے اس سے عبرت پکڑ لے)

یعنی

قرآن حکیم کے صحیح مقاصد اور اسکے منجانب اللہ ہونے پر دس جلدوں میں ایک مکمل اور مدلل علمی تبصرہ

جس میں مسلمانان عالم کی اجتماعی موت و حیات کے متعلق پیغام اخیر دیا گیا ہے

مجلد اول

مقدمہ کتاب، ماہیت ایمان و حکمت عبادات وغیرہ

مع فقہ احمدیہ عربی و دیباچہ

للمعتقد الی اللہ الرحمن

محمد عنایت اللہ خان

المشرقی

باہتمام شیخ عبد العزیز ناشر و طابع

مطبع روزبازار امرتسر میں برقی قوت سے طبع ہوئی

حقوق طباعت حسب قانون محفوظ ہیں

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ

اور جس قوم کو ہم نے ایک دفعہ ہلاک کر دیا اُس کا پھر اُبھرنا محال ہے۔ سورہ انبیا

كَلَّآ اِنَّهٗ

تذکرہ

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ

(ہرگز نہیں۔ تو ایک عبرت ہے سو جو چاہے اس سے عبرت پکڑ لے)

یعنی

قرآن حکیم کے صحیح مقاصد اور اُسکے منجانب اللہ ہونے پر دس جلدوں میں ایک مکمل اور مبسوط علمی تبصرہ

جس میں

مسلمانانِ عالم کو اُن کی اجتماعی موت و حیات کے متعلق آخری پیغام دیا گیا ہے

مجلد اول

مقدمۂ کتاب، ماہیتِ ایمان و حکمتِ عبادات، مع افتتاحیہ و دیباچہ

للمفتقر الی اللہ الرحمٰن

محمد عنایت اللہ خان المشرقی الہندی

سنہ ۱۳۴۲ھ مطابق سنہ ۱۹۲۴ء

مطبع وکیل امرتسر میں باہتمام شیخ محمد عبد العزیز ناظم طبع ہو کر

ادارۃ الاشاعۃ للتذکرہ امرتسر پنجاب سے شائع ہوئی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

فہرس

المقالات التی جاءت فی الافتتاحیۃ العربیۃ من کتاب تذکرہ

المجلد الاول

المقالات	صفحة
فی حمد اللہ عزوجل	۱-۳
فی ان اللہ عزوجل علا جعل للانسان التمیز	
البصر والفرقان وفضلہ علی سائر الحیوان	
وجعلہ خلیفۃ الارض۔	۱
وعلی ھذا کتب علیہ طاعۃ الامتثال بامرہ	۱
فالطاعۃ ھی التی تنصر علی اعدائہ وتستخلفہ	
فی الارض۔	۲
فلا مجال لاحد ان یبغی علی ربہ عصیانا و	
طغیانا ومن فعل ھذا فھم الذین یھلکون فی الدنیا	۲
فی انہ عزوجل اعطی الانسان الکتب الذی	
جاء بہ الانبیاء علی کونہ صاحب التمیز والبصر	
والفؤاد لیتطلع علی قانونہ تعالی۔	۲
فی ان الکتب ھو الذی جعل فیہ روح من اللہ تعالی	۲
فی انہ من اطاع ربہ فیجزیھم اللہ بجنات الارض	
فی الحیوۃ الدنیا وبالجنۃ فی الاخرۃ۔	۳
الفرق بین جنتین والجنۃ۔	۳
فی الصلوۃ علی نبینا صلعم۔	۳-۴
فی انہ صلعم کان من اعظم الناس و	
اکبرھم واکرمھم عند اللہ۔	۳-۴
فی الصلوۃ علی الانبیاء الکرام وفیما	
جاءوا بہ من عند ربھم لیھدوا اقوامھم	۴-۵
فی ان علمھم ونباءھم قد احاط بعلم حکماء	
الحاضرۃ۔	۵
فی انھم جاءوا من عند ربھم بکتاب واحد	
لا بوسلات شتی۔	۵
وجاءوا لیصلحوا بین الناس ولیعبدوا ایاہم	

المقالات	صفحة
ولیجمعھم علی الھدی۔	۶
لکن الناس قد اختلفوا بینھم وجعلوا یتوغلون	
فی حب انبیاءھم لیعبدوھم من دون اللہ ولیحرفوا کلمۃ	۶
فلذا ان ظھر الفساد فیھم لانھم اشرکوا افتفرقوا	۷
فوجب علی الانسان ان یتبع القرآن الذی حفظہ	
اللہ عن التحریف اللفظی۔	۷
لان اللہ یشاء ان یکون الناس امۃ واحدۃ	
ویسئل عما یتفرق۔	۸
فی الصلوۃ علی السلف من المسلمین الذین	
اتبعوا الانبیاء عملا ومعنا۔	۸-۹
الذین ورثوا الارض بل تخلقوا باخلاق اللہ	۸
ولم یتخذوا ما خلق اللہ فی السمٰوٰت والارض باطلا	۹
وامنوا بما خلق اللہ فیھا بالحق ولم یشرکوا	۹
فی حکمھم احدا۔	۹
وھدوا الی الصراط المستقیم۔	۹
فی ما یفعل المخلفون من المسلمین	
فی زماننا ھذا۔	۹-۱۳
فی ما کان لھم من العلم والفضل والحکم و	
النبوۃ فی القرون الماضیۃ۔	۱۰
وما کان للمسلمین المتقدمین من الطاعۃ	
والامتثال بامر ربھم۔	۱۰
بل ما کان لھم من السعی والعمل وعبادۃ الرب	۱۰
فی ما اخترع المسلمون المعاصرون من	
دین الاقوال والالفاظ صرفا عن دین	
السعی العمل۔	۱۱
فی ان القول مردود ان العمل لیس یشفی عند اللہ	۱۱

المقالات	صفحة
فی ما اختلق المسلمون المعاصرون من الکذب	
ان القرآن نھاھم عن ھذہ الدنیا۔	۱۲
فی انہ ما جاء النبی صلعم لا لیظھرہ علی	
علی الدین کلہ۔	۱۲
وانہ من حسرھا وحبطت اعمالہ فی	
ھذہ الدنیا فھم الذین یخسرون فی الاخرۃ	۱۳
فی انہ ما کان للمسلمین المعاصرین	
من نظم ونسق واخوۃ ووحدۃ الا	
والطاعۃ والمواخاۃ والموانسۃ	
وما لھم من امر او امیر او امارۃ	۱۳
فلا یقدرون الان ان یتمالکوا علی شیء و	
لھذا یحبط اللہ اعمالھم۔	۱۴
وھم الذین یتخذون ارباباً لھم من دون	
اللہ لیشرکوا بہ اشد شرکا۔	۱۴-۱۶
فلھذا یھلکھم اللہ فی الدنیا وینتقم	
منھم۔	۱۷-۱۸
حقیقۃ الشرک وفی انہ ما الشرک	
الا الاستغراق فی الحیوۃ الدنیا	
وعبادۃ اللذات والاھواء	۱۸-۲۱
وما الشرک من قول او کلمۃ۔	۲۱-۲۲
وما ھو بعبادۃ الاصنام المجوفۃ خشبۃ	۲۲
وما التوحید بان تقولوا واحدا	
بافواھکم۔	۲۳-۲۴
حقیقۃ الکفر والفسق والشرک و	
الظلم۔	۲۴-۲۵
فی انہ من اعرض عن الدنیا فھم الذین	

فہرست مضامین دیباچہ

مضامین	صفحہ
مذہب دنیا کی سب مسلمات میں سے سب سے بڑا مسئلہ ہے اسکے راز ہونیکے باوجود لوگ کسی نہ کسی مذہب کے پابند ہیں۔	۱
آجتک قطعی فیصلہ نہ ہو سکا کہ کونسا مذہب سچا ہے؟	۲
اگر سب مذاہب سچے ہیں تو انمیں اختلاف کا ہونا محال ہے	۲
جب انمیں اختلاف قائم ہے تو سچائی کا دعوے باطل ہے	۲
مذہب کی صداقت معلوم کرنے کی اہمیت۔	۳
دنیا کے بڑے سے بڑے مقاتلے اختلاف مذہب کے باعث واقع ہوئے ہیں۔	۳
نسل انسانی کا باہمی اختلاف ملٹ ائی ایزدی کے خلاف اور غیر فطری ہے۔	۳
سب انبیائے کرام صرف ایک پیغام کے حامل تھے۔	۳
مذہب کی ضد صرف جہالت کی ضد ہے علم اور نبوت کی ضد نہیں۔	۴
علم کا منتہا انسان کو متحد کرنا ہے متفرق کرنا نہیں	۴-۵
وہ کیا علم تھا جو انبیائے کرام لائے؟	۵
کائنات جہانکی بنیاد عدل پر ہے ظلم پر قطعاً نہیں۔	۶
پیغام انبیا کا ماحصل انسان کو اجتماعی بقا کی راہ دکھلانا تھا۔	۶
فطرت کی ہر شے کا کوئی نہ کوئی دین و مذہب ہے اسلئے انسانی نسل کا بھی کوئی نہ کوئی مشترک مذہب عمل ہونا چاہیے۔	۶-۷
دین کی تعریف۔	۷
انبیائے کرام کی نبوت، وحی کی ماہیت اور نبوت کیونکر ملی۔	۷
مختلف انبیا مختلف اوقات میں صرف دین فطرت ہی لائے	۸
اسی دین فطرت کی تجدید بار بار کرتے رہے	۸
انسان نے انکے پیغام کو مختلف سمجھکر مختلف مذاہب بنا لیے۔	۹
محمدی بننے اور مسلم بننے میں کیا فرق ہے۔	۹
غلو فی الدین تمام انسانی فرقہ بندی کا باعث ہے۔	۹
تمام مذاہب آج حیطۂ دلیل سے خارج ہو چکے ہیں	۹-۱۰
حکمائے مغرب کی مذہب سے بے نیازی۔	۱۰
انکی علم الابدان کیطرف توجہ اور علم الادیان سے تغافل	۱۰-۱۱
علم الادیان کی قطعی ضرورت اور اسکی توجیہ۔	۱۱
بقائے اصلح کے مسئلے کا انسانی فلاح کے لیے ناکافی ہونا۔	۱۲
انسان کے لیے کلام وحی کی قطعی ضرورت۔	۱۳
مغرب کی مذہب سے بے توجہی کے بواعث۔	۱۴-۱۵
مذاہب کی موجودہ مضحکہ انگیز صورت۔	۱۵

مضامین	صفحہ
مغرب کو مذاہب کے اصل پیغام کیطرف متوجہ ہونا چاہیے تھا۔	۱۵
کیا انبیائے کرام معاذ اللہ جھوٹے تھے یا سب کو اپنے لائے ہوئے پیغام کے متعلق دھوکا ہوا تھا؟	۱۶-۱۸
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے متعلق ایک عجیب و غریب انکشاف۔	[illegible]
انبیا کی اولوالعزمی اور کامیابی ہی انکی صداقت کا بین ثبوت ہے۔	۱۸
انبیا کے لائے ہوئے پیغام کی حقیقت کا خوالف امتوں میں جلد تر مسخ ہو جانا۔	۱۹
مغرب کی کلام وحی کیطرف سے بے رخی اور اسکی وجہ	۲۰
اکثر صحف آسمانی کا انسانی تصرف اور تراجم کے رد و بدل سے محفوظ نہ رہنا۔	۲۱
صرف قرآن ایک صحیفہ آسمانی ہے جو لفظی تحریف سے قطعاً محفوظ رہا ہے۔	۲۱
مغرب کی قرآن حکیم سے بے رخی کے بواعث	۲۲
پادریوں کا قرآن سے عناد	۲۲
کارلائل کی قرآن کی حمایت	۲۳
حکمائے مغرب کا مسئلہ استقرا سے اعتنا اور مذہب سے بے نیازی۔	۲۳
کلام وحی کیطرف متوجہ ہونیکے دلائل اور نبوت کی صحیح غرض و غایت۔	۲۴
مغرب کی علم الابدان کے ذریعے سے معرفت نفس اور علم الدین کا پہلا سوال۔	۲۴
اجتماعی بقا و فنا کے راز کے متعلق مغربی حکما کا تحیر	۲۵
مسئلہ بقائے اصلح اور اسکا ناکافی ہونا۔	۲۵
انبیائے کرام کے علم کا معراج۔	۲۵-۲۶
صلاحیت کی صحیح تعریف	۲۶
مغربی حکما کی صلاحیت کی غلط تعریف اور اسکے نقصان کے نتائج۔	۲۶-۲۷
مغربی تہذیب میں روحانیت کا فقدان اور اسکے نتائج قبیحہ۔	۲۷
مشرقی اقوام کا روحانیت اور صلاحیت کے متعلق غلط تخیل	۲۷-۲۸
صلاحیت کا مشرقی اور مغربی تخیل دونوں افراط و تفریط کے مناظر ہیں۔	۲۸-۲۹
مغرب کے الفاظ خدا کے مطالعہ کیطرف ایک ایک دن ضرور متوجہ ہونا پڑے گا۔	۲۹
الفاظ وحی کی عظمت کا انداز بھی عہد حاضر کے علم سے ہی ہو سکتا ہے۔	۳۰-۳۱
قانون فطرت ہی صحیح معنوں میں اصل دین ہے۔	۳۱

مضامین	صفحہ
فروعات اصل مذہب نہیں	۳۱
مناسک دین اور اسلام میں فرق۔	۳۱
تمام مذاہب میں وحدت پیام اب بھی نظر آ رہی ہے	۳۲
انبیائے کرام کیوں اپنے سے پہلے پیغمبروں کے منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کرتے رہے۔	۳۲
الصلوٰۃ، الزکوٰۃ وغیرہ کی مطلق قرآنی مصطلحات کا مفہوم۔	[illegible]
قانون فطرت اور امر رب کی تلاش کے لیے قرآن حکیم سب سے کامل تر کتاب ہے۔	۳۳
قرآن حکیم کے مقاصد میں معنوی تحریف۔	[illegible]
قرآن حکیم کیونکر پہلی آسمانی کتابوں کا مصدق ہو سکتا ہے	۳۴
قرآن حکیم کا اہم ترین مطمح نظر۔	۳۵
قرآن حکیم کا قانون حکمی اور ناقابل بدل ہے	۳۶
قرآن حکیم اجمال کے باوجود بین اور مفصل ہے۔	۳۶
قرآن حکیم کے اپنے متعلق دعاوی۔	۳۶-۳۷
اسکا تدبر کا متحمل اور مجسمہ ہدایت ہونا۔	۳۶
پیکر علم ہونا، مربوط اور مکمل ہونا۔	۳۷
صحیح معنوں میں اپنی تفسیر آپ ہونا۔	۳۷
اسکے الفاظ کے مطالب میں استقلال کا ہونا	۳۷
اسکی ایک آیت کے صرف ایک معانی کا ہونا۔	۳۷
اسکا قانونی کتاب ہونا اور اسلیے ایک منتہی اور مربوط ہونا۔	۳۸
دنیا کے ہر رہنمائے جلیل کا کلام غیر مربوط ہوتا ہے اور اسکی توجیہ کیا ہے۔	۳۸-۳۹
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وعظ کی مثال۔	۳۹
دنیا کے بڑے بڑے معلموں کا کلام بھی غیر مربوط ہوتا ہے	۴۰-۴۱
قرآن حکیم صرف علم فطرت کے ذریعے سے مربوط ہو سکتا ہے۔	۴۱
صحیفۂ فطرت کا جہلا کی نظروں میں غیر مربوط ہونا	۴۲-۴۳
علم کا اسکو مربوط ثابت کر دکھانا۔	۴۳
قرآن حکیم کے ربط کی حالت صحیفۂ فطرت کے ربط سے مشابہ ہے۔	۴۴-۴۶
ہر قانون کا واحد المطلب ہونا ضروری ہے	۴۶-۴۸
قرآن حکیم میں محکمات اور متشابہات کا فرق	۴۸-۴۹
متشابہ آیات کی مثال اور متشابہ کا الٰہی منتہائے نظر	۵۰-۵۱
متشابہ آیات سے باہمی فتنہ اور اختلاف پیدا کرنا الٰہی مقصود کے منافی ہے۔	۵۱
متلاشیان فطرت میں عدم اختلاف ہی بے مثال علمی ترقی کا باعث ہوا ہے۔	۵۱-۵۲
اسلامی علما کا قرآن کی تشریح میں اختلاف پیدا کرنا ضد اور بغاوت سے تھا۔	۵۲
ہر قانون کی سب دفعات کا ایک مقصد کی طرف راجع ہونا ضروری ہے۔	۵۳-۵۴
قانون کو تسلیم کرنے میں ذہن کا دخل۔	۵۴
شارحین قرآن کی مروجہ تفاسیر میں واماندگیاں	۵۴-۵۶
اعتقادی تفاسیر کی ظلمت آرائیوں کی ایک مثال۔	۵۶-۵۷
اس کتاب میں کلمات خدا کی تشریح کیلئے صرف علم کو معاون بنایا گیا ہے۔	۵۸
کتاب خدا کی شہادت اور اسکے علم کو نفسانی اغراض کے لیے چھپانا گناہ عظیم ہے۔	۵۹
قرآن حکیم کی آیات آیات بینات ہیں	حاشیہ ۵۹
اس کتاب کو پیش کرنے سے مقصود فرقہ بندی نہیں	۶۰
فرقہ بند ہونا شرک اور ظلم عظیم ہے۔	۶۱
سب فرقہ بند لوگ اور انکے رہنما جہنم کی لکڑیاں ہیں	۶۱
اسلام در اصل کیا ہے۔	۶۱-۶۲
اتحاد نہ صرف عین اسلام بلکہ تمام اسلام ہے	۶۲
انبیائے کرام کو مختلف پیغاموں کا حامل یا فرقہ بند سمجھکر خدا اور انکے درمیان تفرقہ پیدا کرنا اصلی کفر ہے	۶۲-۶۳
اس صریح کفر کی مسلمانوں کو کیا سزا ملی۔	۶۴
سب تفریق کفر ہے	۶۴
قرآن علم ہے اور اسی لیے اسکا منتہا اتحاد انسانی ہے	۶۴
توحید، ایمان، اتقا، عبادت، صراط مستقیم، شرک، کفر، فسق سب اعمال ہیں اقوال نہیں	۶۵
انبیائے کرام کے مبعوث ہونے کا واحد مقصود اپنی اپنی امتوں کو امن دینا تھا۔	۶۶
جنات زمین پر دوام حاصل کرانا تھا۔	۶۶
بنی اسرائیل سے میثاق بھی اسی ابدی سلطنت کا تھا	۶۷
داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا نصب العین حکومت زمین تھا۔	۶۷
موخر الذکر کا ملکۂ سبا سے جارحانہ جہاد	۶۸
وراثت زمین ہر نبی کا مستقل نصب العین تھا	۶۹-۷۰
انبیا پر ایمان لانیکے صحیح معنی	۷۰
کفر کا الٰہی مفہوم	۷۱
ایمان کا فتح کے مترادف اور کفر کا شکست کے ہم معنی ہونا۔	۷۱
نبی آخر الزمان صلعم کے مبعوث ہونیکی واحد غرض	۷۱-۷۲
صراط مستقیم کا ایک قرآنی مفہوم۔	حاشیہ ۷۲
اعلون بنکر رہنا قرن اول میں عین اسلام بلکہ تمام ایمان تھا۔	۷۳
اسلام کا مطمح نظر قرن اول میں غلبہ اور اتحاد عالم دونوں تھا۔	۷۴-۷۵
اس اسلام کو پیغام خدا کی تعمیل سے بحث تھی رسول خدا کے پیچھے لگ کر فرقہ بند بنجانا مدنظر نہ تھا	۷۵

المقالة	صفحة
يغلبون فيها۔	٢٦
حقيقة الاتقاء وفی انه من اتقی	
فهم الذين يورثهم الله الارض۔	٢٦-٢٧
ومن لم يورث الارض فهم الذين	
يهلكون فيها۔	٢٧
فی انه لا يستطيع احد ان يبدل	
سنة الله۔	٢٧
فی ما اجر العاملين فی الدنيا والاخرة	
من دون القائلين۔	٢٨-٣٢
فی ان المغربيين هم الذين يحسنون	
فی زماننا هذا۔	٣١
مسئلة الجبر والقدر وفی انه	
عزوجل لا يجبرنا علی شئ بل	
اطلقنا لنفعل ما نشاء۔	٣٢-٣٥
فی انه ما بقی للمسلمين المعاصرين	
من محيص الا ان يغيروا ما بانفسهم	
بالسعی والعمل۔	٣٥-٣٧
فی ما يفعل المغربيون فی زماننا	
هذا واتباعهم احكام القرآن	
عملاً ومعناً۔	٣٧-٣٨
فی ما حرض الله الناس علی مطالعة	
صحيفة الفطرة فی القرآن۔	٣٨-٣٩
وما استنبط المغربيون منها فافهموا بها۔	٣٩-٤٠

المقالة	صفحة
فی ما عنی الله بلفظ علماء فی القرآن	
وما يصنع المغربيون العالمون من	
اشياء الطبيعة۔	٤٢-٤٤
فی توصيف العلم وفوائده۔	٤٥-٤٨
فی انه عزوجل ينقل سلامة كتابه	
ووحيه من قوم الی قوم فی اوقات شتی	٤٨-٥٠
فی حقيقة الاسلام وما الذی	
فطر الله الناس عليه۔	٥٠-٥٦
فی انه قد بنی الاسلام علی عشرة	
اصول۔	٥٦-٥٧
فما اركان الاسلام المتعارفة الآن مع	
الائمة المحتدية وما هی باصل	
الدين فقط۔	٥٧-٥٨
فی ما استنبط المغربيون من اصول	
الدين من صحيفة الفطرة۔	٥٩
فی ما قصد الله من صلوة الدواب	
وتسبيح الطير وسجودهم۔	٦٠-٦٣
وما عنی الله بالصلوة والصراط	
المستقيم۔	٦٣-٦٥
فی ان كل واحد من العشرة المبشرة	
يصل من التوحيد ويولج فيه۔	٦٦-٧٦
فی انه ما العبادة الا اطاعة	
احكامه تعالی والسعی والعمل	

المقالة	صفحة
ما هی برهبانية۔	٧٦-٧٩
فی ان كل واحد من العشرة المبشرة	
من نوازع الايمان وشرائطه۔	٧٩-٩٠
فی انه تعالی لا يرحم ولا يغفر	
الا لمن استمسك بالعشرة المبشرة	٩٠-٩٦
حقيقة الجن وما يفعلون باحرامهم	٩٦-١٠٣
فی ان كل واحد من العشرة المبشرة	
يصدر من اتقاء الله	١٠٤-١٠٩
فی حقيقة الكفر وما ضل المفتيون	
فی فتاواهم۔	١٠٩-١١٤
فی انه ما الكفر الا الاعراض	
عن العشرة المبشرة من اصول	
الاسلام۔	١١٤-١٢٧
فی انه ما الكفر الا فی العمل وما	
هو با قوال او كلمات۔	١٢٧-١٢٩
فی الصراط المستقيم وحقيقته	١٢٩-١٣٠
فی انه من استمسك بالعشرة	
المبشرة فهم الذين سلكوا صراطه	
المستقيم۔	١٣٠-١٣٨
البلاغ الاخير للمسلمين المعاصرين	١٣٩-١٤١
البلاغ الاخير لقراء المسلمين و	
ملوكهم	١٤١-١٤٤
تمت	

ينبغی للقارئين ان يتدبروا هذه الافتتاحية اشد تدبر فانه قد لخصت فيها روحا من امره تعالی بقدر استطاعتی وحد وسعتی وبينت فيها ما الدين العلی الذی جاء به الانبياء من ربهم ولم اكد ابين فی الفهرس معشار المقالات التی جاءت فی معانی الكتاب الا الاقل القليل الذی يجوز للايضاح فينبغی للقارئ ان يطالعها ويخوض فی الفاظها الجلية والخفية اشد خوض لاستقراء المطالب والاستقصاء فی ما انزل الله علينا الفلاح فی الدنيا والاخرة - وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين ۞

فہرست مضامین تذکرہ

مجلد اوّل

جو مضامین کتاب کے متن میں وارد ہوئے ہیں اُن کو جلی قلم سے لکھا گیا ہے جو حواشی میں آئے ہیں اُن کا قلم مہین ہے ۔

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
۱- افتتاحیہ بزبانِ عربی		لفظ استخلاف کی تشریح	۹-۱۰	علم طبقات الارض کی تشریح	۲۷-۳۷
از صفحہ ۱ تا ۱۴۴		ڈارون کا نظریہ ارتقا	۱۱-۲۷	طبقات الارض کی تعمیر کے بواعث	۲۸
فہرست مضامین علیحدہ ہے		مسئلہ ارتقا کی تشریح	۱۱-۲۷	رکازات زمین کے وجود کی توجیہ	۲۸-۲۹
۲- دیباچہ		مسئلہ ارتقا اور معرفتِ خدا	۱۱	صحیفۂ فطرت کی کتاب سے مشابہت	۲۹
از صفحہ ۱ تا ۱۳۲		شق اول و دوم (مسئلہ تکوین و ترتیب کائنات)	۱۱	طبقات الارض کی تعمیر کے پانچ زمانے	۳۰
فہرست مضامین علیحدہ ہے		شق سوم (مسئلہ تنازع للبقا)	۱۲	القدیمۃ الاولیٰ کے رکازات	۳۰
۳- مقدمہ		شق چہارم (مسئلہ انتخاب طبیعی)	۱۳	القدیمۃ الاخریٰ کے رکازات	۳۰-۳۱
از صفحہ ۱ تا ۱۰۰		شق پنجم (مسئلہ تدریج تکوین)	۱۴	کوئلے کی کانوں کا ذکر قرآن حکیم میں	۳۰
مسلمانانِ عالم کا عالمگیر انحطاط	۱	ستۃ ایام کے یوم کی تشریح	۱۴-۱۶	الحیاۃ الوسطیٰ کے رکازات	۳۱-۳۴
انحطاط کے وجوہ	۲	نفس واحدۃ کی تشریح	۱۵-۱۶	صلاحیت بقا کی تشریح	۳۳-۳۴
عدم نظام عمل	۳	ارتقائے سنان کے متعلق قرآنی شہادت	۱۶	الجدیدۃ القصویٰ کے رکازات	۳۴
اسلام مدعی مذہب فطرت ہے	۴	شق ششم (مسئلہ اجتماع و استمرار)	۱۷	الجدیدۃ الادنیٰ کے رکازات	۳۵-۳۶
مسلمان ناقابلِ فنا اُمت ہیں	۴	شق ہفتم (مسئلہ بقائے اصلح)	۱۸	مسئلہ وحدت اصل نسل کی قرآنی شہادت	۳۶-۳۷
فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا کا مفہوم	۴	شق ہشتم (مسئلہ وحدت کائنات و وحدت حیات)	۱۹	ستۃ ایام کی تشریح	۳۷
اسلام ایک تعمیری فلسفہ ہے	۵	تشریح معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۲۰-۲۱	تمدن انسانی اور صلاحیت بقا	۳۴-۳۸
اسلام کی مسخ شدہ صورت	۶	حرکت زمین کے متعلق قرآنی شہادت	۲۱	مغربی عمران اور صلاحیت بقا	۳۵
قرآن حکیم کی حکمت ساطعہ نقاد کی نظر میں	۶	حرکت اجرام فلکی کے متعلق قرآنی شہادت	۲۲	ایمان اور اعمال صالحہ کی ماہیت	۳۵
ایمان کی ماہیت	۶	حرکت شمس کا انکشاف اور قرآنی شہادت	۲۳	آیۂ استخلاف کا صحیح مفہوم	۳۶-۳۷
ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ	۷	مسئلہ تعطل خدا کا ابطال از روئے قرآن	۲۳-۲۵	آیۂ استخلاف کا قرآنی پیش نہاد	۳۸-۳۹
آیۂ استخلاف کا میثاق ایزدی اور مسئلہ		مسئلہ ارتقا کی صحت پر کس کتاب کے مباحث کا انحصار نہیں	۲۵	وراثت زمین کا قرآنی پیش نہاد	۳۹
ارتقاء و بقائے اصلح	۸-۱۰	مسئلہ ارتقا کی علمی تصدیق	۲۶	اصبروا و صابروا و رابطوا کے مفہوم کی پہلی شق (صبر)	۳۹
مسئلہ ارتقا کے مخترع اور مبتدع	۸	مسئلہ انتخاب طبیعی پر حملہ	۲۷	صلح کی قرآنی تعریف کی ایک جملک	۴۰

مضامین	صفحہ
اسلام قرن اوّل میں صرف ایک جمہوریت اور اخوت تھا۔	۷۶
جو قومیں اس قرن اوّل کے اسلام کے کسی حصے پر چل رہی ہیں وہ آج بھی امن پا رہی ہیں	۷۷-۷۸
اسلام کا صراط مستقیم۔	۷۸
نسل انسانی کی اُمتوں کی سفلی مخلوق کی اُمتوں سے مماثلت اور صراط مستقیم کا صحیح مفہوم۔	۷۸
انسان خود کیا ہے اور خدا اس سے کیا چاہتا ہے	۷۹
ملائک کی انسان سے عداوت کا مفہوم	۸۰
ملائک کے سجود کا مفہوم۔	۸۰
شیطان کی انسان سے برگشتگی۔	۸۰
معرفت نفس کی پہلی منزل اور عرب قوم پر اسکا اثر	۸۰
شرعی علما کا اسلام کی حقیقت کو مسخ کر دینا۔	۸۱
فتح قسطنطنیہ کے وقت یونانیوں اور رومیوں کا باہمی نفاق۔	۸۱
اسلام جبتک اسلام رہا اسکے متعلق سب الٰہی وعدے پورے ہوتے رہے۔	۸۲
قرن اول کے بعد جو کچھ اسلام میں داخل ہوا بدعت اور کفر محض ہے۔	۸۲-۸۳
الفاظ اور عقائد، اقوال اور کلمات کچھ شئے نہیں۔	۸۳
عقیدہ فی نفسہ کچھ شئے نہیں جبتک اُس عقیدے پر عمل نہیں۔	۸۴
حاکم شہر کی ملازمت اختیار کرنیکی مثال اور اُسکا اسلوب۔	
جو شخص عامل ہو اسکو کوئی عقیدہ لفظاً ادا کرنے کی ضرورت نہیں	۸۵
صرف عقائد کو درست کرنے سے اسلام کی حالت بہتر نہیں ہو سکتی۔	۸۵
مصنف کا عندیہ اس کتاب کو پہیلی یا بوجھارت بنانے کا نہیں۔	۸۶
عربی افتتاحیہ میں اسلام کی ماہیت کی پوری تشریح کر دی گئی ہے۔	۸۶
اُن دس عظیم الشان اصول کا ذکر جو اسلام کی بنیاد ہے۔	۸۶
اسلام عمل اور صرف عمل ہے۔	۸۷
دیباچے میں اسلام کی ماہیت کو مجمل طور پر کھول دینا پیش نظر ہے۔	۸۷
قرآن کی توحید کیا ہے؟	۸۸
جو شخص چوبیس گھنٹے پیہم قلوب کی بت شکنی کر رہا ہے وہ چوبیس گھنٹوں تک موحد ہے	۸۸
مشرک، منکر، کافر، خدا کا صحیح مفہوم	۸۸
عبادت خدا کیا ہے؟	۸۹

مضامین	صفحہ
الصلوٰۃ صرف خدا کے حضور میں سلام ہے مگر عبادت خدا قطعاً نہیں۔	۸۹
عبادت صرف تعمیل احکام خدا ہے اور وہ ہر وقت سے بے نیاز ہے۔	۸۹
ہر وقت مصلے پر بیٹھے رہنا صرف کوئی عمل نہیں بلکہ محض عبادت ہے	۸۹
شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ کے معانی	۹۰
رہبانیت اسلام میں ممنوع ہے۔	۹۰
حاشیہ: ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ کے معانی اور رَهْبَانِيَّةً کا مفہوم	۹۰-۹۱
تعمیل احکام کے بدون نماز پڑھنا بے معنی ہے۔	۹۱
نماز کس حالت میں خدا کے نزدیک پسند ہے	۹۰-۹۱
عبادت خدا نماز کے بعد سے شروع ہوتی ہے	۹۱
عبادت کے اعمال اور اسلام کے دس عظیم الشان اصول	۹۱-۹۲
توحید کا صحیح مفہوم اور اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ کے معانی	۹۲
تمام دن اعتکاف کرتے رہنا کوئی عمل نہیں اور نہ اسکی خدا کے نزدیک کوئی اجرت ہے۔	۹۲
نماز کا اصل مقصود وحدت کا پیدا کرنا ہے۔	۹۳
نماز اُس وقت صحیح معنوں میں الصلوٰۃ ہے جب اس سے وحدت اُمت اور اطاعت امیر پیدا ہو	۹۳
تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ کا اصلی مفہوم	۹۳
الصلوٰۃ کا نتیجہ وسعت قلب اور سماحت، مصالحۃ بین الناس اور اتحاد ہے	۹۴
زکوٰۃ صرف ایک منظم اور مرتب، قوت اندوز اور غلبہ پسند جہاد مال ہے۔	۹۴-۹۶
حج کا اسلامی شعار صرف وحدت اُمت کا ایک مظاہرہ ہے	۹۶-۹۷
صوم صرف جہاد نفس ہے۔	۹۸
صوم، صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ اور کلمہ شہادت اگر ارکان اسلام ہیں تو صرف انہی معنوں میں ہیں	۹۸
اصل دین صرف توحید ہے۔	۹۸
عبادت اُسی کی ہو رہی ہے جسکے لیے عمل ہو رہا ہے	۹۸
اولاد، ازواج، پیر، ملی یا انگریزی کی عبادت کا مفہوم	۹۸-۹۹
اسکا عابد بننے کیلیے اُسکے سامنے رسمی سجدہ کرنا کچھ ضروری نہیں	۹۹
پتھر کے آگے ماتھا ٹیکنا ایک لغو حرکت ہے مگر اسکے آگے سجدہ کر کے بھی لا عابد خدا ہو سکتا ہے۔	۹۹
ظاہری عمل خدا کے نزدیک کچھ شئے نہیں۔	۱۰۰
عبادت خدا کا واحد منتہائے نظر وراثت زمین اور تمکن فی الارض ہے۔	
عبادت کا قرآنی مفہوم	۱۰۲
وراثت زمین نرے سجود و رکوع اور نماز سے حاصل نہیں ہو سکتی	۱۰۳
شیطان کی حقیقت اور اسکی متعدد شخصیت۔	۱۰۳
شیطان کا زمین پر موجود ہونا انسان کیلیے ایک ابتلائے عظیم ہے	۱۰۳
شیطان کے انسانی اغوا کی صحیح کیفیت	۱۰۴
خدا کے شیطانی طاقت کو پیدا کر کے انسان کو	

مضامین	صفحہ
ابتلائے عظیم میں ڈالنے کی غرض و غایت	۱۰۵
ولایت کا مقام تمنا ہو کے بدون حاصل نہیں ہو سکتا	۱۰۵
خدا کی امتحان طلبی اور اسکا کمال کار	۱۰۵
فجور اور تقویٰ کی الہام کی انسانی فطرت میں ودیعت اور انسان کیلیے ایک ابتلائے عظیم کی تمہید	
عباد شیطان کے متعلق خدا کا انسانی فطرت سے معنوی عہد	۱۰۷
توحید انسانی فطرت میں مخمر ہے	۱۰۷
توحید کا فطرت انسانی ہونا خدا کی مشیت ہے	۱۰۸
توحید پر تمام نسل انسانی مجبول بلکہ مجبور ہے	۱۰۸-۱۰۹
جہاں قوت اور سند ہے وہاں توحید ہے۔	۱۰۹
وہیں محمد پر سچا ایمان ہے۔	۱۰۹
جہاں غضب خدا ہے وہیں شرک ہے۔	۱۰۹
خدا کو امت محمدیہ کے ہلاک کرنیمیں کچھ عار نہیں	۱۱۰
توحید کا عمل فی الحقیقت آیۃ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى کے اصل اصول کے مترادف ہے۔	۱۱۱
کفر کیا شئے ہے؟	۱۱۱
جو قوم بے نتیجہ اعمال کر رہی ہے وہ خدا کے نزدیک کافر ہے	۱۱۱
کفر اس دنیا میں نامراد ہونے کے مترادف ہے	۱۱۲
کافر قوم کی زندگی چارپایوں کی زندگی ہے۔	۱۱۲
مومن کو ہر نوع اور ہر حال فتح نصیب ہے۔	۱۱۳
زرتشت علیہ الرحمۃ کا یزدان کے بالمقابل اہرمن کی قوت کو تسلیم کرنے کا صحیح مفہوم۔	۱۱۳
اُسکی تعلیم بھی توحید کی تعلیم ہی تھی۔	۱۱۳
توحید کے اصل اصول پر ہی زمین و آسمان کا یہ کارگاہ عظیم قائم ہے	
اسلام کا ایک اُمت سے دوسری امت میں چلا جانا کچھ مستبعد نہیں	
جو قوم توحید کو نبا رہی ہے اُسکو اس دنیا میں امن اور آخرت میں بھی امن ہے۔	۱۱۵
ابراہیم علیہ السلام کی توحید کا صحیح کیف	۱۱۵
شرک کا پہلا عمل تفرقہ ہے۔	۱۱۶
شرک ظلم عظیم کیونکر ہے۔	۱۱۶
دلوں کا سچا اتحاد صرف توحید سے پیدا ہو سکتا ہے	۱۱۷
حاشیہ: قولی توحید خدا کے نزدیک کچھ شئے نہیں۔	۱۱۸
پتھروں کی پرستش یا اعتقادی بت پرستی کوئی بت پرستی نہیں بلکہ حقیقی خدا پرستی ہی کوئی خدا پرستی نہیں	۱۱۸
محکمہ قضا و قدر صرف اقوام کے اعمال کو دیکھتا ہے اقوال کو ہرگز نہیں دیکھتا۔	۱۱۸
خدا کی شان ظلم و استبداد سے قطعاً بری ہے۔	۱۱۹
اصلی بت پرستی لذات و اہوا کی پرستش ہے	۱۱۹
پتھر کے بتوں کو توڑنا لذات و اہوا کے بتوں کو توڑنے سے بدرجہا آسان تر ہے۔	۱۱۹
حیوٰۃ دنیا کی تشریح	۱۲۰
حیوٰۃ دنیا میں مشرقی رہنماؤں کی تنگ نظری	۱۲۱

مضامین	صفحہ
حیوٰۃ دنیا سے نفرت دراصل وراثت زمین کی نعمت کو ہاتھ سے کھونے کیلیے ہے۔	۱۲۱
فردوس دنیا کا برباد ہونا۔	۱۲۱
حیوٰۃ دنیا اور فلسفہ رہبانیت	
فرد صوفیا کا خدا کی محبت کے بارے میں غلط اور شرمناک تخیل	۱۲۲
قرون اولیٰ کی توحید کا صحیح کیف حال۔	
پتھر کے بتوں والی توحید کوئی توحید نہیں۔	۱۲۴
لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا کا صحیح مفہوم۔	۱۲۴
توحید کا پہلا عمل اتحاد امت ہے۔	۱۲۵
موحد قوم میں نظم و نسق کا پیدا ہو جانا اٹل ہے	۱۲۵
موحد قوم میں اطاعت امیر ہونا کچھ مشکل نہیں۔	۱۲۵
اسمیں جہاد بالسیف اٹل ہے۔	۱۲۵
جہاد بالمال کا ہونا توحید کیطرف ایک قدم ہے۔	۱۲۵
حاشیہ: شرک کا قرون اولیٰ میں مفہوم جا کر کیا سمجھا جاتا تھا۔	۱۲۵
موحد قوم میں ہجرت وطن کا عمل موجود ہونا اٹل ہے	۱۲۶
استقامت فی السعی ایمان بالآخرۃ اور علم کا موجود ہونا ناگزیر ہے۔	۱۲۶
اسلام کا عشرہ مبشرہ۔	۱۲۶
یہی عشرہ مبشرہ دین فطرت اور فطرت انسانی ہے	۱۲۸
وہ دین ہے جسکے کسی حصے پر سفلی مخلوق بھی چل رہی ہے	۱۲۷
اسی دین حنیف سے انحراف اقوام عالم کی ہلاکت کا باعث ہے۔	۱۲۸
ظالم، متقی، مومن، کافر، فاسق، عابد، صالح اقوام کی قرآنی تعریف۔	۱۲۸
اسی عشرہ مبشرہ پر قرآن حکیم میں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے الفاظ کا اطلاق ہے۔	۱۲۸
انہی اصول کی تعمیل پر تقاضائے خدا کا انحصار ہے	۱۲۸
انہی کی تعمیل صراط مستقیم پر چلنے کی قرآنی تعریف ہے	۱۲۸
انہی سے ہٹنا شرک ہے۔	۱۲۸
مذہب اسلام کی حقیقت پر آخری محاکمہ۔	۱۲۹
مغربی اقوام کا اس عشرہ مبشرہ پر معنوی عمل اور مسلمانان عالم کا اس سے یکسر اعراض۔	۱۲۹
خلافت اسلامی کا منصب صرف ایک مقصود عمل ہے	۱۲۹
دیباچہ لکھنے اور اسلام کی ماہیت کو پیش از وقت ظاہر کرنے کے بواعث۔	
مصنف کا اسلام کی ماہیت کے متعلق کسی مجتہد و تحقیق میں پڑنے سے انکار اور ہر معترض کو خاموشی میں جواب دینے کا اعلان۔	۱۳۲
کتاب کے حقائق عالیہ کیطرف مسلمانان عالم کا بالآخر اگر لا حاصل رجوع اور مسلمانان اسلام کی ہلاکت کا اعلان	۱۳۳

تمت

مضامین	صفحہ
خدا کی عینی شہادت کا حصول	۱۰۱
صحیفۂ فطرت کا مشاہدہ اور معرفت خدا	۱۰۲
مشاہدۂ فطرت ایمان ہے	۱۰۳
لرزش قلب کا موجود ہونا ایمان ہے	۱۰۳
ملازمت خدا کی عملی شہادت قرون اولیٰ میں	۱۰۴
تعلقات دنیوی کا انقطاع ایمان ہے	۱۰۴
عبودیت خدا کی شہادت قرون اولیٰ میں	۱۰۵
شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ کی تشریح	۱۰۵
عبادۃ کا الٰہی مفہوم	۱۰۵-۱۱۳
قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی استعداد قبولی	۱۰۹-۱۱۶
سجود کا قرآنی مفہوم	۱۰۷
رکوع کا قرآنی مفہوم	۱۰۷-۱۰۸
عبادۃ کا قرآنی مفہوم اور قرآن کی لغت سے	
بے نیازی کی مثال	۱۰۸
بنی اسرائیل کی فرعونی عبادۃ کی تشریح	۱۰۹
مختلف مذاہب میں عبادت کے مسخ شدہ طریقے	۱۱۰-۱۱۱
اسلامی نماز کی اصلیت رفتہ رفتہ مسخ ہو رہی ہے	۱۱۱
اسلام میں تسبیح کا غلط استعمال	۱۱۲
اِيَّاكَ نَعْبُدُ کی تشریح	۱۱۲
مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ کی تشریح	۱۱۳
سچے مومنوں کی قرآنی تعریف	۱۱۴
قولی ایمان از روئے قرآن محض کچھ شے نہیں	۱۱۴
ایمان کے لایغک لازمات کے متعلق	
الٰہی ارشاد	۱۱۵
جنت اور اَلْجَنَّةَ میں فرق، جنت کا الٰہی مفہوم	۱۱۵-۱۱۶
قرون اولیٰ کے ایمان کا صحیح نصب العین	۱۱۶-۱۲۲
ایمان کا شدت حب سے تراوف	۱۱۷
ایمان اور ترک ماسوا	۱۱۷
صادق اور صدقہ کی تشریح۔	۱۱۷
عبادت اطاعت احکام الٰہی ہی ہے۔	۱۱۸
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ	

مضامین	صفحہ
کی تشریح	۱۱۸
شرک کی ابتدائی شرح	۱۱۹
لفظ حق کی ابتدائی تشریح	۱۱۹
مَغْفِرَة کا صحیح مفہوم	۱۱۹
شرک کن معنوں میں ناقابل عفو گناہ ہے	۱۱۹
اَلْجَنَّة کے حصول کے متعلق قرآنی ارشاد	۱۲۰
تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ کا صحیح مفہوم	۱۲۰-۱۲۲
غزوۂ احد کا ذکر	۱۲۱
مومن، شُهَدَآء، ظالم اور کافر کی تشریح	۱۲۱
قربانی جان و مال کے الٰہی ارشاد کی لم	۱۲۲-۱۲۵
اٰيَة اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا صحیح مفہوم	۱۲۳-۱۳۴
مُصِيْبَة کا قرآنی مفہوم	۱۲۳-۱۲۶
مُصِيْبَة، اعمال بد کی سزا ہے	۱۲۴-۱۲۶
تشریح سَيِّئَة اور حَسَنَة	۱۲۶-۱۳۲
كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ اور مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ	
اور عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ، کا مفہوم	۱۲۸
حسن عمل کا الٰہی مفہوم	۱۳۰
اَلْحَسَنَة کا بلند معیار از روئے قرآن	۱۳۱
نُكَفِّرْ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ کا صحیح مفہوم	۱۳۱
صَلٰوت کے مفہوم کی تشریح	۱۳۲
نبی کریم پر درود بھیجنے کا صحیح مفہوم	۱۳۲
منافقین عرب پر درود بھیجنے کا الٰہی مفہوم	۱۳۳
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے مطالب	۱۳۴
نماز کے التحیات کے مطالب	۱۳۴
اَلْخَيْرٰت کی قرآنی اصطلاح کا صحیح مفہوم	۱۳۴-۱۳۶
قَرْضًا حَسَنًا کا الٰہی مفہوم	۱۳۷-۱۳۸
شُكْر کے صحیح معانی	۱۳۸
کیا زکوٰۃ صرف ایک مذہبی رسم تھی؟	۱۳۹-۱۴۰
ایمان کی اہم قرآنی شرائط	۱۴۰
ایمان کی تخصیص کسی مذہب سے نہیں	۱۴۰
قربانی مال و جان کی الٰہی اغراض	۱۴۱-۱۴۲

مضامین	صفحہ
اتقا کے الٰہی مفہوم کی اہم شق استقلال اور اکتساب	۱۴۲
ایمان کا اصل نتیجہ زمین میں تمکن ہے	۱۴۳
اَلْقَوْلِ الثَّابِت کا صحیح مفہوم	۱۴۳-۱۴۴
يُثَبِّتُ اللّٰهُ کا قرآنی مفہوم	۱۴۴
کیفیت اتقا	۱۴۵-۱۶۳
اتقا کا الٰہی مفہوم اتحاد امت اور اعتصام	
بِحَبْلِ اللّٰهِ ہے۔	۱۴۵
اعتصام بِحَبْلِ اللّٰهِ کے معانی	۱۴۶
اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ کا صحیح مفہوم	۱۴۶
اَلْمَعْرُوْف اور اَلْمُنْكَر کی قرآنی مصطلحات	
کی تشریح۔	۱۴۶-۱۵۱
قرآنی مصطلحات کی شرح میں لغت کا بے اتفاقی	
گمراہ کن ہونا۔	۱۵۱
اتقا کا نتیجہ از روئے قرآن دنیاوی امتیاز	
اور تمکن ہے۔	۱۵۲-۱۵۳
يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا کی تشریح	۱۵۲
فَضْل کے قرآنی معانی	۱۵۲
کفر اور اتقا کا مقابلہ از روئے قرآن	۱۵۳
تقوے کا غلط مروج مفہوم	۱۵۴-۱۵۵
اتقا کے تشریح شدہ مطالب کی فہرست	۱۵۴
متقی قوم کی دنیا اور آخرت دونوں از روئے	
قرآن درست ہیں۔	۱۵۵-۱۵۹
وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَة کی تشریح اور اس کا	
غلط مروج مفہوم	۱۵۶-۱۵۷
پیر پرستی کے خلاف قرآنی شہادت	۱۵۶-۱۵۷
متقی قوم کی دنیاوی حالت کیونکر درست ہو	۱۵۸
اُولٰٓئِكَ اَوْلِيَآءُ اللّٰهِ کی تشریح اور کون اشخاص اس	
خطاب کے مصداق ہیں۔	۱۵۸
متقی قوم کے لیے روئے زمین کی بادشاہت	
وقف ہے۔	۱۵۹
تقویٰ اور توحید کا عملی مفہوم قرون اولیٰ میں	۱۶۰-۱۶۳

مضامین	صفحہ
آیۂ استخلاف کا سیاسی مفہوم	۴۱
آیۂ استخلاف کا شان نزول	۴۲
آیۂ استخلاف ایک مشروط میثاق ہے	۴۳
قرآن حکیم کی تعلیم کا عرب امت پر اثر	۴۴
ایمان اور اعمال صالحہ کا ابتدائی مفہوم	۴۵
مسلمانانِ عالم کے زوال کی وجوہات	۴۵-۴۶
قرآنی مطالب کی توضیح کے متعلق اہل عرب کی ذمہ داری	۴۶
قرآن حکیم کی مروجہ سطحی تعظیم اور تعلیم	۴۷
قرآن حکیم کے مطالعے میں فنون ادبیہ کا التزام	۴۷
فنون ادبیہ کے اختراع کی تاریخ	۴۷
یونانی فلسفے کا قرآن سے تصادم	۴۸-۶۱
یونانی فلسفے کے مضر اثرات	۴۸-۵۲
اتقا کے معانی کی پہلی شق (وحدت امت)	۴۹
آیۂ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ کی تشریح	۵۲
قرآن کی تعظیم کا صحیح معیار	۵۲
قرآن کی حکمت کاملہ کے متعلق دعاوی	۵۳-۵۵
قرآن کے کامل ہونے کے متعلق دعاوی	۵۶
قرآن کا دعوے کتاب مبین ہونا ہے	۵۷
قرآن کے آسان ہونے کا دعوے	۵۷
مجسمہ بصائر ہونے کا دعوے	۵۷
پیکر علم ہونے کا دعوے	۵۸
تدبر کے متحمل ہونے کا دعوے	۵۸
علم کی ابتدائی تعریف	۵۸
قرآن میں اجتہاد کرنیکے اصل اصول	۵۹
علم اسرار الدین	۵۹
مسلمانوں کی ناقدر شناسی قرآن اور انکا موجودہ فلسفہ	۶۰
اَلْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ کی تشریح	۶۰-۶۲
عرب تخیل کا قرآن سے تصادم	۶۱-۱۰۰
مطالب قرآن پر عرب توہمات کا اثر	۶۱-۶۴
عرب شاعری کا اثر	۶۳-۶۴
معلقات، مجمہرات اور مفتقیات السبع کی تشریح	۶۳

مضامین	صفحہ
قرآن شعر نہیں	۶۴
قرآن کی واحد فضیلت علم ہے فصاحت نہیں	۶۴-۶۶
قرآن کو عربی زبان میں نازل کرنے کی قرآنی وجوہات	۶۶
عرب نفاق آرائی کا قرآنی مطالب پر اثر	۶۶-۷۷
قرآن اپنی صداقت کے باعث خود بخود بلیغ ہے	۶۷
عربی النسل اقوام کی ہلاکت کے بواعث	۶۸
قرن اول کا قرآن پر عمل	۶۹
قرون اولیٰ کی اسلامی فتوحات کا اندازہ ایک مورخ کے قلم سے۔	۶۹
قرآن پر تدبر کرنے کی ابتدائی تاریخ	۷۰
آیات قرآنی کی ترتیب کی تاریخ	۷۰
کن معانی میں قرآن کا مثیل پیدا کرنا محال ہے	۷۱
قرآن کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھنے کی غرض و غایت	۷۲
جن احادیث کے متعلق عرب کی خوش اعتقادی	۷۳
عرب فرقہ بندی کی وجوہات	۷۴
عرب توہمات اور فرقہ بندی	۷۴-۷۷
عرب کیوں وراثت زمین سے محروم کر دیئے گئے	۷۷-۷۹
اتقا کا الٰہی مفہوم (اتحاد)	۷۹
عرب نفاق کا اسلامی جماعت پر اثر	۸۰-۸۱
ظلم اور فسق کی قرآنی مصطلحات	۸۱
پیغمبران جہان کی تبشیر و تنذیر کی نوعیت	۸۱
دین اسلام پر عرب تخیل اور یونانی فلسفے کے مضر اثرات۔	۸۲-۸۶
دین اسلام میں ظنیات کا حلول	۸۲-۸۵
علم کی قرآنی تعریف	۸۳-۸۴
بیکن کا مسند استقرا اور تعریف علم	۸۳
علم آخرت کے متعلق قرآنی ارشاد	۸۴
سبع اسابیع کی تشریح	۸۵
اہل عرب کی ہلاکت کے بواعث	۸۶
دین اسلام کی غلط اشاعت میں اہل عرب کی ذمہ داری	۸۶
وارثین زمین کی قرآنی تعریف	۸۷

مضامین	صفحہ
علم اور ظن کا قرآنی تقابل	۸۷
صاحب علم قوم کا دنیوی اور اخروی اجر	۸۷
رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ کی تشریح	۸۷
علم کا حاصل کرنا صلاح عمل ہے	۸۷
حیوٰۃ دنیا کی تعریف از روئے قرآن	۸۷
کلام الٰہی کے متعلق مفسرین کی غلط بینیاں	۸۸-۹۶
قرآن شعر و فصاحت کا منکر ہے	۸۸
تورات کا مُسْتَبِیْن ہونا	۸۹
قرآن ہدایت اور صرف ہدایت کا مدعی ہے	۸۹
تورات، انجیل اور قرآن کے بارے میں الٰہی ارشادات	۸۹-۹۰
عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ کی تشریح	۹۱
قرآن لغت اور حدیث سے بے نیاز ہے	۹۱
قرآن کے لغت سے بے نیاز ہونے کا مفہوم	۹۱-۹۲
قرآن [illegible] میں محفوظ ہے	[illegible]
حسبنا اللہ [illegible]	۹۲
قرآن کے مفصل [illegible] الٰہی ارشاد	۹۳
علم کا تتبع کرنا سبیل خدا [illegible]	۹۳
قرآن کی کفایت کے متعلق الٰہی ارشاد	۹۴
قرآن کی فضیلت علم ہے۔	۹۴
قرآن کا معجزات کی فرمائش کو مسترد کرنا اور علم کا مدعی ہونا	۹۴-۹۵
سبیل خدا کا مفہوم تحصیل علم ہے	۹۵
عوام کی نظروں میں قرآن کی تعلیم و تعظیم کا معیار	۹۶-۹۸
ایک استخارہ قرآنیہ کی حقیقت کا پول	۹۷-۹۸
تکذیب آیات کا ابتدائی مفہوم	۹۸
دین اسلام کی مسخ حقیقت کا تیسرا باعث	۹۹
کتاب کے آیندہ مضامین کی تقسیم	۹۹-۱۰۰
فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا کی تشریح	۱۰۰

۴ تکیف ایمان و منتہائے اسلام

از صفحہ ۱۰۱ تا ۱۹۵	
قرون اولیٰ کے ایمان کا کیف	۱۰۱-۱۱۶

مضامین	صفحہ
مشیئت خدا اور منشائے خدا میں فرق	۱۹۳
تفرقے کا باعث خود انسان ہے خدا نہیں	۱۹۳
وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً کی تشریح	۱۹۴
وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ کی تشریح۔	۱۹۵-۱۹۶
تمکن اسلام و نقش توحید	۱۹۶-۲۰۲
توحید کا عملی منظر اور دعوتِ اتحاد	۱۹۶-۱۹۷
توحید کی قوت اور نافعیت	۱۹۷-۱۹۸
اَلْاِسْلَامُ کی حقیقت	۱۹۷
توحید کی نافعیت کی تشریح	۱۹۸
توحید کا پیدا کیا ہوا اخلاق	۱۹۸-۲۰۲
اتقائے خدا کا پیدا کیا ہوا ایفائے عہد	۱۹۸
ایفائے عہد کی اسلام میں اہمیت	۱۹۸-۱۹۹
قرآن حکیم کے احکام کی گرانقدر حکمت اور آیہ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کی تشریح	۱۹۹-۲۰۰
توحید کا پیدا کیا ہوا عجز و انکسار قرون اولیٰ میں۔	۲۰۰-۲۰۱
إِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا کی ایک مستحسن تشریح	۲۰۰-۲۰۱
علوِ اخلاق اور شہادت خدا قرون اولیٰ میں۔	۲۰۲
اتقائے خدا کے عملی منظر کی ایک آٹھویں صدی ہجری کی مثال	۲۰۲
۵۔ حکمت عبادات	۲۰۳-۲۷۰
نقش توحید علوِ اخلاق اور اتقائے خدا کا تبلیغی اثر صدر اسلام میں۔	۲۰۳
دین اسلام کی ادعائی اور دعوتی حیثیتیں	۲۰۳-۲۰۴
دین اسلام کے عالمگیر جماعت پیدا کرنیکا دعویٰ	۲۰۴
قوت اور تمکن پیدا کرنیکے وسائل	۲۰۴

مضامین	صفحہ
اسلام کا ہر امر و نہی قوت پیدا کرنے اور بنی نوع انسان کو اپنے میں جذب کر لینے کا جہاد ہے۔	۲۰۵
حکمت الصلوٰۃ	۲۰۵-۲۷۰
الصلوٰۃ کی ماہیت	۲۰۵
الصلوٰۃ سے مقصود خارجی نظم و نسق پیدا کرنا ہی ہے۔	۲۰۶
الصلوٰۃ اور اطاعت امیر	۲۰۶
الصلوٰۃ اور مساوات	۲۰۶
الصلوٰۃ اور انہا عن الفحشاء والمنکر	۲۰۶
الصلوٰۃ اور اطاعت امام کی غرض و غایت	۲۰۶
مساجد خدا کے اندر موجودہ بدنظمی	۲۰۶
الفحشاء کا الٰہی مفہوم	۲۰۶-۲۰۹
نماز میں خدا کے حضور میں نمازی کی واحد گذارش	۲۰۷-۲۱۰
الفحشاء کے مفہوم کی پانچ شقیں	۲۰۹
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا صحیح مفہوم	۲۱۰-۲۲۴
الهدیٰ اور دین الحق کے الفاظ کی الصراط المستقیم سے مناسبت	۲۱۰
نعمت کا الٰہی مفہوم از روئے قرآن اور اسکی صحیح تشریح۔	۲۱۰-۲۲۴
المغضوب علیہم اور الضالین کا غلط مروج مفہوم	۲۱۰
الصراط اور انعمت علیہم کا مروج مفہوم	۲۱۰-۲۱۱
بال سے باریک اور تلوار سے تیز راہ کا فلسفیانہ مفہوم	۲۱۱
صراط مستقیم پر چلنے کا مفہوم قسط و اعتدال پر رہنا ہے	۲۱۱
نعمت کا مفہوم از روئے قرآن سراسر دنیاوی ہے۔	۲۱۲

مضامین	صفحہ
نعمت کا لفظ دنیاوی نعمتوں کے معنوں میں	۲۱۲-۲۱۳
نعمت کا لفظ انسانی ناقدر شناسی کے بیان کے ضمن میں	۲۱۳-۲۱۴
نعمت کا لفظ تذکیر آلاء اللہ کے ضمن میں۔	۲۱۴-۲۱۵
نعمت کا لفظ بنی اسرائیل سے خطاب کے ضمن میں۔	۲۱۵-۲۱۶
نعمت کا لفظ قرون اولیٰ کے مسلمانوں سے خطاب کے ضمن میں	۲۱۶-۲۱۸
نعمت کا لفظ توفیق عمل کے معنوں میں	۲۱۹-۲۲۰
انبیائے کرام کے بارے میں أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کے الفاظ کا صحیح مفہوم	۲۲۱-۲۲۲
نعمت کے الٰہی مفہوم کی فہرست	۲۲۲
المغضوب علیہم کی تشریح	۲۲۳
الضالین کی شرح اور ضلال کا صحیح مفہوم	۲۲۳
صراط مستقیم	۲۲۴-۲۴۶
صراط مستقیم کی دعا میں حصول نعمت کے لیے اضطراب	۲۲۴-۲۲۶
صراط مستقیم کے الفاظ میں اختصار راہ کا مفہوم	۲۲۴
صراط مستقیم اور خط مستقیم میں مماثلت	۲۲۴-۲۲۵
يَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا کا صحیح مفہوم	۲۲۵
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی دعا اجتماعی دعا ہے انفرادی نہیں۔	۲۲۵
نماز کے اندر متکلم کی واحد اور جمع کی ضمیریں	۲۲۵
صراط مستقیم کا الٰہی مفہوم از روئے قرآن۔	۲۲۶-۲۴۶
صراط مستقیم کے مفہوم کی پہلی شق اتحاد ہے	۲۲۶

مضامین	صفحہ
مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ کی تشریح	۱۶۱
دِیْن کے معانی	۱۶۱
لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ اور فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ يَوْمَ الدِّيْنِ کا صحیح مفہوم۔	۱۶۱
اتقا کا نتیجہ پیش بندی اور حفظ نفس ہے	۱۶۲
لِغَدٍ کا صحیح مفہوم۔	۱۶۲
اتقائے خدا کا نتیجہ دشمن کو مرعوب اور مغلوب کرنا ہے۔	۱۶۳
کافر قوم کی خصوصیات۔	۱۶۳
صاحب ایمان قوم کا دشمن پر غالب رہنا اٹل ہے۔	۱۶۳-۱۶۶
کفر اور ایمان کے انتہائی درجے	۱۶۴
دنیاوی تمکن کا ایمان والوں کے شامل حال ہونا اٹل ہے	۱۶۵
مظفر و منصور ہونا صرف پیغمبروں سے مخصوص نہیں	۱۶۵
صاحب ایمان قوم پر ملائکہ کا نزول	۱۶۵
ایمان اور اتقا آپس میں توأم ہیں	۱۶۶
ایمان کی طاقت قرون اولیٰ میں اور ایمانی الوں کا دنیاوی تمکن اور عروج۔	۱۶۶-۱۶۸
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مفہوم کی پہلی شق	۱۶۸
سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ کے صحیح مطالب۔	۱۶۸
اطاعت رسولؐ	۱۶۹-۱۷۲
اطاعت رسول کی کیفیت قرون اولیٰ میں اور تحویل قبلہ کا حکم۔	۱۶۹
اطاعت رسول از روئے قرآن ایمان کی ایک اہم شق تھی۔	۱۷۰
اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کا صحیح مفہوم قرون اولیٰ میں اور اسکا اطلاق زمانہ حال میں۔	۱۷۰-۱۷۱
رسول خدا کی وفات کے بعد اطاعت رسول کا مفہوم	۱۷۱
امت اسلام کیلئے ایک امیر کی ضرورت۔	۱۷۱
اطاعت خدا اور اطاعت رسول کا ترادف قرون اولیٰ میں	۱۷۱
ظُلْم کی قرآنی اصطلاح یعنی عصیان میسر	۱۷۲
اتقائے خدا اور اطاعت امیر	۱۷۲
صحیح توحید کا نتیجہ استحکام جماعت ہے۔	۱۷۳
قربانی مال و جان اور اطاعت امیر کی غرض غایت تقویت قوم تھی۔	۱۷۳
تقویت قوم کا منتہائے نظر تھا۔	۱۷۴-۱۷۵
انسان کیلئے وحی کی ضرورت۔	۱۷۴
کتاب وحی کا مآل حفظ نفس کے اصول پیش کرنا تھا۔	۱۷۵-۱۷۶
قرآن کے نازل ہونے کا مآل امت کے حفظ نفس کے اصول سکھلانا ہے۔	۱۷۶
ظلمت جہل سے نور علم کیطرف نکالنا ہے	۱۷۶
اَلظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ کی تشریح۔	۱۷۶
اتقا اور تسلیم خدا کا مآل امت کو دنیا میں بے خوف و خطر کر دینا ہے۔	۱۷۷
اِسْلَام اور اِحْسَان کی قرآنی مصطلحات کی توضیح۔	۱۷۷
اسلام کے سب اوامر و نواہی کا منتہا سیاسی اور اجتماعی غلبہ تھا	۱۷۸-۱۸۲
حفظ نفس از روئے قرآن نعمت خدا ہے۔	۱۷۸
اتحاد، اطاعت اور اتقا لازمہ ایمان ہیں	۱۷۹
اَعْلَوْنَ بننا رضائے خدا کی علامت ہے	۱۷۹
تاسیس بیت المال کی حکمت۔	۱۸۰
ایثار مال کا مصدق ایمان، محرک عشق اور مطلوب قلب ہونا۔	۱۸۰-۱۸۱
ایثار مال کے انسان کی اجتماعی بہتری کے لیے ہونے کی قرآنی شہادت۔	۱۸۱
رسول خدا کے مبعوث ہونے کی واحد غرض غایت۔	۱۸۲
جَنَّت کی قرآنی اصطلاح کا اُخروی جنت اور دنیاوی بادشاہت دونوں پر اطلاق۔	۱۸۲
ایمان کے لازمات کی فہرست۔	۱۸۲-۱۸۳
ایمان کی ساٹھ شاخیں۔	۱۸۳
اَلْهُدٰى اور دِيْنِ الْحَقِّ کی تشریح۔	۱۸۳
شاہ محمد تغلق کے سکوں پر کلمے۔	۱۸۳
اسلام کا منتہائے حیدر از روئے قرآن	۱۸۴
دنیا میں غالب بنکر رہنا ہے۔	۱۸۴-۱۸۵
سیاسی تمکن کے منتہائے وحید ہونے کی قرآنی شہادتیں	۱۸۴
رؤیا کی حقیقت۔	۱۸۴
غلبۂ اسلام و اتحادِ عالم	۱۸۵-۱۹۵
اسلام کے سیاسی تمکن اور غلبے میں نبی نوع انسان کا اتحاد مضمر تھا۔	۱۸۵-۱۸۶
دین اسلام کی دعوت اتحاد کی پہلی شرک اساس توحید ہے۔	۱۸۶-۱۸۷
تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ کی تشریح۔	۱۸۶
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی توضیح۔	۱۸۶
عِبَادَةٌ کا صحیح مفہوم، توحید کا عملی مفہوم اور شرک دوسری مشترک اساس سب انبیاء کو بلا تفریق منجانب اللہ ماننا ہے۔	۱۸۶
	۱۸۶-۱۸۸
ایمان صرف عمل کا نام ہے زبان کی اس سے کچھ تعلق نہیں	۱۸۷
تیسری مشترک اساس آپس میں فرقہ بند نہ بننا ہے	۱۸۸-۱۹۳
كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کا صحیح مفہوم۔	۱۸۸-۱۸۹
بنی نوع انسان کی وحدت نسل۔	۱۸۹
مقتضائے طبیعت اتحاد ہے۔	۱۸۹
غیر انسانی انواع کے افراد کا آپس میں اتحاد و مقتضائے طبیعت	۱۸۹
انبیائے کرام از روئے قرآن ایک پیغام کے حامل تھے	۱۹۰
خدائے عزوجل کا مقصود بنی نوع انسان کو متحد کرنا ہے	۱۹۰
كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کا صحیح مفہوم	۱۹۱
اَلْاِسْلَام کی قرآنی اصطلاح کی حقیقت	۱۹۱
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً کا صحیح مفہوم	۱۹۲

فهرس ايات القرآن

التى جاءت فى الافتتاحية العربية من كتاب تذكرة (المجلد الاول)

العدد الاول اعنى ٢ فى نحو (٢: ١١٢) صفحة ٢٧ يشير الى عدد السورة والثانى اعنى ١١٢ - الى عدد الآية
والثالث اعنى ٢٧ - الى عدد الصفحة من الافتتاحية

اعداد سور القرآن وايآته	صفحات
الفاتحة ١	
١: ١	٤٢
١: ١-٧	٢٧، ٩٦، ١٢٦، ١٢٩، ١٤٣،
١: ٥-٦	٣٥، ٦٦،
١: ٥-٧	٩، ١٤١،
١: ٦	٤١
١: ٦-٧	٥٠، ٦٤، ٧١، ١٣٧،
١: ٧	١٣٧، ١٣٨،
البقرة ٢	
٢: ٢	٨٢
٢: ٢-٤	١٠٦
٢: ٤	٥٣، ٨٢،
٢: ٧	٣٤
٢: ٨	١١، ٢٣، ١٢٤،
٢: ٩	٣٤
٢: ٢١	١٠٤
٢: ٢٣	١١٣
٢: ٢٦-٢٧	٦٢
٢: ٢٧	٦٢، ٦٣،
٢: ٣١	٤٧
٢: ٥٤	١٨
٢: ٦٢	٥٢
٢: ٦٣	٦٣
٢: ٨٤	١٠٩
٢: ٨٧	٥٠
٢: ٨٨	٢٥
٢: ٩٣	٥٨، ٦١، ٦٣

اعداد سور القرآن وايآته	صفحات
٢: ١١٢	٢٧
٢: ١٢١	١١١
٢: ١٣٢	١٣١
٢: ١٥٥-١٥٦	٣٢
٢: ١٥٧	٣٣
٢: ١٥٩	١٠٠
٢: ١٦٠	٩٢
٢: ١٦٤	٣٩
٢: ١٦٥	٢٠، ٧٣، ٨٠
٢: ١٦٦-١٦٧	١٦
٢: ١٧٠	٢٧
٢: ١٧٣	٩٢
٢: ١٧٤	١٠١
٢: ١٧٧	٢٦، ١٠٥
٢: ١٩١	٧٤
٢: ١٩٣	٢١، ٣٢،
٢: ١٩٤	١٠٦
٢: ٢١٣	٦، ١٣٠،
٢: ٢١٨	٩٣
٢: ٢٢٥	٩٢، ١١٢،
٢: ٢٢٩	٣٢، ٥٤،
٢: ٢٤٧	١٤٣
٢: ٢٥٠	١٤١
٢: ٢٥٧	٢٢
٢: ٢٦٨	٨٢
٢: ٢٨٦	٧٦، ١٤١،
ال عمران ٣	
٣: ١١	١١٩
٣: ١٣	١٩
٣: ١٦	٨٣
٣: ١٨	٥٥، ٦،
٣: ٣٠-٣١	٩٢
٣: ٥٣	١١

اعداد سور القرآن وايآته	صفحات
٣: ٦٣	٢٨، ٥٤،
٣: ٦٦	٥٢
٣: ٧٥	٢٧، ١٠٥،
٣: ٨٢	٩٧
٣: ٨٤	٢٩، ٤٨، ٥٥،
٣: ٩٦	٣٢، ١٣٩،
٣: ٩٨	١٧
٣: ١٠٠-١٠٢	١٣٠
٣: ١٠١-١٠٢	١٠٣
٣: ١٠٢	١٥، ٨،
٣: ١٠٤	١٧
٣: ١٢٨	٣٣
٣: ١٢٩	١٠٦
٣: ١٣٢-١٣٣	١٠٥
٣: ١٣٨	٩، ٢٤، ٣٦،
	٨١، ١٣٨،
٣: ١٤٠	٩١
٣: ١٤١	١١
٣: ١٤١-١٤٢	١٢٥
٣: ١٤٣	١٣٩
٣: ١٤٦	١٤١
٣: ١٥٥	١١٦
٣: ١٦٥-١٦٧	١١٧
٣: ١٦٩	٥٥
٣: ١٧٢-١٧٦	١١٧
٣: ١٨٩-١٩٧	٨٥
٣: ١٩٠	٩
٣: ١٩٩	٨١، ٨٥،
النساء ٤	
٤: ٩	١٠٦
٤: ١٧	٩٢
٤: ١٨	٩٢
٤: ٣٦	١١٥

اعداد سور القرآن وايآته	صفحات
٤: ٤٠	٣٣
٤: ٥٩	١٣، ٤٣، ٤٧،
	١٨٠
٤: ٦٤	٤٧
٤: ٦٦-٧٠	١٣١
٤: ٦٩	١٣٦
٤: ٧١	٦٢
٤: ٧٦	١١٨
٤: ٨٠	٤٣
٤: ٨٢	٣٤
٤: ٨٩	١١٦
٤: ٩٤	١١٣
٤: ١٠٢	٦٣
٤: ١٠٤	١١٩
٤: ١١٠	٩٢
٤: ١٣٦	١٢٩
٤: ١٣٨-١٣٩	٣٠
٤: ١٤٥	١٥
٤: ١٥٠-١٥٢	١٢٨، ٥٣
٤: ١٧٦	١٣٨
المائدة ٥	
٥: ١	٨١٥
٥: ١	١٠٥
٥: ١	٥٤
٥: ١٥-١٦	١٣٥
٥: ١٥	٢٥
٥: ٢٣	٨١
٥: ٣٥	١٠٥
٥: ٣٩	٩٢
٥: ٤٤	١١٠
٥: ٤٥	١١٥
٥: ٤٦	١١٠
٥: ٥٧	١٠٧

اعداد سور القرآن وايآته	صفحات
٥: ٦٦	٩٩
٥: ٧٢-٧٣	١٢٦
٥: ٧٣	٩١
٥: ٧٤	٩٣
٥: ١١٢	٨٠، ٨٢
الانعام ٦	
٦: ٣٧	٤٠
٦: ٣٨	٣٩، ٤١،
٦: ٣٩	٤٠، ٤١،
٦: ٤٥	٢٥
٦: ٤٧	٢٥، ٤٦،
٦: ٥٠	١١٢
٦: ٨٣	١١٥، ٢١، ٤٦،
٦: ٨٩-٩٠	٤٩
٦: ٩٢	١١، ٤٨،
٦: ٩٤	١٦، ٦٨،
٦: ٩٨	٣٩
٦: ١١٥	١١١
٦: ١١٦	١١١
٦: ١١٧-١١٨	١١١، ١٣٤،
٦: ١١٨	٩٠
٦: ١٢٣-١٢٤	١٣٦
٦: ١٢٦	١٠٩
٦: ١٢٦-١٢٨	١٣٦
٦: ١٢٩	١٥، ٩٨،
٦: ١٣٦-١٣٩	٩٩
٦: ١٣٧	٩٨
٦: ١٤٩	٣٦
٦: ١٥٢-١٥٤	١٣٢
٦: ١٦٠	١٣٤
٦: ١٦٢-١٦٤	١٣٠
٦: ١٦٦	٣٦، ٩٢، ١٣٢،

الاعراف ٧

مضامین	صفحہ
صراط مستقیم کے مفہوم کی گذشتہ شقوں کی فہرست	۲۲۶
قرآنی رکوع سے ہر موقع پر پہلے مضمون کا انقطاع مراد نہیں ہوتا	۲۲۶
سعی و عمل میں استقلال اور نتائج کے بارے میں توکل صراط مستقیم ہے۔	۲۲۷
ایمان کے لوازم پر عمل صراط مستقیم ہے۔	۲۲۷
اُمت کی تقویت کیلئے ایثار مال صراط مستقیم ہے	۲۲۷
"الکتٰب" کا الٰہی مفہوم۔	۲۲۷
کتاب خدا کی نور سے تشبیہ۔	۲۲۷
کتاب خدا کے مقاصد کے بارے میں اختلاف نہ پیدا کرنا اور عبادت شیطان نہ کرنا صراط مستقیم ہے	۲۲۸
مناسک اور ظواہر مذاہب کو پیش نظر رکھکر باہمی نزاع پیدا کرنا صراط مستقیم کے نقیض ہے	۲۲۸
آیہ لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا الخ کے صحیح مفہوم کی تشریح	۲۲۸-۲۳۴
تمام اُمت کا صورتاً اور عملاً ایک مرکز پر جمع ہونا صراط مستقیم ہے۔	۲۲۹
آیہ سَیَقُوْلُ السُّفَہَآءُ الخ کے صحیح معانی کی تبیین	۲۲۹
مُنْسِکٌ کے معانی۔	۲۲۸-۲۲۹
مَنَاسِکُ اور عِبَادَۃ میں فرق۔	۲۲۹
ابراہیمؑ کی توحید پر عامل ہونا صراط مستقیم ہے	۲۳۰-۲۳۲
ذِکْر خدا کا صحیح مفہوم۔	۲۳۰-۲۳۲
الصَّلٰوۃ کا صحیح منتہائے نظر ذکر خدا ہے۔	۲۳۰
الصَّلٰوۃ کے بقید وقت ادا کرنے کی حکمت۔	۲۳۰
مُسْلِمٌ بننے کا صحیح مفہوم۔	۲۳۰
نُسُکٌ کے الٰہی مفہوم کی تشریح	۲۳۱
"فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ" کا الٰہی مفہوم	۲۳۲
فاطر زمین و آسمان کو مشرق اور مغرب کی کچھ تخصیص نہیں	۲۳۳
اقوام عالم کے بالمقابل برگزیدہ اور برتر ہو کر رہنا صراط مستقیم ہے۔	۲۳۴
زمین خدا پر عدل و انصاف سے حکومت کرنا صراط مستقیم ہے	۲۳۴
سُبُلَ السَّلٰمِ پر چلتے رہنا صراط مستقیم ہے۔	۲۳۴
الظُّلُمٰت اور النُّوْر کے الٰہی مفہوم کی ابتدائی تشریح	۲۳۴
دَارُ السَّلٰمِ کیطرف پہنچنے کی سعی کرنا صراط مستقیم ہے	۲۳۵

مضامین	صفحہ
صراط مستقیم حفظ نفس اور ابقاء اتحاد اور توحید	
اتقا اور اطاعت امیر کے مترادف ہے۔	۲۳۵
دَارُ السَّلٰمِ کے صحیح معانی	۲۳۵
تمسک قانون خدا صراط مستقیم ہے۔	۲۳۶
خوف عذاب الٰہ اور بیم روز جزا صراط مستقیم ہے	۲۳۶
صراط مستقیم پر چلنے کا واحد نتیجہ دنیوی تعزز اور نعمت خدا کا حصول ہے۔	۲۳۶-۲۳۷
سعی و عمل کیلئے شرح صدر کر دینا صراط مستقیم ہے	۲۳۸
صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم سے مسلمانان عالم کی محض بے خبری۔	۲۳۸-۲۳۹
مکارم اخلاق پر قائم ہو جانا صراط مستقیم ہے۔	۲۴۰
صراط مستقیم پر چلنے کی سیاسی اغراض و غایات	۲۴۱
خدا کی راہ میں پیہم سعی و عمل کرتے رہنا ہی صراط مستقیم ہے	۲۴۲
دنیا میں غالب آکے رہنے کی حکمتوں پر کاربند ہو جانا صراط مستقیم ہے	۲۴۲
مُحْسِنِیْنَ کی صحیح تعریف۔	۲۴۲
جہاد بالسیف، ہجرت وطن اور اطاعت امیر صراط مستقیم ہے	۲۴۳
مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ کے معانی کی تبیین۔	۲۴۳-۲۴۵
النَّبِیِّیْنَ، اور الصِّدِّیْقِیْنَ، اور الشُّہَدَآءِ، اور الصّٰلِحِیْنَ کی معیت کا صحیح مفہوم اور انکے مقام حاصل کرنیکے لیے کن اعمال کا ہونا ضروری ہے۔	۲۴۴
اولوالامر کی اطاعت کی اہمیت۔	۲۴۴
رُسُل کے بھیجے جانے کی واحد غرض و غایت انکی اطاعت ہی تھی	۲۴۴
قرآن کے الصراط المستقیم کا صحیح اور واحد مفہوم	۲۴۴-۲۴۶
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے الفاظ کا قرآن میں ورود	۲۴۵
موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پر چلنے کی نوعیت	۲۴۵
مُؤْمِنِیْنَ اور مُحْسِنِیْنَ کے بلند مقام حاصل کرنیکے شرائط	۲۴۶
خوف و رجا کا دلوں کے اندر موجود ہونا ہی نماز کا محرک تھا	۲۴۶-۲۴۸
اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے صحیح معانی۔	۲۴۷
الصَّلٰوۃ کی اہمیت اور اسکے نصب العین کا مسلمانان عالم کے دلوں سے محو ہو جانا۔	۲۴۸-۲۵۰
مغرب کی شہنشاہی تعلیم و تبلیغ کا مسلمانوں کی حسیات پر مہلک اثر۔	۲۴۹-۲۵۰
دین خدا کو لہو و لعب سمجھنے کے نتائج۔	۲۵۰-۲۵۱

مضامین	صفحہ
مساجد خدا کی ویرانی اور نماز گذاروں کا کبر و غرور	۲۵۱
مساجد کی نفاق آرائی اور نماز گذاروں کا اخلاقی انحطاط	۲۵۱-۲۵۲
الصَّلٰوۃ کا صحیح منتہائے نظر وسعت قلب و مسافت پیدا کرنا ہے۔	۲۵۲
الصَّلٰوۃ تہ دلی، بخل اور نفاق کی قاطع ہے	۲۵۲
منافقین کی الٰہی تعریف۔	۲۵۳
الصَّلٰوۃ کا پیش نہاد اتحاد اور اصلاح بین الناس ہی ہے	۲۵۳
الصَّلٰوۃ کا نسیان درس اور مساجد کو تفریق سے باز رکھنے کی الٰہی حکمت۔	۲۵۴-۲۵۶
مسجد ضرار کا ذکر اور "الظّٰلِمِیْنَ" کا الٰہی مفہوم۔	۲۵۵-۲۵۶
"اِتِّقَا" بمعنی اتحاد "ظُلْم" بمعنی تفرقہ اور "ظُلْم" کے الٰہی معانی کی فہرست	۲۵۶
عہد حاضر کی اکثر مسجدیں صحیح معنوں میں مساجد ضرار ہیں۔	۲۵۶
"الْمُطَہِّرِیْنَ" کا صحیح الٰہی مفہوم اور بدنی طہارت میں مسلمانوں کا غلط	۲۵۷
امامت کا جلیل القدر منصب اسپر تقرری کی شرائط اور مسلمانوں کا اسکے صحیح منشا کے متعلق نسیان درس	۲۵۸-۲۶۱
آیہ اِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰہٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ الخ کا صحیح مفہوم اور شارحین قرآن کی حیرت انگیز غلط بیانی۔	۲۵۸-۲۶۱
منتہائے الصلوٰۃ	۲۶۱-۲۷۱
الصَّلٰوۃ سے جماعت کا باہمی اتحاد، اطاعت امیر، مساوات، پابندی وقت وغیرہ وغیرہ مدنظر تھا۔	۲۶۱-۲۶۲
صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کی مکمل فہرست۔	۲۶۱-۲۶۲
سچے مومن بننے کی شرائط اور اقامت الصلوٰۃ کا صحیح مفہوم	۲۶۳-۲۶۴
ایمان اور اقامت الصلوٰۃ کا لازم و ملزوم ہونا۔	۲۶۳
الصَّلٰوۃ کا میثاق ایزدی بنی اسرائیل سے اور اقامت الصلوٰۃ کی قرآنی شرائط۔	۲۶۴-۲۶۵
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ کا دنیاوی مفہوم اور عہد عتیق کے میثاق سے اسکا تقابل۔	۲۶۵-۲۶۶
ضَلَال کے قرآنی معانی کی مزید تشریح۔	۲۶۶
الصَّلٰوۃ کے صورتاً بگڑ جانیکے دلائل۔	۲۶۶-۲۶۷
سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ کی وحی کے بارے میں خدا کا احسان جتلانا اور اسکی اہمیت۔	۲۶۸
سورۂ فاتحہ کن معنوں میں تمام قرآن کا ملخص ہے۔	۲۶۸-۲۶۹
قرآن کا منتہائے نظر الظلمٰت سے النور کی طرف نکالنا ہے اور ان الفاظ کے صحیح مطالب	۲۶۹-۲۷۰

اعداد سور القرآن وآياته	صفحات
۱۱۳:۲۰	۱۰۳
الأنبياء ۲۱	
۱۱-۱۹:۲۱	۱۴۲
۲۲:۲۱	۶۴،۷۰،۸
۲۳:۲۱	۲۸
۴۸-۴۹:۲۱	۱۰۶
۵۲:۲۱	۷۰،۱۹
۷۸-۸۱:۲۱	۸۸
۹۲:۲۱	۷۳
۹۵:۲۱	۹۷،۹۰
۹۸:۲۱	۱۴۴
۱۰۵-۱۰۶:۲۱	۶۳،۳۸
۱۰۷:۲۱	۴۹
الحج ۲۲	
۳-۴:۲۲	۴۵
۳۱:۲۲	۲۴،۲۱
۴۷:۲۲	۹۰
۵۴:۲۲	۳۴،۴۱،۱۳۹
۶۷:۲۲	۵۶
۶۷-۶۹:۲۲	۱۳۷
۶۸-۷۰:۲۲	۱۰۹
۷۲:۲۲	۱۲۹
۷۸:۲۲	۱۰
المؤمنون ۲۳	
۳:۲۳	۱۳۴
۹:۲۳	۶۳
۱۴:۲۳	۶۲،۱۴۰
۵۲:۲۳	۱۴،۱۰۴
۵۳:۲۳	۸،۱۲
۶۰:۲۳	۷۵
۹۹-۹۶:۲۳	۴۱،۷۳،۹۹
۷۰،۶۸:۲۳	۹۰-۱۰۱
۹۲:۲۳	۲۹
۱۱۵:۲۳	۱۴۰
۱۱۷:۲۳	۲۹،۱۱۴،۱۱۹
النور ۲۴	
۲:۲۴	۸۲
۵:۲۴	۹۱،۰

اعداد سور القرآن وآياته	صفحات
۱۱:۲۴	۱۱۲
۱۲:۲۴	۱۱۰
۲۱-۲۳:۲۴	۹۴
۲۲:۲۴	۹۳،۱۳۹
۳۵:۲۴	۵۳
۳۹-۴۰:۲۴	۱۲۰
۴۱:۲۴	۶۱،۶۲
۴۳:۲۴	۶۱
۴۵-۴۶:۲۴	۱۳۳
۵۲،۵۳:۲۴	۷۴
۵۵:۲۴	۴۶،۶۶،۹۰
۶۲:۲۴	۸۰،۹۴
الفرقان ۲۵	
۳۰:۲۵	۱۰۸
۶۳:۲۵	۱۳۴
۶۰-۷۱:۲۵	۹۲
۷۲:۲۵	۱۳۴
الشعراء ۲۶	
۷۰:۲۶	۷۰
۷۱:۲۶	۷۱
۷۳:۲۶	۷۱
۷۶:۲۶	۷۰
۷۷:۲۶	۷۰
۸۳:۲۶	۷۱
۸۴:۲۶	۷۱
۸۵:۲۶	۷۱
۸۶:۲۶	۷۱
۸۷-۸۸:۲۶	۷۰
۸۹:۲۶	۷۱
۹۰:۲۶	۷۱
۹۱:۲۶	۷۱
۱۰۶-۱۱۰:۲۶	۷۵
۱۲۴:۲۶	۱۴۲
۱۳۹:۲۶	۹۸
۱۴۶:۲۶	۱۳۹
۱۹۲-۱۹۷:۲۶	۸۶
۲۰۹-۱۹۸:۲۶	۸۶
۲۲۴-۲۲۶:۲۶	۵۱
۲۲۷:۲۶	۱۳۹
النمل ۲۷	

اعداد سور القرآن وآياته	صفحات
۱۵-۱۶:۲۷	۸۶
۱۷:۲۷	۸۷
۳۱:۲۷	۱۰۳
۶۵:۲۷	۱۴
القصص ۲۸	
۵۵:۲۸	۱۳۴
۶۲:۲۸	۱۶
۷۶-۷۷:۲۸	۱۱۶
۸۲:۲۸	۱۱۶
العنكبوت ۲۹	
۲:۲۹	۱۱
۲-۳:۲۹	۱۱،۱۲۵
۳:۲۹	۱۱
۶:۲۹	۶۹،۱۲۵
۱۲-۱۳:۲۹	۱۲۶
۲۳:۲۹	۱۲۵
۳۴-۳۵:۲۹	۶۵
۴۱:۲۹	۲۹
۴۳:۲۹	۴۸
۴۴:۲۹	۶۹،۸۲،۳۸،
	۱۲۲،
۴۵:۲۹	۶۴
۴۷:۲۹	۱۲۲
۴۹:۲۹	۸۴،۱۳۵
۵۱:۲۹	۱۱۱
۵۲:۲۹	۸۹،۱۹،۱۲۳
۵۶:۲۹	۷۷
۵۷-۵۹:۲۹	۷۷
۶۱:۲۹	۶۶
۶۳:۲۹	۶۷،۹۹،۷۷
۶۷:۲۹	۱۲۳
۶۹:۲۹	۱۳۲
الروم ۳۰	
۲۷:۳۰	۳۰
۳۰:۳۰	۵۴،۲۹
۳۱-۳۲:۳۰	۵۵،۷۲،۹۹
۳۲:۳۰	۱۱۳
۴۱:۳۰	۷
۴۲:۳۰	۳۵

اعداد سور القرآن وآياته	صفحات
۴۷:۳۰	۱۱
۵۲-۵۳:۳۰	۹۰
لقمان ۳۱	
۱۱:۳۱	۶۷
۱۳:۳۱	۱۵،۲۱
۲۰-۲۵:۳۱	۷۰
۲۵:۳۱	۶۶،۶۷،۶۹،
	۷۷،
۳۲:۳۱	۱۱۴
السجدة ۳۲	
۴:۳۲	۳۰
۵:۳۲	۳۰
۹:۳۲	۱۲۲
۱۰:۳۲	۱۲۴
۱۶:۳۲	۶۱، ۷۶
۱۶-۱۷:۳۲	۶۳
۱۶-۱۸:۳۲	۳۶
۱۹-۲۱:۳۲	۳۶
۲۶:۳۲	۹۵
الأحزاب ۳۳	
۵:۳۳	۹۲
۸:۳۳	۱۱۳
۱۸-۱۹:۳۳	۱۱۷
۲۵:۳۳	۸۱
۳۶:۳۳	۸۰
۶۲:۳۳	۹۷
۶۶-۶۸:۳۳	۱۹، 99
۷۰:۳۳	۱۰۶
السبأ ۳۴	
۱۰-۱۳:۳۴	۴۵، ۸۸
۲۲:۳۴	۶۷
۲۳:۳۴	۱۴
۳۷:۳۴	۲۴
۳۸:۳۴	۱۷
فاطر ۳۵	
۱:۳۵	۴۸
۵-۷:۳۵	۱۱۴

اعداد سور القرآن وآياته	صفحات
۲۷-۲۸:۳۵	۴۲
۲۸:۳۵	۱۰۶،۸۲
۳۰-۲۸:۳۵	۹۴
۳۱-۲۹:۳۵	۸۳
۴۰:۳۵	۶۷
۴۳:۳۵	۳۴
يس ۳۶	
۳۱:۳۶	۹۵
۳۸:۳۶	۶۲
۴۰:۳۶	۶۲
۶۰-۶۱:۳۶	۱۲۹
۶۹:۳۶	۵۱
والصّٰفّٰت ۳۷	
۶۵:۳۷	۲۷
۱۱۴-۱۲۲:۳۷	۶۵،۱۳۷
۱۶۲:۳۷	۴۴
۱۷۳:۳۷	۴۴،۱۱۹
۱۸۰:۳۷	۳۳
ص ۳۸	
۱۷-۲۰:۳۸	۸۸
۲۷:۳۸	۴۱،۱۲۲
۲۷-۲۸:۳۸	۸۷،۱۰۶
۲۹:۳۸	۸۷
۳۰-۳۶:۳۸	۸۵
۴۵:۳۸	۴
۷۱-۷۳:۳۸	۴۷
۸۷:۳۸	۴۹
الزمر ۳۹	
۳:۳۹	۱۱۵
۸:۳۹	۱۱۴
۹:۳۹	۸۴
۱۰:۳۹	۱۰۷
۲۲:۳۹	۱۰۹
۲۳:۳۹	۸۳
۳۳:۳۹	۱۰۵
۳۸:۳۹	۶۸
۴۴:۳۹	۱۴
۴۹:۳۹	۱۴۲
۵۰:۳۹	۱۴۲

اعداد سور القرآن وآياته	صفحات
٧: ٢٣	١٤١
٧: ٢٧	١٦
٧: ٢٩	١٠٣
٧: ٣٣	٢٨
٧: ٣٥	٢٧، ٦٦
٧: ٣٧-٣٩	١٠٤
٧: ٤٠-٤١	١٧
٧: ٥٢	٤١
٧: ٥٤	٣١، ١٤٠
٧: ٥٦	١٠٣، ١٣٨
٧: ٦	٢٧
٧: ٩٦	١٠٧
٧: ١٢٨	٢٦، ٣٨، ٦١، ١٠٥،
٧: ١٥٣	٩١
٧: ١٥٦	٩١
٧: ١٥٩	٩١
٧: ١٦٨-١٧٠	١٣٢
٨: ١٦٩	١٠٦
٨: ١٧٣	١٣٩
٨: ١٧٦	١٦
٨: ١٧٩	٩٩
٨: ١٨٦	٣٥
٨: ١٨٨	١٤
٨: ٢٠٣-٢٠٤	١٢٦

الانفال ٨

٨: ١	١٣، ٤٧، ٨٠،
	١٠٤،
٨: ٢-٤	٨١
٨: ٨	٩١
٨: ١٦	١١٨
٨: ٢٤-٢٥	٣٠، ٢٣، ١١٦،
٨: ٢٤-٢٥	١٠٣
٨: ٢٥	٢٣
٨: ٢٨	٢٠
٨: ٢٩	١٠٧
٨: ٣٦-٣٩	١١٥
٨: ٣٨	٢٨، ١١٩،
٨: ٣٩	٦٠
٨: ٤٢	٩٨، ٩٨،
٨: ٤٦	٢، ٩٢، ١١٠،

اعداد سور القرآن وآياته	صفحات
٨: ٥٥-٥٦	١٢٣
٨: ٦٠	٤٦
٨: ٦٣	١٠
٨: ٦٥	١١٩
٨: ٧٤	٨، ٦٧، ٧٣

التوبة ٩

٩: ٤	١٠٥
٩: ١٣	٢٠، ٧٥، ٨٠،
٩: ١٦-١٨	١٢٦
٩: ٢٣	٢٥
٩: ٢٤	٣٥
٩: ٢٥	٢٥، ١٣٩،
٩: ٣٧	٩٣
٩: ٣٠	٦٨، ١٢٨،
٩: ٣١	١٣، ٦٨، ١٢٨،
٩: ٣٣	١٢، ٧٩،
٩: ٣٦	١٠٥
٩: ٤٤	١٠٥
٩: ٤٩	١١٦
٩: ٥٤-٥٥	١١٦
٩: ٧٣	٦٢
٩: ٨٠	٩٥
٩: ٨٢	١٦
٩: ٨٣-٨٥	١١٧
٩: ٩٠	١١٧
٩: ٩٤-٩٦	١١٨
٩: ٩٩	٩٣
٩: ١٠١-١٠٢	٩٣
٩: ١٠٢	١٣٠
٩: ١١١	٦٠
٩: ١١٩	١٠٥
٩: ١٢٠	٦٦، ٧٧،
٩: ١٢٣	١٠٥
٩: ١٢٨	٣٠

يونس ١٠

١٠: ٥	٤١
١٠: ٦	٣٩، ١٠٦،
١٠: ٧-٨	٨٢
١٠: ٧-٩	١٢٥
١٠: ١٤	١٣٢

اعداد سور القرآن وآياته	صفحات
١٠: ١٩	٦
١٠: ٢٠	١٣
١٠: ٢٥	١٣٥
١٠: ٢٧	٣١
١٠: ٢٨، ٣٠	١٧
١٠: ٣٤	٣١، ٣٢،
١٠: ٤٧	٨٣
١٠: ٤٩	١٣
١٠: ٦٢-٦٤	٢٢
١٠: ٦٤	٧٦
١٠: ٦٨	١٢٢
١٠: ٦٩-٧٠	١٢٢
١٠: ٨٤	٨١
١٠: ٨٥-٨٦	١٣١
١٠: ٨٨	١٣١

هود ١١

١١: ١٣	٣٩
١١: ٥٠	٧٧
١١: ٥٠-٥٢	٧٨
١١: ٥٦	١٣٢
١١: ٨٤-٨٦	٨١
١١: ٨٨	٦
١١: ١١٧	٩٥
١١: ١١٨-١١٩	١٨
١١: ١١٩	٧

يوسف ١٢

١٢: ٢	٥١
١٢: ٣٩	١٥
١٢: ٨٧	١٢٥
١٢: ١٠٠	٣٣، ٣٨، ٩٢،
١٢: ١٠٣-١١١	٧٩
١٢: ١١١	٣٩

الرعد ١٣

١٣: ٦	٩٣
١٣: ١١	٢٨، ٩٧،
١٣: ١٣	٦١
١٣: ١٤	١٢١
١٣: ٣٣-٣٤	١١٣
١٣: ٤٣	١١٣

اعداد سور القرآن وآياته	صفحات
١٤: ٢-٣	١١٤
١٤: ٤	٥١
١٤: ٥	١٣٦
١٤: ٧	٩٢، ١٣٨،
١٤: ٨	٣١، ١٣٩،
١٤: ١٢	١٣١
١٤: ١٣-١٥	١٠٦
١٤: ١٨	٩، ١٣٧، ١٢٠،
١٤: ٢٨	١٢٣

الحجر ١٥

١٥: ٢	٩
١٥: ١٧	٣٨
١٥: ٤٥-٤٦	١٠٨
١٥: ٤٩-٥٠	٩٢
١٥: ٦٦	٢٥
١٥: ٨٧	١٣٩

النحل ١٦

١٦: ٧	٤٦
١٦: ١٢	٣٨
١٦: ١٩	١١٣
١٦: ٢٥	١٠٩
١٦: ٣٦	١١
١٦: ٣٠-٣١	١٠٧
١٦: ٣٦	٨٣
١٦: ٣٨-٣٩	١٣٣
١٦: ٤٩-٥٠	٤٠، ٩٨، ١٢،
١٦: ٥٧-٥٨	٩٨، ١٢،
١٦: ٦٦	٤٠
١٦: ٦٨-٦٩	٦١
١٦: ٦٩	٤٠
١٦: ٧٢	٩
١٦: ٧٨	١٢٢
١٦: ٧٨-٧٩	٨٢
١٦: ٨٣	٩، ١٢٣،
١٦: ٨٨	١٢١
١٦: ٨٩	٣٩، ٥٠، ١١١،
١٦: ١٠٦-١٠٩	١١٣
١٦: ١٠٧	٢٣

ابراهيم ١٤

١٤: ٢-٣	١١٤
١٤: ٤	٥١
١٤: ٥	١٣٦
١٤: ٧	٩٢، ١٣٨،
١٤: ٨	٣١، ١٣٩،
١٤: ١٢	١٣١
١٤: ١٣-١٥	١٠٦
١٤: ١٨	٩، ١٣٧، ١٢٠،
١٤: ٢٨	١٢٣

الحجر ١٥

١٥: ٢	٩
١٥: ١٧	٣٨
١٥: ٤٥-٤٦	١٠٨
١٥: ٤٩-٥٠	٩٢
١٥: ٦٦	٢٥
١٥: ٨٧	١٣٩

النحل ١٦

١٦: ٧	٤٦
١٦: ١٢	٣٨
١٦: ١٩	١١٣
١٦: ٢٥	١٠٩
١٦: ٣٦	١١
١٦: ٣٠-٣١	١٠٧
١٦: ٣٦	٨٣
١٦: ٣٨-٣٩	١٣٣
١٦: ٤٩-٥٠	٤٠، ٩٨، ١٢،
١٦: ٥٧-٥٨	٩٨، ١٢،
١٦: ٦٦	٤٠
١٦: ٦٨-٦٩	٦١
١٦: ٦٩	٤٠
١٦: ٧٢	٩
١٦: ٧٨	١٢٢
١٦: ٧٨-٧٩	٨٢
١٦: ٨٣	٩، ١٢٣،
١٦: ٨٨	١٢١
١٦: ٨٩	٣٩، ٥٠، ١١١،
١٦: ١٠٦-١٠٩	١١٣
١٦: ١٠٧	٢٣

بني اسرائيل ١٧

١٧: ٤-٨	١٢٢
١٧: ٩	١٢٣، ٧٨،
١٧: ١٦	١٣٢
١٧: ١٧	٩٥
١٧: ١٨-١٩	٨٢
١٧: ١٨	٣٦
١٧: ٢٦-٢٧	١٣٣
١٧: ٣٦	٩٠
١٧: ٤٤	٦١، ٦٢،
١٧: ٤٦	١١٥
١٧: ٤٧	٩، ٣٢، ١٠،
١٧: ٨٤	٣٤
١٧: ٨٦، ٨٧	٣٩
١٧: ٨٨	١٢٩، ١٤٠،

الكهف ١٨

١٨: ٧	٤٢
١٨: ٢٦	٨، ١٣،
١٨: ٤٧	٩٦
١٨: ٤٨	٣٠، ٩٦،
١٨: ٥٦	١٢٠
١٨: ١٠٢	١٦
١٨: ١٠٢-١٠٨	١٢١
١٨: ١٠٣-١٠٦	١٣، ٣٨،

مريم ١٩

١٩: ٣٧	١١٥
١٩: ٤٠	٧٦
١٩: ٧١	٩٦
١٩: ٨١	٢٠

طه ٢٠

٢٠: ١٥	١٣٦
٢٠: ٥٠	٣٣، ٣٩،
٢٠: ٨١	٧١
٢٠: ٨٢	٩٢

اعداد سور القرآن وآياته	صفحات
١٩: ١٠٨	٢٤
١٩: ١١٠، ١٩٦،	٩٦، ٩٣،
١٩: ١٢٠-١٢٢	١٣٠
١٩: ١٢٥	١٣٤

بني اسرائيل ١٧

١٧: ٤-٨	١٢٢
١٧: ٩	١٢٣، ٧٨،
١٧: ١٦	١٣٢
١٧: ١٧	٩٥
١٧: ١٨-١٩	٨٢
١٧: ١٨	٣٦
١٧: ٢٦-٢٧	١٣٣
١٧: ٣٦	٩٠
١٧: ٤٤	٦١، ٦٢،
١٧: ٤٦	١١٥
١٧: ٤٧	٩، ٣٢، ١٠،
١٧: ٨٤	٣٤
١٧: ٨٦، ٨٧	٣٩
١٧: ٨٨	١٢٩، ١٤٠،

الكهف ١٨

١٨: ٧	٤٢
١٨: ٢٦	٨، ١٣،
١٨: ٤٧	٩٦
١٨: ٤٨	٣٠، ٩٦،
١٨: ٥٦	١٢٠
١٨: ١٠٢	١٦
١٨: ١٠٢-١٠٨	١٢١
١٨: ١٠٣-١٠٦	١٣، ٣٨،

مريم ١٩

١٩: ٣٧	١١٥
١٩: ٤٠	٧٦
١٩: ٧١	٩٦
١٩: ٨١	٢٠

طه ٢٠

٢٠: ١٥	١٣٦
٢٠: ٥٠	٣٣، ٣٩،
٢٠: ٨١	٧١
٢٠: ٨٢	٩٢

فہرست آیاتِ تذکرہ

(مجلد اوّل)

اس فہرست میں صرف اُن آیاتِ قرآنی کا حوالہ دیا گیا ہے جن کے الفاظ مع مطالب متنِ کتاب یا حواشی میں آئے ہیں۔ جہاں صرف آیت کا شمار لکھکر حوالہ دیا گیا اُن کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

شمارہ	شمار آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
	۱-الفاتحۃ (۷)	
۱	(۱:۱)	۲۴۷
۲	(۱:۲)	۲۴۷
۳	(۱:۳)	۶۱، ۲۴۷
۴	(۱:۴)	۱۲، ۲۴۷
۵	(۱:۵)	۱۷۶، ۲۲۰، ۲۲۴
۶	(۱:۶)	۲۲۴، ۲۲۰
۷	(۱:۷)	۲۲۰، ۲۳۷
۲۹۳	۲-البقرۃ (۲۸۶)	
۸	(۲:۲۳)	۶۵
۹	(۲:۲۶)	۷۸
۱۰	(۲:۳۰)	۱۶۹
۱۱	(۲:۴۰)	۲۱۶
۱۲	(۲:۴۳)	۱۰۸
۱۳	(۲:۴۵)	۱۱۱، ۲۴۹، ۲۶۱
۱۴		۲۶۷، ۲۶۸
۱۵	(۲:۴۷)	۲۱۶
۱۶	(۲:۵۴)	۷۸
۱۷	(۲:۵۵)	۷۸
۱۸	(۲:۵۷)	۷۹
۱۹	(۲:۶۱)	۶۸، ۲۲۳
۲۰	(۲:۱۱۲)	۱۷۷
۲۱	(۲:۱۲۲)	۲۱۶
۲۲	(۲:۱۲۴)	۲۵۸
۲۳	(۲:۱۲۹)	۵۴
۲۴	(۲:۱۳۶)	۵، ۱۸۵، ۱۸۶
۲۵	(۲:۱۳۷)	۱۸۶
۲۶	(۲:۱۳۸)	۱۸۷
۲۷	(۲:۱۴۲)	۲۲۹
۲۸	(۲:۱۴۳)	۵، ۱۰۵، ۱۷۰
۲۹	(۲:۱۴۴)	۱۳۶
۳۰	(۲:۱۴۵)	۱۳۶
۳۱	(۲:۱۴۸)	۱۳۷
۳۲	(۲:۱۵۰)	۲۱۸
۳۳	(۲:۱۵۱)	۵۴
۳۴	(۲:۱۵۲)	۲۴۸
۳۵	(۲:۱۵۳)	۲۴۸
۳۶	(۲:۱۵۴)	۱۲۶
۳۷	(۲:۱۵۵)	۱۲۳
۳۸	(۲:۱۵۶)	۱۲۳
۳۹	(۲:۱۵۷)	۱۲۳
۴۰	(۲:۱۶۵)	۱۱۷، ۱۱۹
۴۱	(۲:۱۶۸)	۲۰۷
۴۲	(۲:۱۶۹)	۲۰۷
۴۳	(۲:۱۸۶)	۲۴۸
۴۴	(۲:۱۹۸)	۲۳۰
۴۵	(۲:۲۰۰)	۲۳۰
۴۶	(۲:۲۱۱)	۲۱۵
۴۷	(۲:۲۱۳)	۱۸۸، ۲۲۸
۴۸	(۲:۲۲۸)	۱۴۸
۴۹	(۲:۲۲۹)	۱۴۸، ۱۷۵
۵۰	(۲:۲۳۱)	۱۴۵، ۲۱۷
۵۱	(۲:۲۳۲)	۱۴۸
۵۲	(۲:۲۳۳)	۱۴۸
۵۳	(۲:۲۳۴)	۱۴۸
۵۴	(۲:۲۳۶)	۱۴۸
۵۵	(۲:۲۴۱)	۱۴۹
۵۶	(۲:۲۶۷)	۲۰۷
۵۷	(۲:۲۶۸)	۲۰۷
۵۸	(۲:۲۷۳)	۱۶۸، ۲۰۱
۴۹۲	۳-آل عمران (۱۹۹)	
۵۹	(۳:۳)	۸۹
۶۰	(۳:۱۳)	۸۷
۶۱	(۳:۱۸)	۱۹۱، ۲۰۳
۶۲	(۳:۱۹)	۱۹۱
۶۳	(۳:۳۱)	۲۲۲
۶۴	(۳:۳۲)	۱۰۸
۶۵	(۳:۵۳)	۵۲
۶۶	(۳:۹۳)	۱۸۷
۶۷	(۳:۷۵)	۱۹۸
۶۸	(۳:۸۳)	۱۸۵، ۱۸۸، ۱۹۷
۶۹	(۳:۸۴)	۱۹۷
۷۰	(۳:۹۶)	۱۷۳
۷۱	(۳:۱۰۰)	۲۲۶
۷۲	(۳:۱۰۱)	۲۲۶، ۱۴۵
۷۳	(۳:۱۰۲)	۱۴۵، ۲۱۷، ۲۲۶، ۲۵۶
۷۴	(۳:۱۰۳)	۱۴۵، ۱۵۱، ۲۲۶،
۷۵	(۳:۱۰۴)	۱۴۵
۷۶	(۳:۱۱۱)	۲۲۳
۷۷	(۳:۱۱۲)	۱۰۶
۷۸	(۳:۱۱۳)	۱۳۷
۷۹	(۳:۱۱۴)	۱۳۶
۸۰	(۳:۱۱۹)	۱۴۷
۸۱	(۳:۱۳۷)	۸۹
۸۲	(۳:۱۳۸)	۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۱، ۱۵۳، ۱۷۹
۸۳	(۳:۱۳۹)	۱۲۰
۸۴	(۳:۱۴۰)	۱۴۲، ۱۲۰
۸۵	(۳:۱۴۱)	۱۲۰
۸۶	(۳:۱۴۲)	۱۲۰
۸۷	(۳:۱۵۳)	۱۴۲
۸۸	(۳:۱۶۳)	۵۴
۸۹	(۳:۱۶۴)	۱۲۴
۹۰	(۳:۱۶۵)	۱۲۴
۹۱	(۳:۱۶۶)	۱۲۴
۹۲	(۳:۱۶۸)	۱۲۶
۹۳	(۳:۱۷۰)	۲۱۶
۹۴	(۳:۱۷۳)	۲۱۶
۹۵	(۳:۱۸۰)	۱۳۹
۹۶	(۳:۱۹۴)	۱۲۲
۹۷	(۳:۱۹۵)	۱۵۳
۹۸	(۳:۱۹۶)	۱۵۳
۹۹	(۳:۱۹۷)	۱۵۳
۱۰۰	(۳:۱۹۹)	۱۴۲، ۱۴۵، ۱۵۰
۶۶۹	۴-النساء (۱۷۷)	

اعداد سور القرآن وآياته	صفحات
۳۹ : ۵۱	۱۴۳
۳۹ : ۵۲	۱۴۲
۳۹ : ۵۳	۲۴
۳۹ : ۵۳-۵۵	۹۵
۳۹ : ۵۴	۲۴
۳۹ : ۷۳	۴۷
۳۹ : ۷۳-۷۵	۱۰۸
۳۹ : ۷۴	۱۰۸، ۶، ۷۱
المؤمن ۴۰	
۴۰ : ۴-۶	۱۲۰
۴۰ : ۵۷-۵۸	۸۷، ۱۲۲
۴۰ : ۷۲-۷۳	۱۱۵
۴۰ : ۸۳-۸۵	۱۲۷
حم السجدة ۴۱	
۴۱ : ۳	۴۱
۴۱ : ۶-۷	۷۲، ۱۱۶
۴۱ : ۱۱	۷۴
۴۱ : ۲۵	۱۰۳
۴۱ : ۲۶	۱۲۵
۴۱ : ۲۹	۹۹
۴۱ : ۳۰-۳۲	۷۸
۴۱ : ۴۲	۷
۴۱ : ۴۴	۵۱، ۵۲
الشورى ۴۲	
۴۲ : ۱۳	۱۵، ۵۰، ۷۳
۴۲ : ۱۴	۶
۴۲ : ۱۵	۶
۴۲ : ۲۰	۲۶
۴۲ : ۳۰	۳۲
۴۲ : ۳۸	۱۴۳
۴۲ : ۳۹	۲۷، ۳۴، ۱۳۳
۴۲ : ۴۱	۹۷
۴۲ : ۵۲	۵۷، ۱۳۶
الزخرف ۴۳	
۴۳ : ۳	۵۱
۴۳ : ۹	۹۷
۴۳ : ۲۳	۲۷
۴۳ : ۴۳	۴۹، ۱۳۵
۴۳ : ۶۱	۱۳۶
۴۳ : ۶۱-۶۲	۱۳۰
۴۳ : ۶۳-۶۴	۱۳۶
۴۳ : ۶۳-۶۵	۱۳۱
۴۳ : ۸۷	۶۹، ۹۸، ۹۷

اعداد سور القرآن وآياته	صفحات
الدخان ۴۴	
۴۴ : ۲۵-۲۶	۷۱
۴۴ : ۳۰-۳۲	۸۹
۴۴ : ۳۸-۳۹	۳۰، ۳۸
۴۴ : ۵۱-۵۷	۱۰۸
۴۴ : ۵۸	۵۱
الجاثية ۴۵	
۴۵ : ۳	۳۸، ۸۳
۴۵ : ۴	۳۹
۴۵ : ۵	۳۸
۴۵ : ۱۳-۱۶	۸۹، ۸۸
۴۵ : ۱۷	۶، ۱۰۸
۴۵ : ۲۰	۵۰
۴۵ : ۲۱-۲۲	۸۹
۴۵ : ۲۳	۲۴
۴۵ : ۲۴	۸۲
الأحقاف ۴۶	
۴۶ : ۳	۱۲۴
۴۶ : ۲۹	۱۰۲
۴۶ : ۳۰	۱۰۲
۴۶ : ۳۱	۱۰۲
۴۶ : ۳۲	۱۰۲
۴۶ : ۳۳	۱۰۳
۴۶ : ۳۵	۲۵
محمد ۴۷	
۴۷ : ۱	۱۱۹
۴۷ : ۲	۲۹، ۱۲۰
۴۷ : ۳	۱۲۳
۴۷ : ۴	۱۴۴
۴۷ : ۴-۵	۱۱۹
۴۷ : ۸	۲۹
۴۷ : ۸-۹	۱۱۹
۴۷ : ۱۰-۱۱	۱۲۰
۴۷ : ۱۱	۲۹
۴۷ : ۱۲	۲۹، ۳۲، ۱۲۰
۴۷ : ۱۸	۱۲۶
۴۷ : ۳۱	۱۲۴
۴۷ : ۳۵-۳۶	۱۰۵
الفتح ۴۸	
۴۸ : ۱-۲	۱۳۲
۴۸ : ۲	۱۳۹
۴۸ : ۱۱-۱۳	۱۱۸
۴۸ : ۲۰	۱۳۲

اعداد سور القرآن وآياته	صفحات
۴۸ : ۲۲-۲۳	۱۱۹
۴۸ : ۲۹	۱۰
الحجرات ۴۹	
۴۹ : ۳	۱۰۴
۴۹ : ۹	۱۳
۴۹ : ۱۰	۱۳، ۸۰، ۱۰۴، ۱۱۰،
۴۹ : ۱۲	۱۱۰
۴۹ : ۱۴	۱۱۳
۴۹ : ۱۶	۸۱
ق ۵۰	
۵۰ : ۲۹	۱۰۱، ۱۱۹
۵۰ : ۳۸	۳۰
الذريات ۵۱	
۵۱ : ۱۵-۱۶	۱۰۸
۵۱ : ۱۵-۱۸	۶۳
۵۱ : ۱۶	۶۳
۵۱ : ۱۷	۷۶
۵۱ : ۱۷-۱۸	۶۱
۵۱ : ۱۸	۷۶
۵۱ : ۴۷-۴۸	۹۷
۵۱ : ۴۹-۵۱	۶۸
۵۱ : ۵۶	۲۲، ۲۶، ۶۳، ۷۶
الطور ۵۲	
۵۲ : ۱۷-۲۰	۱۰۸
۵۲ : ۲۱	۱۱۲
۵۲ : ۳۸	۱۰۰
النجم ۵۳	
۵۳ : ۲۳	۴۱، ۱۰۸
۵۳ : ۲۸-۳۰	۱۳۳
۵۳ : ۳۱	۹۰، ۱۳۴
۵۳ : ۳۹	۳۴، ۱۳۶، ۱۱۲
الرحمن ۵۵	
۵۵ : ۵	۶۲
۵۵ : ۶	۶۱
۵۵ : ۲۹	۳۱
۵۵ : ۳۳	۹۷
۵۵ : ۴۶	۱۰۸
الواقعة ۵۶	
۵۶ : ۱-۳	۹۵
۵۶ : ۱۰-۱۱	۱۰
۵۶ : ۷۶	۵
۰	

اعداد سور القرآن وآياته	صفحات
الحديد ۵۷	
۵۷ : ۴-۷	۸۱
۵۷ : ۱۲	۱۰
۵۷ : ۲۰	۲۶
۵۷ : ۲۵	۴۳
۵۷ : ۲۷	۷۷
الحشر ۵۹	
۵۹ : ۱۳	۱۱۹
۵۹ : ۱۴	۱۱۹
۵۹ : ۱۹	۱۲۶
۵۹ : ۲۲	۱۲۶
۵۹ : ۲۳	۲۹
الممتحنة ۶۰	
۶۰ : ۱۳	۱۲۵
الصف ۶۱	
۶۱ : ۲	۱۱۲
۶۱ : ۲-۳	۱۱
۶۱ : ۳	۹۶، ۱۱۲
۶۱ : ۴	۱۲۴
۶۱ : ۹	۱۲، ۵۰، ۱۳۷
الجمعة ۶۲	
۶۲ : ۵	۴۱
۶۲ : ۶-۸	۱۲۴
التغابن ۶۴	
۶۴ : ۱۴	۲۰
الطلاق ۶۵	
۶۵ : ۲-۳	۱۰۷
۶۵ : ۴-۵	۱۰۷
التحريم ۶۶	
۶۶ : ۸	۲۴
الملك ۶۷	
۶۷ : ۲	۳۶
۶۷ : ۳	۲۸
الحاقة ۶۹	
۶۹ : ۴۸	۵۰
المعارج ۷۰	
۷۰ : ۱۹-۲۳	۶۴
نوح ۷۱	
۷۱ : ۲-۳	۷۸
۷۱ : ۱۰-۱۲	۷۸
الجن ۷۲	
۷۲ : ۱-۲	۱۰۲
۷۲ : ۳-۴	۱۰۲

اعداد سور القرآن وآياته	صفحات
۷۲ : ۵-۱۹	۱۰۳
۷۲ : ۸	۱۰۱
۷۲ : ۲۰-۲۸	۱۰۰
۷۲ : ۲۱	۱۴
۷۲ : ۲۶	۱۴
۷۲ : ۲۷	۱۴
المدثر ۷۴	
۷۴ : ۵۴-۵۵	۳۴
القيامة ۷۵	
۷۵ : ۲	۳۴
والمرسلات ۷۷	
۷۷ : ۳۴	۳۰
عبس ۸۰	
۸۰ : ۱۷	۳۵
۸۰ : ۱۹-۲۰	۳۴
التكوير ۸۱	
۸۱ : ۲۹	۳۲، ۳۳، ۳۴
الانفطار ۸۲	
۸۲ : ۸	۳۴
الانشقاق ۸۴	
۸۴ : ۲۱-۲۲	۱۲۵
الأعلى ۸۷	
۸۷ : ۱۴	۵۹
الليل ۹۲	
۹۲ : ۱۹-۲۰	۷۷
التين ۹۵	
۹۵ : ۶	۱۴۳
البينة ۹۸	
۹۸ : ۴-۵	۷
الزلزال ۹۹	
۹۹ : ۷-۸	۳۱
الهمزة ۱۰۴	
۱۰۴ : ۶-۷	۳۱
الماعون ۱۰۷	
۱۰۷ : ۴-۷	۶۴
النصر ۱۱۰	
۱۱۰ : ۲	۵۴
الإخلاص ۱۱۲	
۱۱۲ : ۱	۲۱
الناس ۱۱۴	
۱۱۴ : ۴-۵	۷

تمت بالخير

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۲۲۴	(۷ : ۱۸۳)	۹۸
۲۲۵	(۷ : ۱۸۵)	۶۳
۲۲۶	(۷ : ۱۸۷)	۸۴
۲۲۷	(۷ : ۱۸۹)	۴۰
۲۲۸	(۷ : ۱۹۰)	۴۰
۲۲۹	(۷ : ۲۰۳)	۵۷
۲۳۰	(۷ : ۲۰۶)	۱۰۷
۱۲۳۶	۸-الانفال (۷۵)	
۲۳۱	(۸ : ۱)	۱۷۹، ۲۶۳
۲۳۲	(۸ : ۲)	۱۰۳، ۲۶۳
۲۳۳	(۸ : ۳)	۱۸۰، ۲۶۳
۲۳۴	(۸ : ۴)	۱۸۰، ۲۶۳
۲۳۵	(۸ : ۷)	۱۸۴
۲۳۶	(۸ : ۸)	۱۸۴
۲۳۷	(۸ : ۱۱)	۱۴۲، ۱۴۴
۲۳۸	(۸ : ۱۲)	۱۴۴
۲۳۹	(۸ : ۲۰)	۱۷۰
۲۴۰	(۸ : ۲۱)	۱۷۰
۲۴۱	(۸ : ۲۲)	۱۷۰
۲۴۲	(۸ : ۲۴)	۱۷۱
۲۴۳	(۸ : ۲۵)	۱۷۱، ۲۴۵
۲۴۴	(۸ : ۲۹)	۱۲، ۱۲۴
۲۴۵	(۸ : ۲۹)	۱۵۲
۲۴۶	(۸ : ۳۱)	۷۱
۲۴۷	(۸ : ۳۵)	۱۱۱
۲۴۸	(۸ : ۴۵)	۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۰
۲۴۹	(۸ : ۵۳)	۲۱۲
۲۵۰	(۸ : ۶۳)	۱۶۷، ۱۹۸
۲۵۱	(۸ : ۶۴)	۶۷
۲۵۲	(۸ : ۶۵)	۱۶۴
۲۵۳	(۸ : ۶۶)	۱۶۴
۲۵۴	(۸ : ۷۴)	۱۱۴، ۱۲۵
۱۲۶۵	۹-التوبۃ (۱۲۹)	
۲۵۵	(۹ : ۴)	۱۹۹
۲۵۶	(۹ : ۱۳)	۱۵۷، ۱۵۸
۲۵۷	(۹ : ۲۰)	۱۱۸
۲۵۸	(۹ : ۲۱)	۱۱۵
۲۵۹	(۹ : ۲۲)	۱۱۵
۲۶۰	(۹ : ۳۱)	۱۸۶
۲۶۱	(۹ : ۳۲)	۱۸۴، ۲۷
۲۶۲	(۹ : ۳۳)	۱۸۴
۲۶۳	(۹ : ۳۴)	۱۳۸
۲۶۴	(۹ : ۳۵)	۱۳۸
۲۶۵	(۹ : ۳۹)	۹
۲۶۶	(۹ : ۴۴)	۱۵۸
۲۶۷	(۹ : ۴۵)	۱۵۸
۲۶۸	(۹ : ۵۰)	۱۲۵
۲۶۹	(۹ : ۶۷)	۱۴۹
۲۷۰	(۹ : ۷۰)	۷۶
۲۷۱	(۹ : ۷۱)	۱۵۰
۲۷۲	(۹ : ۸۴)	۱۳۳
۲۷۳	(۹ : ۸۸)	۱۳۴
۲۷۴	(۹ : ۸۹)	۱۳۴
۲۷۵	(۹ : ۹۷)	۸۰
۲۷۶	(۹ : ۹۹)	۱۳۳
۲۷۷	(۹ : ۱۰۳)	۱۳۳، ۱۸۱
۲۷۸	(۹ : ۱۰۴)	۱۳۹
۲۷۹	(۹ : ۱۰۷)	۲۵۵
۲۸۰	(۹ : ۱۰۸)	۲۵۵، ۲۵۷
۲۸۱	(۹ : ۱۰۹)	۲۵۵
۲۸۲	(۹ : ۱۱۰)	۲۵۵
۲۸۳	(۹ : ۱۱۱)	۱۴۰
۱۴۷۴	۱۰-یونس (۱۰۹)	
۲۸۴	(۱۰ : ۱)	۵۳
۲۸۵	(۱۰ : ۱۴)	۱۰
۲۸۶	(۱۰ : ۱۹)	۱۹۱
۲۸۷	(۱۰ : ۲۵)	۲۳۵
۲۸۸	(۱۰ : ۲۷)	۱۲۸
۲۸۹	(۱۰ : ۳۴)	۲۴
۲۹۰	(۱۰ : ۴۴)	۱۲۱
۲۹۱	(۱۰ : ۵۷)	۹۰
۲۹۲	(۱۰ : ۶۲)	۱۵۸
۲۹۳	(۱۰ : ۶۳)	۱۵۸
۲۹۴	(۱۰ : ۶۴)	۱۵۸، ۱۸۵
۲۹۵	(۱۰ : ۱۰۳)	۱۶۶
۱۵۹۷	۱۱-هود (۱۲۳)	
۲۹۶	(۱۱ : ۱)	۵۵
۲۹۷	(۱۱ : ۱۰)	۱۲۸، ۲۱۴
۲۹۸	(۱۱ : ۱۳)	۶۵، ۶۶
۲۹۹	(۱۱ : ۱۴)	۶۶
۳۰۰	(۱۱ : ۱۷)	۲۰۳
۳۰۱	(۱۱ : ۵۷)	۸۸، ۹۰، ۲۰۳
۳۰۲	(۱۱ : ۱۰۸)	۱۹۴
۳۰۳	(۱۱ : ۱۱۹)	۱۲۰، ۱۹۴، ۹۰
۱۷۰۸	۱۲-یوسف (۱۱۱)	
۳۰۴	(۱۲ : ۱)	۵۷، ۶۱
۳۰۵	(۱۲ : ۲)	۶۱، ۶۶
۳۰۶	(۱۲ : ۶)	۲۱۳
۳۰۷	(۱۲ : ۱۲)	۱۶۲
۳۰۸	(۱۲ : ۲۴)	۲۰۸
۳۰۹	(۱۲ : ۲۸)	۲۴۷
۳۱۰	(۱۲ : ۱۱۱)	۸۶، ۹۰، ۹۲
۱۷۵۱	۱۳-الرعد (۴۳)	
۳۱۱	(۱۳ : ۴)	۱۱۵
۳۱۲	(۱۳ : ۶)	۱۲۷
۳۱۳	(۱۳ : ۲۲)	۱۲۹
۳۱۴	(۱۳ : ۳۴)	۱۱۹
۳۱۵	(۱۳ : ۳۷)	۹۰
۳۱۶	(۱۳ : ۳۸)	۲۴۵
۱۸۰۳	۱۴-ابراهیم (۵۲)	
۳۱۷	(۱۴ : ۱)	۲۶۹، ۵۵
۳۱۸	(۱۴ : ۴)	۶۶، ۴۶
۳۱۹	(۱۴ : ۵)	۲۷۰
۳۲۰	(۱۴ : ۶)	۲۱۵
۳۲۱	(۱۴ : ۷)	۲۴۸
۳۲۲	(۱۴ : ۸)	۱۴۱
۳۲۳	(۱۴ : ۱۲)	۲۲۷
۳۲۴	(۱۴ : ۱۳)	۹۶، ۴۳
۳۲۵	(۱۴ : ۱۵)	۴۳، ۹۶، ۱۵۹، ۲۷۱
۳۲۶	(۱۴ : ۲۳)	۲۷۱
۳۲۷	(۱۴ : ۲۷)	۱۴۳
۳۲۸	(۱۴ : ۳۴)	۲۱۲
۱۹۰۲	۱۵-الحجر (۹۹)	
۳۲۹	(۱۵ : ۱)	۵۷
۳۳۰	(۱۵ : ۹)	۹۲
۳۳۱	(۱۵ : ۲۱)	۱۲۹
۳۳۲	(۱۵ : ۸۷)	۲۶۸
۳۳۳	(۱۵ : ۹۰)	۷۴
۳۳۴	(۱۵ : ۹۱)	۷۴، ۱۴۳
۳۳۵	(۱۵ : ۹۲)	۷۴
۳۳۶	(۱۵ : ۹۳)	۷۴

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۱۰۱	(۴: ۵)	۱۴۹
۱۰۲	(۴: ۶)	۱۴۹
۱۰۳	(۴: ۱۱)	۱۸۹
۱۰۴	(۴: ۱۵)	
۱۰۵	(۴: ۱۶)	۱۸۹
۱۰۶	(۴: ۱۷)	۱۸۹
۱۰۷	(۴: ۱۹)	۱۴۹
۱۰۸	(۴: ۲۳)	۱۸۹
۱۰۹	(۴: ۲۵)	۱۴۹
۱۱۰	(۴: ۲۹)	۱۸۹
۱۱۱	(۴: ۳۰)	۱۸۹
۱۱۲	(۴: ۳۲)	۱۸۹
۱۱۳	(۴: ۳۳)	۱۸۹
۱۱۴	(۴: ۳۴)	۱۸۹
۱۱۵	(۴: ۳۵)	۱۸۹
۱۱۶	(۴: ۳۶)	۱۸۹
۱۱۷	(۴: ۴۸)	۱۲۰
۱۱۸	(۴: ۵۸)	۲۴۱
۱۱۹	(۴: ۵۹)	۱۷۹، ۲۴۴
۱۲۰	(۴: ۶۲)	۱۲۵
۱۲۱	(۴: ۶۴)	۲۴۵
۱۲۲	(۴: ۶۶)	۲۴۳
۱۲۳	(۴: ۶۷)	۲۴۳
۱۲۴	(۴: ۶۸)	۲۴۳
۱۲۵	(۴: ۶۹)	۲۴۳، ۲۲۰
۱۲۶	(۴: ۷۰)	۲۴۳
۱۲۷	(۴: ۷۲)	۱۲۵
۱۲۸	(۴: ۷۹)	۱۲۳، ۱۲۷
۱۲۹	(۴: ۸۰)	۱۷۱
۱۳۰	(۴: ۸۲)	۵۸
۱۳۱	(۴: ۱۰۳)	۱۸۹، ۲۳۰
۱۳۲	(۴: ۱۰۴)	۱۶۴
۱۳۳	(۴: ۱۱۳)	۵۴
۱۳۴	(۴: ۱۱۴)	۱۴۹
۱۳۵	(۴: ۱۱۶)	۱۱۹
۱۳۶	(۴: ۱۳۵)	۲۰۲، ۲۵۷
۱۳۷	(۴: ۱۴۲)	۲۵۳
۱۳۸	(۴: ۱۴۳)	۲۵۳
۱۳۹	(۴: ۱۴۵)	۲۵۳
۱۴۰	(۴: ۱۷۶)	۲۲۴
۹۷۷	**۵- المائدۃ (۱۲۰)**	
۱۴۱	(۵: ۳)	۲۱۷، ۵۷
۱۴۲	(۵: ۶)	۲۱۷
۱۴۳	(۵: ۷)	۲۱۸
۱۴۴	(۵: ۸)	۲۰۲
۱۴۵	(۵: ۱۱)	۲۱۹، ۱۷۸
۱۴۶	(۵: ۱۳)	۲۶۴
۱۴۷	(۵: ۱۳)	۲۶۶
۱۴۸	(۵: ۱۵)	۲۶۰، ۱۷۶، ۲۳۵
۱۴۹	(۵: ۱۶)	۱۷۶، ۲۳۵، ۲۶۰
۱۵۰	(۵: ۲۰)	۲۱۵
۱۵۱	(۵: ۲۲)	۲۱۹
۱۵۲	(۵: ۲۳)	۲۱۹
۱۵۳	(۵: ۳۵)	۱۵۶
۱۵۴	(۵: ۴۴)	۹۶، ۸۹
۱۵۵	(۵: ۴۵)	۹۶
۱۵۶	(۵: ۴۶)	۸۹
۱۵۷	(۵: ۴۷)	۹۶
۱۵۸	(۵: ۴۸)	۱۳۵، ۱۹۳
۱۵۹	(۵: ۵۰)	۹۲
۱۶۰	(۵: ۵۵)	۱۰۷
۱۶۱	(۵: ۵۶)	۱۵۰، ۱۵۳، ۱۷۹
۱۶۲	(۵: ۵۷)	۲۵۰
۱۶۳	(۵: ۵۸)	۲۵۰
۱۶۴	(۵: ۱۰۶)	۱۲۶
۱۶۵	(۵: ۱۰۹)	۲۲۱
۱۶۶	(۵: ۱۱۰)	۲۲۱
۱۶۷	(۵: ۱۱۲)	۱۷۹
۹۵۵	**۶- الانعام (۱۶۶)**	
۱۶۸	(۶: ۴۴)	۲۵۴
۱۶۹	(۶: ۴۵)	۲۵۴
۱۷۰	(۶: ۴۷)	۲۵۶، ۸۱
۱۷۱	(۶: ۴۸)	۸۱
۱۷۲	(۶: ۸۷)	۲۳۴
۱۷۳	(۶: ۸۸)	۲۳۴
۱۷۴	(۶: ۹۲)	۸۹
۱۷۵	(۶: ۹۹)	۱۵
۱۷۶	(۶: ۱۰۰)	۱۰۳، ۱۱۵۶
۱۷۷	(۶: ۱۱۵)	۸۹، ۹۲، ۹۳
۱۷۸	(۶: ۱۱۶)	۴۰، ۹۲، ۹۳، ۱۵۱
۱۷۹	(۶: ۱۱۷)	۹۳
۱۸۰	(۶: ۱۱۸)	۹۳
۱۸۱	(۶: ۱۲۶)	۲۳۸
۱۸۲	(۶: ۱۳۷)	۲۳۸
۱۸۳	(۶: ۱۴۸)	۲۳۸
۱۸۴	(۶: ۱۴۴)	۹
۱۸۵	(۶: ۱۴۲)	۱۱۵
۱۸۶	(۶: ۱۵۲)	۲۴۰، ۲۴۱
۱۸۷	(۶: ۱۵۳)	۲۴۰، ۲۴۱
۱۸۸	(۶: ۱۵۴)	۲۴۰، ۲۴۲
۱۸۹	(۶: ۱۵۵)	۸۹
۱۹۰	(۶: ۱۵۶)	۸۹
۱۹۱	(۶: ۱۵۸)	۹۰
۱۹۲	(۶: ۱۶۰)	۱۳۱
۱۹۳	(۶: ۱۶۱)	۱۳۰
۱۹۴	(۶: ۱۶۲)	۲۳۱
۱۹۵	(۶: ۱۶۳)	۲۳۱
۱۹۶	(۶: ۱۶۴)	۲۳۱
۱۹۷	(۶: ۱۶۶)	۱۳
۱۱۶۱	**۷- الاعراف (۲۰۶)**	
۱۹۸	(۷: ۱۶)	۱۹۵
۱۹۹	(۷: ۱۷)	۱۹۵
۲۰۰	(۷: ۱۸)	۱۹۵
۲۰۱	(۷: ۲۷)	۲۰۷
۲۰۲	(۷: ۲۸)	۲۰۷
۲۰۳	(۷: ۲۹)	۲۰۱، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۱، ۲۵۷
۲۰۴	(۷: ۳۴)	۱۳، ۱۷۷
۲۰۵	(۷: ۳۵)	۱۳، ۱۷۳، ۱۷۷
۲۰۶	(۷: ۵۲)	۵۸، ۹۰، ۹۲، ۱۷۵
۲۰۷	(۷: ۵۴)	۱۴۱
۲۰۸	(۷: ۵۶)	۲۰۵
۲۰۹	(۷: ۹۵)	۱۲۷
۲۱۰	(۷: ۱۲۸)	۳۹
۲۱۱	(۷: ۱۲۹)	۹
۲۱۲	(۷: ۱۳۰)	۱۲۷
۲۱۳	(۷: ۱۳۶)	۱۹، ۴۰
۲۱۴	(۷: ۱۳۸)	۴۰
۲۱۵	(۷: ۱۵۲)	۲۲۳
۲۱۶	(۷: ۱۵۴)	۸۹
۲۱۷	(۷: ۱۵۶)	۱۵۶
۲۱۸	(۷: ۱۵۷)	۱۷۲
۲۱۹	(۷: ۱۵۸)	۲۰۴
۲۲۰	(۷: ۱۶۲)	۲۶۰
۲۲۱	(۷: ۱۶۸)	۱۲۷
۲۲۲	(۷: ۱۷۶)	۸۵
۲۲۳	(۷: ۱۸۲)	۹۸

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۴۴۸	(۶ : ۳۶)	۹۵
۴۴۹	(۳۰ : ۲۵)	۴۶
۴۵۰	(۳۱ : ۲۵)	۴۶
۴۵۱	(۳۲ : ۲۵)	۴۶، ۷۲
۴۵۲	(۶۳ : ۲۵)	۳۰۰، ۳۰۱
۴۵۳	(۷۱ : ۲۵)	۳۰۱
۳۱۶۰	۲۶-الشعراء (۲۲۷)	
۴۵۴	(۳ : ۲۶)	۸۰
۴۵۵	(۴ : ۲۶)	۸۰
۴۵۶	(۲۲ : ۲۶)	۱۱۰، ۲۱۴
۴۵۷	(۵۷ : ۲۶)	۱۱۶
۴۵۸	(۵۸ : ۲۶)	۱۱۶
۴۵۹	(۵۹ : ۲۶)	۱۱۶
۴۶۰	(۱۳۲ : ۲۶)	۱۱۶
۴۶۱	(۱۳۳ : ۲۶)	۱۱۶
۴۶۲	(۱۳۴ : ۲۶)	۱۱۶
۴۶۳	(۱۳۷ : ۲۶)	۱۱۶
۴۶۴	(۱۳۸ : ۲۶)	۱۱۶
۴۶۵	(۲۲۴ : ۲۶)	۶۴
۴۶۶	(۲۲۵ : ۲۶)	۶۴
۴۶۷	(۲۲۶ : ۲۶)	۶۴
۳۲۵۳	۲۷-النمل (۹۳)	
۴۶۸	(۱ : ۲۷)	۵۷، ۱۷۵
۴۶۹	(۲ : ۲۷)	۹۰، ۱۷۵
۴۷۰	(۶ : ۲۷)	۵۴
۴۷۱	(۲۴ : ۲۷)	۱۰۷
۴۷۲	(۲۶ : ۲۷)	۱۲۷
۴۷۳	(۶۰ : ۲۷)	۱۰۲، ۱۹۱
۴۷۴	(۷۷ : ۲۷)	۹۰
۴۷۵	(۸۹ : ۲۷)	۱۳۱
۴۷۶	(۹۰ : ۲۷)	۱۳۱
۳۳۴۱	۲۸-القصص (۸۸)	
۴۷۷	(۲ : ۲۸)	۵۷
۴۷۸	(۵ : ۲۸)	۱۸
۴۷۹	(۶ : ۲۸)	۱۸
۴۸۰	(۳۴ : ۲۸)	۶۵
۴۸۱	(۴۳ : ۲۸)	۸۹
۴۸۲	(۴۷ : ۲۸)	۱۲۵
۴۸۳	(۴۹ : ۲۸)	۸۹، ۹۱
۴۸۴	(۵۴ : ۲۸)	۱۲۹
۴۸۵	(۵۵ : ۲۸)	۲۰۰
۴۸۶	(۵۸ : ۲۸)	۱
۴۸۷	(۵۹ : ۲۸)	۱، ۸۱
۴۸۸	(۶۷ : ۲۸)	۳۳
۴۸۹	(۶۸ : ۲۸)	۳۳، ۱۹۱
۴۹۰	(۸۴ : ۲۸)	۱۲۸
۳۴۱۰	۲۹-العنکبوت (۶۹)	
۴۹۱	(۲ : ۲۹) ۳-۲	۱۷۳، ۱۸۱
۴۹۲	(۱۹ : ۲۹)	۲۴
۴۹۳	(۲۰ : ۲۹)	۲۴
۴۹۴	(۲۹ : ۲۹)	۱۵۰
۴۹۵	(۴۵ : ۲۹)	۲۰۶، ۲۰۹، ۳۳۰
۴۹۶	(۴۹ : ۲۹)	۹۴
۴۹۷	(۵۰ : ۲۹)	۹۴
۴۹۸	(۵۱ : ۲۹)	۹۴، ۲۰۰
۴۹۹	(۵۲ : ۲۹)	۹۴
۵۰۰	(۶۷ : ۲۹)	۲۱۸
۵۰۱	(۶۹ : ۲۹)	۲۴۲
۳۴۷۰	۳۰-الروم (۶۰)	
۵۰۲	(۹ : ۳۰)	۳۹، ۶۶
۵۰۳	(۲۷ : ۳۰)	۲۲
۵۰۴	(۳۰ : ۳۰)	۱۰۰، ۱۱
۵۰۵	(۳۶ : ۳۰)	۲۰
۵۰۶	(۴۷ : ۳۰)	۱۰۶
۳۵۰۴	۳۱-لقمٰن (۳۴)	
۵۰۷	(۲ : ۳۱)	۵۳
۵۰۸	(۳ : ۳۱)	۹۰
۵۰۹	(۲۰ : ۳۱)	۲۱۴
۵۱۰	(۳۱ : ۳۱)	۲۱۳
۵۱۱	(۳۴ : ۳۱)	۱۶۲
۳۵۳۴	۳۲-السجدة (۳۰)	
۵۱۲	(۴ : ۳۲)	۱۴
۵۱۳	(۵ : ۳۲)	۱۴
۵۱۴	(۶ : ۳۲)	۱۴
۵۱۵	(۷ : ۳۲)	۱۴
۵۱۶	(۸ : ۳۲)	۱۴
۵۱۷	(۹ : ۳۲)	۱۴
۵۱۸	(۱۳ : ۳۲)	۱۹۶
۵۱۹	(۱۶ : ۳۲)	۲۲۶، ۲۶۳
۵۲۰	(۲۳ : ۳۲)	۸۹
۵۲۱	(۶۲ : ۳۲)	۴
۳۶۰۷	۳۳-الاحزاب (۷۳)	
۵۲۲	(۹ : ۳۳)	۴۲، ۲۱۹
۵۲۳	(۳۷ : ۳۳)	۳، ۲۱۹، ۲۳۰
۵۲۴	(۷۲ : ۳۳)	۳۲، ۱۳۲
۳۶۶۱	۳۴-السبا (۵۴)	
۵۲۵	(۱۷ : ۳۴)	۹۶
۵۲۶	(۲۸ : ۳۴)	۲۰۴
۵۲۷	(۳۹ : ۳۴)	۱۰
۳۷۰۶	۳۵-الفاطر (۴۵)	
۵۲۸	(۱ : ۳۵)	۳۲
۵۲۹	(۳ : ۳۵)	۲۱۴
۵۳۰	(۱۵ : ۳۵)	۳۴
۵۳۱	(۱۶ : ۳۵)	۳۴
۵۳۲	(۱۷ : ۳۵)	۳۴
۵۳۳	(۲۸ : ۳۵)	۳۸
۵۳۴	(۳۰ : ۳۵)	۱۳۶
۵۳۵	(۳۹ : ۳۵)	۲۰۵
۵۳۶	(۴۳ : ۳۵)	۱۹۳
۵۳۷	(۴۴ : ۳۵)	۳۹
۳۷۸۹	۳۶-یٰسٓ (۸۳)	
۵۳۸	(۱ : ۳۶)	۵۳
۵۳۹	(۲ : ۳۶)	۵۳
۵۴۰	(۳ : ۳۶)	۵۳
۵۴۱	(۴ : ۳۶)	۵۳
۵۴۲	(۳۴ : ۳۶)	۱۱۵
۵۴۳	(۳۸ : ۳۶)	۲۳
۵۴۴	(۳۹ : ۳۶)	۲۳
۵۴۵	(۴۰ : ۳۶)	۲۳
۵۴۶	(۶۰ : ۳۶)	۲۲۸
۵۴۷	(۶۱ : ۳۶)	۲۲۸
۵۴۸	(۶۶ : ۳۶)	۱۷۳
۵۴۹	(۶۷ : ۳۶)	۱۷۳
۵۵۰	(۶۹ : ۳۶)	۶۴
۵۵۱	(۷۰ : ۳۶)	۶۴
۵۵۲	(۷۷ : ۳۶)	۱۷۴
۵۵۳	(۷۹ : ۳۶)	۳۱
۵۵۴	(۸۰ : ۳۶)	۳۱

شمارہ	شمار آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۲۰۳۰	۱۶- النحل (۱۲۸)	
۳۳۷	۸ : ۱۶	۲۵
۳۳۸	۲ : ۱۶	۱۵۹
۳۳۹	۳۶ : ۱۶	۱۸۷
۳۴۰	۴۴ : ۱۶	۱۵۱، ۸۹، ۵۹
۳۴۱	۴۵ : ۱۶	۱۲۸
۳۴۲	۴۹ : ۱۶	۱۰۷
۳۴۳	۵۳ : ۱۶	۲۱۴
۳۴۴	۶۴ : ۱۶	۹۰
۳۴۵	۷۱ : ۱۶	۲۱۴
۳۴۶	۷۲ : ۱۶	۲۱۴
۳۴۷	۷۹ : ۱۶	۱۰۲
۳۴۸	۸۱ : ۱۶	۲۱۴
۳۴۹	۸۳ : ۱۶	۲۱۴، ۱۵۴
۳۵۰	۸۹ : ۱۶	۱۶۷، ۹۲، ۹۰، ۵۹
۳۵۱	۹۰ : ۱۶	۲۰۸
۳۵۲	۹۱ : ۱۶	۱۹۸
۳۵۳	۹۳ : ۱۶	۱۹۲
۳۵۴	۱۰۳ : ۱۶	۲۴۴، ۹۰
۳۵۵	۱۰۳ : ۱۶	۹۱
۳۵۶	۱۱۴ : ۱۶	۲۱۶
۳۵۷	۱۲۰ : ۱۶	۲۳۲
۳۵۸	۱۲۱ : ۱۶	۲۳۲
۳۵۹	۱۲۲ : ۱۶	۲۳۲
۳۶۰	۱۲۵ : ۱۶	۹۵
۳۶۱	۱۲۷ : ۱۶	۱۵۲
۳۶۲	۱۲۸ : ۱۶	۱۵۲
۲۱۴۱	۱۷- بنی اسرآءیل (۱۱۱)	
۳۶۳	۲ : ۱۷	۸۹
۳۶۴	۵ : ۱۷	۱۳۰
۳۶۵	۶ : ۱۷	۱۳۰
۳۶۶	۷ : ۱۷	۱۳۰
۳۶۷	۹ : ۱۷	۲۶۰، ۳۵
۳۶۸	۱۱ : ۱۷	۱۸۹
۳۶۹	۳۶ : ۱۷	۸۳
۳۷۰	۳۷ : ۱۷	۲۰۰
۳۷۱	۳۹ : ۱۷	۸۳
۳۷۲	۴۹ : ۱۷	۲۹
۳۷۳	۵۰ : ۱۷	۲۹
۳۷۴	۵۱ : ۱۷	۲۹
۳۷۵	۵۳ : ۱۷	۱۸۹
۳۷۶	۵۶ : ۱۷	۱۵۷

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۳۷۷	۵۷ : ۱۷	۱۵۷
۳۷۸	۷۸ : ۱۷	۲۰۱۷
۳۷۹	۸۳ : ۱۷	۲۱۳
۳۸۰	۸۸ : ۱۷	۷۱
۳۸۱	۱۰۶ : ۱۷	۷۲
۳۸۲	۱۱۰ : ۱۷	۱۱۲
۲۲۵۱	۱۸- الکہف (۱۱۰)	
۳۸۳	۱ : ۱۸	۵۵، ۶
۳۸۴	۲ : ۱۸	۱
۳۸۵	۵ : ۱۸	۱۹۶
۳۸۶	۲۳ : ۱۸	۱۶۲
۳۸۷	۵۴ : ۱۸	۱۸۹
۲۳۴۹	۱۹- مریم (۹۸)	
۳۸۸	۵۶ : ۱۹	۲۲۰
۳۸۹	۵۷ : ۱۹	۲۲۰
۳۹۰	۵۸ : ۱۹	۲۲۰
۳۹۱	۵۹ : ۱۹	۲۶۶
۳۹۲	۹۷ : ۱۹	۱۵۱، ۷۹، ۶۶
۳۹۳	۹۸ : ۱۹	۷۹
۲۴۸۴	۲۰- طٰہٰ (۱۳۵)	
۳۹۴	۱۴ : ۲۰	۱۰۹
۳۹۵	۴۹ : ۲۰	۱۱
۳۹۶	۵۰ : ۲۰	۱۱
۳۹۷	۸۰ : ۲۰	۲۲۳
۳۹۸	۸۱ : ۲۰	۲۲۳
۳۹۹	۸۲ : ۲۰	۲۲۳
۲۵۹۶	۲۱- الانبیآء (۱۱۲)	
۴۰۰	۵ : ۲۱	۸۸
۴۰۱	۳۰ : ۲۱	۲۲، ۲۰
۴۰۲	۳۱ : ۲۱	۲۲
۴۰۳	۳۲ : ۲۱	۲۲
۴۰۴	۳۳ : ۲۱	۲۲
۴۰۵	۴۸ : ۲۱	۸۹
۴۰۶	۵۰ : ۲۱	۹۰
۴۰۷	۷۳ : ۲۱	۱۳۶، ۱۰۸
۴۰۸	۹۰ : ۲۱	۲۴۷، ۱۳۹، ۱۱۰
۴۰۹	۱۰۵ : ۲۱	۸۷، ۴۰
۴۱۰	۱۰۶ : ۲۱	۸۷، ۴۰
۴۱۱	۱۰۷ : ۲۱	۸۶

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۲۶۷۴	۲۲- الحج (۷۸)	
۴۱۳	(۳۴ : ۲۲)	۲۳۱، ۱۷۳
۴۱۴	(۳۵ : ۲۲)	۲۳۱، ۱۷۳
۴۱۴	(۳۷ : ۲۲)	۲۳۲
۴۱۵	(۴۶ : ۲۲)	۸۳
۴۱۶	(۴۷ : ۲۲)	۱۶
۴۱۷	(۵۴ : ۲۲)	۲۲۷
۴۱۸	(۶۷ : ۲۲)	۲۳۶، ۲۳۲، ۲۲۹
۴۱۹	(۶۸ : ۲۲)	۲۳۳
۴۲۰	(۶۹ : ۲۲)	۲۳۳
۴۲۱	(۷۲ : ۲۲)	۱۵۰
۴۲۲	(۷۴ : ۲۲)	۱۱
۴۲۳	(۷۷ : ۲۲)	۱۰۵
۴۲۴	(۷۸ : ۲۲)	۱۰۵
۲۷۹۲	۲۳- المؤمنون (۱۱۸)	
۴۲۵	(۱۹ : ۲۳)	۱۱۵
۴۲۶	(۴۵ : ۲۳)	۱۰۹
۴۲۷	(۴۶ : ۲۳)	۱۰۹
۴۲۸	(۴۷ : ۲۳)	۱۰۹
۴۲۹	(۵۰ : ۲۳)	۲۲۲
۴۳۰	(۵۲ : ۲۳)	۷۹، ۴۹
۴۳۱	(۵۳ : ۲۳)	۷۴، ۴۹
۴۳۲	(۵۴ : ۲۳)	۴۹
۴۳۳	(۵۵ : ۲۳)	۱۳۵
۴۳۴	(۵۶ : ۲۳)	۱۳۵
۴۳۵	(۶۰ : ۲۳)	۱۴۷
۴۳۶	(۶۱ : ۲۳)	۱۳۵
۴۳۷	(۶۶ : ۲۳)	۸۸
۴۳۸	(۶۷ : ۲۳)	۸۸
۴۳۹	(۶۸ : ۲۳)	۸۸
۴۴۰	(۶۹ : ۲۳)	۸۸
۴۴۱	(۷۰ : ۲۳)	۸۸
۴۴۲	(۷۲ : ۲۳)	۲۲۷
۴۴۳	(۷۳ : ۲۳)	۲۲۷
۲۸۵۶	۲۴- النور (۶۴)	
۴۴۴	(۳۱ : ۲۴)	۲۰۹
۴۴۵	(۳۵ : ۲۴)	۳۷
۴۴۶	(۴۶ : ۲۴)	۳۷
۴۴۷	(۵۵ : ۲۴)	۲۶۵، ۱۲۷، ۲
۲۹۳۳	۲۵- الفرقان (۷۷)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۴۷۸۵	۵۲-الطور (۴۹)	
۶۵۱	(۵۲: ۲۹)	۸۵
۶۵۲	(۵۲: ۳۰)	۸۵، ۷۱
۶۵۳	(۵۲: ۳۱)	۸۵
۶۵۴	(۵۲: ۳۳)	۷۱
۶۵۵	(۵۲: ۳۴)	۷۱
۴۸۴۷	۵۳-النجم (۶۲)	
۶۵۶	(۵۳: ۱)	۲۰
۶۵۷	(۵۳: ۲)	۲۰
۶۵۸	(۵۳: ۳)	۲۰
۶۵۹	(۵۳: ۴)	۲۰
۶۶۰	(۵۳: ۵)	۲۰
۶۶۱	(۵۳: ۶)	۲۰
۶۶۲	(۵۳: ۷)	۲۰
۶۶۳	(۵۳: ۸)	۲۰
۶۶۴	(۵۳: ۹)	۲۰
۶۶۵	(۵۳: ۱۰)	۲۰
۶۶۶	(۵۳: ۱۱)	۲۰
۶۶۷	(۵۳: ۱۲)	۲۰
۶۶۸	(۵۳: ۲۳)	۸۴، ۸۲
۶۶۹	(۵۳: ۲۸)	۸۷
۶۷۰	(۵۳: ۲۹)	۸۷
۶۷۱	(۵۳: ۳۰)	۸۷
۶۷۲	(۵۳: ۳۱)	۸۷
۶۷۳	(۵۳: ۳۹)	۱۲
۶۷۴	(۵۳: ۶۲)	۱۰۷
۴۹۰۲	۵۴-القمر (۵۵)	
۶۷۵	(۵۴: ۱۷)	۵۷
۶۷۶	(۵۴: ۲۲)	۵۷
۶۷۷	(۵۴: ۲۶)	۱۶۲
۶۷۸	(۵۴: ۳۴)	۲۱۲
۶۷۹	(۵۴: ۳۵)	۲۱۲
۶۸۰	(۵۴: ۴۰)	۵۷
۴۹۸۰	۵۵-الرحمٰن (۷۸)	
۶۸۱	(۵۵: ۶)	۱۰۷
۶۸۲	(۵۵: ۱۴)	۱۵
۶۸۳	(۵۵: ۲۹)	۲۴
۶۸۴	(۵۵: ۵۶)	۵۲
۶۸۵	(۵۵: ۷۰)	۱۳۶
۶۸۶	(۵۶: ۷۴)	۵۲
۵۰۷۶	۵۶-الواقعة (۹۶)	
۶۸۷	(۵۶: ۱)	۸۴
۶۸۸	(۵۶: ۲)	۸۴
۶۸۹	(۵۶: ۳)	۸۴
۶۹۰	(۵۶: ۲۳)	۵۱
۶۹۱	(۵۶: ۷۵)	۵۱
۶۹۲	(۵۶: ۷۶)	۵۱
۶۹۳	(۵۶: ۷۷)	۱۹۹، ۵۱
۶۹۴	(۵۶: ۷۸)	۱۹۹، ۵۱
۶۹۵	(۵۶: ۷۹)	۱۹۹، ۵۱، ۵۰، ۵۲، ۱۹۹
۶۹۶	(۵۶: ۸۰)	۱۹۹، ۵۱
۶۹۷	(۵۶: ۸۱)	۵۱
۶۹۸	(۵۶: ۸۲)	۵۱
۶۹۹	(۵۶: ۸۳)	۵۱
۷۰۰	(۵۶: ۸۴)	۵۱
۷۰۱	(۵۶: ۸۵)	۵۱
۵۱۰۵	۵۷-الحدید (۲۹)	
۷۰۲	(۵۷: ۷)	۹
۷۰۳	(۵۷: ۱۱)	۱۳۷
۷۰۴	(۵۷: ۱۲)	۲۷۱
۷۰۵	(۵۷: ۱۸)	۱۸۰
۷۰۶	(۵۷: ۲۲)	۱۲۵
۷۰۷	(۵۷: ۲۳)	۱۲۵
۵۱۲۷	۵۸-المجادلة (۲۲)	
۷۰۸	(۵۸: ۷)	۱۴۸
۷۰۹	(۵۸: ۲۲)	۱۴۹، ۱۰۴
۵۱۵۱	۵۹-الحشر (۲۴)	
۷۱۰	(۵۹: ۲)	۱۵۵
۷۱۱	(۵۹: ۱۳)	۱۶۳
۷۱۲	(۵۹: ۱۴)	۱۶۳
۷۱۳	(۵۹: ۱۸)	۱۶۲
۷۱۴	(۵۹: ۲۳)	۱۲۲
۷۱۵	(۵۹: ۲۴)	۱۲۲
۵۱۶۴	۶۰-الممتحنة (۱۳)	
۵۱۸۸	۶۱-الصف (۱۴)	
۷۱۶	(۶۱: ۳)	۱۲۸
۷۱۷	(۶۱: ۸)	۲۷۱، ۱۸۴
۷۱۸	(۶۱: ۹)	۲۱۰، ۱۸۲
۷۱۹	(۶۱: ۱۰)	۱۸۲
۷۲۰	(۶۱: ۱۱)	۱۸۲
۷۲۱	(۶۱: ۱۲)	۱۸۲
۷۲۲	(۶۱: ۱۳)	۱۸۲
۵۱۹۹	۶۲-الجمعة (۱۱)	
۷۲۳	(۶۲: ۲)	۵۴
۵۲۱۰	۶۳-المنٰفقین (۱۱)	
۷۲۴	(۶۳: ۷)	۱۴۱
۵۲۲۸	۶۴-التغابن (۱۸)	
۷۲۵	(۶۴: ۱۱)	۱۲۶
۷۲۶	(۶۴: ۱۴)	۱۳۷
۵۲۴۰	۶۵-الطلاق (۱۲)	
۵۲۵۲	۶۶-التحریم (۱۲)	
۷۲۷	(۶۶: ۸)	۲۷۱
۷۲۸	(۶۶: ۱۲)	۲۲۲
۵۲۸۲	۶۷-الملک (۳۰)	
۷۲۹	(۶۷: ۲)	۲۶
۷۳۰	(۶۷: ۱۵)	۲۹
۵۳۳۴	۶۸-القلم (۵۲)	
۷۳۱	(۶۸: ۲)	۲۱۸
۷۳۲	(۶۸: ۴۹)	۲۱۲
۵۳۸۶	۶۹-الحاقة (۵۲)	
۷۳۳	(۶۹: ۴۱)	۷۲
۷۳۴	(۶۹: ۴۲)	۷۲
۷۳۵	(۶۹: ۴۳)	۷۲
۵۴۳۰	۷۰-المعارج (۴۴)	
۷۳۶	(۷۰: ۴)	۱۶
۷۳۷	(۷۰: ۱۹)	۲۵۲
۷۳۸	(۷۰: ۲۰)	۲۵۲
۷۳۹	(۷۰: ۲۱)	۲۵۲
۷۴۰	(۷۰: ۲۲)	۲۵۲
۷۴۱	(۷۰: ۲۳)	۲۵۲

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۳۹۷۱	۳۷-الصّٰفّٰت (۱۸۲)	
۵۵۵	(۱۱:۳۷)	۱۵
۵۵۶	(۱۱۴:۳۷)	۲۴۶
۵۵۷	(۱۱۵:۳۷)	۲۴۶
۵۵۸	(۱۱۶:۳۷)	۲۴۶
۵۵۹	(۱۱۷:۳۷)	۲۴۶، ۸۹
۵۶۰	(۱۱۸:۳۷)	۲۴۶
۵۶۱	(۱۱۹:۳۷)	۲۴۶
۵۶۲	(۱۲۰:۳۷)	۲۴۶
۵۶۳	(۱۲۱:۳۷)	۲۴۶
۵۶۴	(۱۲۲:۳۷)	۲۴۶
۵۶۵	(۱۷:۳۷)	۱۶۵
۵۶۶	(۱۷۲:۳۷)	۱۶۵
۵۶۷	(۱۷۳:۳۷)	۱۶۵
۴۰۵۹	۳۸-صٓ (۸۸)	
۵۶۸	(۵:۳۸)	۲۱
۵۶۹	(۲۶:۳۸)	۲۳۴
۵۷۰	(۲۹:۳۸)	۵۹
۵۷۱	(۴۵:۳۸)	۲۵۸، ۲۶۰
۵۷۲	(۸۲:۳۸)	۱۹۶
۵۷۳	(۸۳:۳۸)	۱۹۶
۵۷۴	(۸۴:۳۸)	۱۹۶
۵۷۵	(۸۵:۳۸)	۱۹۶
۴۱۳۴	۳۹-الزّمر (۷۵)	
۵۷۶	(۱:۳۹)	۵۳
۵۷۷	(۲:۳۹)	۱۷۲
۵۷۸	(۳:۳۹)	۵، ۱۷۲، ۲۰۰
۵۷۹	(۸:۳۹)	۲۱۴
۵۸۰	(۱۰:۳۹)	۱۵۹
۵۸۱	(۱۱:۳۹)	۱۶۱
۵۸۲	(۱۲:۳۹)	۱۶۱
۵۸۳	(۱۴:۳۹)	۱۶۱
۵۸۴	(۲۷:۳۹)	۵۵، ۱۷۶
۵۸۵	(۲۸:۳۹)	۵۵، ۱۷۶
۵۸۶	(۳۸:۳۹)	۱۲۸
۵۸۷	(۴۹:۳۹)	۱۷۴، ۲۱۳
۵۸۸	(۵۱:۳۹)	۱۲۸
۵۸۹	(۶۳:۳۹)	۱۲۹
۵۹۰	(۷۴:۳۹)	۴۱
+	+	+

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۴۲۱۹	۴۰-المؤمن (۸۵)	
۵۹۱	(۲:۴۰)	۵۳
۵۹۲	(۱۴:۴۰)	۱۹۷
۵۹۳	(۲۱:۴۰)	۳۹
۵۹۴	(۲۲:۴۰)	۹۶
۵۹۵	(۵۱:۴۰)	۱۶۶
۵۹۶	(۵۴:۴۰)	۸۹
۵۹۷	(۵۷:۴۰)	۱۵
۵۹۸	(۶۰:۴۰)	۲۴۸، ۲۵۴
۵۹۹	(۸۲:۴۰)	۳۹
۴۲۷۳	۴۱-حٰمٓ (۵۴)	
۶۰۰	(۳:۴۱)	۵۸
۶۰۱	(۱۸:۴۱)	۱۶۶
۶۰۲	(۳۰:۴۱)	۱۲۶، ۱۶۵
۶۰۳	(۳۱:۴۱)	۱۶۵
۶۰۴	(۳۲:۴۱)	۱۶۵
۶۰۵	(۳۷:۴۱)	۱۰۷
۶۰۶	(۴۲:۴۱)	۵۵
۶۰۷	(۴۴:۴۱)	۹۰
۶۰۸	(۵۱:۴۱)	۲۱۳
۴۳۲۶	۴۲-الشّوریٰ (۵۳)	
۶۰۹	(۳۰:۴۲)	۱۲۵
۶۱۰	(۴۸:۴۲)	۱۲۷
۶۱۱	(۵۱:۴۲)	۱۹۱
۶۱۲	(۵۲:۴۲)	۲۲۷
۴۴۱۵	۴۳-الزّخرف (۸۹)	
۶۱۳	(۲:۴۳)	۵۷، ۶۰
۶۱۴	(۳:۴۳)	۶۰، ۶۶، ۷۷
۶۱۵	(۴:۴۳)	۶۰، ۷۷
۶۱۶	(۵:۴۳)	۶۰، ۷۷
۶۱۷	(۴۳:۴۳)	۲۳۶
۶۱۸	(۵۹:۴۳)	۲۲۱، ۲۲۲
۶۱۹	(۶۰:۴۳)	۱۰، ۱۶
۶۲۰	(۶۱:۴۳)	۲۳۶
۶۲۱	(۶۳:۴۳)	۲۳۵
۶۲۲	(۶۰:۴۳)	۲۳۵
۶۲۳	(۶۵:۴۳)	۲۳۵
۴۴۷۴	۴۴-الدّخان (۵۹)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۶۲۴	(۲:۴۴)	۵۷
۶۲۵	(۲۵:۴۴)	۱۳۱، ۲۱۶
۶۲۶	(۲۶:۴۴)	۱۱۶، ۲۱۶
۶۲۷	(۲۷:۴۴)	۱۱۶، ۲۱۶
۶۲۸	(۲۸:۴۴)	۱۱۶
۶۲۹	(۵۸:۴۴)	۵۷، ۶۶
۴۵۱۱	۴۵-الجاثیة (۳۷)	
۶۳۰	(۲:۴۵)	۵۳
۶۳۱	(۲۰:۴۵)	۵۸، ۹۰،
۴۵۴۶	۴۶-الاحقاف (۳۵)	
۶۳۲	(۲:۴۶)	۵۳
۶۳۳	(۱۲:۴۶)	۸۹، ۹۰۰
۶۳۴	(۱۵:۴۶)	۲۱۳
۶۳۵	(۳۵:۴۶)	۸، ۸۱
۴۵۸۴	۴۷-محمّد (۳۸)	
۶۳۶	(۳۱:۴۷)	۱۱۸
۶۳۷	(۳۸:۴۷)	۱۰، ۱۸۱
۴۶۱۳	۴۸-الفتح (۲۹)	
۶۳۸	(۱:۴۸)	۲۴۲
۶۳۹	(۲:۴۸)	۲۱۷، ۲۴۲
۶۴۰	(۲۰:۴۸)	۲۳۳
۶۴۱	(۲۷:۴۸)	۱۸۴
۶۴۲	(۲۸:۴۸)	۱۸۴
۴۶۳۱	(۲۹:۴۸)	۱۶۸
۶۴۳	۴۹-الحجرات (۱۸)	
۶۴۴	(۱۰:۴۹)	۱۶۰، ۶۷
۶۴۵	(۱۲:۴۹)	۷۵
۶۴۶	(۱۳:۴۹)	۱۶۰، ۲۳۷ -
۴۶۷۶	(۱۵:۴۹)	۱۱۵
۶۴۷	۵۰- قٓ (۴۵)	
۶۴۸	(۹:۵۰)	۱۱۵
۴۷۳۶	(۳۸:۵۰)	۲۵
۶۴۹	۵۱-الذّٰریٰت (۶۰)	
۶۵۰	(۵۶:۵۱)	۱۱۸
+	(۵۷:۵۱)	۱۱۸
+	+	+

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۵۴۵۸	۷۱- نوحؑ (۲۸)	
۷۴۲	(۷۱: ۱۳)	۱۷
۷۴۳	(۷۱: ۱۴)	۱۷
۷۴۴	(۷۱: ۱۷)	۱۷
۵۴۸۶	۷۲- الجن (۲۸)	
۵۵۰۶	۷۳- المزمل (۲۰)	
۷۴۵	(۷۳: ۴)	۷۳
۷۴۶	(۷۳: ۲۰)	۱۳۸
۵۵۶۲	۷۴- المدثر (۵۶)	
۷۴۷	(۷۴: ۳)	۲۰۶
۷۴۸	(۷۴: ۴)	۲۰۶
۷۴۹	(۷۴: ۵)	۲۰۶
۵۶۰۲	۷۵- القیمۃ (۴۰)	
۵۶۳۳	۷۶- الدھر (۳۱)	
۵۶۸۳	۷۷- المرسلت (۵۰)	
۷۵۰	(۷۷: ۴۸)	۱۰۸
۷۵۱	(۷۷: ۴۹)	۱۰۸
۵۷۲۳	۷۸- النبا (۴۰)	
۵۷۶۹	۷۹- النّٰزعٰت (۴۶)	
۵۸۱۱	۸۰- عبس (۴۲)	
۵۸۴۰	۸۱- التکویر (۲۹)	
۵۸۵۹	۸۲- الانفطار (۱۹)	
۵۸۹۵	۸۳- التطفیف (۳۶)	
۵۹۲۰	۸۴- الانشقاق (۲۵)	
۵۹۴۲	۸۵- البروج (۲۲)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۵۹۵۹	۸۶- الطارق (۱۷)	
۵۹۷۸	۸۷- الاعلیٰ (۱۹)	
۶۰۰۴	۸۸- الغاشیۃ (۲۶)	
۶۰۳۴	۸۹- الفجر (۳۰)	
۶۰۵۴	۹۰- البلد (۲۰)	
۶۰۶۹	۹۱- الشمس (۱۵)	
۶۰۹۰	۹۲- الیل (۲۱)	
۷۵۲	(۹۲: ۱۹)	۲۱۸
۷۵۳	(۹۲: ۲۰)	۲۱۸
۶۱۰۱	۹۳- الضحیٰ (۱۱)	
۷۵۴	(۹۳: ۱۱)	۲۱۸
۶۱۰۹	۹۴- الانشراح (۸)	
۶۱۱۷	۹۵- التین (۸)	
۷۵۵	(۹۵: ۴)	۱۲
۷۵۶	(۹۵: ۵)	۱۲
۶۱۳۶	۹۶- العلق (۱۹)	
۷۵۷	(۹۶: ۴)	۱۷۵
۷۵۸	(۹۶: ۵)	۱۷۵
۷۵۹	(۹۶: ۶)	۱۷۵
۷۶۰	(۹۶: ۷)	۱۷۵
۷۶۱	(۹۶: ۸)	۱۷۵
۶۱۴۱	۹۷- القدر (۵)	
۶۱۴۹	۹۸- البینۃ (۸)	
۶۱۵۷	۹۹- الزلزال (۸)	
۶۱۶۸	۱۰۰- العٰدیٰت (۱۱)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۶۱۷۹	۱۰۱- القارعۃ (۱۱)	
۶۱۸۷	۱۰۲- التکاثر (۸)	
۶۱۹۰	۱۰۳- العصر (۳)	
۶۱۹۹	۱۰۴- الھمزۃ (۹)	
۶۲۰۴	۱۰۵- الفیل (۵)	
۶۲۰۸	۱۰۶- القریش (۴)	
۶۲۱۵	۱۰۷- الماعون (۷)	
۷۶۲	(۱۰۷: ۴)	۲۵۲
۷۶۳	(۱۰۷: ۵)	۲۵۲
۷۶۴	(۱۰۷: ۶)	۲۵۲
۷۶۵	(۱۰۷: ۷)	۲۵۲
۶۲۱۸	۱۰۸- الکوثر (۳)	
۶۲۲۴	۱۰۹- الکفرون (۶)	
۷۶۶	(۱۰۹: ۶)	۱۶۱
۶۲۲۷	۱۱۰- النصر (۳)	
۷۶۷	(۱۱۰: ۱)	۱۶۱
۷۶۸	(۱۱۰: ۲)	۱۶۱
۷۶۹	(۱۱۰: ۳)	۱۶۱
۶۲۳۲	۱۱۱- اللھب (۵)	
۶۲۳۶	۱۱۲- الاخلاص (۴)	
۶۲۴۱	۱۱۳- الفلق (۵)	
۶۲۴۷	۱۱۴- الناس (۶)	

تمت بالخیر

قرآن مجید کی کل آیات کی تعداد ۶۲۴۷ ہے جن میں سے متذکرۂ صدر حساب کے کم و بیش ۷۶۹ مکمل یا پارہ ہائے آیات کی تشریح (گویا تخمیناً قرآن کا آٹھواں حصہ) پہلی جلد میں آچکا ہے۔ عربی افتتاحیہ میں علیٰ ہذا القیاس قریباً ۹۲۶ آیات آچکی ہیں گویا اس حصۂ کتاب میں بھی کتاب الٰہی کے ساتویں حصے کی تشریح ہو گئی ہے۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النحل)

البلاغ المبين

اعنى المقالة

الافتتاحية

البلاغية العربية من كتاب **تذكرة** الذى صنفه باللغة الهندية
المفتقر الى الله الرحيم الرحمن **محمد عناية الله خان المشرقى** الهندى بن عطا محمد خان
بن كمال الدين خان المغفور

فى مجلدات عشر لتبيين **القرآن العظيم** وتشريح حكمه وقانونه وعلمه

بل تشريح ما شرع الله فيه للناس من الدين **العملى** الذى جاء به كل الانبياء عليهم السلام

المعول عليه لفلاح الانام والمرجوع اليه لاصلاح الاقوام صرفا عن الدين **القولى** الشرعى النظرى الذى

اشاع به علماء الاسلام الذى صرفا عن سبل السلام

وقد

ابلغت فيها المسلمين المعاصرين المستضعفين الهالكين **بلاغا خيرا** فى حياتهم ومماتهم

واوضحت لهم طريقا يهديهم الى البقاء ويدخلهم فى زمرة الاحياء من قبل ان ياتيهم العذاب

فانه قال

وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ

سنه ١٣٤٢هـ سنه ١٩٢٤ع

طبعت هذه المقالة بواسطة الشيخ محمد عبد العزيز

بمطبعة تاج الهند ببلدة امرتسر فى بنجاب ونشرها ادارة الاشاعة للتذكرة امرتسر

لا يجوز لاحد ان يطبع هذا الكتاب الا باذن الادارة والا فيكون مسئولا عن التعويض قانونا وخلقا

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النحل)

البلاغ المبين

اعنى المقالة

الافتتاحية

البلاغية العربية من كتاب تذكرة الذى صنفه باللغة الهندية

المفتقر الى الله الرحيم الرحمن محمد عناية الله خان المشرقى الهندى بن عطا محمد خان

بن كمال الدين خان المغفور

فى مجلدات عشر لتبيين القرآن العظيم وتشريح حكمته وقانونه وعلمه

بل تشريع ما شرع الله فيه للناس من الدين العملى الذى جاء به كل الانبياء عليهم السلام

المعول عليه لفلاح الانام والمرجوع اليه لاصلاح الاقوام صرفا عن الدين القولى الشرعى النظرى الذى

اشاع به علماء الاسلام الذى يصرفنا عن سبل السلام

وقد ابلغت فيها المسلمين المعاصرين المستضعفين الهالكين

بلاغا اخيرا

فى حياتهم ومماتهم واوضحت لهم طريقا يهديهم الى البقاء ويدخلهم فى زمرة الاحياء من قبل ان ياتيهم العذاب

فانه قال

وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ

سنة ١٣٤٢ هجرى سنة ١٩٢٤ عيسوى

طبعت هذه المقالة بواسطة الشيخ محمد عبد العزيز

بمطبعة روز بازار بلدة امرتسر فنجاب ونشرتها ادارة الاشاعة للتذكرة امرتسر

تهديه

الى

الله

عزوجل

فاطر السموت والارض واحكم الحاكمين

رب انى قد جئتك بشئ غريب

مما اتيتنى من لدنك وقلبى وجل انه انا الذى اتيتك

بما لم يات به احد وقلبى وجل انى راجع اليك ليوم لا ريب فيه

فتسئلنى عما فعلت فتقبل منى واصلح لى فى تدبرى وثبت به فؤادى

واجعل افئدة من الناس تهوى اليه فيعلموا انه الحق منك فتخبت لك قلوبهم

رب واصلح المسلمين واهدهم بنورك فى هذا كما اصلحتهم وهديتهم من قبل

فانهم قوم لا يعلمون **رب** اخبرتنى انهم لها لكون من قريب فاتينهم

بنبإ عظيم من فور **رب** فالف بينهم وجمع شملهم واهدهم

الصراط المستقيم صراط الذين

انعمت عليهم

غير المغضوب عليهم ولا الضالين ٥

الحمد لله العظيم * البارئ القاطر الذى فطر السموات والارض فى احسن تنظيم * القادر المقدر السميع المبصير الذى جعل الشمس والقمر بحسبان * وسخر ما فى الارض لنفع الانسان * حمده مقدم على كل امر جامع تهتم به الاعضاء والاذهان * واستعانته حرى الا تترك الا فى لعنة البغى والعصيان * الملك حقا فما يخلق الا ليطاع * ومن اطاع فاجره لا يضاع * منة من منه ان خلق الانسان * ذا السمع والبصر والفرقان * فجعله مكين المكان * و قومه على مخلوق الزمان * وفضله مع ضعف جسمه على سائر الحيوان * ذوات القرن و الاسنان * ثم حمله فى البر والبحر * وجعله خليفة الجبل والقعر * والسهل والصخر * وقدر له حظا من الغلبة والامر * فلما كشف الغطاء * وبرزت الاشياء والاسماء * اعترف الانسان بان عليه نصيبا من دون الحكم والجلال من الطاعة والامتثال بامر ربه شديد المحال * والحاكم المتعال * فسبحان الحى الذى لا يموت * وبيده الملكوت * الذى اسس بنيان التدوين * تدوين الدين المستقيم * بل تكوين الكون العظيم *

بالصواب ۞ وحكاية الثواب والعذاب ۞ الذى تمت كلمته صدقاً وعدلاً • بصدقه ماجرى ومايجرى نظراً وعملاً ۞ لامحرف لآياته والفاظه • ولامحاسب على وجوبه وجوازه احمده لانه قد اكمل دينه واتم برهانه • ورضى للانسان ما احسن له ۞ فلا حجة لنا اليوم • و لاهى يقظة من النوم لاحد من القوم • فان القول قد وقع • والحكم قد وجب وفرض فاما الرحمة والثواب • او المسكنة والعذاب ۞ فالحمد لله جلى البرهان • عظيم السلطان الرحيم الرحمن • الذى علمنا القران ۞ نساق به الاقوام • الى المعاد والمرام • والتمكن و القيام • والنسق والنظام • وساير الافضال والاكرام ۞ من اتبعه عملاً واسلم وجهه لاحكامه معناً واصلاً فجزآؤهم **جنت الارض** تجرى من تحتها الانهر ۞ وفى الاخرة **الجنة** الخلد التى يرثها الاخيار والابرار ۞ ومن انكره فعلاً دون القول واللسان واصر على معصية فاحله الله دار البوار ۞ سلبهم ما كان لهم من ملك وفضل فى الدنيا وطردهم من الجنة بالاستحقار ۞ فمن اسلم سلم • ومن ابتغى دون ذلك وجماً عدم وانهدم ۞ وهذا **هو الاصل** من اصول الدين ۞ الدين المتين الذى جاء فى الكتب المبين ۞ وما ارسل الله به ختم المرسلين ۞ وصراط ربك المستقيم بحق اليقين ۞ يجتمع فيه فلاح الدنيا و الدين • ويشترى به يسر الحكومة بعسر التسليم • وطاعة من فى الارض بطاعة العلى العظيم • ونعمة الدنيا والعقبى بالصراط المستقيم • وجنت الارض والجنة المقيمة على رضوان الله ولقاء احكم الحاكمين ۞ فاطر الشمس والنجوم ۞ ومالك ما ينزله بقدر معلوم ۞ يسئله من فى السموت ومن فى الصين ومن فى الروم ۞ فسبحن ربنا رب العلمين ۞

والصلوة والسلام على **محمد** ختم الانبياء وسيد العلمين • وامام المختارين والمتقين واعظم المقتنين الذى اتانا **بقران عظيم** • وهدى قومه الصراط المستقيم • و

۞ هذا ما افترقت بين هذين الخطين فى القران وستاتى شهادته فى كتاب تذكرة على صفحة ١١٥-١١٦ تحت الملتن •

على الحكم والتسليم . والتنظم والتنظيم . وعسر التعبد ويسر الامارة . وحلاوة الحكومة ومر الطاعة ✤ الذى جعل مع كل يسر عسرًا . ومع كل حلاوة مرًّا ✤ الملك العادل الذى يحكم بين الناس عند التخالف والجدال . ويزن بقسطاس العدل ✤ سوّى عليه البيض والسود . والنصارى واليهود . والمسلم والهنود . وسائر المخلوق والمولود ✤ الذى لامبدل لكلمته . ولامصرف لآياته . ولن تجد لسنة الحكمة وعادته . وتحويلًا لامره وسُنته ✤ فتبارك الذى يطاع ولا يطيع . ويمال اليه ولا يميل ✤ من لاغاية لقوته وسلطنه . ولاحد لجلاله وبرهانه ✤ مرجع الانام بين رفع وخفض . ومصرف الاقوام بين بسط وقبض ✤ من هلك من حكمه فقد هلك عن بيّنة . ومن سلم سلم من اصول مسلّمة ✤ ملك الكون والفساد . ومهالك كل باغٍ وعاد ✤ بارئ الموت والحيات . والخبير بما هوات ✤ الذى من اطاعه فرفع درجاته . ومن عصاه فقد لاقى مماته ✤ احمده لانى لااجد لاحدٍ منا من دونه ملجأ ومجيرًا . ولا وليًّا ولا نصيرًا ✤ شديد العقاب ✤ ولى الطول والعذاب ✤ المعز لمن اهتدى ✤ والمذل لمن اعتدى ✤ الذى يرزق ويسلب . ويرفع ويخفض . ويقبض ويبسط . ويسئل ويجيب . لمن اتقى اوطغى بقدر حساب ✤ احمده لانى اخاف عذاب يوم عظيم للاقة التى عصت عن امره . وبغت عن طاعته ثم لم يكن لها من مآب ✤ احمده لانه هدى الانسان صراطه والهمه حياته ومماته . وجعل له سمعه وبصره وفؤاده . وبيّن له فطرته وعادته . ثم على هذا انزل عليه الكتب ✤ الكتب الذى جاء به النبى العربى خاتم الانبياء الى يوم الحساب ✤ القول الفيصل الذى جُمع فيه روح من امره تعالى ولب الالباب ✤ وسر السموات والارض وسر التباب ✤ وسؤال البقاء والجواب ✤ وعقدة فريضة الانسان فى الدنيا وحلها

✤ سيأتى تشريح هذا فى كتاب التذكرة فى موضعه ١٢

جلباب السّر والخفا ❁ فلا اقسم بآفاق النّجوم • وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ (۵۶:۷۶) • انّ الانبياء قد بيّنوا فی عهودهم مالم يبيّن احدٌ قطّ فی هٰذا الزّمان • من وظائف الانسان • ونتائج البغی والطّغيان وتعبّد ما خلا الرّحمٰن • وعبادة الاوثان والاصنام • واصول بقاء الاقوام • واسباب فناء الامم • واسلحة اصلاح الشّيَم ❁ فالحقّ انّ علم الاشياء الّذی دوّنه الطّبعيّون وغيرهم من الحكماء فی زماننا هٰذا ليس بشیٔ ولا يقابل بالعلم الجليل الّذی جاء به الانبياء فی عهدهم ❁ علمهم قد احاط بعلم حكماءنا الحاضره • واحتوی علی اخبارهم الجاريه* بل سبق علمنا علی ما نحن عليه اسباقًا تامّة • لانّهم ايضًا اصرّوا فی عصورهم علی تحصيل علم حقائق الاشياء • وتدوين خواصّ الاجزاء والاعضاء • من دون اصول الفناء والبقاء • و اوضحوا لنا سياسة المُدن والعمران من دون علم فرائض الانسان ❁ فاصلّی عليهم صلوٰة الرّجل المتحيّر • واحمدهم بتحسين المرء المتشكّر ❁ لانّهم اصلحوا بال ارضنا وجاءوا بدواء مرضنا حين لم تكن الارض مشرقة بانوار العلم • ولم يطّلع احد علی سرائر البدن والجسم ❁ ادام الله اثر اصلاحهم فی الدّنيا واصلح الله امر فلاحهم فی العقبٰی صلواتنا وسلامنا عليهم اجمعين* مخلصين لهم الدّين† ❁

ولا شكّ فی انّ هذه الانبياء الكرام والهاديّين العظام جاءوا من ربّهم حين جاءوا **بكتاب واحد** • جامع الاصول والعقائد • وشارح الحقائق والفرائض • الدّين الذی اشاعوا به فی الارض وشرعوا للنّاس لا بُدّ من كون بناءه علی اساس واحد • جامع النّاس لا فارق‡ * ولا بُدّ من كونه مبنيًّا علی كلمة سواء بين البدو والحضر و العجم والعرب والشّرق والغرب وساكن الجزيرة ومكين البرّ * مشرّحًا لكل ما يحتاج الانسان من تشريح النّفع والضّر * مفصّلًا لما ينبغی له لبقاء نسله وتقوية جماعته

† ای طريقة سلامنا وصلوٰتنا ۱۲ ‡ تذكره صفحه ۱۹۰ وديباجه صفحه ۶۲ - الخ -

نجاه من الكرب الاليم • وجعلهم من ورثة جنّات النعيم • ومكّنهم فى الارض تمكين المقيم
وبدّل ضعفهم قوّة وخوفهم بمقام امين • أعدّ للطائعين المسلمين • الذين يتّبعون
عملاً ومعناً ما انزل الله من الدين • ويقولون به نستعين • ويمسون ويصبحون معتصمين
بالحبل المتين • ويفعلون ما فعل النبىّ الكريم • عليه التحيّة والتسليم • الذى اثنى عليه
العزيز العليم ❁ اصليه لانّه اعظم النّاس واعلمهم • واكرمهم عند الله وافهم ❁ البطل
الجليل الذى فعل فى هذه الدّنيا ما لم يفعل احدٌ اصلاً • وسلك سُبُل ربّه طوعاً وذللاً ❁
فبعثه ربّه مقاماً جلاً ❁ وجيهاً فى الدّنيا وماثوراً • وفى الاخرة ماجوراً ومشكوراً ❁ فالحمد
لمن لا شريك له فى الحكم والامر • والسّلام على من لا مثيل له فى الطّاعة والعمل • لله الغالب
على امره جلّ وعلا • وعلى النّبىّ البالغ فى امره المجتبى والمصطفى • صلّى الله تعالى عليه وآله
واصحابه اجمعين • الى يوم الدّين ❁

واصلّى على سائر **الانبياء** الكرام والاتقياء العظام • من دون النّبىّ العربى سيّد
الانام ❁ الذين شرعوا فى اصلاح العوام • وابتدؤا بتعليم الانام كالانعام ❁ اشرقت به الظّلمات
وظهرت علينا الصّلحات البقيات • وبدت لنا السّيّئات المهلكات • واكتشفت لنا طريقة
الحيات والممات ❁ الذين اصلحوا واحسنوا شاهدين مبشّرين ومنذرين وبيّنوا النّاماهوات ❁
اعلى الله مقامهم رفيع الدّرجات ❁ لا افرّق بين احدٍ منهم وبين سيّدنا محمّد لانّهم كانوا من
عباد الله المخلصين • ورسله المصلحين • وخدّامه المسلمين المكرمين • اجلّة الخلق وائمّة
العصر • عباده ذوى الايد والبصر ❁ الذين لم يبلغ مقامهم احدٌ من العوام • من العُلماء
الطّبعيّين • والحكماء المهندسين • والكبراء السّالفين • حتّى الفضلاء المتكبّرون المعاصرين
الذين يظنّون انّهم بيّنوا اوّل مرّة حقائق الاشياء • وكشفوا الغطاء • والقوا عنها الرّدا • و

* الاشارة الى قوله تعالى وَاذْكُرْ عِبَادَنَا اِبْرٰهِيمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ اُولِى الْاَيْدِى وَالْاَبْصَارِ (٣٨ : ٤٥) لكونهم اولى قوّة وعلم •

فما تفرّق الّذين اُوتوا الكتٰب الّا من بعد ما جآءتهم البيّنة ۝ وما اُمروا الّا ليعبدوا الله (٩٨: ٤-٥)
ربّ الارباب • جامع الاشتات والاحزاب * فمن ذٰلك ظهر الفساد فى البرّ والبحر بما كسبت ايدى
النّاس (٣٠: ٤١) * من شرّ الوسواس ۝ * الخنّاس ۝ الّذى يوسوس فى صدور النّاس (١١٤: ٤-٥) *
وتمّت كلمة ربّك لاملئنّ جهنّم من الجنّة والنّاس (١١: ١١٩) * اشركوا فتفرّقوا فلات
حين مناص * فيا معشر الرّجال! هل لكم من حيلة عن هٰذا الجدال * ومن مفرّ عن هٰذا
التّخالف والقتال * وتحوّلكم حالاً عن حال * والقآء انفسكم بايديكم الى التّهلكة والزّوال *
هل لكم من مجال عن ان تنيبوا مرّة اُخرى الى ربّكم شديد المحال * ومن محيص عن ان توبوا اليه
واجمعوا انفسكم على دين ربّكم من دون اديانكم الشّتّى صاحب الحول والجلال * وان تستمسكوا
كلّكم بالذّكر الواحد الّذى احفظ عن التّحريف والزّوال * بالقراٰن المجيد * والفرقان
الحميد * وكتاب الله الحكيم الرّشيد * لّا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من
حكيم حميد (٤١: ٤٢) * فيا ايّها النّاس! هل لكم من كتاب غيره تخوضوا فيه (وفتّشوه وثوّروه)
فتعلموا باليقين ما يشآء ربّكم بكم • وما يريد بقومكم • وما مشيئته • وما القانون الّذى يحكم به •
وما وظيفتكم فى الدّنيا • وما بالكم فى العقبى * هل من صحيفة عندكم من دون القراٰن
فتخرجوها لنا تبيّن لكم بلفظها وبعينها ماذا انزل الله علينا فنعلمه فانّ الصّحف القديمة و
الكتب المقدّسة كلّها قد ترجمت من لسان الى لسان • وبدّلت حالاً عن حال • وغيّرت معنًا
عن معنى * حتّى مسخها النّاس كلّها • وغاب اصلها • وغوّرت حقيقتها ووحيها • وتبدّلت صورتها
مع امرها ونهيها * فلم يبق منها الّا ما فهم بعض الرّجال عند التّرجمة من مطالبها ومقاصد امورها
المهمّة الّتى بيّن ربّنا لنا فيها * فلا مجال لنا ان ندرك الاٰن ما عنى الله بنصوصها والفاظها • وما
محلّها ومقامها • بل ما حلالها وحرامها * فتعالوا الى القراٰن العظيم! وخوضوا فيه خوض

+ سياتى شرح الجنّة على صفحة ١٥ من هذه الافتتاحيّة يبيّن لكم ما شرّهم وتفريقهم ولمّا يوسوسون فى صدور النّاس ١٢

وحفظ قوّته • واستخلافه فی الارض واستملاکه قُوی الفطرة • واتباعه عادة الله الجاریة وسنّته تعالی المجریّة • واستعماله اشیآء الطّبیعة واجزآءها النّافعة العجیبة الغریبة * موضحًا بالخلق الّذی یُهتمّ به ویلزم الانسان لاستحصال القوّة والامن فی هٰذه الدّنیا دار السّعی والمحن • ولحصول رضوان الله ونعماته فی الدّنیا الی اٰخر الزّمن * فما جآء الانبیآء فی اوقات مختلفة بصُحُفٍ متنوّعة مختلفةٍ فی اللّسان مشترکة فی البیان الّا لاحیآء العلم الّذی کان الانسان علیه فصرف عنه • ولاجرآء السّعی المشکور الّذی شرع المتقدّمون من الرّسل له فرغب عنه * وما جآءوا الّا لتذکیر بما نسی الانسان من عهده الی الله تارة اُخری • ولیبیّنوا له مرارًا ما فریضته فی الدّنیا * فوالله ما ابتدع احدٌ من الانبیآء من دین اصلًا ولٰکنّ النّاس اختلفوا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (٣: ١٨)† وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا (١٠: ١٩) وتفرّقوا بزعم تائیدهم رسلهم ومتتبّعین بهم * الله اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (٢: ٢١٣) * شاهدًا علی التّوحید والاتّحاد * ودلیلًا علی وحدة الخاطب والخطاب * ووحدة اصل الانسان ومساواته عند ربّ الحساب * فاختلف من بینهم الاحزاب * وما جآء الکتٰب الّا لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (٢: ٢١٣) • وما جآء الرّسل الّا لیحکموا به ولیعدلوا‡ ویصلحوا بینهم فذهب النّاس الی شقاقٍ وتباب * فاتبعوا کُتُبهم صرفًا عن سائر الکتب الّتی جآء بها الانبیآء من قبل ومن بعد وتقطّعوا امرهم بینهم حصصًا • وکبّروا صغائر الامور وصغّروا کبائرها • وحرّفوها معنًا وعملًا ولفظًا • ومسخوا مطالبها ومقاصدها • وترجموها عن کلام کلامًا • والقوا علیها جلباب الغُلوّ حسدًا وعصیانًا • واتّخذوا رسلهم اربابًا • وجعلوا یتوغّلون فی حُبّهم وتعظیمهم یعبدونهم ویعبدون الطّاغوت

† وکذا فی قوله تعالی وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (٤٢: ١٤) وقوله فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (٤٥: ١٧) ای کتابا واحدا

‡ وکذا فی القرآن الحکیم فی نبیّنا صلعم: وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (٤٢: ١٥) ای اسوّیکم ولا حجّة بیننا وبینکم اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا (٤٢: ١٥) ای یوحّدنا وفی شعیب علیه السلام اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ (١١: ٨٨) ای المصالحة بین النّاس کذا فی الآیات التی فی غیرهما تدلّ علی انّ الانبیآء قد جآءوا للتعدیل بین النّاس والمصالحة لا للتفریق والتجرید +

طين * ويقولون ربّنا ما خلقت هذا باطلاً (٣ : ١٩٠) وخلق الله السّموٰت والارض بالحقّ (٢٩ : ٤٤)
فاجعل لنا خاصّة كلّ ما خلقت بالحق فى الدّنيا وفى يوم الدّين * وابعثنا فيها على مقام امين *
ولا تترك لاحد سوانا فى هذه الارض يملك من قشر التين * ولا تشرك فى حكمنا احدًا الّا الّذين
من المفسدين * واصلح الارض لنا وللباقين * وطهّر الارض من الكافرين * الّذين
مثل اعمالهم كرمادٍ اشتدّت به الرّيح فى يومٍ عاصفٍ لا يقدرون ممّا كسبوا على شيءٍ ط (١٤ : ١٨)
ويفسدون فى الارض ولا يصلحون * والّذين يؤمنون بالباطل وبنعمة الله هم يكفرون ۝
(١٦ : ٧٢) * والّذين يعرفون نعمت الله ثمّ ينكرونها واكثرهم الكافرون ۝ (١٦ : ٨٣) * واهدنا
الصّراط المستقيم ۝ صراط الّذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضّالّين ۝ (١ : ٥-٧) *
الضّالّين الّذين امنوا بالباطل وكفروا بالله اولٰئك هم الخاسرون ۝ (٢٩ : ٥٢) * واعرضوا عن
الحقّ وصاروا من الاخسرين * ومن كان فى هذه اعمى فهو فى الاخرة (١٧ : ٧٢) من العمين *
من المغضوبين الضّالّين * فسلامٌ على المنعمين المتطوّعين * وربّما يودّ الّذين كفروا لو
كانوا مسلمين ۝ (١٥ : ٢) * اعنى الطّائعين الوارثين • الّذين يرثون الفردوس يرثون الارض بتمكين
المهين • على رغم العادين والعالين * ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين ۝ (٣ : ١٣٩) *
ويا معشر المخالفين المتشرّعين المتفرّقين الحاضرين ! المتعارفين فى زماننا هذا بالمسلمين
المؤمنين * الّذين يزعمون انّهم يتّبعون السّلف من الصّالحين * وانّهم على اثارهم لمهتدون •
ويظنّون انّهم ابناؤا الله وانّهم هم المقرّبون الخاصّون من دون العالمين * المغضوبين الضّالّين *
قد فسدت امور دنياكم وخربت دياركم وهلكت عظمتكم وجلالكم وفقدت اموالكم و
ضاحت بلادكم وذهب الله بنوركم وهدايتكم واهلككم فلم يبق منكم الاحكايتكم • ودنّى
امركم من البوار واتركم من الزّوال • صرتم فى الدّنيا كالعضو المتعطّل • وفى التّنادى كالحلق للتّحلّ

البصير العليم • وتدبّروه واحرثوه بل تجسّسوه بوساطة العلم الجديد الّذى يكشف عنكم الضّرّ ويهديكم الى صراط مستقيم • ويجمع بينكم ويرفعكم ويوحّدكم على اختلافكم الاليم* فَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (٣: ١٠٢) واستمسكوا بعبادة الرّبّ من دون عبادة الطّاغوت الّذى يُغرى بينكم العداوة والبغضاء • والله يريد ان يجمع بينكم ويحفظكم منه ومن شتّ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ† لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (١٦: ٩٣) • وانتم تشاءون ان تضلّوا وتقتلوا انفسكم* وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ (١٦: ٩٣) • كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (٢٣: ٥٣) • وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (١٦: ٩٣)

واصلّى على السّلف من المسلمين المؤمنين الصّالحين • الّذين اتّبعوا الانبياء الكبراء بحدّ امكانهم عملاً ومعنًا واتّبعوهم بعين اليقين * الّذين صدقوا ولم يكذّبوا ولم يستهزءوا بالدّين المتين * واتمّوا مُدّة قيامهم فى الارض طائعين * وداموا ما داموا فى الارض غالبين * واستاجروا لقومهم العزّة والعظمة واستداموها فى الاخرين * وتخلّقوا باخلاق الله العزيز العظيم * صاحب العزّة والعظمة الّذى يرث السّموٰت والارض وَلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (١٨: ٢٦) من العٰلمين * وَلَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (٢١: ٢٢) باليقين * فاطاعوا فوجدوا اجرهم عند ربّهم وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ (٣٩: ٧٤) * فسلام على المتّقين‡ • الّذين لم يغادروا من الارض قطعًا ولا ملكًا ولا صعيدا ولا جرزا ولا جبلاً ولا سهلا ولا برًّا ولا بحرًا ولا ما فوق البرّ وما تحت البحر وما فى جوّ السّماء وما فى جوف الارض الا كانوا عليها قابضين * ويملكونها بتحكّم خليفة الله فى الارض وعلى ارثٍ ممّن خلق الانسان منها ومن

† قد ضلّ الشارحون ضلالاً بعيدًا فى شرح هذه الاية الشّهيرة وسرت معناها ههنا بالتوكيد على لفظ الله - اعنى الله يشاء ان يجمع بينكم ويوحّدكم وانتم لا تشاءون هذه الوحدة بعبًا بينكم فانّه لا يداخل مشيئته فى مشيئتكم واطلعكم ليعذّبكم ويسئل عن اعمالكم - فيترشّح من هذه الاية انّه تعالى لا يرضى لعبادة الاشتات والافتراق بل يرضى ان يكون النّاس امةً واحدة لئلا يفسدوا فى الارض - ‡ سيأتى تفسير ما الاتقاء على صفحة ١٠٣ - الخ من هذه الافتتاحية نبذًا منه وعلى صفحة ١٧٧ تحت المتن من كتاب التذكرة نبذًا منه - فتبيّن لكم انّ المتّقين هم الّذين يرثون الارض فى لغة القرآن +

وانتم لا تسبقون فتسبقون * قد قبحت امور دنياكم فانتم فى الاخرة ايضا من المقبوحين * و ضللتم عن الصراط فانتم منه عمون * بل لا تستطيعون * ونسيتم ما كنتم عليه فنسيكم الله فكنتم من المنسيين * وعصيتم فعصى الله عنكم وقد قال لكم كان حقا علينا نصر المؤمنين ○ (٣٠:٤٧) * فاتخذتم مكر الاعتقاد والالفاظ والتظريات والاقوال دون ايمان الافعال والاعمال والاشكال • وصرتم من المؤمنين النظريين المعتقدين • والمسلمين اللفاظين القوالين * فشرعتم فى تاويل حديث ربكم الى ما شئتم • وتسهيل دينكم عن حرج واشكال * و تشريحه من حال الى حال • وتركتم كل ما كان فيه من اشكال العمل وبطئ الحصل • واتخذتم حكم ربكم سخريا • ودينكم لهوا ولعبا • وبدلتموه قولا ومعنا • وكبرتم صغائر الامور وصغرتم كبائرها عمدا ومكرا • وجعلتم تتوغلون فى دينكم تؤمنون ببعض الكتب وتكفرون ببعض (٢:٨٥) تقولون بافواهكم نؤمن به كلا • واخذتم تجعلونه قراطيس تبدونها وتخفون كثيرا (٦:٩٢) منه كاليهود لتخادعوا انفسكم فعلا وعملا * فيا ايها الذين زعمتم انكم امنتم لم تقولون بافواهكم ما ليس فى قلوبكم ولم تقولون ما لا تفعلون ○ كبر مقتا عند الله ان تقولوا ما لا تفعلون ○ (٦١:٢-٣) * فمكرتم ومكر الله والله خير الماكرين (٣:٥٣) * قد مكر الذين من قبلهم فاتى الله بنيانهم من القواعد فخر عليهم السقف من فوقهم واتاهم العذاب من حيث لا يشعرون (١٦:٢٦) * افحسبتم ان تتركوا ان تقولوا امنا وانتم لا تفتنون * ولقد فتن الله الذين من قبلكم فليعلمن الله الذين صدقوا وليعلمن الكذبين (٢٩:٣) * ومن الناس من يقول امنا بالله وباليوم الاخر وما هم بمؤمنين ○ (٢:٨) * ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما يعلم الله الذين جاهدوا منكم ويعلم الصبرين ○ (٣:١٤٢) * فانتم لا تصبرون على مصيبتكم بل تبصرون * ولا تجهدون بل تجمدون * وتنظرون و

---

* الاشارة الى قوله تعالى احسب الناس ان يتركوا ان يقولوا امنا وهم لا يفتنون ○ ولقد فتنا الذين من قبلهم فليعلمن الله الذين صدقوا وليعلمن الكذبين ○ (٢٩:٢-٣) فالحق ان الايمان بالقول ليس بشئ عند الله وسيأتى تشريحه فى الصفحات الاتية •

† هذا هو القول الفيصل الذى يصدع منه ان القول من دون العمل ليس بشئ عند الله •

فلا حركة لجسمكم من الموت والنوم * ولا سماع لصريخكم اليوم * ازعمتم انكم تتبعون الاسلاف والاخيار وتقلدونهم * وقد اثنا نبأ المؤمنين الذين خلوا من قبلكم * وقد جاءنا اخبارهم واحوالهم * و اعمالهم وافعالهم فى التاريخ وصلاحية بالهم * وما كان فى هذه الدنيا لهم * وما كان عندهم من العلم والنور ومن معرفة الآراء الصائبة التى دفعوا بها مضرة الاعداء وخلصوا بها من السيئات والمهالك * والمصائب والنوائب * وما استصانوا بها الرفع مقامهم فى الدنيا نفائس المدن عظيم الممالك * وما استملكوا فى هذه الارض من عجائب القدرة وغرائب الطبيعة للاستنفاع و التجارة * وما طبلوا فى الارض طبل لمن الملك اليوم * وما كان فيهم من العصبية و حماية القوم * من الطاعة والعمل والجد والجهد دون القول والنظر * وتصديق ايمانهم بالامتثال بالامر * لا بالتاويل والمكر * واتيانهم الله بقلب سليم * وخوفهم من نار الجحيم * وجهادهم فى الله حق جهاده * واعتصامهم بالله حق امكانه * وتعبدهم ربهم بقلب فرح * و تشبيههم منه ان الله ما جعل عليهم فى الدين من حرج † * ومسابقتهم بانعامات ربهم وتقدمهم الى الخيرات * ومسارعتهم الى ماهوات * واضطرابهم لتحصيل الدرجات * يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ (٥٧ : ١٢) وتتبعهم عروس السلطنة تبعكم عبيدكم والاموات ۝ فما عبدها الا اشداء على الكفار رحماء بينهم (٤٨ : ٢٩) * ولو انفقت ما فى الارض جميعا ما الفت بين قلوبهم ولكن الله الف بينهم (٨ : ٦٣) * فيا ايها المسلمون المرتسمون المعاصرون ! هل انتم الاعلون وهل انتم مؤمنون * فما الاشتراك بينكم وبين المتقدمين المقدمين * لا انتم ما كانوا عليه ولا انتم لها سابقون * ولا انتم مقدمون فى الارض بل انتم ساكنون * بل الى الزوال راجعون * ولا تسارعون الا الى العذاب المهين * وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ (٥٦ : ١٠-١١) * واولئك هم المؤمنون *

† اى على كونه مشكلا لانهم كانوا يفعلون ما امرهم الله بالتشبيه من انفسهم ويرضوا الله وهذا ما عنى الله بقوله وما جعل عليكم فى الدين من حرج (٢٢ : ٧٨) وليبطل القدرى الى صحة ١١٣ من كتاب التدكرة (تحت المتن) لتصديق هذه المعانى *

* الشبقون فى لغة القرآن الذين يسعون فى الارض سعيا بليغا ليسبقوا ويستبقوا انعامات ربهم *

ولهم قرح ما داموا فی الارض وما لا یطاق به وخسران مبین * قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا† وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا * اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا * ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا * (۱۸: ۱۰۳-۱۰۶) * فلم تمکرون مکر الثعلب عنبًا * وتقولون ما نبالی الدنیا نقرًا * افلیس الله باحکم الحاکمین فی هذه الدنیا من دون یوم الدین * وهل یعذبکم احد من دونه بهذا العذاب المهین * فلم تحرفون دینکم ولا تصلحون * وتقطعون القرآن فتقطعون ❁

یا حزب المسلمین! ویا زحمة المتشتتین! المستضعفین فی الارض والعالین! قد قال الله لکم فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۸: ۱) * وقد قال لکم اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (۴۹: ۱۰) * فهل انتم تصلحون بین اخویکم وهل انتم مؤمنون * وهل انتم فی السلک منسلکون * او فی الاخوة شاملون * هل فیکم من النظم والنسق ووحدة الامة والطاعة والمواخاة والموانسة والمعاونة وخوف العذاب وطمع الثواب ورهب الفساد ورغب الصلاح فتکونوا من المؤمنین * هل انتم تطیعون اولی الامر منکم‡ وتردون نزاعکم الی الله ان تنازعتم فی شیء والله یامرکم به اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ (۴: ۵۹) * بل هل لکم الامیر والجماعة * هل لکم من امر او امیر او امارة * بل هل من امر من شیء ومن جمع من شیء * ومن نظم * ومن صورة * تقذفون فی الارض کالاناء المکسور * وتنتشرون کالهباء المنثور * فکیف لا یؤاخذکم الله ولا یحاسبکم بها ان کنتم من المفسدین * اعمالکم کرماد

† فیصدر من هذه الآیات انه من خاب سعیه وحبط عمله ولم یقدر مما کسب علی شیء فی هذه الدنیا فهم الذین کفروا وهم الذین لا یجدون فی الآخرة الا الخسران والنصرة والفتح والغلبة هی الاعلام لفلاح الآخرة عند الله والذین یحسبون انهم یحسنون صنعًا علی ضعفهم وخوفهم من الاعداء ولا یجهدون ان یغلبوا فی الارض فهم یکیدون انفسهم کیدًا عظیمًا وهم الذین یکفرون بالله حقًا کما قال الله عز وجل مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ (۱۴: ۱۸) (کما یاتی علی صفحة ۱۳-۱۴ من هذه الافتتاحیة) فالنظم والنسق والجهد والعمل لحصول الغلبة هی ما یوافق بالایمان وما ینافی الکفر. فتدبر. * الاشارة الی قوله تعالی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (۴: ۵۹) *

تقولون ولا **تفعلون** * مستشهدين بنهاية مكركم على ان القرآن نهٰكم عن هذه الدّنيا و
والاعتنا بها وزخارفها وانتم تريدون الاٰخرة فهل لكم من خلاقٍ فى الاٰخرة ان كنتم هٰهنا من
الاخسرين * وقد اختلقتم هذا الكذب حين الدّنيا لم تردكم * ودينكم المحرّف لم يزدكم * وحين
بدّل الله مكانكم الحسنة السّيئة * ولم يغفر لذنوبكم * فجعلتم القرآن عضين * ومزّقتموه
كل ممزّق وجعلتموه احاديث المكر والرّيا تحرّفون الكلم عن مواضعه لتسكين شهواتكم وانتم
ترآءون النّاس وتقتسمون * فتقطّعتم امركم بينكم زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (٢٣: ٥٣) *
فبما مالت الدّنيا الى الاوّلين؟ * وبما شغفوها شغف المتطلّبين؟ * وبما لانت لهم فتغشّوها
تغشّى العاشقين؟ * ولما اُرسل الرّسول بالهدٰى ودين اليقين؟ * **لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ
كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ** (٩: ٣٣) (٦١: ٩) * فلِمَا **القتال** بالسّيف مع الكفرين؟ * ولِمَا
الجهاد بالمال والانفس * ولِمَا الهجرة * ولِمَا الصّوم والصّلوٰة * ولِمَا الحجّ والزّكوٰة * ولِمَا التّلقين
بالاتّحاد والصّلح * وبطاعة اولى الامر منكم * وبالاعتصام بالله * ولمَا النّهى عن عبادة الطّاغوت *
والامر بما وصّٰكم به الله من دونها لعلّكم تعقلون * فهل هٰذا الّا ليغلبكم وليظهركم على اعدآء الدّين *
ولِمَا اسوة خلفآءكم الرّاشدين * وسلاطينكم الاوّلين * وشهدآءكم المجاهدين * وجنودكم
السّآئحين * الّتى انتم فى التاريخ تقرءون * الّا ليصلحوا بالكم فى **الدّنيا** ولتكونوا من الّذين
لاخوف عليهم ولا هم يحزنون * ولئلّا تكونوا من الخٰسرين * فى الحيٰوة الدّنيا وتكونوا فى الاٰخرة
من المكرمين * فهل نسخ لكم كلّ الدّين * وكلّ اٰيات الكتٰب المبين * وما انتم بها من
المكلّفين * وبقى لكم ما بقى من كلمة الشّهادة * ولحىً (حمٓ لحية) متشرّعة * وعمائم متطوّية * وانتظار
الجنّة فانتظروا انّى معكم من المنتظرين * افلهم البنات ولكم البنون؟† * ولكم الجنّة بغير اذًى

† اعنى اتجعلون لمسلمى القرون الاولى نصيبًا سيّئًا من الجهد والعسر والعمل وتجعلون لانفسكم اليسر وايمان الاقوال وهذا ما عنى الله بقوله وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ
مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ (١٦: ٥٧-٥٨) يعنى يجعلون له حظًّا ناقصًا من السّعى والعمل والمال وغيرها ولانفسهم حظًّا معظمًا
وطيّبًا وهذا ما يفعل المسلمون فى زماننا هذا صارفين عن ربّهم *

الاختلاف فى الدين ان كنتم صدقين * وقد قال الله لكم ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه كبر على المشركين ما تدعوهم اليه (٤٢ : ١٣) فان المشركين لا يزالون مختلفين * وقد قال الله لكم ان لا تكونوا من المشركين ممن الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا كل حزب بما لديهم فرحون (٣٠ : ٣١-٣٢) * فقد كبر عليكم الاتحاد ورضيتم بالشتت والافتراق . وشرعتم فى التباين والشقاق . ومرقتم على البغى والنفاق . بعد ان اصبحتم بنعمته اخوانا (٣ : ١٠٢) . فهل لكم من محيص عن ان اصبحتم بالحق من المشركين * فلذلك ظهر الله بعذابه وفار التنور * وتزخرت البحور * وزلزلت الانهار من غيظه وغضبه * و جاشت بحور غيرته وعزته * فقيل للارض اطردى وللسماء اسقطى على هذا القوم لانهم من المشركين الكفار * فالملئكة ينزلون فى كل مكان يضربون وجوههم وادبار * لانكم صرتم مرة اخرى على شفا حفرة من نار * وصرتم فى الدرك الاسفل من النار (٤ : ١٤٥) * واتخذتم الهتكم رهبانكم والاحبار * واخياركم والابرار * واتخذتم ارباباً لكم شيطين الانس والاشرار * واتبعتم طواغيتكم الذين اتوكم من بين ايديكم ومن خلفكم وعن ايمانكم وعن شمائلكم ليضلوكم عن الله القادر الجبار * وانتم تظنون انهم اغنياء عنكم لانهم كانوا يكتون ويجنون انفسهم فى بطون حجراتهم مستجين ومصلين بالاستغفار * معشر الجن الذين استكثر كل واحد منهم من الانس ليقطعوكم ويضعفوكم فتفشلوا وتذهب ريحكم ويحلوكم دار البوار * فيا للعذاب ! ويا للعار ! اليوم تعدّبون بشركم الشرك الذى لا يغفر الله لاحد من الناس ويغفر من دون ذلك لمن يشاء لانه رحيم غفار * بواخذكم بشركم والظلم العظيم الذى من لبس ايمانه به فلا امن لهم فى الدنيا ولا قرار * ومن دونها جهنم بئس القرار * فارباب متفرقون خير ام الله الواحد القهار (١٢ : ٣٩) * فتخبون وتضربون وتضرعون

---

† الاشارة الى قوله عز وجل واذكروا نعمت الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا . وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها كذلك يبين الله لكم ايته لعلكم تهتدون . (٣ : ١٠٢) . والى قوله ان المنفقين فى الدرك الاسفل من النار . ولن تجد لهم نصيرا . (٤ : ١٤٥)

* ولذلك سماهم الجن فى القرآن . فالذين يهدون الناس بامرهم هم الجنة فى لغته . وكبراء الحق هم الجنة لانهم (المقتفة تالى على صفحة ١٦)

§ الاشارة الى قوله تعالى يمعشر الجن قد استكثرتم من الانس (٦ : ١٢٩) § الاشارة الى قوله تعالى يبنى لا تشرك بالله ان الشرك لظلم عظيم . (٣١ : ١٣) والى قوله الذين امنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم اولئك لهم الامن وهم مهتدون (٦ : ٨٢) +

بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ (١٤ : ١٨) لا تقدرون مما كسبتم على شئ يكفركم فهل انتم تفعلون الا ما يفعل الكفرون * وقد نبهكم الله: وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ (٢٣ : ٥٢) * فهل فيكم من الاتقاء من شئ وهل انتم متقون * فاختلقتم مذاهب شرائع و مسالك وطرائق عاما بعد عام وقرنا بعد قرن فى دينكم الذى رضى الله لكم وتتبعتم آراء علمائكم وقياسات كبرائكم وظنون جهلائكم وسفهائكم متصرفا كل واحد منكم عن الذى اشار الله والرسول اليه من وحدة امتكم. وخلقتم افكا بعد افك واخترعتم جمعا بعد جمع اتباعا لصلحائكم الذين ما قالوا لكم ان تتبعوهم وابدعتم ملالا ونحلا حسدا وبغيا بينكم. واتخذتم احبارکم ورهبانكم واصفيائكم واولياءكم واهل الغرض منكم واهالى الشر منكم اربابا من دون الله * . واخذتم تعبدونهم ليقربوكم الى الله زلفى . ولتبتغوا اليه الوسيلة . ولتتخذوا مصانع لكم فى الجنة. ولتعلموا الغيب منهم . وليشفعوا لكم . وليقضوا حاجاتكم . ويرفعوا درجاتكم . وانما امرتم ان تعبدوا الله مخلصين له الدين . لتعتصموا بالحبل المتين * وقد قال الله لكم انه لا يعلم من فى السموت والارض الغيب الا الله (٢٧ : ٦٥) * وقل انما الغيب لله (١٠ : ٢٠) * ولا يشرك فى حكمه احدا (١٨ : ٢٦) * وعلم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا (٧٢ : ٢٦) * الا من ارتضى من رسول (٧٢ : ٢٧) * وقد قال الله لرسوله قل لله الشفاعة جميعا (٣٩ : ٤٤) * ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له (٣٤ : ٢٣) * وقد قال له قل انى لا املك لكم ضرا ولا رشدا (٧٢ : ٢١) * بل ما ادرى ما يفعل بى ولا بكم (٤٦ : ٩) * ولو كنت اعلم الغيب لاستكثرت من الخير (٧ : ١٨٨) * ولا املك لنفسى ضرا ولا نفعا (١٠ : ٤٩) * فاتوني بشهادة على ان اولياءكم وكبراءكم خير من الرسول او من رسل او اقرب منه عند الله ان انتم لهم عابدون * فقبحا لكم وترحا هل عندكم من سلطن لكل هذا الاختلاق و

* فيصدر من هذه الاية ان وحدة الامة هو الاتقاء والذى يتقى ربه حق تقاته فهو يوحد بين الناس. والذى يصلح بين الناس يتقيه بالحق. وهذا فرع من فروع الاتقاء بل فرع مهم منها كما يأتى. * الاشارة الى قوله تعالى فى البعد اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله والمسيح ابن مريم وما امروا الا ليعبدوا الها واحدا. لا اله الا هو سبحنه عما يشركون (٩ : ٣١)

شهيقكم وابكوا بدموع فائضة على خراب بلادكم وفساد احوالكم وذهاب اموالكم واشكوا اليهم ضعف قوتكم وقلت حيلتكم وفقدان حكمكم وفساد امركم فى الدنيا فليستجيبوا لكم وليخلصوكم من هذه المصيبة ان كانوا قادرين * فلا يستجيبون لكم الا انهم يكفرون بعبادتكم كلا ويقولون مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ (١٠: ٢٨) * ولم نقل لكم ان تعبدونا ان عبدتم وما نحن بماخوذين بما فعل الجهلون * وما انتم الا انكم تكفرون بعبادتهم وتقولون ما نعبدهم بل نتبعهم دينا ومسلكا ان الله جعلهم حفظين علينا وهادين لنا وما اختلفنا بل ستحكم ديننا ولنستقم الى اسلامنا ولندخل الجنة مستمسكين باذيال اوليائنا ولعل الله يفتح ابواب السماء لنا وكل هذا اجاز الله لنا وما اختلاف امتنا الا رحمة لنا† فما نعبد الا الله و لا نشرك به فى القول شيئا وما نحن الا من الموحدين * فلن يقبل منكم هذا المكر فانكم تعبدونهم بالحق عملا ومعنا وتتخذونهم اربابا والهة وتفعلون ما يامرونكم من دون ما يامركم الله فما الله بغافل عن عبادتكم وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (٣: ٩٨) * فوالله لا تفتح لكم ابواب السماء ولا تدخلون الجنة حتى يلج الجمل فى سم الخياط فانكم كذبتم بايات الله و استكبرتم عنها‡ وذلك جزاء المجرمين * وسعيتم فى ايات الله معجزين§ * معاندين عليها بينكم مستضعفين بعضكم بعضا مظاهرين ومعاونين على الاثم والعدوان والشت الاليم * وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِى الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ (٣٤: ٣٨) * افلم يقل ربكم لكم وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (٣: ١٠٤) * فلا نجاة لكم اليوم فانكم اشركتم فتفرقتم وظلمتم انفسكم فضربت عليكم الذلة والمسكنة

---

† هذا مما اخترع المسلمون من احاديث نبينا صلعم ولا شك فى انه من اشر الاحاديث فان المسلمين يعوذون به و يستشهدون منه فى ما لنا هذا فصاروا شيعا نظرا اليه ولا يخافون ان الافتراق والاشتات هو الذى يدمرهم ويهلكهم ·

‡ الاشارة الى قوله تعالى اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ (٧: ٤٠-٤١) ·

§ اعنى سعيتم ان تجاهدوا احكام الله لتعاجزوا بينكم وليضعفوا بعضكم بعضا ١٢

وتجرّرون وتقذفون وتطردون فِي غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ تتوفّٰكم اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ
اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ (٦: ٩٤) *
فلا يقضى عليكم فتموتوا ولا يخفف عنكم العذاب لانكم اصررتم على ما كنتم تفعلون * فلا اُصلّى
عليكم اليوم ولا استغفر لكم فان استغفر لكم سبعين مرّة فلن يغفر الله لكم ولا انتم حريّون به و
الله لا يهدى القوم المشركين * فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (٩: ٨٢) *
اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا (١٨: ١٠٢)
وَاِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (٧: ٢٧) * فمثلكم كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ
اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (٧: ١٧٦) لا تحسّون اصلاً ما يفعل الله بكم * وعباده اولو باس يلكدونكم بنعالكم
ترهقكم ذلّة ما لكم من الله من عاصم كانّما اغشيت وجوهكم قطعاً من اللّيل مظلماً ذلك مثل القوم
الّذين لبسوا ايمانهم بظلم وصاروا من المشركين * فهل لكم من محيص عن جنود ربّكم اليوم الّتى
كنتم تكفرون بها وكنتم بها تستهزءون * وهل انتم بخارجين من هٰذه النّار ولو انتم تشتهون *
وهل لكم من مستغاث ممّا كنتم تعبدون * فَاَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (٢٨: ٦٢) * ائتوا
باصفيآءكم واوليآءكم الّذين كنتم تظنّون بهم ظنونا وجنّتكم وشيٰطينكم الّذين كانوا يوحون اليكم
لتطيعوهم فليستجمعوا لكم ويشاوروا فيكم ويشفعوا لكم عند ربّكم ويقرّبوكم الى الله ويقولوا ربّنا
لا تؤاخذ هذه الامّة فانّهم عبادنا وانّما نحن من عبادك الصّٰلحين * لا تهلكهم بما فعل الصّلحآء
منّا وما فعلنا الّا لنقرّبهم اليك ولنصلح بين اخواننا وليبتغوا اليك وسيلة منّا فان تعذّبهم
فعذّبنا واعف عنهم فانّهم عباد عبادك وان تغفر لهم نكن من الشّٰكرين * فاليوم ادعوهم بزفيركم و

(البقية من صفحه ١٥) يجنّون انفسهم من النّاس لكونهم هداتهم وسادتهم، وكلّ القرآن يشهد على انّ الله عنى بالجنّ هذا القوم، واينما ترون تجدون هذين الفريقين من النّاس احدٌ يطيعون واخر يطاعون، احدٌ يتّبعون من خاصّة النّاس واخر يتّبعون من عامّتهم، فالاوّل سمّاهم الله الجنّ والاخر سمّاهم الانس كما قال تعالى فيهم اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (٢: ١٦٦-١٦٧) وفى موضع اخر قال يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا (٣٣: ٦٦-٦٨) ولينظر القارى على صفحة ٩٧ - الخ من هذه الافتتاحية للتصديق المزيد

يظهر من كلامكم واقوالكم ولكن انبئونى بما فى قلوبكم ان كنتم من الصدقين *
اشرحوا صدوركم وبيّنوا لى ما انتم فى القلب مستترون * فما هذه التماثيل التى انتم لها
عاكفون (٢١ : ٥٢) * وما الاوثان التى انتم فى صدوركم من تيون * تثنون صدوركم
لتخفوها منا وانتم فى الحق لمبزرون ما تريدون ان تسروا فى قلوبكم ماكرين * فما هذا
الحبّ لاولادكم التى انتم بها تعتنون * وما شغفكم ببنيكم وبناتكم * وما وثن حبّكم
هذا الى اموالكم وانفسكم وصنم تغشيتكم ازواجكم وعشيرتكم والهة رغبتكم الى الآباء
وامّهاتكم * وما هذا الولع بالمال والاشتغال بالنساء والرجال عن الرب المتعال * و
استيثاركم على ربّكم نفائس الاشياء ومعظم الاموال * وما وثن حبّكم للقناطير المقنطرة
من الذهب والفضة والخيل المسوّمة والانعام والحرث (٣ : ١٣) واقطاع الارض ونفائس
الطرف * وما صنم اشتهائكم الى الاطعمة اللذيذة * والهة اشيائكم النفيسة * ووثن شهواتكم
المرضية * وبعل اهوائكم النفسية * وما لات حبّكم الحيوة الدنيا * ومنوة عشقكم بالاعمال العاجلة
ويغوث بخلكم بالمال * وودّ شغفكم بالجمال * وهبل جيفة الدنيا * وعزّى العزّة السابعة
الاخرى * والاخرون من اصنام الملاهى والملاعب ما سواها ونستثنى * ما لا تعدّ ولا تحصى * فلا
تنبئونى بما انتم تعبدون فى قلوبكم ولكن بيّنوا لى ما انتم لا تعبدون * من دون الله الهكم بحق اليقين *
احبّكم بالاموال لرب العلمين * وبالاولاد لاعلاء الدين المتين * وبالشهوات
لابتغاء وجه العزيز الحكيم * وبالاهواء لحصول رضوانه العلى العظيم * اتطيعونه كما
تطيعون اولادكم الاقربين * فى الشقاء وحين يمرضون * ام انتم تجاهدون فى الله
كجهادكم فى البنين * وسعيكم لاولى الارحام الاخرين * بالليل وبالنهار مبيتين ومصبحين *
افلا تعبدون حكامكم المكرمين المنعمين * وتدعونهم رغبا ورهبا لهم خشعين * وتعرضون

* اى مساكن طيبة *

وبئتم بغضب من الله فتوبوا الى بارئكم فاقتلوا انفسكم† ذٰلكم خير لكم لو كنتم تعلمون ✽
وان لم تفعلوا فاعلموا ان عذاب الآخرة هو اشق من هٰذا العذاب واتقوا النار التى اُعدّت
للمشركين ✽ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً (١١: ١١٨) ووحّدهم بوحدة الٰههم و
بتوحيده والنّاس يشآءون ان يفرّقوا بالشرك وعبادة الجنّ ولذٰلك لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ
(١١: ١١٨) • فما يشآء النّاس اصلاً ما يشآء الله بهم اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ (١١: ١١٩) وما خلق الله الجنّ
والانس الا ليعبدوه فيكونوا امّة واحدة بتعبّده وعبادته وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (١١: ١١٩) • فما
الاتّحاد الّا فطرة الله التى فطر النّاس عليها لو كنتم تعلمون ✽ فالطّاغوت
لا يزال يغرى بينهم العداوة والبغضآء ويزيد الاشتات والافتراق بين احزابهم و
شياطين الانس من الاشرار والجنّة لا يزالون يستكثرون من النّاس ليصلحوا بال
انفسهم فى الدّنيا وليخرّبوهم ويقطّعوهم فيكونوا على شفا حفرة من النّار وَتَمَّتْ كَلِمَةُ
رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (١١: ١١٩) ✽

يا معشر المتوحّدين ويا محفل الميحادين المنتشرين! الموحّدون فى القول والمشركون
فى العمل برب العٰلمين ✽ ازعمتم انّكم لا تعبدون الّا الله ولا تشركون به شيئاً ولا يتّخذ
احدٌ منكم اربابًا من دون الله • فقفوا اثبّت لكم انّكم بالحقّ من المشركين ✽ لا شكّ
فى اقراركم بافواهكم بالله وبتوحيده ودعوتكم ليلاً ونهارًا باسمآئه • وتكرار صفاته فى
صلوٰتكم كرّة ومرّة • ولا شكّ فى مكر خوفكم من كلمات الكفر المضرّة • وفى شهادتكم بالسنتكم
على كونه تعالى واحدًا وفى اعترافكم لسانًا بكونه شاهدًا وحاضرًا وناظرًا • ولكن اشكّ فى
ما انتم تعملون ✽ لا قول لنا فى اقوالكم ولا حجّة لنا فى ما تصف السنتكم وافواهكم وما

† الاشارة الى قوله تعالى وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ
عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (٢: ٥٤) ومعنى تُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ هو ان توبوا وان لم تفعلوه فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ✽ وقد يسرت ههنا معنى هذه الآية الشهيرة
التى ضلّ الفارحون ضلالاً بعيدًا فى تشريح معانيها فيصدر منها ان الله خلق الجنّ (اى كبرآء الخلق) والانس (اى العامّة من النّاس) للاتّحاد والمصالحة لا للتفريق والتخريب ✽

فى العقبى الله انقم النا قمين * فلا تشركوا بالله إنّ الشرك لظلم عظيم (٣١ : ١٣) * والله لعلم للفساد المقيم * ودليل على العذاب الاليم * والله لحسرة على الظالمين * يستدرجهم من حيث لا يعلمون * يفرقهم ويقطعهم فما يشتغل احد الا بالهه صرفا عن الباقين * و يمزقهم كل ممزق فيتخطفهم الناس عن كل مكان امين * ومن يشرك بالله فكانما خر من السماء فتخطفه الطير او تهوى به الريح فى مكان سحيق (٢٢ : ٣١) فلا عدوان الا على الظالمين ٠ (٢ : ١٩٣) * والذين امنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم اولئك لهم الامن وهم مهتدون ٠ (٦ : ٨٣) * فيا ايها المشركون الظلمون المعاصرون ! انتم بالتوحيد تدعون * وانتم على الله مفترون * وعلى اسلامكم تمنون * افليس الله بعالم ما تسرون وما تعلنون * اما هو بخبير بما تبدون وما انتم تكتمون * اولا هو يحول بين المرء وقلبه ويعلم ما فى قلوبكم وما تظهرون * افليس الله باعلم العالمين * واحكم الحاكمين * وامكر الماكرين * فتقولون بافواهكم ما ليس فى قلوبكم وتصف السنتكم الكذب وتشهد على ايمانكم وتوحيدكم ايديكم وارجلكم شاهدة على ما فى صدوركم من الهتكم التى انتم لها تسجدون ٠ والتى انتم بها مكلفون * فانكم تفعلون ما يامرونكم ليلا ونهارا بها وما انتم بفاعلين ما يامركم رب العالمين * فيحسرة على المسلمين ! عبدة الاصنام المعاصرين ٠ ما تاتيهم من شهادة شركهم الا كانوا بها كفرين * ويقولون انما نحن نعبده ولا نشرك به شيئا ونحن على ذلك من الشهدين ٠ باقوالنا والسنتنا وصلواتنا وكلماتنا ولحانا وعمائمنا الهنا الله واحد وما نحن بماخوذين بما نفعل بل بما نقول من كلمات الكفر وبما نحن فى الله قائلون * بل الله كلفنا بالقول وقال لنبيه قل هو الله احد (١١٢ : ١) فما نحن بصارفين عما جاء فى الكتب المبين * فاليوم طائركم معكم وتشهد على ايمانكم احوالكم السيئة فلم يعذبكم الله بذنوبكم ان كنتم من الموحدين المؤمنين * الله ولى الذين امنوا يخرجهم

عليهم صفا ركعا سجدا كالمجرمين المقبوحين • مدهشين مستغفرين من الذل فى الاصفاد
مقرنين ✻ الذين بعث الله عليكم ليعذبكم ولتكونوا من المدمرين ✻ عباد له اولو باس شديد
اعدهم الله ليقطعوا دابركم ويخربوا ديارکم وبلادکم والباقين ✻ فقذف الله فى قلوبكم
الرعب منهم فانتم لهم عابدون ✻ مستمسكين بهم ولولا تشتهون ✻ افانتم تخشونه كما قال
خشيتكم منهم وتعبدونه معشار ما تعبدونهم والله احق ان تخشوه ان كنتم مؤمنين ٥ (٩ : ١٣) ✻
فبشر المنافقين بان لهم عذابا اليما ۙ الذين يتخذون الكفرين اولياء من دون المؤمنين ط
ايبتغون عندهم العزة فان العزة لله جميعا ۝ (٤ : ١٣٨-١٣٩) ✻ الذين اتخذوا من دون الله الهة
ليكونوا لهم عزا ۝ (١٩ : ٨١) ✻ كلا سيقطعون دابركم ويقطعون اسبابكم ويكونون عليكم ضدا ✻
افانتم تؤمنون بالله وتجحدونه امتحبون حكامكم المعبودين • واولادكم المخدومين • واهواءكم و
اموالكم وانفسكم الاعزة ونساءكم وابناءكم المكرمين ✻ وقد قال الله لكم يا ايها الذين امنوا
ان من ازواجكم واولادكم عدوا لكم فاحذروهم (٦٤ : ١٤) واعلموا انما اموالكم واولادكم
فتنة ۙ وان الله عنده اجر عظيم ۝ (٨ : ٢٨) ✻ فما شغفكم بهذه وبالاصنام الباقين من ثلثمائة
وستين اويزيدون التى انتم فى كعبة قلبكم مزينون ✻ وبما ادعاءكم بالايمان بعد هذا التزيين ✻
فالذين امنوا اشد حبا لله (٢ : ١٦٥) ولا يدخلون فى جوف قلوبهم احدا من العلمين ✻ ومن الناس
من يتخذ من دون الله اندادا يحبونهم كحب الله (٢ : ١٦٥) فما هذه الاوثان والارباب اندادكم
باليقين • من دون الله اله العلمين • الله واحد لا اله الا هو لئلا تكون للناس حجة بعد العذاب
ان كانوا غافلين • رب السموت والارض واحكم الحاكمين • ولو كان فيهما الهة الا الله لفسدتا
فسبحن الله رب العرش عما يصفون ۝ (٢١ : ٢٢) ✻ فاتخذتم الهة من دونه فافسد الله امركم فى الدنيا
وجعل عاليكم سافلكم ودمر اهليكم حقا عليه يفسد المفسدين ✻ وقضى الله على تخريب بلكم

L 972

معشار ما انتم تشركون * فما التعبد الا بالعمل وما العبادة الا بخدمة المولى وما الخدمة الا بطاعته وما الطاعة الا الاعتناء بما امر الامرون * وما صلوتكم من عبادة وصومكم من طاعة وزكوتكم من صدقة اوحجكم من خدمة حتى تسلموا وجوهكم لله كافة وقاطبة و تجاهدوا فيه حق جهاده وتقدروه حق قدره وتفعلوا به اقل ما انتم تفعلون بحكامكم المحبوبين المعززين . واولادكم الاقربين . وطواغيتكم المعبودين . واوثانكم المخدومين وشهواتكم المعززة . واهواءكم المكرمة * فهل انتم تصبرون على عصيانكم من بعد ما جاءتكم البينة * فاتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة (٨:٢٥) * واعلموا ان الله يحول بين المرء وقلبه (٨:٢٤) * ويحول بينكم وقلوبكم المستنكرة * واعلموا انه عزيز ذو انتقمه * فيا ايها المسلمون القوالون ! ايكفيكم ان **تقولوه** واحدا بافواهكم وتتخذوا من دونه ارباباً بعدا رباب لتعبدوهم عملاً وتجاهدوا فيهم ثم تسئلوا الله عليه حق هذه الخدمة . واجر هذه العبادة . والجنة الاخرة . وجنات الارض المخضرة . ايليق بكم ان تسئلوه من اجر على ما انتم تفعلون * فتبتغون بمالك او مولى يؤدى اجر عبده اليه ويثنى عليه و يضعف له اجره والعبد لا يزال يخدم جاره ويعبد عدوه ويسجد لخصمه ومعهذا لا يزال يشهد على كونه واحدا بلسانه ليلا ونهارا وانبئونى بمالك رضى عن عبده او وقته حسابه مع عصيانه وطغيانه لان العبد **سماه** واحدا او **قال** له احد بلسانه كرة بعد مرة فهل يجب عليه من اجر او يلزمه من حق بهذا القول والتكرار ان كنتم صادقين * بل هل انتم موفون عهودكم او مؤدون اجوركم لخادمكم الذى يسميكم احدا ولا يفعل شيئا مما تؤمرون * فلن تجدوا تجارة رابحة مثل هذه فى هذه الدنيا ولو حرصتم كل الحرص فاعترفوا بانكم بالحق من المشركين * وان قلوبكم تشهد على مكركم وانتم الا علمون بما يمكر الماكرون * وان

(٢: ٢٥٧) مّن ظلمٰت الخوف والحزن الى نور الغلبة والامن اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (١٠: ٦٢-٦٤)* فلهم فى الدّنيا ما يشآءون وما يشتهون* وما بشركم فى هٰذه الحيٰوة ايها القائلون الجاهلون ! الآن تخذلون وتعذّبون بالعذاب الاليم* فالقول ليس بشئ عنده لانكم تقولون ما لا تفعلون* وما الشرك الّا فى العمل وما يريد الله منكم من شئ الّا ان لا تسلموا وجوهكم لغيره ان كنتم ايّاه تقرّون* وقد قال الله وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ† (٥١: ٥٦)* فما العبادة الّا ان تفعلوا ما انتم به تؤمرون • وان لا تطيعوا من دونه شيئًا ولا تصنموه ولا تشركوا به ما لم ينزل به من سلطٰن مبين* وان كان الشرك سجودكم للاوثان المحجرة خاصّة من دون سائر الالٰهة فما نهٰكم الله عن اهوآئكم ولذّاتكم وشهواتكم التى تشغلكم عن ربّكم ولقال لنبيّه اتق الحجارة واتّخذ من دونها ما شئت سكينة لقلبك لانّ الحجارة هى المعبودون الّذين يغيظوننى اشدّ غيظا فلا تشرك بى حجرًا ولا بعبادتهم تكفرن* وان لم يكسر رسولكم فى عهده وثنًا من اوثان قلوبكم الباطنة سوى الاصنام المحجرة الظّاهرة من ثلٰثمائة وستّين التى كانت تخدم فى جوف الكعبة وان كان هٰذا مبلغ سعيه ومعظم دينه و اشدّ جهاده فى الاسلام فوالله لا اجد ذكر هٰذه الحكاية المهمّة فى الكتب المبين* بل اوثانكم معكم وفى قلوبكم وتجيئكم عن ايمانكم وعن ايسٰركم لترغبكم عن ربّكم وتنهٰكم عن طاعته وعبادته وخوفه وتمنعكم عن كل ما يصلح بالكم وما يوحّدكم ويقوّيكم فلذٰلك منعكم الله عن الشرك وهٰذه ما كسر رسولكم فى عهده كسرة تامّة لو كنتم تعلمون* افتزعمون انكم تعبدون ربّكم بصلواتكم والحقّ انكم لا تعبدون الّا انفسكم ولا تخدمون* فوالله ما اشتغل الهنود باصنامهم الظّاهرة المحجرة قط مثل ما تشغلكم اصنامكم الباطنة المفرّقة ووالله ما هم بمشركين فى عبادتهم الاحجار

† اى انه حتّم فى طبيعة الجنّ والانس وجبلتهم ان يتبعوا قانونه تعالٰى فان يعصوا عنه يعذّبهم ويهلكهم - ولينظر القارئ فى كتاب التذكرة صفحة ١١٨ الى ... منها -

تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (٩ : ٢٤) * وقد قال لكم ان لا تتخذوا آباءكم واخوانكم اولياء ان استحبوا الكفر على الايمان ومن يتولهم منكم فاولئك هم الظٰلمون (٩ : ٢٣) * المشركون و فاعلو الظلم العظيم * فاتخذتم الحيوة الدنيا الهكم فذهب الله بدنياكم وجعلتم تفسدون فيها تتخذون الهة من الارض وسعيتم لتفسدوا امر الله ففسد الله امركم ودنركم وهو ذو القوة المتين * وعلوتم فى الارض تقولون نحن ابنٰؤا الله واحبآؤه (٥ : ١٨) ولن تمسنا النار الا ايامًا معدودة (٢ : ٨٠) فبعث الله عليكم عباده اولى باس شديد فجاسوا خلال دياركم حاكمين * و غزوا فى عقر داركم جاثمين * فتحكمتم فصرتم من المحكومين * وعصيتم ربكم فعصت الارض عنكم وعن باقين * فضاقت عليكم الارض بما رحبت (٩ : ٢٥) وشنت عليكم الغارات * وصرتم غرضًا يرمى فى العرصات * وعباده اولو باس يخرجونكم من داركم الى دار * وظهر الفساد فى بركم وبحركم بما كسبت ايديكم ليذيقكم بعض الذى عملتم لعلكم ترجعون † * فاصررتم على معصيتكم وتنازعتم وتعاجزتم بينكم وتواكلتم وتخاذلتم فذهب الله بريحكم وشغلتكم اموالكم واهلوكم من دون الله ورسوله شغلًا تامًّا وكثرت فيكم الاحداث والذنوب وازددتم كفرًا وظلمًا و فسقًا وشركًا فقضينا اليه ذلك الامر ان دابر هٰؤلآء مقطوع مصبحين (١٥ : ٦٦) * فلم يبق من بلادكم قطعًا اوملكًا الا وكلها بقوم ليسوا به بكفرين * فهل يهلك الا القوم الفٰسقون (٤٦ : ٣٥) * وهل يهلك الا القوم الظٰلمون (٦ : ٤٧) * كفرتم فاخذكم الله فسيروا فى الارض فانظروا كيف كان عاقبة الذين من قبل كان اكثرهم مشركين (٣٠ : ٤٢) * فقطع دابر القوم الذين ظلموا والحمد لله رب العلمين (٦ : ٤٥) * فيا من يعتبرون ولا يصلحون ويا من انتهى الله من حيث لا يشعرون ! الدنيا محبوبة عجوز عاقر طليقة اللسان حسناء الوجه التى

† الاشارة الى قوله (٣٠ : ٤١)

الله يعذبنا بشركنا فى الدنيا وان نحن الا من المغضوبين الضالين* من الذين ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى ابصارهم غشاوة ولهم عذاب عظيم (٢: ٧) * ذلك بانهم استحبوا الحيوة الدنيا على الاخرة وان الله لا يهدى القوم الكفرين (١٦: ١٠٧) *اولئك الذين طبع الله على قلوبهم وسمعهم وابصارهم واولئك هم الغفلون (١٦: ١٠٨) * ومن الناس من يقول امنا بالله وباليوم الاخر وما هم بمؤمنين (٢: ٨) * يخدعون الله والذين امنوا وما يخدعون الا انفسهم وما يشعرون (٢: ٩) * افرءيت من اتخذ الهه هوىه واضله الله على علم وختم على سمعه وقلبه وجعل على بصره غشوة فمن يهديه من بعد الله افلا تذكرون (٤٥: ٢٣)* فتوبوا الى الله توبة نصوحا (٦٦: ٨) وطهروا انفسكم من رجز الشيطن * ومحصوا قلوبكم من الاوثان * وابنوا فى صدوركم بناء مشيدا للرحمن * حنفاء لله غير مشركين به (٢٢: ٣١) احلام من الاصنام فيا ايها الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا انه هو الغفور الرحيم (٣٩: ٥٣)* انيبوا الى ربكم واسلموا له من قبل ان ياتيكم العذاب ثم لا تنصرون (٣٩: ٥٤)* وما اموالكم ولا اولادكم بالتى تقربكم عندنا زلفى الا من امن وعمل صالحا فاولئك لهم جزاء الضعف بما عملوا وهم فى الغرفت امنون (٣٤: ٣٧)* فيا ايها الذين زعموا ان امنوا توبوا الى الله توبة نصوحا عسى ربكم ان يكفر عنكم سيئاتكم ويدخلكم جنت تجرى من تحتها الانهر (٦٦: ٨) التى اخرجكم منها وذلك هو الفوز العظيم * ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (٣: ١٣٩)

يا حزب المعذبين ويا معشر الظلمين ! المشركين بالحق رب العلمين : ان كان اباؤكم وابناؤكم واخوانكم وازواجكم وعشيرتكم واموال اقترفتموها وتجارة تخشون كسادها ومسكن

* فيصل زمن الخوض فى هذه الآيات (اعنى (٢: ٧) و(١٦: ١٠٧-١٠٨) و(٢: ٨-٩) و(٦٦: ٨)) الله من استحب الحيوة الدنيا على الاخرة فهم الذين طبع الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى ابصارهم غشاوة لانهم لا يفهمون ما عاقبة هذه الاعمال العاجلة فى الدنيا وشهد القران على انهم هم الكفرون الغافلون بقوله تعالى وان الله لا يهدى القوم الكفرين (١٦: ١٠٧) وقوله واولئك هم الغفلون (١٦: ١٠٨) -

لا نذر فی الارض احدًا من المشرکین • ودیّارًا من الکفرین • اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ؕ (٢٦: ٨٩) • وسلك صراطه المستقیم • وطاع واسلم وتنظّم وتطوّع ولم یخش الّا اللّٰه واتّقی فتقوّی واحسن فاولٰٓئك من المفلحین * وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ۝ (٤٢: ٣٩) * وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا ۚ (٢: ١٧٧) وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (٢: ١٧٧) * بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝ (٣: ٧٥) * فسلامٌ علی المتّقین الّذین لا یزالون شاهدین علی النّاس لربّهم وعلی توحیده عملًا ومعنًا ویتمّون مدّة حیاتهم فی اعلآء سُنّة العلیّ العظیم * بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۖ (٢: ١١٢) فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (٧: ٣٥) * فیٰحسرةً علی المسلمین المعاصرین ! یکاد سنا البرق یخطفهم وکسفٌ من السّمآء یسقط علیهم وهم غافلون * عسی ان یاتی اللّٰه بامره وهم فی غفلةٍ یعمهون • ویقولون اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ (٤٣: ٢٣) • وانّما نحن الموحّدون من دون العٰلمین • الّذین هم اصحٰب النّار والجحیم • طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ۝ (٣٧: ٦٥) * وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ ۝ (٢: ١٧٠) * فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ۝ (٧: ٧١) * وشدّوا رحالکم فانّکم من المرتحلین • فی صبح خامسة او اقرب منه بالیقین • ومظنّتکم الجحیم • ومحلّکم بحفرة من نار وقودها الحجارة واشرارکم المقلّدون * والْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ (١: ١-٧) ❁

فیا مؤتمر المسافرین ! ویا فوج المنتهضین ! هل انتم تدّعون ان تبدّلوا سُنّة اللّٰه فی الارض بمکرکم او ترضّوه بقولکم مهلّلین • مکبّرین مُبسملین وحامدین وجامدین * هل انتم

تنكح بعلاً جديداً كل يوم ولا تزال تتدلل ببعلها وتتجمل له كل ما يشاء ويشتهي لنفسه حتى تضعف قواه واعضائه وتوهن امره فتتركه او تطرده ولا تلد لزوجها الا الخزي والخسران في العاقبة ولا تدوم وتصاحب الا من انكرها وامهلها ومن اخل بها ولم يعد عينيه اليها بل نظر من طرف خفي الى حليها وغض طرفه عن زخارفها وزينتها فلا تدنو اهذه العقيم الا ممن ابعدها ولا عبدها ومن دنا منها فتقصيه ومن مال اليها فترغب عنه وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (٥٧: ٢٠) * وهذا سر حبها وتسخيرها وتعشقها بكم وفي ذلك فليتوسم المتوسمون * ولذلك قال الله وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ (٤٢: ٢٠) ولذلك قال مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ (١٧: ١٨) وذلك جزآء الكفرين • الذين يريدون الدنيا فالدنيا تطردهم في النار داخرين • والذين يعبدونها فتبعدهم خاسئين * وقد قال الله وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (٥١: ٥٦) ومن يعبد يورثه الارض اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (٧: ١٢٨) * فسلام على المتقين • الذين يرثون الارض لا يزالون امة واحدة وبرتبهم يتقون • والذين لا يشركون به شيئاً في العمل ويطهرون قلوبهم من رجز الاوثان ويقولون انما الهنا الله واحد وبه نستعين • والذين يجاهدون اعدائهم بالسيف باموالهم وانفسهم ويهاجرون في سبيله لتقوية قومهم ويهجرون كل ما يشغلهم من المعبودين • والذين يطيعون اولى الامر منهم ويردون نزاعهم الى الله واما هم ان تنازعوا في شئ لئلا يكونوا من المفسدين • وداموا ما داموا في الارض منظمين • وفي السلك منسلكين • وفي الاخوة شاملين * **الجماء الغفير** الذين يخشى الناس عنهم وهم لا يخشون احداً الا عذاب احكم الحاكمين * اشداء على الاعداء رحماء بينهم فلا يعدون الا على الظلمين • المشركين المتفرقين المستضعفين من الرجال فيتخطفونهم خطفة العقاب الشاهين * ويقولون

وخالق ما لا تعلمون ✻ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (٥٩: ٢٢) فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (٢٣: ٩٢) ✻ وهذا هو الاسلام الذى أسس عليه السموٰت والارض ونظام كل التكوين . وتنظيم الكون المتين . و ترتيب كل ما اصلح وافلح فى العٰلمين ✻ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (٣٠: ٣٠) ✻ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (٢٣: ١١٧) ✻ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (٣: ٨٤) ✻ وانه فى هذه الدنيا من الاخسرين ✻ افتدرون ما فى هذه الارض للموحدين المسلمين . وما اجر العٰملين الصٰبرين المؤمنين الفاعلين من دون القائلين الكفرين . اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ . وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (٤٧: ١٢) بما كانوا يكفرون ✻ والذين اٰمنوا بما نزل على محمد وهو الحق من ربهم كفر عنهم سيأتهم واصلح بالهم (٤٧: ٢) . وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (٤٧: ٨) . ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (٤٧: ١١) ✻ فيا ايها المسلمون المعاصرون ! كيف تدعون بالايمان وبالايمان على محمد وبالكم بال الكفرين ✻ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (٢٩: ٤١) ✻ فيا من يزعمون انهم يحسنون ويصلحون باتخاذهم الاولياء تمتعوا فى هذه الارض حتى حين ✻ ويا من ضل سعيهم فى الدنيا امشوا فى الارض مشتهى قلبكم فرحين . بما هى اتية لكم فى يوم الدين . وما لكم فى الاخرة من النعيم . من فضل ورحمة وشراب وفاكهة ومن حور عين ✻ تباشروا وتمارحوا وتفاخروا بينكم فان لكم نار الجحيم ✻ و عذاب ربكم المقيم ✻ ومن دون عذابكم فى الدنيا عذاب يوم الدين ✻ فان الدين هو

تسعون ان تغيروا ما بكم بالخدع • او تغيروا عادته بالجزع والفزع • او تخرقوا الارض وتكسروا
السماء كسرا مكسرا التمشوا في الارض مرحين * ء انتم تهمون بان تبدلوا ههنا ارضا غير الارض وسماء
غير السماء وسنة غير سنته تعالى الجارية لتفعلوا فيها ما انتم تشتهون * هل ترون في خلق الرحمن
من تفوت (٦٧ : ٣) • وفي الارض من ضعف • وفي السماء من نقص وفي سنته من لين او تحول
ليلين لكم او يكاد يركن اليكم فتصنعوا فيها ما تشاؤن * بل بناها قصرا مشيدا وسقفا محفوظا و
بناء غير محول لا مبدل لعادته وفطرته وحفظها من كل شيطن رجيم (١٥ : ١٧) * من شياطينكم
الذين يوحون الى اوليائهم انهم هم القادرون على ان يبدلوا امره وحكمه بدعائهم وشفاعتهم
وهم في هذه الارض لا يملكون من نقر ولا يقدرون * ولن تستطيعوا ان تغيروه مقدار حبة خردل
ولو اجتمعتم له انتم ومن في الارض جميعا فلما لا ترجعون * بلى وهو الملك العظيم * والاقتدار العلى
الحكيم * والبناء المقيم * لا يسئل عما يفعل (٢١ : ٢٣) وانتم تسئلون * فهل تنظرون الا
سنة الاولين * فسيحوا في الارض وانظروا كيف كان عاقبة المكذبين * واخزى المجرمين *
وذلة الكفرين * ان تنتهوا يغفر لكم ما قد سلف وان تعودوا فقد مضت سنة الاولين •
(٨ : ٣٨) * سنة الكفار المعذبين * عسى ان يكونوا من المقبوحين * فوالله ما انتم بمعجزي
الله في هذه وما كان لكم ان تغيروا عادته ولكنكم انتم من المغيرين * او مغيرين ما بانفسكم
من قبل ان يأتيكم اليقين * فان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم (١٣ : ١١) ولا يؤخر
احدا حتى دنا امره الى الحين * فاذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون (١٦ : ٣٤) *
فتعالوا الى القران العظيم • واهجروا الشرك والكفر هجرا مهجورا فسحقا لاصحاب الجحيم * و
تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا
بعضا ارباب من دون الله (٣ : ٦٣) فهل انتم مسلمون * فاطر السموت والارض وما بينهما

الخلق والامر تبارك الله رب العلمين ٥ (٧: ٥٤) • يسئله من في السموت والارض كل يوم هو
في شان (٥٥: ٢٩) فكيف لا احب العملين * بل نرى عمل كل عامل في الدنيا وسعيه ونعطيه اجره مقدار
جهده ووسعه وبقدر سعيه ان الله لا يظلم الناس شيئا ولكن الناس انفسهم يظلمون ٥ (١٠: ٤٤) * فمن
يعمل مثقال ذرة خيرا يره ٥ ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره ٥ (٩٩: ٧-٨) * فما انا بطارد العملين
من الجنة وقابل القائلين * هم الذين مازالوا في الارض مكرهين اسمى وعاصين عن امرى
ولم يعلموا من انا حين دعونى ولم يكرمونى او يعظمونى معتذرا ما كرموا الهتهم غيرى فكيف اكرم
ههنا الظلمين العادين * وان تكفروا انتم ومن في الارض جميعا (١٤: ٨) فاني انا الله ذو القوة
العزيز العليم * احب كل صاحب **قوة وعزة و علم** من الناس الذين احسنوا صنعهم في
الدنيا وداموا ما داموا خليف فيها وخليف منى مسخرين كل ما سخر الله لهم في السماء والارض
متفكرين في خلقهما وما بينهما شاكرين بما انعم الله عليهم من فضله ورحمته حق شكرهم وقدرهم الذين
احرثوا الارض ونوشموها ومشوا في مناكبها وفتشوا برها وبحرها لتعرفوا من انا ومن اين كل هذه
وما هي ولما هي وما كنهها وكيفها وليشهدوا منافع لهم وليبتغوا من فضله سائحين * جبارون
في الارض قاهرون على من ضعف وكسل ومكرمون من شجع وبسل متخلقون باخلاقى واخلاق
فطرتى وعادتى فاتنى انا الجبار القهار القوى العظيم * ولا احب المستضعفين الاقلين الذين
ضربت عليهم الذلة والمسكنة ينظرون من طرف خفى الى الناس من ذل وغى يسئلون عبادنا
الحافا ومفتقرا لا يقدرون على شئ ولا يملكون نقرا الذين يسجدون لكل مالك قويا كان او
ضعيفا ويعبدونهم لحيا ولفيفا لاصقين بهم من الضعف والفقر لا يحسون ما بانفسهم من نار
السقر • نار الله الموقدة ٥ التى تطلع على الافدة ٥ (١٠٤: ٦-٧) • فتحرقهم بحرقة مهلة • ترهقهم
ذلة ٥ ما لهم من الله من عاصم (١٠: ٢٧) • اغشيت وجوههم قطعا من الليل مظلما ٥ (١٠: ٢٧) • و

الدنيا وان الدنيا هى الدين * الدنيا مزرعة الاخرة فيها تزرعوا لها تجدوه
عند ربكم غير يمنون * وما تقدموا للغد فهو فى الاخرة يبين * ونعم اجر العملين *
وبئسما اشتروا بغفلتهم القائلون * فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى (٧٩ : ٣٤) * وعرض
الناس على ربهم صفا صفا * وانى حين توفية حسابهم فى العقبى * وجاء ربهم فرادا فرادى
وقيل للانسان اليوم بما فعلت يداك فى الدنيا * لان لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (٥٣ : ٣٩) * وانه
له نصيبا فى الاخرة من دون نصيبه الادنى * وعذابا من حيث الفرد على عذابه جمعا *
وثوابا من فوق ثوابه فى الاولى * ولعذاب الاخرة اشق وابقى * وثواب العاقبة خير
واشهى * فيا اسفا وعجبا ! تحيرت العقول بما راى * القائلون فى عذاب اليم * و
العاملون فى الجنة والنعيم * الموحدون فى نصرة المشركين * والمشركون المتعارفون على الاراك متكئون *
والرسول شاهد عليهم انهم هم المؤمنون * الذى هو بالمؤمنين رؤف رحيم * ادخلوا كافة انكم كنتم
تفعلون * ما تقولون تعملون ولا تنظرون * وكنتم انتم تؤمنون بما انزل على محمد عملا ومعنا من دون العلمين *
وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ * مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ
(٤٤ : ٣٨-٣٩) * ان فى ذلك لايت للعلمين المتوسمين * فالقول ليس بشئ عندى و
لو اصطفينا القول لجعلنا لكل من يقول فى الارض لبيوتهم سقفا من فضة وابوابا من
ذهب واباريق من زبرجد وما كنا فعلين * واتى انا الله العمال الخلاق الذى يَبْدَؤُا الْخَلْقَ
ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (٣٠ : ٢٧) * وَيُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ
كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (٣٢ : ٥) * والذى ينزل من السماء ماء * ويفلق الحب و
النوى * وينبت الاشجار ويرسل الرياح يوما بعد يوم * وَالَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا
بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ (٣٢ : ٤) * وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (٥٠ : ٣٨) * يجرى الفلك فى البحر بامره الا له

* الاشارة الى قوله تعالى وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (بَلْ زَعَمْتُمْ اَنْ لَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا (١٨ : ٤٨) * الاشارة الى قوله (٩ : ١٢٨) *

الا ما تفعلون وما تؤثرون * وما مشيئته الا قانونه * فارجعوا الى قانونه وعادته مرة اخرى
ليكون لكم في الدنيا والعقبى ما تشاءون * مهما تجهدون فهو يسامحكم ويؤدي اجركم اليكم غير
منقوص لانه لا يكاد ان يتداخل في مشيئتكم او يتعارض سعيكم حتى تنتهون * ليجزيكم او
يعذبكم بالعدل * ويزن سعيكم بالقسطاس المستقيم * فما تشاءون الا ان يشاء الله
رب العلمين ٥ (٨١ : ٢٩) * ومن قال اني راجع اليه يجد اجره عنده من فوره * واولئك عليهم
صلوت من ربهم ورحمة واولئك هم المهتدون ٥ (٢ : ١٥٧) * فلا تجهدوا وتنتظروا بل انيبوا
الى ربكم وارجعوا اليه وجاهدوا فيه حق جهاده ليشاء ربكم بكم ما تشتهون * فانه لا يشاء
بكم شيئا حتى تشاءون * ولا يجزي حتى تجهدون * فما تشاءون الا ان يشاء الله رب العلمين
(٨١ : ٢٩) بكم مقدار ما تعملون * فسبحن ربك رب العزة عما يصفون ٥ (٣٧ : ١٨٠) * ويقولون
لا خيرة لنا في اعمالنا وما لنا من الامر من شئ فكيف نغير ما بانفسنا حتى يشاء ربنا ما نشاء وما
نحن بشائي شئ الا ما يشاء العزيز الحكيم * يغفر لمن يشاء ويعذب من يشاء (٣ : ١٢٨) وان نحن
الا من المظلومين المجبورين * فما هذا الا مكركم بانفسكم ولتفروا من السعي وتمكروا السيئات
وما الله بمغير ما بكم حتى تغيروا ما بانفسكم وما الله بغافل عما تعملون * ان الله لا يظلم مثقال
ذرة وان تك حسنة يضعفها (٤ : ٤٠) فسبحن ربك عما يصف القدريون الجبريون الذين
قالوا ما ربنا الا ملك مستبد لا قانون له ولا يحكم الا ما يشتهي من فور متصرفا عما يجوز له عدلا
واصولا * ويجبرنا على ما نفعل ويعذبنا مهما يشاء * وقدر لنا كل ما فعلنا وما نفعل من قبل
فلا محيص لنا عما يريد * انه على كل شئ قدير * بل قانونه مشيئته * وما مشيئته الا قانونه
وامره * وما يشاء الا ما يوافق بامره * وما يامر الا ما يطابق بمشيئته * وما يعذب الا من بعد تمام
حجته وتبيين قانونه * وما الانسان الا بقادر على فعله * ولا يكلف الله احدا الا وسع نفسه

املئت ثيابهم البالية المسترقعة فوجًا من القمل مكلمًا . يَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ (٤٧:١٢)
لا تحسبهم الا حزبًا من قردة خاسئين * لا اجبهم ولا آمن عليهم لانهم ما قدروا ما حق قدرنا و
ما عرفونا حق معرفتنا وانا الذي جعلت لهم السمع والبصر والافئدة ليعرفوا ربهم شاكرين * فقليلا
ما كانوا يشكرون في الارض وقليلا ما يشكرون * فلا شكران لسعيهم اليوم وما هم في جنتنا بداخلين *
اخرجوا واهبطوا من هذه ان مهادكم الجحيم * وان جهنم لمحيطة بالكفرين * فيما تزعمون انكم
احق بالجنة ولستم بجديرين بها وحريين بانعمها لو كنتم تعلمون * فمن يليق بنعمة الجنة الخالد
الباطنة ان لم يكن له نصيب من نعمة الارض الظاهرة افلا تعقلون * وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ
فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ (٧٢:١٧) ومن الضالين * فما الجنة الا الوارث جنات الارض وعيونها
وما العاقبة الا للمتقين *

ويا ايها المسلمون المجاهدون المعاصرون ! الذين يظنون انهم يظلمون في هذه الارض وان
الله يظلمهم بمشيئته متصرفا عما يفعلون ويعتقدون . ما ربكم بظلام للعالمين * إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ
النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (٤٤:١٠) * يفعل ما يشاء وهو لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ
إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (١٠٠:١٢) * فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ (١٩٣:٢) * الذين يتعدون حدود
الله وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (٢٢٩:٢) * وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ
أَيْدِيكُمْ (٣٠:٤٢) فمن شاء فليرجع الى قانونه وحدوده ويتخذ الى ربه سبيلا ويصبر عليه و
يستقم اليه وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (١٥٥:٢-
١٥٦) * ومن شاء فليصر على معصيته فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (٩٧:٣) * وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن
يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ + (٢٩:٨١) * ما مشيئته الا ان ليس للانسان الا ما يجهد وما مشيئتكم

+ يجوز للقارئ ان يتدبر هذه الآية اسلوبًا وقد يسرت معناها مهما باستعمالها كرة بعد مرة . والمعنى هو انكم ما تشاءون شيئًا الا انه يسا محكم مهما تشاءون وان لم ترد تم ان تسعوا في الدنيا سعيًا بليغًا لتفوزوا فهو يؤدي اليكم اجوركم بقدر ما انتم تسعون . فلا شك في ان معنى هذه الآية يترادف بما عنى الله بقوله أَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (٢٩:٥٣) لا ازيد منه ولا انقص ما فهم بعض الرجال منه انه ما شاء شيئًا حتى يشاء الله ولا يقدر على شيء حتى يقدر الله عليه من لدنه فهو ليس بصحيح +

فقتل الإنسان ما أكفره (٨٠:١٧) * يفعل ما يرضيه * ثم يقول الله اجبره * فمن اين جبره * و يعمل العمل ويستعمل ارجله وايديه * ولا يخالفه احدٌ فيما يفعله * فيا ايها المسلمون القدريون الجبريون ! ما جزيتم الا بما عملتم حتى الان * وهل تجزون بعد ذلك الا ما تعملون * اجبروا انفسكم او اقدروها فانكم لن تؤتوا مثقال حبة اجرا حتى سعيتم لها * هذا ما قدر الله لنا وهذا ما اجبرنا عليه * فلا اجبر علينا الا ان نفعل ما امرنا به احكم الحاكمين * الذى لا بد لاحد منا من حكمه * واتباع امره حكم لا مرب * وهو القوى العزيز الحكيم *

فيا معشر المسلمين المنجدين ! هل بقى لكم من بعد الذى تغيرتم اليه من وسيلة الا ان تسعوا لانفسكم سعيا متتابعا ليلا ونهارا ما لا يطاق به ولا يسبق * لترضوا الله فان الله لا يرضى الا عن القوم العاملين * اعملوا على مكانتكم حد امكانكم * واستميتوا التفوزوا ولا تهنوا فى زعمكم الباطل ان امرنا قد تجاوز عن سعينا * فعسى الله ان يتجاوز عنا متعطفا علينا واحسانا لنا منصرفا عن سعينا وجهدنا او يرسل علينا **مهديا** مبشرا يهدينا ويقوينا * ويغير على اعدائنا * فنكون من **الغالبين** * فما هذا الانتظار الا اماتة قولكم * وتوهين امركم * وتضعيف عضائكم فى الدنيا * وما اشاع بهذا الكذب الا اشراركم المفسدون المخلفون * فلا مهدى لكم اليوم الا من **هداكم** * وهدكم الصراط المستقيم صراط الذين (١:٥-٦) انعم الله عليهم * ومن نصركم ومن بدل ضعفكم قوة وخوفكم امنا * ولا شهادة على بعثة المهدى فى القرآن الا اجاج فى احاديثكم الضعيفة الموضوعة * وان كان لنا من نبى او رسول يأتى من بعد ختم الانبياء اسمه مهدى فلما لا بشرنا الله بهذا الامر المهم فى الكتب المبين * ولا تجدوا من قولكم الشهير ان الامور اذا تناهت تغيرت فانه لا يتغير شيئا فى هذه الدنيا حتى يغيروا * وليس الذى انتم تنتظرون له وتزعمون من آثار القيمة * وما لكم من **علم** بعلا انهما انما علمها عند ربى (٧:١٨٧) ياتيكم بغتة *

وحدّ استطاعته * ولا يزر وازرة الا وزره * ولو كان فيهما آلهة مستبدّة مثل ما يصفونه
لفسدت السموت والارض * فلا طلعت الشمس مثل هذه * ولا جاء الليل بهذا التتبع وهذه
الصحة * ولا تغوّرت النجوم او طلع البدر بكل هذا النظم والتسوية * ولا جرت الفلك فى البحر او
سال الماء فى الاودية * او احترقت النار او جرت كل ما يجرى فى عادة الله المؤكدة المستمرة *
فوالله ما يقع كل هذا ليلاً بعد ليل ونهاراً بعد نهار الا بمشيئته * فما مشيئته الا عادته الجارية *
وما عادته الا ما يشاء انه اعطى كل شئ خلقه ثم هدى (٢٠: ٥٠) * كل يعمل على شاكلته (١٧: ٨٤)
من اول يوم خلق فلن تجد لسنت الله تبديلاً ولن تجد لسنت الله تحويلاً (٣٥: ٤٣) * و
من هذا القبيل خلق الانسان فى اى صورة ما شاء ركبه (٨٢: ٨) * فجعل له سمعه وبصره وفؤاده *
وبين له فطرته وعادته * وقدّر له وسعته وقدرته * والهمه فجوره وعصمته * خلقه فقدره
ثم السبيل يسّره (٨٠: ١٩-٢٠) * ومع هذا انزل عليه كتابه * فمن شاء من بعد ذلك فليشكر
ومن شاء يكفر * وما كتابه بمضحكه * كلا انه تذكرة فمن شاء ذكره (٧٤: ٥٤-٥٥) * افلا
يتدبّرون القرآن ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافاً كثيراً (٤: ٨٢) * افأمن الله
على كل شئ قدير بدليل على ان الانسان لا يقدر على شئ شيئاً * بل قدره ليقدر على ما يفعل
واعدّ لكل عمل اجراً * وان قدّر الانسان قادراً بمشيئته * وجعله سميعاً بصيراً (٧٦: ٢) برضائه
ورغبته ايها الجهلون! ولم يضنّ عليه عن قدرته اول يوم خلقه * ولا يخالفكم الان فيما
تفعلون بمشيئتكم * ولا يكفّ ايديكم عما تعملون برضائكم ورغبتكم * فما تشاءون الا ان يشاء الله
رب العلمين (٨١: ٢٩) * فما هو الا ان مشيئتكم مشيئته * وان لم تكن مشيئتكم بتابعة مشيئته
فتقولوا ما نشاء شيئاً الا ان شاء ربنا من قبل فانه اطلقكم وارسلكم رسالة تامة واعدّ اجوركم
بقدر سعيكم ووسع انفسكم * فهل لكم من حجّة بعد هذه القدرة والعدل ان كنتم صدقين *

اتقدرون علیٰ ان تکونوا اشدّآء علی حکّامکم الّذین بعثهم الله علیکم او تضرّوهم شیئًا ولو حرصتم • فکیف تطیقون علیٰ ان تضرّوا الله او تعجزوه مالک السّمٰوٰت والارض واحکم الحاکمین * بل هل یسمعون لکم اذا سالتموهم شیئًا • او یتوجّهون الیکم حین تسجدون لهم • باسهم بینکم شدید • بعثهم الله علیکم لیخذلکم فی الدّنیا ولیجعلکم نکالًا لمّا بین یدیکم وما خلفکم فلا یردّ باسه عن القوم الکٰفرین * کفرتم باحکام الله وکذّبتم بها وتولّیتم • فاستبدل قومًا غیرکم لا تضرّونهم شیئًا ولا تضرّونه فانقلبوا خٰسرین * عباده اولو باس فضّل الله بعضهم علیٰ بعضٍ درجٰتٍ • یرثون الارض علیٰ سلطٰنٍ منه • لانّهم **احسنوا** فی هٰذه الدّنیا واصلحوا واتّقوا واسلموا وجوههم له • **ولم** یتّخذوا اربابًا من دونه • **ولم** یعبدوا الّا الله • **ولم** یسجدوا لاحد غیره • **ولم** یتّخذوا اهوآءهم واولیآءهم الٰهة • **ولم یتفرّقوا** • واعتصموا بحبل الله جمیعا • ولم یصیروا شیعًا • ولم یتقطّعوا امرهم بینهم حزبًا • واطاعوا اولی الامر منهم بلا عذر وحجّة • وردّوا نزاعهم الی الله حین تنازعوا • وجاهدوا باموالهم وانفسهم • ولم یولّوا ادبارهم حین الباس • ولم یتحرّفوا عن القتال • وهاجروا من مُلک الیٰ مُلکٍ لتقویة سلطنتهم واجرآء حکمهم فی الدُّنیا • وهجروا اکثر ما یلصق الانسان من رجز الشّیطان • ومن لوث العداوة والبغضآء بینهم • واسلکوا انفسهم فی الاخوّة • ولم یغتب بعضهم بعضًا • ولم یتجسّسوا بینهم • ولم یتزلزلوا فی ایفآء عهودهم • ولم یرفعوا اصواتهم فوق صوت امیرهم • وغضّوا ابصارهم واصواتهم عند اولی الامر منهم • ولم یخشوا الّا الله • وتفکّروا فی خلق السّمٰوٰت والارض حدّ امکانهم • وساحوا فی الارض ومشوا فی مناکبها حدّ سعیهم † • وقدروا الله حقّ قدره بدرس اعماله • وعرفوه حقّ معرفته بدرس فطرته • واختاروا کلّ ما یجری فی العادة • و ترکوا کلّ ما یبعد فیها • وفعلوا اکثر ما امر الله من دونها فی الکتٰب • ونهوا عن نهیه فی الجملة • وصاروا من الّذین **احسنوا واصلحوا** • فادخلهم الله فی الصّٰلحین المحسنین العٰبدین * واورثهم

† کل هذا ما امرنا الله فی القرآن فلیرجع القاری الی القرآن للتّصدیق ۱۲

وانتم لاتشعرون * إن تتبعون إلا الظن وإن انتم إلا تخرصون (٦:١١٦) * وما هي الا قد
قامت قيامتكم فانكم في موتكم تتجاهلون * وتخدعون انفسكم في موت اعدائكم وتمارونهم
على ما ترونهم وانكم لميتون * فما يظن رجل احول الا ان الارض امتلئت من الاحولين * فلا بد
لكم من ان تسعوا وتجهدوا ان اردتم ان تحبوا البقاء . وتؤثرون ان تكونوا في زمرة الاحياء . فان
الله لا يحي الموتى وهو يحي الموتى حتى تحيوا انفسكم وتحركوها جاهدين * فمالكم لا تستيقظون
من نومكم وموتكم وسائر الناس قد تيقظوا من نومهم . والشمس قد بلغت بمعدل النهار افلا
تشعرون * ومالكم تظنون ان خلقكم الله عبثا وانكم اليه لا ترجعون * هو الذي جعلكم
خلائف الارض ورفع بعضكم فوق بعض درجات ليبلوكم في ما اتاكم (٦:١٦٥) وخلق الموت و
الحياة ليبلوكم ايكم احسن عملا (٦٧:٢) افلا تعقلون * وان ربك سريع العقاب وانه لغفور
رحيم (٦:١٦٥) * فانتم تنامون في مضاجعكم والذين يرجون لقاء ربهم يؤمنون ويعملون *
تتجافى جنوبهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفا وطمعا ومما رزقناهم ينفقون . فلا تعلم نفس ما
اخفي لهم من قرة اعين جزاء بما كانوا يعملون . افمن كان مؤمنا كمن كان فاسقا لا يستوون
(٣٢:١٦-١٨) . ومالكم تضعفون وتفسقون . وتغلبون ولا تؤمنون . وتنظرون ولا تعلمون .
وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين . (٣:١٣٨) * واما الذين امنوا وعملوا الصالحات فلهم جنات المأوى
نزلا بما كانوا يعملون . واما الذين فسقوا فمأواهم النار كلما ارادوا ان يخرجوا منها اعيدوا
فيها وقيل لهم ذوقوا عذاب النار الذي كنتم به تكذبون . ولنذيقنهم من العذاب الادنى
دون العذاب الاكبر لعلهم يرجعون . (٣٢-١٩-٢١) * ارجعوا فان العذاب الادنى قد وقع ولعل الله
يحدث بعد ذلك امرا فكونوا من المدركين * اعملوا ولا تظنوا انكم بمعجزي الله او تستطيعون
ان تفروا منه او تنفذوا من اقطار السموت والارض بل لا تقدرون مما كسبتم على شئ افلا تذكرون *

اللهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ
السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (۲: ۱۶۴) * وَفِیْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ
دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (۴۵: ۴) * وَاِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ (۱۰: ۶) * وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۶: ۹۸) * وقد قال الله لكم وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی
الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ
ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ (۶: ۳۸)† * فخاضوا فی احوال الدواب والطيور * واطلعوا علی عوائدها
واخلاقها * وفتشوا انظام مجامعها وعوالمها * وعلموا مستقرها ومستودعها * وفحصوا عن نظمها و
نسقها بينها * صنع الله الذی علم كل مخلوق درسه * وَاَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (۲۰: ۵۰) *
الا الانسان فلم يظهر عليه صراطه * الا انه اعطاه سمعه وبصره وفؤاده * ليعلم ما فريضته
فی الدنيا * ويدرس ما يريد الله منهم * ومن دون هذا اعطاه الكتاب الذی جآء به الانبيآء
ما فرط الله فيه من شیء * واظهر فيه كل ما يحوله وينفعه * واشار فيه الی كل ما ينفعه ويضره *
تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ (۱۶: ۸۹) وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَیْءٍ (۱۲: ۱۱۱) لعلكم تتدبرون * وتتفكرون فيه حق فكركم و
تدبركم ولتكونوا من المفلحين * الذی كان لكم ان تاتوا بمثله ولو اجتمعت الانس والجن له فانه اُنْزِلَ بِعِلْمِ
اللهِ (۱۱: ۱۴) فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۱۱: ۱۴) * فلا يزال الحكمآء الطبيعيون من المغرب يطلعون علی سرائر الطبيعة و
عوائد العادة واحوال المواليد الثلاثة من الجماد والنبات والحيوان حتی ظهرت عليهم مماثلة امم الانسانية بامم المخلوقات
السفلية والمشاكلة بين قواعد مجامعها وبين عوائد الاحزاب الحيوانية الحاضرة * ولم يبرحوا كذلك حتی لاحت لهم
الحقيقة * واتضحت لهم الطريقة * فاستنبطوا من كل هذا العلم القانون الذی اسس

† ينبغی ان يستدبر القاری مطالب هذه الاية المهمة النافعة ويخوض فيها اشد خوض لانه تعالی قد بين فيها قانون بقاء الامم الاسلامية [illegible]
السفلية وقضی فيها انه من سلك صراطه المستقيم وسجد للقانون الذی يجری فی العادة (كما يفعل الدواب والطيور) فهم الذين [illegible]
الدنيا واولئك من الخالدين فيها ما دامت السموات والارض مثل المخلوقات السفلية - ولذلك قال فی موضع اخر وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ (ای يطيع) مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا
[illegible]

الارض ومسٰكنكم التی كنتم فیها امنین * وقد کتب الله فی الزبور من بعد الذكر ان الارض یرثها
عبادی الصٰلحون ۰ ان فی هٰذا لبلٰغا لقوم عٰبدین (۲۱: ۱۰۵-۱۰۶) * وقد قال لكم ان الارض
لله یورثها من یشاء من عباده والعاقبة للمتقین (۷: ۱۲۸) * ففتشوا ارض الله * ودرسوا صحیفة
الفطرة * وعلموا قانونه * وطالعوا احوال مخلوقاتها * وطلعوا علی عاداتها وخصائصها * واستوعبوا
امر معاشهم وسعیهم فی الدنیا * واستقصوا بال فلاح الاقوام وصلاحهم * واستقرءوا والبروا ملكوت
السمٰوٰت والارض * ولیطلعوا علی عادته تعالیٰ وسنته * وتركوا ما یبعد فی العادة قولاً واعتقاداً *
واستمسكوا بما یجری فیها عملاً ونظراً * وتخلقوا باخلاق الله * وبما صلح من عادات مخلوقاته السفلیة *
ومیزوا الخبیث من الطیب * ومحصوا الثواب عن الخطاء بجد امكانهم * واستعملوا سمعهم وبصرهم
وفؤادهم لیطلبوا العلم من اعمال الله من دون الظن * فعرفوا اعماله تعالیٰ لیعرفوا ربهم * ولیعلموا
ما یرید منهم وبهم * وما مشیئته فیهم * ولخصوا حقائق الفطرة * وبینوا دقائق الاشیاء لیستنبطوا
منها فریضة الانسان * ثم استسلموا لها * وصاروا من المفلحین * درسوا كتاب الله * بل حجته
البالغة الكاملة * ولكنتم عن دراسته لغٰفلین * وقد قال الله لكم ان فی السمٰوٰت والارض لایٰت
للمؤمنین (۴۵: ۳) * وخلق الله السمٰوٰت والارض بالحق ان فی ذٰلك لایة للمؤمنین ۰
(۲۹: ۴۴) * وسخر لكم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منه ان فی ذٰلك لایٰت لقوم یتفكرون ۰
(۴۵: ۱۳) * وما خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینهما لٰعبین ۰ ما خلقنٰهما الا بالحق ولٰكن اكثرهم
لا یعلمون ۰ (۴۴: ۳۸-۳۹) * وسخر لكم الیل والنهار والشمس والقمر والنجوم مسخرٰت بامره
ان فی ذٰلك لایٰت لقوم یعقلون (۱۶: ۱۲) * واختلاف الیل والنهار وما انزل الله من السماء
من رزق فاحیا به الارض بعد موتها وتصریف الریٰح ایٰت لقوم یعقلون ۰ (۴۵: ۵) * وان فی
خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الیل والنهار والفلك التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل

* ای یورثها من اجدرلها واحق بها لانه لیطفح لما یبقاء (۱۱۲: ۱۰) كما جاء علی صفحة ۳۲ من هذه الافتتاحیة ۱۲

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ (۱: ۶) * فزعمتم ان تحملوا كتاب الله وفرقانه فما حملتم بل كذبتم * قد كانت ايته تتلى عليكم فكنتم على اعقابكم تنكصون ۝ مستكبرين به سمرا تهجرون (۲۳: ۶۶-۶۷) * فمثلكم كمثل الحمار يحمل اسفارا (۶۲: ۵) * كالذين من قبلكم حملوا التورية ثم لم يحملوها (۶۲: ۵) * بئس مثل القوم الذين كذبوا بايت الله والله لا يهدى القوم الظلمين ۝ (۶۲: ۵) * افما قال الله لكم فى القران وما خلقنا السماء والارض وما بينهما باطلا ذلك ظن الذين كفروا (۳۸: ۲۷) * فكفرتم حين اعرضتم عن هذا الحق * وامنتم باباطيلكم الشرعية الموضوعة التى ما انزل الله بها من سلطن (۵۳: ۲۳) * والتى كنتم تتوغلون بها فى الدين المتين * فما جزاؤ من يكفر الا خزى فى الدنيا وهم فى الاخرة من المخذولين * اوما قال لكم فى الكتب هو الذى جعل الشمس ضيآء والقمر نورا وقدره منازل لتعلموا عدد السنين والحساب ما خلق الله ذلك الا بالحق * يفصل الايت لقوم يعلمون (۱۰: ۵) * فما علمتم من الشمس من شئ * وما اقتبستم من القمر من نور * وعباده اولو علم ينظرون اليها من كل مكان ليعلموا حقيقتها * ويقدروا كميتها وكيفيتها * فيعرفوا خالقها فتؤمن به قلوبهم * ويزيدهم ايمانا * وليكونوا من الشكرين * وليعلم الذين اوتوا العلم انه الحق من ربك فيؤمنوا به فتخبت له قلوبهم وان الله لهاد الذين امنوا الى صراط مستقيم (۲۲: ۵۴) * افما قال الله لكم فى القران انه كتب فصلت ايته قرانا عربيا لقوم يعلمون ۝ (۴۱: ۳) * ولقد جئنهم بكتب فصلنه على علم هدى ورحمة لقوم يؤمنون ۝ (۷: ۵۲) * افعلماؤكم المتشرعون الحاضرون العلماء بالحق فى لغة القران ام الحكماء الغربيون الطبعيون المعاصرون الذين علموا عدد السنين والحساب * وراؤ ملكوت السموت باليقين * انزل القران لهم امرا لكم قوما جاهلين * افكتابكم هدى ورحمة لكم ام

(البقية من الصفحة ۴) تحملهم * وبعد ذلك جاء بالقانون وقال: وما من دآبة فى الارض ولا طير يطير بجناحيه الا امم امثالكم (اى تعيشون وتعقون بالقانون الذى يجرى بينهم) ما فرطنا فى الكتب من شئ (اى لم يغادر فى القران من امر ومن نهى ومن قانون الا ذكرناه فيه لتعملوا به) ثم الى ربهم يحشرون (اى تحشرون ليقضى الله بينكم ايكم احسن عملا) وبعد ذلك قال والذين كذبوا بايتنا صم وبكم فى الظلمت من يشا الله يضلله ومن يشا يجعله على صراط مستقيم

عليه نظام العالم * واصول حفظ الاقوام وبقاء الامم * وطلبوا فيها آيات الله البالغة النافعة التى تقدّم ذكرها * وصاروا بالحق من عباد الله المؤمنين المتفكّرين العالمين العاقلين الموقنين المتقين * واتخذتم آيات الله المتقدمة هزوًا وسخرًا * وما سعيتم ان تحرثوها لتعلموا منها من شئ * وقلتم ما انزل الله علينا فيها من امر ومن نهى * فما فى خلق السموت والارض من آيات لقوم يتفكرون * ومن علم لقوم يعلمون * ومن اتقاء لقوم يتقون * بل كفانا ما دوّن الفقهاء منّا وعلماؤنا من طرق الطهارة واساليب الاستنجاء ومسائل الاستحاضة والنفاس وغيرها من العلوم الشرعية التى لابدّ للانسان من علمها لتحصيل النجاة ولحصول رضوان الله فى الآخرة وما كان لنا ان نعلم ما المماثلة بيننا وبين أمم الدواب والطيور * الا اننا نعتقد ان الله ما غادر وما فرّط فى قرآننا من شئ الا وعلمها فيه * فلا يجب علينا ان نعلم كلّ ما جاء فى كتابنا الا ما يكفينا للنجاة * فنبئونى بما النجاة فى زعمكم * وما رضوان الله فى ظنّكم ان كنتم صدقين * فكذّبتم بآيات الله بالحق * والذين كذّبوا بآياتنا صمٌّ وبكمٌ فى الظلمت من يشإ الله يضلله ومن يشأ يجعله على صراط مستقيم (٦ : ٣٩) * فيا حاملى القرآن العظيم ! ويا من يزعمون انهم على صراط مستقيم من الدين المتين * وانهم يعلمون القرآن ويتلون كتب الله من دون العلمين * افما انتم بالحق بصمٌ بكمٌ فى الظلمت بتكذيب هذه الآيات * ام لا ضللتم عن الصراط والحكماء الغربيون قد اقتبسوا نورهم منها ورفعوا انفسهم عليكم درجت * فانتم عرفتم ما معناها * وفهمتم مقاصدها ومعارفها * وتعلّمتم ما علمها وحكمتها * ام الذين اكتسبوا الفضائل من صحيفة الله التى عرضها السموت والارض بعدان تفكّروا فى خلقها مدّة عمرهم * واسبغوا نعمه تعالى الظاهرة والباطنة على انفسهم * وهدوا الى الصراط المستقيم * صراط الذين انعم الله عليهم

(البقية من الصفحة ٣٩) فى الارض من دآبة والملئكة وهم لا يستكبرون * يخافون ربّهم من فوقهم ويفعلون ما يؤمرون * (١٦ : ٤٩-٥٠) وبعد ذلك قال فى هذه السورة ان لكم فى الانعام لعبرة * (١٦ : ٦٦) وبعد ذلك قال والنحل فاسلكى سبل ربّك ذللا * (١٦ : ٦٩) ونظر الى اغلاق مطالب الآية واهميتها قال وقالوا لولا نزّل عليه آية (اى ما يجعد فى العادة) من ربّه قل ان الله قادر على ان ينزّل آية (اى امر مهم من قدرته) ولكنّ اكثرهم لا يعلمون (ما معناه) (الباقى)

مجاهرها فتجرى فى البحر ليلاً ونهاراً كالحوت المبهوت * ويقلدون مقاليدها فتسعى فى الارض كدآبة الغابة * وما كان فيكم مسحة من علم هذه العجائب والغرائب * لا اجد فى صدوركم واذهانكم من شئ الا ما يستحى منه ويستهزء به العالمون * فلا شك انكم تخربون وتخذلون وتغلبون فى هذه الارض لانكم لم تقدروا الله حق قدره * ولم تعرفوه حق معرفته * ولم تشكروه حق شكره * اتخذتم السموات والارض وما بينهما وما عليها باطلاً وعبثاً * واحكامريكم زهقاً وهزلاً * فابطلكم الله وازهقكم * تسيرون فى الارض كالمخلوق المقهور * وفى ديارکم كالاخلاف الاجلاف تطردون من دار الى دار من الضعف والذل خاسئين * والمغربيون العالمون الذين عرفوا ربهم بوساطة صحيفة الفطرة ودرسوا كتاب الله فهم الذين يطئون فى الارض وطأة الغلاب التى تغيظكم وهم الذين ينالون منكم نيلاً فتعضون انامل كم عليهم من الغضب والاسف وتقولون ما هذا الا انهم ارادوا الدنيا فعجل الله لهم فى الدنيا ما شاء * ونحن نريد الاخرة فما لهم من نصيب فى الاخرة ان شاء ربنا رب العلمين * فناموا فى غفلتكم ايها الضالون الجهلون! * وموتوا بغيظكم على قوتهم فلا اخلاق لكم فيما انتم تزعمون * ان فى صدوركم الا كبر وتفاخر بينكم فموتوا فى ضعفكم مفاخرين * والله ما يشاء ربكم بهم ما شئتم ولا ريب انكم انتم فى الاخرة من المخذولين * انما قال الله لكم وانزلنا الحديد فيه بأس شديد ومنافع للناس وليعلم الله من ينصره ورسله بالغيب ان الله قوى عزيز (٥٧: ٢٥) * افانتم امنتم بهذه الاية ام الكفار القويون المعززون * وانتم تخلقتم باخلاق الله القوى العزيز ام النصارى الوثنيون * وانتم استنفعتم من الحديد او الغربيون الحدادون الشداد ون * اولو بأس شديد الذين يحدثه سكاكينهم وسيوفهم ليحدوا عليكم ويشددوكم فلا تستطيعون ان تحاذوهم عاجزين * ويبتغون فضلاً من الله فى مناكب الارض وبه يربحون * فقد علم الله انكم لا تنصرونه ولا رسله

لقوم آخرين * افما قال الله لكم فى القرآن أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ
مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ
وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ **الْعُلَمَاءُ** ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ
غَفُورٌ (٣٥: ٢٧-٢٨) * افجهلاؤكم الذين لم يعرفوا ما الماء * ولم يتدبروا ثمرات الارض
ولم يميزوا بين الوانها المختلفة * ولم يسيروا فى الجبال ليعلموا جددها البيض والحمر * ولم يحرثوا
طبقها **السود** النافعة التى احرثها الغرب فاصلحها وافلح * والذين لم يفرقوا بين الوان الناس
والدواب وغيرها من خلق الله * اهم حريون بان يسموا **العلماء** ام الغربيون الذين جعلوا اعالى
الارض سافلها * وبدلوا سافلها بعاليها * وصعيدها بحزنها * وغوروا فى بطنها * وصعدوا اعلى
جبالها * ولم يغادروا من الارض شيئا الا عرفوا حسنها وقبحها * وزينوا الارض بزخارفها * وحلوها
بحلية العلم والايجاد والفضل والرحمة * الذين **احسنوا** فى هذه الدنيا علما وعملا * واصلحوا
بالهم فى الدنيا والاخرة فائتونى بشهادة علمكم ان كنتم صادقين * افانتم اجلدون بهذا
اللقب فى قلوبكم على جهالتكم التافهة المتعدية * واذهانكم المختلة الخالية * وبراهينكم الشتى المعطلة*
وحججكم التى ليست ببالغة او نافعة * واجتهاداتكم المفرقة المشتتة * والسنتكم المتشرعة * وعمائمكم
المنطوية * فأتوا برهانكم ان كنتم صادقين * افما قال الله لكم فى الكتاب إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ
زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ **أَحْسَنُ** عَمَلًا† (١٨: ٧) * فنبئونى بما **احسنتم** فى هذه الدنيا وما عملتم
وما الذى على الارض جعلتموه زينة لها * فالمغربيون الذين تسمونهم **الكفار** بلسانكم وتظنونهم
اصحاب النار والمغضوب عليهم فى زعمكم قد ساقوا على بر هذه الارض فروسا من **الخشب** * وفى بحرها
تماسيح من **الحديد** * وتحت الارض حيتانا من **الفلز** * وفى جو السماء طيورا من **الرصاص**‡
فينفخون فيها فتكون طيرا باذن الله يطير فى الهواء كالشهاب الثاقب * ويوقدون فى افرانها و

---

† اى من يستعمل ما عليها ويجعله زينة لها هو الذى يحسن عملا ١٢ ‡ الاشارة الى ما صنعوا من القطارات والمراكب والطيارات من الخشب والحديد والفلز ١٢

من الفنون التی لا یجوز ان یقال لها علم فانّ **العلم** فی لغة القرآن هو الّذی یترشّح من درس **الفطرة** ومطالعة **اعماله** تعالیٰ • ما کان لله اَنْ یسمّی شیئًا **العلم** اِن اخترعه الانسان ولم تکن شهادة صدقه فی خلقه • وما کان لکم ان تجادلوا فی الله بهٰذا المبلغ • او تعلموا ما مشیئته بواسطة الصّرف والنّحو • او تدرسوا ما یرید بکم بوساطة اللّغة والعروض • او تعرفوه بمنطقکم وصنائعکم واجتهاداتکم فی الادب • فانّه ما عرف احدٌ ربّه قطّ الّا من عرف نفسه • ومن علم قدرته وحکمته بسمعه وبصره • ومن تعقّل ملکوته بفؤاده • ومن استعمل قوٰله واعضائه لدرك اعماله وقدر طاقته • ومن عرفه فاولٰئك هم العالمون ✻ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۙ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ (۲۲: ۳-۴) ✻ فلا شكّ فی انّ علماءکم جادلوا فی الله بغیر علم وهدوکم الی ما انتم علیه بجهلهم • وهدوکم الی الذّلّة والمسکنة لتترکوا هٰذه الدّنیا ولتکونوا من المخذولین ✻ وکیف یدّعون اَنْ یفهمون کلام الله و**اقواله** ان لم یکن لهم من علم **باعماله** وما لکم کیف تحکمون ✻ فوالله ما تبیّن لعبد قطّ ما یعنی مولاه بکلامه واحکامه حتّی درس العبد اعماله بامعان النّظر وعلم ما یعمل المولیٰ وما الّذی یرضیه او یغیظه • وما عادته وسنّته • وما معموله واخلاقه • وبما یرفع ویخفض • ویغفر ویعذّب • وما فعل بالعباد الّذین خلوا من قبله • ولما فعل • ولما عاقب ولما دمّر • فهذا علمه ومعرفته واشدّ قدره وشکره وحقّ عبادته ومبلغ طاعته • وحقّ جهاده لو کنتم تعلمون ✻ وما قال حاکمٌ ابدًا الّا ما یطابق بعمله • وما عمل اصلًا الّا ما یوافق بقوله • فلا شكّ فی ان علم اعمال الله هو العلم الّذی یترشّح عن کلامه وعلم کلامه هو الّذی یصدر من اعماله • وما فهم قومٌ کتابه حتی درسوا صحیفة الفطرة اشدّ درسًا • ومن درس صحیفة الفطرة فقد درس قرآنه ووجد قانونه • واطّلع علی امره ونهیه وصدّق به واولٰئك من العٰلمین ✻ افما قال الله لکم

(البقیة من الصّفحة ۴۴) وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (۳۴: ۱۰-۱۳) فقد بیّنت ههنا کیف الان الله الحدید لذاؤه وکیف کانوا یعملون هو وقومه صالحًا (الباقی

بالغيب فالذى نصر نفسه من اعدائه فقد نصر الله * صاحب القوة والعزة الذى لاحاجة
له بنصرتكم * الا انه يشاء ان تنصروا انفسكم غالبين * والله لا يؤمن عنده احد الا الذين
اذا اصابهم البغى هم ينتصرون ٠ (٤٢ : ٣٩) * والذين داموا ما داموا فى الارض منصورين * وانتم
الاعلون ان كان فيكم من الايمان فالمؤمنون لهم المنصورون ٠ (٣٧ : ١٧٢) وان جندهم لهم الغالبون ٠
(٣٧ : ١٧٣) * فعلموا من هذا الفذ العجيب الغريب مغافيرهم ومجانيهم * واعدوا اسلحتهم للحرب
القتال * والاتهم للجرح والدفاع * والبنادق والمدافع للهجوم والدخول * وصنعوا موازينهم
ومكائلهم ومقائسهم وغيرها من الات المراصد والتجارب * وبنوا مراكبهم ومساكنهم واثث بيوتهم *
وحصنوا قلاعهم ومسالح خيلهم * حتى الان الله لهم الحديد كما الان لداود ملكه * واسال لهم
انهارا من الذهب والفضة فى الارض * وما عملوا كل هذا الا ليعملوا صالحا وليكونوا من
المفلحين * فانبئونى بما اصلحتم فى هذه الدنيا * وبما تشترون به جنتكم فى العقبى * وما
يعلم علمائكم الجهلون * الذين لا يعلمون من شئ * ولا يملكون من قطمير فى هذه الارض الا
انهم اذا جاءهم امر من الجهل واللغو اذاعوا به ويحبون ان يشيع الذل والمسكنة فى امتهم * ولا
يكادون يفقهون ما يريد الله بهم * ويحرفون القران ليسكنوا شهواتهم * ويبدلون معانيه
ليجمعوا خيرا وليجعلوا يسرا لانفسهم * ويختصمون بينهم من الكبر والجهل وادعاء العلم * و
يجادلون فى الله ليعرفوه وما هم بعارفيه * معجزين بينهم معاندين * وما بهم مثقال ذرة
من علم اعمال الله وصحيفة الفطرة او قانونه وعادته * لا يستطيعون ان يميزوا الابيض من
الاسود * ولا يكادون يعلمون الخشب من الحديد * الا انهم يجهرون بادعائهم فى الصرف والنحو *
ويرفعون اصواتهم ليسمعوا انهم بلغوا اشد مبلغهم فى البلاغة والعروض والبدائع واللغة وغيرها

* كما قال الله عز وجل : وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ٠ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا
إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ٠ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ٠ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ٠ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ٠ وَمَنْ يَزِغْ
مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ٠ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَاتٍ اعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا ٠ (الباقى)

يسوق مراكبهم على الارض ويرسل رسالاتهم وبلاغاتهم من المغرب الى المشرق فى طرفة العين ويضئ بلادهم ومساكنهم بحركة اصابعهم * ويجرى مراوحهم لكى يروحهم فى الحر * ويحمى مساكنهم فى القر * ويقدرهم على المكالمة بين البلاد فى لمحة البصر * ليشكروا الله ويثنوا عليه * فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (٣٥ : ١) * **وملك البخار** يعبدهم بكرة وعشيا يسوق قطاراتهم ويحيرا ثقالهم الى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ (١٦ : ٧) * وينسج ثيابهم * ويزرع ارضهم * ويطبع كتبهم * ويصنع اثثهم * ويعمل لهم الاشياء النافعة * وغيرها من الاعمال العجيبة الغريبة مالا تعد ولا تحصى **باجنحته الشتى** * والاخرون من الملئكة **لما** يسجدوا لهم حتى الان * وهم يجهدون بحد امكانهم ان يعبدوهم طائعين * **خليف الارض حقا** * **فهم** الذين قال الملئكة لربهم فيهم حين اراد الله ان يجعل فى الارض خليفة : اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (٢ : ٣٠) فاجاب لهم ربهم ناظرا الى اعمالهم الاتية وشاهدا على افكارهم البالغة اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (٢ : ٣٠) * فعلمهم الله **الاسماء** اكثرها * ومن حقائق الاشياء معظمها * واقدرهم على استعمالها * وملئكته يدخلون عليهم من كل باب **سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ** (٣٩ : ٧٣) فى هذه الارض **احسنتم** * اراحكم الله فالبثوا فيها الى الحين * **وهم** الذين قال فيهم ربهم للملئكة وفى رجال مثلهم اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (٣٨ : ٧١-٧٣) * شوّههم الله ونفخ **فيهم** من روحه لانهم هم القادرون على ما يكسبون * سميعون وبصيرون وعليمون مثله وانتم لا تقدرون مما كسبتم على شئ ولا تسمعون من شئ ولا تبصرون ولا تعلمون * و

* فهذا ما عنى الله باجنحة الملئكة فالمراد انهم يفعلون افعالا شتى بقواهم المختلفة وهذا ما عنى الله بجنودهم اى امرهم الله ان يطيعوا الانسان حتى اطاعته + واما الشيطان (اى القوة البهيمية التى تسرى فى الانسان) فلا يكاد يطيعه بل يعصى عنه ومن عصاه فهو الذى يفلح فى الدنيا كما ياتى فى وصف التوحيد على صفحة ٧٠ - الخ

فى اعدائكم ان أعدّوا لهم ما استطعتم من قوّة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوّ الله وعدوّكم
واخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم (٨ : ٦٠) * فكذّب علماؤكم هذه الاية * وضلوكم
عن سبيله حين لم يدعوكم الى حكمتها * ولم يحثّوكم على جمع قوّتكم * ولم يحرّضوكم على القتال و
الدّفاع لترهبوا به اعدائكم * ولا شكّ فى انّهم هدفكم الى عذاب السعير * متصرّفين عن علمها و
حكمة الله النّافعة البالغة التى تخفى فيها * والمغربيّون كلّهم صدّقوا بهذه الاية بالعمل وامنوا بها
ما استطاعوا * وبذلوا خوفهم امنًا منها * واطاعوا الله ورسوله فصاروا من المفلحين * فى الدّنيا
ولا شكّ انّهم فى الاخرة من عباده المؤمنين * فسخّر الله لهم برّ الارض وبحرها * وسخّر معهم
الجبال والانهار * والماء والهواء والجماد والنّار * وسخّر لهم البرق الذى يريكم خوفًا وطمعًا *
والرّيح تجرى بامرهم فى البرّ والبحر * والنّار تحترق باذنهم * والبلاد تضىء على حركة اصابعهم *
وسخّروا انعام الارض ليحملوا اوزارهم * والدّواب ليزدادوهم ربحًا ونفعًا * وسخّروا ملككم من الجنّ
والنّاس ليخدموهم * واسألوا على الارض عيونًا من الذّهب والفضّة والحديد اشياء التجارة
ليفرّخوا اكلّ ما بقى فى الارض من النّاس وما بقى من طرق معاشهم * ومن البلاد وما بقى من اساليب
تهذيبهم * نظرًا الى تاليف قلوب الرّعيّة وسلب حقوقهم * فوالله ما **جاهد** قومٌ قطّ فى هذه
الدّنيا مثل ما جاهد **الغرب** فى زماننا هذا * ولم يعرفوا الله مثل ما عرفوه * ولم يقدروه مثل ما قدروه *
فكيف لا يؤدّى الله اجرهم ويوفّيهم حقّ عبادتهم فى الدّنيا ويتمّ نعمته عليهم ان كانوا شاكرين *
وكيف لا **يستخلف** فى الارض الذين **امنوا بالله** بالحقّ **وعملوا الصّلحت** انه شكورٌ
حليم * **فالملئكة** اكثرهم يسجدون لهذا القوم * **وملك البرق** يخدمهم ليلًا ونهارًا

(البقية من الصحيفة ٤٥) وكيف اشال الله عين القطر بل كيف فعل الله كل هذا للمغربيّين المعاصرين الذين يعلمون من هذا الطراز الا شيأ البحتة
الغربية التى تقدّم ذكرها فلا شكّ انّهم يشكرون ربّهم حق شكره ويقدرونه حق قدره والرّيح تجرى بامرهم كما كانت تجرى فى عهد سليمان
وغيرها من الاعمال الذى ذكرت على هذه الصّحيحة - وسيأتى تفسير الجنّ على صفحة ٨٨ - الخ من هذه الافتتاحيّة ١٢

† الاشارة الى قوله تعالى وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصّلحت ليستخلفنّهم فى الارض كما استخلف الذين من قبلهم (٢٤ : ٥٥)

فسلبكم فضيلتكم على العلمين * وفسقتم عن امر ربكم فاستدرجكم من حيث لا تعلمون ۞
فكنتم تنقصون فى ايمانكم واسلامكم وعباده الصلحون الذين ورثوا الارض منكم كانوا يزيدون
ايمانا واسلاما فى اعمالهم حتى ظننتم انكم تقيمون القران مثل ما كنتم عليه وما انتم بقائميه * و
ظننتم انهم هم الكفرون ۞ وانه ما كان لكم ان تدخلوا فى زمرة الكفار ابدا بعد ان اشهدتم بالسنتكم
ولو عصيتم كل المعصية عن امر رب العلمين ۞ فذهب الله **بقرانكم** على كبركم ومكركم * و
انساكم ما كان فى اذهانكم من علم عادته وخبر سنته وكيفية قانونه * وانساكم ما كان بكم
من **النبا العظيم** الذى جاء به خاتم المرسلين ۞ ليحييكم ويرضيه عنكم * فخطف وراثة
الارض منكم * ودمر حكمكم * واورثها كلها قوما اخرين ۞ فلتضحكوا قليلا ولتبكوا كثيرا
جزاء بما كنتم تكسبون ۞ والمغربيون هدوا بهذا **العلم والنبوة** الى **التوحيد و**
الايمان * وبذا القران وان لم يروه اويدرسوه كدرسكم الى الفلاح والعمران * وبقى
ما بقى بكم من كلماتكم وجهلكم ومكر اللسان * وحبطت اعمالكم بذا النسيان والطغيان * ذٰلِكَ
هُدَى اللّٰهِ يَهْدِى بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
اٰتَيْنٰهُمُ **الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ** ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ
(٦ : ٨٩ - ٩٠) ۞ وقد نبهكم الله بوساطة رسوله وقال فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْٓ اُوْحِىَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ (٤٣ : ٤٣) * بل قال وَلَئِنْ شِئْنَا **لَنَذْهَبَنَّ** بِالَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝
اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝ (١٧ : ٨٦ - ٨٧) ۞ فبئس ما اشتريتم به ضلالكم
وساء ما كنتم تحكمون ۞ افامنتم ان يذهب الله بما بقى عندكم من كتابكم كله ويورثه الذين
يصطفى من عباده الصلحين ۞ ليفلحوا به ليكون رحمة لهم فانه قال فى نبيكم وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا
رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (٢١ : ١٠٧) ۞ وفى كتابكم اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (٣٨ : ٨٧) ۞ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ

المَلٰٓئِكَة لا يسجدون لكم الاٰن ويقولون نحن خيرٌ منكم خُلقنا ممّا هو افضل وخُلقتم ممّا هو الابتر*
نسبّح له ونقدس* ولا نطيع من لا يطيع لربّ العٰلمين * وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ
اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ۝ (٢٩: ٤٣) * فيا ايّها المسلمون الجٰهلون المستضعفون المعاصرون ! اروني ماذا احسنتم في
هذه الدّنيا * وما سعيتم فيها * ما الّذي في الارض يسجد لكم * وما الّذي سخّرتموه لينفعكم * ما استنفعتم من
الحديد * وما اخذتم من الجُدُد السود والبيض * ما استنبطتم من الفطرة * وما استقرءتم من العادة * الّا انّكم
اتّخذتم انتم وعُلمآؤكم كتاب الله هزوًا وسخرًا * ودينه لهوًا ولعبًا * وفطرته باطلًا وعبثًا * وملٰئكته هزلًا
وهجرًا * تهجرون بالقراٰن وحكمته * وتنبذون ورآءكم علمه ونبوّته * مظاهرين بكتمانكم شهادة حكمته
ونبأه على انّه مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ (٦: ٩٢) * وشاهدين بتحقيركم اشيآء الفطرة على انّه ما
خلق الله في السّمٰوٰت والارض من شيءٍ * فلا والله انتم قومٌ تجهلون * اتظنّون انّكم تحسنون في هٰذه
وانّ المغربيّين هم الخٰسرون * قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝ (١٨: ١٠٣-١٠٦)
فابكوا على قسمتكم ايّها الجٰهلون * وذوقوا ممّا كنتم تحسنون ۝

يا ايّها المسلمون المرتسمون افلا انتم في اسلامكم الضّالّون * وعن الصّراط لناكبون *
افما انتم تفعلون هو الاسلام ام ما يفعل الكٰفرون * وقد قال الله لكم وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ
دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (٣: ٨٤) * فلِمَ يقبل الله منهم ولا يقبل منكم
ويتمّ نعمته عليهم ويعرض عنكم * ويرفعهم ويخفضكم * ويقبض المسلمين ويبسط الكٰفرين *
فالحقّ انّه ما فيكم من الاسلام من شيءٍ وانّهم هم المسلمون * علّمكم الاسلام رسولكم * فدمتم
عليه ما دمتم * ونلتم اجركم ما دمتم * فلمّا اخذتم تنسون ما ذكّرتم به ذهب الله بنوركم وهدايتكم

بقولكم ان القرآن هو بلغ وافصح واشعر من كل الكتب الكتبون ۞ فما آمن نوح ولا ابراهيم وموسى
او عيسى او غيرهم من الانبياء بقرآنكم هذا • وما كانت الامم المسلمة التى خلت من قبلكم تكرر
بافواههم كلماتكم الشهادة وادعيتكم العربية • او يقرءون قرآناً عربياً • او يؤمنون بفصاحة
القرآن الذى مبين بايديكم • او يكونه شعراً كما انتم ليسلموا • فتبتونى بما الدين الذى شرع الله
لكم ولكل الانبياء ان كنتم صادقين ۞ وقد قال الله لكم فى القرآن فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُونَ (٤٤ : ٥٨) • وقد قال لكم وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ
(٣٦ : ٦٩) • وقد قال وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ
مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ (٢٦ : ٢٢٤ - ٢٢٦) ۞ فما الدين بما زعمتم وما كان الله ليهديكم الى الاسلام بشعره
وحسن كلامه • ولكن الدين ما ذكركم به وما بين لكم من الامر والنهى فى القرآن المبين ۞ وانه
هو القانون الذى دون الله فى الكتب لحكيم ۞ صرفاً عن اللسان الذى جاء فيه فاللسان ليس
بشئ عنده وعند احد من المقتنين ۞ وما عربيتكم بدينكم وقد جاء دينه تعالى فى السنة
شتى • وقد قال الله لكم وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (١٤ : ٤) وقد قال
لكم إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (٤٣ : ٣) وَإِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ
(١٢ : ٢) ۞ وانزل الله القرآن بلسان العرب لئلا تكون للعرب حجة بعده لانه قال فيهم وَلَوْ جَعَلْنَاهُ
قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ (٤١ : ٤٤) • فاللسان ليس بشئ عنده وما دينكم الا الامتثال
بامره بكم • والاعراض عن نهيه • والتذكير بما نسيتم من درس مطالبه وتعقل قانونه وتشبه سنته
وما وظيفتكم فى لسان القرآن الا انه عليكم حفظ الفاظه • وتصيينكم عن تحريف كلمته ومطالبه
نظراً الى حفظ مقاصد الله • ولتعلموا بعينه وبلفظه ما امركم الله • لا تقديسه بالجهل ويقولكم
ان القرآن قد جاءنا بلسان عربى فلا يسلم احد عندنا ولن يدخل قوم فى دين الاسلام حتى يؤمنوا

لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (٦٩ : ٣٨) ۞ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (١٦ : ٨٩) الطائعين ۞ وبصائر للناس وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (٤٥ : ٢٠) ۞ وما من حيّ فى هذه الارض اتقى واصلح ثم افلح الا يتبعه باليقين ۞ وما يبخل الله كتابه وامانته عن احد فان يتركه هؤلاء او يجحده فيعرضه على قوم اخرين ۞ ليحملوه ومن حمله فاولئك هم المفلحون ۞ فسلم على المسلمين * الذين يحملون القرآن العظيم فى زماننا هذا وبشرهم بجنّت النعيم ۞ فى الدنيا ولهم فيها نعيم مقيم ۞ خلدين فيها ما داموا على الصراط المستقيم ۞ صراط الذين انعم الله عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين ۝ (١ : ٦-٧) ۞ ولا تظنّوا انّ قرآنكم هو الذى تحفظون الفاظه فى صدوركم امانىّ † من اوله الى اخره كالببغاء * او تزيّنون به طيقانكم * او يغلفونه فى غلف السندس و القزّ * او المجلد المتعارف الذى جاء به النبىّ العربىّ * فانه معكم ومن اثاث بيتكم * وما كان لاحدٍ ان يسرقه عنكم * ولكن كتاب الله هو الهدى ودين الحقّ الذى ارسل † به رسوله ليظهره كم فانّ الهدى قد غاب منكم ودين الحق قد صرف عنكم * وغوّرت حقيقته عنكم * فلا تقلوّ القرآن الا امانىّ * ولا تعرفون ما حكمته وعلمه وصدقه وعدله ووحيه وقانونه الا ما يهجر به علماؤكم الجهلون ۞ وقد نبّهكم الله انه شرع لكم من الدين ما وصّى به نوحًا ق الذى اوحينا اليك وما وصّينا به ابراهيم وموسى وعيسى (٤٢ : ١٣) وما وصّى به كل قوم صلحين ۞ و نبّهكم ان اقيموا الدين ولا تتفرّقوا فيه كبر على المشركين ما تدعوهم اليه الله يجتبى اليه من يشاء ويهدى اليه من ينيب ۝ (٤٢ : ١٣) ۞ فما الدين بقرآن عربى الذى تؤمنون بالفاظه امانىّ ولا تعلمون ما كتب الله عليكم فيه * وما هو باقرار باللسان الذى تمكرون فيه ليلًا ونهارًا * وما هو بالذى تفرّقتم فيه * او بالذى صنعتم فيه شرائع ومسالك اتباعًا لاوليائكم وصلحائكم * وما هو

† امانىّ : اى امانةً - لا تريدون الفاظه ولا تنقصونها كالامانة وهذا ما عنى الله بقوله وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِىَّ (٢ : ٧٨) - وما فهم اكثر الشارحين منه الله جمع اُمنية فهو ليس بصحيح * ✤ الاشارة الى قوله عز وجل هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (٩ : ٦١) - فما قال ارسله بالقرآن او بالفاظه بل بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ اى الهداية التى تصدر من اتباع القرآن عملًا ومعنًا والصراط المستقيم الذى يهدى القرآن امتثبعيه اليه *

عند التصديق * والمرجوع اليه للتوثيق * فهذا ديننا ومسلكنا فى الاعتقاد * وهذا ما كلفنا الله به
لان دينه دينٌ **واحدٌ** جامع الناس لا فارق * لا دين اليهود ولا دين النصارى * لا متمسلماً ولا متهنداً
لا عربياً ولا اعجمياً * لا شرقياً ولا غربياً "مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكٰوةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۖ اَلْمِصْبَاحُ فِى زُجَاجَةٍ ۖ اَلزُّجَاجَةُ
كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىٓءُ وَلَوْ لَمْ
تَمْسَسْهُ نَارٌ ۚ نُّورٌ عَلٰى نُورٍ ۗ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُورِهِۦ مَنْ يَّشَآءُ ۚ (٢٤ : ٣٥) وشرع الله نور السموت والارض (٣٥ : ٣٤)
لنا من نوره ما وصى به كل الانبياء ولذلك كلف الله المسلمين بان يؤمنوا "بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ
مِنْ قَبْلِكَ" (٢ : ٤) كله ومن هذا القبيل فليؤمن المؤمنون وليعمل العاملون ۞ ولذلك لا يختص الله احداً
من الاقوام بنوره ووحيه فى اى زمان * بل يذهب بالذى اوحى الى قوم ويؤتيه بقوم اخر من يشاء
وينقل دينه من امة الى امة ليؤدى اليهم اجورهم بقدر اعمالهم وصلاحهم * ويقبض ويبسط ويرفع
ويخفض نظراً الى **اعمالهم** لا الى اقوالهم واعتقاداتهم فانه لا يضيع اجر المحسنين ۞ وهذا هو
القانون الذى يحكم به الله بين الناس * والدين الذى سماه **الاسلام** * صرفاً عن كل ما قال
فيه علماؤنا والمجتهدون ۞ وهم الذين فرقوا بين الناس باجتهاداتهم الواهية وقالوا نحن نتبع
نبينا محمداً والنصارى يتبعون نبيهم عيسى ونحن بريئون مما يقولون ويعتقدون ۞ لا هم منا ولا
نحن منهم * وما قال نبينا الذى قال نبيهم * بل ضرب كلهم عن المسلك الذى اشار اليه سولنا
فلا شك انهم **فرقوا بين الله ورسلهم** * وزعموا ان الرسل جاءوا برسلات شتى من ربهم
وقد قال الله فى رجال مثلهم فى القران "اِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيدُونَ اَنْ يُّفَرِّقُوا بَيْنَ
اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيدُونَ اَنْ يَّتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ۝ اُولٰٓئِكَ
هُمُ **الْكٰفِرُونَ حَقًّا** ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوا
بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ اُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ (٤ : ١٥٠-١٥٢) ۞ فضيقوا واحد

بذا القرآن العربی بافواههم * فما یرید بکم الله ان تقدّسوا لسان العرب او تحقّروا العجم ولکن یرید ان تطیعوه وتتّبعوا احکامه * فانّه لا **یؤمن** احدٌ عنده حتّی یتّبع احکام القرآن عملاً ومعناً لو کنتم تعلمون ۞ ولذلک قال الله ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ **اٰمَنُوْا** هُدًی وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَیْهِمْ عَمًی ؕ اُولٰٓئِكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ ۝ (۴۱: ۴۴) ۞ وایّاً ما تدعوه وفی ایّ لسان تسلموه فهو یقبله ویؤدّی الیکم اجورکم انّه غنیّ عن العٰلمین ۞ سوآءٌ علیه کلّ ما خلق من النّصاریٰ والیهود * والمسلم والهنود * وغیرهم من الاقوام * الّا انّه من اطاعه فهو الّذی اٰمن واسلم عنده * ومن انکر حکمه فقد کفر عنده * فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصَّابِئِیْنَ مَنْ **اٰمَنَ** بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ**عَمِلَ** صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲: ۶۲) ۞ لیست الیهود علی شیءٍ عنده ولیست النّصاریٰ علی شیءٍ عنده ولیس المسلمون علی شیءٍ عنده حتّی **یعملوا** ویقیموا **الکتٰب** الّذی جآء به موسیٰ وعیسیٰ وخاتم النّبیّین والنّبیّون غیرهم من قبل * منزّهاً عن اللّسان الّذی ارسل فیه * وان کان اللّسان من شیءٍ او التّوحید من قولٍ عنده فلِمَ سمّی الله ابرٰهیم مسلماً وقال: مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ (۳: ۶۶) ۞ ولِمَ سمّی الله النّبیّین من قبل نبیّنا علیهم الصّلوٰة مسلمین ومؤمنین ولم یؤمنوا بهذا القرآن * ولا بذا الکتٰب العربیّ فی اللّسان * ولِمَ سمّی الله کلّ امم صالحة من قبل الاسلام مؤمنة ومسلمة فی القرآن وما قالوا بافواههم من کلمة الشّهادة وغیرها الّتی تُروّج فینا فی هٰذا الزّمان * فتدبّروا ان کنتم قوماً تتفکّرون ۞ فلا الاسلام الّا فی **العمل** * ولا الدّین الّا ما جآء فی الکتٰب * وما الکتٰب الّا قانونه تعالیٰ * وما القانون الّا ما بیّن الله لنا بلسان العرب فی القرآن او فی الکتب الّتی جآء به الانبیآء من قبل * وانّه لا یسلم قوم عند ربّنا الّا من اتّبع قانونه **عملاً** و **فعلاً** دون القول واللّسان فانّ قانونه قانون **واحدٌ** الّا انّ القرآن هو اکمل کتبه واٰخرها * وابین صحفه واحسنها * وحفظه الله من کلّ تحریف لفظیّ * المعوّل علیه

* ای طالعاً وساجداً لامر ربّه عملاً ومعناً *

موسٰی وعیسٰی وغیرهم من الانبیآء الٰی رسولنا سیّد المرسلین ۞ وما الّذی اجبل الله النّاس
علیه فلا مجال لهم ان یفرّوا منه منکرین ۞ وان سائر النّاس سوٰکم یفرّون من فطرتهم فلما
لا یعذّبونَ * من فورٍ لانّه ما کان للباغین عن الفطرة ان یستعتبون ۞ فما الّذی قال الله فیه
وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ (۳:۸۴) ولما لا تقبلونَ * فی هٰذه الدّنیا وهم
یقبلون ۞ من دون الاٰخرة فستعلمون ایّکم من الاخسرین ۞ واین المطلوب الّذی قال الله فیه
اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (۳: ۱۸) افلا تعقلون ۞ واین السّیّئة من عند ربّهم الّتی تصیب
الّذین لا یدخلون فی زمرتکم * ولا یقولون مثل ما تقولون * ولا یصلّون مثل ما تصلّون * ولا
یرکعون او یسجدون او یسبّحون مثل ما فعلتم * ولا یؤمنون مثل ما اٰمنتم * ولا یتعمّمون او یتآزّرون مثل
ما تعمّمتم وتآزّرتم * جزآءً فی زعمکم ببغیهم عن الفطرة افلا تذکّرون ۞ افقولکم بافواهکم انّه
احدٌ هو الاسلام فاکثر النّاس من دونکم لا یکادون یقولون هٰذا وما کادوا یعذّبون ۞ افصومکم
عامًا بعد عامٍ فی ایّامٍ معدوداتٍ هی الفطرة فالنّاس من دونکم ینکرون اصلًا هٰذه الفطرة وهم لا
یُعتبون ۞ اَوَصلواتکم الخمسة الّتی تقیمونها فی مساجدکم او فی دیارکم وتکرّرون ارکانها بغیر
عمدٍ وبکل صحّة صرفًا عمّا تقولون فی قوماتکم وقعداتکم هی الدّین فالنّاس غیرکم لا یصلّون مثلکم
صلوٰةً واحدةً وهم یُستعتبون ۞ افزکوٰتکم الّتی تنشرونها فی الارض کالرّماد عامًا بعد عامٍ فالرّیح
تجری به فی جوّ السّمآء لتخذلکم وتشیع المسکنة فی قومکم فتذرکم مستضعفین فی الارض
غیر قادرین ممّا کسبتم علٰی شیءٍ هی الاسلام فسائر النّاس لا ینفقون حبّة مثل هٰذا فی سبیل الله
وهم لا یخذلون ۞ افحجّکم وهجرتکم فی اواخر عمرکم الی مکّة للفلاح هی الاسلام فاکثر النّاس
فی الارض لم یسمعوا اسم مکّتکم قطّ وهم مفلحون ۞ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ
یَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۳: ۱۶۹) ۞

الاسلام بل تعد واحدا دالله وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (٢:٢٢٩) • ولو امنوا بالرسل كلهم عملا وحسبوا انهم كلهم جاءوا بكتب واحد من عند ربهم وبالدين الواحد الذى شرع الله لنا منه من اول يوم وبالذى وصى به ابراهيم وموسى وعيسى وغيرهم من النبيين أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (٤٢:١٣) • ولم يتفرقوا فيه واشاعوا بدل الاعتقاد • وقالوا لاهل الكتب تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ (٣:٦٣) لكان خيرا لهم ولجماعتهم • فلجمع الله الناس كلهم على الاسلام ولدخلوا فِي دِينِ اللهِ أَفْوَاجًا (١١٠:٢) • ولجمعوهم على الهدى • وكثرت جماعتهم • ولصاروا من المفلحين ۞ فيا ايها المسلمون المتشرعون المتفرقون! ما الاسلام بما زعم علماؤكم • وما الدين بما ظننتم بل سماه الله فطرة الله الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (٣٠:١٣) لانه اجبر كافة الناس عليه بل اجبلهم عليها • ولهذا لم يفر لاحد من الناس منها • وان من قوم اصلحوا ثم افلحوا فى هذه الارض الا اسلموا له • وان من ارض خاب اهلها الا انهم صرفوا عنه • لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (٣٠:٣٠) ۞ فلا شك فى ان علماءنا كلهم نسوا اصل ديننا والفطرة هى التى لا تخفى على الذى فطر عليها اصلا ولا شك فى انهم نسوا فطرتهم وَنَسُوا حَظًّا (معظما) مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ (٥:١٣) وكلهم ضربوا عن بث هذه السرائر الى دين الاقوال والعقائد • وشرعة الكلمات والمناسك • من دون الحقائق والفرائض • وكبروا صغائر الامور وصغروا كبائرها ابتغاء الفتنة وجهلا • واتخذوا دينهم لهوا ولعبا • ولم يتدبروه ولم يتفقهوا فيه حق تدبره وتفقهه • فاوهنوا امرنا فى الدنيا • واضعفوا بالنا فى العقبى • واضلوا سعينا وجعلونا من الاخسرين ۞ يا ايها العلماء المتكبرون المعاصرون! نبئونى بما الدين وما الاسلام ان كنتم صادقين ۞ ما فى اسلامكم من الفطرة التى فطر الناس عليها ان كنتم قوما تتفكرون ۞ وما الذى شرع الله لنا منه • والذى وصى به ابراهيم و

(١٠) والايمان بالاخرة لو كنتم تعلمون • ومن اتبع هذه العشرة عملاً ومعناً فاولئك هم المسلمون بيد كل واحد من هذه العشرة المبشرة الكاملة من اصول الاسلام يتفرع من الاصل الاول اعنى التوحيد في العمل كما ياتى • وكل اوامر القران ونواهيه يتفرع من هذه الاصول ويؤيدها كما ياتى • وكل ما بنى عليه الاسلام يوجه في التوحيد ويهدى العامل الى الغلبة والامن والتمكن في الارض والاستخلاف فيها • وكل هذه هى الفطرت التى فطر الناس عليها • فمن اطاع الله حق اطاعته في هذه الامور وجد اجره من عند ربه في الدنيا • ومن عصاه او بغى عليه لاقى عذابه فيها • وكل هذه هو ما وصى به النبيون من قبل الا انهم اوتوا جزءً ونبذاً منه حتى اكمل الله دينه واتم شريعته واسبغ نعمته على نبينا عليه الصلوٰة والسلام • وما كلمة الشهادة والصوم والصلوٰة والحج والزكوٰة التى تسمى فينا اركان الاسلام بشئ الا اسلحة ووسائل لاجراء هذه الاصول في امتنا ولاستمساك بالذى اوحى الله الينا • فما كلمة الشهادة الا مظهر التوحيد في العمل المصداق ما في قلب الانسان • وما الصوم الا الجهاد بالنفس والاحتساب عليها • وما الصلوٰة الا توحيد الامة واطاعة الامام • وما الزكوٰة الا الجهاد بالمال وما الحج الا اظهار وحدة الامة • وكل هذه من اركان الاسلام نصبت لتاسيس الجماعة ولتوحيدها وتقويتها نظراً الى استقلالها في الارض واستخلافها فيها • وما هذه العشرة من اصول الاسلام الا روح من امره تعالى اى قانونه كما قال: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ اَمْرِنَا • مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا • وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٤٢ : ٥٢) ✻ فما هذه الاركان الا مناسك الامة وظواهر الايمان وما هى باصل الدين قط بل فروع من امره • بل مستخرجة منه • ولذلك قال الله عز وجل لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ • اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ (٢٢ : ٦٧) ✻ فجعل الله لكل امة طريقة عبادة ربها واسلوب التعبد بقانونها • فلتستمسك كل امة بهذه الطريقة

فما الفطرت التى فطر الله الناس عليها • وما الذى بُنى عليه الاسلام لو كنتم تعلمون ۞ وما صلى الانبياء من قبلكم صلوة مثل ما انتم عليه • ولا صاموا صوما على نحكم فى شهر رمضان • ولا انفقوا مثل ما انفقتم • ولا ارتحلوا من ديارهم الى مكة ليقضوا مناسكهم • ولا انشدوا كلماتكم الشهادة العربية • ولا تعمموا او تأزروا مثل ما انتم تفعلون اصلا • ولكنى اقسم برب السماء والارض انهم كانوا من عباد الله المؤمنين المسلمين ۞ وما كانت الامم التى اتبعتهم الا امما مسلمة من دونكم ومن دون العلمين ۞ ولا شك فى ان اسلامهم كان مبنيا على اركان من دون ما انتم تظنون ۞ فلا اقسم بالله العلى العظيم ۞ ما بنى الاسلام على ما انتم تزعمون ۞ وما كلمة الشهادة و الصوم والصلوة والحج والزكوة التى تسمونها اركان الاسلام الا شعائر الامة المحمدية اومناسكها التى تتميز بها امتكم من الامم الاخرى • ولكنه ما اسس الاسلام عليها قط • ولا هى فطرت الله التى فطر الناس عليها • ولا هى ما يولد عليها ولد • ولا ما تفلح به امم • ولا ما ذكر الله به العلمين ۞ ولا ما وصى به النبيون ۞ بل ضرب الله فى القران عن تعيين كلمة الشهادة والفاظها • وتفصيل اركان الصلوة وركعاتها • وعدتها واوقاتها • وتقدير انفاق المال والزكوة • وتبيين مناسك الحج الا ما شاء • وترك كل هذه للنبى العربى لينفذها فى امته انى يشاء • الا انه صار امتنا كثرة بعد مرة واكرهنا مرارا على هذه الشعائر نظرا على اصلاح اعمالنا وتشكيل اخلاقنا فى هذه الدنيا • ولادخال الايمان فى قلوبنا • ولنكون ما اراد الله بنا • ولنكون من المفلحين ۞ فلا والله ما هو الا انه قد بُنى الاسلام على عشرة اصول (١) التوحيد فى العمل من دون القول (٢) و وحدة الامة (٣) و اطاعة اولى الامر منكم (٤) و الجهاد بالمال مع الاعداء (٥) و الجهاد بالسيف و بالانفس (٦) و الهجرة الى البلاد و هجر كل ما يشغلكم عن السعى (٧) و الاستقامة فى السعى مع التوكل فى النتائج (٨) و مكارم الاخلاق (٩) و العلم

بحذ مالم يتقدم عليهم احد من حكماء القرون الخالية • ففتشوا مواليد الارض وثوروا طبقاتها الباقية ومخلوقاتها البالية والزكازات والمتحجرات • ودرسوا غيرها من العلم وحقائق الاشياء وتاريخ الامم الخالية • فاستقصوا فيها واستقرءوا انه ماهو الا ان نظام كل العالم قد بني على السعي والعمل والجد والجهد • والنظم والنسق • وانه لا يفلح فيها احد الا من اصلح • ولا يصلح الا من حفظ نفسه من كل الاعداء والبليات والحوادث والنوائب • واعد لها ما استطاع من قوة ونظم وعلم ثم استقام للسعيه • واستدام في تقدمه • فانه ليس للانسان في هذه الدنيا الا ما سعى له سعيا بليغا • فالسعي والتقدم وحفاظة النفس هي المنتهى في الدنيا • وانما يوفى الناس اجر هذا السعي في العقبى • فلا بد للانسان ان اراد ان يبتغي وجه الله من ان يجهد ههنا جهدا متتابعا لتقوية قومه وتزكية نفسه • فما هذه الارض الا مصرع للابطال ومقتل للشجعاء ليصرع بعضهم بعضا في المجادلة للحياة والتنازع للبقاء • وليحفظوا انفسهم من تطاول الاعداء • وليكفوا ايدي الناس عنهم فيكونوا في زمرة الاحياء • فوالله لا يبلغ قوم عندهم هذا المقام الحصين حتى يزكوا قلوبهم من رجز الاوثان • وعبادة الاصنام • وحب الحيوة الدنيا • والشغف بالمال والاولاد والمساكن وغيرها من الاوثان التي تشغلهم عن السعي والعمل والجد والجهد • وما هذه الا اقرار التوحيد في الاعمال • واشعار القلوب بالحاكم المتعال • والاعراض عن الطاغوت والدجال • وهذا ما اسس عليه اصلاح الانسان عندهم • وما بني عليه كل اصولهم • ويولج فيه معظم سياستهم • وهذا ما عرف به الصلاح والارتقاء عندهم • واساس الابقاء في علمهم • فمن عرف هذا فقد عرف سر الحيوة والممات • واكتنفت له حقيقة الفناء والبقاء في الدنيا • ومن اعرض عنه فقد هلك بل استهلك واستمات • وما هذه التزكية الا تهيئ للصلاح وتمهيد فقد افلح من تزكى (٨٧:١٤) عندهم كما قال الله عز وجل • ولكنه لا يفلح قوم في علمهم حتى ينظموا انفسهم ويوحدوا ويالفوا بين

وتداوم عليها * ولكن **امره** وقانونه شئ اخر يستوى فى كل الامم * فمهما تستمسك أمّة بامره وايّاما تاخذه فسوآء عليه فهو يؤدّى اليهم اجورهم بقدر سعيهم ويوفّى حسابهم * فيجب على النّاس ان لا يتنازعوا بينهم فى الامر * فالنّزاع فى الامر هو ما ينافى الاسلام ويناقض دينه تعالى * والنّزاع فى المناسك هو الّذى يفرّق بين الاقوام لا بين افرادهم * ولا يعذّب الله قوماً حتّى تنازعوا فى الامر وضلّوا عن سبيله المستقيم ✿ وان امّة من الامم استمسكت بمناسكها ثمّ توغّلت فيها معرضة عن مقاصدها المهمّة الّتى تخفى فيها واخلّت بامره تعالى واهملته او تنازعت فيه فلا شكّ انّها قد ضلّت عن سبيله ووجب عليها العذاب كما وجب على المسلمين المعاصرين الّذين قالوا ما الاسلام الّا اقامة الصّلوٰة وايتآء الزّكوٰة والصّوم والحجّ واقراره تعالى باللّسان * فما كان لنا ان نؤمن بما سوٰها * كتب الله علينا هٰذه الخمسة * وما نحن الّا من المفلحين ✿ وما هو الّا انّه قد غاب اصل الدّين عنهم * وغوّرت حقيقته * ولمسوا سطحه وظاهره * وصرفوا عن مخّه وباطنه * اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (٢: ٨٥) ✿

ولا شكّ فى انّ هٰذه العشرة من اصول الاسلام وما يليها من الاوامر فى القرآن هى **الفطرة** لانّه فى اىّ ارض تجدوها واىّ قوم يتّبعها فهم لا يزالون ينتفعون منها * يرفعون بها من مقام الى مقام حتّى يمكّنهم الله من الارض ويغلبهم ويبدّل خوفهم امناً * فالّذين جاهدوا فى هٰذه الاصول حقّ جهادها * وبلغوا اشدّ مبلغهم فيها * وسعوا فيها ما استطاعوا * ولم يتزلزلوا عنها * فاولٰئك هم المفلحون ✿ واولٰئك هم **المؤمنون المسلمون** ✿ وقد استنبط الحكمآء من المغرب كلّ هٰذا الاسلام من دراسة احوال الطّبيعة وعوائد المخلوقات السّفليّة * ومن مطالعة ما يماثل ويشاكل بين مجامع النّاس وأمم الطّيور والدّوآب * اشار الله اليه فى الآيت الّتى تقدّم ذكرها†

† وليبطر القارى الى صفحة ٣٩ من هذه الافتتاحية *

اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ **بُيُوتًا** وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ **فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ**
ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُونَ
(١٦: ٦٨-٦٩) ❁ احفظي نفسك يا عبدة الله وبيتك من الاعداء * وان احد اراد ان يخرجك منه فاهجمي
عليه * واقطعي دابره * واسعي سعيا بليغا لما امرك الله في الحفظ والامن وافعلي ما تؤمرين ❁ فهذا **صراط**
ربكم **مستقيما** في هذه الدنيا * وهذا **سجود** ما في السموات وما في الارض من دابة والملئكة له *
ومن في الارض من الانسان لا يسجد له ولا يطيعه فسحقا للكفرين ❁ وهذا **صلوة** الدواب و
تسبيح الطيور لله ربكم فاطر الجبال وفاطر الصخور * وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (٥٥: ٦) له لو كنتم تعلمون ❁
وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهٖ (١٣: ١٣) * والشمس والقمر والارض له يعبدون ❁ اَلَمْ تَرَ
اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ **صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيحَهٗ** وَاللّٰهُ عَلِيمٌ
بِمَا يَفْعَلُونَ (٢٤: ٤١) * وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (٢٤: ٤٢) والى الله ترجعون ❁ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ
السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُونَ **تَسْبِيحَهُمْ** (١٧: ٤٤)
فباي حديث بعده تؤمنون ❁ فيا ايها المسلمون المستكبرون المعاصرون ! الذين يزعمون
انهم لربهم لساجدون ❁ وانهم هم المصلون * في الارض من دون العلمين ❁ ويظنون انهم بحمده
مسبحون * وَقَلِيلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ† وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (٥١: ١٧-١٨) * **هذا** ما عنى
الله بسجودكم وصلوتكم * وهذا تسبيح مخلوقه غيركم بل **كيفية** ما يريد الله ان تخيروا لكم
فما يريد الله منكم من شيء الا ان تعثوا في الارض طائعين ❁ ساجدين لحكمه وقانونه فَنِعْمَ اَجْرُ
الْعٰمِلِينَ (٣٩: ٧٤) ❁ وان تتخذوا من الجبال والقلاع والحصون بيوتا لكم لتحفظوا انفسكم من اعدائكم
ولتكونوا من الغالبين ❁ وان تجاهدوا في هذه الارض حق جهادكم وحد وسعكم واشد مبلغكم لتمشوا

† اي لا ينامون الا قليلا من الليل لكونهم مسبحين بالعشي ومعتكفين في المساجد - هذا ما عنى المسلمون المعاصرون بهذه الاية بل بقوله تعالى تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ
رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (٣٢: ١٦) وقد مر تشريحه على صفحة ٣٦ من هذه الافتتاحية وسياتي شرحه الاية (٥١: ١٧) على صفحة ٧٦ منها يبين لكم انه ما عنى الله بها الاعتكاف
او الرهبانية بل السعي والعمل بالعشي والابكار لتقوية القوم كما قد ترشح من قوله تعالى على صفحة ٣٦ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (٣٢: ١٧) وقوله نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (٣٢: ١٧) على صفحة ٣٦ ايضا

قلوبهم بهذه التزكية * ويعتصموا بنظم وقانون * **ويطيعوا** امرهم بحد استطاعتهم * ولا يصلح قوم في اصطلاحهم حتى **يجاهدوا** باموالهم وانفسهم لتكفيف اعدآئهم عنهم * وحتى يعدوا لهم ما استطاعوا من قوة واسلحة * **ويهاجروا** من ملك الى ملك لامضاء حكمهم على الناس وتقوية امرهم وجماعتهم * وحفظ نفوسهم عند الضعف * وتقذيف رعبهم في الاعدآء * وتحصين عزتهم وغلبتهم * وتمكينهم من الارض * ولا يستأهل هذا المقام قوم اصلا في هذه الدنيا حتى **استقاموا** في سعيهم وسعوا لحصولها سعيا متتابعا ليلا ونهارا * وادامو ما داموا في الارض فاولئك هم المفلحون * ولا شك في ان كل هذا هو مما يفعل الوحوش والطيور والدواب والانعام وغيرها من المخلوق السفلي في مساكنها بقدر استطاعتها وحد امكانها وهم الذين يسجدون لسنة الله وللاصول التي وضع الله في جبلتهم وخمر في طينتهم بل اوحى في خلقهم * فانهم يدافعون عن انفسهم الاعدآء حين الباس ويتخذون بيوتا من الجبال ليحفظوا انفسهم ويجاهدون ويهاجرون في ديارهم ويسعون سعيا متواترا ليخرجوا اعدآئهم من الارض ويحرموها عليهم حتى الانسان * وليستخلفوا انفسهم فيها على ارث من الله * وليتسلطوا على صعيدها وجرزها وسهلها وصخرها * وعلى ما فوق الارض وما تحت السمآء * وعلى سطح البحور وفي قعورها على كره منه * ويتخطفون اعدآئهم خطفة كاملة فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ (٩: ١١١) ليحفظوا انفسهم * ويقتلون اعدآئهم كآفة حيث وجدوهم * ويقتلونهم جميعا حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (٨: ٣٩) ان كانوا قادرين * ولا شك في ان كل هذا الدرس والوحي **من الله** فانه علمهم ولم يعلمهم احد غيره ولم يقدر على تسوية خلقهم او يحيط على افعالهم سواه * ولا شك في انهم له **ساجدون** * ولذلك قال الله فيهم وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (١٦: ٤٩-٥٠) * فهذه **سجودهم** وركوعهم لرب العلمين * و هذه ما يؤمرون بها وهذه ما يفعلون * ومن ذلك قال الله في احدهم وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ

مستقيم* والطير صفت مبتغين ❁ والشجر من الاصل الى الفرع منظمين ❁ كخلياته ملحقين ❁
لامر ربهم ساجدين ❁ فاعلين بل فعالين ❁ جاذبين مياههم من الارض فمقتسمين ❁ وبالنهر
مستسقين ❁ مسامحين بينهم بل متطاوعين ❁ مصالحين بل متوافقين ❁ ثم المونعون
المثمرون ❁ فضاحكون وامنون ❁ لانهم كانوا لا ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه (٢: ٢٧) ولا
يقطعون ما امر الله به ان يوصل (٢: ٢٧) ولا يفسدون ❁ رفع الله فوقهم بميثاقه الجبل العظيم ❁
فماهم عن وزرهم بمعرضين ❁ اخذين ما اتيهم ربهم† (٥١: ١٦) بقوة وذاكرين ما فيه لعلهم يغلبون ❁
ومن اطاع واصلح فاولئك من الصلحين ❁ واولئك من الذين لا خوف عليهم ولا هم يحزنون ❁
في جنت الارض وعيون ❁ على رغم العادين ❁ لانهم كانوا عابدين ❁ ولقد كتبنا في الزبور من
بعد الذكر ان الارض يرثها عبادي الصلحون ۝ ان في هذا لبلغا لقوم عبدين (٢١: ١٠٥-١٠٦) ❁ من
تنظم وتطوع فاولئك هم العابدون ❁ واولئك هم الساجدون ❁ والمصلون ❁ والمسبحون ❁
وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون (٥١: ٥٦) ❁ فالعابدون هم الطائعون الفاعلون ❁ الذين
هم في صلوتهم مواحدون ❁ والذين هم على صلوتهم يحافظون (٢٣: ٩) ❁ وبسامحون و
يرابطون ❁ والذين يجهدون في تقوية جماعتهم مبيتين ومصبحين ❁ يخافون عذاب ربهم من
فوقهم ويطمعون ان يكونوا من الغالبين ❁ تتجافى جنوبهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفا و
طمعا ومما رزقنهم ينفقون ۝ فلا تعلم نفس ما اخفي لهم من قرة اعين جزاء بما كانوا
يعملون (٣٢: ١٦-١٧) ❁ افعلمتم ما في هذه الارض من قرة اعين للمتقين المصلين ❁ ان المتقين
في جنت وعيون† اخذين ما اتيهم ربهم† انهم كانوا قبل ذلك محسنين ۝ كانوا قليلا من الليل ما
يهجعون ۝ وبالاسحار هم يستغفرون (٥١: ١٥-١٨) ❁ والموسعة قلوبهم فهم الذين لا يمنعون

* الاشارة الى قوله عز وجل واذ اخذنا ميثاقكم ورفعنا فوقكم الطور خذوا ما اتيناكم بقوة (٢: ٦٣) و(٧: ١٧١) اي جعل عليهم التوراة التي اعطاها
الله على جبل الطور فحملهم الله الوزر العظيم بميثاقه بل رفع فوق رؤوسهم جبلا عظيما به ليأخذوه بقوة ويشهد على هذه المعاني قوله ورفعنا فوقهم
الطور بميثاقهم وقلنا لهم ادخلوا الباب سجدا وقلنا لهم لا تعدوا في السبت واخذنا منهم ميثاقا غليظا (٤: ١٥٤) صاكان ميثاقهم الا الجبل رفع فوقهم ١٢

فی مناکبها امنین ❊ وتنظموا قواکم وتوحدوا انفسکم وتالفوا بین قلوبکم کالنحل ولتسلکوا سبل
ربکم مذللین ❊ وان لا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم (۸ : ۴۶) انه یحب الفوایین المعززین ❊
وان تخافوا ربکم من فوقکم کالذوآب وتفعلوا ما انتم تؤمرون ❊ وتجاهدوا اعدآئکم وتغلظوا علیهم †
کالجبارین المقهرین ❊ وان تاخذوا حذرکم کالنحل والعنکبوت والذوآب والطیر والبعوضة
التی لا یستحی† الله ان یضرب لکم مثلها وما فوقها فتنفروا ثبات او تنفروا جمیعین ❊ عبیدات لله اولات
باس فهن اللاتی لا ینقضن عهدا لله من بعد میثاقه (۲ : ۲۷) من اول یوم ولا یقطعن ما امر الله به
ان یوصل (۲ : ۲۷) ولا فی الارض یفسدن ومن ینقض عهده من بعد میثاقه فاولئک هم الخسرون
(۲ : ۲۷) ❊ کل قد علم صلاته وتسبیحه (۲۴ : ۴۱) من اول یوم خلق ولکن لا تفقهون تسبیحهم
(۱۷ : ۴۴) مستکبرین به سمرا تهجرون (۲۳ : ۶۷) ❊ لا یقیمون صلوتهم کسالی ❊ فتبارک الله احسن
الخالقین (۲۳ : ۱۴) ❊ فوالله ما یرید بکم من صلوتکم وتسبیحکم من شئ الا ان تصلوا کالصواعق و
تسبحوا کالرعد بحمده مهللین ❊ لتصیبوا به من تشاءون وما تشتهون ❊ وتطئوا الارض وطأة
الغلاب المعذبین ❊ وان لا تغنوا فی زوایاکم معتکفین ❊ مرقلین من الذل الی العز کالمسکین ❊
وان تسجدوا کالنجم مبیتین ومصبحین ❊ وتسجدوا لاحکامه کالشمس والقمر بحسبان† تابعین ❊
لا الشمس ینبغی لها ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النهار وکل فی فلک یسبحون (۳۶ : ۴۰) ❊ وان
بحر والمستقر لکم قادرین مقدرین ❊ والشمس تجری لمستقر لها ذلک تقدیر العزیز العلیم
(۳۶ : ۳۸) ❊ وما یرید الله اصلا من سجودکم من شئ الا ان تطیعوه عابدین ❊ کالنجم بمیزان

† الاشارة الی قوله تعالی یا ایها النبی جاهد الکفار والمنافقین واغلظ علیهم ومأوٰهم جهنم وبئس المصیر (۹ : ۷۳). فیصدر من هذه الآیة ان الغلظة علی
الاعداء هو ما یتوقع الله عز وجل من عباده لیحفظ انفسهم منهم ۱۲ ❊ کما قال الله عز وجل فی القرآن الحکیم یا ایها الذین آمنوا خذوا حذرکم فانفروا
ثبات او انفروا جمیعا (۴ : ۷۱) وقال فی موضع اخر توکیدا واذا کنت فیهم فاقمت لهم الصلوٰة فلتقم طآئفة منهم معک ولیاخذوا اسلحتهم فاذا
سجدوا فلیکونوا من ورآئکم ولتات طآئفة اخری لم یصلوا فلیصلوا معک ولیاخذوا حذرهم واسلحتهم ودّ الذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم و
امتعتکم فیمیلون علیکم میلة واحدة ولا جناح علیکم ان کان بکم اذی من مطر او کنتم مرضی ان تضعوا اسلحتکم وخذوا حذرکم ان الله
اعد للکفرین عذابا مهینا (۴ : ۱۰۲) فلیعتبر القاری فی هذه الآیة اشد تفکر لان الله اکد المسلمین فیما علی احذ اسلحتهم کرة بعد مرة ❊ الاشارة الی
قوله تعالی ان الله لا یستحی ان یضرب مثلا ما بعوضة الخ (۲ : ۲۶-۲۷) وقد بینت ههنا ما عنی الله بهذا القول الشهیر ۱۲ ❊ الاشارة الی قوله (۵۰ : ۵)

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ[1] ۚ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِيْنَ ۚ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (٣٧: ١١٤-١٢٢) * وان كان التسبيح تكرار كم اسمائه على سبح ايها الجهلون ! ۝ فما استعمل رسولكم هذا السلاح العجيب لغريب في حياته قط ليكون من المفلحين * فما لكم لا تتدبرون وتجهلون * وتحرفون مقاصد كتاب الله فتخذلون *.

وعلى كل ما تفقه العلماء الطبعيون والحكماء الغربيون من تسبيح الطيور والدواب والملئكة وصلوة الاشياء وحمدها وخيفتها وركوعها وسجودها وعلى كل ما تفكروا في قانون غير محول الذي يسري بين اشياء الفطرة سراية تامة فقد ذهبوا الى ان دراسة اشياء الطبيعة ومخلوقاتها وحقائقها وعوائدها لا تخلوا عن النقائص والعيوب لان الاصول والفروع التي تخرج من هذه المطالعة او تصدر من دراسة حقائق الاشياء لا تطابق في اكثر الاحوال بعوائد الانسان وفطرته ولذلك لا يجوز للانسان ان يتبعها اتباعا تاما ومن هذا اعترف الغربيون بان مبلغهم من العلم الذي دونوه في كتبهم لا يكاد يحتوي على ما يكفي للانسان لفلاحه وبقاء نسله وتدويم قوته وتمكينه من الارض فصرفوا عن هذه السبيل ليكملوا علمهم بدراسة احوال التواريخ واسباب ارتقاء الاقوام وبمطالعة السياسيات الخالية وسياسة المدن المتمدنة الماضية وبالخوض في اثار الصناديد واحوال الامم وتدوين اصولها في المعاش وتبيين فهرس الاعداد وغيرها من علوم التواريخ التي اشار الله اليها في قوله اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (٢٩: ٣٤-٣٥) فلا شك في انهم صاروا من قوم يعقلون سنته ويفقهون عادته بل صاروا من المفلحين * ونظرا الى كل ما تقدم من اجتهادهم في اشياء الفطرة ومبلغهم من عادة الله [illegible] في قانونه واستقرائهم سنته القول الحق الذي لا يشك فيه هو ان كل هذه ما ذهب اليه الغربي من

[1] فيحصل من هذه الآيات الجليلة انه من فعل مثل ما فعل موسى وهرون عليهما السلام بقومهما فقد سلك الصراط المستقيم" وهو الذي عمل [illegible] حق عبادته بل امن به من ايمانه لانه سماها عبادنا المؤمنين" فما الصلوة الا سلوككم سبل ربه واتباعكم قانونه لتفلحوا انفسكم في الدنيا ولتكونوا فيها من الغلبين. [illegible] في اي موضع في القران "صراط مستقيم" بالالف واللام الا في هذا الموضع [illegible] عما قال في سورة الفاتحة ولذلك ما قصد الله من قوله اهدنا الصراط المستقيم [illegible]

ما يستطيعون ❁ ونسيتم صلوٰتكم ايها الضآلون المتشرعون ! ❁ تركعون وتسجدون ليريكم الناس وانتم لربكم لا تسجدون ❁ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَآءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ (١٠٧: ٤-٧) ❁ فهل انبئكم بما الصلوٰة فى قرانكم ايها الساهون ❁ الصلوٰة هى التى تنهٰكم عن فحشاء† البخل ومنكر النفاق وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ۝ (٢٩: ٤٥) ❁ فوالله إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَآئِمُونَ ۝ (٧٠: ١٩-٢٣) ❁ المداومون وحدتهم والموسعون عطاياهم للسائلين والمحرومين ❁ الذين ان تقضوا حاجاتهم فتنفعوا جماعتكم وتكونوا من الغالبين ❁ لا الذين يسئلون الناس ملحفين ❁ فما الصلوٰة بما انتم تزعمون ❁ ما هى الا النظم والنسق ووحدة الامة واطاعة الامير وتاليف القلوب وحفاظة النفس والجهاد والغلظة على الاعداء والحسبان والميزان لو كنتم تعلمون ❁ والتمكين من بر الارض وبحرها كالدواب ومن جو السماء كالطيور ومن تحت البحر كالحيتان فما لكم لا تصلون ولا تفلحون ❁ والمغربيون كلهم قد علموا صلاتهم وخطفوا الارض من فوقها ومن تحتها واتخذوا بيوتا من سهلها وصخرها ۔ وبنوا مساكن ومراكب فى برها وبحرها ليسبحوا لله ويحمدوه وهم الذين هدوا الى الصراط المستقيم ❁ صراط الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ ۝ (١: ٦-٧) ❁ وما علمتم ما الصراط المستقيم‡ ايها الجهلون ❁ وقد قال الله لكم فى الكتب المبين ۔ فى موسى وهرون ۔ اللذان ابعثا قومهما على مقام امين ❁ واورثاهم جنت الارض وعيون ❁ التى تركوها قوم اخرون ❁ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝ وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝ وَنَصَرْنَاهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۝ وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ ۝ وَهَدَيْنَاهُمَا

† الاشارة الى قوله تعالى اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ۖ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ۝ (٢٩: ٤٥) وقد بينت فى كتاب التذكرة على صفحات ١٤٥-١٥١ (تحت المتن) ان الله عنى بلفظ المنكر النفاق والتفريق فى الامة وعلى صفحات ٢٠٦-٢٠٩ (تحت المتن) منه الله عنى بلفظ الفحشاء البخل فى انفاق المال والمشاحة وضيقة القلوب وغيرها من السيئات التى تمنع الرجال عن الملاطفة والموانسة والمواخاة بينهم ۔ ولا شك فى ان الصلوٰة فى المساجد والمخالطة التى اراد الله بها والملاقاة بين المصلين هى التى تنهى الرجال عن التفريق والتخريب بل توسع قلوبهم وتلينها ولينظر القارى الى صفحات ٢٥١-٢٥٢ من كتاب التذكرة للتشريح المزيد ۔ ‡ سياتى تفصيل ما عنى الله بهذا على صفحات ١٢٩ الخ من هذه الافتتاحية ۔

مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (٢٩: ٦٣) * ولاشك فی ان کثیرا منهم کانوا یقرّون بالسنتهم اوصافه تعالیٰ واسمائه کما تکرّونها الان لیلاً ونهاراً ۞ فانه قال وَلَئِنْ سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ (٤٣: ٩) * ولاشك فی ان معاصری النبی اکثرهم کانوا یعترفون بانّ الله خلقهم من دون الشمس والقمر والسمٰوٰت والارض کما تعترفون وتلاسنون بینکم وتافکون باقوالکم فی زماننا هذا کرّةً بعد مرّة ۞ لانه قال وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللهُ ۖ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ (٤٣: ٨٧) * فان کان التوحید قولکم بافواهکم اوافککم بالسنتکم انه خالق السمٰوٰت والارض اوخالقکم ۞ اوخالق الشمس والقمر ۞ اومنزل الماء من السماء ۞ وان لم یدخل فی هٰذا الاقرار علم خلقه وتعقّل ملکوته ۞ وتدبّر سمٰوٰته وارضه ۞ ومعرفته بدراسة اعماله ۞ وتفتیش سنته وعادته بالتفکر فی مخلوقاته ۞ فلما لا سمّی الله معاصری النبی المسلمین الموحدین ۞ ولما سماهم المشرکین الکافرین * بل لای شئ ارسل الرسول لیهدیهم ۞ ولما قال فیهم علی اقرارهم باللسان بکونه خالقاً بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (٣١: ٢٥) وبَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (٢٩: ٦٣) * ولای شئ فاخر وتفخر ۞ وفخر وتفخر ۞ بل فخر نفسه علی سائر الخلائق والکائنات وقال أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ (٣٥: ٤٠) وقال هٰذَا خَلْقُ اللهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ (٣١: ١١) ۞ وقال ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ (٣٤: ٢٢) ۞ بل لای شئ استکبر وتکابر فی سمائه وارضه وقال وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ۝ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ (٥١: ٤٧-٤٨) * ولای شئ استدل الرسول بل دلکم علی مخلوقاته لمعرفته ۞ واشهدکم علی خلقه لتحصیل قربه وذکره وقال وَمِن كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ

(البقیة من صفحة ٦٦) الصراط المستقیم والصراط هوالذی یعلمکم فی الدنیا فلیسن برالقاری هٰذه الایات اشدّ تدبّر +

+ فیصل من کل هذه الایات ان معاصری النبی کلهم اواکثرهم من اهل الکتاب والکفار وغیرهم کانوا یعتقدون بالسنتهم بالله کما یعتقد المسلمون فی زماننا هٰذا ولکنه صلعم جاءهم لیشیر علیه نعمٰ فیهم ولیتدبروا امرهو وما قدرته وعظمته جلاله وحکمته ملالعصر واما بسم بالله مالحمد فی سبیله باطاعة احکامه الحق ان القول لیس بشئ وما قصد الله من الایات الاقوال فقط +

اصول الاسلام بل دينه تعالى بل فطرت الله التى فطر الناس عليها والدين الذى وصى به النبيون لانهم افلحوا بذا القانون واصلحوا بالهم بذا المسنون فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (٧: ٣٥) * واما الاختلاف بين القرآن وبينهم فى اساليب نفاذها وطريق اتباعها فهو من الفروع ليس باصل الدين ولذلك يجزيهم الله بما كسبوا ويستخلفهم فى الارض ويمكن لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ (٢٤: ٥٥) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (٩: ١٢٠) * فيا من تجهلون ولا تعقلون ! ۞ انبئونى بما استنبطتم من القرآن العظيم * وما القانون المتفق عليه الذى استخرجتم منه فانتم له تسجدون * استنبطتم من القرآن انه من اعترف بلسانه بان الله خالق السموٰت والارض فهو المسلم عنده وهو الذى دخل فى دينه ۞ او امن بتوحيده تعالى ۞ فلا شك فى ان كثيرا من العرب قبل ظهور الاسلام والاعراب والنصارى واليهود والمنفقين وغيرهم من معاصرى النبى اكثرهم كانوا يقرون بلسانهم انه خالق السموٰت والارض وما كادوا يعتقدون بعقيدة غيرها لو كنتم تعلمون * فلذلك قال الله فيهم وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (٣١: ٢٥) * فما كان قولهم من دون العلم واليقين الا ما انتم تقولون الان بافواهكم بغير علم ۞ فلما لا ادخلهم الله فى زمرة المسلمين بل سماهم المشركين * ولا شك فى ان اكثرهم كانوا يقولون انه سخر الشمس والقمر كما تافكون بالسنتكم لانه قال فيهم وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (٢٩: ٦١) * ولا شك فى انهم كانوا يعتقدون بافواههم بغير تعقل وعلم ان الله منزل الماء من السماء ۞ وانه هو محى الارض بعد موتها كما تعتقدون الان ۞ فانه قال فيهم وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ

فى ان العلم يصدر من التوحيد و يولج فيه۔

(البقية من صفحة ٦٥) الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (١: ٥-٦) الافلاح القوم ونعمة الغلبة فى الدنيا ولذلك عنى بالمغضوبين عليهم و الضالين الذين هلكوا من فقدان حكمهم فى الدنيا وقد بينت ما عنى الله بلفظ نعمة فى كتاب التذكرة على صفحات (٢١-٢٢٣) فليرجع القارى اليها للتشريح المزيد ، وسياتى تفصيل ما صراط مستقيم بل ما الصراط المستقيم على صفحات (١٢٩-١٣٨) من هذه الافتتاحية يبين لكم ما الاعمال التى تلزم الانسان منه فالمراد ههنا هو ان الصلوة هى التى تهديكم الى (الباقى)

قواكم منظمين ومعاونين بينكم لتكونوا فى الارض من الغالبين * وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ
لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (۲۹: ۶) * وهو غنيٌّ عن ان تسموه احدًا او اثنين او ثلاث
الا انه من اتخذ الٰهاً غيره فى العمل وظل له عاكفًا فلهم خزىٌ فى الحيٰوة الدنيا ما داموا مشركين*
فوالله ما جاهد قوم فى زماننا هذا فى التوحيد قط مثل ما جاهد الغرب لانهم جاهدوا فى ربهم بعلمهم
وعقلهم * وطهروا قلوبهم من رجز الاوثان عملاً ومعنًا * ولم تخلقوا افكًا بافواههم واقوالهم *
بل هم الذين راوا فى زماننا هذا ما هن بكشفت ضره * او ممسكت رحمته * وما رايتم هذه قط
فصرتم من الاخسرين * فما شرك القران بسجودكم للاصنام الحجرة خاصةً ايها المسلمون الجاهلون*
ان هو الا قولكم بافواهكم انه احدٌ وعلى هذا شغلكم باصنام القلوب واعتكافكم لها * وعبادتكم
اولياءكم وكبراءكم * واتخاذكم احباركم ورهبانكم اربابًا من دون الله * وافككم بلسانكم انه ربكم
ورازقكم وعلى هذا عبادتكم حكامكم والٰهتكم من الارض * وشغفكم باوثان القلوب وجهادكم فيها
وشغلكم عن الجهاد فى الله واحكامه * ونفرتكم من السعى والعمل فى سبيله * وكونكم من الذين لا يعلمون
(۳۱: ۲۵) سمٰوته وارضه * وكونكم من الذين لا يعقلون (۲۹: ۶۳) ملكوته وقانونه * وعدم معرفته
بدراسة صحيفة الفطرة * وعدم تسخيركم اشياء الطبيعة * بل جهلكم عن مشيئته * ومجادلتكم
فيه بغير علم * وسلوككم سبله بغير هدًى * وقولكم بافواهكم بغير عمل * وهجركم بكتاب
الله ومع هذا ادعاءكم انكم تعلمونه * وكونكم من الذين يؤفكون (۴۳: ۸۰) باقوالهم انهم يعبدونه
يسلمون له * لو كنتم تعلمون * ولذلك قال الله لكم اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى
الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۚ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى
وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۚ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۚ اَوَلَوْ كَانَ

† قد بينت على صفحة ۵۴ من هذه الافتتاحية ان العلم فى لغة القران هو الذى يحصل من دراسة احوال الطبيعة او الذى يحصل من استعمال السمع والبصر والفؤاد اى من بعد المشاهدة والتجربة فهذا المعنى الله بالعلم فى هذه الاية ـ واما الهدى فهو الاستعداد للعمل الذى يجراه قدكلا سان من بعد علم قانونه نفاى ـ واما كتٰب منير فهو القانون الذى جاء به الانبياء من ربهم والذى سماه الله الكتٰب فى القران ـ او هو صحيفة الفطرة التى هى بين ايديكم *

تَذَكَّرُونَ ۝ فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ (٥١: ٤٩-٥١) * وان كان التوحيد اقرارکم بالسنتکم انه احدٌ او خالق کل شیءٌ * او عزیزٌ فوق کل ذی عزة * او علیمٌ فوق کل ذی علم کما قال الکفار فی عهد النبیؐ * وان لم یشتمل علیه تعبدهٗ فی **العمل** * وطاعة امره * واتباع قانونه * وشدة حبه * وترک ماسواه * وان لم ینافه اتخاذکم اربابًا من دونه عملًا ومعنًا * وعبادتکم اولیاءکم وکبراءکم * وتوغلکم فی حکامکم واعزاءکم * وعبادة الشهوات واللذات * والشغف بالمال والاولاد * والاعتناء بکل ما یعجبکم او یشغلکم عن احکام الله * واوثان القلوب التی تعبدونها من دون الله * والتی کان الکفار یعبدونها قبلکم * فلما لا صبر الله علی اقوالهم الظاهرة * ولما سمّاها **افک** وقال فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ (٤٣: ٨٧) * وهو الذی قال فیهم وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلْ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ (٣٩: ٣٨) * وان کان التوحید کله لفظیًا فلما لا ادخل الله الیهود فی زمرة المسلمین واکثرهم کانوا یعتقدون بالله لفظًا * الا قلیلٌ منهم قالوا عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ (٩: ٣٠) بِأَفْوَاهِهِمْ * ولما قال فیهم انهم اتخذوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ (٩: ٣١) * ولم یسمهم احدٌ اربابه بلسانه * فتدبروا ان انتم قوم یتفکرون * فما التوحید الا بالعمل * وصارکم الله علیه لتعلموا ربکم بوساطة اعماله وتعقلوا سنته * وصارکم علی العلم والتعقل لتسخروا اشیائه * وصارکم علی تسخیرها لمعرفته * ومعرفة قانونه * ولتکونوا فی الدنیا من **الغالبین** * وما التوحید بان تهجروا الاحجار خاصة وتعبدوا سائر الاصنام الباطنة التی تشغلکم عن السعی او تعکفکم عن العمل * بل صارکم الله علیه **لتوحدوا** انفسکم به * وتالقوا بین قلوبکم بواسطته * ولتجهدوا فی هذه الارض اشد جهدکم مجتمعین * شاغلین عن کل ما یضعف

* ای سارعوا الی الایمان بالله وتوحیده لانه ما کان لاحد ان یخلق مثله شیئًا * والتفکر فی اعمال الله وتدبر مخلوقاته هو الذی یهدینا الی معرفته وما کان لاحد ان یعرف الله معتکفًا فی بیته وهذا توغل الصوفیاء فی ما عنی الله بمعرفته نوعًا عظیمًا بالاعتکاف فی بیوتهم ولذلک ما عرفوه حق معرفته قط بل لم یطلعوا علی عادته وسنته اصلًا *

النّاس يظلّ لها عٰكِفِيْنَ (٢٦: ٧١) * والّذين كانوا لا يسمعونهم اذ يدعون * ولا ينفعونهم اَوْ
يَضُرُّوْنَ (٢٦: ٧٣) * اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (٢٦: ٨٩) * بالّذى يسلم وجهه لله صرفا عن الباقين
من المعبودين * والّذى يطيعه ولا يطيع احدًا من العٰلمين * والّذى لا يسجد للمال والبنين * ليجاهد
النّاس فى سبيل الله باموالهم وانفسهم وليكونوا من الغٰلبين * ولذلك دعا ابرٰهيم ربّه قال رَبِّ
هَبْ لِىْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ (٢٦: ٨٣) * بالّذين يرثون الارض فانّ الارض يرثها
عباده الصّٰلحون * وقال وَاجْعَلْ لِّىْ لِسَانَ صِدْقٍ فِى الْاٰخِرِيْنَ (٢٦: ٨٤) * ليصلّ النّاس
عليه ويسلّموا عليه ما دامت السّمٰوٰت والارض مسلمين * وقال وَاجْعَلْنِىْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ
(٢٦: ٨٥) * فانّ الجنّة لوارثى جنّٰت الارض من عُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ (٤٤: ٢٥-٢٦) * وما هى
الّا للّذين قالوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ
فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ (٣٩: ٧٤) * لانّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ
(٧: ١٢٨) * ولذلك قال ابرٰهيم وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (٢٦: ٩٠) وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ
(٢٦: ٩١) * للضّالّين الّذين لم يرثوا من الارض قطعة وكانوا مستضعفين * وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖ
اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (١٧: ٧٢) ومن الضّالّين * ولذلك دعا ابرٰهيم ربّه وقال وَاغْفِرْ لِاَبِىْ
اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ (٢٦: ٨٦) * من الّذين لم يسلكوا صراط المستقيم * صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ
عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (١: ٦-٧) * فالضّالّون هم الّذين لم يقدروا على انعم ربّهم فى
هٰذه الدّنيا واولٰئك هم المغضوبون * والمغضوبون هم الّذين لم يرثوا من الارض قطعة فصاروا
مستضعفين * والمستضعفون هم الهالكون المغضوبون * فانّه قال وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِىْ
فَقَدْ هَوٰى (٢٠: ٨١) وصار من الهالكين * فسلم على المتقين * الّذين يرثون جنّٰت الارض ثمّ

---

* اى ما تعبدون من اصنام كم عٰكفين لها فهم لا يستطيعون ان يملكوا لكم نفعًا او ضرًّا والله هو الّذى يملك لهم خيرًا او شرًّا * واما قول ابراهيم رَبِّ هَبْ لِىْ حُكْمًا (٢٦: ٨٣) فيصدر منه انّه عليه السّلام كان يحثّ قومه على التّوحيد عملًا ومعنًا ليذروا اصنام الملوك التى ما صنعوا الّا تحير ويسعوا فى الدّنيا سعيًا ملبعًا ليتسلطوا على الارض *

الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ
الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (٣١: ٢٠-٢٥) * فيا من
لا يعلمون ربهم بوساطة خلقه ! ويا من يقولون بافواههم ما ليس فى قلوبهم ! ما التوحيد بما
انتم تزعمون * ان هو الا علمكم اعمال ربكم * وهجركم كل ما يشغلكم عن السعى * والاستقامة
اليه * لو كنتم تعلمون * والله عليم بما تسرون وما تعلنون * لا تسلمون وجوهكم الى الله و
لا تحسنون * ولا تسخرون لانفسكم ما فى السموٰت وما فى الارض * ولا تسبغون عليكم نعمه ظاهرة
وباطنة بل تجادلون فى الله بغير علم * وهدى * وقانون * ولا تستمسكون بالعروة الوثقى * بل
تتبعون ما وجدتم عليه اٰباءكم فلذلك يمتعكم الله قليلا فى هذه الارض ليقطع دابركم مبلسين *
فاذا جاء اجلكم لا تستاخرون ساعة ولا تستقدمون * فلا شك فى انكم فى توحيدكم تجهلون * بل
تتجاهلون * ولا تعلمون ولا تعقلون * وتحرفون القران لتجعلوا يسرا لكم فتخذلون * فيا من لا يتدبرون
القران افما قال نبيكم ابرٰهيم لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ (٢٦: ٧٠) * وَمَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ
لَهَا عَاكِفُوْنَ ۝ (٢١: ٥٢) * افما كانت هذه التماثيل الا اصنامهم التى كانت تشغلهم عن السعى و
العمل بل تفرقهم وتقطعهم عن العلمين * اصنام المال والبنين * واوثان الملاهى والملاعب *
والهة النفع والربح * من دون ما صنع من الحجر اٰباؤهم الْاَقْدَمُوْنَ ۝ (٢٦: ٧٦) * ليمزقوهم كل ممزق
ويهدوهم الى عذاب الجحيم * فلذلك قال ابرٰهيم فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (٢٦: ٧٧) *
ولذلك دعا ربه يا رب لَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ (٢٦: ٨٧-٨٨) * التى كان

* يجوز للقارئ ان يتدبر هذه الايات اشد تدبر - والله حرص الناس فيها على تحصيل العلم من دراسة الطبيعة ليهدوا قومهم الى القانون الذى يجرى فى العادة وليسلموا وجوههم له ومن بعد ذلك نهى الله الناس عن تقليد اباءهم كالعميان بل امرنا ان نتقدم الى العلم والهدى يوما فيوما صرفا عما خلق المتقدمون من اباءنا من الكذب والظن ومكر اللسان ومكر الاقوال من دون السعى والعمل ليفروا من قانونه تعالى كما صنع علماء امتنا فى زماننا هذا - ولذلك قال فى معاصرى النبى صلى الله عليه وسلم انهم يعتقدون بافواههم بالله ولكن مالهم بقانونه وعادته من علم ؛ * اى يبعث الله الاولاد والاباء والازواج وسائر الارباب يوم القيمة ليكونوا شهدين على ما كان الانسان يعبدهم *

فلا يحب نفسه من الله فالذين امنوا اشد حبا لله (٢: ١٦٥) ○ ولذلك قال الله فيهم والذين امنوا وهاجروا وجاهدوا في سبيل الله والذين اووا ونصروا اولئك هم المؤمنون حقا لهم مغفرة ورزق كريم ○ (٨: ٧٤) ❋ فما التوحيد الا الجهاد والهجرة من دون ما تقدم ايها المسلمون المتوحدون وما يؤمن احد عنده حتى جاهد وهاجر لتقوية قومه بل هجر كل ما يشغله عن السعي والعمل ومن يفعل ذلك فاولئك هم المؤمنون ○ حقا واولئك هم الموحدون ❋ صرفا عما قال القائلون وكذب الكذبون ❋ ومن يؤمن بالله وبتوحيده ويزكي قلبه يتيسر له اطاعة امير لانه لا يجد في قلبه وثنا يامره بشئ اخر او ينهاه عنه فلذلك قال الله لكم يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر منكم فان تنازعتم في شئ فردوه الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الاخر ذلك خير واحسن تاويلا (٤: ٥٩) ❋ ولا تظنوا ان اطاعة الرسول في زماننا هذا هي ما يهجر به فقهاءكم الجهلون ❋ الذين قالوا انما هي اتباع احاديث النبي ليمكروا فيها مثل ما مكروا في القرآن ○ ويحرفوها مثل ما حرفوه عملا ومعنا ○ وينهر بعضها بعضا ○ وليضربوها بكتاب الله ○ فيمشوا في الارض جامدين صابرين وقائلين متعممين ❋ شاكرين بان الله ما جعل عليهم في الدين من حرج وبانهم هم المفلحون ❋ بل اطاعة الرسول هي طاعة ما كان الرسول يامر المؤمنين في عهده يوما فيوما مشافهة ومواجهة من كونه اميرا على جماعتهم وسيدهم ليظهرهم على اعدائهم ○ وما كان يدعوهم لما يحييهم او يخرجهم من الظلمات الى النور ○ لينصروا على اعدائهم غالبين ❋ ومن كان يطيعه او يستجيب لاحكامه من فور في عهد النبوة فهو الذي قد اطاعه ○ ومن يطع الرسول فقد اطاع الله (٤: ٨٠) وما كان للرسول ان ياتي بامر غير ما امرهم الله ○ او يحكم بينهم الا بما انزل الله ○ فما طاعة الرسول الان الا طاعة اميرهم ○ والاستجابة لصاحب الامر منهم ○ او لمن خلف من بعده ليامرهم ○ او لمن

وان اطاعة الامير تصدر من التوحيد وتوجيهه. وما اطاعة الرسول الان الا اطاعة اولي الامر منكم

يتبوءون من الجنة حيث يشاءون ❊ فنعم اجر العاملين السالكين الموحدين المتقين ❊ والحمد لله رب العلمين (١٠) ❊

فما الشرك الا ما يشغلكم عن السعي ايها الضالون المغضوبون ! وكل ما يصرفكم عن وحدة الامة والاتحاد الى الاشتات والافتراق هو الشرك لو كنتم تعلمون ❊ ولذلك قال الله لكم ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه كبر على المشركين ما تدعوهم اليه (٤٢ : ١٣) ○ لان الشرك يكفهم عن الصلح و الاتحاد والمشركون هم الذين يفسدون فى الارض ولا يرابطون ولا يصلحون ❊ كل واحد منهم يشتغل بصنمه ويفرح بما لديه صرفا عن الباقين ❊ والله يوحدكم ويجمع بينكم ويقويكم لو كنتم تعلمون ❊ وان من قوم فى هذه الارض اتحدوا ثم اصلحوا الا انهم طهروا قلوبهم من اوثان الاهواء واللذات فالف بينهم الله وصاروا من الموحدين ❊ ولذلك قال الله لكم ولا تكونوا من المشركين من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا كل حزب بما لديهم فرحون ○ (٣٠ : ٣١-٣٢) ❊ ومن اشرك تقطع فصار من المدقرين ❊ ولذلك قال الله لكم فلا تدع مع الله الها اخر فتكون من المعذبين (٢٦ : ٢١٣) ❊ ولذلك قال الله لكم ان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاعبدون (٢١ : ٩٢) ❊ فما التوحيد الا وحدة الامة لو كنتم تعلمون ❊ وكل من يؤمن بالله ويطهر رجز الشيطن ويطهر قلبه من الاوثان ويزكى نفسه ولا يدخل فى جوف قلبه الا الرحمن ○ يتيسر له لتقوية قومه الجهاد بالمال لانه لا يصنم المال ولا يتخذ الهه من دون الله ولا يشرك ولا يلبس ايمانه بظلم ويؤمن بانه سوف يؤتى اجره من عند ربه ○ ولذلك قال الله لنبيه قل انما انا بشر مثلكم يوحى الى انما الهكم اله واحد فاستقيموا اليه واستغفروه ❊ وويل للمشركين ❊ الذين لا يؤتون الزكوة وهم بالاخرة هم كفرون (٤١ : ٦-٧) ❊ ومن يؤمن بالله وبتوحيده يتيسر له الجهاد بالانفس والهجرة لانه من يؤمن به عملا ومعنا

وان وحدة الامة توجب التوحيد ويصدر منه وما الشرك الا ما يناقض وحدة الامة

وان الجهاد بالمال والجهاد بالانفس والهجرة تسلم التوحيد وتوجبه.

اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (٩: ١٣) ✿ فما الايمان والاتقاء والتوحيد الا شئ واحد فى الاصل يصدر من ان يطهر الانسان قلبه من رجز الاوثان * ولا شك فى ان اطاعة الامير فرع من فروع الايمان * وما هى الا التوحيد اصلا وعملا لو كنتم تعلمون ✿ وهذه ما وصى به كل الانبياء من قبل نبينا صلى الله عليه وسلم من الدين الذى شرع الله لنا * والفطرت التى فطر الله الناس عليها * لان انبياءنا نوحا وهودا وصلحا ولوطا وشعيبا وعيسى وغيرهم كلهم قالوا لاقوامهم يا قوم اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ (٢٦: ١٠٦-١١٠) ✿ فما اصروا الا على اتقاء الله واطاعة الامير * لان الاطاعة سر الفلاح والامن فى هذه الدنيا * والاتقاء سر الايمان والتوحيد * والمتقون والمطيعون هم الامنون واولئك هم المفلحون ✿

ونظرا الى كل ما تقدم فى شرح التوحيد القول الحق الذى لا يشك فيه هو ان كل واحد من اصول الاسلام التى تقدم ذكرها اعنى وحدة الامة واطاعة الامير والجهاد بالانفس والجهاد بالمال والهجرة والاستقامة فى السعى ومكارم الاخلاق والعلم والايمان بالاخرة يولج فى اصل التوحيد لان كل هذه الاعمال يصدر من القلب الذى لا يتخذ الها غيره * ولا يعبد الطاغوت * ولا يصنم نفسه * ولا يحب شيئا غيره * ولا يخشى احدا الا الله * والذى يسعى فى الدنيا سعيا بليغا ليعرفه * والذى لا يسئل على ما يفعل من اجر الا على رب العلمين ✿ وما يفعل كل هذه الا الذين يخافون ربهم من فوقهم وَقُلُوْبُهُمْ وِجْلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ (٢٣: ٦٠) ✿ ومن يفعل هذه الاعمال فاولئك هم الفائزون * فى هذه الدنيا اينما تنظرون ✿ صرفا عما يقولون ويعتقدون ✿ فلا شك فى ان التوحيد فى العمل هو الذى بنى عليه الاسلام * بل الذى فطر عليه الناس * بل ما خلقت عليه الجن والانس فلذلك قال الله عز وجل وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا

✿ فيصدر من هذه الايات الجليلة النافعة ان الاتقاء واطاعة الامير هو ما يريد الله من الناس وسياتى تفصيل ما الاتقاء وما لوازمه على الصفحات الاتية (١٠٤-١٠٩) من هذه الافتتاحية فيتبين لكم ان الاتقاء هو الايمان ويتبين لكم انه من فعل اعمال الاتقاء واطاع اميره فقد افلحوا فى هذه الدنيا وهم الذين يبدل الله خوفهم امنا وضعفهم قوة فلذلك قال كل الانبياء لاقوامهم اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ (٢٦: ١٠٧) اى جئتكم بالقانون الذى يبدل خوفكم امنا * لا ما فهم اكثر الشارحين منه اعنى جئتكم بامانة فهو ليس بصحيح *

قام مقام الرّسول فيكم ۞ بل من قام مقام اميركم فيكم ۞ ولذٰلك قال الله لكم ان اطيعوا اولى الامر منكم فالطّاعة هى المقصود منه ۞ لانّه من اطاع اميره فقد افلحوا وفازوا فى هٰذه الدّنيا ۞ ولا شكّ فى انّهم فى الاٰخرة من المفلحين ۞ ولذٰلك قال الله عزّ وجلّ لمعاصرى النّبىّ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ (٢٤: ٥٢) ۞ ولذٰلك قال الله لهم وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (٤: ٦٤) فالطّاعة هى الّتى يريد الله منكم اجمعين ۞ فلا تيسّروا دينكم بالمكر والتّاويل ولا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ† اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (٢٤: ٥٣) ۞ امركم الله ان تطيعوا ذا الامر منكم ۞ ولا تعصوه فى اىّ حالٍ واشكال ۞ وان اختلفتم فى شئٍ منه او تنازعتم فلا تزالوا تتّبعوه ۞ ورُدّوا نزاعكم الى خليفة الرّسول ليحكم بينكم بما انزل الله ۞ او بما كان الرّسول يفعل فى عهده ۞ وليؤاخذه بما فعل ويحاسبه ۞ فهٰذا ما عنى الله بقوله فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (٤: ٥٩) ۞ لانّ الفتنة اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ (٢: ١٩١) ۞ وما يريد بكم الله من شئٍ الّا ان تطيعوا اميركم طآئعين ۞ ولذٰلك ذهب السّلف من علمآء الدّين الى انّه من اطاع السّلطان فقد اطاع الرّحمٰن‡ ۞ لانّ الطّاعة هى الّتى بُنى عليها نظام العالم ۞ وهى الّتى يصدر الامن منها فى هذه الدّنيا ۞ ولئن لم يسجد لله من فى السّمٰوٰت والارض طوعًا وكرهًا لفسدت السّمٰوٰت والارض ۞ وَلَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ (٢١: ٢٢) ۞ ولذٰلك قال الله للسّمآء وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ (٤١: ١١) ۞ فما الايمان الّا اطاعة الامير من دون ما تقدّم بل ما التّوحيد الّا ان تنظّموا انفسكم سٰجدين وخآئفين ۞ ولذٰلك قال الله لمعاصرى النّبىّ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (٨: ١) ۞ ومن يخش احدًا الّا الله يجعل فى جوف قلبه الٰهًا غيره ۞ وهٰذا ما ينافى التّوحيد وما يناقض الايمان ۞ فلذٰلك قال الله

† اى لا تعتذروا الى رسولكم بالمكر ولا تقسموا فالطّاعة هى الّتى لا تخفى على احدٍ وان تطيعوا بالتّثبيت من انفسكم فلا حاجة لكم ان تقسموا بالله للايقان ۔

‡ هٰذا ما كتب السّلطان محمد بعلق ومن حلف بعده على سكّكهم نظرًا الى تشديد ملكهم وتقوية حكمهم فى الهند فلا شكّ فى انّ المسلمين فى عهودهم كانوا يعلمون ما قصد الله من اطاعته ولا شكّ فى انّهم كانوا يعلمون انّ اطاعة الرّسول انّما هى اطاعة السّلطان ۔

يشبع الذلة والمسكنة فينا * وما هذا الا اساطير الاولين ❋ بل نهكم الله عن هذه الرهبانية
ايها الجهلون ❋ ابتدعها رهبانكم واحبارکم واصفياؤكم ليصلحوا بال انفسهم ويحربوكم * اويكيدوا
الله * ما كتبها الله عليكم قط الا ابتغاء رضوان الله فما رعوها حق رعايتها (٥٧:٢٧) افلا تعقلون ❋
ان انتم الا مفترون (١١:٥٠) * على الله فانكم تقولون على الله ما لا تعلمون ❋ ما يريد الله من
تعبدكم من شئ بل ما عبادته من شئ الا ان تسعوا في الارض جاهدين ❋ وما ابتغاء رضوانه
الا ان تعملوا وتستقيموا اليه وتصبروا وتوكلوا عليه مبتلين ومصبحين ❋ لتبتغوا فضلا
منه ورحمة ونعمة فمن ابتغى نعمته وسعى لها سعيها فهو الذي ابتغى وجهه باليقين ❋ وما
لاحد عنده من نعمة تجزى الا ابتغاء وجه ربه الاعلى (٩٢:١٩-٢٠) افلا تتدبرون ❋ وما يريد
الله من عبادتكم من شئ الا ان لا تصنموا شيئا في جهادكم فتنقلبوا خاسرين ❋ وان لا تتخذوا شيئا
ربا لكم فتظلوا عليه عاكفين ❋ شاغلين عن سعيكم فتكونوا من الخائبين ❋ وان تفروا اليه لتفروا
عما خلاه * ولترهبوا له لترهبوا عما سواه راهبين ❋ لترثوا الارض فانه من ورث الارض فاولئك
قوم عابدون ❋ واولئك عباده الصلحون ❋ فلذلك قال الله لكم يا عبادي الذين امنوا ان ارضي
واسعة فاياي فاعبدون (٢٩:٥٦) بوراثة الارض الواسعة فانما نحن نرث الارض (٢١:١٠٥)
ونورثها من نشاء من عبادنا الصلحين ❋ فما العبادة الا ان تستمتعوا في ارضه الواسعة فاتزين ❋
وان تسعوا في مناكبها غالبين ❋ فانه قال كل نفس ذائقة الموت ثم الينا ترجعون * والذين امنوا
وعملوا الصلحت لنبوئنهم من الجنة غرفا تجرى من تحتها الانهر خلدين فيها نعم اجر العملين الذين
صبروا وعلى ربهم يتوكلون (٢٩:٥٧-٥٩) في نتائج سعيهم ان الله لا يضيع اجر المحسنين (٩:١٢٠) ❋ فيما
لا يعلمون (٣١:٢٥) ولا يعقلون (٣٦:٦٣) ما العبادة الا مداومتكم على التوحيد ما زلتم * وتعبدكم
له ما استطعتم * واستقامتكم اليه ليلا ونهارا * لتسعوا في الارض جاهدين ❋ ليوحدكم ويقويكم

ليعبدون (٥١: ٥٦) ❋ وكل من يصرف عن هذه الاعمال يصرف عن التوحيد * ويشرك بالله * بل يظلم نفسه * فاولئك هم الهالكون ❋ فى الدنيا اينما تنظرون ❋ ولا شك انهم فى الاخرة من المخذولين ❋ والذين يعبدون الله مخلصين له الدين * ولا يتخذون ارباباً غيره عملاً ومعنًا فى قلوبهم ابدًا * ويسعون فى توحيدهم سعيًا بليغًا ليلاً ونهارًا ليغلبوا * ويستفتحون على اعدآئهم بتوحيدهم * فاولئك هم الغلبون ❋ تتجافى جنوبهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفًا وطمعًا ومما رزقناهم ينفقون (٣٢: ١٦) ❋ وقليلاً من الليل ما يهجعون (٥١: ١٧) ❋ ليجاهدوا فى سبيله بايديهم وارجلهم حق جهاده وليغيروا ما بانفسهم جاهدين ❋ وبالاسحار هم يستغفرون (٥١: ١٨) ❋ ليغفر الله لهم ما تقدم من ذنبهم وغفلتهم وما تاخر * وليرجعوا اليه مضاعفين سعيهم مقدمين ❋ هم الذين قالوا ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطانا (فى مساعينا) ربنا ولا تحمل علينا اصرًا كما حملته على الذين من قبلنا (لنستفتح على اعدآئنا) ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا (نظرًا الى وسع انفسنا وقلة حيلتنا) واغفر لنا وارحمنا انت مولنا فانصرنا على القوم الكفرين (٢: ٢٨٦) ❋ لهم البشرى فى الحيوة الدنيا وفى الاخرة لا تبديل لكلمات الله ذلك هو الفوز العظيم (١١: ٦٤) ❋ افرءيتكم ان اتكم عذاب الله بغتة او جهرة هل يهلك الا القوم الظلمون (٦: ٤٧) المشركون ❋ ورايتم انه من امن ولم يلبس ايمانه بظلم اولئك لهم الامن وهم مهتدون (٦: ٨٢)

فيا من يزعمون انه ما العبادة الا اعتكافكم فى بيوتكم او مساجدكم متصرفين عن خلق الله راغبين عما خلق الله فى السموت والارض وما بينهما بالحق * حاسبين خلقه باطلاً وعبثًا * مكررين اسمائه بلهًا وهزلاً * ما العبادة بزعمكم * وما هى بجمود فى زوايا كم الذى يستدرجكم الى الذلة والمسكنة * او عزلة تضعف قوتكم وتفشلكم * فتقولوا ما انزل الله علينا فى القران من شئ * وما هو شئ يصلح بالنا فى الدنيا بل يخربنا ويجبننا * بل هو الذى

فى انما العبادة الا اطاعة احكامه تعالى والسعى والعمل وما هى برهبانية -

هذا التوحيد او عبادة غير هذه العبادة التى كانت تنصرهم على اعدآئهم غالبين ❋ ولا اجد فى كلامه تعالى من اوله الى اخره مسحة من خبر الاناجيل ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون (٩ : ٣٣) ❋ فهل انتم تؤمنون بهذا القرآن من هذا القبيل لتظهروا على اعدائكم عابدين ❋ وبذا الصلوة لتخطفوا اكفار الارض مهللين ❋ وبذا التوحيد لتقبضوا على الارض راهبين ❋ وبذا العبادة لتعبدوا اقوام الارض سجدين ❋ ومن اطاع الله يطوع له جنت الارض ايها الغفلون ❋ فلستم بمؤمنين به ولستم له عابدين ❋ او مصلين ❋ او موحدين ❋ وما اكثر الناس ولو حرصت بمؤمنين ۝ وما تسئلهم عليه من اجر ان هو الا ذكر للعلمين ۝ وكاين من اية فى السموت والارض يمرون عليها وهم عنها معرضون ۝ وما يؤمن اكثرهم بالله الا وهم مشركون ۝ افامنوا ان تاتيهم غاشية من عذاب الله او تاتيهم الساعة بغتة وهم لا يشعرون ۝ قل هذه سبيلى ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعنى وسبحن الله وما انا من المشركين ۝ وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحى اليهم من اهل القرى افلم يسيروا فى الارض فينظروا كيف كان عاقبة الذين من قبلهم ولدار الاخرة خير للذين اتقوا افلا تعقلون ۝ حتى اذا استايس الرسل وظنوا انهم قد كذبوا جاءهم نصرنا فنجى من نشاء ولا يرد باسنا عن القوم المجرمين ۝ لقد كان فى قصصهم عبرة لاولى الالباب ما كان حديثا يفترى ولكن تصديق الذى بين يديه وتفصيل كل شئ وهدى ورحمة لقوم يؤمنون ۝ (١٢ : ١٠٣١ - ١١١) ❋

ولا شك فى ان كل واحد من اصول الاسلام اعنى التوحيد فى العمل ووحدة الامة واطاعة الامير والجهاد بالمال والجهاد بالانفس والهجرة والاستقامة الى السعى ومكارم الاخلاق و

(البقية من صحفة ٧٨) بتحريف كلمات الله عن مواضعها وتبديل مقاصد القرآن ليجعلوا ميسرا لا نفسهم وقد بينت فى كتابى تذكرة ان الله قصد من لفظ جنت الارض بالاشتقاق على انه جاء فى هذا المعنى فى القرآن فى مواضع شتى صراحة فليرجع القارى الى صفحات ١١٥ - ١١٦ -

تحت المتن للتشريح المزيد + ❋ اى هذا القرآن يقص عليكم كل ما يجرى فى العادة يوما فيوما فتبروا +

ويغلبكم على العٰلمين ۞ ويحييكم باحياء قوٰكم ۞ ويلين قلوبكم بتزكية نفوسكم ۞ ويشرح صدوركم
باجلاء الاوثان منكم ۞ فتمشوا فى الارض قاهرين ۞ مرسلين انعم ربكم على انفسكم مدرارا كالسماء
واكلين من فوقكم ومن تحت ارجلكم فرحين ۞ ولذلك قال هود لقومه يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ
اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى
قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ (١١: ٥٠-٥٢) ۞ ولذلك قال نوح لقومه يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَنِ اعْبُدُوا
اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ (٧١: ٢-٣) واستغفروا ربكم ۚ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ
مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ † وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ (٧١: ١٠-١٢) ۝ ولذلك
قال الله عز وعلا اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا
وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا
تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝ (٤١: ٣٠-٣٢) ۞ فما العبادة
الا ما يزيدكم قوة ويضعفكم نعمة ايها الضالون المفترون الراهبون ۞ والذى يجعل لكم جنت
فى هذه الارض ويجعلكم مالكى الانهار والعيون ۞ والذى يمدكم باموال وبنين ۞ والذى يبدل
خوفكم امنا ويستخلفكم فى الارض ويبشركم فى الحيوة الدنيا ليكون لكم فيها ما تشتهون ۞ وَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (٦: ٩٤) وقال ان هذا القران لا يفلحنى ولا يهدين ۞ كَلَّا اِنَّ هٰذَا
الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ (١٧: ٩)
افلا تذكرون ۞ ومن اجدر بعذاب الله لانكم لا تعلمون كتابه او تحرفون معناه الا انفسكم فتخذلون ۞
ووالله لا اجد فى كل ما جرى فى القرون الاولى فى عهد نبينا صلعم صلوة غير هذه الصلوة او توحيدا غير

† فيصدر من الحوض فى هذه الايات انه تعالى معنى بقوله جنت تجرى من تحتها الانهر الا جنت الارض وعيونها لا الجنة الاخرة قط كما فهم كل الشارحين وعلماء الدين منه - فما قصد عز وجل منه فى اى مقام الا الاستخلاف فى الارض والتمكين من برها وبحرها ويؤيد هذا القول قوله تعالى فى هذه الايات يزدكم قوة الى قوتكم وقوله يمددكم باموال وبنين وقوله يرسل السماء عليكم مدرارا - فما فهم علماؤنا من لفظ جنت الجنة الاخرة الا بالمكر (الباقى)

الايمان ويؤيد هذا القول قوله إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَ
جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (٤٩:١٥) ✻ وقوله وَالَّذِينَ آمَنُوا
وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ

فی ان الجهاد بالمال و الانفس والهجرة من الایمان

كَرِيمٌ (٨:٧٤) ✻ وقوله آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۖ
فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَأَنفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالرَّسُولُ
يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (٥٧:٧-٨) ✻ وقوله وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ
الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا (٣٣:٢٥) ✻ وَاَمَّا الاستقامة فی العمل مع التوكل فی النتائج فمثلها

فی ان الاستقامة فی العمل من الایمان

على الايمان بقوله وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ✻
(٣:١٣٩) ✻ وبقوله يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (٣:١٩٩) ✻
وبقوله إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَاتٌ
عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (٨:٢-٤) ✻ وبقوله تعالى فی بنی اسرآءیل قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ
يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنتُم
مُّؤْمِنِينَ (٥:٢٣) ✻ وبقوله يَا قَوْمِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّسْلِمِينَ (١٠:٨٤) ✻
واما مكارم الاخلاق اعنی السعی للاعمال الاخرة من دون الاعمال العاجلة التی تؤدی الیکم اجورکم
من فوز وما تبقی لکم من ثواب الله الی یوم القیمة الا عذابا فحملها الله علی الایمان فی قول شعیب وَلَا

فی ان مکارم الاخلاق من الایمان

تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ وَيَا قَوْمِ
أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ بَقِيَّتُ اللَّهِ
خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (١١:٨٤-٨٦) ✻ وفی قوله يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا

العلم والايمان بالاخرة التى تقدم ذكرها من لوازم الايمان بل شرائطه التى ما كانت لها ان تُفكّ عن الايمان ○ فمن لزمها استقام فى ايمانه ○ ومن صرف عنها سقط ايمانه ○ فتدبّروا ان انتم قوم يتفكرون ✲ فاما التوحيد فى العمل او تعبّده تعالى فلا يخلوا عمله عن كلا الحالين ○ اما باشد خشيته واتقائه ○ او باشد حبّه وابتغاء وجهه ○ حمل الله كلاهما على الايمان وقال فى خشيته، اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ○ (٩: ١٣) ✲ وفى اتقائه: اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ○ (٥: ١١٢) ✲ وفى حبّه وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (٢: ١٦٥) ○ فلا يدخلون فى جوف قلوبهم احدًا من العلمين ✲ واما وحدة الامة فحملها الله على الايمان بل الزمها علينا بقوله اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (٤٩: ١٠) ✲ وبقوله يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (٣: ١٩٩) ○ وبقوله فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (٨: ١) ✲ واما الطاعة الامير فدل على كونها من الايمان قوله تعالى لمعاصرى النبى فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (٨: ١) ✲ وقوله مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○ (٣٣: ٣٦) ✲ بل قوله يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (٤: ٥٩) ✲ وقوله اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (٢٤: ٦٢) ✲ واما الجهاد بالمال والجهاد بالانفس والهجرة فحملها كلها على

قال وحدة الامة واطاعة الامير من لوازم الايمان

فلاشك فى ان العلم هو الذى يصدر من دراسة اشياء الطبيعة ومطالعة صحيفة الفطرة باستعمال السمع والابصار والافدة * ومن علم اعماله تعالى مشاهدة ومواجهة * ودرس كتاب الله الذى هو بين يديه شاهدًا عليه فهو الذى قد علم ربه * وهو الذى عرفه حق معرفته * بل خشيته حق خشيته * فالعلماء هم الذين يتقون بالله بالحق واولئك الذين يؤمنون به اينما تنظرون تقشعر من درسه جلودهم ثم تلين قلوبهم الى ذكر الله (٣٩ : ٢٣) * لانهم شهدوا اعماله العظيمة الجليلة باعينهم بل شهدوا ملئكته وجنوده التى لا يعلم وسعها وعددها الا هو بسمعهم وابصارهم فلما عجزوا شهدوا انه هو العزيز الحكيم البارئ الفاطر الجبار القهار الذى لا اله الا هو وهو على كل شئ قدير فلذلك شهد الله (على نفسه بعظمة اعماله) انه لا اله الا هو والملئكة (شهدوا عليه بقدرتهم ووسعتهم) واولوا العلم قائما بالقسط (شهدوا على وحدته وعظمته بمشاهداتهم انه) لا اله الا هو العزيز الحكيم (٣ : ١٧) فلاشك ان اولى العلم هم الذين يورثهم الانبياء فى زماننا هذا * لانهم يرثون علمهم ونبأهم بعد ختم الانبياء * بل ياتون بالنبأ العظيم الذى جاء به الانبياء من قبل نبذًا منه * ليهدوا اقوامهم قائمين بالقسط الى صراط مستقيم وهم الذين يعرفون ربهم بوساطة قانونه * ويطمعون ان يبتغوا وجهه باتباع مسنونه * ويخافونه ليرجوا ثوابه * وينهون جماعتهم عن البغى والنفاق ليتقوا عذابه * ويسجدون له عملًا ومعنًا ليبتغوا فضله * بل يصلون صلوة النجم والشجر † لينظموا جماعتهم * ويجاهدون باموالهم وانفسهم ليهدوا قومهم * ويهدونهم بعلمهم لعلهم يفلحون ولذلك قال الله لكم ان الذين يتلون كتاب الله (اى صحيفة الفطرة) واقاموا الصلوة وانفقوا مما رزقنهم سرًا وعلانية يرجون تجارة لن تبور * ليوفيهم اجورهم ويزيدهم من فضله انه غفور شكور * والذى اوحينا اليك من الكتاب هو الحق مصدقا لما بين يديه ان الله بعباده لخبير بصير (٣٥ : ٢٩-٣١) فلاشك فى ان

* وليطالع القارئ الى صفحة ٦٣-٦٤ لتشريح هذه الصلوة * اى ما اختصصتك من القانون من صحيفة الفطرة وما اوحيت اليك منه هو يصدق ما يجرى بين يديه *

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ○ (٢: ٢٢٨) ❊ وفى قوله اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ
وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ
مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (٢٤: ٢) ❊ واما الايمان بالآخرة فمعظم القرآن يشهد على انه من عمل الاعمال
العاجلة ليأخذ اجره من فور * ولم يأتوا اجره على الله * ولم يرج لقائه تعالى يوم القيمة * ولم يرد
الا الحيوة الدنيا * وقال مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ (٤٥: ٢٤) * وامر

فى ان الايمان بالآخرة من الايمان

نفسه بالسوء ليهلك قومه * فلم يؤمن عنده * ولم يسلم وجهه له * فلذلك قال الله مَنْ كَانَ
يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيْهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ
اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ (١٧: ١٨-١٩) * ولذلك قال اِنَّ الَّذِيْنَ
لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ○ اُولٰئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ
بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (١٠: ٧-٨) ❊ فلاشك ان الايمان بالآخرة فرع من فروع الايمان التى ماكانت لها
ان تنفك عنه ويشهد على ذلك قوله هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (٢: ٢) * اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ
مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○ (٢: ٤) مع قوله اِتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (٥: ١١٢) ❊

واما العلم فجعل الله تحصيله على الايمان وقال اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (٤٥: ٣) * وقال خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (٢٩: ٤٤)

فى ان العلم والذى يصدر من الايمان لامن لوازمه وما العلم الا من اعمال الله ومطالعة صحيفة الفطرة.

وقال وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا
اللّٰهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (١٦: ٧٨-٧٩) ❊ وماكان للعلم ان ينفك عن
الايمان ويشهد على ذلك قوله وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهُ كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ
مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ○ (٣٥: ٢٨) مع قوله اِتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (٥: ١١٢) ❊

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا
وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
فِی الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ† عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (٣: ١٨٩-١٩٧) ❋ فلا شك
فی ان علماء الطبیعة واولی الالباب الذین یتفکرون فی خلق السموٰت والارض هم الذین یذکرون
الله قیاما وقعودا وعلی جنوبهم * لانهم یفتشون خلقه لیلا ونهارا لیعرفوا قانونه * ویخوفون
قومهم عذابه لیتبعوا سنته * ویؤمنون بالقران عملا ومعنا لیکفروا عنهم سیاٰتهم فی الدنیا * و
یعملون الاعمال الاخرة لیبدلوا خوفهم امنا * ویهاجرون ویخرجون من دیارهم ویؤذون فی سبیله و
ویقتلون ویقتلون لیدخلوا جنت الارض خلدین ❋ وکل هذا ما یفعل الغربیون النصرانیون
فی زماننا هذا علما وعملا لانهم یعلمون قانونه ویعملون الصلحت ویستفضلون فی جنت الارض بعلمهم و
تفکرهم * ولا یغرهم تقلبکم فی بلادکم الباقیة لانهم یعلمون انکم لا تتمتعون فیها الا قلیلا ثم تخذلون
وتخرجون ❋ فهذا نزلهم من عند الله علی هذه الارض لانهم یخرجونکم من دار الی دار فیمشون فی جناتهم
امنین ❋ بعلمهم صحیفة الفطرة وبایمانهم بکتب الله الذی هو بین ایدیهم * بل بایمانهم بالقران
الذی هو بین ایدیکم * ولا شك فی انهم هم الابرار الذین امنوا وعملوا الصلحت فی هذه الارض فی زماننا
هذا * ولا شك فی انهم هم المفلحون ❋ ولا تظنوا انه ما کان للنصرانیین الغربیین المعاصرین ان
یؤمنوا بقرانکم هذا وان لم یروه او یدرسوه کدرسکم فالله شهد علی ایمانهم به وعلمهم فی القران فی ما یلی
الایت التی تقدم ذکرها وقال وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ
اِلَیْهِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰهِ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ‡ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ

† فیصدر من قوله من عند الله ان الاجر هو اجر الدنیا ای جنت الارض لانه قال بعد ذلك وما عند الله (فی الاخرة هو) خیر منه ‡ ای اجرهم فی الدنیا لانه سریع الحساب *

القرآن هو الفطرة * بل هو الذی لخص فیه روح من امره تعالیٰ * ولا شك فی ان قانون ذلك الكتب هو ما یصدر من دراسة كتب الله اعنی صحیفة الفطرة * ولا شك فی ان قانونه یصدق لما یجری فی العادة وما یجری بین یدیه یوماً فیوماً * فمن فاز فی هذه الدنیا فقد افلح بذا القانون * ومن هلك هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ (٨: ٤٢) منه * فتدبروا ان انتم قوم یتدبرون ❋ ونظراً الی كل ما تقدم من قوله تعالیٰ فی حقیقة العلم القول الفیصل الذی لا یشك فیه هو ان علماء الطبیعة هم الذین یؤمنون بتوحیده تعالیٰ بالحق * بل یؤمنون بكتب الله الذی عرضه السموٰت والارض بالحق * بل بالكتب الذی اوحاه الله الی نبینا صلعم * فانه قال بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (٢٩: ٤٩) ❋ فما العلم الا فرع من فروع الایمان التی ما كانت لها ان تفك عنه * و من علم اعماله تعالیٰ بحد وسعه وبلغ فیه اشد مبلغه فهو الذی قد امن به * فلذلك قال الله فیهم نظراً الی سجودهم لیلاً ونهاراً لاحكامه وخیفتهم عذابه ورجاءهم رحمته بل قیامهم بالقسط لیحذروا اقوامهم من عاقبة امرهم فی الدنیا والعقبیٰ: اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (٣٩: ٩) ❋ وسمی الله العلماء اُولُوا الْاَلْبَابِ لكونهم متفكرین فی خلق سموٰته وارضه لیعلموا قانونه ویدركوا مشیئته * ولیفهموا ما یرید الله منهم ومن قومهم * ولیتقوا عذابه فیؤمنوا به ویفعلوا ما یؤمرون ❋ فلذلك قال الله فیهم اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

* ای نظراً الی الرسول الذی بعث الله فیهم فانه قال وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا (١٦: ٣٦) وقال وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (١٠: ٤٧) +

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (٣٨: ٢٧-٢٨) ✻ ومن بعد ذلك اشار الى كتابه ليتدبره اولوا الالباب الذين يتفكرون فى خلقه نظرًا الى استنباط قانونه منه وليتبعوه فيفلحوا وقال كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (٣٨: ٢٩) ✻ ولذلك حرض الله الناس على مشاهدة خلقه وقال لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (٤٠: ٥٧-٥٨) ✻ بل لذلك اثنى الله على انبيآءه وحمل علمهم وتفكرهم فى خلقه واستعمالهم اشيآء الطبيعة ومواليدها اشد مصرفها على الايمان وقال وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝ (٢٧: ١٥-١٦) ✻ فما كان منطق الطير هذا الا ما جهد سليمن عليه السلام فى استعمال الطير واستخدامها لاجراء حكمه من بلد الى بلد • او لايلاغ رسلته حين الباس والجهاد فى سبيل الله مثل ما استخدم داود وسليمن الشجعان والابطال وغيرهما من الذين كانوا يعوذون فى غيابات الجبال والتواحل • من البنآء والغواص والعمال والصنّاع • سخرهم بنو اسرآءيل الجن والشيطين لفطانتهم ولكونهم صُنعى الايدى فى اعمالهم • والذين كانوا يهاجرون الى مُلك بنى اسرآءيل ويأتون من كل فج عميق ليخدموهم • وليبنوا مصانع لهم ويرفعوا مساكنهم ومساجدهم • ويحرثوا طبقات الجبال لهم • ويسوقوا مراكبهم على البر والبحر نظرًا الى تسخيرهم الريح • ويعدنوا الاحجار والمعادن لهم نظرًا الى تسخيرهم الجبال واقطاع الارض • كما يعبدكم او يستخدمكم المغربيون الان لطلب النفع منكم • وليسخروا ما خلق الله فى السموت والارض جميعًا لهم • ومع هذا يسمونكم تسمية الفقرآء والحفوآء بل يقرونكم فى الاصفاد لتعبدوهم فتوزعوا لهم فلذلك قال الله فيهم وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ (٢٧: ١٧) ✻ ولذلك اثنى

الحساب (٢٦:١٩٨) ✻ بل شهد على ايمان علماء اليهود به فى القرون الخالية حين كانوا يأكلون من
فوقهم ومن تحت ارجلهم لكونهم مقيميه وقال وانه لتنزيل رب العلمين ۝ نزل به الروح الامين ۝
على قلبك لتكون من المنذرين ۝ بلسان عربى مبين ۝ وانه لفى زبر الاولين ۝ اولم يكن لهم اية
ان يعلمه علمؤا بنى اسرآءيل ۝ (٢٦:١٩٢-١٩٧) ✻ بل قال فيكم نظرا الى فقدان علمكم وعملكم وايمانكم به
فى زماننا هذا ولو نزلناه على بعض الاعجمين ۝ فقرأه عليهم ما كانوا به مؤمنين ۝ كذلك سلكنه
فى قلوب المجرمين ۝ لا يؤمنون به حتى يروا العذاب الاليم ۝ فيأتيهم بغتة وهم لا يشعرون ۝ فيقولوا
هل نحن منظرون ۝ افبعذابنا يستعجلون ۝ افرءيت ان متعنهم سنين ۝ ثم جاءهم ما كانوا يوعدون ۝
ما اغنى عنهم ما كانوا يمتعون ۝ وما اهلكنا من قرية الا لها منذرون ۝ ذكرى وما كنا ظلمين ۝
(٢٦:١٩٨-٢٠٩) ✻ فلا شك فى انكم لا تعلمون القران ولا تؤمنون به ايها الاعجمون المجرمون الهالكون
وما يغنى عنكم وانتم تمتعون فى الدنيا عدد سنين ✻ فاتاه هوات ما انتم به توعدون ✻ وما انتم
بمؤمنين بالقران حتى تروا العذاب الاليم ✻ افبعذاب ربكم تستعجلون ✻ فيأتيكم بغتة وانتم
لا تشعرون ✻ والمغربيون هم الذين يؤمنون بالقران العظيم ✻ بعلمهم وعملهم
فى زماننا هذا ولو كره المسلمون المرتسمون ✻ لانهم هم الذين خاضوا فى السموت والارض اشتا
خوضا فى هذا الزمان * واستنبطوا من هذا الكتب الجليل المبين ايات الله البالغة النافعة التى
هم بها مستمسكون ✻ فلا شك فى انهم هم المؤمنون ✻ فانه من امن بسموته وارضه التى خلقهما
الله بالحق وعمل صالحا فهو الذى قد امن به بالحق * وهو الذى اشهد على وحدته وقانونه
بل راى ملكوت السموت والارض بعينه * وهو الذى امن بقرانه * واسلم وجهه له * وتنظم واصلح
فتقوى * واتقى عذابه * واولئك من المتقين المصلحين ✻ ولذلك قال الله لكم وما خلقنا السمآء
والارض وما بينهما باطلا ذلك ظن الذين كفروا فويل للذين كفروا من النار ام نجعل الذين امنوا

فی الاخرة من الصّٰلحین ۞ فنبّئونی بما صلاحکم فی هٰذه الدّنیا ایّها الغافلون الجاهلون ۞ و
بما تشترون نجاتکم فی العقبٰی ان کنتم صٰدقین ۞ فالمغربیّون هم الّذین اٰمنوا باللّٰه علٰی علمهم†
وعملوا الصّٰلحٰت بایدیهم وارجلهم بالحقّ فاولٰٓئک هم المفلحون ۞ وقد قال اللّٰه لکم فی اُمم
خلت من قبلکم وَلَقَدْ نَجَّیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ۙ مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ کَانَ عَالِیًا مِّنَ الْمُسْرِفِیْنَ ۝
وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰی عِلْمٍ† عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝ (۴۴: ۳۰-۳۲) ۞ وقد قال اللّٰه لکم وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ
مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۝ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ
اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًا بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ
تُرْجَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ
عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝ (۴۵: ۱۳-۱۶) ۞ فما فضّلوا الّا لانّهم تفکّروا فی خلق السّمٰوٰت والارض ۔ وسخّروا
لانفسهم ما فیهما وما بینهما وما علیها نبذًا منه ۔ واٰمنوا بالّذی خلقه اللّٰه بالحقّ وعملوا صالحًا
بالقطر والحدید فجزاهم اللّٰه بما کانوا یکسبون ۞ وانتم لا ترجون ایّام اللّٰه ولا تبتغون فضلا منه لانّکم
لا تؤمنون ولا تصلحون بل تؤمنون بالظّنّ من دون العلم وتؤمنون باباطیلکم الشّرعیّة المفرّقة ۞ و
ظنونکم المهلکة المعطّلة ۞ ومسائلکم الفقهیّة الواهیة ۞ ما انزل اللّٰه بها من سلطٰن وبیّنة ۞ تحسبون
خلقه عبثًا وباطلًا* وتتّخذون اٰیٰته سخرًا وهزلًا ۞ تمکرون فی نحوکم وبلاغتکم وشعرکم انّکم اولو علم*
وتعتقدون بالجانّ والقبور والاولیاء لتفلحوا بهم ۞ وتتّخذون اٰلهة من الارض لتمکروا فی توحیدکم ۞
فلا واللّٰه انتم قوم تجهلون ۞ وقد قال اللّٰه لکم وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَکَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِکَ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ ۝ (۲۹: ۵۲) ۞ وقد قال اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ۝ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰی
کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ (۴۵: ۲۱-۲۲) ۞ وقد نبّهکم اللّٰه فی صفة العلم بقوله وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ

† ای من کونهم اولی علم +

عليهما لتسخيرهم اشياء الطبيعة * وسعيهم لاجراء الصنعة والتجارة والعلم في ملكهم وقال وداود وسليمن اذ يحكمن في الحرث اذ نفشت فيه غنم القوم وكنا لحكمهم شهدين ففهمنها سليمن وكلا اتينا حكما وعلما وسخرنا مع داود الجبال يسبحن والطير وكنا فعلين وعلمنه صنعة لبوس لكم لتحصنكم من بأسكم فهل انتم شاكرون ولسليمن الريح عاصفة تجرى بأمره الى الارض التي باركنا فيها وكنا بكل شئ علمين (٢١: ٧٨-٨١) ☆ وقال في تسخير سليمن البحر واجراء حكمه عليه فسخرنا له الريح تجرى بأمره رخاء حيث اصاب والشيطين كل بناء وغواص واخرين مقرنين في الاصفاد هذا عطاؤنا فامنن او امسك بغير حساب وان له عندنا لزلفى وحسن مأب (٣٨: ٣٦-٤٠) ☆ وسمى الله داود ذا الايد لكونه عمالا وبناء في ملكه * ولانه عمر ارضه اشد عمارة * ومد زالمدائن * واشاع العمران في ملكه وسخر الجبال والطير لتقوية قومه وتشديد ملكه فقال واذكر عبدنا داود ذا الايد انه اواب انا سخرنا الجبال معه يسبحن بالعشى والاشراق والطير محشورة كل له اواب وشددنا ملكه واتيناه الحكمة وفصل الخطاب (٣٨: ١٧-٢٠) * واثنى عليه اشد ثناء لانه بلغ اشد مبلغه في صناعة الحديد وعمل السبغت وتقدير السرد * وثنى عليهما كل تثنية وحمدهما اسالا على الارض عيونا من الحديد والقطر من الجبال التي سخرها بوساطة الجن والشيطن وحمل كل هذا على الصلاح والايمان وعبادة الرب وشكره وقدره حق قدره وقال ولقد اتينا داود منا فضلا يجبال اوبى معه والطير والنا له الحديد ان اعمل سبغت وقدر في السرد واعملوا صالحا اني بما تعملون بصير ولسليمن الريح غدوها شهر ورواحها شهر واسلنا له عين القطر ومن الجن من يعمل بين يديه باذن ربه ومن يزغ منهم عن امرنا نذقه من عذاب السعير يعملون له ما يشاء من محاريب وتماثيل وجفان كالجواب وقدور رسيت اعملوا ال داود شكرا وقليل من عبادي الشكور (٣٤: ١٠-١٣) ☆ فهذا ما كان لهم بها من علم ومن عقل وفكر في مخلوقاته وهذا ما كانوا يعلمون ☆ ليعملوا صالحا في الدنيا وليكونوا

اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۷:۱۵۷) ۞ یدعوکم لما یحییکم بالعلم والعمل وما اسلامه الا العلم والعمل بل ما ایمانه بشیٔ اٰخر فَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (۷:۱۵۸) ۞ ومن قوم عیسیٰ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ۝ (۷:۱۵۹) ۞ ومالکم لا تؤمنون ولا تصلحون ۞ النصرانیون قد بلغوا اشد مبلغهم فی العلم والعمل ومالکم لا تعلمون ولا تعملون ۞ لقد ورثوا الارض صعیدها وجزرها وبرها وبحرها فصاروا من عباده الصلحین ۞ لقد اٰمنوا بالتوحید علماً وعملاً علی قولهم اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ (۵:۷۳) ۞ ولقد انتهوا عما کانوا یقولون فاستخف الله منهم العذاب بل صاروا من المحبوبین ۞ ومالکم لا تخطفون ارضهم بل تخرجونهم من ارضکم ومالکم کیف تحکمون ۞ افامنتم ان یذروکم فی ما بقی من دیارکم اٰمنین وقد قبضوا علی ارض مکتکم والبیت المقدس مهللین ۞ اَوَامنتم ان یغفر الله لکم ما قد سلف انه غنیٌّ عن العٰلمین ۞ وکم من امة ذات قوة اهلك الله من قبل وما بلغتم معشار ما بلغوا فهل تحسون منهم من احد او تسمعون لهم رکزاً سائحین ۞ فالحق انکم لا تسمعون اذ تدعون ۞ تبکون فی زوایاکم کربات الحجال فلما لا تحلون من اساور من ذهب ولؤلؤاً لتبکوا علی قسمتکم مشتهی قلبکم صاکین ۞ وتلك الایام یداولها الله بین الناس لیمحص الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ (۳:۱۴۰) ۞ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (۸:۸) ۞ وان انتم تکرهون کل هذا فلما لا ترجعون ۞ او تتوبون ۞ وَلِمَ تقولون مکراً انه لغفور رحیم ۞ فوالله ان ربکم لیس لکم بغفور رحیم ۞ فانه قال وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (۷:۱۵۳) ۞ بل قال ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (۱۶:۱۱۹) ۞ وقال اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (۲۴:۵) وقال اِلَّا مَنْ

۞ الاشارة الی قوله تعالی لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (۵:۷۳-۷۴) ۞ ولا شك فی ان النصرانیین فی زماننا هذا قد استغفروا الله وقد تابوا الیه لانهم لا یعتقدون الان ما لوهته المسیح بالعمل الا ما قال الجهلاء منهم بافواههم ولا یصنمونه کما کانوا یصنمونه فی القرون الخالیه ولا یؤمنون فی قلوبهم انه ابن الله ۔ ولذلك قال اُسْقُفُهُمْ (الباقی)

لك به علم إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولا ۝ (١٧:٣٦) افلا تذكرون ۝
فما العلم الا ما يصدر من استعمال السمع والبصر والفؤاد وما العلم الا ما تشهدون بابصاركم وتسمعون بسمعكم
وتجربونه ليلا ونهارا بفؤادكم والذى لم تشهد عليه سمعكم وبصركم وفؤادكم هو الظن فما تتبعون
الا الظن وان انتم الا تخرصون ۝ وان ربك هو اعلم من يضل عن سبيله وهو اعلم بالمهتدين ۝
(١٦ ١١٨) ۝ ولله ما فى السموت وما فى الارض ليجزى الذين اساءوا بما عملوا ويجزى الذين احسنوا بالحسنى
(٥٣:٣١) افلا تعقلون ۝ فالذين امنوا واحسنوا واصلحوا فى هذه الارض ولم يبتغوا الا العلم ولم
يؤمنوا الا بالحق يجزون بالحسنى ويفلحون ۝ وانتم لا تصلحون ولا تؤمنون فلا تجزون الا ما تكسبون ۝
وقد وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم فى الارض كما استخلف الذين
من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضى لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم امنا يعبدوننى
لا يشركون بى شيئا ومن كفر بعد ذلك فاولئك هم الفسقون (٢٤:٥٥) ۝ فلما لا يستخلفكم
الله ولما لا يبدل خوفكم امنا وهم يخلفون ۝ وتبدلون بقوم غيركم فتضرون ۝ ولن يخلف الله وعده
(٢٢:٤٧) ابدا افلا تسمعون ۝ فلا شك انكم لا تؤمنون ولا تعملون الصلحت ولا تعبدونه بل
تشركون به واكثركم الفسقون ۝ والمغربيون هم الذين امنوا وعملوا الصلحت فى زماننا هذا
فيستخلفهم الله ويستدرجكم من حيث لا تعلمون ۝ اكرهوا كل هذا ولا تكرهوه وسبوا قائله اولا تسبوه
لكنكم لها لكون ۝ فانك لا تسمع الموتى ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرين ۝ وما انت بهد العمى
عن ضلالتهم ان تسمع الا من يؤمن بايتنا فهم مسلمون (٣٠:٥٢-٥٣) ۝ وحرام على قرية
اهلكنها انهم لا يرجعون (٢١:٩٥) ۞

فيا معشر الهالكين! ويا زمرة الميتين المستهلكين! المتعارفين فى زماننا هذا بالمسلمين
المؤمنين! مالكم لا تتبعون الرسول النبى الذى يضع عنكم اصركم والاغلال التى تقيدكم فالذين

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۹:۲۷) ❁ فيايّها المسلمون المتجاهلون المعاصرون! ويا ايّها المتساهلون الباغون العادون! الّذين يعملون السّيّاٰت بالتّعمّد وماهم بمضطرّين ❁ والّذين لا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۵:۷۴) ❁ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۴:۲۲) ❁ ماكان الله ان يتوب عليكم ولستم بتآئبين اليه من فورٍ بل تنتظرون ❁ ان يحلّ عليكم غضبه ومن يحلل عليه غضبه فاولٰٓئك هم الظّٰلمون الهالكون ❁ وكيف تزعمون ان يكون الله لكم غفورًا رحيمًا ولستم بفاعلين ما يامركم ربّ العٰلمين ❁ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (۱۳:۶) افلا تعقلون ❁ فوالله ما ربّكم لكم بغفورٍ رحيمٍ ❁ ان هو يغفور الّا للمغربيّين النّصرانيّين المؤمنين الّذين يداومون فى زماننا هٰذا على جهادهم بالسّيف والانفس ليكفّوا ايدى الاعداء عنهم ❁ والّذين يهاجرون من ملك الى ملك لتقوية قومهم والذين يصبرون فى سعيهم صبرًا تامًّا فانّه قال ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جَاهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۶:۱۱۰) ❁ وقال اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲:۲۱۸) ❁ وماهو بغافرٍ لاحد او راحمٍ الّا بالّذين يداومون على جهادهم بالمال والايمان بالاٰخرة والايمان بالله وعلى توحيدهم عملًا ومعنًا فانّه قال وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۹:۹۹) ❁ وما يغفر الّا للّذين لم يتفرّقوا ولم يمردوا على النّفاق بل داوموا على وحدة الامّة فانّه قال وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۹:۱۰۱-۱۰۲) ❁ وللّذين داوموا على اطاعة اميرهم وآمنوا به

(البقية من صفحة ۹۲) او بكونه ابن الله الّا فى الاستعارة والتشبيه وانّما نعتقد انّه كان بشرًا مثلنا الّا انّه قد جاء من ربّنا ليهدينا، فتدبّر.

تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝ (٢٥:٧٠-٧١) * وقال اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ
اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (٢:١٦٠) ✲ فما انتم تعملون السّيّات بجهالة * وما انتم بتائبين الى اللّٰه
وما تؤمنون * وما تصلحون * وما تعملون الصّٰلحٰت * وما تبيّنون بل تكتمون شهادة اللّٰه * فكيف يبدّل
اللّٰه سيّاٰتكم حسنٰت * وكيف يكفّر عنكم بالكم السّوٓء * او يغفر لكم بظلم وانتم ظالموا انفسكم ببغيكم * وعملكم
عمل الكٰفرين ✲ فانه قال وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ (٢٠:٨٢) افلا تعقلون ✲
بل قال نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝ (١٥:٤٩-٥٠) ✲ وقال اِعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (٥:٩٨) ✲ وقال رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ
فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (٦:١٦٦) ✲ فما هو الا انّه يرفع بعضكم على
بعض بعد ان ابتلاكم فى انعمكم التى اٰتٰكم * فمن يكفر بانعمه يظلم نفسه فانه يعذّبهم * ومن يشكر يغفر لهم
يل يزدهم فضلًا ورحمة * فانّه قال لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (١٤:٧) وما ربّكم بظلّام للعٰلمين ✲ فَمَنْ
تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (٥:٣٩) ✲ وَاِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ
لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (٤:١٧) واللّٰه بصير
بما تعملون ✲ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْئٰنَ
وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ (٤:١٨) * فمن اٰمن واصلح من قريب غير باغٍ ولا عاد * وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا
اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (٤:١١٠) و مَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ
عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (٢:١٧٣) ✲ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (٣٣:٥) ✲ افلا تستعجلون بتوبتكم خٰشعين ✲ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ
(٢:٢٢٥) فان تبتم يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ (وهو لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ (١٢:١٠٠)) اِنَّ اللّٰهَ

(البقية من صفحة ٥١) الاعطيا لاغلتر على الاعلان فى مجمع الاحبار الذى يسامرون به ويشاورون حاتا بعد علم نظرا الى ابلاغ دينهم اتساو من معنا لانعتقد بالوهية المسيح (التابع)

رَّحِيمٌ ✻ ان هو يغفر الا للذين يتبعون العشرة المبشرة من اصول الاسلام عملاً ومعناً ومن تبعها
فاولئك هم المفلحون ✻ ومن صرف عنها فهم لا يستبعتون ✻ لا فى الدنيا ولا فى الاخرة ايما
تنظرون ✻ وان تستغفروا لانفسكم سبعين مرة اوتتوبوا اليه اكثر منه باقوالكم اوكلما تكم المستغفرة
فلن يغفر الله لكم ذلك بانكم كفرتم بالله ورسوله والله لا يهدى القوم الفسقين† (٩ : ٨٠) ✻ وان
تعملوا وتعلموا فان الله غفور رحيم ✻ يؤتيكم اجوركم من فور والله ذو الفضل العظيم ✻ يستخلفكم
فى الارض لتاكلوا من فوقكم ومن تحت ارجلكم خلدين ✻ وان تولوا فان هذا الا **البلغ المبين** ✻
وعليكم اسرافكم ان اصحتم فى الارض مذلين ✻ وانه قال لكم يعبادى الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من
رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا انه هو الغفور الرحيم ۝ وانيبوا الى ربكم واسلموا له من
قبل ان ياتيكم العذاب ثم لا تنصرون ۝ واتبعوا احسن ما انزل اليكم من ربكم من قبل ان ياتيكم
العذاب بغتة وانتم لا تشعرون ۝ (٣٩ : ٥٣-٥٥) ✻ وان لم يستحى الله من ان يهلك قوم نوح وابرهيم و
صالح ولوط وشعيب وموسى وغيرهم من انبيائه فلما يستحى من ان يهلك امة **محمد** افلا
تعقلون ✻ وقد قال لكم وكم اهلكنا من القرون من بعد نوح (١٧ : ١٧) ما كان اكثرهم مؤمنين ۝
(الشعراء ٢) ✻ وقال اولم يهد لهم كم اهلكنا من قبلهم من القرون يمشون فى مسكنهم ان فى ذلك لايت
افلا يسمعون ۝ (٣٢ : ٢٦) ✻ وقال الم يروا كم اهلكنا قبلهم من القرون انهم اليهم لا يرجعون (٣٦ : ٣١) ✻
وما كان ربك ليهلك القرى بظلم واهلها مصلحون ۝ (١١ : ١١٧) ✻ فيا ايها المسلمون ! توبوا الى الله
من قبل ان ياتيكم اليقين ✻ فالله لا يستحى منكم ومن العلمين ✻ وانه هو الدمار ذو القوة
المتين ✻ واعلموا ان **كل** واحد منكم فى الاخرة من الماخوذين ✻ يؤاخذكم **فرادا** فرادى
ولو نلتم ههنا اجوركم مجموعين ✻ لئلا تقولوا لعل الله يعفو اعنى او يغادرنى فاكون من المفلحين ✻
فاذا وقعت الواقعة ۝ ليس لوقعتها كاذبة ۝ خافضة رافعة ۝ (٥٦ : ١-٣) ✻ وسيرت الجبال وترى

† الاشارة الى قوله تعالى استغفر لهم او لا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم ذلك بانهم كفروا بالله ورسوله والله لا يهدى القوم الفسقين (٩ : ٨٠)

ما داموا فی الارض فاولٰئک الذین یحبّهم الله ویغفر لهم ذنوبهم ویؤیّد هٰذا قوله لمعاصری النبیّ
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ قُلْ اَطِیْعُوا
اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ۝ (۳: ۳۰-۳۱) ✿ والذین یستاذنون امیرهم
لبعض شانهم واذا کانوا معه علی امر جامع لم یذهبوا حتّی یستاذنوه وغضّوا اصواتهم عنه ولم یرفعوا
اصواتهم فوق صوته فاولٰئک الذین یغفر الله لهم فانّه قال اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ
یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (۲۴: ۶۲) ✿ وما هو بغفور رحیم الّا للذین یجهدون جهدًا بلیغًا فی مکارم
الاخلاق ویسعون ان یزکّوا انفسهم عن رجز الشیطٰن فانّه قال یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّیْطٰنِ ؕ وَمَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ
وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ
اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (۲۴: ۲۱-۲۲) ✿ بل یغفر للذین یدرسون صحیفة الفطرة
ویستنبطون منها قانونه وعلمه فیشکرهم ویزیدهم من فضله ورحمته فانّه قال وَمِنَ
النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ
غَفُوْرٌ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ
تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۙ لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ (۳۵: ۲۸-۳۰) ✿
فیا من لا یعلمون ولا یعملون ! ویا من حقّ علیهم القول انّهم لهالکون ! والله ما ربّکم لکم بغفور

✿ فالمعنی هو انّه من یدرس اعمال الله والکتب الذی هو بین یدیه فیغفر له بل یزیده من فضله کما زاد الله النصرانیین علمًا وفضلًا وحکمًا فی زماننا هٰذا وقد جاء تشریح ما عنی الله بهٰذه الآیات المعلقة البلیغة علی صفحة ۸۳ من هٰذه الافتتاحیة وسیاتی تثبیته فی کتاب التذکرة کرّة بعد مرّة - واما قوله تعالی شکور فقصد منه انّه یشکر الناس ویعظّمهم بقدر سعیهم ویوفّیهم اجورهم مقدار ما قدروا الله بدراسة صحیفة الفطرة +

حتّٰی اسلم وجهه له * ولم یقبل منه قوله حتّٰی اعتصم بامره وقانونه * ومن اعتصم بمولاه ثم استقام فلا شكّ فی انّه كان من الماجورین ✿ ووالله ما یفعل احدٌ كلّ هٰذه العشرة حقّ فعله الّا من اشعر نفسه التّوحید * واستعمر الله قلبه من دون سائر الالهة * وشرح صدره للعمل لیشاكل قوله فعله * ومن قدّم لنفسه هٰذه الاعمال الاٰخرة بردّ جماعته الٰی معاد ومن افاز قومه بها فاولٰٓئك من الصّٰلحین ✿ وما هٰذه العشرة الّا قانون مولٰىكم الله فی هٰذه الارض وسنّته * وسنّة كلّ امّة مسلمة الّتی اصلحت ثمّ افلحت فی الدّنیا * بل سنّة اللهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِیْلًا (٣٣: ٦٢) افلا تذكّرون ✿ وانّ منكم لمن یؤمن بحكمة هٰذا القانون علٰی علمه فیهدی قومه علٰی بصیرة من ربّه * وانّ منكم لمن یعتقد بذا القانون مرتسمًا فیتّبعه اتّباعًا لكبرآئه * وانّ منكم من یتّبع بعمله ومن یُتّبع بعلمه * ومنكم من یطیع بایدیه وارجله ومن یطاع بسمعه وبصره وفؤاده * ومنكم سابقٌ بالخیرٰت ومقتصدٌ ومن هو ظالمٌ لنفسه * فیا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (لتفرّوا من هٰذا القانون) فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (٥٥: ٣٣) منه فانّه ما خلق الجنّ والانس الّا لیعبدوه وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ (٣: ٨٢) ✿ ارجعوا یا ایّها الثّقلٰن من قبل ان یاتیكم الیقین ✿ وانیبوا الٰی ربّكم ان اردتم ان تكونوا من المفلحین ✿ انیبوا لانّ اللهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (١٣: ١١) وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (٢١: ٩٥) ✿ وذروا شركآء الجنّ والهتكم الّتی تشغلكم عن السّعی والعمل كلًّا وقاطبةً ان كنتم مؤمنین ✿ ارجعوا فرادًا وارجعوا جمیعًا فانّكم الٰی ربّكم لتحشرون ✿ ووالله لا یفلح احدٌ منكم فی الاٰخرة حتّٰی یفلح قومه فی الدّنیا ومن افلح قومه وانْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ (٤٢: ٤١) وشركه فاولٰٓئك من المفلحین ✿ ومن یفعل كلّ هٰذه العشرة وما یلیها من الاوامر ویصدّق ایمانه بالعمل

الأرض بارزة (١٨:٤٧) ✻ وعرض الناس على ربهم صفوفا مسوية ✻ فقيل لنفس ايتى بما كنت تفعلين فى الدنيا فردا مفردة ✻ لانه ما كانت الدنيا الا مزرعة للاخرة ✻ ايتى بما كنت تشركين بالله سرا وعلانية ✻ فان عليك ما كنت تفعلينه وعلينا ما نفعله ✻ واهلى بكاء وتعزية ✻ فعلت لترضى قلبك وتجعلى يسرا لك فالان نفعل ما ترضينا وترضيه ✻ ادخلى فان لكم نارا حامية ✻ لانكم كنتم تستحبون الحيوة الدنيا وتذرون العاقبة ✻ و ما كنتم تفعلون ما امرتكم لتكونوا فى الدنيا فى عيشة راضية ✻ متكئين على سرر متقابلة ✻ فادخلوا نار الله الموقدة ✻ فيها ظمأ ونصب وتصلية ✻ خالدة باقية ✻ فيا ايتها النفس اهلى جزعا وفزعا ✻ وان منكم الا واردها كان على ربك حتما مقضيا (١٩:٧١) ✻ فانه قال وحشرناهم فلم نغادر منهم احدا (١٨:٤٧) ✻ لقد جئتمونا كما خلقناكم اول مرة فرادا فرادى ✻ بل زعمتم الن نجعل لكم موعدا (١٨:٤٨) ✻ فيا اسفا وعجبا ! مالكم تشركون بالله ولا تصلحون ✻ وتقولون ولا تفعلون ✻ كبر مقتا عند الله ان تقولوا ما لا تفعلون (٦١:٣) ✻ افعلوا فان الله غفور رحيم ✻ والحمد لله رب العلمين ۝ الرحمن الرحيم ۝ ملك يوم الدين ۝ اياك نعبد واياك نستعين ۝ اهدنا الصراط المستقيم ۝ صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين ۝

ونظرا الى كل ما تقدم فى لوازم الايمان وشرائطه القول الفيصل الذى لا يرتاب به هو ان **كل** هذه العشرة من اصول الاسلام هى **الايمان** * فمن صرف عنها فى اى زمان ومكان **سقط** ايمانهم بالله بل **كفروا** به اشد كفرا * ومن سعى لها سعيا تاما ليلا ونهارا فهم الذين اسلموا بل امنوا عنده * واولئك الذين يغفر الله لهم ويرحمهم فى الدنيا والاخرة من دون العلمين ✻ وما الايمان بان تقولوا امنا بافواهكم بل ان تصدقوا ما فى قلوبكم بالجهد والعمل فى سبيله لو كنتم تعلمون ✻ وما الايمان اصلا الا ان تفعلوا ما انتم به تؤمرون ✻ فوالله ما امن مرء باحد

كانوا يقيمون دينكم ليخذلوا ولم يقيموا دينى ولو انهم اقاموا دينى لاكلوا من فوقهم ومن تحت ارجلهم
(٥: ٦٦) * فقال اولئكهم من الانس ربنا استمتع بعضنا ببعض وبلغنا اجلنا الذى اجلت لنا. قال النار
مثوىكم خالدين فيها الا ما شاء الله. ان ربك حكيم عليم. وكذلك نولى بعض الظالمين بعضا بما كانوا
يكسبون. يمعشر الجن والانس الم يأتكم رسل منكم يقصون عليكم اياتى وينذرونكم لقاء يومكم
هذا. قالوا شهدنا على انفسنا وغرتهم الحيوة الدنيا وشهدوا على انفسهم انهم كانوا كافرين. ذلك ان
لم يكن ربك مهلك القرى بظلم واهلها غفلون. ولكل درجت مما عملوا. وما ربك بغافل عما
يعملون. وربك الغنى ذو الرحمة. ان يشأ يذهبكم ويستخلف من بعدكم ما يشاء كما انشأكم من ذرية
قوم اخرين. ان ما توعدون لات وما انتم بمعجزين. قل يقوم اعملوا على مكانتكم انى عامل فسوف
تعلمون من تكون له عاقبة الدار انه لا يفلح الظلمون (٦: ١٢٩-١٣٦) ✤ ولقد ذرانا لجهنم كثيرا
من الجن والانس لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم اذان لا يسمعون
بها. اولئك كالانعام بل هم اضل. اولئك هم الغفلون (٧: ١٧٩) ✤ يوم تقلب وجوههم فى النار
يقولون يليتنا اطعنا الله واطعنا الرسولا. وقالوا ربنا انا اطعنا سادتنا وكبراءنا فاضلونا السبيلا. ربنا اتهم ضعفين
من العذاب والعنهم لعنا كبيرا (٣٣: ٦٦-٦٨) ✤ وقال الذين كفروا ربنا ارنا الذين اضلنا من الجن والانس نجعلهما تحت
اقدامنا ليكونا من الاسفلين (٤١: ٢٩) كما جعلونا اسافل فلة وضعا فى اثاثا ورئيا ✤ فيا ايها الغفلة
من الجن والانس لما لا تستمعون هذا القران الذى يهدى بكم الى الرشد ويهديكم صراطا مستقيما ✤
ويا كبراء الخلق من الجن واحبار الاسلام لم تستكثرون من الانس افواجا ويجمعون وراء ظهوركم
احزابا ✤ لتقطعوا قومكم وتفرقوا دينكم فريقا فريقا ✤ ولتشركوا بالله فانه قال ولا تكونوا من المشركين.
من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا (٣٠: ٣١-٣٢) ✤ لما لا تجمعون الذين يعوذون بكم من الانس على الهدى و
لا تهدونهم طريقا سويا ✤ كبراء الخلق من الامم الاخرى والجنة يهدون اناسهم الى العلم والفضل والحكم

فهم الذين يفلحون فى هذه الدنيا اينما تنظرون ✤ وهم الذين يدومون ما داموا فى الارض غالبين ✤ ومن صرف عنها وكذب فاولئك من الهالكين ✤ فمن امن امن * ومن اسلم وجهه له سلم * واولئك هم المسلمون المؤمنون حقا صرفا عما قال القائلون وكذب الكذبون ✤ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (٨ : ٤٢) وان الله ليس بظلام للعالمين ✤ ولذلك قال الله لكم فى الامم الهالكة التى خلت من قبلكم فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنٰهُمْ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ (٢٦ : ١٣٩) ✤ فما **الايمان** الآن تمشوا فى الارض **امنين** ✤ لتصلحوا بالكم فى الدنيا ولتكونوا فى الاخرة من **المامونين** ✤ ويوم يحشركم جميعا فيقول **لجنتكم** واولياءكم الذين قالوا لكم ان الذين هو دين القال والقيل * ليضلوكم عن سواء السبيل * يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ (٦ : ١٢٩) لتصلحوا بال انفسكم فى الدنيا وخربتم عبادى فانهم كانوا قوما لا يفقهون ✤ قد استمتعتم من عبادى الذين لم يعبدونى وكانوا يعبدونكم بحد ما لم استمتع منهم * ولم ارد منهم من رزق ولم ارد منهم ان يطعمون ✤ قد استنفعتم منهم كثيرا لانهم كانوا يريدونكم ولم يريدونى * وكانوا **يعوذون** بكم ولم يعوذوا بى * وصاروا مريديكم ولم يصيروا مريدى * وكانوا يحبونكم اشد حبا ولم يحبونى معشار حبهم لكم * فانهم كانوا يفعلون ما امرتم وما كادوا يفعلون ما امرتهم * يقرضونى قرضا سيئا ويقرضونكم قرضا حسنا * يجعلون لله مما ذرأ من الحرث والانعام (٦ : ١٣٧) والمال نصيبا خبيثا ويجعلون لكم نصيبا طيبا * بَلْ يَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحٰنَهُ (١٦ : ٥٧) ولكم ما تشتهون ✤ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ (١٦ : ٥٨) ✤ وكنتم تجرون اذيالكم على الارض من التنعم * وتتخذون بيوتا لكم من الذهب والفضة * وجنت لكم من العسل واللبن * وكنتم **تخونون** انفسكم منهم ليعبدوكم اشد عبادة ولو كنت غائبا عنهم فى غيبت السماء والارض فلم يعبدونى * وكانوا ينفقون فى سبيلكم ليعلموا الغيب منكم وكنت اعلم الغيب فلم ينفقوا حبة خردل فى سبيلى * بل

علينا القتال والهجرة والجهاد بالمال * وما كتب علينا اطاعة الامير والاستقامة في الافعال * ووحدة الامة وتوحيد في الاعمال * والايمان بالاخرة ومكارم الاخلاق وعلم السموت والارض والجبال * بل ما كتب على الاخلاف الا العقائد والاقوال * فالذين يكتمون ما انزل الله من الكتب ويشترون به ثمنا قليلا اولئك ما يأكلون في بطونهم الا النار ولا يكلمهم الله يوم القيمة ولا يزكيهم (٢ : ١٧٤) و اعد الله لهم عذابا نكرا ❁ وان استطعتم يمعشر الجن ان تنفذوا من اقطار السموت والارض لتفروا من قانونه تعالى او تعجزوه هربا لا تعجزونه فرارا وعدوا ❁ ولو لمستم السماء هاتين بغرار من ملكوته و حكمه لكونكم اولى علم ونبا وفطانة في زعمكم لوجدتموها ملئت حرسا شديدا وشهبا (٧٢ : ٨) ❁ فلما الا كتب الله عليكم القتال وسائر مخلوقاته من الدآبة والطيور والانعام وغيرها يقتلون ويقتلون ليحفظوا انفسهم من اعدآئهم حفظا ❁ والى اى حيوان او نبات نظرتم وجدتموه حافظا لنفسه شوكة ومنقارا او اسنانا وقرنا ❁ وفي اى ثمر او فرع او اصل تنظرون تجدونه جاهدا في سبيله سعيا وعملا ❁ و النجم تجدونه سالكا سبل ربه طوعا وذللا ❁ افرتكم صنع كل هذه ام من شركآئكم واوليآئكم احد سوى ❁ افهم يجدون لحكمكم ام لاحد سواكم الجبار المهيمن الاعلى ❁ ام لكم شرك في السموت فتقولوا انحن نصرف حيث نشآء ملكوته الادنى ❁ ام كان لكم علم بالملإ الاعلى فتهجموا نحن نصرف سنته في الارض ليكون للانسان ما يرضى ❁ فتبارك الذى يجد له كل من خلق ولا يجد لاحد سواه اصلا ❁ ولما الا كتب الله عليكم التوحيد في العمل من دون ما تمكرونه قولا ولفظا ❁ فالعملون والحفظون والطآئعون هم الذين يؤتون من عند ربهم اجرا حسنا ❁ في زماننا هذا اينما تنظرون اليه نظرا ❁ والقآئلون لا يبالهم الله نقرا ابدا ❁ وان وجب على معاصرى النبى القتال ونسخ لكم فهل تحتون في سنة الله بدلا ❁ ام كنتم تقعدون من السمآء مقاعد للسمع حيزية لله كلمته وقد قال ما يبدل القول لدى (٥٠ : ٢٩) ولا ابدل وعدا ❁ وان لم يكن للانبيآء ان يقاتلوا الكفار والاعدآء الا للدفاع

وانتم تضعفونهم ليفشلوا هم ومن لحقوا بهم جميعًا ✤ العامة من الناس يؤمنون بكم لتهدوهم بعلمكم
ونبلكم وفطانتكم • وهم لا يزالون يستمسكون باذيالكم ويظنون بكم ظنونا ليفلحوا في الدنيا بوساطة
النور الذي يسعى في اذهانكم والنار التي تسري في اعضائكم وطينتكم وانتم تستعملون نوركم ونارکم
لتصلوهم صليًا مقضيًا ✤ خلق الانس من طين وعجل وحماء وانتم خلقتم من نار ونور ونباء • كانكم
اعلام في رأسها نار لتاتم الهداة بكم • ولكن شيطينكم من السادات والاحبار والرهبان يفسقون عن
امر ربهم ويجعلون للناس فخوخًا ومصالي ليضلوهم ضلالًا مبينًا ✤ ما للناس اتخذوكم اربابا من
دون الله وما لكم تشركون بالله وتخئون الناس على عباداتكم لتجمعوا خيرًا لانفسكم ولتجمعوا شرًا لهم وما
لكم تدّعون انكم تملكون لهم ضرًا ورشدًا ✤ تدّعون ان تجيروهم من عذاب الله وتعلمون الغيب
لتستكثروا لانفسكم من الخير ولتتبعوا سببًا ✤ ام عندكم خزآئن ربكم ام انتم المُصَيطِرُونَ ؕ في الارض
منصبًا ونسبًا ✤ ام لكم سُلَّمٌ (٣٨:٥٢) تستمعون فيه سرآئر ربكم فليات مستمعكم بسلطن مبين من
العرش هبطًا ✤ وقد نبّه الله رسولكم السيّد الامير الذي لم يكن متله في الدهر ابدًا • نبّهه الله
ليبلغ رسلته فقط ولا يدّعي من دونه شيئًا ✤ وقال قُلْ إِنَّمَآ أَدْعُوا رَبِّي وَلَآ أُشْرِكُ بِهِۦٓ أَحَدًا ؕ قُلْ
إِنِّي لَآ أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ؕ قُلْ إِنِّي لَن يُجِيرَنِي مِنَ ٱللَّهِ أَحَدٌ ؕ وَلَنْ أَجِدَ مِن دُونِهِۦ مُلْتَحَدًا ؕ
إِلَّا بَلَٰغًا مِّنَ ٱللَّهِ وَرِسَٰلَٰتِهِۦ ۚ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَإِنَّ لَهُۥ نَارَ جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ؕ حَتَّىٰٓ إِذَا رَأَوْا مَا
يُوعَدُونَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا ؕ قُلْ إِنْ أَدْرِيٓ أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُۥ رَبِّيٓ
أَمَدًا ؕ عَٰلِمُ ٱلْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِۦٓ أَحَدًا ؕ إِلَّا مَنِ ٱرْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُۥ يَسْلُكُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ
وَمِنْ خَلْفِهِۦ رَصَدًا ؕ لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا۟ رِسَٰلَٰتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَىْءٍ عَدَدًا ؕ (٧٢:٢٠-٢٨) ✤
فما لكم لا تبلغون رسلت ربكم لا زيادةً ولا نقصًا ✤ ولا يجيرون انفسكم منه باتباع سُنّته معنًا وعملًا
وما لكم تكتمون ما انزل الله من البيّنت والهدى من بعد ما بيّنه للنّاس في الكتب (٢:١٥٩) وتقولون ما كتب الله

الْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى (٤٦: ٣٣) بلى ان ربنا يقدر على كل شئ جدًّا ۞ وَ
اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ **يَعُوْذُوْنَ** بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ
فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ (وقالوا) اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ
حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ وَّاَنَّا
لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا
طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ **نُّعْجِزَ** اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ **نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا** ۙ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ
فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ
تَحَرَّوْا رَشَدًا ۙ وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً
غَدَقًا ۙ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ
اَحَدًا ۙ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ؕ (٧٢: ٥-١٩) ۞ فيا معشر الجن
المعاصرون لم تتخذون مساجد الناس لكم ليلًا ونهارًا لتمكروا انكم تستقيمون على الطريقة وقد قال الله
وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ (٧: ٢٩) وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ (٧: ٥٦) ۞
ولما قُيِّضت† لكم قرناء فزينوا لكم ما بين ايديكم وما خلفكم من عذاب ربكم جهلًا وبلهًا ۞ فانه قد حق
عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ (٤١: ٢٥) وقد احق عليكم ربكم عذابًا نكرًا ۞
ولو انكم اقمتم دين الله وسنته لاكلتم انتم ومن تبعكم **من فوقكم ومن تحت ارجلكم** مِلْ
اعينكم جدًّا ۞ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ (٢٠: ١١٤) وقولوا لا نشرك لربي احدًا ۞ وقولوا لا نشرك لربي ابدًا ۞

† الاشارة الى قوله تعالى وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ
اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ (٤١: ٢٥) يعني جعل الله لهم اولياء في الدنيا من تابعيهم يقولون لهم انهم يحسنون ما يصنعون وقد احسنوا ما قد سلف فلذلك لا يزالون
يصلون الناس عن سبيله حتى يذم الله كلهم من الجن والانس اي اكابرهم واصاغرهم ، ولا شك في ان كبراء الخلق هم الذين يصلون العامة من الناس والناس لا
يزالون يبنون عليهم ليصلوهم فيشهد على قولي ان الله ما عنى بالجن الا اكابر الخلق قوله حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ (اي
حرب من الانس) لَعَنَتْ اُخْتَهَا (اي حربًا من الجن) حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ (اي الانس) لِاُوْلٰىهُمْ (اي الجن) رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ
قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ (اي حرب الجن) لِاُخْرٰىهُمْ (اي حرب الانس) فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا (الباقي)

وحين البأس كما تقولون فلما ارسل سليمن الى امرأة سبا كتابا والقى عليها قولا غلظا ✤ الا تعلوا علي
وأتوني مسلمين ۝ (٢٧ : ٣١) تزكون فى بيوتكم وجنا تكم حفظا وامنا ✤ وان لم تنتهوا عن بكم عذابا
بئسا ✤ فيا معشر الجن والانس لم تفترون على الله كذبا وهجرا ✤ وتقولون انما الاعمال للذين خلوا
وان لنا ما نقول نظرا وعقدا ✤ وان كان الاسلام قولكم بافواهكم فلما قال نبيكم للذى اسئله ما الاسلام
انما هو السمع والطاعة والجهاد بالسيف والهجرة والايمان بالله سعيا وعملا ✤ ولما لا قال يكفيك ان تسمعه
احدا وان لا تشرك به حجرا ✤ وانه كان فى عهد النبى من اليهود رجال مثلكم من الجن يستعاذون
برجال من الانس وكانوا يجيرونهم كما يعوذ الناس بكم وتجيرونهم الان * وينبئون الناس بالغيب فى زعمهم
كما تفعلون باحزابكم * ويلمسون السماء ليفروا من الله او يعجزوه بمكرهم وبتحريفهم سنة الله * ويزعمون
انهم اتخذوا فى السماء مقاعد للسمع كما تزعمون الان لتخدعوا الناس * صرفوا الى رسولنا يستمعون القرآن
فلما حضروه قالوا انصتوا فلما قضى ولوا الى قومهم منذرين ۝ (٤٦ : ٢٩) كلا ✤ قالوا يقومنا انا سمعنا
كتابا انزل من بعد موسى مصدقا لما بين يديه يهدى الى الحق (٤٦ : ٣٠) وانا سمعنا قرانا عجبا ۝ يهدى الى
الرشد فامنا به ولن نشرك بربنا احدا ۝ (٧٢ : ١-٢) ✤ يصدق ما يجرى بين يديه فى العادة و
ويؤيد ما يجرى بين يديكم من سنة الله نظرا وعملا ✤ يقومنا اجيبوا داعى الله وامنوا به يغفر لكم
من ذنوبكم ويجركم من عذاب اليم (٤٦ : ٣١) من دون ما تجيركم كذبا ومكرا ✤ ومن لا يجب داعى الله
فليس بمعجز فى الارض وليس له من دونه اولياء (٤٦ : ٣٢) فبئس ما اتخذتمونا اولياءكم واربابا لكم
وبئسما تزعم ان نعجز الله هربا ✤ وانه تعلى جد ربنا ما اتخذ صاحبة ولا ولدا ۝ وانه كان يقول
سفيهنا على الله شططا ۝ (٧٢ : ٣-٤) ✤ وانا امنا قولكم واحبطنا اعمالكم بالشرك والظلم فلا نقدر
الان ان نبعثكم حيا ✤ بل جعلنا قلوبكم قسية ان لن يبعث الله الى يوم القيمة احدا ✤ فلا يبعثكم
الان بعد موتكم شئ الا ان لا تشركوا بربكم احدا اصلا ✤ اولم يروا ان الله الذى خلق السموت و

واما **الجهاد بالمال والانفس والهجرة** فحملها الله كلها على **الاتقاء** ويؤيد هذا قوله تعالى يا ايها الذين امنوا قاتلوا الذين يلونكم من الكفار وليجدوا فيكم غلظة واعلموا ان الله مع المتقين (٩:١٢٣) * وقوله وقاتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة واعلموا ان الله مع المتقين (٩:٣٦) * وقوله يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة وجاهدوا في سبيله لعلكم تفلحون (٥:٣٥) * وقوله لا يستاذنك الذين يؤمنون بالله واليوم الاخر ان يجاهدوا باموالهم وانفسهم والله عليم بالمتقين (٩:٤٤) * وقوله وسارعوا الى مغفرة من ربكم وجنة عرضها السموت والارض اعدت للمتقين الذين ينفقون في السراء والضراء والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس والله يحب المحسنين (٣:١٣٢-١٣٣) * واما **الاستقامة في السعي** فحملها الله على **الاتقاء** ويعنى عليه قوله تعالى والصبرين في البأساء والضراء وحين البأس اولئك الذين صدقوا واولئك هم المتقون (٢:١٧٧) * وقوله فلا تهنوا وتدعوا الى السلم وانتم الاعلون والله معكم ولن يتركم اعمالكم انما الحيوة الدنيا لعب ولهو وان تؤمنوا وتتقوا يؤتكم اجوركم ولا يسئلكم اموالكم (٤٧:٣٥-٣٦) * وقوله قال موسى لقومه استعينوا بالله واصبروا ان الارض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين (٧:١٢٨) * وقوله يا ايها الذين امنوا اذكروا نعمت الله عليكم اذ هم قوم ان يبسطوا اليكم ايديهم فكف ايديهم عنكم واتقوا الله وعلى الله فليتوكل المؤمنون (٥:١١) * واما **مكارم الاخلاق** فحمل الله معظمها على **الاتقاء** ويشهد على هذا قوله في التصديق بالعمل والذى جاء بالصدق وصدق به اولئك هم المتقون (٣٩:٣٣) * وقوله في ايفاء العهد بلى من اوفى بعهده واتقى فان الله يحب المتقين (٣:٧٥) * وقوله في ايفاء العهود بالاعداء الا الذين عاهدتم من المشركين ثم لم ينقصوكم شيئا ولم يظاهروا عليكم احدا فاتموا اليهم عهدهم الى مدتهم ان الله يحب المتقين (٩:٤) * وقوله في التصديق بالعمل يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وكونوا مع الصدقين (٩:١١٩) * وقوله ويخشر

(البقية من صفحة ١٠٤) من هذه الافتتاحية للتوضيح المزيل *

في ان العشرة المبشرة من اصول الاسلام تصدر من الاتقاء وما الاتقاء الا اتباع هذه الاصول +

ولا شك في ان كل واحد من العشرة المبشرة التي تقدم ذكرها من لوازم الاتقاء من دون الايمان فمن اتبعها عملاً ومعناً وسعى لها سعياً بليغاً فاولئك هم المتقون * صرفاً عما قال فقهاءكم الذين لا يعلمون * الذين قالوا انه من يتعمم او يتازر مثل ما تعمموا وتازروا وارسلوا لحاهم فاولئك من المتقين * فاما **التوحيد في العمل** فحمله الله على **الاتقاء** وقال يا ايها الناس اعبدوا ربكم الذي خلقكم والذين من قبلكم لعلكم تتقون (٢:٢١) * لانه من يتق ربه اشد خشية فهو الذي **يعبده** بالحق ومن يعبده بالحق فهو الذي يتقيه من دون العلمين * واما **وحدة الامة** في التي تصدر من **اتقاء** الله خاصة ويدل على هذا قوله وان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاتقون (٢٣:٥٢) * لانه من يتق ربه حق تقته فلا يكادون ان يتنازعوا بينهم من خوف عذابه لانه قال فيهم يا ايها الذين امنوا اتقوا الله حق تقته ولا تموتن الا وانتم مسلمون * واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا واذكروا نعمت الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخواناً وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها كذلك يبين الله لكم اياته لعلكم تهتدون (٣:١٠٢-١٠٣) * ولذلك قال انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون (٤٩:١٠) * واما **اطاعة الامير** فهي التي تصدر ايضاً من **اتقاء** الله ويشهد عليه قوله فاتقوا الله واصلحوا ذات بينكم واطيعوا الله ورسوله ان كنتم مؤمنين (٨:١) * وقوله للاعراب اذ كان الرسول يامر عليهم ان الذين يغضون اصواتهم عند رسول الله اولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوى لهم مغفرة واجر عظيم (٤٩:٣) * لانه من يتق امره يتق الله ويخاف عذابه الذي يصدر من عصيان الامير فلذلك قال الله عز وجل يا ايها الذين امنوا استجيبوا لله وللرسول اذا دعاكم لما يحييكم واعلموا ان الله يحول بين المرء وقلبه وانه اليه تحشرون واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة واعلموا ان الله شديد العقاب (٨:٢٤-٢٥) *

(البقية من صفحه ١٠٣) كسبتم تكسبون (٥:٣٠-٣٩) + ولير جع القاري الى قوله تعالى (٣٠:٢١) و (٤٠:٤٧) على ما سلف على صفحات ١٥-١٦ تحت المتر (الناشر)

مُؤْمِنِيْنَ (٥:١٥٧) * ومن يتق الله حق تقته ويفعل كل هذه الاعمال لتصديقه لابد لهم من ان **يغلبوا** في هذه الدنيا ما داموا في الارض ولابد لهم من ان ينصروا * ولذلك قال الله عز وجل فيهم ولو ان اهل القرى **امنوا واتقوا** لفتحنا عليهم بركت من السماء والارض ولكن كذبوا (اى بالعمل) فاخذناهم بما كانوا يكسبون (٧:٩٦) * وقال قل يعباد الذين **امنوا اتقوا** ربكم للذين احسنوا في هذه الدنيا حسنة وارض الله واسعة انما يوفى الصبرون اجرهم بغير حساب (٣٩:١٠) * ومن **يتق** الله مثل هذا في هذه الدنيا لابد لهم من ان يبدل الله مكانهم السيئة الحسنة ويكفر عنهم سياتهم في هذه الدنيا ويفضلهم على العلمين * فلذلك قال الله فيهم يا ايها الذين امنوا ان تتقوا الله يجعل لكم **فرقانا** ويكفر عنكم سياتكم ويغفر لكم والله ذو الفضل العظيم (٨:٢٩) * ومن **يتق** لابد لهم من ان **يورثهم الله الارض** فلذلك قال الله فيهم فاوحى اليهم ربهم لنهلكن الظلمين ولنسكننكم **الارض** من بعدهم ذلك لمن خاف مقامي وخاف وعيد واستفتحوا وخاب كل جبار عنيد (١٤:١٣-١٥) * ومن **يتق** الله بفعل هذه الاعمال لابد لهم من ان يصيروا في هذه الدنيا من الفايزين * فلذلك قال الله فيهم ومن **يتق** الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب ومن يتوكل على الله فهو حسبه ان الله بالغ امره قد جعل الله لكل شئ قدرا (٦٥:٢-٣) * وقال ومن يتق الله يجعل له من امره **يسرا** ذلك امر الله انزله اليكم ومن يتق الله يكفر عنه سياته ويعظم له اجرا (٦٥:٤-٥) * ومن **يتق** الله مثل هذا لابد لهم من ان يكون لهم في هذه **الدنيا** حسنة وفي **الاخرة** حسنة فلذلك قال الله فيهم وقيل للذين اتقوا ماذا انزل ربكم قالوا خيرا للذين احسنوا في هذه الدنيا حسنة ولدار الاخرة **خير** ولنعم دار المتقين جنت عدن يدخلونها تجرى من تحتها الانهر لهم فيها ما يشاءون كذلك يجزى الله المتقين (١٦:٣٠-٣١) * وقال ولدار الاخرة خير للذين يتقون افلا تعقلون (٦:٣٢)

الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (٤: ٩) * وقوله يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (٣٣: ٧٠) * وقوله فى الربوا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (٣: ١٢٩) * وقوله فى العدل يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (٥: ٨) * وقوله فى القصاص فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (٢: ١٩٤) * وغيرها من الاقوال التى لم اذكرها هنا لخوف الطوالة * واما **العلم** فحمله الله على **الاتقاء** واستند عليه قوله اِنَّ فِى اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ (١٠: ٦) * وقوله وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (٣٨: ٢٧-٢٨) * لانه من حسب خلقه باطلاً ولم يستمتع منه فقد كفر وفجر * ومن طلب العلم منه فاولٰٓئك هم المتقون * ويشهد على هذا قوله اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (٣٥: ٢٨) فالعلماء هم الذين يعرفونه **حقا** وبه يتقون * واما **الايمان بالاخرة** فحمله الله على **الاتقاء** بقوله ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ **يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ** وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (٢: ٢-٤) * وما **يؤمن** احدٌ منكم **بالغيب** حتى **يتقى** ربه **بالغيب** فلذلك قال الله وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ (٢١: ٤٨-٤٩) وغيرها من الاقوال التى لم اذكرها هنا فتدبروا ان انتم قومٌ يتفكرون * ولا شك فى ان كل هذه الاعمال التى تصدر من **الاتقاء** من لوازم **الايمان** لانه قال فَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ

مُنكِرُونَ ۝ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ۝ (٢٣ : ٦٨ - ٧٠) * فوالله ما قال رسولكم لكم ان تحفظوا الفاظ القرآن في صدوركم كالببغاء او تحملوها مثل الحمار يحمل اسفارًا بل امر على ان تحفظوا مطالبها ومقاصدها واوامرها ونواهيها ليتبين لكم ما الاتقاء عند الله وما شرائطه ولوازمه مثل ما تقدم * ولتذكروا في انفسكم ما الايمان ولوازمه وكيفيته وكميته وثوابه واجره في الدنيا والاخرة كما ذكركم الله بها في الكتب * فتجاهدوا فيها حق جهادها وسعيها فتكونوا من المفلحين * فياهى الا انكم فررتم من دين الاعمال والاشكال الى دين الكلمات والاقوال لتيسروا بال انفسكم واصررتم على البغي والعصيان لتفروا من الله فاعلموا انكم بمجرى الله في هذه الارض هربا ان انتم الا تخرصون * فذهب الله بنوركم وجعل صدوركم ضيقة و انسكم ما كنتم عليه بل انسكم نفسه واقسى قلوبكم وقلوب تابعيكم فهي كالحجارة او اشد قسوة وان من الحجارة لما يتفجر منه الانهار وان منها لما يشقق فيخرج منه الماء وان منها لما يهبط من خشية الله وما الله بغافل عما تعملون ۝ (٢ : ٧٤) فلتحملوا اوزاركم كاملة يوم القيمة ومن اوزار الذين تضلونهم بغير علم الا ساء ما تزرون * افمن شرح الله صدره للاسلام فهو على نور من ربه فويل للقسية قلوبهم من ذكر الله اولئك في ضلل مبين ۝ (٣٩ : ٢٢) * فمن يرد الله ان يهديه يشرح صدره للاسلام ومن يرد ان يضله يجعل صدره ضيقا حرجا كانما يصعد في السماء كذلك يجعل الله الرجس على الذين لا يؤمنون ۝ (٦ : ١٢٥) * فهل انتم تائبون من هذه ايها الجهلون * وان لم تفعلوا فانتظروا اني معكم من المنتظرين * *

ويا ايها **المفتيون** المعاصرون ! الذين يتفانى الناس اليهم فيرسلون فتاواهم كالسماء مدرارا ليصيبوا بها من يشاءون * والذين يظنون انهم هم المصيطرون في الارض ليحلوا غضب الله

(البقية من صحيفة ١٠٨) (٥٢ : ٢٠) و(٣٤ : ٥٤) فما عنى الله بهذا شيئا الا ازواجا مطهرة حسناء الوجه بيضاء الجلد التي زوج المسلمين من بعد تمكنهم من الارض * ولم يذكرهن عز وجل قط في اي موضع في القرآن في توصيف الجنة الا انه اشار اليهن في توصيف جنات كثرة بعد مرة - فتدبر

* الاشارة الى قوله تعالى يصلون اوزارهم كاملة يوم القيمة * ومن اوزار الذين يضلونهم بغير علم الا ساء ما يزرون ۝ (١٦ : ٢٥)

ولذلك قال ولمن خاف مقام ربه جنتان (٥٥: ٤٦)* وقال ان المتقين في جنت وعيون
اخذين ما اتهم ربهم انهم كانوا قبل ذلك محسنين (٥١: ١٥-١٦)* وقال ان المتقين في جنت
ونعيم فكهين بما اتهم ربهم ووقهم ربهم عذاب الجحيم كلوا واشربوا هنيئا بما كنتم تعملون
متكئين على سرر مصفوفة وزوجنهم بحور عين (٥٢: ١٧-٢٠)* وقال ان المتقين في جنت وعيون
ادخلوها بسلم امنين (١٥: ٤٥-٤٦)* وقال ان المتقين في مقام امين في جنت وعيون
يلبسون من سندس واستبرق متقبلين كذلك وزوجنهم بحور عين يدعون فيها بكل
فاكهة امنين لا يذوقون فيها الموت الا الموتة الاولى ووقهم عذاب الجحيم فضلا من ربك
ذلك هو الفوز العظيم (٤٤: ٥١-٥٧) * وقال في بالهم في الاخرة وسيق الذين اتقوا ربهم الى الجنة
زمرا حتى اذا جاءوها وفتحت ابوابها وقال لهم خزنتها سلم عليكم طبتم فادخلوها خلدين وقالوا
الحمد لله الذي صدقنا وعده واورثنا الارض (من قبل) نتبوا من الجنة حيث نشاء فنعم اجر العملين
وترى الملئكة حافين من حول العرش يسبحون بحمد ربهم وقضي بينهم بالحق وقيل الحمد لله رب
العلمين (٣٩: ٧٣-٧٥) * فتدبروا ايها الفقهاء الجهلون المعاصرون * ما الاتقاء
بما زعمتم وما هي بالذي انتم به تهجرون * ان انتم الا تقولون على الله ما لا تعلمون * وما
تفرقتم الا من بعد جاءكم العلم بغيا بينكم ان ربك يقضي بينكم يوم القيمة فيما كنتم فيه تختلفون *
وقال الرسول يرب ان قومي اتخذوا هذا القرآن مهجورا (٢٥: ٣٠) افلا تذكرون * وقالوا انما الاتقاء
هو عمائم وتسابيح والاقوال والاسماء ولحا واساليب الاستنجاء والالبسة وغسل الجنابة وكلمات
الكفر والتوافل وحفظ القرآن كالبغاء من دون الاعمال ما انزل الله بها من سلطن (٥٣: ٢٣) فسحقا لاصحب
الجحيم * افلم يدبروا القول ام جاءهم ما لم يات اباءهم الاولين ام لم يعرفوا رسولهم فهم له

† اى جنت الارض والجنة الاخرة. واشار الله عزوجل في كل ما يلو هذه الاية (اى الايات ٥١: ١٥-١٦) و (٥٢: ١٧-٢٠) و (١٥: ٤٥-٤٦) و (٤٤: ٥١-٥٧)
الى جنت الارض لا الى الجنة الاخرة. وفي قوله (٣٩: ٧٣-٧٥) الى الجنة الاخرة وورائة الارض واما قوله وزوجنهم بحور عين في الايات (البقية على صفحة)

* الاشارة الى قوله تعالى وآتيناهم بينت من الامر فما اختلفوا الا من بعد ما جاءهم العلم بغيا بينهم ان ربك يقضي بينهم يوم القيمة فيما كانوا فيه يختلفون (٤٥: ١٧) +

افغير الله تبتغون حكما وهو الذي انزل اليكم الكتب مفصلا (٦:١١٤) والذين اتيناهم الكتب يعلمون انه منزل من ربك بالحق (٦:١١٥) فلا تكونن من الممترين ۞ فالحق انكم ما انتم اوتيتم كتابا به ولا انتم تعلمونه باليقين ۞ وهو الذي قال لكم وتمت كلمت ربك صدقا وعدلا ط لا مبدل لكلمته وهو السميع العليم (٦:١١٦) ۞ وهو الذي نبه رسولكم نظر٢ الى ما انتم تفعلون الان وقال وان تطع اكثر من في الارض يضلوك عن سبيل الله ان يتبعون الا الظن وان هم الا يخرصون ۝ ان ربك هو اعلم من يضل عن سبيله وهو اعلم بالمهتدين (٦:١١٦-١١٨) ۞ وقد قال له ونزلنا عليك الكتب تبيانا لكل شيء وهدى ورحمة وبشرى للمسلمين ۝ (١٦:٨٩) ۞ فقد كفرتم وفسقتم في فتاويكم ايها المفتيون الجاهلون المعاصرون ! ۞ وقد ظلمتم انفسكم باتخاذكم ما وجدتم عليه اباءكم * وبتقليدكم ما ظنوا واخترعوا من الشرع من انفسهم * ولم تؤمنوا بان كلمت ربكم قد تمت في القران صدقا وعدلا فحسبنا كتابه * بل اطعتم اكثر من في الارض ليضلوا الناس عن سبيل الله * واتبعتم الظن من دون العلم الذي جاءكم في الكتب المبين ۞ انما قال الله لرجال مثلكم الذين لم يؤمنوا بالقران حق ايمانه اولم يكفهم انا انزلنا عليك الكتب يتلى عليهم ان في ذلك لرحمة وذكرى لقوم يؤمنون (٢٩:٥١) ۞ فالحق انكم ما استنبطتم من الكتب من ذكر ومن رحمة * بل ما امنتم به * ولو امنتم به وقرأتم ايته حق قراته لصرتم من المفلحين ۞ في الدنيا ابدا وفي الاخرة ابدا انه لا يضيع اجر المحسنين ۞ وقد قال لكم الذين اتيناهم الكتب يتلونه حق تلاوته اولئك يؤمنون به ومن يكفر به فاولئك هم الخسرون ۝ (٢:١٢١) ۞ فلا والله ما امنتم بالقران حق ايمانه وما درستموه حق درسه وتلاوته بل كفرتم فصرتم من الاخسرين ۞ فحسبتم ان الكفر هو اقوالكم وكلماتكم * ونسيانكم اساليب الغسل والطهارة التي ابدعتم من انفسكم * ونسيانكم مسائل الحيض والنفاس ونسيانكم

على الناس برسلهم لعبين ✻ ازعمتم انكم تعلمون كتب الله وقانونه ولو علمتموه لخرجتم على
اذقانكم خاشعين ✻ متصدعين من خشية الله ولكسرتم اقلامكم ومزقتم قراطيسكم كل ممزق
تائبين ✻ تعاندون بينكم وتعاجزون لتضعفوا قواعتكم فتفشلوا وتذهب ريحكم (٨:٤٦) ماتركتم
على ظهر الارض من نفر سولكم الا اتهمتموه بالكفر والفسق والشرك فهل عندكم من سلطان انزل الله اليكم
بكفرهم او بايمانكم ان كنتم صدقين ✻ وان اخرجتم كل المسلمين من جماعتكم وانفض الناس
من حولكم فمن يستفتيكم من بعده الا تبصرون ✻ وانى تفقدون من بعد ذلك على ان يعول الناس
عليكم لتمشوا فى الارض كابرين ✻ افتزعمون انكم مسلمون من دون الناس المسلم من سلم المسلمون
من يده ولسانه عند سولكم والمؤمنون والمؤمنات يظنون بانفسهم خيرا (٢٤:١٢) عند الله افلا تذكرون ✻
وقد قال لكم يا ايها الذين امنوا اجتنبوا كثيرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا يغتب
بعضكم بعضا ايحب احدكم ان ياكل لحم اخيه ميتا فكرهتموه واتقوا الله ان الله توّاب رحيم
(٤٩:١٢) ✻ وقد قال لكم انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون (٤٩:١٠)
وان صار الناس مسلمين عندكم بلحاهم وعمائمهم وصار الكفرين بتركهم البستكم وعمائمكم او
مسائلكم التى ابدعتم فى دينكم بغير علم وسلطان فاروني ماذا انتم تحكمون ✻ تستشهدون من كتبكم
الفقهيه واباطيلكم الشرعيه المخترعة التى لا يجوز لاحد ان يثق بها * وتنبذون كتب الله وراء ظهوركم
لتتخذوه مهجورا * وتتساندون الى ارآء اسلافكم وقياسات كبرآءكم وظنون جهلاءكم الذين تسمونهم
العلماء لتحرفوا دينكم وتبدلوا كلمات الله * وتحكمون بما جاء من غير الله * ماكرين ان القران لم يفصل
لكم من ايات الله حق تفصيلها ولم يبين لكم من كلماته حق تبيينها * فما لكم لا تتقون الله قال لكم
ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم الظلمون (٥:٤٥) ✻ بل قال ومن لم يحكم بما انزل الله
فاولئك هم الفسقون (٥:٤٧) ✻ وقضى ربكم الله من لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم الكفرون (٥:٤٤)

تکذیبکم رسوله بجحودکم وقساوة قلوبکم لوکنتم تعلمون ✤ ولو علمتم کتب الله لما هجرتم
مثل هذا بل ما قلتم لمن القی الیکم قولا لست مؤمنا (۴: ۹۴) ابدا * الا من کفر ربه بالعمل * و
عصاه عملا و معنا * ومن لم یعتصم بحبله وصار من الذین فرقوا دینهم وکانوا شیعا کل حزب
بما لدیهم فرحون (۳۰: ۳۲) ✤ وان کنتم علی **بینة** من ربکم فی فتاویکم من الکفر و الفسق و
الشرک و الفجور او ترسلونها علی **بصیرة** منه فاتونی بشهادة حکمکم ان کنتم صدقین ✤ و
ان لم تفعلوا ولن تفعلوا (۲: ۲۴) فقفوا اثبت لکم ما الکفر بما جاء فی القرآن المبین ✤ افما قال
الله لکم فی الکتب افمن هو قائم علی کل نفس بما **کسبت** (یرد ان تؤدی النفس اجرها بما **قالت**
ولا فعلت) و (الناس) جعلوا لله شرکاء (فی اعمالهم باتخاذهم ارباباً او اولیاء من دونه عملاً و معناً
علی قولهم انهم یؤمنون بالله بافواههم قل سموهم (و بینوا الی ما لهم من شرک فی السموت و الارض
فیکونوا احدرین له) ام تنبئونه بما لا یعلم فی الارض ام (تسعون ان تخدعوا الله) **بظاهر من**
القول (او تمکروا مکراً بافواهکم و السنتکم بل زین للذین **کفروا** مکرهم و صدوا عن السبیل
و من یضلل الله فما له من هاد. لهم عذاب فی **الحیوة الدنیا** و لعذاب الاخرة اشق. و ما لهم
من الله من واق. (۱۳: ۳۳ - ۳۴) ✤ قد مکر الذین من قبلهم فلله المکر جمیعا یعلم ما **تکسب**
کل نفس و سیعلم **الکفر** لمن عقبی الدار. (۱۳: ۴۲) ✤ فما **الکفر** الا ما تصفون بالسنتکم
من الکذب و **ظاهر من القول** فی الله * بل ما تحثون الناس علیه من الکلمات و الاقوال لیکفروا
انهم امنوا و لما یدخل الایمان فی قلوبکم (۴۹: ۱۴) ایها القائلون الجهلون: ✤ و ما الکفر الا ان
تقولوا فی الله ما لا **تفعلون** ✤ فانه لا یؤمن احد عندنا الا من **صدق** † ایمانه بالعمل
و لا یؤاخذ احدا الا بما یکسبون ✤ فانه **یعلم ما تسرون و ما تعلنون** (۱۰: ۱۹) ✤ و انه اکر
الماکرین ✤ **یحول بین المرء و قلبه** (۸: ۲۴) و **یعلم ما یفعل** و ما تصنعون ✤ و ما **الکفر** الا

✤ ولذلک سمی الله الذین کذبوا ایمانهم بالعمل الکفرین فی قوله لیسئل الصدقین عن صدقهم و اعد للکفرین عذابا الیما (۳۳: ۸).

الفاظ القرآن واعرابها حين التكرار * او سجدات السهو فی صلوتکم * او توجهکم الی الکعبة فی الغائط * اوتصرفکم فی مناهج التعلم والتادب * او اعتقاداتکم اللفظیه * وغیرها من الاباطیل التی یستهزء بها الناس والتی لاتعد ولاتحصی * ء انتم تتخذون الله هزوا ودینه لهوا ولعبا ایها الجهلون ! ۞ وان کان الکفر مثل هذا او دین الله مثل هذا اللغو فاتوا بشهادة حکمکم فی الکتب ان کنتم صادقین ۞ انما الکفر نسیانکم درس الله * وتتبعکم اراءکم الشتی * واستمساککم مذاهبکم المختلفة * واتباعکم ظنونکم الواهیة * بل انیانکم بانفسکم بالکبر والجهل لو کنتم تعلمون ۞ وانما الکفر هو الاعمال من دون الکلمات والاقوال * بل ما انتم تکسبون بایدیکم وارجلکم ایها الغفلون ! ۞ فانه قال لِکُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ (۲۴:۱۱) وکُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (۵۲:۲۱) ۞ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۵۳:۳۹) فهل تجزون الا ما انتم تکسبون ۞ وانما الاعمال بالنیات * فلا یواخذکم الله باللغو فی اقوالکم بل یُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ (۲:۲۲۵) * بل بما کسبت ایدیکم وارجلکم بالتصدیق من قلوبکم باعین عن احکام الله وفطرته ایها الجهلون ! ۞ وهو الذی قال وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (۶:۷۰) ۞ فغرتکم الحیوة الدنیا حین اتخذتم دینکم لعبا ولهوا بل کفرتم * لانکم صرفتم عن دین الاعمال والاشکال الی دین الکلمات والاقوال * وقلتم علی الله ما لا علمتم * وطفقتم تقولون مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۶۱:۲) لتیسروا دینکم جامدین ۞ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۶۱:۳) ۞ فما الکفر بما زعمتم ایها الزاعمون الجهلون ! ۞ انما هو اعمالکم واعمال امتکم السیئة التی تهدیکم الی الضعف والخوف * وتکذیبکم ایات الله بالعمل * و

إِلَّا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا (۱۷: ۶۷) ✤ بل قال فی بال المشرکین مثلکم الی یوم القیمة الذین یقولون الآن لا ندعوا الا الله بالسنتنا وفی صلوتنا ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ۖ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُو مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكٰفِرِينَ ۚ (۴۰: ۷۲-۷۴) ✤ وقال فی المشرکین الکفّارین الذین اتخذوا احبارهم واصفیآءهم وابرارهم ارباباً من دونه لیقربوهم الی الله زلفی فی زعمهم ولیقطعوا قومهم فریقاً فریقاً ویصیروا شیعاً متخالفة مختلفة وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ (لیختلف الاولیآء من بینهم وبین الناس فیقطعهم یقولون لکونهم فی زعمهم عابدی الله کذباً ومکراً) مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ۚ (۳۹: ۳) ✤ فما الکفر الا اختلافکم بینکم بظلمکم وشرککم واعراضکم عن وَحْدَةِ الْأُمَّةِ ایها الغفلون؟ ✤ وما الکفر الا بخلکم بالمال لتقویة قومکم من اتخاذکم المال وثنآ لکم فانه قال الذین يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۚ (۴: ۳۷) ✤ بل ما الکفر الا انفاقکم اموالکم فی سبیل حکامکم الذین بعثهم الله علیکم لیعذبوکم ویضعفوا قوآء امتکم فیدمروکم فانه قال إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ۗ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۚ (۸: ۳۶-۳۷) ✤ وما الکفر الا انفاقکم اموالکم فی سبیل الله بالاکراه لتجمعوا خیراً لانفسکم وشراً لامتکم فانه نبّه رسولکم وقال وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كٰرِهُونَ ۚ فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ

فی ان الکفر هو الاعراض عن وحدة الامة والجهاد بالمال

✤ فی موضع اخر حمل الله النفاق والاختلاف علی الکفر وقال، فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ (۱۹: ۳۷)

عبادتكم اولادكم واموالكم * وشغفكم ببنيكم وبناتكم * واتخاذكم اولياءكم اربابًا لكم * واتخاذكم مساكنكم وحكامكم اصنامًا لكم * وحبكم للقناطير المقنطرة من الذهب والفضة * لتحلوا قومكم دار الذلة والمسكنة * وتكفروا من شدة عذابه وتذروا عاقبة قومكم والاخرة * فانه قال اللّٰهُ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ (١٤: ٢-٣) * وقال مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (١٦: ١٠٦-١٠٩) ✿ وقال يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ (٣٥: ٥-٧) ✿ فما الكفر الا اعراضكم عن التوحيد عملًا ومعنًا† وعبادتكم الشيطن في انفسكم وصدوركم ايها القائلون ✿ وما الكفر الا عدم مداومتكم على التوحيد ليلًا ونهارًا

في ان الكفر هو الاعراض عن التوحيد

واتخاذكم اصنامًا لكم من امتعة الحيوة الدنيا يومًا فيومًا * واستعماركم قلوبكم الشهوات واللذات كرة بعد مرة * لتشركوا بالله وتشغلوا عن ذكره واحكامه عملًا ومعنًا فانه قال وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝ (٣٩: ٨) ✿ وقال وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۝ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ (اى احكامنا) اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝ (٣١: ٣٢) ✿ وقال وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ

† وفي موضع اخر حمل الله الاعراض عن التوحيد على الكفر وقال وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (٢٣: ١١٧)

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا
اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ
اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (٣: ١٦٥-١٦٧) ۞ وقال فی بسالتهم یوم خرجوا من دیارهم الی بدر الصغری الَّذِيْنَ قَالَ
لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا
بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ
يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ
اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا
الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (٣: ١٧٢-١٧٦) ۞ وقال فی موضع اخر فی متمسلمی
القرون الاولی والمنٰفقین منهم فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ
تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخَالِفِيْنَ ۝ وَلَا
تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝
وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝
(٩: ٨٣-٨٥) ۞ وفی المعذرین منهم وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (٩: ٩٠) ۞ وفی المعوقین منهم قَدْ يَعْلَمُ
اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ
فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ
سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ (٣٣: ١٨-١٩) ۞ وفی المخلفین المنٰفقین المعذرین منهم سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ

(البقیة من صفحه ١١٦) وَّكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (٢٨: ٨٢) + فتدبر +

وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (٩:٥٤-٥٥) ✲ وقال فی اتخاذهم المال وثنا لهم ليشركوا بالله فيستغنوا عن عاقبة قومهم
وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (٤١:٦-٧) ✲ فما الكفر الا اعراضكم
عن الجهاد بالمال ايها المفتيون المعاصرون! ✲ وما الكفر الا فرارکم بالاستئذان من امرائکم و
اعتذارکم عن طاعته اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (٨:٢٤) * واعراضکم عن الاستجابة لخليفة الرسول منكم
اذا ذكركم بايام الله اودعاكم ليوم التغابن ۞ فانه قال فی الذين كانوا يستاذنون الرسول فرارا من الموت

فی ان الكفر هو الاعراض عن اطاعة الامير

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ
بِالْكٰفِرِيْنَ (٩:٤٩) ✲ فما الكفر الا عصيانا امرائكم واعراضكم عن طاعته لو كنتم
تعلمون ✲ ومن لا يهاجر او يهجر كل ما يشغله عن السعی والعمل لتقوية قومه
فهو الذی كفر عند الله واولئك هم الكفرون ✲ فانه قال فی منافقی القرون الاولى وَدُّوْا
لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ
تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (٤:٨٩) ✲ فما الكفر

فی ان الكفر هو اعراضكم عن الهجرة والجهاد بالسيف.

الا اعراضكم عن الْهِجْرَةِ لتقوية قومكم او مدافعة انفسكم ايها المضعفون العالون!
ومن لا يقاتل اعداءه حد استطاعته حين البأس ليكف ايدی الناس عن قومه
ومن فر من الموت فشلا وجبنا * واعتذر الى اميره ليتخلف ومنصة الناس عن
الجهاد تخويفا وترهيبا فهو الذی كفر عند الله واولئك هم الكفرون ✲ فانه قال لمؤمنی القرون
الاولى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا
غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (٣:١٥٥) ✲ بل قال لهم وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ

✲ ولذ للد قال الله عز وجل فی قارون اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۞ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ
لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۞ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ (ای انفق المال فی سبيله لتكون الدار الاخرى لك) وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (ای لا تنس انه عليك ان
تنفق فی سبله من المال) وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ (ای بخلك) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (٢٨:٧٦-٧٧) فحمله بخله على الكفر وقال من بعد ذلك (الباقی)

اللهِ تَبْدِيلًا (٤٨: ٢٢-٢٣) ✤ وقال قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (٣: ١١) إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ (٢٣: ١١٧) ✤ فالحق ان الكفرين هم الذين يغلبون في هذه الدنيا اينما تنظرون ✤ من اول يوم خلق السموت والارض الى يوم القيمة فالمغلوبون هم الكفرون ابدًا والمؤمنون لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ أبدًا وان جندهم لَهُمُ الْغَالِبُونَ (٣٧: ١٧٢) ✤ ولن تجدوا في سنته تبديلًا ولو حرصتم ايها الجهلون! ✤ تحبون ان تبدلوه بمكركم وقد قال مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ (٥٠: ٢٩) ايها الماكرون! ✤ فهذه سنته الان وقد مَضَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ (٨: ٣٨) ✤ فالكفرون هم الذين يولون الادبار ثم لا يُنصرون ✤ يغلبون لكونهم موهنين في امرهم و مستضعفين في سعيهم بل يائسين من رحمته في جهدهم يخشون الناس ولا يخشون الله وامره حق خشيته تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ (٥٩: ١٤) ✤ والمؤمنون اَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ (٥٩: ١٣) ✤ يرجون من الله ما لا (٤: ١٠٤) يرجو الكفرون وان يكن منهم مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ (٨: ٦٥) سنة الله في هذه الارض ولا يعلمون ✤ لا يستطيعون ان يتنظموا وينظموا انفسهم في الاخرة ويعاندون بينهم ويخاذلون ويواكلون في تدبير امرهم ويستغنون عن عاقبة بالهم واخرة سعيهم بل ينكرون عن اجر الاخرة فلذلك يحبط الله اعمالهم ويضل سعيهم في الدنيا و يجعلهم من الاخسرين ✤ ولذلك قال الله فيهم الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ (٤٧: ١) وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (٤٧: ٤-٥) وقال وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللهُ (من سنته) فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ (٤٧: ٨-٩) وقال في ما يلي هاتين الايتين ليرينا كيف يحبط الله اعمالهم في الدنيا بتدمير حكمهم وسلب قوتهم وملكهم أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ

الاعراب شغلتنا اموالنا واهلونا فاستغفر لنا ۔ يقولون بالسنتهم ما ليس في قلوبهم ۔ قل فمن يملك لكم من الله شيئا ان اراد بكم ضرا او اراد بكم نفعا ۔ بل كان الله بما تعملون خبيرا ۔ بل ظننتم ان لن ينقلب الرسول والمؤمنون الى اهليهم ابدا وزين ذلك في قلوبكم وظننتم ظن السوء وكنتم قوما بورا ۔ ومن لم يؤمن بالله ورسوله فانا اعتدنا للكفرين سعيرا ۔ (٤٨ : ١١-١٣) ✲ وقال يعتذرون اليكم اذا رجعتم اليهم ۔ قل لا تعتذروا لن نؤمن لكم قد نبانا الله من اخباركم وسيرى الله عملكم ورسوله ثم ترددون الى عالم الغيب والشهادة فينبئكم بما كنتم تعملون سيحلفون بالله لكم اذا انقلبتم اليهم لتعرضوا عنهم ۔ فاعرضوا عنهم ۔ انهم رجس ومأواهم جهنم ۔ جزاء بما كانوا يكسبون يحلفون لكم لترضوا عنهم ۔ فان ترضوا عنهم فان الله لا يرضى عن القوم الفسقين ۔ الاعراب اشد كفرا ونفاقا واجدر الا يعلموا حدود ما انزل الله على رسوله والله عليم حكيم ۔ (٩ : ٩٤-٩٧) ✲ و ما الكفر الا قتالكم في سبيل حكامكم واعدآئكم وطواغيتكم الذين بعث الله عليكم ليعذبكم فتتبعوا عندهم العزة وتتخذوهم اولياء من دون المسلمين فتقتلوا انفسكم فانه قال الذين امنوا يقاتلون في سبيل الله والذين كفروا يقاتلون في سبيل الطاغوت فقاتلوا اولياء الشيطن ان كيد الشيطن كان ضعيفا ۔ (٤ : ٧٦) ✲ فما الكفر الا اعراضكم عن الجهاد بالسيف وفراركم من الموت الا تبصرون ✲ ومن لا يقاتل عدآئه في سبيل الله حق قتاله ويدعهم الى السلم حذر الموت فيهن ويحزن ومن يولهم يومئذ دبره الا متحرفا لقتال او متحيزا الى فئة (٨ : ١٦) فيوهن امره في الدنيا ومن لا يغلب لا ينصر من الله فهو الذي كفر عند الله واولئك هم الكفرون ✲ فانه قال لمؤمني القرن الاول بل في كل من ادخل الايمان في قلبه يوم خلق السموت والارض الى يوم القيمة ۔ ولو قاتلكم الذين كفروا لولوا الادبار ثم لا يجدون وليا ولا نصيرا ۔ سنة الله التي قد خلت من قبل ۔ ولن تجد لسنة

وان الكفر هو الاعراض عن الجهاد بالسيف مع القدرة وهو الاعراض عن الاستقامة في العمل والنظم والنسق

ولذلك قال فى عدم قدرتهم وقلت حيلتهم وتوهن امرهم فى الدنيا لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ (١٣ : ١٤) افلا تبصرون ✤ فما الكفر الا عدم استقامتكم فى العمل واعراضكم عن النظم والنسق بل تحرزكم من شركم وعبادتكم اولادكم واهواءكم وشهواتكم ومن تعبدكم كبراءكم واولياءكم ومن استمساككم باحبارهم ورهبانكم ومن ظلمكم انفسكم من السعى والعمل فى الدنيا لتغلبوا ايها الفقهاء المتجاهلون المعاصرون! ✤ وما الكفر الا ضلال سعيكم فى الحيوة الدنيا * وحبوط اعمالكم فيها * وسوء بالكم فى الارض * وتمتعكم كانعام على ظهرها * وعدم قدرتكم * وفقدان حكمكم فى هذه * من توهنكم ونقص ايمانكم وسوء اعمالكم وتعبدكم انفسكم وعبادتكم الطاغوت لو كنتم تعلمون ✤ فانه قال أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ۝ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ (اى فى الدنيا) فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝ ذَلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ (١٨ : ١٠٢ - ١٠٨) افلا ترجعون ✤ وقال الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا (اى فى الدنيا) فَوْقَ الْعَذَابِ (اى عذاب الاخرة) بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ۝ (١٦ : ٨٨) ✤ وقال فى بنى اسرآءيل حين فسدوا وعلوا فى الارض وافقد الله حكمهم فى الدنيا وَقَضَيْنَا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا

في ان الكفر هو الاعراض عن الاستقامة فى العمل والاعراض عن النظم والنسق.

✤ اى جثت الارض يلبثون فيها ما دامت السموات والارض ✤

عاقبة الذين من قبلهم دمر الله عليهم وللكفرين امثالها ۝ ذلك بان الله مولى الذين امنوا و
وان الكفرين لا مولى لهم (٤٧: ١٠-١١) ❁ بل قال فى مايلى هاتين الآيتين ليبين لنا ما اجر المؤمنين
فى هذه الدنيا وما بال الكفرين فيها ان الله يدخل الذين امنوا وعملوا الصلحت جنت تجرى
من تحتها الانهر والذين كفروا يتمتعون ويأكلون كما تأكل الانعام والنار مثوى لهم (٤٧
: ١٢) ✲ فالحق ان الكفرين هم الذين لا يعلمون سنة الله فى هذه الارض وهم الذين لا يؤمنون بما
نزل على محمد (٤٧: ٢) فلذلك لا يكفر الله عنهم سيأتهم ويذرهم يتمتعوا فى الارض كالانعام خاسئين ✲
لا يسعون فى الدنيا سعيا بليغا ولا يعملون الصلحت ولا يوحدون انفسهم ولا ينظمون جماعتهم بل لا يقدرون
مما كسبوا على شئ ويحسبون انهم يحسنون صنعا غافلين ✲ فلذلك قال الله فيهم مثل الذين
كفروا بربهم اعمالهم كرماد اشتدت به الريح فى يوم عاصف لا يقدرون مما كسبوا على شئ
ذلك هو الضلل البعيد ۝ (١٤: ١٨) ❁ وقال والذين كفروا اعمالهم كسراب بقيعة يحسبه الظمان
ماء حتى اذا جاءه لم يجده شيئا ووجد الله عنده فوفه حسابه والله سريع الحساب او كظلمت
فى بحر لجى يغشه موج من فوقه موج من فوقه سحاب ظلمت بعضها فوق بعض اذا اخرج يده
لم يكد يريها ومن لم يجعل الله له نورا فما له من نور (٢٤: ٣٩-٤٠) افلا تتقون ✲ وهم الذين
يجادلون فى ايت الله (اى احكامه) ليحرفوا مقاصدها ويجادلون بالظن ليدحضوا به العلم
وليجعلوا يسرا لانفسهم ماكرين ✲ فلذلك قال الله فيهم ما يجادل فى ايت الله الا الذين كفروا فلا
يغررك تقلبهم فى البلاد ۝ كذبت قبلهم قوم نوح والاحزاب من بعدهم وهمت كل امة برسولهم
ليأخذوه وجادلوا بالباطل ليدحضوا به الحق فاخذتهم فكيف كان عقاب وكذلك حقت كلمت
ربك على الذين كفروا انهم اصحب النار (٤٠: ٤-٦) افلا تسمعون ✲ وقال وما نرسل المرسلين الا مبشرين و
منذرين ويجادل الذين كفروا بالباطل ليدحضوا به الحق واتخذوا ايتى وما انذروا هزوا (١٨: ٥٦) افلا تعقلون ✲

على استعمال سمعنا وابصارنا وافئدتنا لنرى ملكوته ولنطلب العلم من اعماله من دون الظن و
لنؤمن بسموته وارضه وما بينهما اشد ايماناً ولنؤمن بالحق متصرفين عن الباطل فانه قال
وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللهِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (٢٩: ٥٢) ✲ وقال الَّذِينَ كَفَرُوا
اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ (٤٧: ٣) وَالَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِن رَّبِّهِمْ (٤٧: ٣) وقال أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ
وَبِنِعْمَةِ اللهِ يَكْفُرُونَ (٢٩: ٦٧) ✲ فما الكفر الا اعراضكم عن العلم ايها الجهلون ✲
لتحلوا قومكم دار الذلة والمسكنة بجهلكم ولتنكروا انعم ربكم ولئلا تشكروها
حق قدرها وشكرها فانه قال أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ
دَارَ الْبَوَارِ (١٤: ٢٨) ✲ وقال يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ
الْكَافِرُونَ (١٦: ٨٣) ✲ فمن قدر انعم ربه حق قدرها وطلب العمل منها وخاض فيها
اشد خوضاً وسلك سُبُل ربه ليدوم عليها فاولئك هم المؤمنون ✲ واولئك هم المفلحون
في الدنيا اينما تنظرون ✲ وما كان الله ان يحب الذين يطردون انعمه بالاستحقار ويزهدون
ما خلق السموت والارض ايها الغفلون! ✲ فلا شك في انكم في اسلامكم الضالون ✲ ومن غرض
عن مكارم الاخلاق ولم يسع لها سعيها فاولئك هم الكفرون ✲ فاقالا يفاء بالعهود فقال
إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ
فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ (٨ : ٥٥-٥٦) ✲ واما الاسراف في المال فقال وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا
إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا (١٧: ٢٦-٢٧) ✲ وغيرها من
الاقوال التي لم اذكرها هنا من خوف الطوالة فتدبروا ان كنتم قوماً تتفكرون ✲ ولا شك في انه
من لم يؤمن باليوم الاخر عملاً ومعناً ولم يسع له سعياً بليغاً ولم يجد نفسه بل لم يرد الا الحبوة الدنيا
فقد كفر عند ربه فانه قال مَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى وَالَّذِينَ

في ان الكفر هو الاعراض عن العلم وعن درس اعماله تعالى

في ان الكفر هو الاعراض عن مكارم الاخلاق

خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ
اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا
وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ
وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ (١٧: ٤-٨) ❁ فلا تفتروا على الله كذبا ولا
تقولوا ان وعد الاخرة يجئ الى يوم القيٰمة ليسوء وجوه الكفّار ويبيّض وجوهكم فانه قد جاءكم الآن
وقد اساء وجوهكم ولا تقولوا فى قلوبكم ان القراٰن يهديكم الى الذلّة والمسكنة اوالعمائم والتسابيح
بمكركم لانه قال[†] اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ (١٧: ٩) ❁ فيا ايها المفتيون المعاصرون! اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ۝ (١٠: ٦٨) ❁ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا
مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ (١٠: ٦٩-٧٠) ❁ وما هو الا انكم
جحدتم بهٰذه الايات وكتمتم شهادتها ٭ وماقدّمتم شيئاً من السّعى والعمل لتجعلوا يسرا لانفسكم ٭ و
ما اٰمنتم بالكتٰب حقّ ايمانه ٭ بل كفرتم ٭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ
يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝ (٢٩: ٤٧) ❁ افلم يقل ربكم لكم فى الكتٰب خَلَقَ اللّٰهُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (٢٩: ٤٤) ❁ اولم تتوجّهوا الى قوله
وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔـا ۙ (١٦: ٧٨) وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْــِٕدَةَ ۙ قَلِيْلًا
مَّا تَشْكُرُوْنَ[††] ۝ (٣٢: ٩) ❁ وقوله لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ڏ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْۗءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا
تَتَذَكَّرُوْنَ[‡] ۝ (٤٠: ٥٧-٥٨) ❁ ثمّ الى قوله وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاۗءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۝ (٣٨: ٢٧) فلاشكّ فى انه تعالىٰ حرّضنا فى هٰذه الآيات

[†] وهو يقول بل الآيات التى تقدم ذكرها شدّتره [††] اى لا تستعملونها الا قليلا [‡] اى لا تطلبون العلم منها ومن طلب العلم منها وهم الذين اٰمنوا به وعملوا صالحا

يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ (٣ : ١٤١-١٤٣) ✲ فما الان مطلوب لطالب وولله حتى لاحرله انه يعرض نفسه عليه ويتمنى الموت فى سبيله الا بتصرون ✲ وما ولى احدا احدا حتى فتنة وعلم الله يصدق قوله بالعمل ومن صدق فاولئك من المحبوبين ✲ ولذلك قال ربكم لكم احسب الناس ان يتركوا ان يقولوا امنا وهم لا يفتنون ۝ ولقد فتنا الذين من قبلهم فليعلمن الله الذين صدقوا وليعلمن الكذبين (٢٩ : ٢-٣) * ومن جاهد فانما يجاهد لنفسه ان الله لغنى عن العلمين ۝ (٢٩ : ٦) ✲ يجاهد ليغلب نفسه على الاعداء وليكون فى الدنيا من الذين لا خوف عليهم ولا هم يحزنون ✲ فيا اكبر اء الخلق من الناس اعملوا وعاملوا واصبروا وصابروا ولا تفروا من الموت ولا تقنطوا ثم اعملوا بايديكم وارجلكم وتحسسوا من تمكينكم من الارض والغلبة والامن الذى سلبكم الله بكفركم ولا تايئسوا من روح الله انه لا ييئس من روح الله الا القوم الكفرون ۝ (١٢ : ٨٧) ✲ ولا تطمئنوا بما لكم السوء فى زعمكم انه سيغفر لكم فانه قال ان الذين لا يرجون لقاءنا ورضوا بالحيوة الدنيا واطمانوا بها والذين هم عن اياتنا غفلون ۝ اولئك ماوهم النار بما كانوا يكسبون ان الذين امنوا وعملوا الصلحت يهديهم ربهم بايمانهم تجرى من تحتهم الانهر فى جنت النعيم (١٠ : ٧-٩) ✲ وقال يايها الذين امنوا لا تتولوا قوما غضب الله عليهم قد يئسوا من الاخرة كما يئس الكفار من اصحب القبور (٦٠ : ١٣) ✲ ولا تكفروا بايات الله عملا ولا تكذبوها بل اسجدوا لها بالعمل ولا تقولوا كالكفار فى عهد النبى لا تسمعوا لهذا القران والغوا فيه (بفقههم واحاديثهم وجهلهم واباطيلهم) لعلكم تغلبون ۝ (٤١ : ٢٦) * فالذين كفروا بايت الله ولقايه اولئك يئسوا من رحمتى واولئك لهم عذاب اليم (٢٩ : ٢٣) ✲ والكفار هم الذين اذا قرئ عليهم القران لا يسجدون * بل الذين كفروا يكذبون ۝ (٨٤ : ٢١-٢٢) ✲

* اى لا يسجدون للقران عملا ومعنا ولا يفعلون ما امر الله فيه ا

كفروا عما انذروا معرضون (٤٦ : ٣) * وقال واقسموا بالله جهد ايمانهم لا يبعث الله من يموت
بلى وعدا عليه حقا ولكن اكثر الناس لا يعلمون * ليبين لهم الذي يختلفون فيه وليعلم الذين
كفروا انهم كانوا كاذبين (١٦ : ٣٨ - ٣٩) ✤ وقالوا اذا ضللنا في الارض ءانا لفي خلق جديد
بل هم بلقاء ربهم كفرون (٣٢ : ١٠) ✤ فما الكفر الا اعراضكم عن الايمان
بالاخرة عملا ومعنا لو كنتم تعلمون ✤ ولا تجدوا من قولكم انكم تؤمنون
بالاخرة باقوالكم والسنتكم وكلما تكم الشهادة فالقول ليس بشئ عنده انه
يحب العاملين ✤ ومن الناس من يقول امنا بالله وباليوم الاخر وما هم
بمؤمنين (٢ : ٨) ✤ فاعملوا واجهدوا وامرحين لقاء ربكم واستميتوا التفوز وا في الدنيا فانه لا
يكاد ان يغفر لكم يوم القيمة حتى تموتوا جاهدين ✤ وان تشاءون ان تبتغوا ولاء الله و
حبه فلا تبتغونه ابدا حتى تعرضوا انفسكم عليه وتمنوا الموت في سبيله لتكونوا في
الدنيا من الغلبين ✤ فانه نبهكم بقوله ولنبلونكم حتى نعلم المجهدين منكم والصبرين
ونبلوا اخباركم (٤٧ : ٣١) وقضى الله يحب الذين يقاتلون في سبيله صفا كانهم بنيان
مرصوص (٦١ : ٤) افلا تذكرون ✤ وان زعمتم ان تصيرون اولياء الله بعائمكم وسبحكم و
اقوالكم او باعتكافكم في البيوت والمساجد فرارا من الموت ماكرين انكم تعبدون الله وتحبونه
فساء ما تزعمون ✤ وقد كانت اليهود تفر من الموت مثلكم على هذا تظن بانفسهم ظنونا كما
تظنون فدعاهم ربهم بقوله يا ايها الذين هادوا ان زعمتم انكم اولياء لله من دون الناس فتمنوا
الموت ان كنتم صدقين * ولا يتمنونه ابدا بما قدمت ايديهم والله عليم بالظلمين * قل
ان الموت الذي تفرون منه فانه ملقيكم ثم ترددون الى عالم الغيب والشهادة فينبئكم بما كنتم
تعملون (٦٢ : ٦ - ٨) ✤ بل دعاكم والقى اليكم قولا غليظا بقوله ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما

في ان الكفر هو الاعراض عن ايمان بالاخرة

فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ۝ (٤٠ : ٨٣-٨٥) ✿ فقولوا الحمد لله رب العلمين ۝ الرحمن الرحيم ۝ ملك يوم الدين ۝ إياك نعبد وإياك نستعين ۝ اهدنا الصراط المستقيم ۝ صراط الذين أنعمت عليهم ۝ غير المغضوب عليهم ولا الضالين ۝ (١ : ١-٧) ✿

وان حرفتم الفاظ القرآن استد حرفًا وفحصتم عنه اشد فحصًا ايها المفتيون المعاصرون فلن تجدوا فيه كفرًا غير هذا الكفر بالافعال ۝ او انكارًا غير هذا الانكار بالاعمال ۝ فلن تجدوا فيه كفرًا بالاقوال ۝ او ايمانًا بمكر اللسان والكلمات والامال ۝ او اسلامًا بانعم والالبسة والسربال ۝ الا انه من جاء بكلمة سيئة ثم عمل ليشاكل قوله فعله ثم استدام عليه و أحاطت به خطيئته (٢ : ٨١) ۝ ومن صرف عن ايات ربه عملًا ومعنًا ليشتغل عنه بما خلاه تعظيمًا وتكريمًا فقد كفر عند ربه ۝ ولا يكفر احد عند الله حتى بلغ في اشتغاله مبلغ العبادة ۝ او توغل في حبه عاكفًا له ۝ او تعدى حدود الحب لنبشر لك بالله ۝ فلذلك قال الله عز وجل في النصرانيين الاقدمين الذين كانوا يعبدون المسيح اشد عبادة عملًا ومعنًا ومع هذا كانوا يقولون بافواههم انه ابن الله كما يقولون الان رواجًا وعادة: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (٥ : ٧٢-٧٣) ✿ فما كان قولهم هذا الا ما كان يحثهم على عبادة المسيح عملًا ومعنًا صرفا عن احكامه تعالى فلذلك ما اختص عز وجل كلهم بالعذاب الا من كفر منهم بالعمل ولذلك سمى قولهم المضاهاة بالافواه وقال: وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَ

"وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ
يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمُ النَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ"
(٢٢:٧٢) افلا تسمعون ✣ فيا ايها الذين زعموا انكم امنتم اسجدوا لهذا القرآن واسكتوا عنه فلا
مجال لكم ان تفروا منه جادلين ✣ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ
وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ٥ (٧:٢٠٣-٢٠٤) ✣ وَلَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ
الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ٥ (١٧:٨٨)
افلا تؤمنون ✣ ولو انزل الله هذا القرآن على جبل لرأيته خاشعا متصدعا من خشية
الله (٥٩:٢١) افلا تتفكرون ✣ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْفٰسِقُوْنَ ٥ (٥٩:١٩) ✣ ولا تقولوا لتابعيكم ومن يستفتيكم اتبعوا سبيلنا لتفلحوا منا فانه
قال وقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ
مِّنْ شَيْءٍ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ٥ (٢٩:١٢-١٣) ✣ واهجروا الشرك والكفر هجرا مهجورا عن قلوبكم واعمروا مسجد الله
بالتوحيد وصلوا صلوة النجم والشجر وانفقوا ولا تستكثروا من الخير واتقوا الله فانه
قال مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ٥ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ٥ (٩:١٧-١٨) ✣ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ
اِلَّا السَّاعَةَ[1] اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ (٤٧:١٨)
مبلسين ✣ فلا تنظروا باسر بكم ولا تنتظروا ولا تربصوا او تفرحوا بما عندكم من
العلم لانه اذا جاءكم العذاب فانتم لا تنظرون ✣ فانه قال فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

[1] اى ساعة الملائكة ✣

قول او كلمة عند الله فما هو الا ان تقولوا بافواهكم انكم لا تؤمنون بكتب من عند الله غير هذا القرآن ۝ او تقولوا ان الرسل قد جاءوا من عند ربهم برسلت شتى ۝ لا بالكتب الواحد الذي هو بين ايديكم ۝ او تقولوا ما كتب الله في الصحف التي جاءوا بها ما كتب الله لنا في القرآن فتفرقوا بين الله ورسله وتزيدوا الناس اشتاتا لانه قال يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ (٤: ١٣٦) ۞ فما الكفر الا ما ينهكم عن الاتحاد بل ما يكفكم عن التوحيد بين الناس ايها المتفرقون المتشتتون ! فقولوا انما نحن نعبده ولا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ احدنا من رسول ربا لنا تعظيما او تكريما وقولوا انما نحن له مسلمون (٣: ٨٣) ۞ وما الايمان الا ان لا تكونوا عيسويين او موسويين او محمديين خاصة بل ان تكونوا حنفاء لله مسلمين له غير مشركين به احدا من العلمين ۞ فقولوا الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ (١: ١-٧) ۞

وما فهمتم ما الصراط المستقيم ايها الضالون ! ۞ بل ما الذي ينعم الله عليكم به ان كنتم به متمسكين ۞ وما الذي تسئلون ربكم ليلا ونهارا في صلوتكم ان يهديكم اليه متغافلين ۞ وما الذي سمى المتقدمون من العلماء اضيق من الشعر واحد من السيف في لغتهم وزعم الجهلاء منكم انه معبر على حفرة جهنم لتدخلوا الجنة متركحين على ظهور غنمكم وبقركم فرحين ۞ وان ارخص الله لكم الجنة بلحومكم ودمائكم ونلتم اجوركم من هذا القبيل فهل نسخ لكم كل الدين ۞ ام تتخذون دينكم لهوا ولعبا ايها اللعبون ! ۞ وما هو الا انكم تتلعبون بانفسكم فناموا في لهوكم ايها الغفلون ! ۞ تتجاهلون لتخدعوا الله وما تخدعون الا انفسكم وما تشعرون ۞ فما الصراط المستقيم بما انتم تهجرون ۞ ان هو الا تعبدكم بربكم في العمل ۝ واعراضكم عن الطاغوت والدجال ۝ واشعاركم انفسكم بالتوحيد ۝ ومداومتكم عليه بكرة واصيلا ۝ فانه قال أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَأَنِ اعْبُدُونِي هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ (٣٦: ٦٠-٦١) ۞

(البقية من صفحة ١٢٨) يقولون بافواههم ان المسيح ابن الله او انه هو الله وهذا ما يوافق بقوله عز وجل في آية (٩: ٣٠) فتدبر

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (۹:۳۰) ومن بعد ذلك قال نظرًا الى عبادتهم احبارهم ورهبانهم في العمل وان لم يسمّهم احدًا ربابه بلسانه وحمل هذا الفعل على الشرك بقوله اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۹:۳۱) ✤ فتدبّروا يا ايها الفقهاء القوالون ✤ ما الكفر بما ظننتم من الاقوال بل هو ما انتم تفعلون وما انتم تكسبون ✤ وما انتم تقولون بافواهكم لتفرّقوا بين الناس وتخاصموا بينكم فتصيروا شيعًا فرحين بما لديكم من اقوالكم وكلماتكم هو الكفر * لانه من لم يعتصم بحبل الله ولم يصلح بين الناس ولم يرابط بين احزابهم فهو الذي قد كفر عند الله اشدّ كفرًا بل اولٰئك الذين كفروا بالله وبرسله وبتوحيده وبكتبه اولٰئك من المعذّبين ✤ فانه من امن بالله وبتوحيده حق ايمانه فقد امن بالاتحاد بين الناس * وهو الذي قد امن بالمساواة والمصالحة والمواخاة بينهم * وهو الذي قد امن بان الله لا يرضى العباده الاشتات والافتراق بل يرضى ان يكون الناس امّة واحدة * ومن امن بالله حق ايمانه فهو الذي قد امن قولًا وفعلًا بان الرسل قد جاءوا من قبلهم بكتاب واحد * بل جاءوا ليصالحوا بين الناس وليرابطوا ويعدلوا ويجمعوا بينهم فيكونوا سواء * ومن امن بالله حق ايمانه فهو الذي لا يفرق بين احد من الرسل بلسانه لانه يحبّ ان يوخذ بين تابعيهم بل لا يقصد من رسالاتهم شيئًا الا الاصلاح والاتحاد فلذلك يمحق الله الذين يزيدون الاشتات بين الناس بافواههم الواهية الكفر حقًّا وقال اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۴:۱۵۰-۱۵۲) ✤ فان كان القول من كفر عند الله فما هو الّا ان تقولوا التفرّقوا بين الناس * او تقولوا التحازبوا * او تقولوا التفرّقوا وتخاصموا * او تقولوا التساتوا * ومن يقل منكم مثل هذا ليزيد الاشتات بين الناس فاولٰئك هم الكفرون ✤ وان كان الكفر من

✤ اظن انه عزّ وجلّ قصد من هذا القول "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمِنْ دُوْنِ الْمَسِيْحِ ابْنِ مَرْيَمَ" لا المسيح ابن مريم اي يعبدون احبارهم ورهبانهم عملًا ومعنًى في قلوبهم و (الباقي)

وِجهةٌ ومنها جاء عن مناهج اعداءكم نظرا الى وحدة امتكم فانه قال سيقول السفهاء من الناس
ما ولّٰهم عن قبلتهم التي كانوا عليها قل لله المشرق والمغرب يهدي من يشاء الى صراط مستقيم
(٢ : ١٤٢) ✤ وما صراط ربكم المستقيم الا اطاعتكم امير كم بلا عذر
وحجة واتباعه في اي حال واشكال وعرضكم عليه اموالكم وانفسكم بل
جهادكم بالسيف مع اعداءكم وجهادكم بالمال والهجرة لتثبتوا
امتكم اشد تثبيتا في الدنيا ولتكونوا فيها وفي الاخرة مع الذين انعم الله
عليهم ولتكونوا في الدنيا والاخرة من الصلحين ✤ فانه قال ولو انا كتبنا
عليهم ان اقتلوا انفسكم او اخرجوا من دياركم ما فعلوه الا قليل منهم ولو انهم
فعلوا ما يوعظون به لكان خيرا لهم واشد تثبيتا ۝ واذا لآتيناهم من لدنا
اجرا عظيما ۝ ولهديناهم صراطا مستقيما ۝ ومن يطع الله والرسول فاولئك مع الذين
انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصلحين وحسن اولئك رفيقا ۝ ذلك الفضل
من الله وكفى بالله عليما ۝ (٤ : ٦٦-٧٠) ✤ وقال في موضع اخر في اطاعة الامير والافتراق بين الناس و
اعراضهم عن التوحيد عملا ومعنا ولما جاء عيسى بالبينت قال قد جئتكم بالحكمة ولابين لكم
بعض الذي تختلفون فيه فاتقوا الله واطيعون ۝ ان الله هو ربي وربكم فاعبدوه هذا صراط
مستقيم ۝ فاختلف الاحزاب من بينهم فويل للذين ظلموا من عذاب يوم اليم ۝ (٤٣ : ٦٣-٦٥) ✤

في ان مداومتنا على اطاعة الامير و الجهاد بالسيف والجهاد بالمال و الهجرة هو معنى الله بصراط مستقيم

وما صراط ربكم المستقيم الا استقامتكم في السعي والعمل لتفلحوا في الدنيا
وصبركم على مصائبكم بالجد والجهد وتوكلكم على الله في النتائج وجهادكم في
ما اصابكم اشد الجهاد لتكفروا عن انفسكم السيئات فانه قال وما لنا الا نتوكل على الله
وقد هدانا سبلنا ولنصبرن على ما اذيتمونا وعلى الله فليتوكل المتوكلون ۝ (١٤ : ١٢) ✤ وقال

في ان الاستقامة في العمل هو معنى الله بصراط مستقيم

✤ اي صراطنا المستقيم ✤

وقال قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (٦ : ١٦٢-١٦٣) ✣ وقال اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ۚ وَلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۚ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (١٦ : ١٢٠-١٢٢) ✣ وقال

فی ان المداومة علی التوحید هی ما عنی الله بصراط مستقیم

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ (٤٣ : ٦٤) ✣ وقال فی اتباعه عملاً ومعناً والاعراض عن عبادة الطاغوت وَاتَّبِعُوْنِ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ وَلَا یَصُدَّنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ (٤٣ : ٦١-٦٢) ✣ وما صراط ربکم المستقیم الا مداومتکم علی وَحْدَةِ الْاُمَّةِ

فی ان وحدة الامة هی ما عنی الله بصراط مستقیم

واعراضکم عن الاختلاف والافتراق بینکم وفی كِتَابِ اللّٰهِ ۝ بل فی الْكُتُبِ الذی جاء به کل الانبیاء ۝ واعراضکم عن کونکم علی شفا حفرة من النار ۝ والاعتصام بحبل الله ۝ والاصلاح بین الناس ۝ فانه قال وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۚ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۚ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (٣ : ١٠٠-١٠٢) ✣ وقال كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۚ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (٢ : ٢١٣) ✣ وما صراط ربکم المستقیم الا اجتماعکم علی نقطة واحدة ورجوعکم الیها لتوحدوا انفسکم ولتتخذوا الکم

فی ان تحصل العلم من مطالعة اعمال الله واتباعه هو ما عنی الله بصراط مستقیم

الطبیعة واحوال مخلوقاتها السفلیة لتعرفوهم ۞ ومن عرفهم فقد عرف نفسه وربه ۞ فانه عزّ وجلّ ذکّرنا بما خلق علی ظهر الارض من مخلوقاته الحیوانیة ۞ و وحدة نسلها وتکوینها من مَّآءٍ واحدٍ ۞ فحرّض الانسان علی دراسة احوالها ۞ وحمل مطالعتها علی استقامة الصراط وقال وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّن مَّآءٍ (ای یصدرون من اصل واحد) فَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ (مثل الحیتان) وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ (ای الطیور) وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ أَرْبَعٍ (کالانعام والانسان) يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲۴: ۴۵) ۞ وبعد ذلک قال لَقَدْ أَنزَلْنَآ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ (ای التی تتبین لکم من این خلق کل هذه فتدرسوا احوال مخلوقاته لتعرفوا من این انتم وانی خلقتم ومن این جئتم) وَاللّٰهُ يَهْدِي مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۲۴: ۴۶) ۞ فاشعرکم ربکم فی هاتین الآیتین بانه خلق کل شیء حیّ من مَّآءٍ واحدٍ واصدرهم من اصل واحد ونسل کما قال الحکماء الغربیّون فی توصیفهم مسئلة الارتقاء وحرّضکم علی الاعتراف بهذه الحقیقة العجیبة الغریبة لتعرفوا انفسکم ولتقدروا ربکم حقّ قدره ولتقدروا عظمته وجلاله ووسعة قدرته وحمل کل هذه الدراسة علی صراط مستقیم ۞ وما صراط ربکم المستقیم الا طلبکم العلم وتتبعکم ما شهدت علیه سمعکم وبصرکم وفؤادکم من دون الکذب والظنّ فانه قال فی موضع اخر فی الذین کانوا یتبعون الظنّ مثلکم فی عهد النبیّ صلعم: وَمَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۞ فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ ۞ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۞ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ (ای صراطه المستقیم) وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ (۵۳: ۲۸-۳۰) ۞ وفی موضع اخر قال للنبیّ وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللّٰهِ (ای صراطه المستقیم) إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ (من دون العلم) وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ

+ ولیرجع القاری الی صفحة ۳۷ من کتابی تذکرة لتشریح ما عنی الله بهاتین الآیتین +

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (٢٩:٦٩) ✤ وقال اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّىْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّىْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (١١:٥٦) ✤ وما هو الا غلظتكم على اعدائكم وحفظكم انفسكم منهم لتميلوا عليهم ميلة واحدة فتقتلوهم اشد تقتيلا باستقامتكم فى السعى والعمل فانه قال وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (٤٨: ٢٠) ✤ وقال اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (٤٨: ١-٢) ✤ وما صراط ربكم المستقيم الا مداومتكم على مكارم الاخلاق واعراضكم عن الفواحش ما ظهر منها وما بطن واجتنابكم مما حرم الله عليكم من كبائر الاثم صرفا عما يجر بها عليكم من الذبيحة والمنخنقة والتطيحة متوغلين فى ما انزل الله لتمشوا فى مناكب الارض امنين ✤ ولتعقلوا سنة الله فى الارض وسنة من بقى على ظهرها امنا ولتكونوا فى الدنيا ما دمتم غالبين ✤ فانه عز وجل قال قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (٦: ١٥٢-١٥٣) ✤ وما صراط ربكم المستقيم الا دراستكم اعمال ربكم وتحصيل العلم من صحيفة الله التى عرضها السموت والارض ۝ ودراستكم احوال

فى ان المداومة على مكارم الاخلاق هى ما عنى الله بصراط مستقيم

المستقیم الا تعلیمکم حکمة القرآن و تبیینکم و موعظته ایها الغفلون المجادلون: ✿ بل ما هو الا اجبارکم الناس علی حقیته وصدقه وعدله وهدایته ونوره وبشارته ورحمته وحکمته وموعظته وشفاءه بعلمکم وشهادتکم لا تکذیبه بجهلکم لو کنتم تعلمون ✿ فانه یهدی الناس الی السلم والحفظ والامن لیکونوا فی الدنیا من الذین لا خوف علیهم ولا هم یحزنون ✿ ولیکونوا فی الاخرة من المکرمین ✿ ولما لا یکفیهم ان نزل الله الیکم کتابا یبدل خوفهم امنا ابدا ویبشرهم بنعیم مقیم ان بینتموه بعلمکم بل اکرهتموهم ببرهانکم علی ان یدخلوا فی دینکم افواجا ساجدین ✿ فانه قال بَلْ هُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (۲۹:۴۹) ✿ وبما لا یستسلمون للقرآن ان بینتموهم نوره او جئتموهم بنباه وعلمه بعلمکم وبما لا یستجیبون لکم ان اخرجتموهم من ظلماتهم وهدیتموهم بالحق الی صراط مستقیم ✿ فانه قال فی کتابکم الذی انتم تهجرون به الان قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۙ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَیَهْدِیْهِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۵:۱۵-۱۶) ✿ یخرجهم من ظلمت الخوف والحزن الی نور السلم والامن بواسطة التوحید والایمان لتکونوا فی الدنیا من الغلبین ✿ فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وذلک جزاء المسلمین ✿ وَاللّٰهُ یَدْعُوْۤا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ۚ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۱۰:۲۵) ✿ فما صراط ربکم المستقیم الا ان تسلکوا سبل السلم فی الدنیا ایها الهالکون! ✿ وان تستمسکوا بما اوحی الله الی رسولکم من قانونه مبیتین ومصبحین ✿ فانه قال فَاسْتَمْسِکْ بِالَّذِیْۤ اُوْحِیَ اِلَیْکَ ۚ اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۴۳:۴۳) ✿ وان تشعروا قلوبکم بالایمان ولوازمه واعماله وبروح من امره تعالی فانه قال لنبیکم (اذ لم یحط علمه بالقانون الذی یجری فی العادة) وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی

أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ (اى صراطه المستقيم) وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ٥ (٦: ١١٧-١١٨) ❁ فما صراط ربكم المستقيم الا تحصيلكم العلم ٥ وترككم ما يبعد فى العادة ٥ واتخاذكم ما يجرى فيها ٥ و استمساككم بسنة الله الجارية ٥ ودراستكم احوال مخلوقاته ٥ ومعرفتكم انفسكم ٥ وغلبتكم على اعدائكم ٥ وتمكينكم من الارض بوساطة العلم بل تبيينكم حكمة ما انزل الله اليكم من الكتب بواسطة النور الذى يصدر منه ٥ وتصديقكم علم القران وحكمته وموعظته على النصارى واليهود وغيرهم من اهل الكتب بالذى يجرى فى العادة بين يديه وعلى رءوس الاشهاد لو كنتم تعلمون ❁ وما كان لكم ان تجادلوا اهل الكتب بجهالتكم التامة المتعدية التى تسرى فى اذهانكم ايها الجهلون! ❁ وما كان لكم ان تجادلوا ببصر فكركم ونحوكم او بشعركم وصنائعكم وبدائعكم او بسبحكم وعمائمكم فانهم عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ٥ (٢٣: ٣) ❁ وما كان لكم ان تميلوهم الى الاسلام او تدخلوهم فى زمرتكم حتى تعلموا مثل ما يعلمون ❁ وتجهدوا فى سبيل الله مثل ما يجهدون ❁ فانهم يقولون لكم اذا جادلتموهم بجهلكم لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ٥ (٢٨: ٥٥) ❁ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ (٢٨: ٥٥) فالمؤمنون هم الذين إِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ٥ (٢٥: ٧٢) وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ٥ (٢٥: ٦٣) معرضين ❁ يعلمون سنة الله فى الارض بالحق ويفعلون ما يريد الله بهم ويتبعون العلم من دون الظن وانتم لا تعلمون من شئ ولا تعملون ❁ بل تسخرون وتخرصون ❁ فلذلك يجزى الله الذين احسنوا باحسن ما فى السموات والارض (٥٣: ٣١) وانتم تخذلون ❁ ولذلك قال الله لكم فى اهل الكتب ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (١٦: ١٢٥) (اى بواسطة العلم والحكمة والموعظة من دون الظن) لِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ (اى القران ١٢) مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ٥ (٢٢: ٥٤) ❁ وقال إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ٥ (١٦: ١٢٥) ❁ فما صراط ربكم

† الاشاره الى قوله تعالى وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ٥ (٥٣: ٣١) هذا مابلى الاية التى تقدمت على صفحة ١٣٣ فتدبر

بِأَنفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ (٦ : ١٢٣-١٢٤) ✤ فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَهَٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۝ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ۝ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِندَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (٦ : ١٢٦-١٢٨) ✤ ولن تستطيعوا ان تعرفوا الهدى وما دين الله وما الفطرت الله التى فطر الناس عليها حتى توحّدوا انفسكم ۝ وتصلحوا بين الناس ۝ وتسامحوا بينكم ۝ وترابطوا بين احزابكم ۝ وتصبروا وتصابروا وتتحدوا ۝ وحتى تستمسكوا بروح من امره تعالى صرفا عن الظواهر والمناسك لئلا تنازعوا او تختلفوا بينكم فى الامر ۝ وحتى توسعوا حدود الاسلام اشدّ توسيعا لتغلبوا فانه قال لكل امّة جعلنا منسكا هم ناسكوه فلا ينازعنك فى الامر وادع الى ربك انك لعلى هدى مستقيم وان جادلوك فقل الله اعلم بما تعملون الله يحكم بينكم يوم القيمة فيما كنتم فيه تختلفون (٢٢ : ٦٧-٦٩) ✤ وما كان لكم ان تسلكوا الصراط المستقيم خاصّا مختصّا الذى سماه ربكم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم (١ : ٧) فى القران حتى تفعلوا مثل ما فعل موسى وهارون بقومهما وتنصروا انفسكم مثل ما نصرهم وتنجوا قومكم من فراعينكم مثل ما نجّاهم وتكونوا غالبين مثل ما غلبوا فانه قال ولقد منّا على موسى وهرون ۝ ونجّيناهما وقومهما من الكرب العظيم ۝ ونصرناهم فكانوا هم الغالبين ۝ وآتيناهما الكتب المستبين ۝ وهديناهما الصراط المستقيم ۝ وتركنا عليهما فى الاخرين ۝ سلم على موسى وهرون ۝ انا كذلك نجزى المحسنين ۝ انهما من عبادنا المؤمنين (٣٧ : ١١٤-١٢٢) ✤ فهذا هو الصراط المستقيم ✤ وهذا هو الهدى ودين الحق الذى ارسل به رسولنا ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون (٦١ : ٩) ✤ وهذا هو صراط الذين انعم الله عليهم من النبيين والصدّيقين والشهداء والصالحين (٤ : ٦٩) غير المغضوب عليهم ولا الضالين (١ : ٧) ✤ و

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (٤٢: ٥٢) ۞ وقال اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (٢٢: ٥٤) ۞ وما انتم بمقيمي الصراط او سالكوه حتى تتقوا الله حق تقته بل تفعلوا اعمال الاتقاء التي تقدم ذكرها وحتى تطيعوا اميركم بل تعبدوا الله عملاً ومعناً فانه كان نبيٌّ (عيسىٰ) من انبيآءكم قال لقومه يقوم فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (٤٣: ٦٣-٦٤) ۞ ولن تسلكوا سبيل ربكم او تقيموا صراطه المستقيم ابداً حتى تؤمنوا بالساعة اشد ايماناً وتكونوا شهدآء على الناس لها بجهادكم في الله اشد جهداً وحتى تبينوا لهم بعلمكم وعملكم اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ (٢٠: ١٥) يكاد يخفيها الله لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ۝ (٢٠: ١٥) وحتى تكونوا شهادة على اعين الناس وبرهاناً لهم ودليلاً عليهم وعلماً عندهم بانكم لا تسئلونهم على ما تفعلون لهم من اجر وتؤمنون بانكم تودون اجوركم يوم القيمة

في ان الايمان بالاخرة مع السعي والعمل لها هو ما عنى الله بصراط مستقيم

فانه كان نبيٌّ من انبيآءكم عيسىٰ قد صار لقومه علماً ليوم القيمة ودليلاً عليها بشدة اطاعته وجهاده في الله وخدمة العباد فاثنى عليه ربه اشد ثناء وقال وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (٤٣: ٦١) ۞ ولن تستطيعوا ان تسلكوا صراط ربكم المستقيم حتى تحيوا انفسكم وتخرجوا قومكم مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (١٤: ٥) وتذكروهم بِاَيَّامِ اللّٰهِ (١٤: ٥) مثل ما فعل موسىٰ وتمشوا في الناس بنور من ربكم ۝ وتشرحوا صدوركم للسعي والعمل ۝ وتوسعوا قلوبكم للجد والجهد لئلا يكون عليكم في دين الله من حرج ۝ مرجين لقآء ربكم الى يوم القيمة ۝ محسنين انفسكم من ايمانكم بالاخرة ۝ مصلحين عاقبة قومكم جاهدين ۞ فانه قال اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا

الاشارة الى قوله تعالى وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (١٤: ٥) فما كان هذا الاخراج الى النور الا نور العلمة والاستخلاف في الارض والتمكين منها بواسطة الجهاد بالسيف فتدبر وليرجع القارى الى كتابي بذكره صفحه ٢٦ للتشريح المزيد

الحافاً كالفقراء واعتصاماً به ولتخافوا ان لا يهلككم الله بما فعل المبطلون (٧:١٧٣) ✲ فما هذا الا انه يذكركم بالروح من امره تعالى يوماً فيوماً ويعرض عليكم ليلاً ونهاراً كل ما جاء في الكتب المبين ✲ وما الصراط المستقيم الا انه جمع فيه كل ما كتب عليكم احكم الحاكمين ✲ ولذلك قال الله لنبيه ولقد اتيناك سبعاً من المثاني والقرآن العظيم (١٥:٨٧) ✲ لان المثاني تذكركم بالصراط المستقيم والنعمة وتخوفكم بغضب الله والضلال والقرآن ينبئكم بما الصراط المستقيم ✲ وبما النعمة ومنون المغضوبون عليهم ومنون الضالون ✲ ويوضح لكم كيف تسلكوا الصراط وكيف تهتدون ✲ وانه لاحد من السيف واضيق من الشعر لو كنتم تعلمون ✲ وان ضللتم عنه مقدار عرض شعر لكببتم على وجوهكم في النار انتم والغاوون ✲ وان نسيتم ذكرهم باتباعكم جهلاءكم وكبراءكم فمن يذكركم به بعد الا تبصرون ✲ فاذا مات رسولكم انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئاً (٣:١٤٣) افلا ترجعون ✲ وان تكفروا انتم ومن في الارض جميعاً (١٤:٨) فان الله غني عن العالمين (٣:٩٦) ✲ وسيعلم الذين ظلموا اي منقلب ينقلبون (٢٦:٢٢٧) ✲

فيا ايها المسلمون المعاصرون! الا انتم في اسلامكم الضالون ✲ وفي نعمتكم المغضوبون ✲ الا تحبون ان يغفر الله لكم والله غفور رحيم (٢٤:٢٢) ✲ يغفر لكم ما تقدم من ذنبكم وما تاخر ويتم نعمته عليكم ويهديكم الى صراط مستقيم† ✲ الم تروا انكم تتخطفون عن كل مكان امين ✲ وتسلبون وتفقدون ✲ ضاقت عليكم الارض بما رحبت (٩:٢٥) وانتم غفلون ✲ السارق قد ذهب باثث بيوتكم وانتم نائمون ✲ فهل تتركون في ما ههنا آمنين (٢٦:١٤٦) ✲ بل هل تحسون فيكم من نعمة ومن فضل ومن رحمة لتزعموا انكم لمنظرون ✲ افلم يهلك الله قبلكم من القرون وانهلكواء انتم الدائمون ✲ افخلق الله السموت والارض لعباً فتسخروا منه لعبين ✲

† لا اشاره الى قوله تعالى (٢:٣٨)

ان حرثتم الفاظ القرآن اشد حرثاً لن تجدوا فيه الصراط المستقيم غیر ھذا بل لن تجدوه الا فی
ھذہ الایٰت† افلا تسمعون ❁ فما الصراط الا ان تغلبوا فی الدنیا وتمشوا فی الارض امنین ❁
وما الصراط الا ان تکونوا عالی فی الارض وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ٥ (۳ : ۱۳۸) ❁ و
لھذہ ترکعون وتسجدون فی صلواتکم ایھا الساھون! ❁

فیا ایھا المسلمون الغفلون! ما صراط ربکم المستقیم الا ان تستقیموا الی العشرۃ المبشّرۃ
من اصول الاسلام لتمشوا فی الارض غلبین ❁ وھذہ صراط الذین ینعم اللہ علیھم فی زماننا
ھٰذا وھذہ صراط غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ ٥ (۱ : ۷) ❁ یغلبھم اینما تنظرون ❁ و
یمکنھم من الارض ویستخلفھم فی مناکبھا علی رغمکم امنین ❁ وانتم نسیتم صراطکم ایھا الناسیون!
نسیتم ولو تکررونہ فی صلواتکم مراراً مھللین ❁ نسیتم ولو ابتداء اللہ کتابہ بہ وعرض علیکم
اَنَّ الدین ھو ابتغاء نعمتہ وانما ھو ھذا وان تبتغوا وجھہ لتبتغوا من فضلہ ورحمتہ غلبین ❁
فمن صرف عن ھذا الصراط یحلل علیہ غضبہ وصار من الھالکین ❁ ومن رغب عنہ فاولٰئک
من الضالین ◎ ولو کانوا المسلمین المرتسمین المعاصرین ❁ وما عنی اللہ بالنعمۃ غیر ھذہ
النعمۃ ایھا الغفلون! ❁ وان تحرثوا الفاظ القرآن اشد حرثاً لن تجدوا فیہ نعمۃً فی غیر ھذہ
المعانی او نعمۃً عن نعمۃ الحیٰوۃ الدنیا و‡ما یرزقون ❁ فلھذہ علمکم رسولکم ان ترکعوا وتسجدوا
لربکم فی صلواتکم متضرعین وخاشعین لتلینوا قلب اللہ لکم فیزیدکم نعمۃً ورحمۃً وفضلاً من فورٍ
فانہ قال وَلَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ (۱۴ : ۷) ❁ وقال وَادۡعُوۡہُ خَوۡفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ
مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ٥ (۷ : ۵۶) ❁ وقال فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَاعۡتَصَمُوۡا بِہٖ فَسَیُدۡخِلُہُمۡ فِیۡ رَحۡمَۃٍ
مِّنۡہُ وَفَضۡلٍ وَّیَہۡدِیۡہِمۡ اِلَیۡہِ‡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ٥ (۴ : ۱۷۶) افلا تتدبرون ❁ فما دعاءکم فی الصلوٰۃ
للصراط المستقیم الا ان یغلبکم اللہ فی الدنیا من فورٍ ولھذا ترکعون ولھذا تسجدون ❁ لتسئلوہ

† دلیرحم القاصد الی صفحۃ ۲۲۵۔ تحت الحق من کتابی ید کرہ للتصدیق ؓ والی صفحات ۲۰ ۔ ۲۳ ۔ ۔۔ الدرس لتصدیق ہذا القول ‡ (ا) یھدیھم الی الفضل والنعمۃ والرحمۃ

لسانی وشرح لی صدری وبیّانی بما جاء فی القرآن العظیم ۞ فشرعت فی تصنیف کتابی تذکرة لا بین للناس ما نزل الیهم من العترة المبشرة ۞ وغیرها من حجة الله البالغة النافعة ۞ وبیّنته فی عشر مجلدات متتابعة ۞ وابتدأته بهذه الافتتاحیة البلاغیة ۞ لاشرح لهم ما عطفة صحیفة الله وماهیة ۞ وما کنت ادری ما الکتب ولا الایمان فجعله ربی نورًا فی صدری لادی قومی طریقهم به فانهم قوم لا یعلمون ۞ فتعالوا الی القرآن العظیم ۞ وتعالوا الی البلاغ المبین ۞ ولا تنظروا الی من قال کلا هذا بل انظروا الی ما قال فانی انا الظلام الخطاء الاثیم ۞ اظلم لنفسی لیلًا ونهارًا واعبد الاخلین بکرة و اصیلًا لرزقی ۞ ولا اعبد ربی لیرزقنی من لدنه ۞ واکذب القرآن یومًا فیومًا ۞ ولا استطیع ان اداوم علی التوحید بل اصنع لنفسی مکرًا بعد مکر ۞ واسارع الی الشرک کرة بعد مرة ۞ فلا تنظروا الی بل انظروا الی ما اقول ولولا افعل شقاوة لعلکم تفعلون ۞ وقولوا ربّ اجعل لنا مقیمیه ومستقیمی الیه واجعل قائله مقیمه وارزقنا من لدنک انک انت خیر الرازقین ۞ ربّنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین (۷: ۲۳) ۞ ربّنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ربّنا ولا تحمل علینا اصرًا کما حملته علی الذین من قبلنا ربّنا ولا تحمّلنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولنا فانصرنا علی القوم الکافرین (۲: ۲۸۶) ۞ ربّنا انک اتیت فرعون وملاه زینة واموالًا فی الحیوة الدنیا ربّنا لیضلوا عن سبیلک ربّنا اطمس علی اموالهم واشدد علی قلوبهم فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم (۱۰: ۸۸) ۞ ربّنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظالمین ۞ ونجّنا برحمتک من القوم الکافرین (۱۰: ۸۵-۸۶) ۞ ربّنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا (۳: ۱۴۶) وافرغ علینا صبرًا وثبّت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین (۲: ۲۵۰) ۞ واهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین (۱: ۵-۷) ۞

ویا ملوک المسلمین ! ویا امراء القوم الظلمین ! الا تطمعون ان یغفر الله لکم

أفحسبتم أنما خلقناكم عبثا وأنكم إلينا لا ترجعون (٢٣:١١٥) ✤ ام كل هذه امر هين فيكون لكم
ما تشاءون ✤ وان تطلع الشمس عليكم طوعا او كرها كل يوم بامر ربها افلستم مجبورين ✤
وان كان للقمر دين ومسلك يتبعه كل ليل فهل سخر لكم كل الدين ✤ وان نزول النجوم
من بعد صعودها في جو السماء ابدا افلستم بافلين ✤ وان لم يتبدل الماء سيلانا او النار
تحريقا والريح جريانا من اول يوم خلقت فهل انتم مستحون ✤ ومن يسامحكم في السماء والارض
ان تجدون كل من فيهما له قانتين ✤ مشتغلين بما عليهم مستغنين ✤ مداومين على جلهم
وخلقهم غير محولين عوائدهم من اول ساعة فلما تزعمون ان انتم تبدلون ✤ وان تجدوا
كل من خلق حنفاء لله فلما لا تركنون ✤ ولا تميلون ولا تركعون ✤ فتبارك الذي يمال اليه
ولا يميل وتبارك الله احسن الخالقين (٢٣:١٤) ✤ الا له الخلق والامر تبارك الله رب العلمين
(٧:٥٤) ✤ وان لا تستطيعون ان تكسبوا لهم هنا لانفسكم حبة من خردل او من نقير الا من بعد
جهدكم بايديكم وارجلكم فهل تشترون جنتكم بالاقوال والكلمات ايها الجهلون ✤ افاحد
من دون الله يامر عليكم لهم هنا قبل يوم الدين ✤ امر بدل الله عادته يوم القيمة ليجعل لكم ما
تشتهون ✤ ام اتخذتم عند الرحمن من عهد لن يزوجنكم بحورعين ✤ وان اعرضتم عن كتاب الله و
ما ارسل به خاتم الانبياء ونسيتم درسه فتعالوا الى البلغ المبين ✤ يبين لكم ما نزل الله
اليكم في القران العظيم ✤ لتتدبروا ايته ولعلكم تتفكرون ✤ ويوضح لكم طريقا لتدخلوا في
زمرة الاحياء في الدنيا ولتكونوا في العقبى من المفلحين ✤ ولئن اجتمعت الانس والجن على ان
ياتوا بمثل هذا القران لا ياتون بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا (١٧:٨٨) افلا تذكرون ✤ وما انا
من نبي او عالم او من ولي او فقير او كبير ولكن اخبركم اني لكم لهالكون ✤ في صبح خامسة او اقرب منه باليقين
الا الذين تابوا وامنوا واصلحوا واتقوا فعسى الله ان يتوب عليهم ان الله غفور رحيم (١٠:٢٩) ✤ فاطلق ربي

افلم تؤمنوا من بعد ما بينت لكم ههنا بان الاسلام هو النظم والنسق والجد والجهد
والسعي والعمل والقوة والاتحاد والغلبة والامن والاستبقاء من الله ۞
بل هو في الدنيا حسنة وفي الاخرة حسنة ۞ وانما هو هذه ۞ بل كله هذه ۞
لا بشئ من دون ذلك ۞ ولا ما يجربه علماؤكم الجهلون ✲ وان هو الا ان تؤمنوا بالتوحيد
لتوحدوا انفسكم ۞ وتصلوا لتنظموا امتكم ۞ وتصوموا لتصبروا وتصابروا ۞ وتحجوا
لترابطوا وتخالطوا ۞ وتنفقوا لتقووا قومكم وتعاضدوا بينكم غلبين ✲ فمالكم
لا تؤمنون بالله مواحدين ✲ ولا تصلون منظمين ✲ ولا تصومون مغلظين ✲
ولا تحجون مخوفين ✲ ولا تؤتون الزكوة فاعلين بل فعالين ✲ ولا تاخذون
حذركم لتميلوا على اعداءكم ميلة واحدة بارعين ✲ وما انفسكم لا تمدون قومكم الى الصراط المستقيم ✲
فانكم انتم امراء المؤمنين ✲ ومالكم لا تؤمنون ولا تصلحون ✲ والذين امنوا وعملوا
الصلحت فلهم اجر غير ممنون (٩٥:٦) ✲ ومالكم لا تواحدون ولا ترابطون ولا تشاورون
بينكم لتقذفوا في قلوب اعداءكم الرعب ولتنتقموا منهم ومالكم كيف تحكمون ✲ ومالكم
ساء ما تصنعون ✲ فالذين امنوا امرهم شورى بينهم (٣٨:٤٢) واذا اصابهم البغي
هم ينتصرون (٣٩:٤٢) ✲ ومالكم لا تتخذون منكم اميرا زاده الله بسطة في العلم والجسم
(٢٤٧:٢) ليامر عليكم وليقوم مقام الرسول فيكم بالحق عملا ومعنا لتعتصموا به ۞ فالذين
اعتصموا باميرهم واطاعوه حق اطاعته اولئك هم المفلحون ✲ ومالكم تفرقون دينكم
بينكم فمنكم شافعي ومنكم حنفي ومنكم حنبلي ومنكم مالكي ✲ ووهابيون واهل
الحديث واهالي القران وغيرها ما يصنعون ✲ وان صنعتم انتم كل هذه الاصفياء والابرار
لتفرقوا دينكم وتشركوا بالله فليات شريك من شركائكم ليخلصنا من هذه المصيبة او ياتوا

وَاَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (٢٦:١٢٤) ✿ عسٰى ربكم ان ياتى بامره ليدمّركم وانتم قومٌ غٰفلون ✿ اتفخرون على انفسكم
انكم اوتيتم رزقا وحكما وفضلا ونعمة من لدنه على علم عندكم بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ (٣٩:٤٩) ولكن اكثركم
لا يعلمون ✿ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (٣٩:٥٠) ✿ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ
مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ (٣٩:٥١) ✿ اَوَلَمْ
يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (٣٩:٥٢) ✿ اولم
تدرسوا فى القرآن انه قال ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (١٠:١٤) ✿
وقال اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝
(١٧:١٦) افلا تذكرون ✿ بل قال وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا
اٰخَرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خَامِدِيْنَ ۝
وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا
فٰعِلِيْنَ ۝ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝ وَلَهٗ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ
النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝ (٢١:١١-١٩) ✿ وقال وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (٦:١٦٦) ✿ وقال
فى موضع اٰخر وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا مِّنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝
فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ
يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ (٧:١٦٨-١٧٠) ✿

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ العلی العظیم ۔ والصلوٰۃ علی النبی الکریم ۔ وعلی انبیائہ اجمعین ۔ وعلی من سلک صراطہ المستقیم ۔

دنیا کی سب مسلم اور مروج اشیا میں سے سب سے بڑا راز **مذہب** ہے ۔ یہ پوجنا کیا ہے؟ یہ جھکنا کیوں ہے؟ یہ رسمی عقائد اور شرعی مراسم یہ برہمن کے قشقے اور بت پرست کی مورتیاں مسلم کی قربانیاں اور ہندو کے چڑھاوے کیوں ہیں؟ گبر کی شعلہ نوازی کیوں ہے؟ عیسائی کا ابن خدا کیا ہے؟ تسبیحوں کے ہار، حج کے مناسک، جاترے، نماز، تپسیا، پن، دان۔ خیرات، صدقات، نذر نیاز، لمبی داڑھیاں، متشرع چہرے، تعویذ، اصطباغ، ہون، اشنان، وغیرہ وغیرہ سب مذہبی مراسم مشق و رواج کے وہ اسرار جاریہ ہیں کہ انکی لِم تک پونہچنا عوام کے نزدیک کچھ ضروری نہیں بااین ہمہ ہر شخص ان کو نہایت عقیدت اور التزام سے کرتا ہے، انکے سچ یا جھوٹ، روا یا ناروا ہونے کے متعلق ایک حرف زبان پر نہیں لاتا۔ جاہل اور عالم، کم فہم اور عاقل سب اس مشق نامعلوم میں حصہ لے رہے ہیں، اور اُن کو حسب توفیق نباہتے رہنا زندگی کا منتہائے اہم سمجھتے ہیں۔ انسان کی تمام داستان فرض و یقین میں، نہیں بلکہ اسکی اکثر روئداد سعی و عمل میں مذہب ہی وہ ہمہ گیر اور خاموش

مجتمعين ۞ فذروا ما انتم عليه واهجروا الشرك والاشتات وقولوا انما نحن مسلمون ۝
وامحوا الافتراق اشد محوًا فانه قال اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ
اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (٦:١٦٠) ۞ واعلموا انكم وما تعبدون من دون الله
حَصَبُ جَهَنَّمَ (٢١:٩٨) فهل تحبون ان تدخلوا اصفياءكم في النار داخرين ۞ وان تصلوا وتسبحوا او
تنفقوا وتحجوا او تؤمنوا وتشهدوا مثل ما انتم عليه الآن ابدًا فلن يغفر الله لكم ابدًا ولن يكفر عنكم سيئاتكم
ابدًا وما كان لكم ان تفلحوا بذا الاسلام ولو انتم تشتهون ۞ واني لا اخافكم ومن انتم عليه ولكن اخاف
عليكم عذاب يوم عظيم ۞ لانكم انتم امراء المسلمين ۞ المرجوعون اليهم للهدى والمعولين عليهم
للدين المستقيم ۞ فلتحملوا اوزاركم مع اوزار الذين تهدونهم بامركم الا ثقل ما تزرون ۞ و
عظم ما تحملون ۞ وان ظننتم ان تفلحون في الدنيا باعراضكم عن دين الاسلام او تغلبون وتفوزون
بهجركم كتاب الله وبتوهينه ۝ او باعتزالكم عن جماعتكم وتشبهكم بقوم آخر ۝ او بتقليدكم اساليب الافرنج
والانجليز صمًا وعميانًا ۝ او باتباعكم طرقهم تضهيهًا وتشبيهًا ۝ او بترككم عصبية قومكم وامتكم ۝
فاعلموا انكم ساء ما تزعمون ۞ وبئس ما تشترون ۞ ولن تستطيعوا ان تفلحوا بذا التشبه ابدًا
ولو حرصتم كل الحرص فانقلبوا خاسئين ۞ فاعتصموا بحبل الله جميعًا ولا تفرقوا وجاهدوا
لتظهروا دينكم على دين النصرى ولو كرهوا اجمعون ۞ واغلظوا عليهم اشد غلظة بل كونوا قوامين
عليهم رحماء بينكم واذا لقيتموهم فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ
وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ (٤٧:٤) واعلموا انهم يحبون ان يقطعوا دابركم مصبحين ۞ فقولوا
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (١:١-٧) ۞

وانا المفتقر الى الله الرحمن

محمد عناية الله خان المشرقي

محب المسلمين ورفيقهم

ادارة الاشاعة للتذكرة

رقمه ببلدة امرتسر (الهند)

١- رجب المرجب سنة ١٣٣٢ هـ

یہ سوالات ایسے ہیں کہ ہر صاحب نظر انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں! تاہم نسل انسانی کی اجتماعی بہتری کے لیئے اُن کے قطعی طور پر حل ہوجانے کی عالم آرا اہمیت اسلیئے ہے کہ روئے زمین کی اکثر خونریزیاں، اُسکے سب سے زیادہ ہولناک جنگ، اسکے بڑے سے بڑے محاربے اور مقاتلے اکثر **اختلاف مذاہب** کے باعث پیدا ہوئے ہیں۔ ایک قوم نے دوسری قوم کو اکثر اسی وجہ سے کاٹ کھایا ہے کہ اُسکا مذہب جدا تھا، اُسکا اعتقاد الگ تھا، اسکا خدا دوسرا تھا، اسکا پیغامبر اور رہنما اور تھا! اگر فی الحقیقت یہ تمام خونریزیاں اور فساد، یہ خانہ جنگیاں اور مجادلے انسانی رہنماؤں کے ایما اور اُن کے پیغام کے باہمی اختلاف یا بالارادہ تباین کے باعث شروع ہوئے تھے، اور قرنہا قرن تک اِسی نمط پر ہوتے رہیں گے تو نسل انسانی کا ایک نہ ایک دن لڑمر کر کالعدم ہوجانا، یا ابداً اسی طرح پر لڑتے رہنا **منشائے ایزدی** ہے۔ اِس منشائے غالب کے ہوتے ہوئے اُن میں باہمی اشتراک واتحاد محال ہے، اُن کے لیئے امن کی مشترک سطح پیدا کرنا ممتنعات طبعی سے ہے۔ لیکن اگر نوع انسانی فی الحقیقت ایک ہی نسل ہے، اسکا اب وجد ایک ہے، اسکو پیدا کرنے والی محرک طاقت ایک ہے، اگر وہ درحقیقت ایک ہی مطلب کے لیئے پیدا ہوا اور ایک ہی منتہا کی طرف لوٹ رہا ہے تو یہ سب باہمی فساد **غیر فطری** ہے، منشائے طبیعت کے برخلاف ہے، خودکشی اور استہلاک ہے، ظلم عظیم اور جہالت کی موت ہے!

میرا یقین ہے کہ دنیا کے مختلف پیغامبر جہاں سے آئے تھے ایک ہی پیغام لائے تھے۔ اُنہوں نے اس کارخانۂ جہان کو ایک ہی چشم تحیر سے دیکھا تھا، وہ انسان کی حیران کن مخلوق کو ایک ہی مقام بلند سے دیکھ کر تڑپ اُٹھے تھے! حیرت کی بجلیاں، اور علم وخبر کی سنسنیاں اُن کے بدنوں میں ایک ہی راہ سے داخل ہوئی تھیں! وہ اِس سوال میں محو تھے کہ یہ سب کچھ **کیا** ہے اور **کیوں** ہے؟ اِس محویت اور عشق کے پردہ شکن اضطراب میں حجاب آرائے حقیقی نے چلمن کی آڑ میں جھلک دکھلائی اور کچھ کہکر پھر اوجھل ہوگیا، لیکن جو کہا وہ سب ایک تھا! نوائے ساز ایک تھی! بوسہ یہ پیغام ایک تھا! چشمک ناز ایک تھی!

عامل ہے کہ اس کا حیرت انگیز اثر کم و بیش ہر فرد پر نمایاں ہے ؛ اور مذہب ہی وہ بحث سے منفک حیطۂ دلیل سے خارج ، اور اب جدّی وہ اِرث متواتر ہے کہ ہر شخص اُسپر بے چون وچرا قابض رہنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے ۔

تعجب ہی کہ مذہب کی طرف اِس عام میلان کے باوجود ابتدائے آفرینش سے آجتک یہ قطعی فیصلہ نہ ہوسکا کہ کونسا مذہب سچا ہے ، کونسا شارع کائنات کے منشا کے عین مطابق ہے ، مذہب کی سچائی کا معیار کیا ہے ، نہیں بلکہ خود مذہب کیا شئے ہے ، اور اس کا مقصود بالذات بعینہ کیا ہے ؟ خود خدا کی ہستی اور اُسکے صحیح منشا کے متعلق آجتک کوئی حتمی اور متفق علیہ دلیل نہیں مل سکی ، منتہائے حیات کا سرِ عظیم بالکل ناتلاش کردہ پڑا ہے ، موت کا حجاب اکبر ارب در ارب انسانوں کی موت کے باوجود قطعًا نا قابل درک ہی ! علم حساب کی صداقتوں پر آج سب انسان متفق ہیں ، اسکی کسی ایک شق کے بارے میں شائبہ اختلاف پیدا نہیں ہوتا ۔ علم الطبعیات کے حقائق پر سارا جہان متحد ہے ، اُن کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے ، اُن سے طلب عمل کر رہا ہے ، اُن سے نتائج اخذ کر کے قوت کی راہیں پا رہا ہے ! نہیں زمین کی محوری حرکت یا سورج کے اضافی سکون پر بھی سب دنیا بالآخر متفق ہو گئی ہے ، سب کے سب عینی شہادت کو فریب نظر سمجھ کر دم بخود ہو گئے ہیں ؛ سکون زمین کے متعلق ارسطو کے غلط مذہب کا آج ایک پیرو نظر نہیں آتا ، اگلے وقتوں کے سب غلط علمی نظریے نسیًا منسیًا ہو چکے ہیں لیکن ہندو اور بدھ ، گبر برہمن ، عیسائی اور مسلمان کے درمیان اختلاف بدستور قائم ہے ! مذہب کو ساکنانِ زمین نے کیوں ایسی شئے فرض کر لیا ہے کہ اسکی سچائی کے مابین یہ بُعد المشرقین قائم ہے ؟ صداقت کی جامع الناس کیفیت کیوں ان سب کو کسی مشترک حقیقت پر جمع نہیں کرتی ؟ یہ کیوں ہے کہ سب کی نظروں میں اپنا مذہب سچ ہے اور باقی سب غلط ہیں حالانکہ بظاہر سب کے درمیان تضاد قطبین ہے ۔ اگر سب اپنی اپنی جگہ سچ ہیں تو اختلاف کیوں ہے ، اور جب اختلاف قائم ہے تو **سچائی** کا ادّعا کیسا ہے ؟

دنیا کے ہر شعبہ تلاش و تحقیق میں علم† کا پردہ کشا اثر انسانی اعمال و آرا پر اس شدت سے مصلح ہو کہ اس کے بعد کم از کم اُس شق میں افتراق متعذر ہے۔ علم کا منتہائے نظر ہر جگہ ملانا ہے، خلیج فارق کو حتی الوسع کم کرنا ہے، مشترک سطح پیدا کرکے سب کو مجبورِ یقین کر دینا ہے! لیکن شرط یہ ہے کہ علم علم ہو، سمع و بصر کی **شہادت** ہو، واہی اعتقاد نہ ہو، "فرضی یقین" نہ ہو، دل کو دھوکا نہ ہو اگر یہ بات کسی جگہ حاصل ہو گئی ہے تو جبر مقابلہ اور جرِ ثقیل کیطرح سب دنیا اسکے ماننے پر مجبور بلکہ مجبول ہے!

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پیغام بنفسہ کیا تھا، وہ **صدق بسیط** اور نفس الامر کیا تھا؟ اسکی نوعیت کیا تھی؟ اسکا **علم** کیا تھا؟ وہ کیا تھا جو بَن بَن کے بگڑا اور جبتک پیغامبر آتے رہے پھر بنتا رہا؟ اگر انسان کی حسِ مشترک اِس اہم اور دقیق سوال کو لاگ لپیٹ کے بدون کسی بلند مقام نظر سے حل کر سکتی ہو تو جواب یہ ہے کہ اُس مالک کون و مکان اور جہاں پناہ بے نشاں نے بے نیازی کی شان میں اِن دل باختہ لوگوں سے اگر کچھ کہا تو یقیناً انسان کی اپنی ہی **بہتری** کے لیئے کہا، اُسی کی بہبودی کو پیش نظر رکھکر کہا! یہی ہوگا اور قطعاً ہے کہ اولاد آدم اس کارگاہ جہان کے اندر **کیونکر** رہے؟ اور حیوانوں کے بالمقابل فطرت کی یہ اُمّی اور جاہل مخلوق کیا کرے؟ اور کیسے چلے؟ وہ کیا ہے جس سے نسل انسانی کو زندگی اِس تگاپوئے دمادم میں **امن** حاصل ہو، حفظ و ارتقا حاصل ہو، بقا اور رضا حاصل ہو! یہی اِس نبأ عظیم کا لُبّ لباب تھا جو محکمۂ قضا و قدر کے آستانۂ علیہ سے نبیوں کو ملی، اور یہی سچی **نبوت** ہو، یہی انتہائے علم و خبر ہے، کمال کشف و اکتشاف ہو۔ اس علم کے بالمقابل سب ماسوا کا علم ہیچ ہے، سب کمتر معاملوں کی خبر ہیچ ہے، علم حقائق الاشیا صِفر ہے، علم موالید جہاں ہیچ ہے! بڑی سے بڑی اور نفع مند خبر جو انسان کو مل سکتی ہو یہ ہے کہ اِس زمین و آسمان کی **ملکوت** کیا ہے، حکم قضا و قدر کیونکر ہے، الٰہی فیصلے کس اصول اور قانون کے مطابق ہیں، اُمتیں کیوں فلک الافلاک پر چڑھ جاتی ہیں، قومیں کیوں تحت الثرا میں گرتی ہیں، سزا کس معیار کو دیکھکر آتی ہے، جزا کس دستور کو نباہ کر ملتی ہے؟ یہی وہ مہتم بالشان سوال ہیں جو نسل انسانی کیلئے موت و

† اس کتاب میں جہاں جہاں لفظ علم استعمال کیا گیا ہے اس سے میری مراد وہ شے ہے جو واقع الامر ہے اور سمع و بصر کی شہادت پر مبنی ہے۔ علم کی تعریف کے لیئے دیکھو اصل کتاب تحت الثریٰ صفحہ ۸۳

کلمۂ راز ایک تھا! جبتک یہ محرم اسرار لوگ اِس دنیا میں رہے اِس راز کو برملا کہتے رہے، سولی پر چڑھ چڑھ کر اور رسوا ہو ہو کر خلقِ خدا کو آمادۂ عمل کرتے رہے، سب کو ایک نصب العین اور ایک قانون پر متحد کرتے رہے! لیکن جب نا حقیقت شناس اور نا جلوہ آشنا لوگوں نے اِس کام کو سنبھالا تو لوگوں کو آپس میں ٹکرے ٹکرے کر دیا، پیغامِ خدا غلط سُنا کر اپنے پیچھے صفیں کھڑی کر دیں! آج سطحِ زمین پر خدائے قاہر کا منتقمانہ عذاب اکثر اسی ضد اور بغاوت سے ہے۔ یہ تنگ ظرفی کی چڑ اور نا بلند بینی کی ضد ہی ہے جس نے دنیا کو اکثر قصاب خانہ بنا رکھا ہے اور اگر چندے یہی حال رہا تو نسلِ انسانی کا خدا حافظ ہے!

پس مذہب کی ضد فی الحقیقت جہالت اور نا شناسی کی ضد ہے، کم نگہی اور تنگ حوصلگی کی ضد ہے، نسیانِ درس اور انسانیت کی ضد ہے، **علم** اور **نبوّت** کی ضد قاطبۃً نہیں! علم جہاں ہوتا ہے اتحاد و اشتراک پیدا کر دیتا ہے، حفظ و امن اور سعی و عمل پیدا کر دیتا ہے، اِس کے بالمقابل مخالف کو دم مارنے کی مجال نہیں ہوتی، اِسکے ہوتے ہوئے جدال ناممکن ہے، شقاق متعذر ہے، جمود محال ہے۔ دو مخالف فریق آجتک اِس بات پر نہیں لڑے کہ پانی سیال نہیں، آگ ٹھنڈی ہے، یا بوجھل شئے آسمان کی طرف گرتی ہے اسلیئے کہ سب کو ان کے متعلق **علم** ہے، سب نے حقیقت کو برأی العین دیکھا ہے، سب انکے اثر کو ہر وقت اور بہر حال مشاہدہ کر رہے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح اگر روئے زمین کے تمام مذاہب علم کی کسوٹی پر پرکھے جائیں، اگر اُنکی اصلیت اور تعلیم بھی علم کے معیار پر آزما کر الم نشرح کر دیجائے اگر اُن پر سے بھی وہ تمام رسمی غلاف جو جہل و نسیان سے لوگوں نے ڈال کر اُن کی حقیقت کو مسخ کر رکھا ہے اُلٹ دیئے جائیں، اور اُس مشترک اساس، اُس حقیقتِ مجردہ، اور اُس **نفس الامر** کی طرف رجوع کیا جائے جو فی الحقیقت ادیانِ عالم کی سنام اور ان کا صدقِ بسیط ہے، جسپر ہر جا اور بہر حال عمل ہو رہا ہے، جسکو ہر شخص بچشمِ خود دیکھ رہا ہے، جسکو علم نبوت نے عیاں کر کے سب کو متفق علیہ کر دیا تھا، تو آج ہی نسلِ انسانی متحد اور متفق العمل اُسیطرح پھر ہو سکتی ہے جیسا کہ ابتدائے آفرینش میں تھی، آج ہی سب مقاتلے پھر بند ہو سکتے ہیں، زمین کی سب بگڑی پھر بن سکتی ہے!

فرض ادا کر رہی ہے ، نہیں ، جب سورج کا زمین سے **تیرہ لاکھ** گنا بڑا کرہ بھی اِس شان و اُبہت کے باوجود اِس صحت اور التزام سے اپنے وقت پر نکلتا ہے ، ساکنانِ زمین کو نور دے رہا ہے ، کسی بیمثال حاکم کے حکم پر مجبور ہے ، کسی ہیبت انگیز اور لرزہ خیز قانون کو نباہ رہا ہے ، اگر یہ اور دل کے حق میں سب کچھ ہے اور انسان کے حق میں کچھ بھی نہیں تو اس دنیا کے اندر سزا و جزا سب ظلم ہے ، شادی و غم ظلم ہے ، فنا و بقا ظلم ہے ، شان کبریا سے بعید ہے ۔ حکومت کی ساکھ کے خلاف ہے ، سنت اللہ اور عادت رب العٰلمین کی نقیض ہے ! اگر اِس کارخانے کی بنا انسان کے حق میں یکسر ظلم پر ہے تو یہ زمین اُسکے رہنے کے لائق حتماً نہیں اور اگر عالم آرائے زمین و آسمان نے انبیا کو کم از کم **یہ** طریق عمل ، یہ آئین بشر ، یہ دین متین ، نہیں بتلایا تو درحقیقت کچھ نہیں کہا !

پس انسان کا اِس دنیا میں صحیح طرز عمل ہی فی الحقیقت اس کا دین ہے اور امتوں کی سزا و جزا کا اٹل دستور سمجھ لینا اسکا فرض عین ہے ۔ اِسیکا علم **علم الادیان** ہے ، اِسی دین کی قطعی ضرورت ہر فرد بشر کو ہے ۔ اِسی کُل کے مختلف اجزا یا وہ تمام و کمال پیمبرانِ جہان مختلف موقعوں پر لائے اور قرنوں تک لوگوں کو اُس بتائی ہوئی راہ پر چلاتے رہے ۔ نیکی اور بدی ، سچ اور غلط ، راستی اور کجی کا تمام تر احساس نابلد اور حیوان نما انسان میں اِسی علم کے باعث پھیلا ۔ وہ اجتماعی خوبیاں اور صلاح عمل جو روز اول سے ہر زندہ قوم کے افراد کی طبیعت ثانیہ بنجاتی ہیں ، سب کی سب اسی تعلیم سے ماخوذ اور اسی علم کا جزو قلیل ہیں ۔ وہ اصول بقا و دوام جنپر سب مرتقی امتیں آج بدرجۂ اتم عامل ہیں اِسی علم جلیل کے بقیہ آثار ہیں ! انبیا کو فطرت کے اِس محکمہ کبرٰے کا علم ان کی بے مثال بصیرت کے باعث ملا ! اس کارگاہ جہان کو بحیثیت مجموعی اور اجتماعی نقطے سے دیکھکر ملا ! کمال غور و انہماک سے ملا ! وسیع نظری اور بلند بینی سے ملا ! تعلم کے بام بلند ، اور تدبر کے **افق اعلیٰ** پر چڑھ کر ملا ! زمین سے کئی منزلیں بلند ہو کر بلکہ **ستاروں** کی رصد گاہوں پر پہنچکر ملا ! نہیں ، آسمان سے اور آسمان پر بسنے والے **خدا** سے ملا ! وحی اور نبوت سے ، عجز اور عشق سے ، تذلی اور تکلم[†] سے ملا ! نبیا

† دیکھو اِس کتاب تحت المتن صفحہ ۲۰ — ۲۱ ۔

حیات کے سوال ہیں۔ اِن کے بالمقابل کسی فرد کی بہبودی کا سوال ہیچ ہے، شخصی افراط کی تلاش ہیچ ہے، انفرادی تفریط کا خیال ہیچ ہے۔ جو بات حتمی اور قطعی ہے یہ ہے کہ زمین کا یہ کارگاہ جلیل کمال عدل و انصاف پر چل رہا ہے، صحت اور توازن سے چل رہا ہے، دھڑلے اور تمکنت سے، قوت اور زور سے چل رہا ہے۔ اِسمیں جو بات ہو رہی ہے نقد و نظر سے ہو رہی ہے، انتخاب و انتظام سے ہو رہی ہے، نظم و نسق سے اور غور و خوض سے ہو رہی ہے۔ اسکا محرک جل و علیٰ وہ مالک سمع و بصر ہے جو ہر شئے کو بغور تمام دیکھ رہا ہے، پہنائے زمین کو دیکھ رہا ہے، نسل انسانی کو دیکھ رہا ہے، اُمتوں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے، افراد کے سعی و عمل کو دیکھ رہا ہے، بد و نیک کو، کہ و مہ کو، شاہ و گدا کو، بالا و پست کو دیکھ رہا ہے! اس منظم اور مضبوط، اس لرزہ فگن اور صحیح حکومت کے اندر استبداد کی بُو قطعاً نہیں، **ظلم** قطعاً نہیں، افراط و تفریط قطعاً نہیں، نواب کی لاابالیت اصلاً نہیں! میرا یقین ہے کہ ملکوت جہان کی اسی اہم شق کا علم سب انبیائے کرامؑ کو ملا، اور اسی آئین جزا و سزا کی خبر اُنہوں نے ڈنکے کی چوٹ دی۔ اُنہوں نے انسان کو اس زمین پر خوش اسلوبی سے رہنے کا ڈھنگ سکھلایا، اُنہوں نے اجتماعی بقا کی راہ دکھلائی، اُنہوں نے اقوام کے مدّ و جزر کے اصول بیان کئے، حکومت خدا کو ظلم سے قطعاً بری ثابت کر کے دنیاوی سزا کی تعیین کی، اُخروی جزا و سزا کی تبیین کی، افراد کے طرز عمل کو ظاہر کیا، اُمتوں کو راہِ راست پر چلا کر صدیوں تک تمکن اور دوام دے گئے، نافرمانوں کو اِن آنکھوں سے سزا ملتی ہوئی دکھا گئے! یہی اُن کا لایا ہوا **دین** تھا، اور اسی دین (طرز عمل[1]) پر چلنے کا خدا متمنی تھا۔ اگر انسان کے اس دنیا میں چلن کا فی الحقیقت کوئی مقرر دستور نہیں، اگر اُس کا اِس جہان میں طریق عمل سب اناپ شناپ اور اَٹا سَٹا ہی ہے، اگر اُسکی نسل کے متعلق شادی و غم، عُسر و یُسر، سزا و جزا، فنا و دوام کے سب فیصلے کسی صحت اور التزام سے نہیں ہوتے۔ اگر زمین و آسمان کے اِس کارگاہ عظیم میں انسان ہی وہ بدبخت وجود ہے جسکا اِس دنیا میں طرز عمل کسی اصول کے ماتحت نہیں، اُسکا کوئی دین، مقرر نہیں، درانحالیکہ ادنیٰ مخلوق حیوانی اور نباتاتی سب کی سب اپنی اپنی راہ اور مذہب پر لگی ہے، مقررہ

[1] دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۶۱۔

وسائل تھے ، اساس دین سمجھ لیا ، فروعات کو عین شریعت سمجھکر اصل سے غافل ہوگئے ، انکی سطحی اور رسمی نباہ پر ہی اپنا سارا زور صرف کرکے نتائج سے بے پروا ہوگئے ! اُدھر امتوں نے اپنے رہنماؤں سے ذاتی عقیدت اور نیازمندی ظاہر کرنے اور حسب مطلب احکام کو ضرورت سے زیادہ اہم سمجھنے میں ناروا غلو کیا ، ایک پیغمبر کے ظواہر وشعائر سے ہٹ کر نئے رہنما کی ملت میں شامل ہونا توہین سمجھا ، پھر لوگ انبیاء کی وساطت سے قانون خدا کی تعمیل کرنے ، اور اسکو ذریعۂ علم سمجھنے کی بجائے اُن کے پیچھے لگ کر فرقہ بند بن گئے ، خدا کو تسلیم کرنے اور **مُسلِم** بننے کی بجائے موسوی ، اور گوتمی ، عیسائی اور **محمدی** بن گئے ۔ انہی کو سراہنا ، اُن کو اپنے اعمال و افعال میں بُت بنالینا جزو دین جانا ، نفسانیت اور ضد کی اس کشاکش میں اصلیت سرتاپا مسخ ہوگئی ! قانون خدا نگاہوں سے اوجھل ہوگیا ! مذہب صرف چند بے اثر رسوم اور بے سبب رواجوں کا نام رہ گیا ، انکی لِم یکسر غائب ہوگئی ۔ ہندو نے گائے کے احترام میں ناروا توغل کرکے اُسکی پرستش شروع کردی ، اوصاف خدا کو ظاہری اہمیت دینے کے بہانے سے ہر وصف کا علیحدہ مظہر دیوتا کی صورت میں وضع کیا ، عیسائی مسیح کو سچ مچ ابن خدا کہنے لگے ، مسلمانوں نے داڑھیوں اور تہمدوں ، مسواکوں اور ڈھیلوں کو اسلام سمجھ لیا ، یہودی تسبیحوں کے پیچھے لگ گئے ، بُدھ چلہ کشی میں محو ہوگئے ، گبر نے نور آتش کو خدا سمجھ لیا ! پھر حج ، جا ترے ، نماز ، زکوٰۃ ، روزے ، برت وغیرہ وغیرہ سب کے سب بے مطلب رسوم اور بے نتیجہ شعار ہوگئے ، مذہب بے دلیل شئے بن گیا ، ذہن اور منطق سے اسکا کچھ واسطہ نہ رہا ! خدا کے بنائے ہوئے آئین عمل اور انبیاء کے لائے ہوئے **علم** نے خدا کے دیئے ہوئے **ذہن** کو قطعاً بے دخل کردیا ! آج مذہب اور علم کے مابین اجنبیت ، اور اُمم عالم کے مابین سب داخلی اور خارجی فرقہ بندی اکثر اسی نسیان درس اور **غلوّ فی الدین** کا نتیجہ ہے !

آج دنیا کے نئے اور پرانے سب مذہب حیطۂ دلیل سے اصلاً خارج ہوچکے ہیں ، لوگوں نے اُن کے بارے میں استدلال کرنا ، اُن کی حکمت اور لِم پر غور کرنا ، اُن سے نتائج اخذ کرنا ، الہامی کتابوں کا بغور تمام

کی نبوت اُس کے اپنے زمانے میں وہ لرزہ فگن اور سکون برانداز شے تھی کہ جو گروہ اُن کے حلقہ اثر میں آجاتا تھا اُن کے کہے پر یکسر عامل ہوجاتا ، وہ رہنمائے جلیل اپنے گردوں شگاف علم اور پیہم عمل سے ، اپنی یقین انگیز تعلیم اور حوصلہ افزا تدبیر سے ، اپنی پردہ کشا تبیین و تلقین سے قانون خدا اور اُسکے امن افزا نتائج کو ہر مصاحب کی نظروں میں دو اور دو چار کیطرح عیاں کردیتا ، پھر عاملوں کا جم غفیر پروانہ وار اُسکے گرد جمع ہوجاتا ، اقل قلیل مدت میں وہ اُمت کامیاب اور فائز المرام ہوجاتی ، اور سعی و عمل کے اس دار المحن میں آیندہ نسلوں کو مدتوں عمل کی راہ دکھلاتی ! انسانی امتیں اس الٰہی درس کو بارہا بھولتی رہیں ، بارہا اُن کے عزم میں تزلزل اور علم میں کمی واقع ہوتی رہی ۔ کچھ مرور وقت کے باعث ، کچھ غلط تبلیغ سے ، کچھ ناشناسوں کی کج بینی اور غلط رہنمائی سے ، کچھ انسان کے اپنے مکر و تاویل سے ، کچھ خوش اعتقادوں کی حُسن نیت سے ، کچھ مکاروں کی بدنیتی اور نفس پسندی سے لوگ اُس **عہد** خداوندی کو بار بار بھولتے رہے لیکن انبیائے کرام نے پھر ایک مدت کے بعد اس سبق کی تجدید کی ، قانون الٰہی کو دُہرا کر پھر عمل پیدا کیا ؛ قرنوں کے جُمود و انحطاط کو مردی اور بامرادی میں بدلتے رہے ؛ پہلے سبق میں کچھ اور ملا کر ہدایت کو بیش از بیش مکمل کیا ؛ نئے احوال کے باعث نئے اوزار عمل وضع کیئے ؛ پُرانی روشوں کو جنسے اصل قانون اور نفس دین پر کچھ اثر نہ پڑتا تھا ، بے اثر یا غیر ضروری سمجھکر متروک کردیا ؛ نئے اور مؤثر طریقے اُس اصل اصول کے لیئے اختیار کیئے ؛ الغرض جس صورت اور رنگ میں اس تعلیم کا ظہور ہوا ، اُنکے ذریعے سے **اصل دین** ہی کی تجدید بلکہ تکمیل ہوتی رہی ۔ کوئی مخالف راہ عمل ، کوئی نیا دین یا جدا مذہب دنیا کے کسی نبی نے حتماً قائم نہیں کیا ۔ وہ سب کے سب اُس ایک اصل و اساس ہی کو ، اُسی حقیقت مفردہ اور صدق بسیط کو ، اُس **دین فطرت** اور قانون خداہی کو از سر نو عیاں کرتے رہے جو عصیان کار اور فطرت سے باغی انسانی امتیں دمبدم بھولتی رہیں ، اور دردناک سزائیں پاپا کر ہلاک ہوتی رہیں ۔ الغرض انہوں نے اُسی ناقابل بدل آئین پر اپنے تمام عقائد کی ، اعمال و افعال کی ، مراسم و شرائع کی تعمیر کی ۔ لوگوں نے بعد میں دین فطرت کے اِن تمام ظواہر و مناسک جو قانون خدا پر چلنے کے صرف خارجی

شغف ہو لیکن **علم الادیان** کی طرف یہ بے توجہی ہے! نسل انسانی کو چند لمحوں کے لیئے قوی تر بنا دینا اُن کے نزدیک اشد ضروری ہے لیکن جماعتی بقا کے لیئے محکمۂ قضا و قدر کی ٹوہ لگانا کچھ ضروری نہیں! وہ حفظ و آرام کے فوری سامان پیدا کرنا ناگزیر سمجھتے ہیں لیکن دوام اُمم کے اصول کو نظر انداز کر رہے ہیں؛ اشخاص کی انفرادی صحت کا انکو بے حد خیال ہے مگر اقوام کی اجتماعی موت سے کچھ سروکار نہیں، گھر کی آرائش کا یہ خاص الخاص اہتمام ہے مگر گھر میں دیر تک رہنے کا کچھ فکر نہیں! صدہا امتیں دیکھتے دیکھتے اِس روئے زمین سے محو ہو گئی ہیں، اُن کے عہد عروج کے حیرت انگیز کارنامے آج صرف افسانوں میں باقی ہیں، ہلاکت کا حکم خسروی کئی ایک کے بارے میں نافذ ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے، مگر اُن کے اسباب فنا و انحطاط، اُن کے اِس دنیا میں بُرے طرز عمل، انکے بُرے 'دین' اور **غلط مذہب** کا **علم** حاصل کرنا کچھ ضروری نہیں رہا! **المانیہ** اپنے بے نظیر علم حقائق الاشیاء، فقید المثال عسکریت، اور محیر العقول قوت ہجوم کے باوجود حال کے محاربہ عظمیٰ میں شکست فاش کھا چکا ہے مگر اس دہشت انگیز آسمانی فیصلے کی لِم کو جاننا، فریقین کے اعمال کی مسل کا اضافی اور مکمل مطالعہ کرنا، انگریز کی مجموعی صلاحیت اور المانی کی اجتماعی عدم صلاحیت کی تہ تک پونہچنا مغربی مفتش کی نگاہ میں چنداں ضروری نہیں۔ خود **انگریز** کا اگلا رعب و وقار اسکی اپنی مستعمرات پر چند برسوں سے اِس تیزی سے مٹ رہا ہے، مشرقی مقبوضات پر اُسکی گرفت اسقدر بے ثبات اور ڈھیلی ہو رہی ہے کہ آسمانی عجائب نمائیوں اور تماشہ آرائیوں کو دیکھکر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو رہے، لیکن انگریز کی گمراہی، اُس کی 'بے راہ روی' اور اُسکے غلط 'مذہب' کا صحیح علم رکھنا یا اُسکی تدریجی عدم صلاحیت کے بواعث کو مدون کرنا کچھ لائق توجہ نہیں رہا! کیا انسان کے لیئے اِس دنیا کی ہر شئے کو دریافت کرنا، اُن کی داخلی ترکیب و ترتیب کے درپے رہ کر اُن سے طلب عمل کرنا تو ثواب ہے مگر خود اپنے بارے میں اِس بات کا علم رکھنا کہ دنیا کے اِس ناپیدا کنار محیط اور کارزار جہان کی اِس حیران کن تگا دو میں وہ صحیح چل رہا ہے یا غلط چل رہا ہے، فنا یا بقا کی طرف جا رہا ہے، اسکی مجموعی روش بعینہٖ کیا ہو، تمکن اور امن کیونکر ہو، حفظ و دوام کس طرح حاصل ہو، غالب اور فائز المرام کیسے رہے، فی الحقیقت جرم عظیم ہے؟

مطالعہ کرکے الٰہی دلیل کی تہ تک پونہچنا اکثر گناہ سمجھ لیا ہے۔ ساکنانِ زمین کا یقین ہو چکا ہے کہ مالک زمین و آسمان کے احکام آنکھیں میچکر ماننے کے ہیں، اُن میں کوئی دنیاوی حکمت مضمر نہیں، اُن کا کوئی مستقل مطمح نظر نہیں، کچھ دنیاوی پہلو نہیں، کچھ فوری غرض و مطلب نہیں! اِس طلسمستان جہان اور نگارخانہ کائنات کا ہر ذرہ اور گوشہ اُس خلاق عظیم کی حکمت کاملہ اور حجت بالغہ کی روشن دلیل ہے، انسان فطرت کے بحر بیکران سے ہی کچھ صدف ریزے چن چن کر بادلوں میں اُڑ رہا ہے، زمین پر لکڑی کے گھوڑے اور پانی پر لوہے کے مگرمچھ دوڑا رہا ہے، کہربا کی حیرت انگیز طاقت مشرق اور مغرب، شمال اور جنوب کو ایک کر رہی ہے، ہزاروں میل پر کہی ہوئی بات چشم زدن میں کان سُن لیتا ہے، حرکت، حرارت، نور، مادہ سب اپنی مخفی ممکنات کو عیاں کرکے دنیا کو دم بخود کر رہے ہیں، یہ سب کچھ اس خدائے عظیم کے کیئے ہوئے **کام** سے اخذ ہو رہا ہے مگر اُس کا **کلام** العیاذ باللہ بے معنی ہے۔ ناقابل التفات ہی، بے نتیجہ اور بے مطلب ہے، اُسمیں کچھ علم و حکمت موجود نہیں۔ کچھ خبر و نبوت نہیں! **مغرب** کے وارثانِ علم بھی آج اپنی تمام تحقیق و تدقیق کو اشیائے فطرت کے خواص اور اجسام کائنات کے حقائق کی تلاش میں وقف کر رہے ہیں، وہ اپنا سب زور اسی میں صرف کر رہے ہیں کہ **ابدان** کا صحیح علم حاصل کریں، اور اسی وساطت سے ترقی کے بام رفیع پر چڑھیں۔ اُن کا علم آج فلک الافلاک کی بلندیوں اور تحت الثرٰے کی گہرائیوں تک ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ فطرت کی صحت اور دقت پر اشیا کی لامتناہی ممکنات اور امن افزا کیفیات پر اُن کو یہ صبر گسل یقین ہے کہ کائنات کے ہر جزر لایتجزے کے اندر اُنکو ایک پہاڑ پوشیدہ ہونے کا امکان نظر آ رہا ہے۔ وہ اس موشگافی اور دقیقہ آرائی میں عمریں صرف کر رہے ہیں، جانیں فدا کر رہے ہیں، حیرت انگیز اضعافی قوت کی دوربینیں اور خوردبینیں، دقیقہ رس آلات اور میزانیں اِس اعجوبہ گاہ فطرت کے ہر ذرے کو بغور تمام پرکھ رہی ہیں، لیکن خدا کے کہے ہوئے **الفاظ** اُن کے نزدیک کچھ لائق التفات نہیں، کچھ قابل تفتیش نہیں، کچھ محمل اور حامل المعانی نہیں، کچھ دقت نظر کے محتاج نہیں۔ کچھ دوربینی اور خوردبینی امتحان کے اہل نہیں! **علم الابدان** سے مغرب کو یہ انتہائی

من وعن قبول الیسنا کیونکر ممکن ہے؟ پس جزا و سزا کے معیار و اسباب کی کامل تعیین حاکم اعلیٰ اور مقنن اوّل ہی کر سکتا ہے۔ یہ اُسی کا منصب ہے کہ مصالح حکومت کو پیش نظر رکھکر ایک قانون بنائے، اور پھر اس قانون کی جس طرح پر مناسب سمجھے تشریح و تبیین کردے، اسکے نباہنے کیلئے اسالیب عمل مقرر کرے، جو وضع کرے دس پچاس بلکہ سو قدم آگے کو دیکھکر وضع کرے، جو کہے اسمیں رعیت کی دائمی بہبودی مدنظر ہو، چین اور آرام پیش نہاد ہو۔ نابلد اور کوتاہ نظر رعایا کا مقام نہیں کہ ایک لامتناہی وسعت اور ناپیدا کنار علم و خبر کے بالمقابل اپنی محدود نقد و نظر کے سست رفتار گھوڑے دوڑائے، یا حاکم کا صحیح اور **مکمل** عندیہ محکوم کے وقتی اور مقامی احوال کو دیکھکر اخذ کرے۔ اس طریق استقرا اور استنباط سے جو کچھ اخذ ہوگا اقلاً نامکمل ہوگا، اکثر قیاس و رائے ہوگا، تخمین و گمان ہوگا، اٹکل کے لگ بھگ ہوگا، وہ علم و **نبوت** کے بلند مقام تک ہرگز نہیں پونہچ سکتا، گو کہ مجوزین نے اپنے زعم میں اُسکی اکثر بنا مشاہدے اور تجربے پر رکھی ہو اور سب نتائج حوادث خالیہ یا احوال جاریہ کو دیکھکر ہی مرتب کیوں نہ کیے ہوں۔

میرا یقین ہے کہ انسان کو **وحی** کی **ضرورت** اُسکے اسی مفتقر اور محتاج ہونیکے باعث سے ہی، کم بیں اور کوتاہ نظر ہونیکے سبب سے ہے، تنگ اُفق اور نارسا ہونے کی وجہ سے ہی نہیں، بلکہ علم الابدان کے مبادیات کے بعد انسانی **راہ عمل** اور دین کے **علم جلیل** کی ابتدا یہیں سے ہی! کائنات فطرت کی اس ناپیدا کنار فضا میں جہاں جہاں انسان کا بدنی علم پونہچ رہا ہے اسکو بالآخر ماسوا تحیر کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا، وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑکر دیکھتا ہے مگر آخر کار رہ جاتا ہے، کان لگا لگاکر سنتا ہے مگر سٹ پٹا جاتا ہے، وہ سمجھنے کی سعی مالایطاق کرتا ہے مگر پھر کچھ نہیں سمجھتا کہ وہ خود کیا ہے اور کہاں سے کدھر کو جا رہا ہے! ایسے نگارخانۂ چین اور تحیرزار عالم میں جہاں اسکو ابھی **اسماء** اور ابدان سے پوری واقفیت نہیں ہوئی؛ جہاں اُسکو زمین سے نزدیک ترین سیارے تک کی مخلوق کا حال معلوم نہیں ہوا، جہاں وہ زمین کی مخلوق کا صحیح اندازہ کرنے میں حاوی ہونے کا ادعا نہیں کر سکتا، وہاں اُسکا انسانی امتوں کے بقا و فنا کی **خفیہ مسل** پر حاوی ہو جانا از بس متعذر ہے! اقوام عالم کے بارے میں وہ سب

کیا آج مغربی حکیم صرف اس بات پر مطمئن ہوگیا ہے کہ ڈارون کے اپنے زعم میں فیصلہ کُن قول کے مطابق دنیا میں اسی گروہ کو **بقا** میسّر ہے جو **اصلح** ہے، وہی قائم رہا ہے جو معیشت کے پیہم تنازعے میں گوئے سبقت لیجا رہا ہے، اور جب تک مسابقت قائم رکھ سکے بے خوف و خطر ہے؟ کیا بدیہیات کی اس نامدوّن شق کو مدوّن کر لینے کے بعد پہلا اور آخری سوال یہ نہیں رہتا کہ **صلاح** فی الحقیقت کیا شئے ہے، وہ کس نامعلوم علت کا نام ہے، اُسکا مکمل اور صحیح مفہوم ازروئے قانون طبیعت کیا ہے نہیں بلکہ شُرطہ قضا و قدر کی وہ کتاب تعزیرات کہاں ہے جسمیں اسکی تعریف لکھی رکھی ہے، جسمیں اسکی سب شقیں بالتفصیل درج ہیں، جسمیں اُسکے ہر ممکن کیف و حال کو اس طرح پر عیاں کر دیا ہے کہ بعد ازاں غلط عمل اور شک کی گنجایش قطعاً نہ رہے؟ اگر اس پیچ در پیچ سوال کا حل حکمائے مغرب کے ایک عام اجلاس میں طے ہونا قرار پائے اور دس بیس یا دس ہزار حکیم بھی اپنے علمی تبحّر اور ذاتی تجربات کو ایک مرکز پر جمع کر کے صلاح کی ایک تعریف وضع کریں، اور بعد ازاں تاریخ زمین کو سامنے رکھکر دنیا کی سب غیر صالح مخلوق اور فنا شدہ اقوام کے نامہ ہائے اعمال کو اپنی وضع کی ہوئی تعریف سے منطبق ثابت کر دیں، تو بھی انسانی قیاسات اور مظنّات کی اس دلچسپ اور گرما گرم بحث میں آخری اعتراض یہی وارد رہے گا کہ صلاح کی اس مسلّمہ تعریف کی اصلی اور حتمی سند کیا ہے، اسکے **کامل** اور **حاوی** ہونے کی کیا شہادت ہے، اسکی الٰہی اور سرکاری تصدیق کہاں ہے، اسپر محکمہ قضا و قدر کی مُہر کدھر ہے، اسپر شعبۂ حکومت کے کہاں دستخط ہیں؟ یہ کیا مسخرہ پن ہے کہ مجرم یا معمول علیہ رعیّت کے افراد کا ایک گروہ خود ہی کتاب تعزیرات کی ایک دفعہ کو لیلے، اور بعد ازاں اپنے چند ایک بھائی بند مجرموں کی روئداد جزا و سزا کو سامنے رکھکر اُس دفعہ کی قانونی مصطلحات کی ایک لگتی ہوئی تعریف وضع کرلے، اور تصدیق شدہ ہدایت سے بے نیاز ہو جائے! ایسی ناقص اور خود ساختہ تعریف منشائے حاکم کو بعینہٖ کیونکر ادا کر سکتی ہے؟ نہیں، بلکہ حاکم وقت کی غیرت اور قدرت، اُسکے علم و تفضّل، اُسکی مصلحت شناسی اور ہمہ بینی کو مدّنظر رکھکر رعیّت کا اس تعریف کو حاکم سے

---

* مسئلہ ارتقاد بقائے اصلح کے بارے میں ایک مفصل بحث اصل کتاب کے تحت المتن صفحہ ۱۱ - ۲۷ میں کی گئی ہے۔

بندوں کو اپنے غیظ و غضب سے بچانے کیلئے کانٹھ کی سولی پر جان دینا، اُسکا مُردہ ہوکر جی اُٹھنا، اُس کا بن باپ کے لیکن ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا، ہندو کا ایک حیوان کو خدا سمجھنا (!) پتھر کے اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کے آگے ماتھا ٹیکنا، دریاؤں اور اجرام فلکی کو خدا سمجھنا، گبر کا آگ کے سامنے سجدہ کرنا، مُسلم کا خدا کو مُنہ سے ایک ایک بجتے رہنا، کلمے اور لاحول پڑھ پڑھ کر جنّت کے حقدار بننا، قرآن کا ایک ایک حرف پڑھکر دس دس نیکیوں کے منتظر رہنا، پیروں کی پرستش، قبروں کی زیارت، پھونکا پھانکی اور استنجاؤں کو دین سمجھنا (!) وغیرہ وغیرہ، فی الحقیقت ایسی مضحکہ انگیز، ناکار برآر اور بے دلیل باتیں تھیں کہ ہر سلیم الذہن شخص کو ان سے اعراض کرنیکے سوا چارہ نہ تھا۔ انہوں نے فساد عقل کے اس تمام کذبستان اعتقاد میں نہ علم دیکھا، نہ سمع و بصر کی شہادت! **علم فطرت** کی حقیقت کشا، نفع مند اور نتیجہ خیز تبیین کے ہوتے ہوئے اُن کو جہالت کی ان قہقہہ خیز کارفرمائیوں میں نہ مُسلم کی **افواہی توحید** پسند آئی نہ عیسائی کا **قبیلہ ساز شرک**! وہ اسی دُھن میں لگے رہے کہ 'اعتقادات' کو یکسر خیرباد کہہ کر 'یقینیات' کی طرف اپنی ساری توجہ صرف کردیں اور مذہب کو اپنے دائرہ تحقیق سے یکسر خارج کردیں! یہ دلیل کہ **ایک** خدا کی طرف سے ایک بنی نوع انسان کی طرف ایک لاکھ پیغمبر کی وساطت سے بھیجا ہوا پیغام بھی **ایک** ہی ہوسکتا تھا بجائے خود اسقدر کارگر تھی کہ عیسائی اور ہندو اور یہودی اور مُسلمان کی اپنے اپنے مذہب کی سچائی کے متعلق ایک ہزار دلیلیں بھی اُسکے بالمقابل حتماً نہ ٹھیر سکتی تھیں، لیکن انسانی ابداع و اختراع کی اس ظلمت انگیز دورِ غبافی میں مغربی عالم نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی کہ طالب علم کا فرض نفس حقیقت اور **اصل پیغام** کی طرف متوجہ ہونا ہے، عوام کی اُس پیغام کے بارے میں بنائی ہوئی حُجت سے اُسکو چنداں بحث نہیں۔ یہ سوال کہ کیا سب ہنایان خلق اور اجلۃ الناس جو اپنی مُدۃ العمر سعی عمل کے بعد خلق خدا کو ایک راہ پر لگا گئے تھے، جو اپنی دُھن کے اسقدر پکے تھے کہ گردنیں کٹوا گئے مگر اپنی بات کو نہ چھوڑا، کیا یہ سب العیاذ باللہ جھوٹے اور دغاباز جاہل تھے؟ کیا اُن کا تنا ہوا سب تانا مکر و فریب کا جال ہی تھا جو لوگوں کو پھانسنے کی غرض سے بچھایا گیا تھا؟ کیا ان سب کو نفس نے اسقدر دھوکا دے رکھا تھا کہ دھوکے میں

تدبیر امر جو محکمۂ قضاوقدر اکثر اوقات ہزاروں برس میں کرتا ہے، جس کا سب بست و کشاد عاجز اور ہیچمیرز انسان کے دست نارسا سے حتماً بالاتر ہے، جسکے دریائے علم و اُلہت میں انسان یا اُسکے رساترین ذہن کی ہستی ایک تنکے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، جسکے صحرائے بے پایان کی ہول افزا دوریوں میں اسکی بڑی سے بڑی ارُگنت پرواز مگس سے زیادہ بلند تر نہیں ہوسکتی، ایسے تدبیر امر کی کنہ و ماہیت دریافت کرنیکے لیئے انسان کے ظاہری اور باطنی حواس اور یہ اقل قلیل علم از بس عاجز ہیں، اُسکے لیئے کوئی یقینی استقصا بے سود ہے، استقرا عبث ہے، استنباط محال ہے۔ انسان اس دنیا کے اندر اپنی بہتری کے لیئے سب کچھ کرسکتا ہے، اپنے استعمال کے لیئے ہر شئے مسخر کرسکتا ہے، موالید و عناصر کو اپنا مطیع بنا سکتا ہے، آب و آتش پر، بر و بحر پر، بالا و پست پر قابض ہوسکتا ہے، اپنے حواس ظاہری کو اشیائے فطرت کی مدد سے بیحد طاقتور اور دوررس کرسکتا ہے۔ لیکن اپنی **موت و حیات** کے سوال کو اس تھوڑے سے علم کی مدد سے آپ حل نہیں کرسکتا! اُسکے مکمل قانون کا علم لامحالہ اُس ذرہ نواز اور غریب پرور خدا کی **موہبت کبریٰ** ہی ہوسکتا ہے جس نے اِس زمین و آسمان کو پیدا کیا، اُس سے کمتر ذات کی طرف سے اسکا ادعا ہونا محال ہے! جس قوم کو یہ نعمت غیر مترقبہ حاصل ہوگئی ہے، اور جو قوم اُس قانون کو دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت فی الحقیقت سمجھکر اسپر صحیح معنوں میں **عمل پیرا** ہے وہی **صالح** ہے، وہی زور آور اور ناقابل ضرر ہے، وہی دائم اور قائم ہے، اُسی پر زمین و آسمان کے دروازے بلاشبہ کھل چکے ہیں اور جب تک اس صحیح عمل سے یک سرِ مو تفاوت اور تجاوز نہیں ہوتا اس دنیا میں **بیخوف و خطر** ہوکر رہنا اُسی کا حصہ ہے!

مغربی حکما نے **کلام وحی** کو قطعاً اُس نظر سے نہیں دیکھا جیسا کہ اُس کا حق تھا۔ وہ ادیان عالم کے باہمی اختلاف اور اصولی تضاد کو دیکھکر اس سے یکسر متنفر ہوگئے، وہ اقوام جہان کے اُس کے متعلق مضحکہ خیز عمل کو دیکھکر بیزار ہوگئے، جو دیکھا اُسکے متعلق کشر مُسکرا دیا، جو پایا اُس سے فی الجملہ خاموش اعراض کیا! تین خداؤں کا ہونا اور پھر ایک کا ہونا، خدا کے ہاں بیٹے کا پیدا ہونا(!)، اُسکا چند سپاہیوں کے ہاتھ سے **مصلوب** ہونا(!)، کرسئ عدالت پر متمکن خدا کا

ایک ہیبت اور خوف نظر آتا ہے، اسکی آنکھیں آفتاب کی شعاعوں طرح روشن ہیں، ان کا نور ایسا تیز ہے کہ اسکی وجہ سے ممکن نہیں کہ کوئی شخص اُسکے چہرے کو نظر بھر کر دیکھ سکے۔" تحصیل علوم میں یہ شخص سارے شہر یروشلم کیلئے تعجب اور حیرت کا مظہر ہے۔ اُس نے بظاہر کہیں تعلیم نہیں پائی لیکن بے غل وغش تمام علوم جانتا ہے"! کیا بُدھ علیہ الرحمۃ والسلام جیسا باکمال شخص جسکے رسمی پیرووں کی تعداد آج دنیا کے سب نئے اور پُرانے مذاہب کے ماننے والوں سے بڑھکر ہے اور جسکی نام لیوا اُمت کا جمِ غفیر اسوقت باشندگانِ زمین کی نصف تعداد سے کچھ ہی کم ہے، جس نے کرشن کی بے راہ رو اور گیتا کو بھولی ہوئی اُمت کو صدیوں کے بعد روحانیت کا زلزلہ انگیز سبق دیکر پھر زندہ کر دیا تھا، فی الحقیقت ایک چلّہ کش اور نفس کُش، ایک خشک مغز اور یبوست آگین زاہد ہی تھا جس نے تخت سلطنت کو لات مار کر باشندگانِ زمین کو راہ راست پر لانیکے لیئے وہ اندوہناک مشقتیں جھیلیں کہ سطح زمین یکسر کپکپا اُٹھی، قرنوں تک اس لرزش کا اثر چار دانگ عالم میں باقی رہا اور صدیوں تک

(بقیہ صفحہ ۱۶) راقم مکتوب اس امر پر زور دیتا ہے کہ نقادمیس حکیم نے جو اسیری فرقے کا ایک اعلیٰ رکن تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مناسب علاج سے یوسف کے باغ والی قبر میں اچھا کیا، وہ تیسرے دن اُسی جسم اور بدن سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور باوجود انتہائی نقاہت کے اپنے حواریوں سے ملے وغیرہ وغیرہ۔ جو فرشتے سفید لباس میں اس اثناء میں (از روئے انجیل) قبر کی حفاظت کرتے رہے وہ بھی اسیری فرقے کے خفیہ فریسندے تھے جو اُن کی تیمارداری پر متعین کیئے گئے تھے۔ راقم کہتا ہے کہ یہ خط اس لیے لکھا گیا ہے کہ وہ اختلاف جو حضرتؑ کی وفات کے متعلق عوام میں پڑ گیا ہے اور جس کی وجہ سے طرح طرح کے اوہام باطلہ اور خرق عادت کے ظنون جہلا میں پھیل گئے ہیں دور ہو جائیں، وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے،

لیکن اس حکایت سے قطع نظر جسکے جزئیات کا انجیل کے بیان سے حیرت انگیز طور پر تطابق ہے جو مستقل سبق اس مکتوب سے اخذ ہوتا ہے یہ ہے کہ یہ اسیری فرقہ جس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک مقتدر رکن تھے علم حقائق الاشیاء میں حیرت انگیز طور پر ماہر اور قانون فطرت سے بڑا باخبر گروہ تھا۔ خدمت عباد اسکے عمل کا جزو اعظم تھا۔ روئے زمین کے ہر قریے میں اسکے کارندے موجود تھے۔ ان کے باضابطہ اجلاس ہوتے تھے۔ کئی برس کے مسلسل سعی و عمل اور علمی مجاہدوں کے بعد ایک شخص کو اسکا رکن اعلیٰ بننا نصیب ہوتا تھا۔ اکثر باعلم لوگ اس خفیہ اخوت کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے خود پلاطوس اسکی طرف مائل تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کو سبت سے ایک دن پہلے صلیب دینا اور ان کی نعش کا یوسف کے سپرد کر دینا بھی اسی وجہ سے تھا۔ اگرچہ اس فرقے کا بظاہر ادعا یہی تھا (اور یہ مکتوب بھی اسی پر زور دیتا ہے) کہ حکومت وقت کی سیاسیات میں دخل نہ دے مگر قانون فطرت سے باخبر اور صاحب علم ہونے کی وجہ سے حکومت اس زبردست اخوت سے ہر دم خوفزدہ رہتی تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام سے خوفزدہ رہنا چنانچہ اسی وجہ سے تھا۔ تصلیب یسوع کے فرمان میں بھی جو پانتیس پلاطوس نے حکومت وقت کے ایما سے جاری کیا، حضرتؑ پر غاوی، مفتری علی اللہ اور کذاب ہونیکے علاوہ باغی حکومت اور قیصری قوانین و آئین کے دشمن ہونے کا الزام لگایا گیا تھا۔ اور تصلیب کی اصلی وجہ حتماً یہی تھی محکوم یہودیوں کو خوش کرنا اسقدر ضروری نہ تھا علاوہ ازیں عوام میں مسیح کے دنیاوی بادشاہت قائم کرنیکا انتظار اور چرچا تا نباشد چیزکے مردم نگوید چیزہا کا مصداق ہے جو ہر صاحب نظر پر عیاں ہے اسی مکتوب میں درج ہے کہ مسیح علیہ السلام نے پہاڑی پر سے مصر کی طرف کوچ کرنے (اور عوام کی نظروں میں فرشتوں کی معیت میں بادلوں میں غائب ہو جانے) سے پہلے حواریوں کے سامنے کہا کہ میرا کام یہ ہے کہ خدا کی بادشاہت زمین پر قائم کروں۔ چنانچہ یہ روحانی بادشاہت کا قیام ہی قیصر روم کو چین سے سونے نہیں دیتا تھا۔ اسی پہاڑی پر حضرتؑ نے اپنے حلقے کے حواریوں کو علوم فطرت کا آخری سبق دیا۔ علم صحت امراض، علم تشخیص خواص معدنیات و نباتات و ادویہ، علم تربیت حیوانات اور علم تریاق و سمیات کے اسرار سکھلائے، علم معاشرت کے اصول منکشف کیے۔ کئی دن تک تعلیم دیتا رہا۔ فرقہ اسیری کے لوگوں اور شاگردوں کو کہا کہ تمام دنیا میں پھیل جاؤ۔ ایمان پر ثابت قدم رہو۔ اور دنیا کو ایک اخوت میں جکڑ دو۔ ممکن ہے کہ بعض راہبوں اور مست الست گروہوں کے لوگ جو اب بھی دنیا میں سب طرف نظر آتے ہیں (مثلاً سنیاسی فرقہ ہندوستان میں) اسی اسیری فرقے کا ایک بقیہ ہوں۔ اگر یہ مکتوب اصلی ہے تو آج اس امر کی روشن شہادت موجود ہے کہ انبیائے کرام قانون فطرت کے بڑے ماہر، علم حقائق الاشیاء کے بڑے علامے تھے، اور یہی بڑا باخبر ہونا سچی نبوت ہے نہیں بلکہ اسمیں یہ عبرت انگیز سبق موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ کی موت بھی اسی سنت الٰہ کے مطابق واقع ہوئی تھی جسکی بابت قرآن نے کہا ہے وَلَنْ تَجَالِسَنَّهُ اللّٰهُ تَبْدِیْلًا (فاطر ۳۵)

جیتے رہے ۔ دھوکے میں کہتے رہے ، دھوکے میں قوموں کو فلاح و امن کے فلک الافلاک تک پونہچا گئے ، اور دھوکے میں مرگئے ؟ یہ سب سوالات بذات خود اس نمط کے تھے کہ ادنیٰ تامل کے بعد مغربی مفتش کو انکے لائے ہوئے نفس پیغام کی طرف متوجہ کرنیکے لیئے بس تھے ، اور یہی تلاش **وحی** کی سچی ترغیب تھی ! کیا **موسیٰ** فی الحقیقت ایک بے علم ، بدحواس ، اک دُھنا اور مختل الحواس مجنون تھا جو فرعون کی طاغوتی حکومت کے برخلاف برسوں تک علانیہ برسرِ پیکار رہا ، جو اپنی بے سروسامانی کے باوجود علی الاعلان اُسکو ہلاکت کا اٹل پیغام سُناتا رہا ، جس نے ڈنکے کی چوٹ اُسکو اور اُسکی قوم کو عذاب کی دھمکیاں دیں ، جو عذاب کو آنکھوں سے آتا ہوا دکھا کر چل نکلا ، اور بنی اسرائیل کے ایک جمِ غفیر کو خدائے مصر کی سب نہاں دانی کے باوجود بے آب و رزق جنگل میں لیجاکر چالیس برس تک ڈیرہ ڈالے رہا ، اور بالآخر اُس خشت پز اور ننگے اور سیاہ بدن پر چمڑے کے گندے ہوئے کوڑے کھانے والی قوم کو بادشاہ بناکر چھوڑا ! کیا **عیسیٰ** علیہ السلام دراصل ایک مرنجان و مرنج ، ایک سادہ لوح اور خالی الذہن ، ایک دنیا و مافیہا سے نابلد اور بھیڑوں کا چرانے والا گڈریا تھا جسپر قیصر روم نے اسرا باندھکر اُسکو سلطنت کا باغی اور واجب القتل قرار دیا تھا ، جسکے ساتھ ساتھ محکوم یہودیوں کو خوش کرنیکے بہانے سے حکومت وقت کے خفیہ کارندے لگے رہتے تھے جو اُسکی دن بھر کی کارگذاری روزنامچوں کی صورت میں پونہچاتے تھے ، اور جسکی بابت ایک سرکاری کارکن† نے بادشاہ وقت کو اطلاع دی تھی کہ " اسکی سنجیدہ آنکھوں میں

† حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے متعلق حال میں ایک عجیب و غریب شہادت دستیاب ہوئی ہے جو اس اولوالعزم نبی کی حیثیت کو صحیح طور پر سمجھنے میں بہت کچھ مدد دیتی ہے۔ یہ شہادت ایک لوح مکتوب میں درج ہے جو حضرتؑ کے ایک ہمعصر اور واقعہ صلیب کے عینی شاہد نے اپنے سلسلے کے احباب کو مصر میں لکھا ، اور جو سکندریہ کے ایک پُرانے مکان میں مُلک عبش (ابی سینیا) کی ایک تجارتی شرکت کے رکن کو دوران سیاحت میں ملا۔ محکمہ آثار قدیمہ مصر نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ یہ پُرانا مکان زمانہ قدیم میں اسینری فرقے کا مسکن تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علمائے فطرت کا ایک مقتدر ، باخدا اور باعمل خفیہ گروہ تھا۔ اسی مکان کے اندر اس فرقے کا الحاقی کتب خانہ بھی تھا اور یہ تہہ بھی اُسی کتب خانے کا بقیہ ہے ، مواد بظاہر غیر مشکوک اور اصلی ہے۔ آج یہ لوح فری میسن جماعت کی وساطت سے المانیہ (جرمنی) کی ایک علمی انجمن کے قبضے میں ہے۔ اور چونکہ اسکے اندر حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پر جان دینے اور تمام عالم کے گناہوں کے کفارہ ہونے کے عیسائی عقائد کی تغلیط ہوتی ہے۔ اسلیئے عیسائی پادریوں کی دستبرد سے فی الجملہ محفوظ ہے۔ مکتوب میں راقم نے اس امر کا دعوےٰ کیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونیکے وقت عینی شاہد تھا ، حضرتؑ کو یہود کے سامنے پلاطوس حاکم گلیل کے فرمان کے مطابق صلیب دی گئی۔ لیکن چونکہ یوم سبت کی رات ہونے کی وجہ سے انکو سرِ شام چند گھنٹوں کے بعد صلیب سے اتار لیا گیا اور اُن کی ہڈیاں بھی نہیں توڑی گئیں ، اس لیے وہ مرے نہیں اگرچہ یہود کو اطمینان ہوگیا تھا کہ وہ مرگئے ہیں اور پہرہ دار نے بھی اس امر کی تصدیق کردی تھی۔ جلاد سپاہیوں کا حضرت عیسیٰؑ کے بدن میں برچھی کا چبھونا اور اُس سے خون اور پانی کا نکلنا بھی (جس کا ذکر انجیل میں ہے) اس امر کی تصدیق کو حضرتؑ در اصل مرے نہیں تھے۔ لیکن یہود کو گمان ہوگیا تھا کہ وہ مرگئے ہیں۔ قرآن حکیم میں اس واقعہ کی حیرت انگیز طور پر تصدیق ہوتی ہے۔ اور تیرہ سو برس کے بعد اسکا ایک ہمعصر شہادت سے مصدق ہونا صاحب نظر کے لیئے قرآن کے انسانی کلام نہ ہونے کی ایک بڑی دلیل ہے : وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۔ (النساء)

(باقی برصفحہ آئندہ)

کہ "میں نے سمجھ لیا اور راز کو پالیا"! اور جسکو پیش نظر رکھکر عرب کا آخری پیغمبر بول اُٹھا کہ "اگر **سورج** میرے ایک ہاتھ پر رکھدیا جائے اور **چاند** دوسرے ہاتھ پر تو میں اپنی بات سے باز نہ آؤنگا"! نشأۃ آفرینش سے آجتک جسقدر حکماء گذرے ہیں اُنہوں نے اِس رازدروں کو بہ تمام وکمال سمجھنے میں کوئی قابلِ ذکر کوشش نہیں کی، اور باوجودیکہ ہر نبیؑ نے کم ازکم اپنی مُدت حیات میں اِس آلہی سبق کو لوگوں پر دُہرایا اور دو چار کیطرح روشن کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہوگا لیکن وہ کیفیت اور ماحول جو اُنہوں نے ہمعصر اُمتوں کے افراد میں پیدا کیا تھا بجائے خود اسقدر ناممکن البیان رہا کہ بسا اوقات پہلی پشت ہی اُس تخیل کو اگلی پشت تک صحیح وسالم پونہچانے میں حتماً ناکام رہی۔ یہی وجہ ہے کہ جب صلیبیت نظروں سے اوجھل ہوگئی تو ناشناس لوگوں نے مذہب کو وہ کچھ بنالیا جو وہ آجکل ہے، بلکہ اسکی اصلیت یہاں تک مسخ کرگئے کہ پُرانے خط وخال کا پہچاننا قطعاً محال ہوگیا۔ ویدوں اور گیتا کی صحیح تعلیم کے متعلق یتحقیق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اسکا صحیح اثر کتنی دیر تک ہندومت میں برقرار رہا مگر اسلام کے بارے میں جو مذاہب عالم میں سے سب سے نیا مذہب ہے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ عرب کی اُمت اسلام کے آلہی اور نبوی تخیل پر **تیس** برس سے زیادہ قائم نہ رہ سکی! خلفائے راشدینؓ کے بعد جو عروج مسلمانوں کو نصیب ہوا وہ صرف اُس آلہی درس کو جستہ جستہ یاد رکھنے کا نتیجہ تھا لیکن قرآنی سبق کا ایک اہم حصہ اُسوقت تک ذہنوں سے قطعاً نکل چُکا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری غالباً یہ کہ اُسکے آلہی تخیل کو سرے سے اخذ ہی نہ کرسکے ہوں، اُن کا بہت جلد اپنے نبیؑ کی ناروا تعظیم یا پطرس کا اُسکی ناروا تکفیر میں مشغول ہوجانا اِس واماندگی کی صریح دلیل ہے، مگر پولوس کی استقامت اور عیسائیت کا بعد از وقت فروغ ایک حد تک اِس امر کی تائید کرتا ہے کہ پیغام خدا کا وہ نامکمل درس جسکو عیسیٰ علیہ السلام دیتے دیتے اور نتائج کا انتظار کئے بغیر چل بسے تھے، کم ازکم **پولوس** نے صحیح طور پر جذب کرلیا تھا۔ بُدھ مذہب کو ہندوستان میں بے انتہا شوکت نصیب ہوئی تھی لیکن آریوں کے اپنے صدیوں کے بُھولے ہوئے سبق کو دُہرالینے اور بُدھوں کے دوسری پشت میں ہی اُسکو بُھول جانے نے اُس شوکت کو جلد تر تباہ کردیا، اور بالآخر اس عظیم الشان مت کا اثر بھی ساکنانِ زمین پر فی الجملہ جلد ناپید ہوگیا۔

لوگ اُس سے متاثر ہوتے رہے! نہیں، کیا وہ سالارِ انبیاء اور ختم رسل **محمد** علیہ الصلوٰۃ والسلام جسکے آسمان شگاف علم و عمل کو دیکھکر رحمت ایزدی کا موسلا دھار مینہ روئے زمین کو ابدالآباد تک تر بہ تر کرتا رہیگا، جسکے قانون بقا و فنا کی تبیین کو پاکر بر و بحر اور شمس و قمر اُس پر سلام بھیجتے رہیں گے، جسکی قوت تغیر و انقلاب کا اندازہ کرکے مس خام کو کُندن بننے کی دائمی آرزو رہیگی، کیا وہ سرورِ عالم فی الحقیقت ایک گنج نشین اور کملی پوش، ایک بےعلم اُمّی اور نارازدان زاہد، ایک نماز گذار متوکل اور فاقہ کش متقی ہی تھا جسنے ایک اقل قلیل مُدت میں عرب کی بے نام و نشان اور جمود زدہ قوم سے علم و عمل کے وہ آتشین فوّارے اکناف عالم میں رواں کیے کہ دنیا ہمیشہ تک اُن کے کارناموں کو سُن کر سر دُھنا کرے گی! کیا یہ سب کُبرائے خلق اور پیشوایانِ زمان العیاذ باللہ **جھوٹے** تھے؟ کیا انکی دی ہوئی تعلیم میں کوئی شئے فی الحقیقت سبق آموز اور نتیجہ خیز نہ تھی؟ کیا انکی اس دنیا میں مہتم بالشان کامیابی، کروڑ در کروڑ ساکنانِ زمین کی اُن سے صدیوں تک عقیدتمندی، اُنکے لگائے ہوئے پودوں کا اس قدر پھیلاؤ، انکی پیدا کی ہوئی تحریک کا اسقدر دوام بذاتِ خود اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ لوگ فطرت کے محکمۂ تدبیر میں قضا و قدر کی بست و کشاد کے مستقل کارندے تھے، وہ ملکوتِ زمین کے متعلق آلہی تجویز کے مقررشدہ کارکن تھے کیا آج ایک یا دس یا دس ہزار بڑے سے بڑے طبعی حکماء اور فلسفیوں کی مجلس بیسیوں برس کے متفقہ سعی و عمل سے ساکنانِ زمین پر وہ قلبی اور اجماعی اثر، وہ ذوقِ یقین، وہ لطفِ اعتقاد، وہ حرکت اور تموّج، وہ **بات** پیدا کرسکتی ہے جو ان رہنمایانِ زمین میں سے کسی ایک فرد نے پیدا کی؟

میرا یقین ہے کہ یہ اولوالعزمی اور کامیابی ہی ہر متامل شخص کو اسطرف متوجہ کردیتی ہے کہ ہم سمجھیں کہ وہ کیا پیغام تھا جو یہ بزرگ اعمال اشخاص لائے، کس مضبوط پناہ پشت پر اُنکی یہ مثال جسارتیں تھیں، وہ کیا **دل** تھا جسکی گردوں شگاف طاقت انکو بے کسی اور مخالفت میں بے خوف و خطر بولنے اور بے دھڑک عمل کرنے دیتی تھی، اُن کے ذہنوں میں کیا تجویزیں بس رہی تھیں، کیا **علم** تھا، کیا کاشفِ غطا **یقین** تھا، کیا عینی شہادت، اور براہ راست تصدیق تھی، کیا لائحہ عمل اور **صراط مستقیم** تھا، وہ کیا تھا جس کی بابت ایک اولوالعزم پیغمبر نے کہہ دیا

فساد جو ترجمے اور بالخصوص لفظی ترجموں سے پیدا ہوجاتا ہے منشائے وحی کی صحیح اصلیت تک پونہچنے میں سدِ اسکندری کا حکم رکھتا ہے۔ ایک تو فنِ تحریر بجائے خود کسی شخص کے حقیقی خیالات اور اُن کے صحیح کیف کو ادا کرنے کا ازبس ناقص اور نامکمل مظہر ہے اور نبی کی آسمان سے لائی ہوئی وحی بسا اوقات امر و نہی کے صحیح کیف و حال کے ادا کرنے میں اُسی وقت ادھوری رہ گئی ہے جب اُس لزہ فگن انکشاف کو لوگوں کی عام ہدایت کیلئے معرضِ تحریر میں لایا گیا ہے، لیکن بعد ازیں اگر اصلی مصنف کی وہ نصِ مبین بھی انسانوں کی مدد سے ترجمہ در ترجمہ کر دیجائے تو حقیقت کے جس جزوِ صغیر کا اُس ترجمے میں باقی رہ جانا ممکن ہے، ظاہر ہے۔ اکثر اور صحیفے بھی جنکی بابت انسان کا ادّعا ہے کہ وہ آسمانی تھے اِسی تحوّل و تبدّل میں نسیاً منسیاً ہوگئے، اُن کے مطالب اور مقاصد محرّف ہوچکے ہیں، الفاظ بدل چکے ہیں، کتابت کی غلطیاں، مطالب کی نافہمیاں، ذاتی اغراض و مفاد، زمانے کی دستبرد وغیرہ وغیرہ سب کے سب اُن کی اصلیت کو چھپانے میں مؤیّد ہوئے ہیں۔ روئے زمین کے آسمانی کتب خانے ہیں لے دیکر صرف ایک **قرآن** ہے جو سب انسانی تصرّف سے محفوظ رہا ہے، اِسمیں ایک حرف کے برابر کہیں تبدیلی نہیں ہوئی، الفاظ کی ترتیب میں، آیتوں کے الفاظ میں، سورتوں کی آیتوں میں یہ کتاب بعینہٖ وہی ہے جو پیغمبرِ آخر الزمانؐ نے دنیا کو دی۔ کوئی تساہل، کوئی کوتاہ نظری، بددیانتی، یا غرضمندی اِس کو پہلے دن سے نقل کرنے میں نہیں ہوئی، نہیں بلکہ اسکے ایک پُرانے نسخے† کے متعلق جدید انکشاف جو حال میں ہوا ہے اُسنے حکماً اور علماً ثابت کردیا ہے کہ یہ وہی ہے جو پہلے تھی، وہی ترتیب ہے جو ایک دفعہ مقرر ہوچکی تھی۔ وہی نص ہے، وہی الفاظ ہیں، سینوں کے جوف میں ہے تو وہی ہے، اور کاغذ کے میدان پر ہے تو وہی ہے!

ایسی محفوظ اور مصوّن کتاب کے مضامین سے مغربی حکیم اگر چاہتا تو بہت کچھ اخذ کرسکتا تھا، اُسکو کم از کم **ایک** مذہب کی صحیح اساس قرار دے سکتا تھا، ایک مستقل اور قائم مذہب کی اصلیت تک پونہچکر اُسکو روز روشن

† ایک نامعروف الاسم ارمنی عیسائی (رمنگانا) نے حال ہی قرآن عظیم کے ایک پرانے نسخے کے بعض ٹکڑوں کا انکشاف کیا ہے جو یہ ہیں وہی ہیں جو آج عمل رائج ہیں۔

آج اگرچہ تمام علمی دنیا اِن پیشوایانِ مذاہب کی عظمت کی اعتقادی طور پر خاموش قائل ہے لیکن اُنکی تعلیم، ان کی عظمت کی ماہیت، اُنکے علم کا صدق بسیط ماہر علم جدید کے دائرہ تحقیق و بحث سے اِسقدر خارج ہے کہ وید، گیتا، ژنداوست، تورات، انجیل، قرآن وغیرہ وغیرہ سب مقدس کتابیں محکمۂ علم و تحقیق جدید کی میز پر کھلی ہونے کی بجائے اُسکے عجائب خانے میں بطور ایک تاریخی تبرک کے لپٹی پڑی ہیں، مغربی حکیم اُنکی طرف تاریخی ندرت اور غربت کی نظر سے دیکھتا ہے، اُن کو ایک کونے سے اٹھا کر دیکھتا ہے اور باحتیاط تمام پھر لپیٹ کر رکھدیتا ہے!

اس میں شک نہیں کہ علم کی مذہب کی طرف سے یہ تمام بے رُخی اُسکے دائرہ تدقیق و تحقیق سے خارج ہونیکے عام یقین کی وجہ سے ہے۔ اگرچہ یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نبیؐ کی ہمعصر اُمت ہر زمانے میں اپنے پیشوا کی دی ہوئی تعلیم کو اسقدر برحق، اسقدر مدلّل، اسقدر رسا، اور بلحاظ نتائج اسقدر نفعمند، روشن اور بین یقین کرتی رہی ہے کہ آفتاب کی کرنیں اور مہتاب کی شعاعیں بھی اُسکے بالمقابل وہ نور و ضیا نہیں رکھتی تھیں، اور انسانی سعی و عمل کا دستور بھی روز اوّل سے یہی رہا ہے کہ کوئی شخص کسی امر کے متعلق دس قدم اُٹھانا گوارا نہیں کرتا جبتک اُس دس قدم اٹھانے کی دلیل شمس و قمر کی طرح سامنے موجود نہو اور نتائج عین الیقین سے نہ دیکھ لیئے جائیں، تاہم مذہب کی حقیقت کو مسخ کرنے والی ناشناس اور نااہل، بے عمل اور جمود زدہ خوالف اُمتوں کا عقیدہ کشر یہی رہا ہے کہ مذہب کے بتائے ہوئے اصول کسی دلیل کے متحمل نہیں، اُن میں استدلال کرنا یا عقل کو دوڑانا شرعاً ناجائز ہے، اُنکی سب باتیں مابعد الطبیعی اور مافوق الدلیل ہیں، اسکے متعلق تدبر کرنا الحاد و کفر ہے یہی خیال کسی نہ کسی رنگ میں حکمائے مغرب کو بھی تحقیق مذہب سے باز رکھتا رہا ہے اگرچہ اِس سے باز رہنے کی وجہ یہ اوپری دلیل اور اعتقادی شان حتماً نہ ہو لیکن ان امور کے علاوہ جو اہم مشکلات اِس راہ میں عصر جدید کے داخلین علم کو پیش آتی رہی ہیں، یہ ہیں کہ اُن کے پاس حتماً کوئی ایسی آسمانی کتاب موجود نہ تھی جو انسانی تصرف اور تبدل سے کامل طور پر محفوظ رہی ہو۔ تورات، زبور، انجیل سب کی سب موجودہ حالت میں اپنی اصل زبانوں سے ترجمہ شدہ ہیں حتیٰ کہ اُن کے اصل نسخوں کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں رہا کہ وہ کس زبان میں تھے، اور مطالب کا وہ ناقابلِ

اس کذب و افترا پر سے نقاب اُلٹا، ان الزامات کو مسیحی پادریوں کی صریح بدمعاشی قرار دے کر عیسائیت کو قرآن اور پیغمبر قرآن کے متعلق غلط نشر و تبلیغ کرنے کی شرم دلائی، عرب کے آخری پیغمبر کو **بطلِ انبیاء** کا خطاب دے کر اُسکی اولوالعزمیوں کو سراہا، اُسکو خدا کیطرف سے سچے نبی ہونے کی سند اپنے زعم میں اپنی طرف سے دی، مگر مذہبی تعصب اور تحجر کا اثر اس علم و شہادت کے زمانے میں بھی انسان کے ہر رگ و پے میں اس قدر سرایت کر چکا ہے کہ اس فلسفی نے بھی عرب رسولؐ کی بحث کے ضمن میں تمہید کے طور پر یہ کہدیا کہ "ہم نے اس پیغمبر کو بطل انبیاء کے طور پر بالخصوص اسلیئے منتخب کیا ہے کہ ہم اسکے حسن و قبح پر گویا بالمقابل عیسیٰ علیہ السلام کے زیادہ آزادانہ طور پر بحث کر سکیں گے، اور یوں تو ہم میں سے کسی شخص کے عیسائیت کو چھوڑ کر مسلمان بن جانے کا امکان نہیں"! اس اقرار نما انکاری حالت میں ظاہر ہے کہ کسی بڑی سے بڑی مدح سرائی کا کیا اثر ہو سکتا تھا، لوگ اسکو علم ادب کے فکاہات کا ایک منظر سمجھکر خاموش ہو گئے، البتہ چند ایک اہم الزامات کی دشمن کی اپنے مُنہ سے تردید ہو گئی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

الغرض یہ وجوہات تھیں جنکی بنا پر قرآن بھی مذہب کے متعلق کسی **فیصلہ کن** علمی تحقیقات کی اساس نہ بن سکا۔ لوگوں نے مذہب کو ایک مابعد الطبیعی اور ناقابلِ درک شئے قرار دیا تھا، عُلمائے مغرب نے بھی جن کے علم کی بنیاد بیکن کے مشہور عالم **مسئلہ استقراء**† کے بعد سے یکسر مشاہدے اور تجربے پر رہی ہے، اور جو **سمع و بصر** اور **قلبِ سلیم** کی شہادت کے بدون کسی شئے کو **علم** کا بلند مرتبہ نہیں دیتے، یہی سمجھ لیا کہ مذہب مابعد الطبیعی ہے، فہم سے بالاتر ہے، کسی تخیل زدہ لوگوں کی عالمِ خیال کے جوش میں بنائی ہوئی شئے ہے، اسلیئے اسکو کسی صورت سے چھیڑ کر جُملا میں ایک ہنگامۂ عظیم برپا کر دینا روا نہیں۔ جوں جوں علم کا اثر دنیا کے اکناف و اطراف میں وسیع ہوتا جائے گا لوگ خود بخود اسکی بے حقیقت باتوں سے متنفر ہو کر اسکو چھوڑتے جائینگے، اور اُس حقیقت کشا اور پردہ دَر علم کیطرف خود بخود راغب ہونگے جو اس کارگاہ **فطرت** کے مطالعے سے

† مسئلہ استقراء (سنہ ۱۶۲۰ء) ان عالم انگیز مسئلوں میں سے ہے جس کے تتبع نے مغرب کو آج تمدن کے فلک الافلاک پر پہنچا دیا ہے۔ (دیکھو اہل کتاب تحت ملتیں صفحہ ۸۳) *

کی طرح **سچ** یا **غلط** ثابت کرسکتا تھا۔ ایک سے فارغ ہوکر پھر اُنہی اصول پر اُور مذاہب کو لے سکتا تھا، اور اس طرح پر دنیا میں مذہب کے سرِ عظیم کا پول یکسر کھول کر سب کو ایک حقیقت کبریٰ پر متفق العمل یا ایک **کذبِ عظیم** سے متنفر کرسکتا تھا، جزِ ثقیل یا علم حساب کی طرح سب تفرقوں کو مٹا کر دنیا میں ایک عصبیت، ایک ملت، ایک اُمت، ایک اخوت قائم کرسکتا تھا، نہیں بلکہ ابدالآباد تک مذہب کے متعلق سب جھگڑے، سب جنگ و جدل، سب خونریزیاں سرے سے محو کرکے دنیا کا باوا آدم بدل سکتا تھا۔ اِس طریق عمل سے مذاہب عالم کے شرعی رہنماؤں کا تعصب بھی یک بیک بے اثر ہوجاتا، لوگ بے دلیل اور مضحکہ انگیز باتوں کو شدہ شدہ چھوڑ کر حقیقت کی طرف لپک لپک کر پہنچتے، اور علمی نظریات کی طرح اُنکے غلط مذہب کا حامی بالآخر ایک باقی نہ رہتا! سب بلا استثنائے احدے ایک مذہب اور ایک مسلک پر قائم ہوجاتے یا سب **لامذہب** بن کر **ایک** ہوجاتے! لیکن بدقسمتی سے قرآن مغرب کے لیئے روزِ اوّل سے ممنوعہ درخت کی مانند رہا، عیسائی پادریوں نے جنکو اِسکے کارناموں سے خاص طور پر چڑ تھی، جن کی تبلیغی مساعی بلکہ بسا اوقات سیاسی منصوبوں کو اِسنے خاص طور پر روک کر اکثر کو کالعدم کردیا تھا اُسکے کذب و افترا ہونیکے متعلق بے سر و پا افسانے بنا لیئے۔ اُنہوں نے مشہور کردیا کہ "قرآن بُت پرستی کا بڑا مبلغ ہے"! "مُہمّد" (یعنی محمدؐ) کو خدا کہتا ہے"! "عرب پیغمبر کے شانے پر ایک کبوتر بیٹھا رہا کرتا تھا جس کے ذریعے سے وہ شعبدہ بازیاں کیا کرتا تھا"! "اسلام نے عورتوں کو عام جائداد قرار دیا ہے، اب ہر شخص انکی عصمت کا وارث ہے"! بعض زیادہ مکار اور ہوشمند اور معاملہ فہم دشمنوں نے اُڑا دی کہ "محمدؐ کو صرع کی بیماری تھی جس کو وہ جبرئیلؑ کی وحی قرار دیتا تھا"! "قرآن میں فاش تاریخی اغلاط موجود ہیں"۔ "وہ ایک کتاب ہے جسکا ماخذ تورات اور انجیل ہے"! "اُسکے سب افسانے یہودیوں کی غیر مستند روایات سے لیئے گئے ہیں"! "وہ سرتاپا **بے ربط** ہے اور کسی جنون زدہ شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے"! وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب الزامات اِس نمط کے تھے کہ اِنکے بعد کسی ہوشمند شخص کا اِس کتاب کیطرف متوجہ ہونا ہی دور از بحث تھا، اِن نقائص کے ہوتے ہوئے اسکا خالص المتن ہونا یا تحریف لفظی سے محفوظ رہنا بھی کچھ قابل توجہ نہ ہوسکتا تھا۔ انگلستان کے ایک مشہور فلسفی (کارلائل) نے بالآخر

اور بہجت ہی، خلد و دوام ہے، بقا و ارتقا ہے؟ ایک اُمت کیوں اِس روئے زمین سے چشم زدن میں مٹ جاتی ہے؟ دوسری اُسکی جگہ کیوں اور کس استعداد پر لے لیتی ہے؟ یہ کیا رسم مداولت ہی! کیا رعشہ برانگیز قانون ہے جو اس قوت اور زور کے ساتھ اِس دنیا میں نافذ ہے۔ اِسکا تھل بیڑا کہاں ہے، اِسکا سر بمُہر راز کیا ہی؟ **معرفت نفس** کی یہ وہ پہلی منزل تھی جو مغرب کو فطرت کے پیہم مشاہدے اور استقصا کے بعد ملی، اور اسکے بارے میں آجتک وہ شبانہ روز سعی و تلاش کے باوجود کمال تحیّر میں ہیں۔ انگلستان کے مشہور طبعی ڈارون نے اور حکماء کی معیت میں مُدّۃ العمر سعی و جدل کے بعد اِس سوال کے جواب میں **بقائے اصلح**† کے عالم انگیز مسئلے کو پیش کیا، اُنہوں نے حیوانی اُمتوں کے مدّ و جزر کے بارے میں بہت کچھ چھان بین کی، اصلحیت کے چند موٹے موٹے اصول بیان کیئے، قانون موت و حیات کی ایک لگتی ہوئی تعریف وضع کی، مگر جب اِس کا اطلاق **انسانی** اُمتوں پر کیا گیا، تو صلاح کی تعریف میں بیحد واماندگیاں، بے اندازہ مشکلات، ناپیش دیدہ رکاوٹیں پیش آئیں۔ وہی تعریف 'صلاح' جو حیوانی اُمتوں کے بارے میں بادی الرائے میں فیصلہ کن معلوم دیتی تھی، انسانی اقوام کے رُو سے ازبس نامکمل، بیحد نارسا و ناقص بلکہ اکثر اوقات **غلط** نظر آئی۔ انسانی فطرت کا ہمہ تن ادنیٰ حیوانی جبلت پر مجبول ہونا بھی بجائے خود ایک مشکوک مسئلہ تھا جسکے تتبع میں مغرب نے ناروا غلو کیا، اِس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب کی تمام تہذیب میں بہیمیت، وحشیت، درندہ پن اور نوعی انحطاط کے آثار نمایاں ہونے لگے، باایں ہمہ مغرب نے آجتک کلامِ وحی کیطرف رجوع نہیں کیا، اُنہوں نے **اعمال** خدا کے مطالعے کو چھوڑکر **الفاظ** خدا کے مطالعے کی طرف توجہ نہیں کی، اُن کا ذہن اسطرف منتقل ہی نہیں ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی بلند اجماعی نظر سے وہ بات حتماً پالی تھی جس تک اُنکی دوربینیں قطعاً نہیں پونہچ سکتیں۔ اُن کا علم اُنکو نقد و نظر کے اس **اُفق اعلیٰ** تک لیگیا تہا جہاں آج بھی کسی بڑے سے بڑے وسیع النظر طبعی کا پونہچنا محال ہے! وہ آئے تھے اور اپنے ساتھ زورِ عمل لائے تھے! آسماں شگاف علم لائے تھے! اُمتوں کو آسمان تک اٹھا دینے کے **بیرم** لائے تھے! زمین کو تہ و بالا کر دینے کے **کُدال** لائے تھے! اُنکی دقت نظر میں آسمان

† اس مسئلے کی شرح و بسط اصل کتاب کے تحت المتن صفحہ ۱۱-۳۷ میں کردی گئی ہے۔

اخذ ہوتا ہے اور جو صحیح معنوں میں **واقع الامر** ہے۔ مذاہب جاریہ کی اعتقادی اور بے نتیجہ صورت نے اُنکو اِس حقیقت تک ہرگز نہ پونہچنے دیا کہ مذہب فی الحقیقت اِس دنیا میں خوش اسلوبی سے رہنے کا طریق عمل تھا جسکو آج مرورِ مدت اور دستبردِ زمانہ نے اعتقادی رنگ دیکر مسخ کر دیا! وہ نہ سمجھے کہ کلام وحی کو فنا و بقائے اقوام اور **موت و حیات** اُمم کے سوال سے ایک گہرا، طبعی، اور ناقابل حک لگاؤ ہے، اور انبیائے جہان بھی محض اِسی غرض کے لیئے مبعوث ہوئے تھے کہ کم ہیں، ناشناس، اور کوتاہ نظر انسان کو قیاسات اور آرا کی اِس ظلمت انگیز رستخیز میں قانون الٰہی سے صحیح طور پر واقف کرکے اُن کو **بقا** کے صراط مستقیم کی طرف لیجائیں۔ وہ اِس راز کو حتماً نہیں سمجھے کہ بلا استثنا سب انبیاءؑ اپنی اپنی جماعت کو اپنی عین حیات میں قوت اور امن کی راہ پر لگا گئے، اُنکو قعرِ عزل و جمود سے نکالکر روح سعی و امن پر بلا واسطہ مشرف کر گئے۔ یہی اُن کے آنے کی **واحد** غرض تھی، اور اسی مطلب کے حاصل کرنیکے لیئے انکا بے مثال سعی و عمل تھا۔ **نشاۃ ثانیہ**† کے اوائل میں طبعیوں کا سارا زور اسی میں صرف ہوا کہ مسئلہ استقرار کو اساس قرار دیکر حقائق الاشیاء کی طرف متوجہ ہوں اور اُنسے صحیح نتائج مستنبط کرکے فطرت کے خزانہ عامرہ کو اپنے استعمال میں لائیں۔ لیکن جب اشیاء کے مطالعے سے ظلمتِ شب دور ہوئی، نور کے دزدیک بیک کھلتے گئے، انسان کو سقف آسمان کے نیچے اپنی ہستی کا اِضافی احساس ہوا، وہ آسمان کی ہولناک دوریوں کو سمجھا، اِس ذرہ مقدار زمین کا اندازہ لگایا، جب اُس نے موالید زمین کی تدوین کی، اجناس حیوانات کی تقسیم کی، اقوام خالیہ کے بقیہ آثار کو دیکھا، بے شمار محو شدہ حیوانی انواع کا ملاحظہ انگشت بدنداں ہوکر کیا، اپنی کمال بے بسی اور صانع فطرت کی کمال قدرت کا اندازہ کیا، اور اِس کارگاہ زمین و آسمان کے بارے میں وہ سب قیانوسی خیالات صرف غلط ثابت ہوئے، تو پہلا سوال طبعاً یہی پیدا ہوا کہ اِس صحنک زمین پر **اجتماعی بقا و فنا** کا راز کیا ہے، وہ کیا قانون ہے جسپر چلکر قوت اور امن ہی، راحت

† اس کتاب کا اہم مطمح نظر و اصل اسی امر کو پایہ ثبوت تک پونہچانا، اور بتدریج تمام **نبوت کی صحیح غرض و غایت** کو منکشف کرنا ہے۔ اس دیباچے کے صفحہ ۹۶۔ الخ پر اس مضمون کا پھر دُہرایا گیا ہے اور اسکی قرآنی شہادت ایک حد تک پیش کی ہے لیکن مکمل شہادت اصل کتاب میں جا بجا ملے گی۔ اگر انبیائے کرام کے مبعوث ہونے کا پیش نہاد اپنی اپنی اُمتوں کو قانون خدا سے آگاہ کرکے قوت اور امن کی راہ دکھانا نہیں تھا تو میرے نزدیک در اصل وہ کوئی پیغام نہیں لائے اور نہ اُن کے پاس فی الحقیقت کوئی علم تھا۔ مذہب کی اعتقادی صورت خواہ کچھ ہی بن جائے لیکن فطرت کے طالب علم کو اس حقیقت کے اعتراف کے سوا چارہ نہیں۔

انحطاط کے درک اسفل کیطرف نہایت تیزی سے گھسیٹ رہا ہے۔ وہ آج سب کے سب اپنی **مادیت** پر خوش ہونے کی بجائے اپنے فقدان **روحانیت** کا ماتم کر رہے ہیں۔ سیاست کا صحیح علم اگر کہیں انکو ایک گز ابھار رہا ہے تو روحانیت سے کم علمی دوسری جگہ انکو دو گز دبا دیتی ہے۔ وہی تمدن جو اپنی حیرت انگیز قوت استنفاع کے باعث دنیا کے ہر گوشے کو آباد اور پر رونق کر رہا ہے، اُن کے اپنے گھروں کو دردناک طور پر اُجاڑ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشیائے فطرت کے بیمثال علم اور ابدان عالم کے متعلق صحیح خبر کے باوجود مغرب کا روئے زمین پر **دوام** ازبس مشتبہ امر ہے! وہ **علم الدین** سے کماحقہٗ بہت کم واقف ہیں، انکو اس دنیا کے اندر **صراط مستقیم** کے ایک اہم حصے کی کچھ خبر نہیں رہی۔ سیاست اور مادیت کے ناروا غلو نے نامعلوم طور پر یہ بات اُنکی گھٹی میں ڈال دی ہے کہ اس دنیا کے اندر اصلحیت محض جسمانی **زور** اور مادی طاقت ہی ہے، یہی کمتر مخلوق کے اخلاق کا جزو اعظم ہے، اسی کے اندر بقائے انواع کا راز ہے†! وہ اس مادی زور کو بدرجۂ اتم حاصل کرنیکے لیے سب ممکن اشیائے فطرت کو کرایہ پر لے رہے ہیں۔ اور اُن کی وساطت سے زور آور بنتے ہیں۔ لیکن افراد کی روحانی صلاحیت اور تہذیب نفس کے آسمان شکن زور کی اُن کو کچھ خبر نہیں، وہ اپنی باطنی ملکوتی طاقتوں کو مادیت کی بیجان قربان گاہ پر چڑھا رہے ہیں۔ اور بیرحم زمانے کے ہاتھوں جلد مٹ رہے ہیں! اسی غیر روحانی اور کرایہ پر لیے ہوئے زور کا اشد شدید مبلغ المانیہ کی بے مثال **جُندیت** تھی جس کا بیشتر حصہ حال کے محاربۂ عظمیٰ میں تباہ ہوا اور اسی خواہش کا ادنیٰ مظہر انگریز کی قزاقانہ **جُوع الارض** اور اُسکا تحکمانہ استیلا ہے، جو آج اُسکی اجتماعی بیخ و بنیاد کو کھوکھلا کر رہا ہے!

مغربی اقوام کے بالمقابل مشرقی اقوام میں صلاحیت کا مادی اور روحانی تخیل دونوں اصلاً مفقود ہو چکے ہیں اُنکے نزدیک فطرت کا یہ کارگاہ اعظم اصلاً بیکار اور **باطل** ہے، اسمیں کچھ شئے لائق تفتیش نہیں، کچھ سعی و عمل کی اہل نہیں۔ دنیا کو غائر نظر سے دیکھنا اُن کی نظروں میں عبث ہے۔ اس جہان میں خوش اسلوبی اور زور سے رہنا اُنکی نگاہوں میں نقش برآب پیدا کرنے کی سعی کرنا ہے۔ وہ خدا کی اس عظیم الشان صنعت پر لات مارنا

† دیکھو اصل کتاب صفحہ ۱۲ - ۱۳ تحت المتن شق سوم و ہمارا مسئلہ ارتقا †

اُن کی پشت پناہ تھا۔ خلاقِ ارض و سما اُن کی تائید میں تھا! زمین اُنکے علم و عزم کے آگے پانی کی طرح بہ جاتی تھی! بڑے بڑے جبر اُن کے حوصلوں اور یقین کو دیکھکر سپر ڈال دیتے تھے! جبتک انسانی افراد میں اس طاقتِ عمل، اس قدوسی علم، اس آلہی ایمان و یقین، اس روحانیت، اس لازوال **عزم** کا جزو قلیل موجود نہ رہے، اُمتیں کیونکر اس دنیا میں دوام حاصل کرسکتی ہیں۔ **صلاحیت** یہی ہے کہ انسانی چلن انسانی **فطرت** پر قائم رہے، سفلی تغیر قبول نہ کرسکے، **بہتر** اور قائم تر فطرت کی طرف رجوع کرے، ادنیٰ جبلت کیطرف راغب نہ ہو، اُمت فی الجملہ **امن** میں ہو، اسکے ہر عضو میں بیداری اور تڑپ برقرار ہو، سب اعضا متناسب ہوں، بڑھے گھٹے نہ ہوں، اسکے کسی شعبے میں نقص پیدا نہ ہو، اگر کوئی قوم کسی ایک حصہ عمل میں بے اندازہ طور پر بڑھ گئی ہو، درانحالیکہ باقی حصے بے نشو و نما پڑے ہیں تو وہ درحقیقت 'صالح' نہیں، وہ ایک بیڈول پیدائش ہے مضغۂ بے ہنگم ہے، اعجوبۂ خلقت ہے! ایسی بدشکل اُمت کا اس **متناسب** اور **خوبصورت** دنیا میں کسی مدید مدت تک رہنا محال ہے!

یہی وجہ ہے کہ حکمائے مغرب نے 'صلاح' کی صحیح تعریف وضع کرنے میں بے اندازہ واماندگیاں بلکہ فاش غلطیاں کی ہیں۔ انہوں نے احوال تاریخ کو یا اپنے سے **ادنیٰ** مخلوق کے فطری عوائد کو ہی علم الدین کا صحیح ماخذ قرار دے کر انسانی اخلاق کی تعمیر اُن احوال و عوائد پر کی، اور محکمہ قضا و قدر کے فیصلہ جات سمجھنے میں ایک صاحب ارادہ خدا کی مشیت اور صاحب ارادہ انسان کے اہم ترین عناصر کو بیدخل کردیا، وہ اس نارواتخیل میں لگے رہے کہ مدوجزر اقوام کے قانون کی تدوین بھی لامحالہ اُسی انداز پر ہے جسپر جبر ثقیل یا علم حساب کے قواعد مرتب کردیئے جاتے ہیں، اور جسطرح پر خواص الاشیاء کے معلوم کرلینے سے مرکبات کے خواص کیطرف رہنمائی ہوتی ہے اُسیطرح افراد کے مطالعے سے اقوام، اور عام حیوانی مخلوق کے مطالعے سے خاص انسانی مخلوق کی طبیعت اور فطری میلان کا کامل پتہ لگ سکتا ہے۔ یہ طرز خیال بجائے خود آج اسقدر کم نفعمند ثابت ہوا ہے کہ جہاں صلاحیت کا صحیح تخیل مغربی مادی ترقی کے مدارج اعلیٰ پر چڑھ جانے میں بیش از بیش کامیاب ہوا ہے، وہاں اُسکا غلط مفہوم اسکو اخلاقی

چند لمحوں کیلئے **زور** پیدا کردے، اُسمیں سب لازمات غلبہ واستیلا کے موجود ہوں، اُسمیں جو بات ہو لاجواب اور بے مثال نظر آئے، زور آوروں میں اشد زور ہو، کمزوروں میں اشد کمزوری ہو، ایک طرف کمال بہجت و انبساط ہو، دوسری طرف انتہائے عجز ہو، لیکن ایسے زرخرید زور کو **دوام** قطعًا نہیں! اسمیں صلاح کی باطنی استقامت نہیں، اسمیں بلور کی انکساری صلاوت موجود ہے، لیکن فولاد کی اندفاعی لچک قطعًا نہیں ایسی بنا کی مثال ایک مکڑی کے جالے کی ہے جسکو باد تند کا ذرا سا جھونکا کالعدم کردیتا ہے، اور بعد ازاں اُس دل آویز تعمیر کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ یورپ کے تمدن کا جزو اعظم اسی کمزوری اور نادور بینی پر مبنی ہے۔ اقوام کے اِس دنیا میں بقا کیلئے ضروری ہے کہ اسکے افراد کا تخلق حتی الوسع صانع فطرت کے اخلاق سے مماثل ہو، اشرف الخلق انسان سے کسی برتر مخلوق بننے کا تہیہ ہو، نہ یہ کہ سفلی پیدائش سے ارتقا کیا ہوا انسان، پھر اُسی درک اسفل کی طرف لوٹ آئے۔ ایسی تہذیب اپنے پاؤں پر آپ تبر مار رہی ہے گو کہ اپنے زور کے نشے میں وہ فی الحال اسقدر مست ہو کہ اس خودکشی کا کچھ اندازہ نہ کرسکے!

میرا یقین ہے کہ مغرب کو ایک نہ ایک دن **اعمال** خدا کے مشاہدے کو کچھ مدت کیلئے ملتوی کرکے **الفاظ** خدا کے مطالعے کی طرف آنا پڑے گا! اُس دن اُنکی سب حیرت اور مذبذب حالت تیقن میں بدل جائے گی، صراط مستقیم کے بارے میں اُنکے سب شکوک رفع ہوجائینگے! 'صلاح' کا کشتہ غلط تخیل درست ہوکر مکمل ہوجائیگا! اُنکے علم فطرت سے مستنبط کیے ہوئے اکثر معاشری اور تہذیبی اصول کی تائید ہزاروں برس پیشتر کے کہے ہوئے الفاظ سے حیرت انگیز طور پر ہوگی! اُن کو انبیاء کے اِس دنیا میں **علمی** مقام کا صحیح اندازہ ہوجائے گا، اپنی غلط روی کے متعلق صحیح اور نتیجہ خیز معلومات ملیں گی، صحیح روی کی آلہی اور سکاری سند ملجائے گی، پھر اُن کا خاطر زمین و آسمان سے یہ **تجاہل عارفانہ** بھی نہ رہ سکیگا! 'منکرمے' بنکر 'ہمرنگ مستان زیستن' کے مصداق نہ رہ سکیں گے! اُس حکیم علی الاطلاق کی حکمت پر کھلا اور بے محابانہ یقین، اُسکے اعمال پر محققانہ نظر، اُسی کے الفاظ کی خادمانہ قدر، اُسکی رحمت کی بے محابا تمنائیں اور تقدم کے بڑھے ہوئے حوصلے اِس کشت زار عمل کو ہری بھری کردینگے! پھر انسان

خوشنودیٔ خدا سمجھتے ہیں، اور آخرت کے دوام و بقا کے دل خوش کن تصور میں غرق ہیں! روحانیت اُن کے عالمِ خیال میں ایک **بے ہمہ** زندگی ہے جسکا نتیجہ بیکاری اور جمود ہے، فطرت کے عطا کیے ہوئے اعضا کا انحطال ہے بے نتیجہ مجاہدے اور ہیچکارہ اعمال ہیں، یا کم از کم ایک ناکارآمد زہد و تورع ہے جس کا حلقہ اثر دس قدم تک وسعت نہیں رکھتا! صلاحیت کا وہ مصلح جماعت مقلب القلوب اور انقلاب انگیز تخیل جو انبیائے کرام نے کسی زمانے میں رواں کیا تھا۔ آج مشرق میں حرف غلط کی طرح مٹ چکا ہے، اور اس کائنات **شر و جزا** اور عمل سعی و عمل میں بیکار بن بن کر دکھ پانا اُنکا شیوۂ اعتقاد ہو گیا ہے! مذہب و سیاست اُنکے ہاں ایک دوسرے سے اس قدر الگ ہو چکے ہیں کہ گویا اُنکے مابین کوئی مابہ الاشتراک قطعاً نہ تھا۔ وہ سیاست جو روحانیت کے زور اثر پر اقوام عالم کو انبیاء کی وساطت سے ملی تھی اقلیم آخرت کیلئے مدوّن ہو گئی ہے! گبر و برہمن، بدھ اور مسلم، سب اس سعی نامشکور میں مصروف ہیں کہ دنیا کے **نقد** کو غیر کے ہاتھ دے دے کر آخرت کے **نسیے** کو بزعم خود خرید لیں، اور کم از کم اس دنیا کے لیئے مذہب کا ہونا بیکار ثابت کر دیں۔ الغرض جہاں نقد پسند **مغرب** صلاحیت کو جسمانی قوت کی پیدا کی ہوئی سیاست کے ماسوا کچھ اور سمجھنا گناہ سمجھتا ہے، اور مذہب کے اجنبی اور ناخوش آیند مہمان کو اُسکے اصلی وطن (ایشیا) میں دھکیل کر، زور کی اکڑ پر اس دنیا میں دوام کی لاطائل سعی کر رہا ہے، وہاں **مشرق** کا نسیہ پسند ابلہ روحانیت کے اصلی مفہوم کو خیرباد کہکر کمزوری اور جمود کی **پاکبازی** اور ہمہ فروشی سے ہی اپنے آپ کو صالح سمجھتا ہے اور اپنے ہاتھوں آپ مٹ رہنے میں بقا کا راز عبث ٹٹول رہا ہے!

میرا یقین ہے کہ سعی و سکون کے یہ دونوں مناظر **افراط و تفریط** کے مناظر ہیں، فنا و استہلاک کے مناظر ہیں، حفظ و امن کے مناظر نہیں! اس دنیا کی چار دیواری میں رہ کر کسی قوم کا سچا مذہب اُسکے **دوام و بقا** کا مذہب ہی ہے اور یہی سچی **سیاست** اور سچی **صلاحیت** ہے۔ دوام کے لیئے جہاں اشد شدید زور کی قطعی ضرورت ہے وہاں اس زور کو برقرار رکھنے کے لیئے انتہائی **تزکیۂ نفس** واحد اور آخری وسیلہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کرایہ پر لیئے ہوئے انسانوں یا زر کے منتظر مزدوروں کی ایک جماعت اس دنیا کے اندر

مدعاہی وغیرہ وغیرہ؟ آج اس علم وشہادت کے زمانے میں ہی مذہب کے اوامر ونواہی اپنے صحیح اور اصلی رنگ میں ظاہر ہوسکتے ہیں، اُن کے مقاصد کی صحیح تعیین ہوسکتی ہے۔ اُن سے مستقل نتائج اخذ ہوسکتے ہیں۔ اُن سے قانون خدا اور **امر** ربّ العٰلمین کا پتہ چل سکتا ہے، نوکر کو آقا کا صحیح عندیہ اور آقا کو نوکر سے سچی رسم وراہ پیدا ہوسکتی ہے، سب ذاتیات اور تعصب، سب غلو فی الدین اور افراط وتفریط قطعاً نابود ہوسکتے ہیں، اس امر کا وثوق کے ساتھ فیصلہ ہوسکتا ہے کہ **پیغام** فی الحقیقت **ایک** ہی تھا، صرف اُسپر عمل کرنیکے مظاہر جُدا جُدا تھے مقصود بالذات **اصل** دین ہی ہے۔ قانون فطرت ہی ہے، عادتِ خدا کو سمجھنا ہی ہے! فروعات اور ظواہر اصل مذہب حتماً نہیں! نہیں بلکہ جو قوم **اصل** کو پکڑے ہوئے ہے وہی اُسکے خزانہ عامرہ سے انعام پارہی ہے، جس نے روح کو، نفس الامر کو، صدق بسیط کو چھوڑ دیا وہی ہلاک ہورہی ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب اتحاد عالم کا نصب العین بیش از پیش معرض عمل میں آسکتا ہے۔ جب ہوشمندانِ زمین کی ایک موتمر علم کی مشعل کو ہاتھ میں لیکر دنیا کو ایک راہ پر لگا سکتی ہے، جب مذہب کا انواہی اور **قولی** شعبہ صرف غلط بنکر مٹ سکتا ہے، جب اسکا **عملی** اور اتحادی پہلو ذہنوں پر پتھر کی لکیر بن سکتا ہے، جب اسکے حزبی اور اختلافی، بغاوتی اور حسدی اثر کے کالعدم ہونے کا امکان ہے، جب آمین بالجہر اور آمین بالخفی کی سب مضحکہ انگیز بحثیں طرفۃ العین میں بند ہوسکتی ہیں، جب سچ اور جھوٹ، روا اور ناروا کا تصفیہ لمحۃ البصر میں ہوسکتا ہے! وحی کی سچی قدر، اُسپر سچا اور بے ریا یقین، اُسپر مسلسل اور نتیجہ خیز عمل، اُسپر کامل اور لاینفک اتحاد درحقیقت **علم** ہی سے ہوسکتا ہے، اور وہی صراط مستقیم صحیح معنوں میں بقا انگیز اور تقدم خیز ہے جسکے مسلمہ اصول کی تائید براہ راست **وحی** سے ہوئی۔ دنیا کی سب سے آخری کتاب وحی (یعنی قرآن) نے نوع انسان کی موجودہ تفریق آراصورت بلکہ مذہب کی ماہیت کا فیصلہ یک قلم اس بنا پر کردیا ہے کہ مناسک اور ظواہر اور شے ہیں اور **امر** اور چیز ہے: لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي **الْأَمْرِ** وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ † (الحج ۳۲)

گویا مناسک کو بنائے نزاع سمجھکر **قانون** ربّ العٰلمین میں جھگڑا پیدا کرنا ہی **صراط مستقیم** اور مذہب سے پرے ہٹنا ہی!

† اس آیت رفیعہ کے صحیح مطالب کے متعلق ایک مبسوط بحث اصل کتاب میں صفحہ ۲۲۸ - ۲۳۴ کے تحت المتن میں کی گئی ہے۔

بھی ایک دوسرے سے اُلفت سے رہا کرے گا۔ آئے دن کے مقاتلوں کا جہنم اُسکی معاشری بہجت کے بہشت کو کچھ منغص نہ کرسکے گا۔ اگر مغرب اور مشرق نے فی الحقیقت مذہب کو **علم** کی نظر سے دیکھا، اور علم نے بھی اسکو اپنی آغوشِ لطف و مرحمت میں لیکر، کلام خدا کو از سرِ نو انسان کا مشترک صراط مستقیم اُسکا واحد دستور العمل، رب العٰلمین کا ایک اور اٹل پیغام، اسکا ایک اور ناقابل بدل قانون بلکہ انسان کا ملجائے وحید اور ماوائے فرید ثابت کردیا۔ اور اگر ساکنانِ زمین نے بھی دانشمندی اور تدبر سے کام لیکر پیغمبرانِ جہان کی ذاتیات پر بحث کرنے کی بجائے خدائے عظیم کے **نفس الامر** کیطرف توجہ کی، سب فروعات اور ظواہر کو بالائے طاق رکھکر اصل قانون کو اپنا شیوۂ عمل بنالیا، تو جہنم کے سب دروازے یک بیک بند ہوجائینگے! اس دنیا میں پُرکار شیطان کا کچھ کام نہیں رہیگا، اور بدقسمت زمین پر اُسکے مستقر† ہونے کی بجائے اُسکو کسی اور آسمانی کُرے کی طرف بھاگنا پڑے گا!

وحی کی صحیح حقیقت اور عظمت بھی آج ہی نسل انسانی پر عیاں ہوسکتی ہے جب کہ اُسکا **علم** اوج کمال پر پونہچ رہا ہے، جب اُسکو **مریخ** سے ہمکلام ہونے کی آرزو ہے، جب اُسکے سمع و بصر کی حکومت بامِ آسمان تک پونہچ چکی ہے، جب اُسکا رسا ذہن اس سحر ستان کائنات کو اجماعی نظر سے دیکھ رہا ہے، جب اُمتوں کے فنا و بقا کی مکمل تصویر اُن کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے! جاہل اور کوتاہ نظر اُمتوں نے جو آج سے پہلے ہوگذری ہیں اُس مالک سمع و بصر اور علامہ مطلق خدا کے کلام کو کیا سمجھا ہوگا، اسکے ناپیدا کنار علم کی کیا قدر کی ہوگی، اُسکے عاجز نواز احکام کی کیا مِن سوچی ہوگی، درانحالیکہ وہ سمجھتے رہے کہ زمین کا چورس ٹکڑا بیل کے سینگ پر پڑا چکر کھا رہا ہے، اور بیل مچھلی کی کمر پڑ ٹکا ہے"! وہ کیا سمجھتے ہونگے کہ اس مالک زمین و آسمان نے کیا کہا؟ کس غرض و مطلب کو سوچ کر کہا؟ کس منتہائے جلیل کو پیش نظر رکھکر کہا؟ توحید پر اصرار کیوں ہے؟ شیطان سے احتراز کیا ہے؟ ایمان کا کیا مطلب ہے؟ اتقا سے کیا مقصود ہے؟ تفریق کیوں منع ہے؟ اتحاد کی تشویق کیسی ہے؟ بہشت اور دوزخ کیا ہیں؟ جانوروں کی کیوں تاکید ہے؟ تزکیۂ نفس کی ترغیب کیونکر ہے؟ پُن دان، نکوکاری کا کیا

† از روئے قرآن بظاہر شیطان کا مستقر صرف ارض ہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ الفاظ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ سے ظاہر ہے۔

زکوٰۃ کے وہ حصے بخرے نہ تھے، صوم کیلئے وہ ماہ رمضان نہ تھا وہ اوقات نہ تھے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اس لیئے کہ قرآن کو نفس الامر کے بیان کرنیسے غرض ہے، کسی اُمت کی سطحیات سے اسکو کچھ بحث نہیں۔ اسکے نزدیک آج بھی الصلوٰۃ، وُہ شئے ہے جو وُہی تکیف دل، وُہ نتیجہ خیز اطاعت، وُہ ضبطِ نفس، وُہ توقیت عمل، وُہ اخوت اور موالات، وُہ تعاون اور محافظت پیدا کردے، جو ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰ علیہم السلام کے لائے ہوئے پیغام میں مقصود تھی†، محمدی نماز کے ظواہر اور ارکان سے اسکو کچھ سروکار نہیں۔ اور جس طرح بھی **نتائج** پیدا ہو جائیں اسکی نظروں میں بارگاہ خدا میں قبول ہیں۔ نہیں بلکہ اگر کسی نماز سے وہ بات پیدا نہیں ہوتی تو قرآن کی مطلق لغت میں ظواہر کا وہ بے روح پیکر الصلوٰۃ کہلانے کا اہل نہیں۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے قانون خدا کو بعینہٖ اسی نقطۂ نگاہ سے دیکھا، اور اسی لیئے سب نے **ایک** دیکھا، سب نے اصلیت اور حقیقت کو پایا۔ اور اگر آج بھی صحفِ آسمانی کا مطالعہ اس مقام نظر سے کیا جائے تو پیغامِ خدا کی حقیقت کو پالینا اور تمام عالم کا ایک نقطۂ وحید پر متفق ہو جانا کچھ متعذر نہیں۔ لہٰذا اس غرض و مطلب کے لیئے ماخذ ایانِ ملت کا قانون خدا کے بحرِ زخار کو **علم و نبوت** کی عینک سے دیکھنا لازمی ہے، جہالت کی تنگ چشمی اس صراطِ مستقیم کا کچھ فیصلہ نہیں کر سکتی!

مجھے یقین ہو چکا ہے کہ اس قانونِ خدا اور امر ربّ العٰلمین کی حقیقت تک تمام و کمال پہونچنے کیلئے **قرآن حکیم** سے بہتر **کامل تر**، **واضح تر** اور **صحیح تر** آسمانی کتاب اس دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ سب آسمانی صحیفے اپنے اپنے وقت نزول سے آجتک کم و بیش **لفظی** تحریف کا شکار ہو چکے ہیں۔ اُن میں سے اکثر کے الفاظِ وحی روئے زمین سے کلیتہً ناپید ہیں، اکثر میں مرورِ وقت کے باعث ردّوبدل وارد ہو چکا ہے حتیٰ کہ خود حاملانِ وحی کو اس حقیقت کا اعتراف ہے، لیکن لفظی تحریف کا گناہ عظیم انسان نے کم از کم اس کتاب کے بارے میں حتماً نہیں کیا۔ قرآن حکیم کے **مطالب** اور **مقاصد** میں اگرچہ بے حد **معنوی** تحریف ہو چکی ہے، اُس کا اصلی اور نبوی منشا جُملا اور عُلما کی متفقہ تاویل کے باعث اکثر خبط ہو گیا ہے، اُسکے معانی پر مجید شرعی اور فقہی غلاف پڑ چکے ہیں، اُسکے کسی ایک

† الصلوٰۃ کی حکمت کے متعلق ایک مشرح بحث اصل کتاب میں صفحہ ۲۰۳ پر آرہی ہے جس سے معلوم ہو جائیگا کہ قرآن حکیم کا مقصود بالذات نماز سے بھی نہا جو بیان ہوا +

لیکن عُلمائے جہان کی متذکرۂ صدر مؤتمر سے قطع نظر ہوشمند اشخاص اپنی اپنی مطالعہ گاہوں میں بیٹھے ہوئے بطور خود اِس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دنیا کے سب مروجہ آسمانی صحائف کے اندر اُنکی اِس محرّف شدہ صورت میں بھی **وحدت** پیام کی ایک نہر سلسبیل دوڑ رہی ہے، سب کا بین السطور مدّعا اور منتہا وہی ہے، مطمح نظر ایک ہے، امر ایک ہے، اگرچہ ظواہر اور مناسک اکثر حالات میں الگ الگ ہیں۔ اگر کہیں کوئی اختلاف اِس امرِ عظیم پر عمل کرنے میں رُونما ہوا ہے تو وہ صرف نقطۂ نظر کا اختلاف ہے، منظر تصویر کا اختلاف ہے، رویائے قلب کا اختلاف ہرگز نہیں۔ یہی باعث ہے کہ دنیا میں جسقدر پیغامبر آئے اپنے سے پہلے پیغمبروں کی **تصدیق** کرتے رہے، بُدھ نے کرشنؑ کی تائید کی، موسیٰؑ نے ابراہیمؑ کی تصدیق کی، عیسیٰؑ نے موسوی شریعت کو بنا قرار دیا، محمد صلعم نے سب انبیاؑ کو بلکہ ہر قوم کے ہادی کو، ہر قریے کے نذیرؑ کو، ہر اُمت کے رسولؑ کو مانا، حتیٰ کہ سکھ اُمت کے پیشوا **نانک** علیہ الرحمۃ نے بھی ختم رسلؐ اور باقی سب ایلچیوںؑ کو برابر سمجھا! یہ تصدیق بذات خود اس امر کی تصدیق ہے کہ یہ سب لوگ آپس میں **رازداں** تھے، ایک ہی قانون سے واقف تھے، ایک ہی امر مہم سے آشنا تھے، گویا سب **سیانے** تھے اور ایک ہی **مت** رکھتے تھے! بلند بینی اور وسیع نظری کے باعث اُن کے ذہن اسقدر رسا اور اُنکی تعلیم اسقدر حقیقت کشا بن گئی تھی کہ ظواہر اور شعائر کا اختلاف اُنکو کچھ اختلاف دکھائی نہ دیتا تھا! اُنکی نگاہیں اُس **قانون**، اُس نفس الامر، اُس دین فطرت کی طرف لگی تھیں جسپر چلکر ہر جا **امن** ہے، قوموں اور قبیلوں کا امن ہے، گھروں اور افراد کا امن ہے! مثال کے طور پر عرب کے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آسمانی کتاب ابراہیم، موسیٰ، داؤد، عیسیٰ، وغیرہم علیہم السلام سب انبیاؑ کی اپنے اپنے وقت میں مروجہ نمازوں کو اُسی **ایک** لفظ 'الصلوٰۃ' سے تعبیر کرتی ہے، وہی 'الزکوٰۃ' کا لفظ سب کے بارے میں موجود ہے، صوم کے بارے میں وہی کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لکھا ہے، حج، جہاد، ہجرت، سب اوامر کی توصیف میں جو آج ایک مختص شریعت سے مخصوص ہو کر اُس مذہب کے شعائر بن چکے ہیں، وہی مشترک الفاظ ہیں، سب کے لیئے یکساں ثواب اور برابر کا عذاب متعین ہے، حالانکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ان سب کے **ظواہر** الگ الگ تھے، نماز کے وہ رکوع و سجود نہ تھے،

اور تمدن، دنیاوی بہبود اور امن، علمی تقدم اور عمران، علمی فوقیت اور استحکام کا کوئی شعبہ نہیں جسکو حاصل اور برقرار رکھنے کیلئے اسکے اندر مکمل اور معنی خیز اشارات نہ موجود ہوں۔ تہذیب کے ہر مرحلے میں، عمران کی ہر منزل میں، تقدم کے ہر قدم پر یہ کتاب انسان کیلئے سچی رہنما ہے۔ اسکی انگشتِ زنہار لامحالہ اسی طرف اشارہ کر رہی ہے جسطرف بالآخر نقصان ہے، اجتماعی ضعف ہے، مجموعی موت ہے! اسکا بیخوف و خطر حکم اُسی صراطِ مستقیم کی طرف ہے جسپر چل کر امن ہے، خلد و بقا ہے، **نعمت** اور **عزت** ہے! اسکا اہم ترین مطمحِ نظر اُمتوں کی **اجتماعی حالت کی اصلاح** ہے، لیکن اسی مجموعی بہبود و کشاد کے ضمن میں اسنے افراد کی شخصی فلاح کا اٹل دستور العمل بھی پیش کر دیا ہے۔ اِسکو روئے زمین پر بھیجنے والا وُہ صاحبِ علم و خبر، وہ مالک سمع و بصر، اور وہ عالم الغیب و الشہادۃ ہے کہ بنی نوع انسان کے انتہائی ارتقا کو ہزاروں بلکہ لاکھوں برس پہلے دیکھ رہا ہے! صدہا برس کے گذشتہ واقعات کی سند پیش کر رہا ہے، امن کے لازمات کی طرف اشارہ کر رہا ہے، خوف کے مقامات سے ڈرا رہا ہے۔ الغرض جو کہہ رہا ہے قوت اور زور سے کہہ رہا ہے، یقین اور وثوق سے کہہ رہا ہے، غنا اور بے نیازی سے کہہ رہا ہے! اسکا قانون اسقدر مکمل ہے کہ نارسا نظریں اسمیں عیب نکالتی ہیں، اسمیں کجی دیکھتی ہیں، اسکے متعلق شکوک پیدا ہوتے ہیں مگر علم کی وسعت اور بلند بینی پھر اُن شکوک کو مشکوک کر دیتی ہے! ہر شک کے متعلق نئے احوال، نئی معلومات، نئے مقام نظر آئے دن ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور شک کو بالآخر درماندہ اور سپر انداختہ کر دیتے ہیں! مقام نساء، تعدد ازدواج، ممانعت خمر، معاشری مساوات وغیرہ وغیرہ چند در چند ایسے مسئلے ہیں جنکے متعلق دنیا تمدن کے اس مرحلے میں مشکل سے یک رائے و یک زبان ہو سکے گی، اُنپر جبتک انسانی فطرت کا علم نامکمل ہے بحث کا سلسلہ جاری رہ سکیگا مگر ان مباحثِ دقیقہ کے متعلق قرآن کے قطعی اور حکمی فیصلے وہی ہیں جنپر دنیا کی عام رائے کا اہم ترین حصہ نامحسوس طور پر متفق ہو رہا ہے! وہ وُہی ہیں جو تلخ تجربوں، فطری گناہ کی سزاؤں، پشتینی غفلتوں کے سم آلود نتیجوں، افراط و تفریط کے مہلک اور قاطع النسل اثرات اور ترقی علم سے اخذ ہو کر دنیا کو نئی راہوں پر لگا رہے ہیں! دنیا کسی کشمکش و پیچ میں گرفتار ہے، صراطِ مستقیم کی تلاش میں یہ غلط اور وُہ صحیح بار بار کہتی رہے، زید سے ہٹ کر عمرو کیطرف

امر مہم کا الٰہی مفہوم صحیح طور پر مسلمانانِ عالم کے ذہنوں میں باقی نہیں رہا، اُسکے اوامر و نواہی پر اعتقاد آج صرف اقوال اور افواہ تک محدود رہ گیا ہے، اُسکو لوگ جو کچھ مان رہے ہیں مونہوں اور لفظوں، پھونکوں اور استخاروں سے مان رہے ہیں، لیکن اسکے **الفاظ** بعینہ اور باصلہ موجود ہیں۔ انسان کا بڑے سے بڑا فریب بھی اب اُنکو بدل نہیں سکتا۔ انکی کچھ کتر بیونت نہیں کر سکتا۔ **محقق** کیلئے اِس کتاب کا روئے زمین پر موجود ہونا ایک غیر مترقبہ نعمت اسلیئے ہے کہ صحف آسمانی کے اضافی مطالعے میں قرآن حکیم کے الفاظ اور تحقیق شدہ مطالب کی رہنمائی صحیح منشائے خدا کی طرف سچی رہنمائی ہے۔ جہاں اور سب کتب آسمانی اپنی موجودہ حالت میں کسی ایک امر کے بارے میں کوئی حکمی فیصلہ نہیں کر سکتیں، وہاں قرآن اُس امر کے متعلق اپنا **قطعی** اور **آسمانی** فیصلہ دے سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جو مشترک باتیں آسمانی صحائف میں اسوقت پائی جاتی ہیں، اور جن کا وجود اس آخری کتاب سے بھی ثابت ہے، اُن سب کا قرآن صحیح معنوں میں **مصدق** بنجاتا ہے۔ اِس مقام نظر سے اگر کسی مزعومہ آسمانی کتاب کے اکثر مضامین اور قرآن کے مابین کوئی مابہ الاشتراک ثابت ہو گیا ہے تو اُس مزعومہ کتاب کا اُسکے اپنے عہد نزول میں منجانب اللہ ہونا بھی متحقق ہے۔ الغرض مذہب کو علم کے بلند درجے تک پونہچانیکے لیئے یہ گوہر نایاب از بس بے بہا اور گرانمایہ ہے۔ طالب حقیقت کی انتہائی خوش قسمتی ہے کہ اُن کے پاس کم از کم **ایک** ایسی کتاب موجود ہے جسکو خدا کے ہاں سے براہ راست ہونے کا ادعا ہے، اور جو آپ نامحرف اور بے غل و غش خالص ہے! اسکا کام اب صرف اتنا ہے کہ اسکو علم کی کسوٹی پر کما حقہٗ پرکھ کر **سونا** ثابت کر دے، یا اگر وہ اس محک پر پوری نہیں اُتر سکتی تو اسکا ناقص عیار ہونا علی الاعلان ثابت کر کے دنیا کو مذہب کے **فریب عظیم** سے یکسر نجات دلوا دے!

یہ وہ خیالات ہیں جنکی بنا پر میں اس کتاب کو ساکنانِ زمین کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ قرآن حکیم اپنی جامعیت اور مانعیت میں، اپنی حجت اور حکمت میں، اپنے علم و خبر میں وہ فقید المثال کتاب ہے کہ اسکا علم انسانی دانست کے ہر ممکن معراج سے بالاتر ہے۔ سب آسمانی کتابیں قانون خدا اور دین فطرت کے صرف بعض یا اکثر حصوں کو پیش کرتی ہیں مگر یہ نادر الوجود صحیفہ اسکو بہ تمام و کمال پیش کر رہا ہے۔ انسانی معاشرت

بدون سمجھتے رہے! اسلامی دنیا اسکی ادبی خوبیوں اور شنیدہ فصاحت پر سر دھنتی رہی ہے مگر اسکا اپنا اعلان مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ اور فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ.... اَهْدٰى ہی رہا ہے! اسکے اکثر حامل پچھلی کئی متصل قرنوں سے وہی لوگ رہے ہیں جو اعمالِ خدا اور فطرت کے علم سے فی الجملہ نابلد اور تقینیات سے اکثر متنفر رہے ہے مگر اسکا روئے سخن بہر نوع لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ اور لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ہی رہا ہے! اسکے دشمن پکار پکار کر اور دوست دبی آواز سے کہہ رہے ہیں کہ قرآن کے اندر ربط کا کچھ پتہ نہیں لگتا مگر اسنے اپنی بے ربطی کا الزامی جواب الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ہی دیا ہے! الغرض عقیدتمند لوگوں کی اسکے متعلق سخن آرائیوں سے صرف نظر کرکے جو یقینی بات قرآن حکیم کے بغور اور پیہم مطالعے کے بعد اخذ ہوتی ہے یہ ہے کہ وہ فی الحقیقت ایک نہایت عمیق اور **بلیغ** کتاب ہے۔ اسکے اندر انسانی نسل کی اجتماعی مرفہ الحالی کا پورا اور دائمی سامان موجود ہے، اسمیں کمال **تدبر** اور انتہائی غور و فکر کی پوری گنجایش ہے، وہ اپنے دائرے کے اندر **مکمّل** ہے، قیاسات اور آرا کے سب انسانی مجموعوں سے بے نیاز ہے، وہ آپ صحیح معنوں میں اپنی **تفسیر** ہے، وہ سب انسان کی بنائی ہوئی اور قابل بدل لغات سے مستغنی ہے، اُسکی اپنی اور ناقابل تغیر لغت خود اسکے اندر ہے، اُسکا داخلی طریق تسمیہ اُسکے اپنے مقرر کیئے ہوئے معہود ذہنی کو ادا کرنیکے لیئے اسقدر کافی ہے کہ کسی خارجی مدد کی اسکو حتماً ضرورت نہیں، اُسکی سب قانونی مصطلحات اور آئینی متعارفات خود اسکے ضمن میں اس صحت اور دقت، اس سلامتی اور کمال سے واضح کردی گئی ہیں کہ اسکے بعد کسی ایک حصے کے مطالب کی صحیح تعیین میں شک و اشتباہ کا گمان تک نہیں گذر سکتا! اُسکے ہر لفظ کے صحیح مطلب اور صاحب القرآن کے اُس لفظ کے متعلق صحیح عندیے میں وہ حیرت انگیز **استقلال** ہے کہ اول سے آخر تک اُسکا وہی ایک پیش نہاد ہے، اجماعِ اُمت یا تاویل یا انسان کا نفسانی مکر اُسکے مقصود کو قطعاً نہیں بدل سکتا۔ اُسکی **ایک** آیت کے صرف **ایک** معانی ہیں، اسکے متعلق طرزِ عمل **ایک** ہی، پیش نہاد **ایک** ہے، محاکمہ اور عندیہ ایک ہے، سیاق کلام ایک ہے، سباق ایک ہے! اسی بنا پر قرآن حکیم **اختلاف** یا حشو کے بدنما انسانی عیب سے قطعاً مبرا ہے! جہاں کہیں اسکی آیتوں کے اندر تناقض کا گمان یا تکرار و تخالف کا شائبہ نظر آتا ہے وہیں اُن کے الٰہی مطالب سمجھنے میں کسر رہ گئی ہے، وہیں کوئی

اور عود سے بکر کی طرف راجع ہو، مگر قرآنی محاکمے **ناقابلِ بدل** اسلیئے ہیں کہ **بالآخر** انسانی طبیعت اُنہی کی طرف مائل ہوکر رہے گی۔ اپنی فطرت سے بیخبر انسان اُنہی پر **مجبول** ہے، اُنہی سے ہٹ کر شکست وریخت ہی، اُنہی پر چلکر حفظ وامن ہے! جہاں افسردگی ہے اُسی کے عصیان سے ہے، جہاں بالش ہے اُسی کو مان کر ہے۔ قرآن کا بتایا ہوا اسلام ایک **فطرت** ہے جسپر سب نسلِ انسانی بلا امتیاز رنگ وملک **مخلوق** ہے، اسمیں کوئی تبدل اور تحول اصلاً اور طبعاً نہیں ہوسکتا! یہی وہ **صراطِ مستقیم** ہے جسکے سوا کوئی دوسرا خطِ مستقیم بداہتہً ممکن نہیں لیکن اگر لوگ اسکی تلاش میں ایک راہ سے ہٹ کر دوسری راہ پر چل رہے ہیں تو اسکی وجہ **کمی علم** ہے جس دن فطرت انسانی کا علم مکمل ہوجائے گا، صراطِ مستقیم سورج کی کرنوں اور مہتاب کی شعاعوں سے زیادہ روشن تر حقیقت ہوجائے گی اسی بنا پر قرآن نے اپنے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم کے بارے میں کہا ہے: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (الروم ۳)۔

قانون خدا کے متعلق قرآن حکیم کے اجمال اور کمی علم کے باعث بسا اوقات اُسکے بدیہی اغلاق کے باوجود اُس کا بیان کردہ آئین اہل نظر کی نگاہوں میں اسقدر مبین ہے کہ کسی ایسی مختصر کتاب کا اس سے زیادہ ابین اور اکمل ہونا محال ہے! وہ بظاہر ایک ازبس مختصر صحیفہ ہے مگر اسکا دعوے اپنے متعلق تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ہے! اجمال کے لیئے اغلاق لازمی امر ہے مگر اُسکے وحی کرنے والے کا دعوے اسکے بارے میں یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ ہے! لوگ اُسکو عیاں کرنے کی سعی میں قرنوں سے تفسیر کے طومار باندھ رہے ہیں مگر اُسکا اپنا ادعا اَلْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ہی ہے! شرعی علماء اُسکی ایک ایک آیت کو لائق شرح وبیان بتاتے ہیں مگر اُسکا اپنا محاکمہ اَلْكِتٰبُ مُفَصَّلًا اور تَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ ہے! آجکل کے مولوی اُسکی حکمت میں استدلال کرنا گناہ سمجھتے ہیں مگر یہ آپ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ اور لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ کی صلائے عام دے رہا ہے! حدیث کے شیدائی اُسکی کسی ایک آیت کو صحاح ستہ سے بے نیاز نہیں سمجھتے مگر اُسکا اپنا فیصلہ اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اور اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ اور فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ اور اسکے ایک بڑے شیدائی (حضرت عمرؓ) کا فیصلہ حسبنا کتاب اللہ ہے! لغت والے اسکو لغت کا محتاج کہتے ہیں مگر اسکے بڑے سمجھنے والے اور اسپر بڑے عمل کرنیوالے دو سو برس تک اسکو لغت کے

مقامات اور موٹے موٹے جزیروں کی طرف اشارہ کر دیتا ہے۔ لوگ اس طرز بیان سے کیسے شناسا نوس ہوتے ہیں،
اور بادی النظر میں اُنکے **باطنی ربط** کو نہیں دیکھتے! وہ نہیں دیکھ سکتے کہ ان سب بیانات کی تہ میں ایک قابل
الفکاک تعلق ہے، انکے نیچے ایک مشترک اور مضبوط **زمین** ہے، ایک طبعی اور غیر منقطع منطقی تسلسل ہے، پہاڑوں
کی سربفلک چوٹیاں علیحدہ علیحدہ نظر آرہی ہیں مگر اُن کے دامن اور وادیاں اُنکی بنیادیں اور مشترک قواعد اُسکے
عمیق علم کے محیط میں **غرق** ہیں۔ وہ خود انکو بے گماں طور پر دیکھ رہا ہے، مگر لوگ اپنی کمظرفی کے باعث جلد مضطرب
ہوجاتے ہیں! **عیسیٰ** علیہ السلام کا پہاڑی پر دیا ہوا **وعظ** آجتک بے ربط نظر آتا ہے، اُسکے اندر فی الجملہ کوئی **منطق**
اور **ترتیب** نظر نہیں آتی، اُسکے سب محاکے بادی الرائے میں متفرق اور غیر متعلق دکھائی دیتے ہیں، اُن سے کوئی
مستقل نتیجہ قانون خدا کی ماہیت کے بارے میں مترتب نہیں ہوتا، تاہم یہ بات ہر عیسائی اور غیر عیسائی کے نزدیک
مسلم ہے کہ پہاڑی کا وعظ اُس اولوالعزم نبی کا سب سے مشہور، سب سے مکمل اور سب سے زیادہ **نتیجہ خیز** وعظ تھا!
نہیں بلکہ نصارے کا شنیدہ اعتقاد صدیوں سے اُسکے متعلق یہ رہا ہے کہ عیسائیت کی روحانی تعلیم بہ تمام وکمال اسی
وعظ کے اندر مضمر ہے۔ لوگ آجتک اکثر نہ سمجھ سکے کہ 'دل کے غریب' بعینہ کون لوگ ہیں اور 'آسمان کی بادشاہت' کیا
ہے اور کیونکر اُنکی ہے؟ **حلیم**' کون اشخاص ہیں اور 'زمین کی وراثت' کیونکر اُنکو مل رہی ہے؟ 'پاک دل' ہونے سے کیا مراد ہے
اور 'خدا کا دیدار' کیونکر اُنہی کا حصہ ہے؟ مسیح نے تورات یا پہلے نبیوں کی کتاب کو کیونکر منسوخ ہی نہ کیا، بلکہ مکمل کیا!
حالانکہ عیسائی اور یہودی میں آج کوئی بات مشترک نظر نہیں آتی، 'دہنے گال پر طمانچے' والی تعلیم سے کیا مراد ہے، 'دشمنوں
سے پیار کرنا کیونکر دین فطرت' ہوسکتا ہے، 'کل کی فکر نہ کرو کیونکہ کل اپنی چیزوں کی آپ ہی فکر کریگا' کس طرح پر
ایک باعمل اور **وارثِ زمین** بنانیوالے شخص کی تعلیم ہوسکتی ہے! وغیرہ وغیرہ۔ جہانتک ایک سطحی نظر سے تمام وعظ
کو دیکھا جائے اسکے اندر کوئی منطق کوئی متفق علیہ دلیل، کوئی تسلسل، کوئی صغرے کبرے ثابت نہیں ہوتا۔ بڑے سے
بڑا نتیجہ جو ایک نتیجہ رس شخص اس سے نکال سکتا ہے یہ ہے کہ یہ ایک 'مذہبی' اور 'انفرادی' تعلیم ہے جو دنیا کو رہبانیت کی
طرف لیجارہی ہے ایک دنیادار شخص کا اس سے چنداں متمتع ہونا از بس متعذر ہے۔ لیکن ابھی **دو برس** نہیں گذرے کہ

واماندگی ضرور ہے ، وہیں کچھ نہ کچھ نقص یقیناً واقع ہوا ہے ! نہیں بلکہ بعض اوقات قرآن عمداً دو بظاہر نقیض یا ہم معنی باتوں کو ایک ہی سیاق کلام میں اور ایک ہی بحث کے ضمن میں پاس پاس جمع کر دیتا ہے اور تدبر کے سست قدم رہوار کو مہمیز لگا کر انسان کو اپنے اندر اختلاف یا بے نتیجہ تکرار کے نہ ہونے کا فی البدیہہ ثبوت دیدیتا ہے†۔ وہ **مجمل** ہے مگر یہی اجمال اُسکے مطالب کی **صحت** اور **وحدت** کا بالواسطہ ثبوت ہے ! وہ ایک **قانونی** کتاب ہے مگر اسکا قانون ہونا ہی اُسکے **واحد** فی المطالب **یک منتہی** اور **مربوط** ہونے کی قطعی شہادت ہے ! جہاں وہ بادی النظر میں مربوط نہیں ہوتا وہیں اسکے مطالب سمجھنے میں فساد واقع ہوا ہے ، کچھ ناروا تاویل واقع ہوئی ہے ، کہیں لُغت نے زیادتی کی ہے ، کچھ غلط حدیث کا اثر باقی رہ گیا ہے ، کچھ رسم و رواج نے پردے ڈال دیئے ہیں ، کچھ بے علمی نے فساد پیدا کر دیا ہے ، کچھ ظن نے شرارت پیدا کی ہے ، کچھ جہالت نے دخل در معقولات دیا ہے ، ورنہ اُن دو ٹکڑوں کے متصل واقع ہونے میں کوئی نقص نہیں ! علم کی کمی اور استدلال کی درمیانی کڑیوں کا انسانی ذہن میں موجود نہ ہونا اسکو بے ربط کر رہا ہے ۔ جب واقعات کا علم ایک حقیقت کا لگاؤ دوسری حقیقت سے معلوم کر لیگا ، مطالب کا سلسلہ خود بخود پیوست ہو جائے گا !

مجھے یقین ہو چکا ہے کہ دنیا کے **ہر رہ نمائے** جلیل اور ہر پیشوائے فرید کا کلام ہمیشہ سے بادی النظر میں **غیر مربوط** رہا ہے ، جسقدر کوئی شخص اپنے فن میں ماہر ہے ، جسقدر اُسکا علم تدبر کے مدارج علیا پر پونچ چکا ہے ، جسقدر وہ دنیا کو کسی **نئی** راہ پر چلانے یا کسی **نئے** انکشاف سے دم بخود کر دینے کی صلاحیت اپنے میں پا رہا ہے ، اُسیقدر اُسکا دیا ہوا پیغام عوام کی نظروں میں مسلسل اور ٹکڑے ٹکڑے ہے ، اور اُسیقدر اُسکو اپنے کلام کو مربوط کرنیسے عمداً گریز اور استغنا ہے ۔ خیالات کا ہجوم علم کی وسعت ، اور وقت کی کمی اسکو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے کلام میں جُملا کو خوش کرنیکے لیئے کوئی منطقی ترتیب یا تسلسل پیدا کرے ۔ علم کا عظیم الشان سیلان ایک ناپیدا کنار سمندر کی طرح اُسکے ذہن میں لہریں مارتا ہے ، وہ اسکو من و عن ظاہر نہیں کرتا ، صرف اُس پہنائے بیکراں کے اندر سر برآوردہ

† بظاہر دو نقیض باتوں کو یک جا جمع کر دینے کی مثال ہے : وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۔ اور مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۘ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۔ (النساء) جو بظاہر ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن وہ آیتیں آگے ملکر وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا کہہ دیا ہے ۔ بظاہر دو ہم معنی باتوں کی مثال ہے ، وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۔ (قصص) ۔

زور پر تسہیل و تشریح سے بے نیاز ہو چکا ہے ، وہیں **حقیقت** کی پردہ نشین **عروس** جلوہ گر ہے ! وہیں سچا اور لازوال **حسن** مستور ہے ! انہی بند بند نما اور مغلق دریچوں کی اوٹ میں **معنی** کی شرمسار معشوقہ حجاب آرا ہے ! اصلی اور بے مثال حسن کو **نمائش** اور **اعلان** کی ضرورت ہرگز نہیں ہوتی ، اُسکی آبِ تاب اور محبوبیت اسی محجوبیت میں ہے ، اُسمیں دعوت اور تشہیر نفس کا اوچھاپن قطعاً نہیں ہوتا ، اُسکا مستور رہنا ہی نقاد نظروں کے لیے بلا کی دعوت ہے ! بہترین مہیج ہے ! پیام وصال ہے ! بوسہ بہ پیام ہے ! نہیں بلکہ بسا اوقات نظر انتقاد کی تاریں بھی حجاب بن بنکر اُسکو چھپا لیتی ہیں اور ظاہر ہو جانے کی خفت کو برداشت نہیں کر سکتیں !

قرآن اگر اُس خالقِ زمین و آسمان کا کلام ہے ، اگر وہ اُس مالک تک **شمس و قمر** کے عرب پیغمبرؐ کے قلب پر نازل کیے ہوئے الفاظ ہیں ، اگر وہ فی الحقیقت اُس معلمِ اوّل اور اُس ادبِ آموزِ ازل کا ساکنانِ زمین کو آخری درس ہے تو بیعلم کی نظروں میں اسکا غیر مربوط ہونا ہی اسکی بڑی سے بڑی **خوبی** ہے ۔ وہ اگر مربوط ہو سکتا ہے تو اُن ذہنوں کے اندر جنہوں نے اِس کائناتِ عظیم کے چپے چپے کو دیکھ مارا ہے ، جنکو اس صحیفۂ فطرت کے **رازِ دروں** کا اکثر علم ہو چکا ہے ۔ جنکو علم کی بلند نگاہی اور حقیقت کی وسیع نظری آسمانوں اور ستاروں کے اُفقِ اعلیٰ پر لے گئی ہے ، جو سفلی منطق کے صغرے ۔ کبرے سے بے نیاز ہو کر **واقع الامر** کی **قطعیت** تک پونہچنے کے درپے ہیں ، جو شرط و جزا ، سبب و اثر ، اور علت و معلول کے اِس عظیم الشان موسیقی ساز میں ایجاب و قبول کی خفیہ سُروں ، اور قضا و قدر کی پوشیدہ نواؤں کے محرم ہیں ، جنکو اس بظاہر بے ڈیل ڈول ، بے مرشد ، نامنظم ، استبداد سے بھری اور افراط و تفریط سے پُر دنیا کے اندر ایک حیرت انگیز توازن ، ایک محیر العقول عدل و تسویہ ، ایک بہتر سے بہتر **تقویم** اور **تنظیم** نظر آ رہی ہے ! خدائے زمین و آسمان اپنے کلام میں اِس امر کا متحمل ہو نہیں سکتا کہ مبتدیوں کی طرح انسان کو حروف ہجا سکھلائے ، پھر حرفوں اور جملوں کو آپس میں جوڑے ، پھر جملوں اور فقروں میں ربط دکھلاتا پھرے ، اُس کا کمال عاطفت یہی ہے کہ اعلان کر دیا کہ یہ کتاب **مکمل** ہے ، **مفصل** ہے ، گنجینہ **علم و حکمت** ہے ، انسان سے اُسکا **مثیل** پیدا ہونا محال ہے ، آسان ہے ، مبین ہے ، اختلاف سے مبرا ہے ، صاحب علم و فکر قوم

اِسی **طمانچے والی** حلیم بنانیوالی تعلیم کے ایک جزوِ قلیل کو سرزمین ہند کے ایک مقتدر اور با عمل سیاسی رہنما[†] نے صحیح طور پر لیا، اور اگرچہ اُسکی تمام منطق کو سمجھنے سے وہ فی الجملہ قاصر رہا لیکن اُسپر کما حقہٗ عمل پیدا کرنے کی سعی کی، اور لوگوں کو اُس اٹل روحانیت کی ترغیب اور وراثت زمین کا نصب العین پیش کرکے چند مہینوں کے اندر وہ ماحول پیدا کر دیا کہ **انگریزی** حکومت کے اوسان خطا ہو گئے! لیکن **نبیؐ** کی تعلیم کا یہ **لشکر انگیز ربط**، اور اُسکا **صراط مستقیم** صرف اُسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جسکی نظر بیحد وسیع ہو، تعصب کی تنگ نظری اسکے ربط کو نہیں دیکھ سکتی!

انبیاءؑ کی تبلیغ یک طرف، دنیا کے اور بڑے معلموں کا کلام بھی بسا اوقات سطحی نظروں میں بے ربط معلوم دیتا ہے۔ **بیکن** کی اکثر فلسفیانہ تصانیف اور مضامین میں ایک اغلاق ہے جسکے حل کرنیکے لیئے ذہن کو ناگوار تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے۔ مولانا **رومؒ** کی مثنوی کے اشعار میں **معنوی** لگاؤ کا معلوم کر لینا آج بھی آسان بات نہیں، وہ سب کے سب نئے نظم موتیوں کی طرح لڑھکتے دکھائی دیتے ہیں اور بہت کم اشخاص مصنف کے صحیح عندیے کی تشریح کر سکتے ہیں! خود کارلائل جسنے عرب پیغمبرؐ کے لائے ہوئے قرآن کو پریشان خیالات کہکر اُسکی تخفیف کرنی چاہی ہے، اکثر اوقات اپنی تصنیفات میں اِسی عظمت کا مصنوعی رنگ پیدا کرنا چاہتا ہے، اگرچہ وہ آپ کسی بڑے پائے کا معلم نہیں اور دبی زبان سے معترف بھی ہے کہ اسی پریشان خیالات کے مجموعے نے عرب کو تمدن کے فلک الافلاک تک پونہچا دیا تھا! **ارسطو** کے اکثر اقوال مغلق ہیں، بلکہ اُسکے مسلسل مضامین بھی کئی کئی بار پڑھنے کے بعد سمجھ میں آتے ہیں، **غالب** کے دو مصرعوں کے درمیان بعض اوقات ربط ٹھیک طور پر قائم نہیں ہوتا، نیوٹنی استدلال کے دو متصل مراحل میں مبتدی کو اکثر اوقات دشواریاں پیش آتی ہیں۔ الغرض جہاں جہاں کسی **مقتدر** تصنیف میں کوئی اغلاق نظر آرہا ہے، جہاں الفاظ کی بے انتہا کمی اور مضمون کی بے انتہا کثرت ہے، جہاں منطق پر بلاغت اور **عمق** مطالب نے پردہ ڈال رکھا ہے، جہاں واقعات اور **نتائج** کو اسقدر اہمیت ہے کہ دلیل ایک ثانوی اور تابع شئے بن چکی ہے، جہاں علم کا پیدا کیا ہوا استغنا جہل کے متفقہ عجز و احتجاج کی پروا نہیں کرتا، اور سچائی کے

[†] اِس رہنما کا نام موہن داس کرم چند گاندھی ہے (المتولد ۱۲۸۵ھ ۱۸۶۹ء)

ایک ناضروری تشدد، ایک ناقابل انکار استبداد نظر آرہا ہے۔ نظم ونسق، مساوات اور عدل، صلاح وفساد، ضرورت اور ایجاد کے مسلمہ اصول کے مطابق بادی النظر میں اُسے اِس دنیا کے اندر کوئی سلیقہ، کوئی تدبیر، کوئی تجویز نظر نہیں آتی۔ وہ اِس دنیا کی طرفہ آرائیوں اور بدنمائیوں کو دیکھکر بسا اوقات اسکے اندر کسی **مجوز اعلیٰ** کے وجود سے بھی انکار کر گیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ جو سامنے نظر آرہا ہے حُسنِ اتفاق کا ایک حیران کن اور دلربا مظہر، یا سُوءِ تدبیر کا ایک مکروہ اور فساد آرا منظر ہے مگر توازن اور ربط اسکے اندر قطعاً نہیں، منطقی دلیل قطعاً نہیں، علّۃ و معلول کا شعر نہیں! یہی باعث ہے کہ علم وجہل کے مختلف مرحلوں میں انسان کا خیال خدائے واحد کے وجود سے ہٹ کر **متفرق** خداؤں کیطرف بیشتر گیا ہے۔ جو شئے بذاتِ خود حیران کن تھی بجائے خود خدا بن گئی، کہیں سورج ایک دیوتا تصور ہونے لگا، کہیں کوئی دریا خدا بن گیا، کہیں آگ مظہر الٰہ بن گئی، کہیں بر و بحر میں تقسیم ہوگئی؛ بیماریاں جنّوں اور بھوتوں سے متعلق ہوگئیں، آفتوں اور آسیبوں کے الگ علم بردار مقرر ہوگئے؛ جہاں معلول کے ہوتے ہوئے علّۃ ناپید تھی وہاں علّۃ بنالی گئی، جہاں علّۃ موجود تھی معلول فرض کرلیا گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر جہل کی ذہنی طوائف الملوکی نے انسان کو مدتوں تک یہ توفیق نہ دی کہ وہ اِن سب ظواہرِ فطرت کو اپنے دماغ میں مناسب مقام دیکر انکو سب سے پہلے ایک طبعی ترتیب دے، پھر اُن سب کے درمیان ایک علّۃ و معلول، ایک شرط و جزا، ایک عدل و توازن قائم کرکے اُن سب کو ایک **علۃ العلل** کے ماتحت لائے اور کائنات فطرت کے اِس ہنگامۂ عظیم کو **واحد بالذات** ثابت کردے۔ اب بھی جہاں جہاں جہالت کی حکومت قائم ہے فطرت کی یہ ظاہری بے ربطی خداؤں کو الگ کررہی ہے اور اگرچہ خدا کا کلام آہنگ بلند لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا، پکار رہا ہے مگر جبتک جاہل کو اِس دنیا کے اندر **فساد** کی صورت نظر آرہی ہے، جبتک علم کی روشنی مشرق اور مغرب کے، شمال اور جنوب کے، آسمان اور زمین کے درمیان، نہیں بلکہ پانی اور آگ کے درمیان، مکھی اور پھول کے درمیان ایک ناطق اتحاد اور فیصلہ کن تعاون نہیں قائم کرتی، جب تک ظلم وعدل کا سفلی اور تنگ تخیل آسمانی وسعت سے ہم آغوش ہوکر ناروا کو یکسر روا، غلط کو یکسر صحیح اور زمین کو آسمان کا ایک **جُز** ثابت نہیں کرتا تب تک کائنات فطرت کا **مربوط** نظر آنا یا اُسکے باعث اوّل کا **ایک**

کے لیئے ہی، ہدایت اور رحمت ہے، نور و شفا ہے، مربوط ہے! یہ امور بجائے خود اُسکی حقیقت کو اظہر من الشمس کر رہے ہیں، اب انسان کا فرض ہے کہ اسمیں یہ خوبیاں دیکھنے کی سعی مالایطاق کرے، علم کی محک پر آزمائے، حکمت کے معیار پر اُتارے، مربوط المطالب بنانے کی سعی کرے، اوّل سے آخر تک واحد المطلب ثابت کردے، ورنہ اسکو مسترد کردے، بڑی سے بڑی اور ناقابل انکار دلیل اُسکے **مربوط** اور **نتیجہ خیز** ہونے کی یہ ہے کہ دنیا کے ایک انسان نے اُسکو لیا، تیئیس برس کی زہرہ گداز تکلیف کے بعد اُسکی تعلیم کو لوگوں پر اظہر من الشمس کرکے اُسکے ایک ایک حرف، جُملے اور فقرے کے اندر وہ ناقابل انشقاق ربط، وہ منطقی تسلسل، وہ شرط و جزا کا قطعی اور **عملی** ماحول پیدا کیا کہ ایک دنیا اسکو دیکھکر انگشت بدنداں رہ گئی! اگر آج علۃ و معلول کا وہ آسمانی پیکر، وہ خدائی برہان کا مجسمہ کُبرٰے، وہ **حُجّۃ اللہ البالغہ** وہ مشیت ایزدی کا ناقابل بدل مرقع انسان کے **نسیان درس** کے باعث بے دلیل اور بے ربط بن چکا ہی تو اسمیں **آسمانی صحافت** کی ادارت کا کیا گناہ ہے؟

خدا کے کہے ہوئے **الفاظ** اگر عامۃ الناس اور جہلا کی نظروں میں پریشان اور بے ربط رہے ہیں تو خدا کی بنائی ہوئی **فطرت** ابتدائے آفرینش سے آجتک عوام کی نگاہوں میں اس سے کہیں زیادہ بے ربط رہی ہی، علیم آج بھی خدا کی بنائی ہوئی اکثر چیزوں کے درمیان کوئی ربط نہیں دیکھتا، اسکو اکثر مخلوق بے ربط اور بے سبب نظر آرہی ہے، اکثر حشو اور بے سلیقہ ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اکثر کے بدون کام نکل سکتا ہے، اکثر کے نہ ہوتے ہوئے انتظام اور آرام بہتر ہو سکتا ہے۔ درخت کی شاخوں میں ایک ناخوش آیند بدنظمی ہے، دریا کی پیچ در پیچ راہوں میں تکلیف دہ کجی ہی، جنگل کے درخت، سمندر کی بے پایاں مخلوق، موسمی حشرات الارض، آسمان پر بکھرے ہوئے تارے اُسکے نزدیک سب زوائد ہیں، وہ مچھر سے فی الجملہ ناخوش ہے، مکھی کو دخل در معقولات سمجھتا ہے، بلی کا خوب صورت کبوتر کو نگل جانا اُسکے نزدیک ظلم ہے، مُرغ کا مکوڑے کو بے ڈکار ہضم کر لینا گناہ ہے، مادر زاد اندھا اسکو کپکپا دیتا ہے، یتیم کی دہو گداز آہیں، جوان کی ناگہاں موت، چنبل سے گلی ہوئی ٹانگ، نکوکار کی موت آلود گودڑی، زناکار کے سر بفلک محلات میں اُسے اوّل سے آخر تک ایک ناہموار تقسیم، ایک بے مطلب فساد، ایک بے سبب تظلم،

دیکھ سکتیں، اسکو دیکھکر کھسیانی اور بیزار ہو جاتی ہیں، جاہل نے اُسکے ٹکڑوں کو الگ الگ کر دیا ہے، کم بیں اُس کے اکثر الفاظ کو حشو اور زوائد سمجھ رہا ہے، مولوی اسکو علی الحساب رواں پڑھ لیتا ہے، حافظ اسکو الگ بڑبڑا لیتا ہے، کوتاہ نظروں نے اُسکے حصوں کو لیکر الگ الگ بُت کھڑے کر لیئے ہیں، صوفی اُسکے ایک ٹکڑے میں **توغل عظیم** کر رہا ہے، عاکف اُسکے ایک حصّے کو سیاق سے الگ کر کے لاتقربوا الصلوٰۃ کا منظر پیدا کر رہا ہے، نو اندھوں کی مشہور حکایت کیطرح کوئی اِس ہاتھی کو چھت کا ستون کہہ رہا ہے، کوئی پنکھے سے تشبیہ دے رہا ہے، کوئی دیوار یقین کر رہا ہے! الغرض ہر قرآن کا بھیجنے والا خدا الگ ہے، ہر سورۃ اور آیت کا خدا الگ ہی، ایک حصہ دوسرے حصے کے بالمقابل صف آرا ہے، قدم قدم پر اختلاف پیدا ہے، بات بات پر تفرق ظاہر ہے۔ ایک تجویز، ایک لائحہ عمل، ایک تدبیر، ایک منتہائے عمل، ایک بطو تسلسل، ایک راہ قرآن کی کسی شرح سے ثابت نہیں ہوتا یہی باعث ہو کہ اِس کتاب عظیم کے **نامہ خدا** ہونیسے آج فیصدی نوّے مسلمان انکاری ہیں، دل میں **انکار** موجود ہے، ذہن **باغی** ہے، اعضا سُن ہیں، زبانی اقرار لاکھ ہو مگر اُسکے کہے پر دس قدم چلنا سچ مچ گوارا نہیں یہ سب کچھ بے علمی کا ایک دردناک منظر ہے، جہالت کا تہلکہ انگیز جمود ہے مگر اسکی اکسیر **علم** کے ماسوا کچھ نہیں۔ قرآن حکیم نے اپنے مِن جانب اللہ ہونے کی مُسکت دلیل بھی اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ہی دی ہے مگر عدم تدبّر اور کمی علم نے اختلاف کثیر اسقدر پیدا کر دیا ہے کہ آج صحیح معنوں میں اُسکے مِن جانب اللہ ہونے پر شک ہی، اُسکے احکام کی قطعیت پر شک ہے، اُنکی نافعیت پر شک ہے، مزدکار پر شک ہے، نفس امر پر شک ہے! وہی **لفسدتا** والی دلیل جو قرآن حکیم نے آسمان و زمین کو ایک صنّاع عظیم کی صنعت ثابت کرنے میں دی تھی یہاں بھی اپنا الٹا کام کر رہی ہے۔ جب مطالب میں **فساد** ہے، جب ایک آیت دوسری آیت سے علانیہ برسرِ پیکار ہے، جب قرآن کے اندر کُہرام مچا ہے، تو قرآن کا بنانے والا کیوں ایک ہو، ہر آیت کا خدا الگ کیوں نہ ہو، فرقہ بندیاں کیوں نہ ہوں، جمود اعضا اور فساد ذہن کیوں نہ ہو، نہیں **باطنی انکار** کیوں نہ ہو! قرآن کو سمجھنے کے لیئے انتہائی تدبّر اور علم کی ضرورت کسی زمانے میں اِسقدر تھی، اسکو تمام و کمال لیکر

ثابت ہو جانا از بس متعذر ہے! اسی بنا پر قرآن حکیم کا منکرین سے احتجاج ہے: اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (الانبیاء)

آج علم کی تیز مشعل کی شعاعوں میں اسی فطرت کا مربوط ہونا، اسکی اشیا کا آپسمیں معاون ہونا، اُن کے اندر ایک معنوی لگاؤ، اُسکے قانون میں ایک معنوی سلیقے، اُسکے علل و اسباب کے اندر ایک معنوی وحدت کا ہونا ایک بیک ثابت ہو رہا ہے۔ روز بروز یہ حقیقت کھل رہی ہے کہ زمین و آسمان کی چار دیواری کے اندر کوئی شئے بے مطلب نہیں، کچھ حشو نہیں، کوئی باطل اور عبث نہیں! مکھی اور پھول میں ربط ہے، آگ اور پانی میں ربط ہے، سورج اور شکر میں ربط ہے، صوت اور نور میں ربط ہے! کوئلہ اور ہاضمے کی لئے ایک ہیں! بجلی کی سنسناہٹ اور شمع کی روشنی ایک ہیں! نہیں بلکہ بجلی کی کڑک اور چمک ایک شئے ہیں! سب کے اندر لگاوٹ کی ایک نہر سلسبیل دوڑ رہی ہے، سب کا ایک مجوز اور ایک حاکم اعلیٰ ہے، ایک تدبیر اور ایک بست و کشاد ہے! آج پانی اور آگ انجن کے نہانخانے ہیں دوست بنکر دنیا کو حیران کر رہے ہیں، مچھر سا بے حقیقت حیوان انسان کے لیے خدائی جلاد ثابت ہو رہا ہے، ہیچمیرز اور خوردبینی جراثیم توپ و تفنگ سے زیادہ مہیب ثابت ہو چکے ہیں، فطرت کی بظاہر ذرہ مقدار ہستیاں عظیم الشان کاموں پر لگی ہیں، ہر ایک کا اپنا اپنا وظیفہ مقرر ہے، ہر ایک کسی نہ کسی سلسلے کی ایک لاینفک کڑی ہے، ہر ایک کسی نہ کسی رخنے کو مٹا رہا ہے، کسی سوراخ کو، کسی فتور کو، کسی نقص کو دور کر رہا ہے! جب سے اس حیرت انگیز کائنات کے اندر یہ روح فرسا عدل و وزن، یہ حقیقت کشا تعاون، یہ زہرہ گداز ربط و اتحاد ثابت ہو رہا ہے اُسی دن سے خدا کی وحدت فی الحقیقت **ثابت** ہونے لگی ہے، اُسی دن سے معترض دم مزن اور لب کشا حالت میں ہے اور منہ کھولے ہوئے ٹکر ٹکر پڑا دیکھ رہا ہے: لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (انبیاء)

قرآن حکیم کے ربط کیحالت بعینہ فطرت کے اسی معنوی ربط کیحالت ہے، تنگ اور بے علم نگاہیں اسکو قطعاً نہیں

✝ اس آیت کے مطالعے کے لیے دیکھو اصل کتاب تحت الہتن صفحہ ۳۰۔ گویا خدائی دلیل یہ ہے کہ زمین و آسمان کا خمیر چونکہ ایک ہی ہوا ہے اسلیے اسکا بنانیوالا بھی **ایک** ہے۔ یہ دلیل ایسی زبان شکن اور مسکت ہے کہ اس کے بعد متعدد خداؤں کے ماننے والے کیلئے انکار کی کوئی سبیل نہیں رہتی۔ ✝ یہ معنی علم نے ثابت کر دیا ہے کہ کوئے کی حرارت کی محرک اور باجے کی آواز کی علت ایک ہی شئے ہے جسکو علمی اصطلاح میں ازجی کہتے ہیں ✝ یہ آیت اور اس صفحے کے شروع کی آیت دونوں سورۂ انبیاء میں پاس پاس واقع ہوئی ہیں۔ اہل نظر پر ان دونوں آیتوں کا ربط اسی تشریح سے جو میں کر رہا ہوں واضح ہو گیا ہوگا۔ اوپر کی آیت میں **وحدت کائنات** اور **وحدت حیات** کو **توحید** کا ثبوت کہا ہے، نچلی آیت میں فطرت کا پُر امن، متعاون اور **مربوط** ہونا خدا کے **واحد** ہونے کی دلیل ہے جن کو ان دونوں باتوں کا بڑی الیقین علم ہو چکا ہے وہ آج توحید کو ان آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں!

لمبی تانکر سو رہتے ہیں یا ایک دوسرے کے خلاف علم نصب کر لیتے ہیں۔ پھر بعینہ وہ مطلب جو اجرائے قانون سے پیش نظر ہوتا ہے یکسر خبط ہو جاتا ہے، اور وہ پیکر مکر و ریا کسی معنوں میں قانون نہیں رہتا! رعیت کے کسی فریق نے آجتک **حکومت وقت** کے بنائے ہوئے قانون کی **تاویل** نہیں کی، کوئی انجمن اس غرض سے منعقد نہیں ہوئی کہ اپنے ملک کی کتاب تعزیرات یا اُسکے نظام نامے کی کسی دفعہ کو لیکر اُسکے آسان اور سہل معانی تجویز کرے اور اسطرح پر **بادشاہ وقت** کو اپنا ہم آہنگ کر سکے۔ ایسے ستم ظریف گروہ کی مثال سادہ لوح کبوتر کی ہے جو بلی کو آتے ہوئے دیکھکر آنکھیں میچ لیتا ہے اور چند لمحے آرام کے گذار کر موت کے منہ میں جا پڑتا ہے! ہر منظم اور مقتدر حکومت کا قانون اصلاً ایک ناقابل تاویل شے ہے، اُسکا صحیح اور واحد عندیہ خود اُسی کے الفاظ کے اندر ہے، اُسکی منطق اور شرح مطلب اصطلاحوں کی تشریح وہیں موجود ہے، کسی شخص کے ذاتی قیاس یا رائے کو اسکی تبیین میں قطعاً کچھ دخل نہیں! گناہ کی نوعیت ہی تو وہیں ہے، فرد جرم ہے تو وہیں ہے، سزا ہے تو وہیں لکھی ہے۔ مجرم اس سزا سے گریز کرنے یا اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی ایک لاکھ سبیلیں پیدا کرے لیکن حاکم وقت کے فیصلے پر اُسکی تاویلوں کا کچھ اثر نہیں ہوتا، کوئی وکیل یا پیروکار اس امر کا مجاز ہو نہیں سکتا کہ مجرم کو بچانیکے لیئے نفس قانون کے **معانی** بدل دے یا اُسکا مقصود اور پیش نظر اپنے منشا کے مطابق تسلیم کرا لے اگر شہادت اور حالات سے ثابت ہو کہ جرم ہو چکا ہے تو سزا **اٹل** ہے۔ اسکو آئی ہوئی نہ سمجھنا یا اُسکے بارے میں عبث امیدیں اور لاطائل مکر کرنا **جہالت** ہے۔ پس قانون خدا کی تبیین و تشریح میں نہ کوئی **اجماع** اُمت مفید ہو سکتا ہے، نہ ذاتی قیاس و رائے، نہ تاویل سے کام چل سکتا ہے نہ علمائے قانون کے انفرادی یا متفقہ فتاوے مفید ہیں۔ وہ بذات خود اسقدر محکم اسقدر اٹل، اسقدر ناقابل بدل اور ناممکن التحریف شے ہونی چاہیئے کہ فاطر زمین و آسمان بھی اسکو بدلنا نہ چاہے۔ وہ اُسکی مشیت کے عین مطابق اسقدر ہو کہ اسمیں تبدیلی محال ہو، اس قدر سوچ بچار کے بعد نافذ کیا گیا ہو کہ اُسپر نظر ثانی یا تنسیخ کی ضرورت نہ پیدا ہو، اسقدر مقرر اور متعین شے ہو کہ اُسمیں گھٹاؤ اور بڑھاؤ کی گنجائش باقی نہ رہی ہو، اسقدر متطابق اور متوافق ہو کہ سب کا سب ایک ہی مقصد اور منتہا کی طرف

اسکے ہر ٹکڑے پر بحیثیت مجموعی غور و فکر کرنا اسقدر درکار تھا، ہر ایک حصے کو سب سے منطبق اور سب کے ساتھ متوافق کرکے ایک لائحہ عمل اور ایک صراط مستقیم مستنبط کرنا اسقدر اہم تھا کہ خود صاحب القرآن نے سرور کائنات کو تنبیہ کی کہ اُسکے مطالب سمجھنے میں جلد بازی مت کرو، بات کے پورا ہونیسے پہلے اور اُسکے تمام و کمال وحی ہونیسے پیشتر اپنے تخیل کے گھوڑے مت دوڑاؤ، یہ **خدائے زمین و آسمان** کا کلام ہے! اتنا سستا بات نہیں **علم کا کمال** ہی تم کو اسکی انتہائی حکمت پر پونہچائے گا، اسی کو اپنے اندر زیادہ کرو اور اسیکی زیادتی کی دعا مانگا کرو: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ یہی وجہ تھی کہ **تیئیس برس** میں جستہ جستہ اُتارا اور رسول عظیم کے قلب پر ایک ایک آیت اسطرح کالنقش فی الحجر کردی کہ اُس یقین کا ہیجان صدیوں تک قائم رہا، مسلمان جو کچھ سمجھتے ہیں سمجھتے رہیں، اسکو ایک رات کے اندر سو سو بار پڑھ کر مُردوں کو ثواب پونہچاتے رہیں، اسکو جزدانوں اور غلافوں میں لپیٹ کر سر سے چومتے چاٹتے رہیں، بالائے طاق رکھیں یا آنکھوں پر لگائیں اور کام کے وقت اسکے لیئے دس قدم نہ چلیں مگر یہ وہ کلام ہے جسکو اس زمین پر بھیجنے سے پیشتر خدا بھی (معاذ اللہ) **تیئیس برس** تک سوچتا رہا، جسکے سمجھنے کیلئے اُسکا رسول تیئیس برس تک رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا کی دعا مانگتا رہا، جس علم کے وارث قرونِ اُولےٰ میں وہ **علما** رہے جن کا علم بنی اسرائیل کے **انبیاء** کے علم کے برابر تھا جو **فطرت** کی طرح خوبصورت ہے **بیکران** ہے **منظم** ہے، **بیمثال** ہے، قطعی اور آخری ہے، اور جو آج جُہلا کے مُنہ چڑھکر وہ پیش پا افتادہ بات بن گئی ہے کہ زمین و آسمان اس ناقدر شناسی کو دیکھکر لرز رہے ہیں: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (الفرقان)

کسی قانون کے شایانِ شان یہی ہے کہ واحد المعانی ہو، متوافق المطالب ہو، اُسکی کسی ایک دفعہ سے ایک اور صرف ایک مطلب نکل سکتا ہو، اُسمیں تاویل اور کمر کی گنجایش قطعاً نہ ہو، اسکو جس صورت اور نظر سے دیکھا جائے اُسی ایک پہلو پر ٹھیک بیٹھ سکے والا وہ قانون قانون نہیں مجسمہ فساد ہے، محشرستان خلاف ہے، کشت زار نزاع ہے، قانون میں تاویل کا ممکن ہونا اتحاد عمل کو توڑ دیتا ہے، لوگ اپنی اپنی پسند کے پروانوں کو لیکر مست ہوجاتے ہیں،

کرنیسے اُسوقت تک اعراض کرینگے جب تک کہ اُنکو صحیح اور یقینی **علم** حاصل نہ ہوجائے۔ باایں ہمہ اُن کے سچ اور **واحد المعانی** ہونے پر سچا اور غیر متزلزل یقین رکھنا ہر حامل قرآن کا فرض ہے۔ اِس یقین کے بعد اُن کے صحیح مقاصد کی تلاش میں لگے رہنا عین **ایمان** ہے، انکو سمجھنے اور انکی وساطت سے نئے راہ عمل دریافت کرنے کی خاطر اپنے علم کو وسیع کرتے رہنا شرط اسلام ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ایک معتدبہ حصہ اِس قانون کا بالکل عیاں ہے اسمیں کسی تشریح، کسی تاویل، کسی التوا، کسی مکروفریب کی قطعاً گنجائش نہیں۔ یہ **محکمات** ہیں، اور یہی **اصل** قانون ہے، اسکے ماسوا جو ہے فرع ہے مگر اہم اور ضروری ہے:

هُوَ الَّذِيٓ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَٰبَ مِنْهُ ءَايَٰتٌ **مُّحْكَمَٰتٌ** هُنَّ أُمُّ الْكِتَٰبِ وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٌ ۖ فَأَمَّا الَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَٰبَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ **الْفِتْنَةِ** وَابْتِغَآءَ **تَأْوِيلِهِۦ** ۗ وَمَا يَعْلَمُ **تَأْوِيلَهُۥٓ** إِلَّا اللَّهُ ۘ وَالرَّٰسِخُونَ فِى **الْعِلْمِ** يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا۟ الْأَلْبَٰبِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَآ إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ (آل عمران ۳)

† "اے پیغمبر! خداوہ صاحب فضل وکرم خدا ہے جس نے تمہیں یہ قانون دیا۔ اسمیں بعض آیات اپنے مطالب میں محکم ہیں (مُحْكَمَٰتٌ) اور یہی قانون خدا کی اصل و اساس ہیں (اُمُّ الْكِتَٰبِ)، بعض بادی النظر میں متشابہ المطالب ہیں (اگرچہ خدا کا عندیہ اُنکے بارے میں بھی واحد ہے) تو جن لوگوں کے دلوں میں (کمی علم کے باعث) کجی اور کم بینی ہے وہ تو فساد رائے یا اختلاف کمرا کرنے کی غرض سے (اِبْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ) یا کم از کم اصل مقصود کی تلاش میں (اِبْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِۦ) اِن ہم آیتوں کے پیچھے (اپنے علم میں ترقی کیے بغیر) لگے رہتے ہیں، حالانکہ اللہ کے سوا انکے اصلی مقصود اور اوّلین منشا نہاد (تَأْوِيلَهُۥٓ) کا علم کسی کو نہیں ہوتا۔ البتہ جو لوگ علم میں بڑی پایگاہ رکھتے ہیں (وہ جب اِن آیات کے صحیح مقاصد تک نہیں پہنچ سکتے تو) کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا ان کے سچ ہونے پر پورا یقین ہے، اگرچہ صحیح مطالب معلوم نہیں، یہ سب ہمارے خدا کی طرف سے ہیں (جسکا علم تمام عالم پر حاوی ہے) اور قرآن حکیم سے وہی شخص مستقل نتائج اخذ کرسکتے ہیں (يَذَّكَّرُ) جو ارباب علم و دانش ہیں۔ (یہی وہ لوگ ہیں جو خاموش سعی و تلاش کے ہر مرحلے میں زبان حال پکارتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار! تو راہ کھلائے پیچھے ہمارے دلوں کو قرآن کے متعلق کج بینی کیطرف مائل نہ کر، اور اپنی سرکار سے ہمکو سچا علم عطا فرما کہ یہی تیری بڑی رحمت ہے، بے شک تو بڑا بخشش کرنے والا ہے، اے ہمارے پروردگار! تو روز قیامت کو جس کے واقع ہونے میں کوئی بھی شک نہیں سب لوگوں کو اکٹھا کرکے اُن سے اُنکے اختلاف کے متعلق بازپرس کرنے والا ہے (سو) ہم کو یہی توفیق دے کہ تیری آیات بینات کے متعلق کوئی اختلاف پیدا کرنے کا باعث نہ بنیں اور متحد العمل بنے رہیں) اس میں شک نہیں کہ تو اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا (اور یہ پرسش ضرور کرکے رہیگا)"

متذکرہ صدر تجھے میں آیات آسی تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ (۱۲/۲) اور تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۱۵/۱) اور تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۲۷/۱) اور الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ (۴۳/۲) کو پیش نظر رکھا گیا ہے جن میں قرآن کو کتاب مبین کہا گیا ہے۔ آیات بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۝ (۲۹/۴۹) اور كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝ (۱۶/۲۲) سے واضح ہے کہ قرآن صاحب علم لوگوں کے سینوں میں بیّن ہے، اور آسی آیات آیات بینات ہیں۔ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (۴۱/۳) سے ظاہر ہے کہ قرآن صاحب علم قوم کیلئے ہے اور مفصل ہے۔ آیات هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (۴۵/۲۰) اور اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ (۴/۸۲) اور وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (۱۶/۴۴) میں بصیرت، تدبر اور تفکر فی القرآن کی ترغیب دی گئی ہے۔ آیت كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ۳۸/۲۹ میں کہا گیا ہے کہ قرآن تدبر کے لیے ہے اور اولوالالباب ہی اس سے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ ان سب آیات الٰہی کو مدنظر رکھکر متذکرہ صدر مطالب کی صحت عیاں ہے +

جارہا ہو، سب نسلِ انسانی کیلئے ایک ہو، سب کا سب **ایک** صراطِ مستقیم کیطرف اشارہ کرتا ہو۔ اگر قانون خدا فی الحقیقت قانونِ خدا ہے تو اسمیں اُن خاصیات کا ہونا لازمی امر ہے لیکن اگر وہ تاویل کے تابع ہے، کھینچ تان قبول کرسکتا ہے، حسب مطلب اور حسب پسند قانون بن سکتا ہے، کئی ایک صراطِ مستقیم کی طرف اشارہ کررہا ہے اُس سے کئی مقاصد مستنبط ہوسکتے ہیں، کئی طریق عمل وضع ہوسکتے ہیں، اور کئی فرقے بن سکتے ہیں تو اس تبدیل شدہ صورت کو **قانونِ خدا** کہنا حقیقت کا مُنہ چڑانا ہے۔ سچائی اصلاً **ایک** شئے ہے، اُسکا مطمح نظر اصلاً **اتحاد** ہے، وہ لوگوں کو ایک **مشترک** اساس اور ایک سطح عمل پر جمع کرنیکے لیئے آتی ہے اور یہی سچا اور دائمی **اجماع** ہے۔ اور اگر کسی قوم کی طرف کسی پیغامبر کا لایا ہوا قانون سچ ہے تو **فرقہ بندی** اسکا منتہائے کار ہونا محال ہے۔

یہی باعث ہے کہ قرآن حکیم نے اپنی آیات کے اندر ایک اصولی تمیز **محکمات** اور **متشابہات** کے الفاظ کہکر قائم کردی ہے۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ کہکر اُسنے گویا یہ کہہ دیا ہے کہ اسکے ہر کلمے کا واحد، ناقابل تاویل اور اٹل مطلب ہے، لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا کہکر اُسنے اعلان کردیا ہے کہ جبتک زمین و آسمان موجود ہے یہ قانون قائم اور دائم، جاری اور ساری رہے گا۔ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ اور اَلْكِتٰبَ مُفَصَّلًا اور يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ اور تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ اور تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ کہکر اسنے یہ طے کردیا ہے کہ اس کتاب کو مفصل، آسان اور مکمل ثابت کردینا **علم** اور صرف علم کا کام ہے! جوں جوں اعمالِ خدا کا علم اور کائنات فطرت کا مشاہدہ وسیع ہوتا جائے گا۔ جوں جوں کوئی صاحب علم قوم اسکے حقائق عالیہ پر غور کرے گی، اسکی تعلیم بیّن† اور مشرح ہوتی جائے گی لیکن باایں ہمہ اسکے اندر ارتقائے علم کے مختلف منازل میں بعض آیات **متشابہ المعانی** رہیں گی، اُن سے ہادی النظر ہیں مختلف مطالب کل سکینگے اور جب تک انسان کا علم ایک خاص سطح بلند تک نہ پونہچے گا انکے صحیح مطالب اور صاحب القرآن کے اُن کے متعلق صحیح عندیے کی تصدیق نہ ہوسکے گی۔ کج ہیں اور نفاق پسند لوگ اُن کے بارے میں اُٹکلیں دوڑا دوڑا کر لوگوں کو آمادۂ خلاف کرتے رہینگے لیکن **علم اعمالِ خدا** میں راسخ لوگ ان کے متعلق اپنا عندیہ ظاہر

† جسکا ایک دوسری جگہ ہے: بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝ (العنکبوت ۴۹)

متشابہات کا کتاب الٰہی کے اندر موجود ہونا انسان کے لئے **تحقیق و تلاش** کی ایک پیہم **راہ عمل** ہے اُنکی وجہ سے افراد امت کا از ہمد گر مختلف یا **فرقہ بند** بنجانا حتماً مقصود نہیں۔ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (الجاثیہ ۴۵) کا الٰہی محاکمہ قرآن پر عمل کرنے والے صاحب **ایمان** لوگوں کو جب تک زمین و آسمان قائم ہیں روز بروز نئی راہ عمل دکھاتا رہے گا، وہ الٰہی اصطلاح میں صاحب ایمان بننے کی لازوال ترغیب پر آیات خدا کی تلاش میں کائنات فطرت کا ہر گوشہ دیکھتے رہیں گے، بہت ممکن ہے کہ اس آیہ جلیلہ کی کامل تفسیر اور صاحب القرآن کا اُسکے بارے میں مکمل عندیہ روز قیامت تک معلوم نہ ہو سکے، اور صحیح معنوں میں یہ آیت ابد الآباد تک 'متشابہات' میں داخل رہے۔ مگر اعمال خدا کی **تلاش** کو جزو **ایمان** قرار دیکر سعی و عمل کا ہیجان عظیم برپا کر دینا ہی اس آیہ جلیلہ کا **واحد** منتہائے نظر ہے، یہی اسکا واحد اور ناقابل بدل مطلب ہے، مقصود وہی ایک ہے، یہ نہیں کہ سوال پیدا کر دیا جائے کہ آسمان و زمین میں آیات خدا کس نوعیت کی ہیں، اور خدا کی مراد بعینہ اُنکی کونسی شق سے ہے؟ اور پھر ان سوالات کو بنائے نزاع قرار دیکر دو یا دس فریق بنجائیں جو ایک دوسرے کی رائے کو منطقی اور کاغذی اجتہاد سے رد کرتے پھریں، لیکن اس آیہ کریمہ کے اصل مقصود کی طرف ایک قدم جنبش تک نہ ہو!

متلاشیان فطرت کا دستور بھی اکثر اسی انداز پر رہا ہے، علم حقائق الاشیاء کے ماہر **سمع و بصر** اور **قلب سلیم** کی شہادت پر ایک نظریہ مرتب کرتے ہیں، اُسکو اساس قرار دیکر مشاہدات طبیعت کی توجیہیں اخذ کرتے ہیں، توجیہات کی مجموعی شہادت کو اُس نظریے کی صحت کا مزید ثبوت یقین کرتے ہیں، سب کے سب اُس پر **متفق علیہ** ہو کر اسکو علم کے معیار پر آزماتے ہیں، پھر جوں جوں وہ نظریہ عمل کے صحیح معیار پر پورا اُترتا ہے، جوں جوں اُسکے ذریعے سے نئی مشکلات یا مظاہر کا حل ہوتا ہے وہ بذاتِ خود **واقع الامر** اور حقیقت بنتا جاتا ہے، ورنہ آسکے سب اسکو مسترد کر کے کسی دوسری **غالب** حقیقت کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں اور اُسپر اپنی تعمیر شروع کر دیتے ہیں۔ علم کی حیرت انگیز ترقی اور حقائق الاشیاء کا محیر العقول انکشاف دنیا میں اسی باہمی تحمل و تسامح

قرآن حکیم کا اپنے بارے میں یہ حیرت انگیز اعلان فی الحقیقت اس امر کی بالواسطہ دلیل ہے کہ وہ سب کا سب واحد المعانی ہے، فاطرِ زمین و آسمان کا عندیہ اسکے ایک ایک حرف اور ایک جملے کے متعلق ایک ہی ہے، لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ہی، یہ فی الحقیقت انسانی علم کی کمی ہے جو اسکے مطالب کو مشکوک یا متعدد کر رہی ہے، ایک سلامت روِ امت سے اُسکے مطالب کی صحیح حفاظت اِسی طرح ہو سکتی ہے کہ کسی ایک زمانے کی متشابہ آیات کو اپنے دائرہ بحث سے یکسر خارج کر دے لیکن اعمال خدا اور صحیفۂ کائنات کے علم کو حتی الامکان وسیع کرتی رہے، پھر اگر علم کی وسعت کے باعث نور کے درز اسقدر کھل گئے ہیں کہ وہ حقیقت جو الفاظ کے اندر چھپی بیٹھی تھی خود بخود عیاں ہو رہی ہے تو اسی علم و صداقت کے زور پر اُسکو الم نشرح کر دے اور پھر معاً اُسکو محکمات میں داخل کر کے اُسپر عمل پیرا ہو جائے۔ مثال کے طور پر اگر کسی زمانے کے حکماء کا ناقص علمِ فطرت سورج کے عظیم الشان کُرے کو فضائے اثیری میں ساکن متصور کر رہا ہے در آنحالیکہ قرآن حکیم کا اٹل محاکمہ اس امر کے متعلق وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (یٰسٓ) موجود ہے تو یہ آیت بلاشبہ اُس زمانے کی متشابہات میں سے ہی، اُسکے متعلق کسی قسم کی تاویل کرنا حتماً ناجائز ہے، علمائے فطرت کے تتبع میں یا اُنکے دعاوی کو صحیح مان کر ردّ و بدل کرنا یا تحریف پیدا کرنا منافی **دیانت** ہی، اسلامی اُمت کا فرض صرف اسقدر ہے کہ اس آیت کے صحیح مطالب کی تشریح سے یکسر اعراض کرے اور سورج کی کسی مستقر کیطرف حرکت کے بارے میں پیہم **مشاہدے** کرے، اُسکے متعلق ناقابل انکار **معلومات** فراہم ہوں، اُس منتہیٰ کی طرف قرنوں اور صدیوں تک لگی رہے، شبانہ روز تجربے اور معائنے ہوا کریں، اُمت کے مختلف اور **اہل** گروہ اس حقیقت کو سچ کر نیکے درپے ہو جائیں، یا اگر اس تفحص کے ضمن میں اس آیت کے کوئی اور مطالب منکشف ہوں تو اپنی توجہ اُدھر منعطف کر دیں، مگر جبتک سورج کی کسی مستقر کی طرف فضائی حرکت کے متعلق وہی انکشاف نہ کر لیں جسکو بالآخر مغرب کے ایک حکیم **ہرشل**† نے تمام عمر کے مسلسل مشاہدے کے بعد کیا، اُمت کے سر سے اس آیت کے بارے میں گراں فرض نہیں ٹل سکتا، اور نہ وہ آیت اُسوقت تک **محکمات** میں داخل ہو سکتی ہے۔ اِس مقام نظر سے

† زمین کی حرکت، سورج کے اضافی سکون، اور موقر الذکر کی فضائی حرکت کے متعلق ایک تاریخی بحث اصل کتاب صفحہ ۲۱-۲۳ تحت المتن میں آگے چلکر آرہی ہے۔ وہاں پر جملہ ارکان سماوی اور بالخصوص زمین کی حرکت کے متعلق قرآنی شہادت بھی درج کر دی ہے۔ یہ شہادت اِس قدر قطعی اور ناطق ہے کہ اس کے بعد کسی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔

يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ (الجاثیہ ۲۵)۔ اُنہوں نے آجتک کلام خدا کی تفسیر کے کوئی مشترک علمی اصول مقرر نہیں کیئے، کوئی مشترک اساس بحث و تنقید کی پیدا نہیں کی، کلام خدا کے عظیم الشان اعجوبہ گاہ کے اندر کوئی صحیح اور مرتقی افق نظر قائم نہیں کیا، کوئی ربط اور تسلسل کوئی حتمی دلیل اور حجت واضح نہیں کی۔ یہی باعث ہے کہ قرآن کا صحیح علم اور اُسکی عظیم الشان حکمت آج نظروں سے اکثر نہاں ہو چکی ہے، اُسکا پڑھایا ہوا سب اگلا درس بھی بھولا جا چکا ہے، وہ آپ سب کا سب ایک ناقابل التفات اور بے معنی شئے بن گیا ہے۔ لوگ آج اُس کے الفاظ کو دیکھکر کچھ متعجب نہیں ہوتے، اُسکے احکام کو سُنکر اپنے میں کچھ تحرک نہیں پاتے، اُسکی حکمت کو پاکر کچھ تڑپ نہیں اُٹھتے، وہ مستور حقیقت جسکی مستوریت اور دلربائی بجائے خود ایک عالم کو محو تلاش اور نعل در آتش کرنیکے لیئے ابدالآباد تک کافی تھی، آج بے حس اور بے اثر بن چکی ہے، وہ آیاتِ خدا جنکے مطالب کی جستجو اِس کارگاہ جہان کے ساز امن و راحت پر بجائے خود ایک پیہم **مضراب عمل** تھی، آج انسان کی ضد اور جہالت، ناقیمت شناسی اور ناقدردانی کے باعث جمود و عصیان، فرقہ بندی اور ضعف کے محور بن چکی ہیں۔ غلط اعتقاد اور نارواتاویل کا زنگار اُنپر جم کر اُمت کی رہی سہی طاقت کو کھا رہا ہے۔ علمائے دین اور شارحین اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا کر گئے ہیں، ہر شخص اپنے اپنے پروانے کو لیئے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا ہے اور موت کے انتظار میں چراغ سحری کیطرح ٹمٹما کر اپنی زندگی کا سطحی ثبوت دے رہا ہے۔ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ (بقرہ)

کسی قانون کے شارح کا فرض میرے نزدیک یہ ہے کہ وہ اسکی **سب** دفعات کو بحیثیت مجموعی ایک مقصد اور ایک منتہائے اعلیٰ کیطرف جاتا ہوا ثابت کردے، نظام حکومت کو پیش نظر رکھکر دفعات کے صحیح مقاصد کی تبیین کرے، دفعات کے مطالب کی تعیین کرکے نظام حکومت کو واضح کرنے کی سعی کرے، ہر امر و نہی کا منتہائے وحید رعیت کا امن حاصل کرنا ثابت کردے، انکار کے نتائج واضح ہوں، تعمیل کا انعام ظاہر ہو، حکومت کی **طاقت** کا نقشہ روز روشن کی طرح سامنے ہو، جزا و سزا کا واقع ہونا آنکھوں کے سامنے صاف دکھائی دے، نہیں، بلکہ اوامر و نواہی کی اساسی حکمت عملی کی تہ میں ایک لازوال قسط **عدل**، ایک یقین انگیز **منطق**، ایک **برہان** قاطع اور

اسی متفقہ رد و قبول سے ہوا ہے۔ نہیں، بلکہ ایک وقت معین تک کسی **غلط** نظریے پر بالاتفاق قائم رہنے کا نتیجہ بھی اکثر اوقات یہی ہوا ہے کہ اس متفقہ طرز عمل کے باعث نئے راہ عمل کھل گئے ہیں، غلط راہوں پر ٹھوکریں لگنے سے صحیح راہیں ایسی کشادہ اور حقیقت نما مل گئی ہیں جنکا اس سے پہلے سان گمان تک نہ تھا۔ الغرض علم حقائق الاشیاء کی ترقی میں حکما کا باہمی اتفاق عمل اور اُن کا سلامت رو ہونا ہی نمایاں طور پر معاون رہا ہے، اُنہوں نے **ضد** اور **ہٹ دھرمی** کی بنا پر اکثر کوئی فرقہ بندی نہیں کی، جہاں جہاں اختلاف رونما ہوا ہے، جزوی اور عارضی طور پر ہوا ہے، کم سے کم مدت اور بحث مباحثے کے بعد حکمائے فطرت خود بخود ایک **مشترک** حقیقت پر متفق ہو گئے ہیں۔ علم نے اُن کے وقتی اور مقامی اختلافات کو جلد سے جلد مٹا دیا ہے، اور وہ پہ باہم گرمصافحہ کر کے طبیعت کے اس بحر بیکراں کی تلاش میں مصروف ہو گئے ہیں جو فی الحقیقت اُن کا منتہائے نظر ہے۔ قرآن حکیم کے حقائق عالیہ کے ساتھ بھی علمائے دین کا بعینہ یہی سلوک ہونا چاہیئے تھا؛ صنّاع کون و مکان کے بھیجے ہوئے **الفاظ** بھی اُسی پیمانے پر مغلق اور فراخور اعتنا و انہماک، حیرت انگیز اور تحقیق طلب، جامع الناس اور **بیکران** ہونے چاہیئے تھے، جسقدر کہ اسکی بنائی ہوئی فطرت ان آنکھوں کے سامنے نظر آرہی ہے اُن کے اندر بھی وہی ناپیدا کنار تبحر، وہی حقیقت کشا اُفق، وہی بے نیازی کی شان، وہی استغنا کا سکوت، وہی منفعت بخش ہونے کا اغلاق و اشتباہ، اور عزیز القدر ہونے کا عسر حصول ہونا ضروری تھا جو ہر اصلی اور اصولی تحریر کا جزو لاینفک ہے مگر افسوس کہ اسلامی علماء اور متکلمین نے **اتحاد عمل** کو قطعاً نظر انداز کر دیا۔ وہ جو کچھ اُنکے محدود، وقتی اور مقامی علم سے بن پڑا اس نادر الوجود کتاب کی تشریحیں کر گئے، اعتقادی طور پر اپنی اپنی شرح کو قطعی اور آخری قرار دیکر لوگوں کو اپنے اپنے پیچھے لگا لیا اور باہمی **ضد** اور **ہٹ دھرمی** سے **فرقہ بند** بنکر کلام خدا کی حقیقت کو نظروں سے نہاں کر دیا: وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (آل عمران ۳)۔ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (بقرہ ۲) وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (شوریٰ ۳) وَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ إِنَّ رَبَّكَ

لکھا ہے، اسمیں اللہ صاحب نے چند الفاظ میں کیا حکم دیا ہے، اسمیں وہ شے کہاں ہے جس نے عرب کی تمام قوم کو چند برسوں کے اندر اندر سرکیف اور پا برکاب کر دیا تھا، وہ **بات** کدھر ہے جس نے چھوٹوں اور بڑوں کے، جاہل اور عاقل کے، مُدعی اور مطیع کے، غریب اور امیر کے دل میں وہ سکون سوز آگ لگا دی تھی جو قرنوں تک بجھائے نہ بجھی، جس نے سیکڑوں برس تک ایک پوری اُمت کے اعمال و افعال، عادات و اخلاق میں، معاملات اور تعلقات میں وہ مدِ عظیم پیدا کر دیا تھا کہ آج اُس تموّج کو پھر دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس رہی ہیں! آج اگر کوئی طالبِ حقیقت اپنی بجھی ہوئی آگ کو سلگانے کی نیت سے کسی بڑی سے بڑی تفسیر کی طرف رجوع کرتا ہے تو پہلا ورق کھولتے ہی انہیں انسانی باطل آرائی اور غلط گوئی، داستان سرائی اور حقیقت پوشی، آسمان سوالی اور ریسمان جوابی کی وہ حیا سوز بدعنوانیاں دیکھتا ہے کہ اُس قصاب خانہ فہم و عقل کو دیکھکر روح کانپ اٹھتی ہے۔ کہیں اُسکے اندر صرف و نحو کے مستقل مقالے ہیں، کہیں اعراب کے رفع و نصب پر لمبی چوڑی بحثیں ہیں کہیں اسالیب فصاحت پر جرح و قدح ہے۔ کہیں ظنّ و قیاس کے ظلمت انگیز مناظرے ہیں، کہیں حدّثنا اور قال قال کا بے سُرا راگ ہے، کہیں فرضی اور بے سند قصّوں کا طومار ہے، کہیں بے ربطیاں میلوں تک ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں! ہر آیت سیاق سے الگ، سباق سے علٰحدہ، اندر سے ٹکڑے ٹکڑے، باہر سے بے مطلب اور بے نتیجہ بن گئی ہے! جہاں ربط روز روشن کیطرح عیاں ہے وہاں طفلانہ نمایش ہے، جہاں بے ربطی کی خلیج عظیم اور تدبر اور علم کی ضرورت ہے وہاں آئیں بائیں شائیں ہے! نہ اصل مطلب سے بحث ہے، نہ نتائج پر نظر ہے، نہ علم کی تلاش ہے، نہ حکمت کی جستجو ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شارح کو خدائی دلیل کی آسمان تک پونہچانے والی **شاہ راہ** کے ہوتے ہوئے **اطراف راہ** کی اپنی پیدا کی ہوئی اُلجھنوں اور خارکشیوں کے باعث راہ نہیں ملتی، اسکو گھس کی مانند درختوں کی کثرت کے باعث جنگل نظر نہیں آتا، وہ خاردار جھاڑیوں میں خود گھستا ہے اور قدم قدم پر دامن کو کانٹوں سے چھڑاتے چھڑاتے اپنا پچھلا طے کیا ہوا رستہ بھی بھول جاتا ہے، بالآخر جب مُڑکر دیکھنے سے ہاتھ پلے کچھ نہیں پڑتا تو پارہ نا چار مُنہ اُٹھائے ہوئے جدھر بن پڑتا ہے اپنے آپ کو دھکیلتا جاتا ہے۔ کسی مفسّر قرآن کی اکثر نظر آج تک اِس بات پر نہیں رہی کہ تفسیر کے

حجتہ بالغہ، ایک مہیج اعضا **علم** کا موجود ہونا ثابت کردے، جو اُس قانون پر عمل کرنے والوں میں ایک عالمگیر انگیخت اور اضطراب عمل چار و ناچار پیدا کردے۔ وہ اُس مدلّل اور قائم، اُس طاقتور اور عادل حکومت کے اندر شرط و جزا، علتہ و معلول اور سبب و اثر کا آپس میں ایک لاینفک تعلق دیکھیں، اور اس شرط و علتہ کو طوعًا و کرہًا اپنا شعار عمل بنالیں۔ میر الیقین ہے کہ انبیائے کرام نے قانون الٰہی کو اپنی امتوں پر بعینہ اسی طرح پر واضح کیا، اسی لیئے انکا بے مثال عمل تھا، اور یہی **ایمان** کی پہلی و آخری منزل ہے! جو تفسیر کلام خدا کو اس طرح پر عیاں نہیں کرسکتی وہ ایک بے روح جسد ہے جسکا ہونا نہ ہونا برابر ہے، اور جو ایمان اس **عینی یقین** کے مرتبے تک نہیں پونہچا وہ ایک بے روح پیکر ہے جسکا اس دنیا کے اندر بیکار رہونا ظاہر ہے۔ انسان کے کالبد کی چھوٹی سی ادارت کے اندر اُسپر بڑا حکومت کرنے والا عضو **ذہن** ہے، باقی اعضا کے تمام اعمال و محسوسات کی پہلی اطلاع اُسی کو پونہچتی ہے، یہی **عضو امیر** اُنکی چمان بین کرتا ہے، اُنکو صحیح یا غلط قرار دیتا ہے، اسکو حوصلوں یا نامردیوں کی کمک بہیجتا ہے، اور یہی وہ **امّار عظیم** ہے جسکے حکم پر سب اعضا ہلتے اور کام کرتے ہیں۔ جبتک ذہن کسی شئے کو تسلیم نہ کرلے، اعضا کا اُس شے کے بارے میں حرکت کرنا، اسکو مجال عمل بنالینا از بس متعذر ہے۔ پس قانون خدا کی کوئی تشریح جبتک ذہن کو اپنا مؤید اور قلب سلیم کو اپنا حمایتی نہ بنالے کسی شخص کے اندر سعی و عمل کا ہیجان یا ایمان کا عالم انگیز نور پیدا نہیں کرسکتی۔ یہی باعث ہے کہ ظہور اسلام سے لیکر آجتک کلام خدا کی تبیین و تشریح کے متعلق مسلسل سعی کے باوجود اُسکی کوئی تفسیر حتمًا اُس ایمان، اُس لشکر انگیز یقین، اُس زہرہ گداز عمل کا کروڑواں حصہ نہ پیدا کرسکی جو نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیئیس برس کی بالمشافہ تشریح کے بعد پیدا کیا تھا، اور جس کا پھر پیدا ہوجانا عملی نقطۂ نظر سے آج محالات سے شمار ہورہا ہے۔ نہیں بلکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ قرآن کے ہزار در ہزار شارحین میں سے ایک متنفس بھی اپنے قارئین میں سے کسی ایک کے ذہن کو اِس طرح پر نہ منا سکا کہ وہ عضو رئیس علی الاطلاق باقی سب اعضا کو وقف عمل کم از کم ایک عمر کے لیئے کردیتا۔ ہر منتہی کا آخری سوال اُسکے مالہٗ ماعلیہ کو پڑھ لینے کے بعد بھی مشہور قصے کی طرح یہی رہا کہ زلیخا مرد تھی یا عورت۔ قرآن کی تعلیم کا ماحصل کیا ہے، اُسمیں کیا

پرانی وضع کا تیل سے بھرا ہُوا دیا نہایت ارادت سے ٹکا دیتا ہے۔ مگر اِس تمام عقیدت آرائی کا مجموعی اثر اُس تصویر پر یہ ہوتا ہے کہ بتیوں کا پیچ در پیچ اور چکناہٹ سے بھرا ہوا دُھواں اُس ولی کے چہرے کو سیاہ کر دیتا ہے، چہرے کے تمام خط و خال رفتہ رفتہ مسخ ہو جاتے ہیں، تیل کے داغ لگ لگ کر تمام تصویر چیکٹ ہو جاتی ہے اور بالآخر وہ بزرگ منش کسی بھوت کی ڈراونی شکل بنجاتا ہے۔ شاعر کے بارے میں نقاد لکھتا ہے کہ وہ ہزار در ہزار تشریحیں جو شکسپیئر کے مداحوں نے اُسکی تصنیفات کو روشن کرنے کی غرض سے لکھی ہیں، بجائے خود اسکے منشا کی اصلی تصویر کو سیاہ کر رہی ہیں، خوش اعتقاد مفسّروں نے اُسکے کلام کے ایک ایک جُملے کے متعلق معانی کے وہ بے سروپا افسانے بنا لیئے ہیں جو لکھتے وقت شاید مصنف کے وہم و گمان میں نہ تھے۔ ایک شاعر کے بے نفع و ضرر اور بے نتیجہ کلام کے متعلق عقیدتمند لوگوں کا یہ حُسنِ ظن ممکن ہے دنیا کے ایک فرد پر بھی فی الحقیقت کوئی مضر اثر نہ ڈال سکا ہو۔ اسکے دس معتقدوں کا بھی صحیح معنوں میں شارحین کی اس تمام کذب آرائی سے بال تک بیکا نہ ہوا ہو لیکن مالکِ زمین و آسمان کے کلام کے مطالب میں اسلامی مفسّروں کی صدیوں سے رطب و یابس سب، رائے زنیاں اور قیاس رانیاں ایک عالمگیر قوم کی تاریخ نفع و انعام میں وہ ناقابلِ تلافی نقصان، اُسکے اعمال میں وہ ناپیدا مثال شرارتیں، اُسکے اخلاق میں وہ موت انگیز بیماریاں، اور اُسکے سعی و عمل میں وہ ملامت انگیز واماندگیاں پیدا کر گئی ہیں کہ انقلاب کی اس روح فرسا حکایت، اور انسانی اقوال کی اس مضرت انگیز اور عمل برانداز روئداد کو سُنکر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قرآن حکیم کے صحیح مقاصد کی سب موہنی موت سرتاپا سیاہ ہو چکی ہے، اسکے اصلی اور حیات پرور حسن کا ایک خط و خال ظاہر نہیں رہا، ایک ایک آیت، جُملے اور اصطلاح بلکہ اکثر اوقات الفاظ اور نشانات کے مطالب بگڑ چکے ہیں، تعلیم بگڑ چکی ہے، نصب العین بگڑ چکا ہے، نہیں **نیتیں** بگڑ گئی ہیں، **حوصلے** بدل گئے ہیں، **دل** اور **جگر** بدل گئے ہیں! غلط نقد و نظر اور بے محابا تاویل کی پے در پے گھٹاٹوپ بدلیوں نے معانی پر سیاہ دھوئیں کی کئی ایک تہیں جما دی ہیں، پھر اُن تہوں پر عادت اور تعصب کا سیاہ روغن منجھ منجھ کر اسقدر چکیلا اور پُرانا ہو گیا ہے کہ آج کسی متنفس کو اصلی تصویر کے موجود ہونے کا اعتراف تک نہیں رہا، دنیائے اسلام ایک روح پرور، ولولہ انگیز اور دلربا

ناظر کا بڑا مدعا الٰہی پیغام کی ماہیت کو سمجھنا ہے، یہی اُسکے اِس ضخیم کتاب کو کھول کر پڑھنے کا واحد مطلب ہے، اِسغرض و مقصد کیلئے اُسنے ایک مجمل اور مغلق کتاب کو چھوڑکر اپنے زعم میں ایک سہل اور مفصل کتاب کی طرف رجوع کیا ہے اور بعینہٖ اسی بنا پر، مفسر کے کلامِ خدا کے بارے میں حُسن اعتقاد کی تمام طومار نویسیوں اور حاشیہ آرائیوں کے باوجود ناظر کا مدعا وہی ہے کہ قرآن کا **نفس پیغام** کیا ہے، چند الفاظ میں اُسکے اندر کیا لکھا ہے، چند جملوں میں وہ کیا اصول ہیں جن پر عمل چاہیئے، اُنکی الٰہی حکمت کیا ہے، اُنکی دستوری سند کیا ہے، وہ کیوں ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہے کیوں ھُدًی وَّ رَحْمَۃً ہے۔ بعینہٖ یہی باتیں ہیں جو ہر تفسیر اور ترجمے میں کالعدم ہیں، اِسی مدعا کو دل میں ٹھان کر لوگ تفسیریں پڑھتے ہیں اور مایوس ہوہوکر رہجاتے ہیں۔ کوئی مستقل اصول، کوئی مختصر گُر، کوئی کارگر بات مع جودہ تفاسیر سے اُن کے ہاتھ پتے نہیں پڑتی۔ الغرض تفسیر یا ترجمہ قرآن کا مطالعہ متلاشی **علم** کے لیئے مدتِ مدید سے وہ بے نتیجہ اور ناموافق شئے رہا ہے کہ ایمان کے شعلے کو آسمان ساکرنے کی بجائے معتقد کی اُس خفیف سی سُلگتی ہوئی چنگاری کو بھی بُجھا دیتا ہے جو ہر مسلمان کے دلمیں رسمًا یا خلقًا موجود ہے اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک ہوشمند اور سلیم الذہن شخص اِن تشریحوں اور ترجموں کو دیکھکر دین اسلام سے یکسر متنفر ہوگیا ہے اور وہ رہی سہی عصبیت جو اُسکے دل میں مسلمان ہونے کے باعث موجزن تھی ہمیشہ کے لیئے ساکن ہوتے ہوتے کالعدم ہوگئی ہے!

ایک مغربی نقاد نے حُسن اعتقاد کی اِن ہلاکت انگیز باطل آرائیوں کی ایک دلچسپ اور معنی خیز مثال انگلستان کے ایک مشہور شاعر کے کلام کی بے شمار مروجہ تشریحوں کو پیش نظر رکھکر اِسطرح پر دی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پاپائے روم الکبرٰے کے مقتدیوں (رومن کیتھولک) کے ہاں دستور ہے کہ اپنے راہبوں اور اولیاؤں کی تصویریں گرجاؤں میں بطور تبرک کے لٹکا دیتے ہیں، پھر لوگ اپنے اعتقاد کے مطابق اُن تصویروں کے نیچے بتیاں اِس نیت سے جلاتے ہیں کہ اُن کی روشنی اُنکے چہروں کو منور کردے اور وہ اَور بھی پُررونق نظر آئیں۔ جسقدر اعتقاد کی شدت کسی ولی کی نسبت لوگوں کو ہے، اسیقدر شمعیں اُسکے نیچے جلتی ہیں اور اسیقدر عوام کی نگاہوں میں وہ شخص بزرگ شمار ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی حیثیت کے مطابق چراغ جلاتا ہے، کوئی موم بتی کا صیقل کیا ہوا شمعدان لاکر رکھدیتا ہے تو کوئی روئی کی بتی کا

بخیے اُدھیڑ دیئے ہیں۔ اگر کسی بات کے کہہ دینے سے مَیں الٰہی معنوں میں مسلمان نہیں رہ سکتا تو اسکی کچھ پرواہ نہیں، آپ عامل نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کی صورت کو مسخ کر دینا میرے نزدیک کسی طرح روا نہیں۔ باقی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مَیں سب سے **پہلے** قصوروار ہوں، اور کسی نبوّت یا ولایت، کسی معصومیّت یا اعجاز، کسی کشف یا کرامت، کسی مجدّدیت یا قیادت، فضیلت یا علم کا ادّعا حتماً نہیں کرتا۔ میری نگاہ میں قانون خدا کی تبیین میں اپنے نفس کے لیئے ادنیٰ سی رعایت مدّنظر رکھنا، اور اپنے آپ کو حتی الوسع مومن بنائے رکھنا ناقابل عفو گناہ ہے، ایک امّت کے پورے گناہوں کو اپنے اوپر لاد لینا ہے، اسکی ہلاکت کا صریح طور پر مؤیّد بنکر اپنے آپ کو **جہنّم** میں جھونکنا ہے، چند عارضی تمتّعات کے عوض میں اپنے پیٹ کو **دوزخ** بنانا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْہِمْ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْہُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَۃِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَہُمْ عَلَی النَّارِ ۝ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ (بقرہ ۲)، **لعنت** خدا کا مستحق بننا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ† وَالْہُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ† لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُہُمُ اللّٰہُ وَیَلْعَنُہُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا† فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْہِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ (بقرہ ۲)۔ خدا سے **بدعہدی** ہے، بدمعاشی اور بے ایمانی ہے: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ† لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ ز فَنَبَذُوْہُ وَرَآءَ ظُہُوْرِہِمْ وَاشْتَرَوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ ۝ (آل عمران ۳)

جو امور مَیں نے کتاب خدا کو آیات **بیّنات** ثابت کرنے میں پیش نظر رکھے ہیں یہ ہیں کہ قرآن مکمّل کتاب ہے مربوط ہے، اسمیں کوئی لفظ حشو نہیں، کوئی شاعرانہ زوائد نہیں، اسکی لُغت خود اسیکے اندر موجود ہے، یہ آپ اپنی تفسیر ہے، اسکو کسی خارجی مدد کی ضرورت نہیں، ابدالآباد تک انسان کے لیئے سچا دستور العمل ہے، اسمیں کوئی بات ایسی نہیں جسپر عمل ضروری نہ رہا ہو، اسمیں کامل تطابق ہے۔ اسکی ہر آیت کا ایک اور صرف ایک مطلب ہے، تمام قرآن کا منتہائے نظر ایک ہے، اُسکا بتایا ہوا صراط مستقیم ایک ہے، اسکی تعلیم عام اور مطلق ہے، کسی ایک زمانے

† ضمناً اَلْبَیِّنٰتِ اور بَیَّنّٰہُ اور بَیَّنُوْا اور لَتُبَیِّنُنَّہٗ کے الفاظ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن حکیم بہ تمام و کمال روشن حقیقت ہے، کوئی مشتبہ نہیں جیسا کہ صفحہ ۴۸ و ۴۹ پر بحث ہو چکی ہے۔

صورت کے بدلے ایک میل سے چیکٹ چوکھٹے پر اپنا اعتقاد جما رہی ہے اور حسن کی لشکر انگیز تڑپ کے نہ ہوتے ہوئے فرض و گمان کے جمود میں نامرادی اور موت کی طرف آہستہ آہستہ گھسٹ رہی ہے!

کیا تفسیر کے اِس ظلمت انگیز **چراغاں** کے ہوتے ہوئے مَیں بھی فی الحقیقت آیندہ اوراق میں اپنی خوش اعتقادی کا ایک اور دُخاں خیز دیا لے آیا ہوں، اور اسطرح پر قرآن کو اور **سیاہ** کرنے کا مجرم بنا ہوں، اِس کا فیصلہ زمانہ آپ کرتا رہے گا۔ مگر حُسن نیّت کے دولے میں اَور شارحین کیطرح غالباً مجھے بھی حق حاصل ہے کہ ظاہر کردوں کہ کلام الٰہی کی اِس تبیین میں مَیں نے جان بوجھکر کوئی بددیانتی نہیں کی۔ کوئی تاویل، کوئی مکر و تلبیس، کوئی ذاتی قیاس یا رائے جس سے اپنے زعم میں میرا اپنا چُٹکارا ہو سکتا تھا میں نے حتماً پیش نہیں کی۔ مَیں نے صِرف **علم** اور صحیح علم کی **برقی مشعل** کو قرآن حکیم کے سامنے لاکر رکھدیا ہے، اِسکی دروں رس حقیقت کشا اور مبرق شعاعیں کلامِ خدا کے مطالب کی اصلی اور **پہلی** تہ تک پونہچادیں؛ انسان کے اُسپر اپنے ہاتھوں کیئے ہوئے بدنما رنگ و روغن کے نیچے حقیقت کی پردہ نشین آفتاب گسل حُسن سے مزیّن اور تجلّی سے بے نیاز **عروس کی ایک** جھلک دکھلادی ہے، کم از کم یہ درک لگادی ہے کہ الفاظ کے اِنہی مستعمل، بے قدر و قیمت اور دیدہ آشنا جھروکوں کی آڑ میں انسانی فلاح کی وُہ آسمان تاب عفیفہ، اور ضیا پاش عصمت آبا بیٹھی ہے جسکو قرنوں سے کسی جن و انس نے چھُوا تک نہ تھا! وہی اس قدوسی کلام کے اندر سچی مطلوب ہے! وہی **طلبۂ مقصود** ہے! اُسی کو پالینے سے قومیں عشق و نیاز کی اِس جاں گداز منزل میں فائز المرام ہو جاتی ہیں، اُسی سے بے نیاز ہو کر عالم اسلام پر ذُلّ و مسکنت کے بادل آج چھا رہے ہیں غضب الٰہی کا **تنوّر** جوش مار رہا ہے، انعام یک بیک چھینے جا رہے ہیں، موت سامنے نظر آرہی ہے! سعی و تلاش کے اِسی حوصلہ زا تقدّم میں میں نے جو کہا ہے بیخوف و خطر کہہ دیا ہے، کسی رسم و رواج کی رعایت، کسی اجماع اُمت کا فیصلہ، کسی وضعی مسلّمے کی پیروی، کسی شاہ و گدا سے ارادت، کوئی کفر کے مُلّائی فتوے، کسی حکومت وقت کا خوف، مقاصد قرآن کے متعلق میری تحقیق پر کچھ اثر نہیں کر سکا، قانون خدا کے متعلق جو بات **واقع الامر** ہے اُسکو سچ سچ کہدیا ہے، جو **جھوٹ** ہے اُسکو چھپا کر نہیں رکھا، جو **شہادت** ہے اُسکو من و عن کھول کر رکھ دیا ہے، جو **مکر** ہے اُس کے

اسی قانون کسی جگہ نافذ ہے تو وہ خالصۃً **اتحاد** اور خالص **اتحاد** ہے ۔ عملاً اتحاد ہے ، طوعاً و کرہاً اتحاد ہے ، مدافعانہ بلکہ جارحانہ اتحاد ہے ، روز و شب کا اتحاد ہے ، **اصلاً** اور **فرعاً** اتحاد ہے مکر و فریب سے یہ کہدینا کہ "اصولاً اسلام میں کوئی فرقہ نہیں" اور پھر فرقہ بند بنکر اجل زدہ اُمت کو ٹکڑے ٹکڑے کردینا ، اُنکی رہی سہی طاقت کو اور سلب کردینا ، اُن میں اشتتاتِ عمل ، طوائف الملوکی اور موت کے سامان پیدا کردینا ، اور پھر اپنے یا سب فرقوں کو بھی جنت کا مکین سمجھنا میرے نزدیک پرلے درجے کی فریب کاری ہے ، خدا سے **مکر** ہے ، آشوب چشم ہے ، سودائے سر ہے ! اُمت کے کسی موجودہ یا گذشتہ قائد یا مدعی قیادت کو ، کسی پیر یا امام کو ، کسی بزرگ یا ولی کو ، کسی سجّادہ نشین اور مرشد کو ، کسی مزار یا خانقاہ کو پیش نظر رکھکر اُن کا اتباع کرنا ، اُن سے تعبد خیاً کرنا ، عام جماعت سے الگ ہوکر اتحادِ عمل میں رخنہ ڈالنا ، میرے نزدیک اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کو پکڑنا ہے ، عبادتِ ماسوا ہے ، **شرک** ہے ، **ظلم عظیم** ہے ، اِس دنیا میں موت کی تیاری ہے ، آگے چلکر جہنم کی لکڑیاں بننا ہے ، اُن بیچاروں کو **دوزخ** کا ایندھن بنانا ہے ۔ اسلام کے داخلی اتحاد اور اُسکی ماہیت کے بارے میں میرا یہ فیصلہ اسقدر مضبوط ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی مخالفت یا منطق میرے اس عزم کو متزلزل نہیں کرسکتی میں اسلامی جماعت کے اندر سب نظری اور اعتقادی ، سب اقوالی اور اعمالی ، سب اتباعی اور غیر اتباعی ، سب شرعی اور فقہی تفرقے کے برخلاف ہوں ، سب کو **علانیہ** مٹانا چاہتا ہوں ، سب مطیعوں اور مطاعوں مریدوں اور مرادوں کو خدا کی سرزنش کا قطعی اہل اور عذاب آخرت کا قطعی مستوجب سمجھتا ہوں لیکن بایں ہمہ اگر کوئی شخص یا جماعت اس کتاب کے کامل مطالعے کے بعد عقیدۃً یا عملاً مجھ کو اسلام کے کسی نئے فرقے کا رہنما تصور کرے تو وہ میری دانست میں نہ صرف مجھے حسبِ جہنم بنا رہی ہے بلکہ آگے چلکر جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ابدالآباد تک جلتے رہنا اُسیکا حصہ ہے !

اسلام میرے نزدیک سب اولیاء و اصفیا سے گذر کر صرف **محمد** (صلعم) کی پیروی ہے ، نہیں اُسکے لائے ہوئے قانون کی پیروی ہے ۔ انبیاء کے لائے ہوئے طریق عمل (دین) کی پیروی ہے ، قانون خدا کی پیروی ہے ،

یا اُمّت سے مخصوص نہیں، یہ ایک قانون ہے جسمیں تاویل کی قطعاً گنجائش نہیں، اسکی سب آیات آیات بیّنات ہیں، مستقل اور ناقابل انکار حقائق کیطرف لیجارہی ہیں، جہاں تشابہ ہے کمی علم کی وجہ سے ہی، وہیں میری طرف سے جہل کا علانیہ اقرار ہے! اُسکی ہر تکرار میں تشریح ہے، کسی نئے علم کا اضافہ ہے، کوئی توکید مزید ہے، یہ ربّ زمین و آسمان کیطرف سے انسان کے نام ایک مکتوب ہے، پیامِ عمل ہے، فرمان خسروی ہے، حکمنامۂ خدا ہے، اسلیئے اسکا ایک ایک حرف قابل انہماک ہے، یہ فطرت کی طرح وسیع ہے اسلیئے اسکے تمام لائحہ عمل پر حاوی ہوجانا، ایک قرن، ایک فرد، یا ایک اُمّت کا کام نہیں۔ اِنہی امور کو پیش نظر رکھکر مَیں نے قرآن حکیم کے بارے میں اُنکے صحیح ہونے کا بلاواسطہ علمی ثبوت دیا ہے، پیش از وقت ارادت یا عقیدت کو اس تحقیق و تلاش میں مخل کردینا قطعاً گوارا نہیں کیا۔ میرا مقصود تمام آیندہ بحث و تمحیص سے کتابِ خدا کی خوبی کو ثابت کرنا ہے، مسلمانانِ عالم کو ایک قطعی اور نفع مند، ایک مختصر اور حیرت انگیز راہ عمل کیطرف پھر اشارہ کرنا ہے، اُس سبق کو پھر یاد دلانا ہی جو کبھی اس طفل کم سواد کو خوب ازبر تھا مگر آج قطعاً بھولا جاچکا ہے، قرآن سے ناآشنا اور فطرت سے باخبر مغرب پر ثابت کردینا ہے کہ انکی تمام سیاست و تدبیر، ان کا سب علمی استقصا اور تقدّم، انکی سب قطعی شہادت و بصیرت، اُنکے تمام نظریئے اور عملیئے قرآن کے ہوشربا علم اور زہرہ گداز انکشاف کے بالمقابل ہیچ ہیں، اپنے علم کی برتری جتلانا، اپنی مسابقت کو ظاہر کرنا، یا کسی نئے راہ عمل کی داغ بیل لگاکر فرقہ بند بننا قطعاً نہیں۔ میرا منتہا اتّحاد اور خالصۃً اتحاد ہے، اسلام کی ہلاکت انگیز داخلی فرقہ بندی کو حتّی الوسع مٹانا ہے، سب کے لیئے ایک صراط مستقیم کو صحیح ثابت کردینا ہے، ہر فرقہ بند اُمّت یا فرد کو جہنّم کا مکین قرار دیکر سب کو ایک مشترک سطح پر لانا ہے، رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کا وہی قرن اوّل کا ماحول پھر پیدا کرنا ہے، اِسی اتّحاد کو دین اسلام کا رکن رکین، اُسکی سب حکمۃ کاملہ کی اساس اول، اُسکی حُجّۃ بالغہ کا محور عمل، اُسکی فلاح و نجات کی علّۃ اولیٰ ثابت کردینا ہے، اِسکے ماسوا کچھ نہیں! شیعہ اور سنّی، حنفی اور شافعی، مقلّد اور غیر مقلّد، صوفی اور وہابی وغیرہ وغیرہ میرے نزدیک کچھ شئے نہیں، یہ سب جہنم کی تیاری ہے، خودکُشی اور استہلاک ہے، موت کے ساتھ لہو و لعب ہے، اس زمین و آسمان کی چاردیواری کے اندر اگر کوئی

یہی ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْھِمْ اُجُوْرَھُمْ ۭ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (النساء ۴) پس اس دین متین کا رکن اعظم میرے نزدیک **اتحاد** ہے، لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ہے، اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ہے، اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ہے، لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ ہے، لَا حُجَّۃَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ ہے، اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ہے، تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ † ہے، نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ہے، نَحْنُ لَہٗ عٰبِدُوْنَ ہے، لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ہے، لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ * ہے، نہیں یہود کے موسیٰ علیہ السلام کو مان کر یہود کو اپنی طرف جذب کر لینا ہے، نصاریٰ کے مسیح علیہ السلام کو تسلیم کر کے نصاریٰ کو کھینچنا ہے، ہنود کے کرشن علیہ السلام کے مقر ہو کر ہنود کو مرجبا کہنا ہے، گبر و برہمن کو بدھ اور شدھ کو، افریقہ کے جن پرست اور قطب کے اسکیمو کو، امریکہ کے ہندوئے احمر اور مردم خور وحشی کو، ساکن بر اور مکین بحر کو اپنی آغوش لطف و مرحبا میں لیکر **اسلامی جماعت** کو اسقدر تنومند، اسقدر غالب، اسقدر عالمگیر اور وسیع، اسقدر **جہانبان** کر دینا ہے کہ دشمن کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا یارا نہ رہے! میرے نزدیک اصل اسلام یہی ہے، یہی قرآن کا اسلام ہے، یہی قرن اول کا اسلام تھا، مگر واحسرتا کہ نااہل اور ناشناس لوگوں نے اسکو اسقدر تنگ کر دیا! باہر سے راہ مسدود کر دی، اندر سے ٹکڑے ٹکڑے کر گئے، ہر شخص مدعی تجدید بنکر مٹھی بھر لوگوں کو اپنے اپنے پیچھے لگا گیا، خلق خدا کے وسیع دائرے سے نفرت پیدا کر گیا، اشاعت اسلام سرتاپا رک گئی، اُمت کمزور ہوتی چلی گئی، پھر **اعلون** رہ کر **مومن** بننے کا نصب العین بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، مسلمان دنیا سے یکسر متنفر ہوتے گئے، بعض رسل کو ماننا بعضوں سے انکار پیدا کر کے خلق خدا سے عداوت اور تنگ چشمی مول لے لی، پھر خدائے زمین و آسمان نے بھی

† یہ آیت سورہ آل عمران میں اسطرح پر ہے قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران) * یہ آیت سورہ بقرہ میں اس طرح پر ہے: قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ ۡ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ ۡ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (بقرہ ۲۰) +

ع تمام قرآن کے طول و عرض میں **الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا** کے الفاظ اور کسی امر کے متعلق حقاً استعمال نہیں کیے گئے، گویا ازروئے اسلام سب سے بڑا کافر خدا کے نزدیک وہی ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام میں تفریق پیدا کرتا ہے! بعض کو مانتا ہے بعض سے انکار کرتا ہے، اُن کو فرقہ بند سمجھتا ہے، اور اس طرح اسلام کی اخوت کو وسیع نہیں ہونے دیتا +

آئینِ ربّ العٰلمین کی پیروی ہے، قانون **فطرت** کی پیروی ہے، تورات و انجیل، زبور اور تلمود، صُحُف نوح اور صُحُف ابراہیم، بلکہ وید اور ژنداوست، کے لائے ہوئے **مشترک** قانون کی پیروی ہے، **متفقاً** اور **متحداً** پیروی ہے، **عملاً** اور **معناً** پیروی ہے، قولاً اور اعتقاداً پیروی ہرگز نہیں: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ط (شوریٰ ۴۲) یہی **اتحاد** عین اسلام بلکہ میری دانست میں **تمام** اسلام ہے، یہی نفاق اور تفرقہ عین شرک ہے! سب خواہشات نفسانی کی پیدا کی ہوئی فرقہ بندی کو مٹا کر ایک راہ عمل (دین) اور مساوات پر آجانا، ایک مشترک قانون کو پکڑ لینا، سب کا ایک **مشترک خدا** کے تابع بنجانا، ہر فرد کا اپنے ذاتی عمل کا ذمہ دار بننا، اور کسی دوسرے شخص یا پیر یا ولی یا بزرگ کے عمل سے بے نیاز ہوجانا، کسی دو فرقوں کے مابین کسی **حجت** کا قائم نہ رہنا، اور ہر دم اس بات کے درپے رہنا کہ ساکنان زمین کے **بڑے سے بڑے** مجمع میں اتفاق عمل پیدا ہو میری نگاہ میں اسلام ہے: فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا **حُجَّةَ** بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ (شوریٰ ۴۲) اسی پر میرے تمام اسلام کی بنیاد ہے۔ خدائے زمین و آسمان کا یہ مذہب سب انبیا کو یکساں ماننے میں، اُن کو ایک مشترک پیغام کا حامل سمجھنے میں اسقدر فراخ دل اور سیر چشم ہے کہ ہر قرن کے لیے ایک کتاب لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ (رعد ۱۳)، ہر قوم کے لیے ایک ہادی وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد ۱۳)، ہر اُمت کے لیے ایک رسول * وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر ۳۵)۔ نہیں، ہر قریے کے لیے ایک نذیر وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ (شعراء ۲۶) کا آنا مانتا ہے لیکن سب کو **ایک** قانون کا مبلغ، ایک قانون الٰہی کا ناشر، ایک الکتاب کا حامل قرار دے کر اَللّٰهُ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (بقرہ ۲) انکو **فرقہ بند** سمجھنے اور اس طرح پر خدا اور رسل کے درمیان **تفرقہ** ڈالنے کی اس شدت سے مخالفت کرتا ہے کہ تمام قرآن کا مطمحِ نظر و غرض میں اگر کوئی شے **فی الحقیقت کفر** ہے تو

+ یہی بھی یہ حکم ملا ہے کہ تم سب کو برابر کردوں، تمہاری امتیں بھی سب برابر کر کے سب کو ایک مشترک سطح پر لاؤں۔ * چنانچہ سورۂ یونس میں وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ بھی ہے +

حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (مومنون) ہی اسی لیئے سچا اور اصلی **شرک** ہے۔ جس دن کتاب خدا پھر **علم** ثابت ہوگئی، پھر زمین و آسمان کی ملکوت کا **سرِ عظیم** بن گئی، پھر ساکنانِ زمین کی **جبلت** اور **طینت** قرار پاگئی، پھر یہ یقین ہوگیا کہ اسی کے علم کو مان کر **امن** مل رہا ہے، ہر قوم کو، ہر اُمت کو، ہر ملک کو، ہر قریے کو اس دُنیائے کسب و عمل کے ہر گوشے میں امن مل رہا ہے، اِن آنکھوں کے سامنے امن مل رہا ہے، انعام مل رہے ہیں، مُلک مل رہے ہیں، دولت اور سلطنتیں قدموں پر نثار کیجا رہی ہیں، رحمت الٰہی کا دریا سب طرف موجیں مار رہا ہے، جسدن یہ تصدیق ہوگیا کہ اسی کے علم سے ہٹ کر اسلام کو ذُلّ و مسکنت نصیب ہو رہی ہے، شکستوں پہ شکستیں مل رہی ہیں، مُلک یک بیک چھینے جا رہے ہیں، طاعون اور قحط، خون اور ہیبت، جُوئیں اور چیچڑے مل رہے ہیں، آگ مل رہی ہے، اُسیدن یہ سب اختلاف مٹ جائے گا، سب فرقہ بندیاں فنا ہوجائیں گی، سب **ارضی خدا** دُم دبا کر بھاگ جائینگے، ضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ (انعام) کا سماں بندھ جائے گا، سب اولیاء اصفیا، پیر و فقیر عرش سے گر کر فرش زمین پر آجائینگے، طاغوت کی پرستش ماند پڑ جائے گی، جن و انس میں مساوات ہوجائے گی، سب کا خدا پھر **ایک** بن جائے گا، پھر اُس دن اس علم سے مُنکر بھی مشکل نظر آئیگا، طوعاً و کرہاً لوگ پھر قرآن کو **حسبنا** پکار اُٹھیں گے، سب اعتقادی کتابیں جنہوں نے یہ فتنۂ عظیم برپا کر رکھا ہے فی النار و السقر کر دیجائینگی، سب جلکر خاک سیاہ ہوجائیں گی۔ یہ فی الحقیقت کئی خداؤں نے ہی فساد ڈالا ہوا ہے، عَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (مومنون) کے مصداق بن رہے ہیں، **لفسدتا** کا منظر پیدا ہو رہا ہے، جہالت کا تفرقہ ہے، ورنہ جہاں علم ہے وہاں اتحاد ہے اور وہیں سچی اور اصلی، بے لاگ، بے ریا **توحید** بھی ہے!

ہاں قرآن کو مَیں سراپا **علم** ثابت کرنا چاہتا ہوں مگر اسلام میرے نزدیک سراپا **عمل** ہے، اِس کی **توحید** عمل ہے، اِسکا **ایمان** عمل ہے، اِسکا **اتقا** عمل ہے، اسکی **عبادت** عمل ہے، اِسکا **صراطِ مستقیم** عمل ہے، اسکا شرک **بدکاری** ہے، اسکا کفر **بدنظمی** ہے، اِسکا فسق **بدعملی** ہے، اِس کا عمل اُمت کا اجتماعی عمل ہے، متحد اور متفقہ عمل ہے، ہاتھوں اور پیروں کا عمل ہے، دلوں اور جگروں کا عمل ہے، طاقت اور زور کا

اِس صریح **کفر** کی پاداش میں عذاب مُہین بھیجا، اور اس الکتاب کے آخری وارثین سے جی بھر کر بدلہ لیا جب اسلام کے پیش نظر خارجی اتحاد اسقدر ہے تو بعینہ اسی بنا پر ختم رسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسلامی جماعت کے اندر کوئی ذرا سی تفریق پیدا کرنا بھی میرے نزدیک صحیح معنوں میں **کفر** ہے، جو مُدعی ہے کفر کا مرتکب ہے، فقہ کی تفریق، شریعت کی تفریق، مسئلہ و مسائل کی تفریق، طریقت اور سلسلوں کی تفریق، پیروں اور سجادہ نشینوں اولیائوں اور خانہ نشینوں کی تفریق، مزار پرستی اور اولیا پرستی کی تفریق سب **کفر** ہیں، سب انکار خدا ہے سب **عبادت طاغوت** ہے، سب اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کو پکڑنا ہے، سب شرک جلی ہے، شرک محض ہے شرک اکبر ہے، وہ **ظلم عظیم** ہے جسکی بخشش کی حتماً کوئی آس نہیں، وہ بدی ہے جسکی پاداش جہنم ہے: وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ **فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ** وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (الروم ۳۰) قرآن سیری نگاہوں میں **علم** ہے، آیات بینات ہے، قانون خدا ہے، راز زمین و آسمان ہے: قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ (الفرقان)، فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ہے، ایسے علم، ایسی روشن حقیقت ایسے راز، ایسی فطرت کا منتہا ہر جگہ **اتحاد** چاہیئے، اسمیں بنی نوع انسان کو اپنے میں جذب کر لینے کی وسعت چاہیئے نہ یہ کہ خارجی توسیع تو یک طرف خود گھر میں فساد پیدا کر لیا جائے، اُمت اِس علم کو لیکر آپ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے ایسی فرقہ بندی میری دانست میں اسکی سب سے بڑی ناقدر شناسی ہے، اِس سے پورا **جہل** ہے، آپسمیں انتہائی **بغاوت** کا نتیجہ ہے، ناقابل عفو گناہ ہے، جہنم کی تیاری ہے۔ جو قوم **علم** کے ہوتے ہوئے متحد نہ ہو سکی اُسکا کسی اور طاقت سے متحد ہو جانا خیال محال ہے: وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ **الْعِلْمُ** بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰي شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (الجاثیہ ۲۵)۔ رسول خدا کی تبیین کے بعد چونکہ کتاب خدا **علم** نہیں رہی کسی متنفس نے اُسکے کسی حصے کو **علم** ثابت نہیں کیا، سب کے سب جہالت اور قیاس ظن اور رائے، اعتقاد اور اقوال کی ظلمتوں میں پڑے ٹامک ٹوئیے مارتے رہے، اِسی لیئے یہ دردناک اختلاف ہے، اِسی لیئے ہلاکت انگیز فرقہ بندیاں ہیں، اِسی لیئے کُل

مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ (الدخان ۴۴)، خود بنی اسرائیل سے **میثاق ایزدی**† بندھا تو یہی بندھا کہ قانونِ خدا پر چلتے رہو گے تو اجتماعی بدحالیان سب دور کردون گا، جنات زمین کے وارث بن جاؤ گے (لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (مائدہ ۵)، زمین کی **ابدی سلطنت**† تمہارے حصے میں رہے گی، آسمان سے فتح باب ہوا کرے گا، زمین کے دروازے کھل جائینگے، "اوپر سے کھاؤ گے" "پاؤں کے نیچے سے رزق آئے گا" (وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ . لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (المائدہ ۵))! نہیں موسیٰ علیہ السلام نے بزدل اور غلامی میں پلی ہوئی بنی اسرائیل کو چالیس برس کی الٰہی تعلیم کے بعد سینا کے جنگلون میں اگر کچھ کہا تو یہی کہا کہ ارض مقدس پر **جارحانہ** حملہ کردو، اسپر یکدم بلّہ کرو اور پیٹھ نہ پھیرو، داخل ہو جاؤ گے تو غالب آجاؤ گے (فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۝ (مائدہ ۵)) ورنہ گھاٹے میں رہو گے۔ (يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ (مائدہ ۵))۔ داؤد اور سلیمان علیہما السلام از روئے قرآن **نبی** تھے، لیکن برسوں تک دھڑلے سے **بادشاہت** کی، ملک کو صنعت اور حرفت سے مالا مال کیا، تجارت کو اسقدر فروغ دیا کہ بحیرۂ روم سے انگلستان تک جہازوں کا تانتا بندھ گیا، ہمعصر فونیشی سلطنت کے پایہ تخت صور اور سدون سے گرانڈیل مزدور (جن) ملک کی ترقی کے لیئے بلوائے، پہاڑوں کو تہ و بالا کرکے مسخر کیا (اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝ (ص ۳۸)، ہوا پر قابو پایا (فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۝ (ص ۳۸)، پرندوں سے کام لیا (وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۝ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ (ص ۳۸)، مقدم الذکر نبی نے معدنیات کی صنعت میں وہ طلسمات کر دکھایا کہ زمین پر لوہے اور تانبے کی نہریں بہادیں! (وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ (السبا ۳۴)، وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۝ (السبا ۳۴))، بنائے زمین و آسمان نے ان سب باتوں کو **عمل صالح** کہا، (اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۝ (السبا ۳۴))، اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (السبا ۳۴) کہا، داؤد علیہ السلام کو "ذَا الْاَيْدِ" کا خطاب دیا، صاحبِ **دست و قدرت** کہا، "اواب" کا لقب دیا، **عبد** کہہ کر پکارا

(بقیہ صفحہ ۶۶) ہو چکی ہے اور دشمن سر پر سوار ہے۔ اسی قطع کی ترغیب ایک اجل زدہ قوم کیلئے باعث سعی و عمل ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں "امین" کی الٰہی اصطلاح ان معنوں میں کئی جگہ قرآن میں استعمال ہوتی ہے مثلاً اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ۝ (دخان ۴۴) میں۔ شارحین قرآن نے مذہب اور پیغمبران جہان کی تبلیغ کو عمداً بے معنی اور بے نتیجہ قرار دیے اور اس ترکیب سے اپنے نفس کیلئے آسانی پیدا کرنیکے واسطے یہ معنی اپنی طرف گھڑ لیے ہیں۔ ورنہ قرآن حکیم میں جا بجا اس تبلیغ کا نتیجہ یہی بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبروں کے پیغام کو قبول کرنے والے نجات پا گئے اور کافر **مغلوب** ہو کر **ہلاک** ہو گئے۔

† قرآن حکیم میں میثاق ایزدی کی تکمیل کا نتیجہ "جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" کہا گیا ہے لیکن انجیل میں جا بجا اس عہد کی تکمیل کا انعام دنیاوی اور **ابدی بادشاہت** لکھا ہے۔ (باقی)

عمل ہے، دُکھ اور تکلیف کا عمل ہے، قولوں اور عقیدوں، کلموں اور تعویذوں، تسبیحوں اور گوشوں کا عمل ہرگز نہیں! جو بات میری دانست میں مسلّم ہے یہ ہے کہ سب انبیائے کرام بلا استثنائے ادرے اپنی اپنی اُمّت کو اِس زمین پر **امن** دینے آئے تھے۔ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ **اَمِیْنٌ**† کا پیام لائے تھے، منصور اور **غالب** کرنے آئے تھے، **علم** کے ساتھ **حکم** لائے تھے، نہیں **حکم** حاصل کرنے کا **علم** لائے تھے، علم اور حکم کے ساتھ اس دنیا میں خوش اسلوبی سے اور مدت مدید تک رہنے کی **بڑی خبر** لائے تھے! اگر نوح علیہ السلام اپنی قوم کیلئے کوئی پیغام لایا تھا تو یہی بڑے امن دینے والے ایلچی (رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ (الشعراء)) ہونے کا تھا، یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا (نوح) کا تھا، یُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ (نوح) کا تھا، یَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْهٰرًا (نوح) کا تھا! اگر ہود علیہ السلام نے کوئی صلائے عام اس دنیا میں دی تو یہی اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ (الشعراء) کی دی، یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا (ھود) کی دی، یَزِدْکُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِکُمْ (ھود) کی دی، اَنَا لَکُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ (اعراف) کی دی، یُؤَخِّرْکُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی (ابراہیم) کی دی، بے مزد **امن** اور مَآ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ (الشعراء) کی دی! اگر صالح، لوط، شعیب علیہم السلام اپنی نابکار قوموں کو کچھ سنا گئے تو یہی امن کا پیغام سُنا گئے، اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ (الشعراء) کہہ کہہ کر چل بسے: یہی پکارا کہ **جنات زمین پر دوام** ہمارے علم پر عمل کرنے سے ہے، **امن** اسی قانون سے ہے، بقا اور ابقا ہم ہی سے ہے (اَتُتْرَکُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ ۙ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ (الشعراء)) ہماری ہی پیروی اور ہماری ہی **اطاعت** سے ہے (فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ (الشعراء))! اگر موسیٰ علیہ السلام نے بے سامان فرعون کو کچھ کہا تو یہی امن کا سامان بتلایا، یہی اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ (الدخان) کہا، یہی دوام اور **بقا** کی بشارت دی! نافرمانی کا نتیجہ بھی یہی ہوا کہ **جنات زمین** چھن گئے، بادشاہت چلی گئی، بنی اسرائیل وارث ہو گئے، قانون خدا پر عامل قوم نے جگہ لے لی، فرعونی ٹکر ٹکر پڑے دیکھتے رہے! کَمْ تَرَکُوْا

† اس آیہ شریفہ کے صحیح مفہوم کے متعلق شارحین قرآن نے حیرت انگیز غلطی کی ہے اور اَمِیْنٌ سے مراد "امانت دار پیغمبر" لے کر کہا ہے کہ انبیائے کرام نے اپنی اپنی قوم کو یہی کہا کہ میں تمہارے واسطے ایک **امانت** خدا کے ہاں سے لایا ہوں اور اس امانت کو تم تک پہنچانے کے لیے کوئی مزدوری نہیں مانگتا: اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۚ وَمَآ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الشعراء)۔ احکام خدا کو جلدی قبول کرنے سے تو میں گریز کیا کرتی ہیں **امانت** کے لفظ سے تعبیر کرنا اور پھر اس امانت کو صحیح سلامت پہنچانے کے لیے اجرت نہ مانگنا بھی ایک بے معنی مضحکہ انگیز اور لغو بات ہے گویا کوئی شخص کسی بیمار کو کہے کہ "بھائی میں تمہارے واسطے ایک نہایت کڑوی دوا طبیب کے ہاں سے بطور امانت لایا ہوں اور اس دوا لانے کی کوئی مزدوری نہیں مانگتا"۔ اس ترغیب کا اثر الٹا ہوگا کہ بیمار پر کچھ نہیں ہو سکتا اور نہ اس ترکیب سے دوا پینے پر آمادہ ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ امین کے لفظ سے الٰہی مراد امن دینے والے پیغمبر کی ہے اور پیغام یہ تھا کہ اے لوگو! میں تمہیں اس دنیا کے اندر امن دینے کیلئے آیا ہوں تمہاری گری اور شکستہ حالت کو قوت سے بدلنے کیلئے آیا ہوں اور اس امر کیلئے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔ اسی امن کو مد نظر رکھ کر فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ کہا گیا ہے یعنی اگر تم خدا سے اتقا کرو گے اور میری اطاعت کرو گے تو امن ہوگا۔ اور ایک جگہ مزید وضاحت کے لحاظ سے کہا ہے: اَتُتْرَکُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ ۙ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ (الشعراء) یعنی کیا تم ان جنات میں امن و سکون [illegible] ہمیشہ رہو گے کیونکہ تمہاری حالت [illegible] (راقم)

الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ وَذَکِّرْهُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ ؕ (ابراہیم ۱۴)۔ **وراثت زمین** کا مستقل نصب العین نبوت کے ہر مرحلے میں ہر نبی کے پیش پیش روز اول سے اسقدر رہا کہ وارث زمین و آسمان تعالیٰ نے **صالحیت** اور **صلاحیت** کا صحیح معیار بھی سب آسمانی کتابوں میں بادشاہت زمین ہی قرار دیا (وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ (انبیاء ۲۱)) ، یہی وہ بڑا پیغام، بڑی بشارت، بڑی خبر تھی جو انبیائے عظام ہر عبادت گذار، ہر گرفتار خدا، ہر ملازم اور پابند قانون خدا، ہر منکر ماسوا، قوم کے لیے لائے (اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ؕ (انبیاء ۲۱)) اسی بنا پر اگر ابراہیم علیہ السلام کو کوئی تڑپ تھی تو اسی وراثت زمین کی تھی، وارث زمین ہو کر صالح بننے کی تھی (رَبِّ هَبْ لِیْ حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۙ (الشعراء ۲۶)) ، اس کارخانہ جہان کی ملکوت کا علم حاصل کر کے اپنی قوم کو بقا کی راہ پر لیجانے کی تھی (وَکَذٰلِکَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ۝ (انعام ۶)) ، اخلاف میں ذکر خیر ہونیکے باعث زندہ رہنے کی تھی (وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۙ (الشعراء ۲۶)) ، اسی بنا پر مالک زمین و آسمان کی بڑی سے بڑی آزمایش کے بعد حضرت کو بڑے سے بڑا انعام اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ **اِمَامًا** (بقرہ ۲) کا ملا، ان کی اپنی اولاد کے بارے میں درخواست بھی اسی نعمت کے دوام کی تھی (قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ (بقرہ ۲)) وہ جب تک صاحب **علم و عمل** رہے اس موہبت کبرے کے وارث رہے۔ اُس علامہ مطلق خدا سے اولو **الایدی والابصار** کا خطاب حاصل کرتے رہے (وَاذْکُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (ص ۳۸)) جب علم و عمل نہ رہا، ظالم بن گئے! آل ابراہیم کو بھی یہی انعام ملا (اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا ۝ (النساء ۴)) ، اسمٰعیل، الیسع، یونس، لوط علیہم السلام اور اُنکے آباو اجداد، بہائی بند اور اولاد سب کو یہی بے مثال فضیلت دی (وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَکُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝ (انعام ۶)) ، نوح، صالح، ہود علیہم السلام کی قوموں پر بھی یہی مخالفین کی ہلاکت اور وراثت زمین کی وحی نازل ہوئی (لَنُهْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ۙ وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ (ابراہیم ۱۴)) ، بالآخر ان کو دریاؤں سے سیراب اور سرسبز جنات زمین میں داخل کر دیا (وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (ابراہیم ۱۴))

(بقیہ صفحہ ۶۸) میں پھر وعدہ ابدی سلطنت کا ہے اور کتاب اول سلاطین باب ۹ - آیت ۱-۹ میں اس سلطنت کو چھین لینے کی دھمکی بھی دی ہے۔ اس استدلال سے ظاہر ہے کہ مسلمانان عالم نے جنت کے لفظ سے (باقی)

(وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ (ص ۳۸)) ! 'شَدَدْنَا مُلْكَهٗ' اور 'اٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ' (ص ۳۸) کہا، 'اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا' (الانبیاء ۲۱)

کہا۔ سلیمان علیہ السلام کو اپنا بہترین بندہ اور 'نعم العبد' کہا، 'اوّاب' کے الٰہی لقب سے سرفراز کیا، فرمایا کہ ان کو ہمارے ہاں بڑا تقرّب اور بہترین مقام حاصل ہے (وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ (ص ۳۸))۔ اِس عظیم الشان نبیؑ کی دعا کا انداز بھی مدّۃ العمر یہی رہا کہ بار خدایا! وہ عظیم الشان سلطنت، وہ شوکت اور اُبّہت، وہ بے مثال جاہ و جلال نصیب فرما کہ کسی کو آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کا یارا نہ رہے (قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۝ (ص ۳۸))۔ ملکہ سبا کو گھر بیٹھے خط لکھا کہ مطیع ہو کر رہو گی تو خیر مناؤ گی ورنہ وہ جرّار لشکر لے کر آ دھمکوں گا کہ تمہارے اوسان خطا ہو جائینگے، مقابلے کی تاب ہرگز نہ لا سکو گی اور ذلیل و خوار ہو کر رہ جاؤ گی، (اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝ (نمل ۲۷)) اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ۝ (النمل ۲۷)۔ یہ سب کچھ اُس **ابدی سلطنت** کو محفوظ رکھنے کی تدبیریں تھیں، لیکن ارضی تصرّف کے یہ والہانہ انداز کچھ داؤد اور سلیمان علیہما السلام سے مخصوص نہ تھے، سب انبیائے کرام بلا استثنائے احدے اِسی رنگ میں رنگے آئے اور اِسی نمط پر اپنی اُمّتوں کو امن کے معراج تک پونہچا کر یا اُسکا مستقل سامان پیدا کر کر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بارگاہ الٰہی سے جب **قانون** ملا تو قوم کو اِسی اجتماعی شکست و ریخت، اِسی غلامی اور جمود کی ظلمتوں سے قوّت اور امن کی روشنیوں کی طرف نکالنے کا تھا، محکومیّت کے اندھیرے کو بادشاہت کے اُجالے میں بدلنے کا تھا، ناعاقبت شناسیوں اور ناانجام بینیوں کی سیاہی کو طاقت اور دوام کے نور سے اُچک لینے کا تھا، کاہل اور پژمردہ، غافل اور کامچور دلوں کے بِھچے ہوئے اور سیاہ حُجروں کو روشن اور منوّر، محشر انگیز اور زلزلہ خیز میدانوں سے بدل دینے کا تھا (وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۝ (ابراہیم ۱۴))۔ اِس سکون پذیر اور مائل جمود نسل انسانی کے اندر ایک عالم انگیز حرکت، ایک لازوال بالش، ایک متواتر سعی و عمل پھر پیدا کرنے کا تھا، نہیں خدا سے آگاہ کر کے پھر وہی "ایّامِ خدا" کو واپس لے آنیکا تھا، ایک مظلوم اور اجل زدہ قوم کو پھر سر بسر زندہ کر دینے کا تھا، الغرض غلامی کی لعنت اُتار پھینکنے کا تھا، **وراثت زمین** کا تھا، تیر اور **تلوار** کا تھا، **توپ** اور **تفنگ** کا تھا! (وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ

(بقیہ صفحہ ۶۷) (کتاب خروج باب ۶ - آیت ۳ - ۸) بعض جگہ اسکو شہد اور دودھ کی نہروں والی سرزمین کہا ہے (کتاب استثنا باب ۶ - آیت ۲ - ۳)، کتاب ثانی سموئیل باب آیت ۲۳ - ۲۹) (باقی)

نہ صرف جزو دین یا عین ایمان بلکہ **تمام دین** تھا، اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (صٰفّٰت) نہ صرف ایمان والوں کی علامت یا مومنوں کا نشان سیما تھا بلکہ غالب بننا تابع نبی اُمتوں کا واحد مطمح نظر تھا۔ دشمن قوم کی ہلاکت بھی اسیوجہ سے ہوتی تھی کہ وہ انبیا کے لائے ہوئے قانون پر عمل پیرا نہ ہوتے تھے، رنج اور محنت میں اپنے تن بدن کو ڈالنا پسند نہ کرتے تھے، احکام سے گریز کرتے تھے۔ یہی اُنکا نہ ماننے کے مترادف تھا، یہی **کفر** تھا، یہی تکذیب رُسل تھی۔ اور اسی بنا پر نبی کی تابع اُمت منکر گروہ پر غلبہ حاصل کر جاتی تھی۔ قرآن حکیم نے ایمان اور کفر کی اسی عملی کیفیت کو کسی قوم کی صلاحیت یا عدم صلاحیت کا صحیح معیار قرار دیکر یہ قطعی لازوال اور اٹل محاکمہ پیش کر دیا کہ صاحب ایمان قوم کے کافر قوم سے قتال کا نتیجہ ہر نوع اور بہر حال یہ ہے کہ ایمان والی قوم اس روئے زمین پر کبھی پیٹھ نہیں پھیرتی، جب پیٹھ پھیریں گے کافر ہی پھیرینگے۔ روز ازل سے یہ ایک طے شدہ امر ہے، **قانونِ خدا** ہے جو روز آفرینش سے برابر چلا آیا ہے اور جبتک زمین و آسمان قائم ہیں برقرار رہیگا: وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ (الفتح ۳۰)۔ گویا جہاں فتح و ظفر کا پرچم لہرا رہا ہے، جہاں ایک قوم کو دوسرے گروہ پر غلبہ حاصل ہے۔ جہاں ایک طرف عجز اور بے بسی، اور دوسری طرف قوت اور استیلا قائم ہے، وہیں ایک قوم انبیا کے خدا کے ہاں سے لائے ہوئے مشترک قانون کی صحیح معنوں میں **مومن** ہے۔ اُس العلم کے کسی نہ کسی اہم حصے پر عمل کر رہی ہے، نہیں اس علم و عمل کی وجہ سے ہی کامیاب ہو رہی ہے، وہیں دوسرا گروہ اس قانونِ خدا سے **کفر** کر رہا ہے، اس کا عملاً منکر ہے۔ یا اُس کی کما حقہ تعمیل کرنے میں کسر رہ گئی ہے، یا مخالف فریق اُسپر بہتر اور باحسن وجوہ عمل کر رہا ہے فتح و نصرت کا سلسلہ جبتک قائم ہے، کفر و ایمان کا یہ محاکمہ قطعاً پورا ہوتا رہیگا۔ خدا کے قانون کی پہلی اور آخری دفعہ یہی ہے کہ ایمان بہر نوع فتح و نصرت کے **مترادف** اور کفر بہر حال شکست اور زوال کے **ہم معنی** ہے!

اسلاف انبیا سے قطع نظر خود نبی **آخر الزمان** علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واحد مطمح نظر روئے زمین پر غلبہ حاصل کرنا اور اُمتِ عرب کو بقا و دوام کے معراج پر پہنچانا تھا، یہی اُن کے مبعوث ہونے کی **واحد** اور صحیح غرض

عام اور قطعی محاکمہ دے دیا کہ ایمان اور عمل صالح کا اٹل نتیجہ بادشاہت زمین ہے (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (النساء)) ، ابدی سلطنت ہے، خلد مرحمت ہے (خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا (النساء)) ، نہیں بلکہ صاف، غیر مشکوک اور ناقابل تاویل الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر قانون خدا سے منہ پھیر لوگے تو اجتماعی **ہلاکت قطعی** ہے، (يَسْتَخْلِفْ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (ھود)) کا عذاب ہے، محکومیت کا جہنم ہے، غلامی کا طوق لعنت ہے، خوف حزن ہے، عجز اور بے بسی ہے، دنیا خراب اور جو آگے چلکر ملنا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے (فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَيَسْتَخْلِفْ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۡ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ (ھود)) ، برخلاف اسکے اگر نبی کے لائے ہوئے قانون کی پیروی کروگے تو اس کا اٹل نتیجہ یہ ہے کہ دشمن عن قریب ہلاک ہوجائے گا، تم خود اُسکی زمین کے وارث بن جاؤگے، مستخلف فی الارض ہونے کا مقام حاصل ہوگا اور بعد ازاں جو کچھ ہے تمہارے اعمال پر منحصر ہے اگر اسی طرح عمل کرتے رہوگے تو جبتک زمین و آسمان قائم ہیں بادشاہ زمین بنے رہوگے ورنہ اس خوب صورت اور منظم، اس باسلیقہ اور خدا کی اپنی حفاظت میں لی ہوئی زمین سے تمہارا بیک بینی و دوگوش نکال دیا جانا قطعی ہے! (قَالَ عَسٰي رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (اعراف)) ۔ یہ دنیا دار المحن ہے، اسمیں جو شئے پائدار ہے سعی و عمل ہے، محنت اور تکلیف برداری ہے، بے عمل اور جمود زدہ قوم کا یہاں پر صلاً اور طبعاً گذارہ نہیں!

الغرض وراثت زمین اور تمکن فی الارض کا اہم نصب العین نشاۃ آفرینش سے اسلاف انبیا کے پیش نظر بلا شرکت غیرے رہا، وہ تمام عمر اسی بات کے درپے رہے کہ اپنی اُمتوں کو اس لازوال قانون، اُس اٹل آئین عمل، اُس **امر** ربّ العٰلمین، اُس **العلم** سے آگاہ کرکے عمل پیرا کردیں جس کا نتیجہ اجتماعی بقا ہے۔ دوام فی الارض ہے، بادشاہت اور غلبہ ہے۔ یہی اُنکا لایا ہوا دین تھا، اور افراد اُمت کا اسی طرز عمل کو تسلیم کرکے اسپر عمل پیرا ہوجانا انبیا کے مذہب کو **ماننے** کے مترادف تھا، یہی اُنپر **ایمان** لانیکے معنی تھے، یہی ایمان کا لازمہ بلکہ بذات خود ایمان تھا۔ اسی بنا پر رسل کا اس دنیا میں مظفر و منصور ہونا لازمۂ رسالت تھا، (اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ (صٰفّٰت)) کا مصداق بننا

(بقیہ صفحہ ۶۹) اُخروی جنت ملنے میں کسقدر فاش غلطی کی ہے لیکن یہ بحث اصل کتاب صفحہ ۱۱۵ - ۱۱۶ پر کی گئی ہے۔

یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْا اَمْثَالَکُمْ (محمد)، ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْکَنَةُ (بقرہ) سے ڈرایا، فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (توبہ) کہکر ڈرایا، اجتماعی زوال کی آسمانی بجلی سے ڈرایا، (کَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ بَلٰغٌ، فَهَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ (احقاف)) ! اگر کچھ قوم کے پیش نظر کردیا تو یہی دنیاوی حالت کی بہتری کردی (سَیَهْدِیْهِمْ وَیُصْلِحُ بَالَهُمْ (محمد))، اجتماعی زبون حالی کے دور کردینے کا وعدہ کیا (کَفَّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ (محمد)، جنات زمین پیش پیش کردیئے۔ منکروں کی خستہ حالی کا سماں باندھ دیا (اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ (محمد)) نیز اَوْرَثَکُمْ اَرْضَهُمْ وَدِیَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ (الاحزاب) کا احسان جتلایا، قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ (الاحزاب) اور وَعَدَکُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ کَثِیْرَةً (الفتح) کا انعام بتایا، الغرض جس رنگ میں آسمانی پیغام دیا اُس کا منتہائے جلیل یہی اجتماعی تمکن اور وراثت زمین ہی رہا۔ قرونِ اولیٰ کی اسلامی زندگی کے تمام عملی ماحول کو پیش نظر رکھکر دقیقہ رس اور حقیقت شناس شخص کیلئے آج بھی اس امر کا اعتراف کچھ متعذر نہیں کہ عہد رسالت میں اور اُسکے کئی برس بعد تک ہر مسلمان کی زندگی اسی واحد نصب العین کے لیے **وقف** رہی، ہر فرد اسی "الاعلون" بن کر رہنے کو عین **اسلام** بلکہ تمام **ایمان** سمجھتا رہا؛ ہر متنفس کا منتہائے عمل، اُسکا اُٹھنا اور بیٹھنا، اسکی زندگی اور موت اسی امر کے درپے رہی کہ یا اسلامی اخوت اپنی مسامحت کے زور پر خود بخود اسقدر وسیع ہوتی جائے کہ دشمن ایک باقی نہ رہے یا منکر یہ یسا منسیا کردیئے جائیں کہ سب طرف یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ (انفال) کا سماں بندھ کر رہے! چپقھڑے کے پرتلوں میں حمائل کی ہوئی تلواریں اور رسیوں سے مرمت کیے ہوئے نیزے اس عہد نبوت میں جزو اسلام تھے۔ سر کفن اور تیغ بہ بر مجاہد ہوکر رہنا سچے "مسلمان" بننے کی نشانی تھی، زخموں پر پٹیاں باندھنے اور بزدل خاوندوں سے ناراض رہنے والی بیبیاں صحیح معنوں میں "مومنات" تھیں۔ یہ وہ اسلام اور وہ ایمان تھا جسکے باعث سرور کائنات کی وفات کے بعد بارہ برس کے اندر اندر عرب مسلمانوں نے سطح زمین کے **چھتیس ہزار** شہر اور قلعے سر کرلیے تھے، **چار ہزار** ہیکلوں اور بتخانوں کو پیوند زمین کردیا تھا، صدہا گرجے مسجدوں میں تبدیل کردیئے تھے

تھی (هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (صف ۶۱) نہیں بلکہ اسی غالب ہوکر رہنے کے علم کو حاصل کرکے اُس پر عامل ہوجانا عین اسلام اور عین دین بلکہ تمام اسلام اور تمام مذہب تھا۔ سرور کائنات اگر کوئی پیغام بشارت اپنی قوم کے لیئے لائے تو یہی یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا (ہود ۱۱) کا لائے، نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ (صف ۶۱) کا لائے، لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ (نور ۲۴) کا لائے، لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (نور ۲۴) کا لائے، هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (مائدہ ۵) اور اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (اعراف ۷) کا لائے، قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ (آل عمران ۳) کا لائے، لِیَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ (انفال ۸) کا لائے، اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ اور تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ کے بعد فَاٰوٰىكُمْ وَاَیَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ (انفال ۸) کا لائے، **وارث زمین** بناکر خدا کی نظروں میں **صالح** اور **عابد** بنجانے کا لائے (وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ۝ (الانبیاء ۲۱)، نہیں بنی نوع انسان کو متمکن فی الارض کرکے حفظ و امن دینے آئے، دوام اور بقا دینے آئے خوف کی ظلمتوں سے نکالکر امن کے نور کیطرف لے آئے (كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۙ (ابراہیم ۱۴))، دشمنوں سے ناک رگڑوا کر اُس نور کو پورا کرنے آئے (وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (صف ۶۱))، متحد کرکے قوی اور بے خوف و خطر کرنے آئے! اسی نقطۂ نظر سے وہ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء ۲۱) تھے، صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (یٰس) پر تھے*، فرستادۂ خدا تھے، بَشِیْر اور نَذِیْر تھے۔ اس نیک سیرت نبی نے اگر اپنی قوم کو کسی فوری عذاب سے ڈرایا، تو اسی اجتماعی ہلاکت کے جہنم سے ڈرایا، مجموعی راحت اور دنیوی امن کی شاہ راہ دکھلاکر شکست و انحطاط کے یَوْمٍ كَبِیْرٍ سے ڈرایا (یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّیُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ كَبِیْرٍ ۝ (ہود ۱۱))، غیر قوم کے عرب پر متسلط ہوجانے کے عذاب الیم سے ڈرایا (اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ (توبہ ۹))، محکومیت اور غلامی کے سعیر سے ڈرایا (وَاِنْ تَتَوَلَّوْا

* صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کے متعلق ایک مختصر اور فیصلہ کن بحث عربی افتتاحیہ میں صفحہ ۱۲۹-۱۳۸ پر آچکی ہے۔ اور اصل کتاب میں صفحہ ۲۲۴ پر پھر آئیگی لیکن یہاں پر سورہ فتح کی چند نہایت معنی خیز اور حقیقت کشا آیتوں کو پیش کردیا جاتا ہے جن میں صراط مستقیم کے الفاظ واقع ہوئے ہیں اور جن سے یہ حقیقت اور بھی واضح ہوجاتی ہے کہ دشمن پر ہر نوع **غالب** ہوکر رہنا، انکے وسائل دفاع اور مال و متاع کو **لوٹ کھسوٹ** کر انکو **بے دست و پا** کردینا اور اپنی جماعت کو انکے دست تعدی سے حتی الوسع **بچائے** رکھنا ہی خدا کی نظروں میں اس دنیا میں رہنے کا راہ راست اور صراط مستقیم ہے بیعت رضوان کے ذکر میں ارشاد الٰہی ہے: لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۙ وَّمَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَیَهْدِیَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۝ (الفتح ۴۸)۔ مزید توضیح کے لیئے اصل کتاب صفحہ ۲۳۳ کو دیکھا جائے۔

ماحول پیدا کرنے والا اسلام تھا! اِس اسلام میں **شدّت** تھی (اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ (الفتح))، اِس میں سختی اور **غلظت** تھی (وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ (توبہ))، اِسمیں دعوت اور اضطراب تھا، انانیت اور اعتصاب بھی تھا (اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران))، فاتحانہ تجرّد اور فاخرانہ تحکّم تھا (لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (آل عمران))، اسمیں حمیت اور **عصبیت** تھی مگر **تعصّب** قطعاً نہ تھا، مذہبی اور اعتقادی تجرید ہرگز نہ تھی، یہود سے یہود ہونیکے باعث نفرت نہ تھی، عیسائی سے عیسائی ہونیکے باعث اجتناب نہ تھا، ہنود سے کرشن علیہ السلام کی وجہ سے مخالفت نہ تھی، پارسی سے زرتشت علیہ الرحمۃ کی پرخاش نہ تھی، نہیں اسلام سے محمّد مرسل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی وجہ سے عناد نہ تھا (وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِیْنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْئًا وَسَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰکِرِیْنَ (آل عمران))، **دین خدا سے دینِ محمّد** ہونے کے باعث محبت نہ تھی۔ سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والسلام کی وفات کے بعد جب حضرت عمرؓ نے تلوار ہاتھ میں لیکر ارادتاً یا مصلحتاً لوگوں سے کہا کہ رسولِ خدا مرے نہیں تو حضرت **ابوبکرؓ** نے منبر پر چڑھکر فرمایا کہ "لوگو! اگر رسولِ خدا کی تلاش میں ہو تو وہ تو انتقال کر گئے لیکن **خدا** زندہ ہے اور اُسکو موت ہرگز نہیں"۔ یہ سب اسلیے کہ اُس اسلام کو **محمّد** سے بحث نہ تھی، اُسکو اُس جسم اطہر سے غرض نہ تھی جو مٹی میں ملکر مٹی ہو جانیوالا تھا، اُن کو بنی نوع انسان کیطرف خدا کے بھیجے ہوئے **قاصد** کو بُت بنانا مدّنظر نہ تھا، اُنکو **پیغام** خدا سے غرض تھی، نامہ ربّ العٰلمین سے بحث تھی، بنی نوع انسان کیطرف خالق زمین و آسمان کے بھیجے ہوئے **خط** کی بیتابی تھی، مکتوب کو چھوڑکر نامہ بر کی آؤ بھگت کرنا کچھ مدِّنظر نہ تھا! وہ اِس بات کے درپے تھے کہ حکمنامہ خدا کی **تعمیل** ہو، **مشیت ایزدی** پوری ہوکر رہے، جو شئے وہ بادشاہوں کا بادشاہ چاہتا ہے اُسکی تکمیل ہو، جو نفس پیغام ہے اُسکی طرف توجہ ہو، یہ دین **خدا** کا بھیجا ہوا دین ہے، سب انبیاء کا لایا ہوا دین ہے **محمّد** (صلعم) کا بنایا ہوا دین ہرگز نہیں! یہود اور نصارےٰ سے تجرّد بھی اِسی عدم تعمیل کی بنا پر تھا، وہ اس نصب العین کے درپے تھے کہ ربّ زمین و آسمان اپنے سب بندوں کے ساتھ مساوات اور اتحاد چاہتا ہے، نسلِ انسانی کا دوام

ستو برس کے اندر اندر اس اولوالعزم نبیؐ کے اولوالعزم پیرو اُندلس کی برفانی چوٹیوں اور فرنسہ کے سرسبز میدانوں میں جا دھمکے! افریقہ کے تپتے ہوئے بیابانوں کو چشم زدن میں طے کرکے جنات زمین کی تلاش میں لگ گئے، خدا کی زمین خدا والوں نے شیطان والوں سے جبراً اور کرہاً چھین لی، کسریٰ کی عظمت کو ملیامیٹ کردیا، قیصر کے تخت کی بنیادیں ہلادیں، فرعون کی کھوپری پر گھوڑے دوڑائے، ادھیراج مہاراجے رام رام پکار اُٹھے، یورپ کے بلندنشینوں کو فرش پر گرادیا! مذہب اسلام بعد میں خواہ کچھ کا کچھ بن گیا ہو، اسکی یہ مرزل الارض صورت ناحقیقت شناس لوگوں کی متفقہ تاویل سے یا عوام کے متفقہ مکر کے باعث کچھ کی کچھ بن گئی ہو، سعی وعمل کی وہ لشکرانگیز اور کارکن تڑپ' اقوال' اور اعتقاد' کی آرام دہ اور ناکارہ صورت میں بدل چکی ہو، مگر قرآن حکیم کے **طالب العلم** اور مذہب کی تہ کو پہونچنے والے دقیقہ رس کے لیئے، نہیں بلکہ پیام خدا کو ابتدائے آفرینش سے اخیر دم تک **ایک** یقین کرنے والے حقیقت شناس کے لیئے اِس واقع الامر سے انکار کرنا محال ہے کہ خاتم النبیینؐ کا لایا ہوا اسلام دراصل وہی **قرن اوّل** کا اسلام تھا، وہی ابوبکرؓ اور عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ والا اسلام تھا، خالدؓ اور طارقؒ، مسلمؒ اور ابوعبیدہؓ والا اسلام تھا، غالب بنکر رہنے اور پیٹھ نہ پھیرنے والا اسلام تھا، دوست کو آغوشِ لطف ومرحبا میں لیکر تنومند کردینے والا اسلام تھا، دشمن کو مہلت دے کر نیست ونابود کرنے والا اسلام تھا، سب بنی نوع انسان کو سطح زمین کی متحد، بے روک ٹوک اور بے خوف وخطر **بادشاہت** پر قائم کرکے، نسل انسانی کو باہم **فساد** سے پاک اور **ایک** کردینے والا اسلام تھا حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (انفال)، نہیں گبر وبرہمن، یہود اور عیسائی، آتش پرست اور گورپرست کے سب ہادیوں اور پیغمبروں، سب رہنماؤں اور رسولوں کو اسی **الاسلام** کے حامل قرار دے کر، اسی **وارث زمین** اور **متحد** بنانے والے پیغام کے مبلغ یقین کرکے، اِسی مذہب' اسی جائے ذہاب' اور اسی راہ عمل' کے ناشر مانکر سب کے درمیان **تفرقہ** اور مخالفت مٹادینے والا اسلام تھا! سب انسانوں کو ایک خدا کے مشترک بندے، ایک باپ کے ہم مرتبہ بیٹے، ایک نوع اور ایک جنس کے یکساں اور مساوی افراد یقین کرکے اُن کے درمیان دُعَآءُ بَيْنَهُمْ کا

اُن کے پیچھے صف آرا ہو جانا نہ تھا! یہی سچی اور بے لاگ **توحید** تھی، یہی **توحید فی الرسالت** کے صحیح معنی تھے! (مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا (آل عمران)) ! آج جو قومیں اس الاسلام اس دینِ محمدؐ، اس مذہب خدا اور راہ مالک الملک کے عُشرِ عشیر پر بھی صحیح معنوں میں عمل پیرا ہیں، جو **وراثتِ زمین** کو انسان کا صحیح معنوں میں واحد نصب العین اور یکتا مذہبِ عمل یقین کر کے اس **رہنرنی** میں دن رات لگی ہیں، جو **لاشریک** بادشاہت کو خدائے بے ہمتا کا واحد حکم سمجھکر اس حکم کو فعل میں لانے کی سعی کر رہی ہیں، جو مالک زمین و آسمان کو قوی و عزیز سمجھکر **قوت** اور **عزت** حاصل کرنیکے درپے ہیں، جو اسکو سمیع اور بصیر اور علیم یقین کر کے 'تخلقوا باخلاق اللہ' کے کسی حصے پر عامل ہیں، نہیں جو وراثت زمین کو اپنا دین و ایمان، اپنا سچا مذہب اور مسلک یقین کر کے اور سب دینوں سے مستغنی ہیں، عیسویت اور موسویت، ہندویت اور محمدیت کی سب اعتقادی بھول بھلیوں سے بے نیاز ہیں، اپنی جماعت کے اندر ایک اٹل عصبیت ایک عالم آرا وحدت، ایک دشمن کُش اتحاد پیدا کر کے عاجز کو اور عاجز کر رہی ہیں، اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کی سچی تصویر ہیں نہیں جو قومیں اُس صناع بیمثال کے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے کیڑوں اور مکوڑوں، پرندوں اور حیوانوں کے اعمال و عادات، معمولات اور اخلاق کا صحیح مطالعہ کر کے اُنہی کی طرح اس زمین کے بر و بحر پر، اُسکے بالا و پست پر، اُسکے جبل و سہل پر، اسکے تحت الثریٰ میں، تحت البحر میں اور جوف آسمان پر ہر ممکن طریقے سے **قابض** ہونا چاہتی ہیں، اُنہی کیطرح کے ایک قطع کے آشیانے، ایک رنگ کا لباس، ایک طرز رہایش، ایک دستور العمل، ایک شکل و صورت، ایک نصب العین، ایک قاعدہ اور طریقہ، ایک دین، ایک مذہب، اپنے افراد کے اندر قائم اور دائم کر کے ایک اٹل عصبیت اور جہاں شکن زور اپنے اندر پیدا کر رہی ہیں۔ ہاں جو قومیں اُس **دین فطرت** پر چل رہی ہیں جو ہر صاحب سمع و بصر کو ہر جا اور ہر وقت اِن آنکھوں کے سامنے نظر آرہا ہے جو فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (روم) کا صحیح مصداق ہے، جو قومیں **اس طرح** پر اپنے پاجاموں اور پگڑیوں، اپنی داڑھیوں اور مونچھوں کو جزو دین سمجھتی ہیں، اور اس اٹل اور زور آور اتحاد کو، اس یگانگت اور یک رنگی کو، اس تمکن اور یکتائی کو، اس لاشریک

بقا چاہتا ہے۔ انسان کو اس زمین پر صحیح معنوں میں اپنا **خلیفہ** بنانا چاہتا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی تکمیل چاہتا ہے۔ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (مائدہ) چاہتا ہے، سطح ارض پر **ایک** متحد قوتیت کا تسلط چاہتا ہے (وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً (ہود))، مشرق اور مغرب کا، شمال اور جنوب کا، بر و بحر کے مکین کا آپس میں کامل اتفاقِ عمل چاہتا ہے، فساد سے فی الجملہ ناخوش ہے، زمین کی متحدہ خلافت کا نصب العین پیش کرکے سب کا ایک طرزِ عمل، ایک دین، ایک صراطِ مستقیم، **ایک ملت** چاہتا ہے، سب انبیا کو اسی پیغام کا حامل، اسی اہم دستور العمل کا مبلغ، اسی عسیر الحصول آماجگاہ کا مشاق قرار دیتا ہے، ہر انسان سے یہ بات قبلوا کر سب کو **ایک** کر دینا چاہتا ہے، ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ (روم) کے ہلاکت انگیز منظر کو یک قلم دور کرکے خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (ہود) کا امن افزا ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے، اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ (ابراہیم) کے محشر انگیز سے کو حتی الامکان پیدا کرنا نہیں چاہتا! یہی وجہ تھی کہ صدر اسلام میں ختم رسل کا لایا ہوا دین صرف ایک **جمہوریت** تھا، ایک بنی نوع انسان کا بلا امتیاز رنگ و نسل اور بلا اختلاف قوم و مذہب بھائی چارہ تھا، ایک زبردست اور عالمگیر اخوت تھا، ایک اٹل اور غالب عصبیت، ایک محکم اعتصاب شرکت تھا، دوسری قوموں کو ناحق چڑا کر، اُنکے مقدس پیغمبروں کو گالیاں دیکر، اُنکے محرف یا غیر محرف دین کو بُرا بھلا کہکر اپنا دشمن بنا لینا اُس اسلام کا نصب العین ہرگز نہ تھا! اسی مسامحت اور بلند نگاہی کے باعث اس دین میں مقناطیس کی جاذبی کشش پیدا ہوگئی تھی، یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (نصر) کا سماں ہر طرف نظر آتا تھا، اسی کے باعث زمین کے ایک بڑے سے بڑے حصے پر امن پیدا ہوگیا تھا، **الٰہی حکومت** مالک ارض و سما کی منشا کے عین مطابق قائم ہوگئی تھی، دوست ماں جائے بھائی کیطرح بغلگیر ہوتے تھے، دشمن موت کے انتظار میں دم بخود تھے۔ امن اور بادشاہت تھی، اکراہ اور اجبار نہیں تھا، دین کو لوگ فرقہ بندی نہ سمجھتے تھے، نصرانیوں اور یہودیوں کے بالمقابل محمدی بننا اکثر نہ جانتے تھے، اُن کے پیش نظر صرف قانون خدا کا عملاً مطیع بننا تھا، **مسلم** بننا تھا، خدا کے بھیجے ہوئے دستور العمل کو پیہم سعی و عمل سے نباہنا تھا، خدا کے آخری رسول کو **بُت** بنا کر

يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (بقرہ) ، میری سب مخلوق اپنی فطرت اور **ہدایت** پر روز آفرینش سے چل رہی ہے، یک سرِ مُو اِدھر اُدھر نہیں ہٹتی (اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ)) ، مگر انسان اپنی جبلت کو بھول بھول کر اپنے آپ کو دُکھ میں ڈال رہا ہے (وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ)) ۔ بارہا پیغمبر اسی **دینِ فطرت** کو لائے ، مگر انہیں اپنی جبلت پر چلتے رہنے کا عزم نہ تھا ۔ میں **لاشریک** خدا ہوں ، کسی دوسرے خدا کا اس زمین و آسمان کے اندر ہونا مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا ، اگر اس کائنات کے اندر میرے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو یہ زمین و آسمان کبھی کے بگڑ گئے ہوتے (لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء)) ، میں خود اپنی فوجوں سمیت اُس پر چڑھائی کر دیتا اور اسکو پچھاڑ کر رہتا (وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (المومنون)) ، تم بھی اسیطرح اس میری بنائی ہوئی زمین پر **لاشریک** رہو ، کسی کو اپنے مقابلے میں آنے نہ دو ، وُہ غالب بن کر رہو کہ زمین پر **فساد** کی کوئی صورت باقی نہ رہے ! یاد رکھو کہ میں خدا ہوں لیکن تم **مظہرِ خدا** ہو ، اوصاف الٰہی کا **مجسمہ صغریٰ** ہو ، میری طرح سمیع و بصیر ہو (فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (دہر)) ، قلبِ سلیم رکھتے ہو ، صاحبِ ست قدرت ہو ، مالک ارادہ ہو ، اُولی الایدی والابصار (ص) بن سکتے ہو ، میں نے تمہاری جبلت کے اندر اپنی لازوال اوصاف کا ایک جزوِ صغیر ڈال رکھا ہے ، اپنی رُوح تم میں پھونک دی ہے (نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (ص۔ حجر)) ! یہ اسلیئے کہ میں تم سے وہی چاہتا ہوں جو میں **خود** ہوں ، وہی کہتا ہوں جو کر رہا ہوں ۔ میں خود قوی اور عزیز ہوں ، تمہاری بھی قوت اور عزت چاہتا ہوں ۔ جبار اور قہار ہوں تم سے بھی جبر اور قہر چاہتا ہوں ۔ رحیم اور رحمٰن ہوں تم سے بھی مسامحت اور رواداری کا متمنی ہوں ۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ (رحمٰن) کا مصداق ہوں تم سے بھی انتہائی سعی و عمل چاہتا ہوں ، خلاق عظیم ہوں ، تم سے بھی بڑی بڑی ایجادات اور اختراعات کا متوقع ہوں ، تم اس زمین پر میرے **قائم مقام** ہو ، **خلیفۂ خدا** ہو ، فرشتوں کی مرضی کے برخلاف تم کو یہ مقام منسوخ مل چکا ہے (وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ

بادشاہت زمین کو، اِس لَا یُشْرِکُ فِی حُکْمِہٖ اَحَدًا (کہف) کے الٰہی اخلاق کو، اس نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ (مریم) کی ربانی صفت کو، اِس لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ (مومن) کی کبریائی خاصیت کو اپنا واحد شعار اور ایک مذہب سمجھتی ہیں اور اِسکے سوا کسی انسان کے من گھڑت مذہب، کسی خود ساختہ شریعت، کسی لمبی داڑھیوں اور مسواکوں، کسی ٹھیلوں اور استنجاؤں، کسی پگڑیوں اور پاجاموں کو **اتحاد** کے نصب العین سے علٰحدہ کرکے نہیں جانتیں، وہی آج فطرت کے خزانۂ عامرہ سے **انعام** پا رہی ہیں اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ (فاتحہ) کی مصداق ہیں، اُنہی پر رحمت ایزدی کا موسلا دھار مینہ لگاتار برس رہا ہے۔ اور جب تک اِس **صراط مستقیم** پر ہیں لگاتار برستا رہے گا۔ خدائے عزوجل نے اسی دین فطرت، کی ماہیت کو کوتاہ نظر اور نابلد انسان پر واضح کرنے کی غرض سے اعلان کردیا تھا کہ اگر اِس دنیا کے اندر صراط مستقیم چاہتے ہو تو یہ سمجھ لو کہ سب حیوانی اُمتیں اور سفلی مخلوق **تمہاری ہی طرح** کی اُمتیں ہیں جو وہ کر رہی ہیں وہی **منشائے خدا** ہے، جو کچھ اُنکو سکھلا دیا ہے **میری** ہی مشیت ہے ہم نے اِس کتاب عظیم کے اندر جو کہنا تھا کہہ دیا ہے اب ذمہ داری اور جواب دہی کا بوجھ تمہاری گردن پر ہے۔ سمع و بصر اور قلب سلیم تمہیں ارزانی ہے، اب جان بوجھکر گونگے اور بہرے اور اندھے بن جاؤ تو اسکی سزا آپ بھگتا کروگے، وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ اِلَّآ **اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ** ؕ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ **مِنْ** شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّہِمْ یُحْشَرُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّبُکْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یُضْلِلْہُ ؕ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْہُ عَلٰی **صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ** (انعام)۔ **مچھر** کا نیش مار کر اپنے آپ کو اعلون ثابت کرنا، یا زمین کے ایک بڑے سے بڑے ٹکڑے پر قبضہ کرکے انسان کو مار بھگانا **میری** ہی بنائی ہوئی فطرت ہے، مجھے اُس باایمان وجود کی مثال بیان کرتے ہوئے کچھ شرم نہیں آتی کیونکہ وہ بہر نوع **مومن** ہے، اور اپنی ذراسی بساط کے مطابق اعلون رہنے کی سعی کرتا ہے؛ خدا کے روز اوّل سے باندھے ہوئے **عہد** کو توڑتا نہیں! اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَہَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّہِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِہٰذَا مَثَلًا ؔ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَہْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ بِہٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَہْدَ اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ ۠ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَ

† سطح زمین کے متعدد حصوں پر سفلی مخلوق نے اسقدر مستحکم قبضہ کرلیا ہے کہ انسان کے لیئے ان اقطاع میں آباد ہونا قطعاً محال ہوگیا ہے †

إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَآيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (جاثیہ ۴) کی نفیس و مصور صورت قطعاً عیاں ہوگئی تھی! اگر آج یہی اسلام کسی بڑی بڑی پگڑیوں والے مولوی حضرات، یا گز گز بھر لمبی داڑھیوں والے فقیہوں کی کم نگہی کے باعث مسواکوں اور ڈھیلوں، استنجاؤں اور پاجاموں، عماموں اور داڑھیوں کے اندر گھس چکا ہے، اگر اسکی اشد شدید حکمت اور مسلغ علم حیض و نفاس کے مسئلوں، گردن مروڑی مرغیوں کی تشریحوں، آمین بالجہر اور رفع یدین کی بحثوں پر ختم ہو چکے ہیں، اور اُدھر قاہر اور **شدید العقاب** خدا اپنے سب اگلے دیئے ہوئے انعام ایک ایک کر کے غیروں پر بانٹنے میں مصروف ہے تو خودکشی کی اس حسرت انگیز صورت کو پیدا کرنے میں قرآن یا اسلام کا کیا گناہ ہے! **فتح قسطنطنیہ**† کے محشر انگیز ایام میں رومی اور یونانی بھی اسی قطع کی مضحکہ انگیز بحثوں میں مصروف تھے اُن کا مابہ النزاع بھی یہی تھا کہ "عشائے ربانی" کے موقع پر عیسیٰ علیہ السلام نے جو کھانا حواریوں کی معیت میں کھایا تھا اُسمیں روٹی **خمیری** یا **فطیری** تھی! اسی پر آپس میں خون کی ندیاں بہ جاتی نہیں، اسی پر ایک فرقہ دوسرے گروہ کا پشتینی دشمن بن چکا تھا، دین خدا کی حفاظت میں سب کے سب انہوں کو کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے، خمیری یا فطیری کا منہ سے کہہ دینا **ایمان** یا **کفر** کے ہم معنی بن گیا تھا! ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا، مگر درسِ خدا سے باخبر مسلمانوں کا قائد اعظم **محمد فاتح** اُدھر اپنی محاصرہ کرنے والی بڑی توپوں اور قلعہ شکن منجنیقوں کو قرہ حصار پر لگانے میں مصروف تھا اور ابن اللہ کی روٹی کے قضیئے کو از بس غنیمت سمجھکر روز بروز شہر کے نزدیک پہنچتا جاتا تھا! اس مضحکہ انگیز خودکشی کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ دس مہینے کے اندر اندر محمد اللہ اکبر کہتے کہتے شہر میں جا داخل ہُوا اور ابن خدا کی روٹی کے شیدائی اس طرح دُم دبا کر بھاگے کہ آج اُس سرزمین میں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے اُس نسل کا ایک فرد باقی نہیں ملتا! عہد حاضر کے مسلمان بھی جو مرضی ہو کرتے رہیں مگر خدائے قاہر کے انتقام کی یہی وہ دردناک صورت ہے جو ہر ظلم کار قوم پر ہمیشہ سے عائد ہوتی رہی ہے اور جبتک خدا کا قانون اس زمین پر جاری ہے یہی ہوتا رہے گا! وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ۝ (ہود) +

† ۸۵۷ ہجری مطابق ۱۴۵۳ عیسوی میں قسطنطنیہ ترکوں کے قبضہ میں آیا +

مَالَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ) اسلیئے اُن کے طعنہ آمیز قول کے مطابق اس زمین پر **فساد** پیدا نہ کرو! میری ہی تکبیر اعلا میں لگے رہو، تمہیں اسلیئے ممتاز کیا گیا ہے کہ تم میں علم ہے، **علم اسماء** اور علم **حقائق الاشیاء** کی **کامل استعداد** رکھ دی گئی ہے، اِن بیچارے فرشتوں میں یہ بات اصلاً نہیں: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا **عِلْمَ** لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ (بقرہ)، یہی علم وعمل تم کو اس دنیا میں سرفراز کرے گا، یہی خلیفہ خدا ہونے کا سچا اہل بنائے گا، یہ سب ملائکہ بھی تمہارے ہی خادم ہیں، تمہارے ہی مطیع بن کر رہیں گے، تمہیں ہی سجدہ کرتے رہیں گے، یہ جو کچھ زمین وآسمان میں ہے تمہارے لیئے ہی مسخر کر رکھا ہے (وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ (جاثیہ)) تمہاری ہی اطاعت اور تمہارے ہی استعمال کے لیئے ہے بشرطیکہ تم اُسکے اہل بنو، اگر کہیں کوئی شے تم سے برگشتہ ہو کر رہے گی تو وہ **شیطان** ہے۔ اُس پر غالب آنا تمہارا کام ہے، وہی تم سے اکڑ اکڑ کر رہے گا اور مطیع بنا حتی الامکان گوارا نہ کرسکے گا۔ پس اس خلافتِ خدا کے **اہل** بنکر دکھاؤ، **لاشریک** اور **قوی** بنکر دکھاؤ، **عالم** اور **عامل** بنکر دکھاؤ، یہ دنیا دارالمحن ہے، اس میں بے علم اور بے عمل قوم کا طبعاً کچھ گذارہ نہیں!

قانونِ خدا کا یہ وہ حیرت انگیز اور حقیقت کشا **علم** تھا جسکو تیئیس برس کی جاں گزا اور روح فرسا محنت کے بعد پاکر عرب کی امی اور اُجڈ، بے ہتیار اور بے زر قوم نے روئے زمین کے چھتیس ہزار شہر بارہ برس کے اندر اندر سر کر لیئے تھے، زمین پر حفظ وامن کی ایک غیر منقطع صورت پیدا کر دی تھی! باغ کی مُرجھائی ہوئی کھیتیاں یکدم لہلہا اُٹھی تھیں، سرد وسمن وجد میں آگئے تھے، یہی وہ **معرفت نفس** کی پردہ شکن اور تاب گسل منزل تھی کہ اعمال خدا کے علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان کا طغرائے امتیاز ہو گیا تھا۔ اسکی تلاش میں چین اور روم ایک کر دیئے تھے، مرد اور عورت سب اسی رنگ میں رنگے گئے تھے۔ خدا کی بنائی ہوئی اشیا سے طلب عمل کرنا، اُن کا علم حاصل کرنا جزو ایمان بن گیا تھا،

کہتے پھریں، آنکھیں ہوتے ہوا کرنہ دیکھیں، کانوں سے نہ سُنیں، ذہنوں کو استعمال میں نہ لائیں اور مکر کی نیندیں لے لے کر اسلامی اُمّت کو اور رسوا و ذلیل کر دیں مگر قرآن کا بتایا ہوا اسلام ہر صاحب نظر کی نگاہ میں وہ روشن اور ناقابل جحود حقیقت ہے کہ دس لاکھ علما کی متفقہ تاویل یا دس ہزار اُمّتوں کا پورا اجماع بھی اُسکے بتائے ہوئے قانون کو بدل نہیں سکتا! جبتک اور جس شدت سے، جس وقت اور جس اُمّت میں وہی قرن اوّل کا اسلام **عملاً** اور **معناً** موجود ہوگا، جو قوم اُس قانون خدا کا اتباع اپنے تن بدن کو دُکھ میں ڈال کر کرے گی، ہاتھوں اور پیروں کو محنت اور تکلیف برداری کا خوگر بنا کر اس کشت زار کسب و عمل میں، نہیں اس مزرعۃ الآخرۃ کی چمن خیز سرزمین میں چند دانے سعی و عمل کے بو کر اُنکی مناسب طور پر آبیاری کرتی رہے گی، اور سر بفلک درخت اُگنے کے والہانہ انتظار میں خوشدل باغبان بنے رہنے کو اپنی زندگی کا واحد مآل سمجھے گی، وہی اُس **جفاطلب** اور **صبرآزما** خدا سے کچھ لیکر رہے گی۔ وہی اسکی صحیح معنوں میں محبوب اور منظور نظر، اُسکی مُسلم اور عابد بن جائے گی۔ اگر اس دنیا میں غالب بن کر رہنا مسلمانی اور ایمان کی **شرط** ہے اگر خلیفہ خدا اور مالک زمین بننا عین اسلام اور تمام قرآن ہے تو یہ سب کچھ عمل اور صرف عمل سے ہو سکتا ہے، پیہم اور شبانہ روز تکلیف سے ہو سکتا ہے آرام طلبی کے نئے ڈھنگ نکالکر اور قانون خدا میں آسانیاں وضع کر کے اس مقام جلیل کے برقرار رہنے کی امید کرنا ہوشمند قوم کا کام نہیں۔ لفظوں اور عقیدوں، کلموں اور قولوں پر اکتفا کر کے شرعی پاجامے اور باعزت پگڑیاں پہن لینا اور اس طرح پر اپنے آپ کو 'مسلمان' بنائے رکھنا **کامچور** اور **نابکار** اُمّت کا شیوہ ہے۔ اُس دانائے نہان و آشکارا کو عبث دھوکا دینا ہے۔ خیرالماکرین کے ساتھ مکر کرنا ہے۔ ایک چھوٹے سے چھوٹا آقا بھی اُس زبانی جمع خرچ اور 'لفظی عبادت' کی کچھ پرواہ نہیں کرتا، کامچور نوکر کی صرف زبانی آؤ بھگت کو دیکھکر ملازمت سے چشم زدن میں رخصت کر دیتا ہے، پھر آقائے **شمس و قمر** سے اس 'کام' پر اُجرت یا نعمت کی امید رکھنا پوری جہالت ہے اور جو قوم کی اس حقیقت کی معترف بننے سے انکاری ہے یا معترف بننے کے بعد عمل سے گریز کر رہی ہے اُسکی زندگی کے دن اس سطح زمین پر قطعاً گنے جا چکے ہیں!

پس میری دانست میں اسلام یہی ہے جو اوپر بیان ہوا! وہ وہی ہے جو رسولؐ خدا اپنے ساتھ لائے تھے، جو لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کا مصداق تھا، جس نے رسول پاکؐ کی زندگی میں تمام عرب کو ایک نقطۂ وحید پر جمع کر دیا تھا، جس نے اُن کی وفات کے بعد ایک عالم کو پا برکاب کر کے سب کو ایک رنگ، ایک مسلکِ عمل، ایک راہ، ایک فطرت پر عامل کر دیا تھا۔ جبتک مسلمان اِس اسلام پر قائم رہے، جبتک وارث زمین اور خلیفہ خدا بننا اُن کا واحد مطمح نظر رہا، وہ الٰہی اصطلاح میں مُسلمان بنے رہے۔ مسلمان ہونیکے سب قرآنی وعدے، لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ (نور) کا وعدہ، سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (محمدؐ) کا وعدہ، سَتُغْلَبُونَ (آل عمران) کا وعدہ، هُمُ الْغَالِبُونَ (مائدہ) کا وعدہ، يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا (نصر) کا وعدہ، سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ (نساء) کا وعدہ، يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ (روم) کا وعدہ، لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ (حجر) کا وعدہ، لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ (مائدہ) کا وعدہ، ایک ایک کر کے پورا ہوتا رہا۔ اُسیوقت تک دین اسلام دین خدا رہا، راہِ مالک الملک رہا، صراطِ مستقیم رہا۔ اِسکے بعد سے جو کچھ اِس دین میں سعی و عمل کو کم کرنے کی نیت سے داخل ہوا بدعت ہے، کفر محض اور گمراہی ہے، یا غلوّ فی الدّین ہے یا فریب و ریا ہے، یا آرام طلبی کے ڈھنگ ہیں یا تن آسانی کے شیوے ہیں، یا مکر و تاویل کا جال ہے، یا بدمعاشی اور بے ایمانی ہے۔ اگر مسلمانانِ عالم آج اپنی سب محبوبیت کے ادّعا کے باوجود موت کے گھاٹ اُتر رہے ہیں تو اسکی وجہ یہی صریح بددیانتی ہے، یہی اصلی اور سچا کفر ہے اسلام کا اسلام رہ کر وہی قرن اوّل والے نتائج نہ پیدا کرنا ایسا ہی محال ہے جیسا کہ آگ کا آگ رہ کر کسی وقت نہ جلانا، یا پانی کا پانی ہو کر کبھی نہ بہنا ایک امر متعذر ہے۔ مسلمان یا اُنکے عُلمائے دین اِس حقیقت کبریٰ کو دس ہزار برس تک دیکھنے سے انکاری رہیں، اپنے آبا و اجداد کی گمراہ کن اور موت انگیز پیروی کو پیش نظر رکھکر دن کو رات

---

* صفحہ ۱۰ کے اخیر اور ۱۱ کے شروع میں لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کو رسول خدا صلعم کے بھیجے جانے کی واحد غرض قرار دیا گیا تھا۔ اِس امر کے ثبوت کے لیے اصل کتاب کے صفحہ ۱۸۴ سے ۱۸۵ تک کی آیتوں اور صفحہ ۱۸۶ و ۱۸۷ کے حواشی کو دیکھنا چاہیے لیکن سورۂ فتح کی نزول کی آیتیں سیاق و سباق کلام سے الگ کر کے شاید اِس غرض کی تخصیص قرار دیجائیں، (إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ (۴۸: ۸-۹) لیکن سورۂ فتح کی پہلی سات آیتوں کو پڑھنے کے صحیح صاحب نظر پر واضح ہو جاتا ہے کہ بھاپر بھی مگر "ایمان باللہ" اور "ایمان بالرسول" اور اُنکی نصرت اور تعظیم کو حضرت کے بھیجے کی غرض قرار دیا گیا ہو تو اسکا مطلب بھی یہی ہے کہ اہل عرب رسول خدا کے معاون ہو کر اِس قانون پر چلیں جسکا نتیجہ اجتماعی تمکن اور بادشاہت ہے۔ یہ بات صاف طور پر (۴۸: ۱)، (۴۸: ۲)، (۴۸: ۳)، (۴۸: ۴) بلکہ (۴۸: ۵) (جس میں مومنوں کو جنات زمین میں داخل ہونے کی خوش خبری دیگئی ہے)، اور (۴۸: ۶) (جس میں منافقوں اور دشمان رسول کو اجتماعی عذاب سے ڈرایا گیا ہے) سے بھی ظاہر ہوتی ہے، اور (۴۸: ۸-۹) میں مبشّراً اور نذیراً کے الفاظ کر کے تو اور بھی واضح کر دیا ہے کہ رسول خدا کے مبعوث ہونے کی غرض و غایت اجتماعی بقا کی بشارت دینا اور اجتماعی ہلاکت سے ڈرانا ہی ہے۔ (دیکھو اصل کتاب تحت اسی صفحہ (۸)۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبشّر اور نذیر ہونے کا ذکر تو کم از کم چار جگہ اور ہے مگر مذکرہ صدر آیات اور صفحہ ۱۸۲-۱۸۵ کے حوالہ جات کے ماسوا قرآن کے طول و عرض میں آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے کی اور کوئی غرض و غایت کہیں بیان نہیں کی گئی۔

مالک نفع وضرر کا اس نہج پر قائل نہیں ہوا، کسی نے اُسکو اِس طور پر تسلیم نہیں کیا! اُسکو ماننا، اُسکو تسلیم کرنا، اُسکو حاکم سمجھنا، اُسکا معتقد ہونا ہر جگہ اور ہر شخص کے نزدیک ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ اُسکے احکام کی ہر نوع اور بہر حال تعمیل کی جائے، اُسکے حکم کو مرگ مفاجات سمجھکر چارو ناچار مانا جائے، اُسکے مروّج قانون کی حدود سے باہر نہ نکلا جائے شب و روز اور پیہم تعمیل ہو، طوعاً و کرہاً تعمیل ہو، توفیق ہو نہ ہو مگر حکم کے برخلاف کچھہ نہ ہونے پائے۔ اور اگر کوئی ستم ظریف حکم عدولیاں کرنیکے بعد بھی حاکم شہر کو یہ سُنا رہا ہے کہ وہ اُسکو کم از کم مُنہ سے مان رہا ہے، وہ اُس کو وحدہ لا شریک کہتا ہے، وہ اُسکے وجود کا زبان سے شاہد ہے، تو حاکم کیلئے اِس مسخرے کے دماغ کو درست کرنے کی اِس سے بہتر کوئی سبیل نہیں کہ اُسکو پاگل خانے بھیجدیا جائے، یا جو کچھہ منوانا ہے بنوک سنگین منواکر شہر بدر کردیا جائے! زبانی عقیدہ اطاعت اور عمل کے بدون کچھہ شئے نہیں، نہ اِس سے اِس عالم اسباب و علل اور کائنات شرط و جزا کے اندر سلطنتیں مل سکتی ہیں نہ غلبہ قائم رہ سکتا ہے، اور جب عمل موجود ہو اور کسی شخص کے ہاتھ پاؤں آقا کی ملازمت کے پیہم گواہ بنجائیں تو زبانی عقیدہ کی بھُول بھلیوں میں پڑنا محض بیکار رہے۔ مسلمانوں کی کام چور اور کم ہمت قوم نے آج اطاعت کی تکلیف دہ صورت کو خیرباد کہکر عقائد کی آرام دہ مکاری پر اپنے دین کا تمام حصر سمجھہ لیا ہے۔ اور اِس مکر کے اندر ایک نیا مکر یہ پیدا کر لیا ہے کہ نہایت عقیدتمندی سے اِس بات کے درپے رہتے ہیں کہ خدا کو خوش کرنیکے لیئے "عقائد کو درست کیا جائے" اعمال کے درست ہونے پر بحث قطعاً بند ہو چکی ہے گویا مُلک اسلیئے چھینے جا رہے ہیں کہ اُس حاکم زمین و آسمان کو اِس لاڈلی اُمت کے "ملفوظات" پسند نہیں رہے، اور جبتک اقوال کو درست نہ کیا جائے زمین و آسمان کی اِس "قول پسند ملکوت" کے اندر خدا کو خوش کرلینا محال ہے! وکذالک جَعَلْنَا فِیْ کُلِّ قَرْیَۃٍ اَکٰبِرَ مُجْرِمِیْھَا لِیَمْکُرُوْا فِیْھَا ط وَمَا یَمْکُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِھِمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ٥ (انعام) +

میں اِس کتاب کو پہیلی یا بوجھارت قطعاً نہیں بنانا چاہتا۔ میرے نزدیک وہ وقت اب گذر چکا ہے کہ اسلام کی اجل زدہ اُمت کو پوری دس جلدوں کا انتظار کراکر مذہب اسلام کے سربمہر رازوں کو آہستہ آہستہ کھولوں یا جبتک مبادیات پر مختتم اور فیصلہ کن بحثیں نہ ہوچکیں اور اُنکو من و عن قُبلوانے کے لیئے زمین تیار نہ کرلوں مُتشابہات

(بقیہ صفحہ ۸۴) ایک شکر ہی جسکی کشش قطعاً نہیں، جیسے بحث ہوگی ملکر آ رہے ہیں ایک دوسرے کا مال آ موالکم بینکم بالباطل (وغیرہ)، یعنی بدیانتی سے ترکہ کا بیچ لم کرنا ہی اور سوال کرنا ہو جنکی سلوا جتم ریہ چند ایک ہیں جنکی تشریح کا یہاں ضرورت نہیں +

پس میری دانست میں اگر ایک شخص اپنے لفظی اور زبانی عقیدے پر **عامل** نہیں تو اُسکا عقیدہ خدا کی نظروں میں محض کچھ شئے نہیں، اگر جو کچھ وہ کہہ رہا ہے۔ اُسکے مطابق عمل نہیں کرتا تو یہ کہنا بھی کچھ نہیں، نہیں بلکہ کہنا اور کہہ کر پھر نہ کرنا سچی **منافقت** ہے، اصلی بدمعاشی ہے، ایمان کی ضد ہے: (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (صف ۶۱))، **قرآن کا گناہ کبیرہ**† ہے: (کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (صف ۶۱))! ایسے شخص کے لیئے ایمان کا دعوے دار بننا حقیقت کا مُنہ چڑانا ہے، کم از کم خدا کے نزدیک اِس قول کی کچھ قیمت نہیں، وہ خدا کو دہوکا دینے کی سعی کر رہا ہے، اور خدا کو دہوکا کیا دراصل اپنے نفس سے مکر کر رہا ہے: (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۝ (بقرہ ۲)) - برخلاف اِسکے جو شخص **عمل** کر رہا ہے، کسی حکم خدا پر عامل ہو کر اپنے تن بدن کو تکلیف میں ڈال رہا ہے، اسکا 'عقیدہ' بھی درست ہی نہیں بلکہ وہی 'عقیدے' کا صحیح معنوں میں مدعی ہے، اُسی کے دل میں عقیدت اور یقین کا ایک لازوال ہیجان موجود ہے، وہی اس حکم خدا کی نافعیت کا سچا قائل ہے، وہی اُسکے حاکم اعلیٰ ہونے پر سچا ایمان رکھتا ہے، وہی اُسکو صحیح معنوں میں 'مان' رہا ہے، وہی اُسکو دل سے آقا 'تسلیم' کرتا ہی، وہی 'مسلم' اور 'مومن' ہے۔ کسی نوکر سے **ملازمت** آجتک مُنہ کے کہے سے نہیں ہوئی، زبانی عقیدے یا کسی کلمے کو دُہرا کر ہرگز نہیں ہوئی، وہی صحیح معنوں میں نوکر ہے جو کام کر رہا ہے جو کہا مان رہا ہے، وہی تنخواہ بھی لے رہا ہے، وہی آقا کو آقا 'مان' رہا ہے اور وہی اُسکے حاکم ہونے کا 'معتقد' بھی ہے! چہروں کو غمگین بنا بنا کر اور لمبے سانس بھر بھر کر یہ کہتے رہنا کہ ہم خدا کے 'قائل' ہیں، ہم اُسکو وحدہ لاشریک 'سمجھتے' ہیں، ہم اسکو 'ایک' 'مانتے' ہیں، ہم اُسکے وجود پر 'شاہد' ہیں، ہم اُسکے ہونے کو 'تسلیم' کرتے ہیں، ہم 'مسلمان' اور 'مومن' ہیں اور ساتھ ہی اُسکے دیئے ہوئے حکموں پر عمل نہ کرنا، اُنکو پرکاہ کے برابر نہ سمجھنا، 'توفیق نہ ہونے کا' شیطانی عذر کہہ کر ٹالدینا اور باوجود اِسکے "عقیدہ درست رکھنے" کا طاغوتی اصرار کرنا میرے نزدیک پرلے درجے کی فریب کاری ہے، انتہائی ریا ہی، مُلّائی جہالت اور ابلیسی تجاہل ہے! کسی فرد واحد نے آجتک کسی شہر کے حاکم کو **اسطرح** پر نہیں مانا، کوئی تن واحد اُس

† موجودہ فقہ کے بے سند فتواؤں اور مُلّائی افراط و تفریط سے قطع نظر، قرآن حکیم میں صرف چند مہلک جماعت گناہ ہیں جنکو گناہ کبیرہ کہا گیا ہے اُن میں سے ایک یہی مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کا گناہ عظیم ہے (بقیہ بر صفحہ ۸۵)

برہان خدا کی بے رحم کلہاڑی کو انسان کے اپنی کامجوری اور غفلت سے اگائے ہوئے جنگل پر یہ بیدریغ استعمال کیا ہے کہ ہر صاحب کو اس مہلک اور قاطع نمو، اس بیکار اور ناخوش آیند کاہ و گیاہ کے نیچے اسلام کے خوشنما اور ثمرور پودے کی شکل پہر نظر آجائے۔ بے خوف و خطر یہ دعوے کر دیا ہے کہ اسلام عمل اور صرف عمل ہے، جو عامل ہے اُسکا عقیدہ بھی درست ہے۔ نہیں بلکہ اُسکو کسی عقیدے یا زبانی قول کی ضرورت ہی نہیں جو قائل ہے وہ بہر نوع کچھ نہیں، آج کچھ نہیں، کل کچھ نہیں، ابدالآباد تک کچھ نہیں۔ نہیں بلکہ اس دعوے کی الٰہی سند بھی ایک حد تک پیش کر دی ہے۔ قطعی اور نصّی، ناقابل تاویل اور نالائق جحود شہادتیں پیش کی ہیں، جو کچھ کھول دیا ہے اس امر کو پیش نظر رکھکر کیا ہے کہ ناظر کتاب کو مذہب اسلام کے متعلق میرا عندیہ پہلے سے واضح ہو جائے، ابتدا سے اُسپر یہ امر روشن ہو جائے کہ میں مذہب کو کیا سمجھ رہا ہوں، کس بات کیطرف جا رہا ہوں، میری دانست میں قرآن کا کیا لائحہ عمل ہے، دین کیا شئے تھا اور کیا کا کیا بن چکا ہے! میں اس کتاب کے سیاق موضوع کے متعلق اُسکے پڑھنے والے کی تڑپ کو پہلے سے دور کر دینا چاہتا ہوں، اُسکو جو کچھ میں نے بالآخر اور بتدریج تمام کہنا ہے اول کہہ کر جلد جلد ورق گردانی کے اضطراب کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ قاری کو چند الفاظ کے اندر سب کچھ بتلا کر آیندہ اوراق پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور کا خواہاں ہوں۔ الفاظِ وحی کے مطالب کے متعلق سب پُرانے اور دقیانوسی، سب ناکارہ اور بے نتیجہ خیالات پر بجلی گرا کر قرآن عظیم کو نئے سرے سے پہر پڑھوانا چاہتا ہوں! میں چاہتا ہوں کہ اُس کتاب جلیل کے ایک ایک لفظ پر غور رہو، اُسکے بارے میں صاحب القرآنؐ کے واحد اور صحیح عندیے کا کھوج لگایا جائے، تہ کو پونہچکر ایک مستقل راہ عمل پر پونہچا جائے، الٰہی دلیل اور قرآنی سند سے باآہستگی تمام پونہچایا جائے، ماسوا کے اقوال کو یکسر نظر انداز کر کے مفہوم خدا کی تلاش کیجائے، لیکن اُقلیدس کے مقالوں کی طرح دعاوی کو پہلے بیان کر دیا جائے۔ قرآن سے آشنا شخص یا گروہ کیلئے اس طریق کار میں یک گونہ سہولت ہے، وہ ممکن ہے پہلے ہی اپنی نتائج پر پونہچ چکا ہو اور ظاہر کرنے کی فرصت یا ہمت نہ رکھتا ہو۔ مذبذب کیلئے سوچنے کا کھلا موقع ہے، ناآشنا کے لیئے ایک چونکا دینے والا انکشاف ہے،

ایک قطعی اور آخری فیصلہ پیش از وقت دینے سے محترز رہوں۔ میرے نزدیک اسلام کی اس پُرآشوب حالت میں مصنف کے اپنی تصنیف کے بارے میں طبعی بُخل کا وقت گذر چکا ہے۔ ایک مارگزیدہ اُمت کیلئے عراق سے تریاق منگوانے کی تجویز کرنا اب لاحاصل ہے۔ یہ تکلفات پُرامن اور فرصت کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آج وہ زمانہ ہے کہ مسلمانانِ عالم کیلئے چند لمحوں کے لیئے بھی کسی مستقل اور یقین انگیز، کسی نفعمند اور مختصر راہ عمل کیطرف نہ آنا **فوری ہلاکت** کا سامنا کرنا ہے۔ دلیلیں اور بحثیں اصل کتاب کے آیندہ اوراق میں ہوتی رہیں گی، میں نے اُن اوراق میں اس بات کا التزام کر لیا ہے کہ کسی امر کے متعلق ایک حرف بے دلیل نہ کہا جائے اور ایک قدم آگے نہ بڑھایا جائے جبتک کہ الٰہی حُجت کو پیش کر کے پچھلے قدم کو قطعًا مضبوط اور غیر متزلزل نہ کر لیا جائے۔ لیکن دس جلدوں کا انتظار ناظر کتاب اور بالخصوص قرآن سے آشنا شخص کیلئے نہایت تکلیف دہ ہے، اور طوالت میں اصل مطلب کا خبط ہو جانا بھی بسا اوقات امر غالب ہے۔ اس امر کو مدنظر رکھکر میں نے **عربی افتتاحیہ** میں جو کچھ کہنا تھا حتی الوسع کہہ دیا ہے۔ مُسلمانانِ عہد حاضر کو ایک قطعی اور مختصر راہ عمل کیطرف عام فہم الفاظ میں پھر اشارہ کر دیا ہے، **ایمان** کے لازمات پیش کر دیئے ہیں، **توحید** کا سچا اور اصلی مفہوم بتا دیا ہے، **اتقا** کے اعمال واضح کر دیئے ہیں، **شرک** کی ماہیت کو کھول دیا ہے، **کفر** کی مستور حقیقت کے بخیے اُدھیڑ دیئے ہیں، **صراط مستقیم** کو اظہر من الشمس کر دیا ہے، قانون خدا کا وہ علمی اور ابتدائی، وہ اہم اور اٹل حصہ پیش کر دیا ہے جسپر چلکر ہر قوم کو، ہر اُمت کو، ہر قریے اور محلے کو ہر وقت اور ہر جگہ اس دنیائے کسب و عمل کے اندر امن مل رہا ہے۔ وہ **دس عظیم الشان اصول**† غیر مشکوک اور واضح الفاظ میں پیش کر دیئے ہیں جنکو پاکر اُمت محمدیہ کو چند لمحوں کے اندر بادشاہت زمین مل سکتی ہے، جنپر دین اسلام کا **تمام** حصہ ہے، جنپر خاتم الانبیاءؐ کے لائے ہوئے قانون کی ساری بنیاد رکھی ہے، نہیں بلکہ جو ہر **بادشاہ قوم** کا **واحد اور دائم مذہب** ہے، اور جبتک زمین و آسمان موجود ہیں یہی طرز عمل رہیگا۔ اس مختصر فاتحہ کتاب کے اندر حتی الامکان الٰہی سند بھی دیدی ہے، ایک ناقابل رد حُجت کو قرآن عظیم سے لیکر تاویل کی فریب کاری اور عقائد کی بدمعاشی کو جڑ سے کھود دیا ہے،

† دیکھو افتتاحیہ کتاب صفحہ ۵۶ - الخ +

نگاہوں میں **سچی عبادت** ہے، یہی لفظ 'عبادت' کا الٰہی اور قرآنی، سچا اور اصلی مفہوم ہے۔ مُنہ سے 'اللہ اللہ' پکارتے رہنا، زبان سے 'احد احد' کہتے رہنا، اور دل کے اندر تین سو ساٹھ (۳۶۰) بتوں کا ایک **صنمکدہ** سجائے رکھنا، اور کام کے وقت "توفیق نہ ہونے" کا ابلیسی عذر ٹھان لینا میرے نزدیک بدمعاشی ہے، پوری بے ایمانی اور انتہائے کفر ہے، مکر عظیم ہے! کسی ملازم نے آجتک اپنے آقا کو ایک ایک کرکے نہیں پکارا! کسی تنگ دل سے تنگ دل آقا نے اپنے نوکر کو اس بات پر متعین نہیں کیا کہ وہ اسکو روز و شب ایک ایک کہہ کر پکارتا رہے! ایسا حکم از بس مضحکہ انگیز ہے، ایسا عمل از بس ابلہانہ ہے! آقا کی توحید یہی ہے کہ نوکر کسی ہمسائے کا کام نہ کرتا پھرے، کسی دشمن کا ملازم نہ بنے، جس سے امیدوار مزد ہو اُسی کا **حکم مانے**، نہ یہ کہ مُنہ سے تو اُس کا راگ الاپتا پھرے مگر کام غیروں کا کرے اور تنخواہ کے وقت آحاضر ہو۔ نہیں بلکہ جو شخص آقا کے اذن میں ہے، خوش دل مزدور ہے، تندہی سے اُسکے احکام کی تعمیل کر رہا ہے، اُسکی خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈال رہا ہے، شبانہ روز اطاعت میں مصروف ہو اُسکے لیئے آقا کو دمبدم سراہتے رہنا بھی ضروری نہیں، اُسکو لمحے لمحے کے بعد سلام کرنا بھی **مخلِ عبادت** ہو، اُسکا ہر وقت کلمہ پڑھتے رہنا بھی ملازمت میں **مارج** ہے، اُسکو ایک ایک کہتے رہنا بھی عبث ہو مضحکہ انگیز ہے مسخرہ پن ہے! اُسکے ہاتھ پاؤں کی حرکت، اُسکے گھر کی 'جھاڑ پونچھ'، اُسکا آقا کی اشیا کو درست رکھنا، اُسکی تگ و دو، دوڑ دھوپ وغیرہ وغیرہ سب اِس بات کی حتمی **شاہد** ہیں کہ وہ **ایک** 'خواجہ کا ملازم ہے، اشھد ان لا مولیٰ الا ھو کا مصداق ہے۔ اِس سے بڑھکر اُس آقا کی توحید کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں! ارادت باعقیدت کے اظہار کے لئے احیاناً نوکر کا **سلام** کرنا بھی ضروری ہے اُسکے حضور میں حاضر ہو کر نہایت عجز اور محبت سے، اخلاص اور ولولے سے کچھ مُنہ سے کہہ دینا بھی ضروری ہے، یہ بھی مہیجِ خدمت ہو، محرکِ اعضا ہے، تگ و دو کے حوصلے بڑھاتا ہے، آقا سے ارادت پیدا کرتا ہے، اُسکو اور خوش کرنے کا ایک عجیب و غریب نسخہ ہو، نہیں یہ بھی ایک نقطۂ نظر سے اُس نوکر کی ملازمت اور بندگی، اُسکی غلامی اور عبادت کا ایک جزو **خفیف** ہے **ادنیٰ** سا مگر بہرنوع **ضروری** حصہ ہے مگر یہ سلام سلام بھی اُسیوقت سجتا ہے جب کہ نوکر اپنے مالک کے پیہم اذن میں ہو

متلاشی حقیقت کیلئے مقصود کا پالینا اور عامل کے لیئے ایک اہم کام کا درست پیش ہوجانا ہے! اس ترکیب سے مسلمانوں کے سامنے صدیوں کا بھولا ہوا قرآن پھر پیش نظر ہوجائے گا، ایک کامل صحیح یا کامل غلط راہ پیش پیش ہوجائے گی، وہ اسپر صحیح عمل معاً شروع کرنیکے قابل ہوجائینگے یا کم ازکم اسکو فوراً غلط قرار دے کر دس مجلدات کی طباعت کے انتظار میں پریشان قلب ہونیسے بچیں گے!

میرے نزدیک قرآن کی **توحید** یہ ہے کہ **دل کے اندر کسی ماسوا سے تعلق نہ رہے**۔ کسی دنیاوی شئے سے اسقدر اعتنا نہ بڑھے کہ غیر خدا کو خدا پر ترجیح دیجائے، قلب کے اندر اولاد کا **بُت** نہ ہو، گھوڑوں اور مکانوں زمینوں اور بیویوں کے **بُت** نہ ہوں، باپ اور ماں کی، اقربا اور اعزا کی محبت کا بُت نہ ہو، پیر و فقیر، اولیا و اصفیا کی ارادت کے بُت نہ ہوں، حکّام سے غرضمندی کے بُت نہ ہوں، طمع و حرص کے بُت نہ ہوں، نفس پسندی کا بُت نہ ہو، تن آسانی کا بُت نہ ہو، حُبِّ جاہ کا بُت نہ ہو، الغرض **شیطان** کا کچھ غلبہ نہو، **کوئی شئے** سوائے خدا کے دل پر **حکمران** نہ رہے، کسی بُت کے دل آسا اور آرام دہ حکم کو خدا کے سعی طلب اور صبر آزما حکموں پر **کسی وقت** ترجیح نہ دیجائے۔ **یہ توحید** ہے، یہی اصل **ایمان** ہے، یہی سچّا **موحّد** بنتا ہے، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ)۔ جو شخص چوبیس گھنٹے اس توحید کو **نباہ** رہا ہے، ہر لمحہ جو کچھ کر رہا ہے خدا کا کام کر رہا ہے، شیطان کی ملازمت نہیں کرتا۔ اُسکی فوری اُجرت اور **نقد** مزدوری کا خیال نہ کرکے خدا کے اخروی اجر کو، نہیں اُس حاکم مطلق کے وعدہ کیئے ہوئے **نسیے** کو، اسکے وہ چند **اُدھار** کو بہتر سمجھکر شیطان کی ابلہ فریب ترغیب پر نہیں چلتا، وہ اُس چوبیس گھنٹے تک **موحّد** ہے، **مومنِ خدا** ہے، منکرِ شیطان ہے، **ملازم** حکم الحاکمین ہے، اللہ کا نوکر ہے، عبد ہے، **عابدِ خدا** ہے! جسوقت اُسنے حکم خدا کو چھوڑکر کوئی **بت** اپنے دل کے اندر پیدا کرلیا، کسی ماسوا کے حکم کو ترجیح دی، کوئی تن آسانی کا مکر بنالیا، کسی فوری نفع کے پیچھے لگ گیا، اُسیوقت سے اُسکا ایمان **ساقط** ہے، اُسکی توحید زائل ہے، وہ مومن نہیں رہا، مُسلم قطعاً نہیں، عبد نہیں، عبادت گذار نہیں، ملازم خدا نہیں۔ نہیں، بلکہ وہ صحیح معنوں میں **مشرک** ہے، **منکر خدا** ہے، **کافر** ربّ العٰلمین ہے! یہی میری

ف مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (انعام) کی طرف اشارہ ہے۔

شیخی پر مُنہ دکھلاتا پہرے گا۔ اگر اُسنے کچہہ کام نہیں کیا تو اُسکی حاضری بھی عبث ہے، اسکی رہبانیت بھی لاطائل ہے، مالک کی رضا جوئی کے لیئے قطعًا نہیں، نہیں بلکہ اُسکو اُلٹا طیش میں لانے کا عمدہ بہانہ ہے! قرآن کی **الصلوٰۃ** صرف ایک نوکر کا پنجوقتہ **سلام** ہے، ایک کارکن خادم کی احیانًا اپنے مالک کے حضور میں حاضری ہے، ایک نعمت کے حصول کی عرضداشت ہے (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ (فاتحہ)) کسی ترقی تنخواہ کی عرض معروض ہے، کچہہ قربِ شاہ کے باعث حوصلہ افزائی کا سامان ہے، کچہہ خدمت کے سوئے ہوئے جذبے کو محرک کرنیکا وسیلہ ہے، کچہہ تہکے ہوئے اعضا کو پہر تروتازہ کرنے کا ذریعہ ہے، کچہہ آقائے نامدار کے ساتھ اپنی ارادت کو تیز کرنے کا اوزار ہے، یہ سب کچہہ ہے مگر **عبادت** قطعًا نہیں۔ خدا کی عبادت فی الحقیقت ان پانچوقتوں کے **بعد** سے شروع ہوتی ہے، وہ اسوقت ہو رہی ہے جب مصلاؤں سے اُٹھکر لوگ احکامِ خدا کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں، جب ہاتھ اور پاؤں **سعی و عمل** (۱) میں مصروف ہوتے ہیں، جب تن آسانی کے **بُت** کو توڑکر تگ و دو کی جاتی ہے، جب وراثت زمین کے نصب العین کو پیش نظر رکھکر سب اعضا وقفِ عمل ہوجاتے ہیں، جب نفس کے بُت کو زیر کرکے نادار کے ساتھ احسان کیا جاتا ہے، جب محبت مال کے بُت کی پرواہ نہ کرکے خدا کی راہ میں **جہاد بالمال** (۲) ہوتا ہے، جب حُبّ اولاد کے بُت سے بے نیاز ہوکر حکم خدا سے سفر ہوتا ہے، جب مکانوں اور باغیچوں کے بُتوں سے تعلق توڑکر خدا کے اشارے پر **ہجرت** (۳) ہوا کرتی ہے، جب نفس پسندی کے بُت کو توڑکر **جہاد بالسیف** (۴) کیا جاتا ہے، جان کھچ کھچکر حلق تک پونہچتی ہے اور خدا یاد آجاتا ہے، جب کبر و نخوت کے دیو کو رام کرکے **امیرِ جماعت** کی **اطاعت** (۵) میں سر جُہک جاتے ہیں، جب فرقہ پسندی کے طاغوت اور خودرائی کے دجال کو جہنم میں جہونک کر لوگ متحد ہوجاتے ہیں، توحید کو عملاً مان کر **اُمت** میں **وحدت** (۶) اور یکسوئی ہوجاتی ہے، يُوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ (مائدہ) کا شیطانی وسوسہ اللّٰهُ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ط (انفال) کے ربانی عمل سے بدل جاتا ہے، شرک کی پیدا کی ہوئی تفریق **توحید** (۷) کی پیدا کی ہوئی **توحید** سے بدل جاتی ہے! عبادت خدا کا وقت درحقیقت وہ وقت ہے جب اعمال خدا کے **علم** (۸) کی تلاش میں مشرق اور مغرب ایک کردیئے جاتے ہیں، جب خدا کو جاننے اُسکی

(بقیہ صفحہ ۹۰) نعمت ہوگویا جو رہبانیت اور توحید لوگوں کو تمکن فی الارض اور بادشاہت کی طرف لیجارہی ہے وہی خدا نے اُنپر فرض کردی تھی اور اُسی حد تک اُسکو نباہتے رہنا رضائے خدا ہے، بے نتیجہ اعتکاف خدا کو ناپسند ہے +

دن رات اُسیکا کام کرتا ہے، اُسی کی خدمت کرتے کرتے لگتے ہاتھ چند لمحوں کے لیئے "غریب پرور" اور "بندہ نواز" بھی کہہ جائے۔ کامچور اور حرامخور نوکر کے لیئے یہ ہر وقت سلام کرتے رہنا، یہ دمبدم ہاتھ باندھکر کھڑے ہوجانا یا مؤدب سروقد ہوجانا پرلے درجے کی گستاخی اور بدمعاشی ہے، نہیں بلکہ غلام کارکُن ہو یا ناکارہ کوئی آقا اِس **پیہم** سلام کو قطعاً پسند نہیں کرتا اور بسا اوقات کام کو سلام پر چند در چند ترجیح دیتا ہے، اُسی شخص کو بہتر سمجھتا ہے جس کا کام اُسکے زبانی جمع خرچ سے کئی گنا زیادہ ہو، جو کرتا رہے اور کم گو ہو۔ مالکؔ زمین و آسمان کی **توحید** کا بھی بعینہ یہی انداز ہے، قطعاً یہی رنگ ہے، یہی ابتدا اور یہی انتہا ہی۔ یہ اُسکی ملازمت میں ہاتھ پاؤں کا عمل کرتے رہنا ہی سچی 'عبادت' ہے، یہی 'اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ' (حج ۲۲) کے صحیح معنی ہیں، یہی 'شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ' (حج ۲۲) بننا ہے، یہی 'اشهد ان لا اله الا الله' کا واحد مطلب ہے، یہ اُسکی اطاعت میں دُکھ اٹھانا ہی سچا 'دین' ہے، یہی 'فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ' (زمر ۳۹) کا سچا مفہوم ہے، یہی 'جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ' (حج ۲۲) کے ٹھیک معنی ہیں، نہیں یہ خوشدل مزدور بنے رہنا اور ماتھے پر بل نہ لانا ہی 'مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ' (حج ۲۲) کا واحد مقصود ہے، یہی 'مسلم' اور 'مطیع' بننا ہے، یہی 'اسلام' اور 'ایمان' ہے! مُصلّاؤں پر بیٹھکر اللہ اللہ جپتے رہنا، کملیاں اوڑھ کر گوشوں میں اونگھنا اور تکلیف دہ احکام سے تجاہل عارفانہ کرکے اُن کو ٹالتے رہنا، ہاتھوں اور پیروں کے عمل سے گریز کرنا، اور دل کے اندر ایک لاکھ بُتوں کی **انجمن** لگائے رکھنا میرے نزدیک قطعاً کوئی عبادت نہیں، کوئی توحید نہیں، عبادت کا دسواں بلکہ لاکھواں حصہ نہیں، نہیں بلکہ ریاکاری اور مکّاری ہے، شرک اور کفر ہے، خدا کو قطعاً ناپسند ہی، کامچوری کے ڈھنگ ہیں، نفس کو دہوکا دینا ہے: وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ† فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (صفحہ ۵۷)۔ خدا کو انسان کی وہی حاضری پسند ہی جو کسی نتیجہ خیز **عمل** کے بعد ظہور میں آئی ہو، وہی 'ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ' کے تحت میں آسکتی ہے جو کسی کام کر لینے کے بعد واقع ہوئی ہو۔ جو نعمت اور انعام کے حصول کے لیئے ہو†، جو شاباش لینے کی تڑپ میں از خود پیدا ہوگئی ہو، ناکارہ اور بے عمل، بھگوڑا اور کاہل الوجود نوکر آقا کے حضور میں کس مُنہ سے جائیگا، وہ کس

† ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ کی تشریح قرآن حکیم نے ایک دوسرے موقع پر اس طرح کی ہی، وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ (اللیل ۹۲) یعنی لوگو: خدائے عزوجل کے پاس (عِنْدَهٗ) کسی فرد واحد کے لیے سی (لِاَحَدٍ) کوئی نعمت (مِنْ نِّعْمَةٍ) نہیں کہ بطور انعام کے دیجائے (تُجْزٰى) مگر یہ کہ وہ انعام اُس شخص کو اپنے رب کی تلاش رضا اور ابتغائے وجہ کے صلے میں ملتا ہی۔ مجھے شارحین قرآن کے بنائے ہوئے معنوں سے بحث نہیں مگر میرے نزدیک اس آیہ شریفہ میں ایک عام محاکمہ پیش کیا ہی اور وہ یہ کہ "اس دنیا کے اندر جو انعام یا نعمت کسی کو مل رہی ہے خوشنودی خدا کے صلے میں مل رہی ہی"۔ ابتغائے رضائے خدا کی اس تعریف کو پیش نظر رکھکر میری نظروں میں سورۂ حدید کی زیر بحث آیت کا یہ مطلب ہے کہ وہی رہبانیت، وہی اشیائے دنیوی سے تجرد، وہی حیات دنیا سے قطع تعلق، وہی تارک الدنیا ہونا خدا کو پسند ہے جسکا نتیجہ حصول (بقیہ بر صفحہ ۹)

پس میرے نزدیک اصل عبادت عمل اور صرف عمل ہے۔ نری پنجوقتہ نماز پڑھ لینا قطعاً کوئی عبادت نہیں آقا کی ملازمت اور عبادت کا پہلا محرک آقا سے تعلق لگائے رکھنا ہے، اور اس تعلق کو مستحکم کرنے کا عمدہ ذریعہ الصلوٰۃ ہے۔ پس اگر کوئی نماز خدا سے لگاؤ پیدا کر کے اُسکی خدمت اور عبادت نہ کرائے، اُس کا ذکر، اس کا کھٹکا، اُسکی یاد، اُسپر پس پڑ یقین، اُسپر ایمان بالغیب پیدا کر کے اُسکے دیئے ہوئے حکموں کی تعمیل پیہم نہ کراتی رہے تو وہ ایک بیکار ہتیار ہے، نہیں بلکہ اُس کا رفرما کھٹکے اور ڈر کا پیدا ہو جانا ہی اصل مقصود ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ† (عنکبوت ۲۹)۔ نماز بجائے خود مقصود بالذات نہیں۔ الصلوٰۃ صرف اُسوقت ایک مؤثر اور بکار آمد ہتیار ہے جب اُسکو پنجوقتہ ادا کرنیسے دلوں کے تنگ اور نُغبض سے بھرے ہوئے حجرے پہنائے زمین و آسمان کیطرح فراخ ہوتے جائیں، جب سب نمازیوں کے دلوں میں محبت اور رافت کی ایک نہر سلسبیل پیہم دوڑتی رہے، جب مسلمانوں کی عالم آرا اُمت میں باہمی اتحاد کی مشترک جنبشیں اور خوفِ خدا کی مشترک لرزشیں ہر آن پیدا ہوں، جب مساوات اور اخوت کا آسمان شکن زور اُمت کے ہر گرُوہ میں ہر وقت جاری رہے، جب اطاعت امام کو در اصل اطاعت امیر کی ایک پیہم یاددہانی سمجھکر پوری اُمت ایک امیر کے اذن میں سر بکف اور تیغ بہ برہنہ رہتی رہے، جب اس پنجوقتہ اجتماع کو الٰہی فوج کی اپنے سپہ سالار کے حضور میں پنجوقتہ پیشی سمجھکر ہر مسلمان ہر وقت سپاہی بنا رہے، جب تمام جماعت کے متفقہ رکوع و سجود کو نظم و نسق کا خدائی سبق اور اطاعت اولوالامر کا جرنیلی حکم سمجھکر ہر مسلمان کی گردنیں رسول خدا کے سچے جانشین اور اُمت محمدیہ کے سچے قائد اعظم کے آگے ہر دم جھکی رہیں۔ ہاں الصلوٰۃ صرف اُسوقت الصلوٰۃ ہے جب اس سے انہا عن الفحشاء والمنکر ہوتا رہے، جب خدا کے نزدیک انسان کی سب سے بڑی یعنی تفرقہ نفاق کی بدی (المنکر‡) کا نام و نشان باقی نہ رہے، جب اس پنجوقتہ صحبت کو اتحاد عمل کا ایزدی سبق یقین کر کے عداوۃ اور بغضاء کا طاغوتی بُت ہر لحظہ ٹوٹتا رہے، جب خدا کے نزدیک انسان کا سب سے بڑا یعنی تنگی قلب و دلی اور بخل کا عیب (الفحشاء) دلوں سے معدوم ہوتا رہے، کوئی شے، کوئی نمازگذار کسی مسلمان سے دریغ نہ کرے، بڑی سے

† ذکر خدا کے اسی مفہوم کی صحیح توضیح اصل کتاب صفحہ ۲۳۰-۲۳۲ کے تحت لکھی گئی ہے اور اس آیت کا صحیح مفہوم صفحہ ۲۰۹ پر واضح کر دیا ہے بلکہ تَصْنَعُوْنَ کے الفاظ بھی اسی معنی پر ہیں ‡ دیکھو اصل کتاب صفحہ ۲۴۷

عظمت اور حکمت کا برای العین اندازہ لگانے، اُسکی معرفت اور شناسائی کے مدارج عُلیا تک پَونہچنے کے لیئے اسکی بنائی ہوئی اشیا کی **معرفت** جزو دین بنجاتی ہے، جب **حُسن اخلاق**(۹) اور مسامحت، عدل اور احسان، ایفائے عہد اور اخوّت، رحم اور رافت کی ربّانی بزرگیاں ہر متنفس کا عین ایمان اور عین اسلام بنجاتی ہیں، ہاں خدا کی عُبادت، فی الحقیقت اُس وقت ہو رہی ہے جب روز جزا کے یقین پر اور یوم **آخرت**† (۱۰) پر ایمان کے باعث بندۂ خدا اپنے تن کو، من کو، دھن کو اُس آقائے نامدار اور اُس مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی خوشنودی اور خدمت میں قربان کر دیتا ہے، مہینے کے **اخیر** پر تنخواہ ملنے کی امید میں مہینہ بھر جان لڑا دیتا ہے، نہیں اس چار دن کی زندگی کے ختم ہونے پر ابدالآباد تک **الجنّۃ** کے حقدار ہونے کی توقع میں اپنے آپ کو پیہم دُکھ، مسلسل تکلیف اور متواتر سعی و عمل میں مشغول رکھتا ہے۔ عُبادت، کا سچّا اور صحیح مفہوم یہ ہے، یہی **توحید** ہے، یہی اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ (آل عمران) کے ناقابل انکار معانی ہیں، یہی لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا (آل عمران) کا واحد مطلب ہے، ایسی عبادت وقت اور مقام، قوموں اور قعدوں، رکعتوں اور رکنوں سے قطعاً مستغنی ہے، فجر اور ظہر، عصر اور مغرب، عشاء یا اشراق، مسجد یا خانقاہ سے اسکو کچھ واسطہ نہیں، یہ ایک پیہم اور مسلسل **عمل** ہے، چند لمحوں تک کھڑا ہونا یا بیٹھ جانا اِسکو ادا کرنے کا اسلوب نہیں۔ قرآن کی بتائی ہوئی الصلوٰۃ، اگر کسی معنوں میں داخل عبادت ہے تو اسلیئے کہ یہ بھی اَور بیسیوں حکموں میں سے خدا کا **ایک حکم** ہے، اور بنا بریں اس فرض کا ادا کرنا بھی اور حکموں کی طرح شامل خدمت ہے، یا اگر وہ داخل عبادت ہو سکتی ہے تو اسطرح پر جسطرح کہ ایک نجّار یا معمار کا اپنے اوزاروں کو چند لمحوں کے لیئے تیز کر لینا دن بھر کی مزدوری میں شامل ہے۔ اگرچہ مستاجر کی اصلی غرض معمار سے مکان تیار کروانے کی ہے اس سے کمتر کچھ نہیں، وہ اِسی بات کو پیش نظر رکھکر اوزاروں کو تیز کرنا بھی ملازمت اور مزدوری میں شامل کر لیتا ہے۔ اور اسکو نوکری کا ایک جُز سمجھتا ہے۔ لیکن جو نجّار تمام دن ہتیار تیز کرنے میں صرف کر دے اور کام کرنیسے گریز کرے، ایک کیل نہ ٹھونکے، ایک تختے کو صاف نہ کرے، ایک شہتیر کو موقع پر نہ لگائے، وہ مستاجر کے نزدیک کامچوری کر رہا ہے بلکہ اس بدمعاشی کی اُجرت مانگنا ہی گستاخی ہے۔

† یہ وہ دس اصول ہیں جن پر مکمل بحث افتتاحیہ کتاب میں ہو چکی ہے۔ دین اسلام کا **اصل** یہی عشرہ مبشرہ ہے، اسی پر ایمان کا تمام دارومدار ہے (دیکھو افتتاحیہ صفحہ ۷۹ - ۹۶) ان پر ایک مجمل بحث عن قریب آئے گی۔

ومقصد کے لیئے جہاد مال ہے، **شبانہ روز** جہاد مال ہے، **حتی الوسع** جہاد مال ہے: (یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۙ قُلِ الْعَفْوَ (بقرہ))، نہیں **کامل** جہاد مال ہے: (اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (توبہ))، ابوبکرؓ **صدیق** کا پورا جہاد مال ہے، **عمرؓ** کا **آدھا** جہاد مال ہے، **تصدیق دل** اور **تثبیت نفس** کا پیدا کیا ہوا جہاد مال ہے، **صدق** قلب اور **رضائے خدا** کا پیدا کیا ہوا صدقہ مال ہے، اُمت کے نوخیز چمن کی محبت اور محنت سے آبیاری کرکے روکش جنان بنا دینے والا جہاد مال ہے: (وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ کَمَثَلِ جَنَّۃٍ بِرَبْوَۃٍ اَصَابَھَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُکُلَھَا ضِعْفَیْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْھَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (بقرہ)) - **خدا** پر **مَن** و **احسان** رکھ کر دیا ہوا یا بعد میں دل کے اندر دُکھ اور **اذیت** محسوس کرانے والا اور پچھتاوے سے دیا ہوا جہاد مال نہیں: (اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی ۙ لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (بقرہ))، صرف ماہ رجب کا جہاد مال نہیں، نرافقی اور شرعی چالیسویں حصے والا جہاد مال نہیں، بھک منگوں اور کاہجوروں کو فروع دینے والا جہاد مال نہیں۔ ہاں زکوٰۃ میرے نزدیک **بیت المال** میں جمع ہونیوالا جہاد مال ہے، منظم اور مرتب جہاد مال ہے، توپوں اور تلواروں، جہازوں اور طیاروں والا جہاد مال ہے، مجاہدین کو سرتاپا لیس رکھنے والا، اُن کو گدیہ گر نہ بنانے والا، اُنکو سوالی بننے سے مستغنی کرنے والا، اُمت کے ہر طبقے سے مسکنت کو دور کرکے مسکین کو تنومند بنانے والا، مسافر کی آؤ بھگت کرکے عالم آرا اخوت پیدا کرنے والا، غلاموں کو آزاد بنانے والا، مقروضوں کو بے عزت نہ کرانے والا، دشمن سے **جہاد بالسیف** کرکے دنیا میں غالب رکھنے والا جہاد بالمال ہے، مُشت خاک کی طرح ہَوا میں بکھیر دینے والا، اور گھر پھونک تماشہ دیکھنے والا جہاد مال ہرگز نہیں! (اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۭ فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ۭ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ (التوبۃ)) - انفاق مال کے لیئے میری نگاہوں میں وقت اور مقدار کی قطعاً کوئی بندش نہیں، وہ بھی اور عبادات کی طرح کی ایک **پیہم** عمل ہے، تطہیر قلب اور تزکیہ نفس کا

+ غزوہ عسرۃ کے ایام میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سارا متاع بیت رسول خدا کے قدموں پر لاکر ڈال دیا اور حضرت عمرؓ نے نصف پیش کر دیا، اُسکی طرف اشارہ ہے +

بڑی مسامحت، بڑے سے بڑا ایثار، بڑی سے بڑی رواداری بھی کسی فرد پر گراں نہ گذرے۔ نہ یہ کہ نماز پڑھ پڑھ کر اور ریا کر کر کے دل اسقدر تنگ، خیالات اسقدر کمینے اور حوصلے اسقدر پست ہو جائیں کہ یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (ماعون) کا مصداق بنے! (فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ †ماعون)

قرآن کی الصلوٰۃ اِن سب بیماریوں کی قاطع ہے، اِن سب مزمن اور متعدی، طبعی اور جبلّی امراض کیلئے اکسیر اعظم ہے۔ انسانی اخلاق کی اس دل آویز تعمیر کے لیئے بہترین اوزار ہے: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝ (معارج)۔ نہیں جنّاتِ زمین کی بادشاہت حاصل کرنے کا عمدہ ذریعہ ہے! (وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۚ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ۭ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (مائدہ)۔ اُسکا پیدا کیا ہوا ملکوتی اخلاق، اُسکے ذریعے سے پائی ہوئی قوّت، اُسکی وساطت سے حاصل کیا ہوا غلبہ بلاشبہ عبادت ہے۔ خدا کی نوکری ہے، ربّ العٰلمین کی بندگی ہے، مگر وہ آپ داخل عبادت نہیں۔ اوزار کو مزدور کے دن بھر کا کام سمجھنا یا اوزار رکھکر مستاجر سے اُجرت طلب کرنا حماقت ہے، بیکار اوزار یا کامچور مزدور سے اُجرت کمانے کی امید رکھنا عبث ہے، اور جو قوم نماز کی روزانہ چند اُٹھک بیٹھکیں یا بے روح رکوع وسجود کر کے اپنے آپ کو عابدِ خدا تصور کر رہی ہے اُسکی کم عقلی اور ناخداداوانی کا جسقدر ماتم کیا جائے کم ہے!

بعینہٖ یہی حال میری دانست میں اور اسلامی مناسک کا ہے۔ زکوٰۃ، حج، صوم، کلمۂ شہادت سب کا یہی منتہیٰ ہے، یہی غرض وغایت اور یہی پیش نہاد ہے۔ زکوٰۃ میرے نزدیک صرف جہاد بالمال ہے، پیہم جہاد مال ہے، اُمت کی تقویت کیلئے جہاد بالمال ہے، قوم کی بہتری کے لیئے جہاد مال ہے، کسی اہم غرض

† مطالب کے لیئے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۲۵۱ +

غالب اور لاشریک بن کر رہنا ہے، یہی اس وَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ کو یُجْبٰی اِلَیْہِ ثَمَرَاتُ کُلِّ شَیْءٍ (قصص) کا ہر زمانے میں مصداق بنا کر رکھنا ہے، ایک بے آباد اور بے آب سرزمین کو مالک زمین و آسمان کا مقرر کردہ مرکز قرار دیکر پروانہ وار اُسکے گرد یوں رہنا، اور زہرہ گداز سعی و عمل سے اُسکو رشک ارم بنا کر یوں رکھنا ہے کہ لندن اور پیرس بھی اُسکی شان و اُبہت اسکے جاہ و جلال کے بالمقابل عرق شرم میں پڑے ڈوبتے رہیں۔ اگر مسلمانانِ عالم نے اس خدا کے مقرر کیئے ہوئے مرکز کو آسمان شکن اعتصاب کے زور پر یہ کچھ نہیں بنایا تو اُنہوں نے فی الحقیقت حج کے الٰہی مقصود کو نظر انداز کر دیا، وہ "فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ" کی الٰہی بُرہان اور آسمانی منطق تک کچھ نہیں پونہچے، وہ منعم لم یزل کے بہترین اجتماعی انعامات (الخیرٰت†) کیطرف ہرگز نہیں لپکے، اُنہوں نے حَرَمًا اٰمِنًا (قصص) کے لاہوتی فلسفے کو قطعًا نہیں پایا، اُنہوں نے حفظ و امن کی لشکر انگیز تڑپ کچھ پیدا نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ آج وہ **بلد امین** اُن سے چھین کر لندن اور پیرس کے مستحق عاملوں کو دیا جا رہا ہے، ایک عالم آرا اُمت کی آبرو، حیا، شرم، عزت، موت، حیات الغرض سب کچھ اب **غیر** کے ہاتھ میں ہے۔ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ (محمد) کا المناک منظر پیدا ہو چکا ہے، ایک عصمت مآب خاتون کی **عفت** پر دوسروں کا قبضہ ہے۔ اس نصب العین سے پرے ہٹ کر حج کے فریضے کو علی الحساب ادا کرنا، یا حجر اسود کو چومنے کی خاطر چومنا میرے نزدیک فی الحقیقت بُت پرستی ہے، ایک عبث اور بے نتیجہ کام ہے، کروڑ در کروڑ سیاروں کے مالک خدا کو بیت الحرام کا "مکین" سمجھکر پھر اسکی حفاظت نہ کرنا، اُسکو فی الحقیقت بلد امین نہ بنانا، یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (عنکبوت) کے منظر کو پیش نظر رکھکر اُسکو کم از کم اسقدر مامون و مصون نہ بنا دینا جسقدر کہ لندن اور برلن ہے، اور با اینہمہ عمر کے آخری حصے میں اپنے بلغم سے بھرے ہوئے وجود کو عصا کے سہارے آستانۂ خدا پر پونہچا کر حج کے فرض کو ادا کیا ہو سمجھنا، میری نگاہوں میں پرکاہ کے برابر **عمل** نہیں، **عبادت** قطعًا نہیں، **توحید** قطعًا نہیں! **صوم** بھی میرے نزدیک صرف ایک جہاد نفس ہے۔ صرف نفس امارہ کے دیو کو تیس دن تک تکلیف دے کر سال بھر کیلئے کمزور کرنا ہے، صرف خواہشات نفسانی کے زور کو کم کر کے زور آور بننا ہے، محض صبر و استقلال ہے، خدا کے

† الخیرٰت کے صحیح الٰہی مفہوم کے متعلق دیکھو اصل کتاب تحفہ ملتان صفحہ ۱۳۴-۱۲۷

بڑا ذریعہ ہے (خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (توبہ۹))، حُبِّ مال کے لم یزل اور لایموت بُت کو توڑتے رہنے کا عمدہ اوزار ہے! جو شخص اسکو حتی الامکان اور ہر آن نباہ رہا ہے وہ فی الحقیقت **توحید** کو نباہ رہا ہے، جو اس سے گریز کر رہا ہے وہ دراصل اپنے قلب کے اندر **شرک** کا ناقابل عفو شائبہ پیدا کر رہا ہے، قوم کی بڑی عاقبت اور بد انجام سے غافل ہے، روزِ آخرت کے نیک اجر سے **منکر** ہے، (يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ (حٰمٓ السجدۃ))۔ اُمت کی اجتماعی شکست اور محکومیت کے روز بد سے بے نیاز ہو چکا ہے، اپنے آپ سے دراصل نخل کر کے اپنی جماعت کو موت کے گھاٹ اُتار رہا ہے، (هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ ۖ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ ۚ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم (محمد))۔ شرعی ماحول اس اسلامی شعار کے گرد و اگرد کچھ کا کچھ پیدا ہو جائے، لیکن زکوٰۃ بہر نوع مسلمان قوم کی اپنی ہی **بہتری** اور **حفاظت** کے لیے ہے، خدا اس روپے پیسے سے قطعاً بے نیاز ہے۔

حج کا اسلامی شعار میری نگاہوں میں صرف وحدتِ اُمت اور اتحاد کا ایک عظیم الشان مظہر ہے، صرف تمرکز اور اجتماع کا ایک بے مثال پیکر ہے، اَيْنَمَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا (بقرہ) کو عمل میں لانے کا صحیح اور کارگر ذریعہ ہے، يَأْتُوكَ ... مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (حج) کے ولولہ انگیز منظر کو پیدا کرنے کا واحد وسیلہ ہے، مشترک آقا کے مشترک خوف کو اُمت کی ہر رگ و پے میں جاری کر کے سب کو **ایک** کر دینے کا مؤثر اوزار ہے، (لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ **التَّقْوَىٰ** مِنكُمْ (حج))، اس سے کمتر یا زیادہ تر کچھ نہیں۔ خدا کی نظروں میں مشرق اور مغرب سب ایک ہیں (قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (بقرہ))، اسکی نگاہوں میں روئے زمین کی ہر اُمت کا کوئی نہ کوئی مرکز ہے (وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا (بقرہ))، کوئی نہ کوئی مرجع، اور ایک نہ ایک مآب ضرور ہے، نہیں بلکہ ہر قوم کا اپنے خدا سے تعبد اور تعلق کا طریقۂ اظہار بھی خود اُسی نے مقرر کیا ہے: (لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ (حج))، پس اگر حج سے میری نظروں میں دراصل کچھ مقصود ہے تو یہی لازوال عصبیت اور ناقابل شکست **اتحاد** ہے، یہی اس روئے زمین

♣ جس آیۂ طریفہ میں یہ الفاظ واقع ہوئے ہیں اسکی تمام تشریح اس موقع پر اصل کتاب صفحہ ۱۳۰ کے تحت الشق میں دیکھ لینی چاہیئے تاکہ آئندہ مطالب کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرہ)، وہ اُنکو خدا کے بالمقابل **ندّ** اور **شریک** بنائے ہوئے ہی۔ زمین پر سر رکھکر اُنکے آگے سجدہ کرنا عبادت کے مقرر ہونیکے لیئے کچھ ضروری نہیں۔ خود اُسکے ہاتھ پاؤں، اُٹھنا بیٹھنا، محنت اور تکلیف اس امر کے پیہم گواہ ہیں کہ اُس کا معبود و مخدوم وہی ہے: اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (جاثیہ)، وہی اُسکا اِلٰہ ہے، وہی حقیقت میں خدا ہے، اس حالت میں خدائے عزّوجلّ کی پنجوقتہ نماز پڑھ لینا یا حج، صوم، زکوٰۃ کا چھدّا سا اُتار دینا بھی کچھ معنی نہیں رکھتا۔ سجدہ اُسیکا ہے جس کا تعبّد ہو رہا ہے۔ دس یا بیس یا ایک سو سجدوں کا آسان عمل چند لمحوں کے لیئے کرکے باقی وقت غیروں کی اطاعت میں صرف کردینا اور بعد ازاں عبودیت خدا کا دعوےٰ کرنا میری نگاہ میں ازبس مضحکہ انگیز ہے۔ نہیں بلکہ ایسا سجدہ فی نفسہ بے معنی ہے، ایسی نماز ہو یا نہ ہو خدا کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتی بعینہٖ اسی بنا پر اگر کوئی فرد یا قوم اپنے **اعمال** میں خدا کے احکام پر چل رہی ہے، اُسکے قانون کی عملاً مطیع ہے لیکن رسماً یا عادتاً یا رواجاً کسی بُت، کسی پتھر، کسی شمس و قمر کے آگے ماتھا ٹیک رہی ہے تو وہ درحقیقت **خدا** کی **عابد** ہے اگرچہ اُس کا اِس پتھر کے آگے ماتھا ٹیکنا ایک فعل عبث ہے، اور عابدِ خدا قوم کیلئے یہ ظاہری سجدہ بھی فی الحقیقت اُسی خدا کے آگے ہونا چاہیئے: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (حٰمٓ السجدہ)۔ پتھر کی رسمی پرستش یا خدا کے آگے رسمی سجدے کر لینے سے کسی قوم یا فرد کے عابدِ خدا یا عابد ماسوا ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، اُسکے مشرک یا موحّد بن جانے کا محاکمہ نہیں ہو سکتا۔ **عبادت** کا فیصلہ **عمل** اور صرف **عمل** پر ہے۔ اِس بات کو دیکھنا ہے کہ کس کے احکام کی تعمیل ہو رہی ہے، پھر جسکے حکموں پر عمل ہو رہا ہے، اُسیکی عبادت ہو رہی ہے! اگر خدا معبود ہے تو وہ قوم **موحّد** ہے اگرچہ رسماً پتھروں کو کیوں نہ پوج رہی ہو، یا قولاً خدا کو تین یا دس ہزار کہہ رہی ہو۔ اگر ماسوا کی عبادت میں لگی ہے تو وہ قوم **مشرک** اور **کافر** ہے اگرچہ رسماً اور عادتاً خدا کے آگے سجدوں کے انبار لگا کر مگر کر رہی ہو۔ اِس دنیائے کسب و عمل کے اندر جو شئے ضائع نہیں ہوتی وہ **عمل** ہے: اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی (آل عمران)

+ اس آیۂ شریفہ کے مطالعہ کے لیئے دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۰۷ +

مشترک خوف کو دلمیں جاگزیں کر کے متحد بنے رہنا ہے (کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ) (سورۃ)، لذیذ کھانوں کے بُت کو توڑنا ہے، جوع البقر کے دیو کو رام کرنا ہے، ہاں توحید کیطرف ایک قدم ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر عمل ہے۔ کوئی آسمانی تقدس، کوئی رمز حکمت، کوئی لب کشا راز اسکے ماسوا اس عمل کی تہ میں مخفی نہیں۔ اِس دنیائے سعی و عمل اور کائنات شرط و جزا کے اندر ایک قوم کی قوتوں کو برقرار رکھنے اُنکو موحد بنا کر زور آور اور غالب بنانے کا عمدہ ذریعہ اور بہترین اوزار ہے۔ جو قوم ان عظیم الشان اسلامی شعائر کو اِس عظیم الشان حکمت کا حامل سمجھکر اُسپر عمل کر رہی ہے وہی **اصل دین** اور **قانون خدا** کو پکڑے ہوئے ہے وہی حقیقت کے راہ راست پر جا رہی ہے، وہی صراط مستقیم پر ہے۔ صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ، سب کے سب اگر ارکان اسلام ہیں تو فقط انہی معنوں میں ہیں، اِنہی معنوں میں **قانون خدا** کی عظیم الشان عمارت کو تھام رہے ہیں، انہی معنوں میں **دین فطرت** کے قواعد ہیں، **توحید** کے علم بردار اور رحمات زمین حاصل کرنے کے اوزار✝ ہیں۔ اِسکے ماسوا ان کی کچھ غرض و غایت خدا کے نزدیک ہرگز نہیں!

پس اصل دین میرے نزدیک **توحید** ہے اور توحید قلوب کے اندر پیہم بُت شکنی کرتے رہنا ہے، یہی عبادت خدا ہے صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ کو رسمًا اور عادتًا یا تعظیمًا ادا کر لینا یا کلمہ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک قطعًا کوئی عبادت نہیں۔ عبادت میری سمجھ میں اُسکی ہو رہی ہے جسکے لیئے **عمل** ہو رہا ہے، جسکی خاطر تکلیف اُٹھائی جا رہی ہے! اگر ایک شخص کے ہاتھ پاؤں کسی نفسانی غرض کی خاطر حرکت میں آ رہے ہیں، اگر کسی شئے کی لَو اسقدر لگی ہے کہ اُسکے لیئے ہر طرح کی تکلیف گوارا ہے، نیند حرام ہو گئی ہے، شبانہ روز اضطراب ہے، اگر ایک شخص کسی پیر یا ولی کے پیچھے لگا ہے، اُس سے ارادت یا تعبد ہے، اُسکے حکم پر اُٹھتا بیٹھتا ہے، اُسکے اشاروں پر عمل کرتا ہے یا اولاد کی محبت میں مستغرق ہے، دن رات اُنکی خدمت میں مصروف ہے، یا انگریز سے اعتنا رکھتا ہے اور اُس سے بیم و رجا کے لوازم پیدا کر لیئے ہیں تو میری دانست میں وہ شخص اُس نفسانی غرض، اُس شئے، اُس پیر، اُس انگریز کی عبادت کر رہا ہے ✝(وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَہُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا

✝ تقابھی وحدت اُمت جابجا قرآن میں ہے۔ دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۵۴ ✝ صفحہ ۱۹۴ کی سورۃ مائدہ والی آیات کی طرف اشارہ ہے +

وہ توحید پر بلاشبہ عامل ہے، وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (ہود) پر عمل کر رہی ہے، وہ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ (ہود) پر صحیح معنوں میں چل رہی ہے، عابد خدا ہے۔ ایسی قوم کا اس دنیا میں قوت اور زور سے رہنا اٹل ہے، متمکن فی الارض رہنا اٹل ہے، مستخلف فی الارض ہونا اٹل ہے۔ ہر مشرک اور آرام پسند، ہر کاہل اور شیطان پرست قوم پر غلبہ پانا اٹل ہے! ایسی قوم کے لیے **اتحاد امت، اطاعت امیر، جہاد بالمال، جہاد بالسیف، ہجرت، ایمان بالآخرۃ، علم، استقلال** وغیرہ وغیرہ سب احکام خدا فی الحقیقت توحید کے لوازم ہیں۔ کسی نہ کسی **بت شکنی** کی تمہید ہیں، اور جو امت ان احکام پر تن دہی سے عمل پیرا ہے اسکا وارث زمین بنجانا قطعی ہے۔ اگر نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کسی عبادت کیلئے کہا تو اسی وارث زمین بنانے والی عبادت اور انہی معنوں میں تعبد خدا کے لیے کہا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوْہُ وَاَطِیْعُوْنِ ۙ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُؤَخِّرْکُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی (نوح) ، اسی سیاسی تمکن اور اقتصادی نفع دینے والی ملازمت کے لیے کہا: یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا ۙ وَّیُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْھٰرًا (نوح) اگر ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو کسی عبادت کی طرف متوجہ کیا تو انہی معنوں میں تعبد خدا اختیار کرنے کے لیے کہا، اسی رحمت ایزدی کے موسلا دھار مینہ برسانے والی چاکری کے لیے کہا، اسی نفع مند، اسی نتیجہ خیز، اسی قوت افزا اور غلبہ اندوز توحید پر زور دیا: (وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ ..... یٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا وَّیَزِدْکُمْ قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ۝ (ہود) ۔ اگر نبی آخر الزمان نے عرب قوم کو کسی عبادت خدا، کسی توحید، کسی اسلوب تعبد کیطرف راجع کیا تو مشترک خدا کی اسی مشترک عبودیت کیطرف کیا جسکا نتیجہ **وحدت امت** ہے، اس دنیا میں قوت اور زور سے رہنا ہے: اِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ۖ وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء) ، اسی دنیاوی حالت کو بہتر بنانے والی، فضل خدا کو روز افزوں کرنے والی، بقا نصیب کرنے والی اور اجتماعی ہلاکت سے بخوف و خطر کرنے والی عبادت کی طرف مائل کیا، اسی قوت انگیز

نماز اور زکوٰۃ، اور حج اور روزے رسماً ادا کر کے اور معناً شیطان کی عبادت کر کے ضائع ہو سکتے ہیں (فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (مریم ۱۹)، مگر صحیح یا غلط عمل ایک ذرے کے برابر ضائع نہیں ہوتا! (فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ (زلزال ۹۹)۔ **ظاہری قول** اس زمین و آسمان کے اندر بہر نوع کچھ شے نہیں، اور جو قوم صرف ظاہر کو پکڑے ہوئے ہو اور باطن کو اپنے آرام کی خاطر نظر انداز کر رہی ہے وہ درحقیقت خدا سے مکر کر رہی ہے۔ نہیں بلکہ اُسکے **کافر** اور **مشرک** خدا ہونے میں شک شبہ کی قطعاً کوئی گنجایش نہیں: (أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ قُلْ سَمُّوهُمْ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِنَ الْقَوْلِ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ وَمَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَاقٍ ۝ (رعد ۱۳) وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ وَسَيَعْلَمُ الْكُفَّارُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (الرعد ۱۳)۔

اس عبادت خدا، اس توحید، اس ملازمت رب العلمین کا واحد منتہا میری نگاہوں میں بنی نوع انسان کی اپنی ہی بہتری ہے، سب سے پہلے اس دنیا کے اندر بہتری ہے، **قومی** اور **اجتماعی** بہتری ہے، **سیاسی** اور **اقتصادی** بہتری ہے، **تمکن فی الارض** ہے، **جنات زمین** کی بادشاہت اور غلبہ ہے، استخلاف فی الارض اور بقا ہے۔ آگے چلکر اُخروی بہتری بھی ہے، **الجنۃ** بھی ہے مگر اس دنیا کے اندر اسکے ماسوا یا کمتر حتماً کچھ نہیں! جو قوم شب و روز اس عبادت خدا میں مشغول ہے، چوبیس گھنٹے ماسوا کے بتوں کو توڑ کر خدا کی طرف متوجہ ہے، چوبیس گھنٹے اُس قانون پر چل رہی ہے جو خدا نے بنایا ہے، چوبیس گھنٹے کسی غیر خدا، کسی طاغوت، کسی شیطان، کسی بت، کسی صنم، کا آرام دہ حکم نہیں مانتی، چوبیس گھنٹے اُن حکموں پر نہیں چلتی جن میں فوری مزہ نقد فائدہ، یک لخت اجر، معاً راحت، لیکن **بالآخر** نقصان اور **آخرش** تکلیف ہے اور ہر لحظہ اُن احکام پر عمل پیرا ہے جن میں **فوری تکلیف** اور **بالآخر راحت** ہے، جن میں گھڑیوں کا رنج اور گھنٹوں کا امن ہے،

۹۰ ان آیات الٰہی کا جو مطلب میں نے سمجھا ہے اُسکے لیے دیکھو عربی افتتاحیہ صفحہ ۱۳۴۔

اہرمن کا نقش اثر کمزور اور یزدان کی محرک اعضا حکومت دلوں پر استوار ہوتی گئی ہے وہیں خلافت زمین کا انعام بارگاہ ایزدی سے بے دھڑک ملتا رہا ہے! جہاں شیطان نے اپنے قدم جماکر اُمت کے قوائے عاملہ کمزور کردیئے ہیں، افراد کے اعضا میں آرام کا قاطع النسل چسکہ لگاکر اُنکو محنت سے متنفر کردیا ہے وہیں محکومیت اور ہلاکت کے انگارے پڑے دہک رہے ہیں۔ دنیا کے اس کارگاہ رنج و محن میں یہی دو بڑی طاقتیں ہیں جو ایک دوسرے پیہم نبرد آزمائی میں مصروف ہیں۔ شیطان کا متمرد اور خدا سے برگشتہ ملک ہر جگہ اپنے طاغوتی مکر و حیل سے انسان کو نقد اجرت کی طمع دے دیکر اپنے دام میں پھنسانا چاہتا ہے، بنی آدم کی ضعیف الخلق پیدائش کو فوری آرام کی مہلک اعضا ترغیب و تحریص پیش کرکے تھپک تھپک کر سُلانے کے درپے ہے، اسکے قلب کے اندر دلفریب بُتوں کی ایک بہری محفل لگاکر خدا اور اُسکے محرک اعضا احکام سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے کبھی آگے سے آتا ہے، کبھی پیچھے سے آسرکتا ہے، کبھی دائیں سے آنکلتا ہے، کبھی بائیں سے آعاضر ہوتا ہے اور سعی و عمل کے صراط مستقیم سے ورغلاتا رہتا ہے، ممنوعہ درخت کی طرف بلاکر اُسکو حفظ و امن کے "الجنۃ" سے نکالنا چاہتا ہے: قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ (اعراف) - یہی وہ لازوال طاغوتی طاقت ہے جو ہر وقت اور ہر لحظہ انسان کے درپے ہے، اُسکو ہر دم اور ہر آن بہکا رہی ہے، لمحے لمحے کے بعد نیا بُت پیدا کر رہی ہے، توڑے ہوئے بتوں کو چشم زدن میں پھر جوڑ دیتی ہے، نئی نئی اور دلفریب مورتیں از سر نو پیش کرکے خدا کے بتائے ہوئے صراط مستقیم میں لاینحل مشکلات، لازوال رکاوٹیں، قدم قدم پر ٹھیر جانے اور خدا تک پونہچنے کے سامان پیدا کردیتی ہے خدا کی راہ پر چلنے والے اور اُسکی عبادت اختیار کرنے والے شخص کیلئے شیطان کا اس زمین پر موجود ہونا ایک ابتلائے عظیم ہے، بلائے مسلسل ہے، شبانہ روز امتحان ہے! اُسکے لیئے اُس کا رطلب اور صبر آزما خدا کو خوش کرنے کی سبیل یہی ہے کہ ہر دم اس مردود خدا ملک کے بنائے ہوئے بتوں کو توڑتا رہے، راہ خدا میں اس قطاع طریق کے آراستہ کیئے ہوئے منظروں کیطرف آنکھ اُٹھاکر نہ دیکھے، اسکی ابلہ فریب آرائشوں کا کچھ خیال نہ کرے،

توحید اور نعمند چاکری خدا کی طرف اشارہ کیا جس کا نتیجہ تمکن فی الارض اور متاع حسنہ ہی، تسبیحوں اور سجدوں راہبوں اور گوشہ نشینوں والی عبادت کے لیے قطعاً نہیں کہا: اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ ۙ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ (ہود)، اور اگر اس عبادت خدا، کا کوئی دنیوی انعام اور منطقی نتیجہ جتلادیا تو یہی اُسکی راہ میں جان کی متاع عزیز قربان کرنے کی **خدمت** کے عوض میں پہنائے زمین کے بر و بحر کی وسیع بادشاہت پیش کردی: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (عنکبوت)، بلکہ اسی **سعی و عمل** اور **استقلال** کے تسلسل میں اُخروی الجنۃ کا دائمی امن بھی پیش کردیا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ † ۝ (عنکبوت)، نہیں بلکہ جب جب سجدہ اور رکوع بلکہ الصلوۃ اور الزکوۃ کا ذکر کیا، عبادت کے استمراری عمل کو ان رسمی اور وقتی افعال سے الگ کردیا‡، (فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۝ (نجم)، وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝ (انبیاء)۔ قرآن کی بتائی ہوئی عبادت، قانون خدا کا وہ پیہم اتباع، اور توحید کے اصل اصول پر وہ شبانہ روز مداومت ہی جس کا اٹل نتیجہ وراثت زمین ہے: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝ (انبیاء)، وہ دراصل سب ماخلائے خدا کی عبادت سے الگ تہلگ ہ کر قانونِ خدا کی تعمیل میں اپنے اندر وہ سپاہیانہ مستعدی، وہ اتحاد کا آسمان شکن زور، وہ یک منعی کی ماحی عدد عصبیت پیدا کرنا ہے جسکا واحد نتیجہ فلاح دنیوی اور غلبہ ہے: اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (مجادلہ)۔ کسی قوم نے آجتک زمین کی بادشاہت نری تسبیحوں یا رسمی نمازوں یا گوشہ نشینیوں کے زور حاصل نہیں کی، اُسکا خدا سے بیشتر اسلوب وزاول سے مقاتلانہ اور مجاہدانہ ہی رہا ہے، دلوں کی پیہم بُت شکنی اور سعی و عمل پر مسلسل آمادگی ہی بہرحال قوموں کو اس مقام محمود پر ہمیشہ سے پونہچاتی رہی ہے، جہاں جہاں اور جس قوم میں

† صبر اور توکل کے الٰہی مفہوم کے لیے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۱۸۱ و ۱۲۲ و ۱۲۳ و ۱۲۴ و ۱۵۹ و ۱۷۸ وغیرہ ‡ اس موضوع پر ایک مفصل بحث اصل کتاب۔ تحت المتن صفحہ ۱۰۱-۱۱۳ میں کی گئی ہے

جو لمحے کے بعد اسکے قدموں کو متزلزل کرتی رہے! ایک مطلوب کے لیے طالب کی محبت کے امتحان کا اس سے بہتر کوئی اسلوب نہیں، جذبۂ دل کی تصدیق کا اس سے صحیح تر کوئی معیار نہیں، کھرا اور کھوٹا پہچاننے کی اس سے بہتر کوئی محک نہیں! صرف زبانی دعووں سے اطاعت اور ارادت، عشق اور **ولا** کا مقام قطعاً حاصل نہیں ہو سکتا! اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ۝ (عنکبوت)۔ اسکے لیے پیہم جہاد شرط ہے، جان کی پیشکش شرط ہے صبر اور استقلال شرط ہے: (وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰھِدِیْنَ مِنْکُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَکُمْ ۝ (محمد)، **تمنائے موت** شرط ہے: قُلْ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (جمعۃ) اس صبر آزما اور فتنہ شعار خدا نے اپنی راہ رضا میں تاب گسل اور ابلہ فریب بتوں کا ایک جم غفیر کھڑا کر دیا ہے، اپنے اور انسان کے درمیان ہزار در ہزار حجاب آراستہ کر کے ہر پردے پر ایک عیار اور عشوہ گر حاجب بٹھا دیا ہے، ہر حاجب کو اشارہ کر دیا ہے کہ انسان کو حتی الوسع اس حجاب آرائے حقیقی اور اس منزل مقصود تک پونہچنے نہ دے۔ وحدت اُمت کے حکم کے بالمقابل عداوت اور بغضا کا بت، اطاعت امیر کے بالمقابل خودرائی کا بت، جہاد بالسیف کے مقابلے میں نفس پسندی کا بت، جہاد بالمال کے مقابلے میں حب مال کا بت، ترک وطن کے بالمقابل ہجر اولاد کا بت، الغرض ہر امر و نہی کے برخلاف ایک نے بر دست اور لازوال مخالفت کے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ شیطان کو نفس امارہ کے اندر اسقدر متمکن کر دیا ہے کہ قدم قدم پر لغزش کا سامنا ہے، انسان کو **سمع و بصر** اور **قلب سلیم** کی **امانت** عطا فرما کر اسکے لیے اس دنیا میں صحیح طور پر رہنا دہ دشوار کر دیا ہے کہ آسمان و زمین اس امانت کے بوجھ کو دیکھ کر لرز رہے ہیں، **تعقل** اور **ارادہ** ارزانی فرما کر اسکے لیے یہ موت انگیز الجھنیں، یہ المناک دشواریاں، یہ گمراہ کن نادر بینیاں، یہ ہلاکت خیز ناانجام شناسیاں پیدا کر دی ہیں کہ ہر قدم پر لڑکھڑاہٹ ہے۔ بے تعقل اور بے ارادہ سورج کا زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا کرہ تو روز اول سے اسی صحت اور اطاعت سے اپنے صراط مستقیم پر چل رہا ہے جو اسکے لیے ایک دفعہ

اسکے عملے کے خود فروش بتوں کی پس پردہ چشمکوں کو دھیان میں نہ لائے، (اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (اعراف)، راہ خدا میں اُسکی یاد دلائی ہوئی تکلیفوں کی کچھ پرواہ نہ کرکے منزل مقصود تک پونہچنے کی سعی کرے، ہمیم سعی وعمل کرکے اس دُنیا کے اندر عزّ وتمکنت سے رہے، خلیفۃ اللہ بنے، بادشاہ زمین بنے، نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کا مصداق ہو، تخلقوا باخلاق اللہ پر عمل کرکے اپنے آپ کو خدا کا مماثل* ثابت کرے، مسجود ملائک ہو، مخدوم انام ہو، معبود انعام ہو۔ الغرض اس دربار احکم الحاکمین کی کسی صف نعال میں بیٹھنے کے قابل ہو جائے! بندۂ خدا اور عابد رب العٰلمین قوم کا اس زمین پر یہی کام ہے، یہی صراط مستقیم ہے: قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (حجر)! جو قوم اس عبادت خدا، اس توحید کے صراط مستقیم، اس تلوار سے سوا تیز اور بال سے سوا باریک" راہ سے اِدھر اُدھر ہٹی اسکے لیئے اس دنیا میں اجتماعی جہنم ہے، محکومیت کا دوزخ ہے غلامی کا سعیر ہے اور آگے چلکر ایک ایک کو جہنم ہے۔ (قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ ۣ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝ لَاَمْلَاَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (ص)۔ عبد مخلص بن کر رہنا، اپنی تمام ارادت اور عقیدت کو خالصۃً اُسی کے لیئے وقف کرکے اُس کے تکلیف دہ احکام پر عامل ہو جانا، محنت طلب خدا کو شبانہ روز محنت کرکے خوش رکھنا ہی وہ صراط مستقیم ہے جسکے سوا اس دنیا کے اندر کوئی دوسرا راہ راست موجود نہیں۔ (اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (زخرف) وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (زخرف ۴۳)۔ اُس کا رکن اور کارفرما خدا کے لیئے، نہیں اُس شاہد امتحان طلب کے لیئے اُسکے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے اشرف الخلق انسان کی ارادت اور محبت، اُسکی اطاعت اور عبادت کی آزمایش کی اس سے بہتر کوئی سبیل نہیں کہ ایک **لایموت اولم نزل طاغوتی طاقت** پیدا کرکے اس زمین پر عمداً کھلی چھوڑ دے، جو اُسکے دیئے ہوئے احکام سے انسان کو ہر دم ورغلاتی رہے، جو اُسکی راہ میں ہمیم حائل ہو،

* عہد عتیق باب پیدایش میں کہا گیا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنا مماثل پیدا کیا۔

ایک دوسرے کو کاٹ کاٹ کر کھا رہے ہیں، ادنیٰ مخلوق کی ہر اُمت کا **ایک** مذہب، ایک راہ عمل، ایک مسلک **ایک** رہنمائے اعظم ہے، مگر یہاں ایک نوع میں ہزار در ہزار اُمتیں، ہر طرف ایک علٰحدہ رہنما، ہر جگہ ایک نیابت، اور گھر گھر فطیری، اور خمیری کا جھگڑا ہے! ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ۝ (روم)۔ الغرض یہ سب کچھ **عبادتِ شیطان** کا ظہور ہے، اُس معلم الملکوت کی ادنیٰ کارفرمائی ہے ورنہ بنی آدم درحقیقت **ایک** ہی اُمت ہیں: كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ۔ (بقرہ)، ایک نوع، ایک ماخذ و مصدر، ایک اب و جد، ایک تقویم، ایک خدا اور ایک ہی کارفرما کی رعیت ہیں۔ شیطان کا تعبد اور خدا سے برگشتگی لاکھ ہوتی رہے مگر اُس چارہ فرمائے جہان اور بدیع زمین و آسمان نے بھی انسان کا ڈھانچا تیار کرتے وقت پہلا **معنوی عہد** جو اُسکی جبلت اور طینت سے لیا یہی تھا کہ اِس دنیا کے اندر خوش اسلوبی اور زور سے رہنے کا صراط مستقیم یہی ہے کہ شیطان سے تعبد قطعاً نہ ہونے پائے، جس کی مخلوق ہو، اُسی کے حکموں پر چلنا تمہاری **فطرت** میں داخل کر دیا ہے، اُس بنائے کون و مکان نے یہ بات تمہاری ہیئت اجتماعی کی ہر ممکن حالت تمہاری چال ڈھال، تمہاری سیرت اور چلن، تمہارے انداز معاشرت، تمہارے تمدن، تمہاری تکوین میں نہیں بلکہ تمہارے بقا و فنا کے ہر شعبۂ سعی و عمل میں روز اوّل سے رکھدی ہے کہ غیر خدا کی ملازمت سرے سے نہ ہو: أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ۝ (یٰسٓ)۔ **توحید** تمہاری مٹی میں خمیر کیگئی ہے۔ تمہاری **طینت** اور **جبلت** میں مخمر ہے۔ جس نے تمہیں پہلے دن بنایا تھا اُسنے اپنی ملازمت کے عنصر کو تمہارے ہیولے میں گوندھ دیا تھا، اُسکو بناتے وقت اِسقدر سوچ ضرور تھی کہ یہ سرکشی کا پُتلا اور آگ کا پرکالا، یہ خودرائے اور صاحب ارادہ مضغہ گوشت، یہ کبر و ادعا کا نطفۂ منی، یہ انانیت اور شیطنت کا پیکر کبیر، یہ صاحب دست و قدرت، یہ اوصاف خدا کا مجسمہ صغرے زمین پر رہکر اسقدر شیطنت یا اسقدر کبریائی نہ کرتا پھرے کہ خدا کی خدائی سے نکل باہر ہو، اُس کے

مقرر کر دیا تھا، ہر وقت اور بہر کیف لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ (یٰس ۴۰) کا مصداق ہے، کروڑ در کروڑ آسمانی اجرام اور سورج سے کروڑ در کروڑ گنا بڑے ستارے بھی اُنہی قاعدوں پر چل رہے ہیں جو قسام ازل نے ایک بار متعین کر دیئے تھے، سب کے سب کسی بے مثال **حاکم** کے اٹل حکم پر **مجبور** نظر آرہے ہیں، اُس **ناموس اکبر** کی ذمہ داری کے بارِ عظیم کے یہ متحمل ہیں کہ یک سرِ مو اِدھر اُدھر نہیں ہٹتے۔ نہیں ہزار در ہزار قسم کی ادنیٰ حیوانی اور نباتی مخلوق بھی روز آفرینش سے اپنے اپنے مقرر قاعدوں پر چل رہی ہے، أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ (طٰہٰ ۵۰) کی صحیح مصداق ہے، عبد مخلص ہے، حُنَفَاءَ لِلّٰہِ ہے، اِسی لازوال ہدایت اور صراطِ مستقیم کی بنا پر سطحِ زمین کے ہر حصّے میں اجتماعی دوام حاصل کر رہی ہے، متمکن فی الارض ہے، مگر فہم و ادراک کی امانتِ عظمیٰ کا قرعہ فال اِس ظلوم جہول انسان کے نام کچھ ایسے بُرے وقت نکلا ہے کہ اُسکو اپنے دین سے محض بیخبری ہے، اپنے صراطِ مستقیم کا کچھ پتہ نہیں، اپنی عبادت کے انداز کچھ یاد نہیں، اپنا دین ضیف کچھ اَز بر نہیں، اپنے راہِ راست پر کچھ قیام نہیں، اپنے قیام و دوام کا کچھ عشق نہیں، اپنا بقا کچھ میسّر نہیں: إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝ (احزاب ۷۲)۔ شیطان نے اِس زمین پر اپنا مستقر قائم کر کے اِس کمبخت وجود کے لیئے ہلاکت کے وہ لامتناہی سامان پیدا کر دیئے ہیں کہ روز آفرینش سے مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ (بقرہ ۳۰) کا ایک لامتناہی محشر برپا ہے۔ ایک اُمت اگر خدا کی عبادت میں مصروف ہو کر اُبھر رہی ہے تو دس اُمتیں شیطان کی عبادت میں لگ کر ہلاک ہو رہی ہیں، مُلک سے مُلک لڑ گئے، اُمت سے اُمت جُدا، شہروں اور قریوں میں فساد، گھروں اور محلّوں میں تفریق، بات بات پر اشتعال، الغرض شیطان کی حکومت اکثر جگہ قائم ہے **شرک** کے خانہ برانداز تفرقوں اور عبادت شیطان کے فارق الناس وسوسوں نے بنی نوع انسان کے اندر وہ اختلال عظیم برپا کر رکھا ہے کہ پوری **نوع کی ہلاکت** سروں پر منڈلاتی نظر آرہی ہے! اِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ (فاطر ۱۶) کا ہولناک سماں قریب دکھائی دے رہا ہے! سفلی مخلوقات کی ہر نوع کے افراد کے مابین ایک غیر منقطع **امن** ہے، وہ سب کے سب آپس میں متحد اور متفق العمل ہیں مگر انسان ایک نوع ہو کر

حتماً نہیں : فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ؀ (روم) - اِس منضبط اور محفوظ کارخانے کی بنا قسط و عدل پر ہے، اِس میں جو بات ہورہی ہے **قانون** کے ماتحت ہورہی ہے - جو نعمت، جو انعام، جو امن جہاں کہیں مل رہا ہے میری ہی ابتغائے مرضی اور میری ہی خوشنودی کے باعث مل رہا ہے، ظلم اور استبداد سے قطعاً کچھ نہیں ہوتا، پس جہاں کہیں میری رحمت کا موسلادھار مینہ برس رہا ہے، جہاں يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا کا سماں موجود ہے، جہاں يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ کا وعدہ پورا ہورہا ہے، يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ کے انعام مل رہے ہیں، جہاں لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ہے، اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا منشورِ خسروی نافذ ہے، جہاں استخلاف فی الارض کا عطیہ عظمیٰ ہے، وراثت زمین کی موہبت کبریٰ ہے، الغرض جہاں کسی قوم میں قوّت اور زور ہے، امن اور قیام ہے - موت اور ہلاکت میں بہت کچھ ڈھیل ہے - وہیں **توحید** باقی ہے، وہیں صحیح معنوں میں میری **عبادت** ہورہی ہے - میرے قانون پر سچا **عمل** ہے، میرے آئین کا صحیح **علم** ہے، میری منشا کی سچی **درک** ہے - میری صحیح **معرفت** ہے، وہیں **صراط مستقیم** ہے، وہیں **اسلام** ہے، وہیں **محمد** پر سچا **ایمان** ہے - وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰي مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ **بَالَهُمْ**† ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ؀ (محمد)، اُسکے لائے ہوئے **قرآن** پر ایمان ہے، انبیاء کی لائی ہوئی **الکتٰب** پر ایمان ہے - **توراۃ** اور **انجیل** پر ایمان ہے، زبور اور تلمود پر ایمان ہے، وہیں شیطان کی عبادت کم ہے، وہیں بُت کم پُجے رہے ہیں، شرک کم ہے، کفر کم ہے جہاں کوئی قوم مغضوب علیہ ہورہی ہے، اُسپر دردناک عذاب نازل ہورہا ہے، اُسکے مُلک یک بیک چھینے جارہے ہیں، اُسپر میرے غیظ و غضب کا تنور جوش مار رہا ہے، وہیں عبادت شیطان جاری ہے، وہیں توحید قطعاً نہیں، وہیں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا صراط گم ہوچکا ہے، كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ (روم) کے مصداق بن چکے ہیں، وہیں **شرک** قطعاً ہے، کفر قطعاً ہے، مجھ سے انکار قطعاً ہے، محمد سے انکار قطعاً ہے! قول میرے نزدیک

† گویا رسول صلعم پر ایمان کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اُسکی **دنیاوی** حالت اچھی ہوگئی، جس قوم کی بنیادی حالت درست نہیں اُسکو یہی آخر الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کچھ ایمان نہیں کہ ... اُنکے لائے ہوئے احکام پر نہیں چلتی +

دائرہ عبودیت کو مستر د کردے، جس جس رنگ میں روئے زمین پر یہ اپنا اجتماع و استعمار کرتا پھرے گا، رب زمین و آسمان کے قانون کی پابندی، اُسکے حلقۂ عبودیت کے اندر ہوکر رہنا اُسکے ہر کہ و مہ پر، شاہ و گدا پر، مطیع و مطاع پر، مرید و مراد پر، کبیر و صغیر پر، **جنّ و انس** پر فرض رہیگا، (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (ذاریات))۔ اگر اس تعبّد سے نکلکر اُس نے شیطان کی ملازمت اختیار کی، توحید سے برگشتہ ہوگیا، زمین و آسمان کے اس عالم آرا **اصل اُصول** سے عملاً بگڑ بیٹھا تو کچھ پرواہ نہیں، اُسکی **جبلّت** میں یہ بات پہلے سے **ودیعت** رکھدی گئی ہے کہ اس خصومت کے ہوتے ہوئے اسکی اس زمین پر کچھ دال نہ گل سکیگی، شکست و انتشار کے جہنم میں پڑا جلتا رہے گا، فقر و افلاس، واماندگی اور بیچارگی، محکومیت اور جوتیاں، چیتھڑے اور جوئیں، قحط اور وبائیں، ہر آن اُسکے دامنگیر رہا کرینگی، مَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (بقرہ) کا منظر ہر وقت پیش پیش ہوگا، لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۰ (ہود) کا قول پورا ہوکر رہے گا، یہاں پر اجتماعی جہنم اور آگے چلکر ایک ایک غلط کار کو اُخروی جہنم نصیب ہوگا! **موحّد** زمین و آسمان ہوکر مجھ سے یہ توقع رکھنا کہ میں نے اپنی مملکت کے اندر انسان کو اپنے سے محض **بے تعلق** پیدا کیا ہے، یا اُسکو بھولے سے مختار بنا کر اپنا اختیار کھو دیا ہے محض عبث اور طفل تسلیاں ہیں! شیطان کا اگر اس زمین پر غلبہ ہے تو یہ بھی میری **مشیّت** اور قضا سے ہو رہا ہے۔ یہ بھی میرے ہی قانونِ فنا کی ایک شق ہے، میری ہی امتحان پسند عادت کا ایک کرشمہ ہے، میری ہی سعی طلب طبیعت کا تقاضا ہے تاہم اس زمین و آسمان کی حدود کے اندر رہکر اگر کوئی قانون بقا و حیات جاری ہے تو وہ خالصۃً میری ہی عبادت ہے، توحید اور صرف توحید ہے! میں آقا ہوں، موحِد اور مصوّر ہوں، لیکن مومن اور مہیمن بھی میں ہی ہوں، اپنی ہی عبادت پر اس کارخانے کی بنیاد رکھنا میرا **حق** ہے، اور میری مخلوق ہوکر میری حدود مملکت سے باہر کسی کو مفر نہیں: يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۰ (رحمٰن) یہی توحید انسان کا وہ واحد دین قیّم ہے، وہ ایک صراط مستقیم، ایک اصل اصول، ایک اساس کار، ایک دین حنیف، ایک **فطرت** ہے جس پر سب انسان **مجبول بلکہ مجبور** ہے، اس خداداد فطرت میں ردّ و بدل کا امکان

✝ اس آیۂ شریفہ کی مزید تشریح کے لئے دیکھو ... صفحہ ۲۲ ... کتاب ... صفحہ ۱۱۵

تباہ کن نہیں وہ جسکو مل رہی ہے اُسیکو اِس زمین پر بسر بائی اور جبروت حاصل ہے!

پس اِس کارگاہ کسب وعمل کے اندر اگر کوئی شخص کسی مفید جماعت منتہا کو پیش نظر رکھکر کڑیاں جمیل رہا ہے تو وہ ازروئے قرآن خدا کا عابد ہے۔ جو قوم تکلیف اُٹھاکر اپنے آپ کو بہتر بنا رہی ہے وہ فی الحقیقت توحید پر چل رہی ہے۔ جو کاہل اور بے عمل ہے وہ مشرک ہے، منکر خدا ہے، عابد شیطان ہے۔ جو کام کر رہی ہے وہ حلقۂ عبودیت میں شامل ہے۔ جو کہہ رہی ہے وہ کچھ نہیں۔ جہاں جہاں جو جو کچھ سعی وعمل ہو رہا ہے، خدا کے قانون کو مانکر اور شیطان کو مسترد کرکے ہو رہا ہے۔ توحید کا اصل اصول فی الحقیقت اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۵۳:۳۹) ہی کو تسلیم کرنا ہے۔ یہی خدا کو ماننا اور شیطان سے گریز کرنا ہے، یہی عبادت ہے، یہی توحید ہے، شیطان کی ملازمت کی اصل بنیاد فوری آرام اور اُخروی تکلیف ہے، خدا کی خدمت کا اصل اُصول فوری تکلیف اور اُخروی آرام ہے۔ نہیں بلکہ جس عمل میں اُخروی آرام نہیں، جس کا انجام نیک نہیں، جس کا پیش نہاد اُمت کی بہتری نہیں، جو آپ نامنظم اور بے سلیقہ ہے، جس سے کچھ قوت حاصل نہیں ہوتی، جو راکھ کے ڈھیر کی مانند پریشان ہوجانے والا ہے وہ بجائے خود کفر ہے، بڑی سے بڑی گمراہی ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ نِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ (ابراہیم)۔ خدا کا منکر، اُسکے قانون کا منکر، اُسکے منظم اور مرتب زمین وآسمان کا منکر، اُسکے شمس وقمر کا منکر، اُسکی رکھی ہوئی میزان کا منکر فی الحقیقت وہ شخص ہے جو ایک سعی بیحاصل کر رہا ہے، جسکی کوشش اِس دنیا کے اندر کچھ ٹھکانے نہیں لگی، جسکی تگ ودو سے کچھ نتیجہ نہیں نکلتا، جو ایک بے حقیقت اور باطل شئے کے درپے ہے: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ (محمد) جو کسی سراب کے پیچھے لگا ہے، پانی سمجھکر لپکتا ہے مگر پانی نہیں پاتا، ظن ووہم کی وادیوں میں سرگرداں ہے اور بے نتیجہ عمل کرکر کے دُکھ اٹھا رہا ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ (النور)۔ عبادت کا خدائی مفہوم خدا کے اِس آخری کلام میں اِس قدر وسیع اور عالم آرا ہے، کفر کا آئی اطلاق اِسقدر نامقید اور مطلق ہے، توحید کا قرآنی مقصود

* وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ (رحمٰن) کی طرف اشارہ ہے +

کچھ شئے نہیں، عقیدے اور رسمیں کچھ شئے نہیں، عیسائی اور موسائی، کرشنوی اور محمدی بننا کچھ شئے نہیں، یہ بھی ایک **بت پرستی** ہے، مجکو چھوڑکر میرے بندوں کو پکڑتا ہے، قانون خدا اور امر ربّ العلمین سے جُدا ہوکر کسی رسمی اور شرعی مذہب کے ظواہر کچھ شئے نہیں، نماز کی رکعتیں قانون سے الگ ہوکر کچھ شئے نہیں، حج کے مناسک کچھ شئے نہیں، جو شئے میرے نزدیک مقبول ہے وہ توحید پر **عمل** ہے، بہر نوع عمل ہو، **ہر لحظہ عمل** جو عمل کر رہا ہے، وہی میرے نزدیک مُسلم ہے، وہی مومن ہے، وہی محمدؐ کا سچا پیرو ہے، وہی بیخوف و خطر ہے، میں نے نوحؑ و ابراہیمؑ کی رسمی اُمتیں ہلاک کر ماریں، موسیٰؑ کی اُمت کو سوائے جہاں کر دیا، لوطؑ، شعیبؑ صالحؑ، ہودؑ، سب کی شرعی امتوں کی بھننگ تک باقی نہیں رکھی، وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّن قَرْنٍ ۚ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا (مریم)، یہ اس لیئے کہ وہ سب کی سب مجھ سے بگڑ بیٹھی تھیں، مَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ (الشعراء) کی مصداق بن چکی تھیں، اب محمدؐ کی اُمت کو ہلاک کرنے میں مجھے کیا شرم ہے یا منہ سے تین خدا کہنے والی لیکن توحید پر عمل کرنے والی اُمت کو زِدْ فِزْ کرنے میں کیا عار ہے۔ مُسلمان اور اسکا انکار کیا، نسل انسانی کا تختہ اُلٹ کر اُس سے بہتر اور قائم تر نسل کو لا بٹھانے میں کیا دیر ہے (قَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ (ابراہیم) ۔ میں قاسط اور عادل، بے نیاز اور بے پرواہ خدا ہوں، بادشاہوں کا بڑا بادشاہ ہوں، میرے ہاں وہی قوم بے خوف و خطر ہے جو توحید پر عامل ہے، جو شیطان کی ملازمت کو قبول نہیں کرتی، اُسکے فوری اجر کو، اُسکی نقد تنخواہ کو کچھ نہیں مانتی، جسکو میرے نسیے، میرے اُدھار، میری یوم آخرت کو دیجانے والی تنخواہ پر اعتماد ہے۔ قولی مسلمان یا شرعی ایمان دار، رسمی یہود یا اِسمی نصارےٰ، گبر و برہمن، وغیرہ وغیرہ میرے نزدیک کچھ شئے نہیں، جو جس قدر عمل کر رہا ہے، اُسیقدر میرے ہاں سے اُجرت لے رہا ہے، اسیقدر وہ قوم اس دنیا میں بے خوف و خطر ہے، اسیقدر غالب اور متمکن فی الارض ہے، إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (بقرہ)۔ میری اُجرت شیطان کی اُجرت کی طرح فوری، عارضی، اور

وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (محمد) - کافر کا ہر جگہ اور ہر نوع منہ کالا ہے، مومن کو ہر جا اور ہر حال فتح نصیب ہے، نہیں بلکہ فتح و نصرت کی طرف اقدام کر کے اپنے آپ کو غالب کر دینا ہی عین ایمان ہے، عین عبادت اور نری توحید ہے۔ اگر زرتشت علیہ الرحمۃ نے یزدان اور اہرمن کو اس دنیا کے اندر دو بڑی طاقتیں مانا تھا، اگر اُسنے لوگوں کو اہرمن کی شکست انگیز طاقت اور یزدان کی خیر آفریں قوت کی طرف متوجہ کر کے رب بیمثال کے بقا و فنا کے اس پر اسرار قانون سے آگاہ کرنا چاہا تھا تو اس کا پیش نہاد بھی ساکنان زمین کو اسی توحید اور تعبد خدا کی طرف بُلانا تھا، جن لوگوں نے اسکی تعلیم کو "وحدانیت" کے منافی یا "دو خداؤں کے منوانے والی" سمجھا ہے اُنکی جہالت پر جسقدر ماتم کیا جائے کم ہے! جس قوم نے اس دنیا کے اندر شیطان کی برباد کن قوت کو تسلیم نہیں کیا، جو اُسکو ہر لحظہ اپنا کھلا دشمن سمجھکر اُس سے فی الجملہ محترز نہیں رہے اُنہوں نے فی الحقیقت توحید کی حقیقت کو کچھ نہیں سمجھا!

اگر عہد حاضر کے مسلمان قرآن حکیم کے ان قطعی اور عام محاکموں کو نظر تعمق سے نہیں دیکھتے، اگر آج اُنکو "مین خدا کہنے والے نصرانی کی دنیاوی خوشحالی کا خوشنودیٔ خدا اور عبادت رب یا توحید اور ایمان پر محمول کرنا ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اگر وہ آج اپنی ہر مصیبت کو "ابتلاء" اور دوسروں کی ہر راحت کو "بلا" سمجھکر مکر کی نیندیں لے رہے ہیں اور زمین و آسمان کو العیاذ باللہ مشرق کا کوئی لاابالی اور مستبد، کوئی بے اصولا اور بے قانونا نوآب سمجھکر اپنی قسمت پر شاکر بیٹھے ہیں تو بیٹھے رہیں مگر آنکھیں ہو ہو اکر اُن کا اس حقیقت سے انکار کرنا، مالک شمس و قمر اور خالق زمین و آسمان کو "ظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ" سمجھنا، اُسکے دیئے ہوئے انعاموں کو بلا استحقاق اور اُسکی بھیجی ہوئی عقوبت کو بلا وجہ سمجھنا، اسکی مشیت کو "گہ بہ سلامے برنجند و گہ بہ دشنامے خلعت دہند" کا مصداق یقین کر کے قسمت اور تقدیر کو پیٹتے رہنا فی الحقیقت وہ آشوب چشم اور وہ سودائے سر ہے جسکا علاج موت کے سوا کچھ نہیں۔ قرآن حکیم کے مطالعے کے بعد کفر اور ایمان، عبادت اور توحید، فتح و شکست کے متعلق میرا یہ فیصلہ اسقدر حکمی اور قطعی ہے کہ روئے زمین کی بڑی سے بڑی مخالفت بھی مجھے اس عزم میں کمزور نہیں کر سکتی۔ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ مذہب اسلام اس دنیا میں قوت اور زور سے رہنے کا واحد اور سچا طرز عمل ہے، توحید اس مقام محمود پر پہنچنے کا واحد اور موثر راستہ ہے۔

اسقدر نفع مند اور نتیجہ خیز، اسقدر روزمرہ اور بکار آمد ہے کہ جہاں کہیں اس دنیا کے اندر کوئی مستقل بہتری کی صورت پیدا ہو رہی ہے، جہاں کچھ کامیابی اور کامرانی کے سامان جمع ہو رہے ہیں، کوئی تکلیف، کوئی تنگ دلی، کوئی شیطان سے انکار اس بنا پر ہو رہا ہے کہ انسان کی ہیئت اجتماعی کی حالت بہتر بنے، کچھ قوت اور زور حاصل ہو، کچھ بادشاہت زمین ملے، عزت اور غلبہ ہو، ارتقا اور بقا نصیب ہو، وہیں عبادت خدا کا شائبہ قطعاً ہے، وہیں ایمان کا شائبہ قطعاً ہے، وہیں توحید کا عمل ضرور ہے، وہیں بت کم ہیں، شیطان کا کم غلبہ ہے، وہیں ایمان باللہ ہے۔ جہاں نامرادی ہے، وہاں کفر قطعاً ہے، خدا سے انکار قطعاً ہے، شیطان کی عبادت قطعاً ہے (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (عنکبوت ۵۲)۔ جہاں کوئی قوم ناکامیاب ہو رہی ہے وہاں خدا سے اعراض ہے، اُسکے قانون سے اعراض ہے، کسی ماسوا کی عبادت ہو رہی ہے، کچھ شیطان سے لگاوٹ ہے، (وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (رعد ۱۴) کفر اور توحید کا صحیح معیار اس دنیا کے اندر تمامیہی ہے کہ موحد اور مومن قوم ہر نوع غالب ہے، بہر حال ترقی کر رہی ہے، اُسکی دولت اور حکومت، عزت اور اقتدار سب کچھ بڑھ رہے ہیں، جماعت کی کثرت ہو رہی ہے، جنات اور انہار مل رہے ہیں، نئی قوموں پر حکومت مل رہی ہے، الغرض وہ منعم لم یزل اس سے بحیثیت مجموعی راضی ہے، وہ بھی خدا سے راضی ہیں، اور جبتک عبادت خدا اُنکا وطیرہ رہیگا اس دنیا کے اندر اُن کا فلاح پاتے رہنا ایک طے شدہ امر ہے: (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (مجادلہ ۲۲)۔ شیطان کی عبادت اور خدا سے اعراض کرنے کا اس دنیا میں رسوا اور ذلیل ہو کر رہنے سے اسقدر گہرا اور طبعی تعلق ہے کہ کافر قوم کی زندگی ہر نوع چارپایوں اور مویشیوں کی زندگی ہے، بیگار اور باربرداری کی زندگی ہے، محکومیت اور بیچارگی کی زندگی ہے، افلاس اور آہ و بکا کی زندگی ہے، لیکن مومن کے لیئے ہر نوع جنات زمین ہیں، بادشاہت اور عزت ہے، قوت اور امن ہے: (اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ

کچھ مستبعد نہیں: وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل)

پس جو قوم توحید کی اس نعمت اور نتیجہ خیر حکمت کو پیش نظر رکھکر اس دنیا کے اندر پیہم عمل کر رہی ہے، جو شیطان کو اپنے اعمال کا پیہم مخرب اور خدا کو افعال انسانی کا پیہم مصلح سمجھکر اُسکے تکلیف دہ احکام پر عمل کرتے رہنا اپنی زندگی کا واحد منتہائے حیات سمجھتی ہے، جو توحید کو فطرت انسانی کا سب سے نفیس عنصر یقین کرکے حصول نعمت کے اس بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز صراط مستقیم پر بجزم تمام چل رہی ہے، جن کا مرنا اور جینا، اُٹھنا اور بیٹھنا خالصۃً اسی توحید کو پیش نہاد بناکر ہو رہا ہے، جن کی الصلوٰۃ اور الزکوٰۃ میں، جن کے الصوم اور الحج میں قانون خدا اور امر رب العلمین کی سچی متابعت ہے، جسکے ہر فعل و عمل میں کسی نہ کسی بُت کو توڑنا ہے، کسی طاغوت کو، کسی دلفریب تصویر کو، کسی ناب گل وثن کو، کسی دل آرام صنم کو دل سے محو کرتے رہنا ہے، ہاں جو اُمتیں ہر آن اور ہر لحظہ اس امر کے درپے ہیں کہ **شرک** کا قاطع حیات شائبہ اُنکے اعمال سے حتی الوسع دور ہوتا ہے، وہی آج اُس لاشریک خدا کے بھرپور خزانوں سے انعام پا رہی ہیں، وہی آج اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (فاتحہ) کی مصداق ہیں، وہی صحیح معنوں میں **صالح** اور **عابد** ہیں، اُنہی کو آج **وراثت زمین** کا بے مثال انعام مل رہا ہے اُنہی کو فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ہے، اُنہی کی **آخرت** بھی بہرحال درست ہے، قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (انعام) † اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ † (نحل)۔ انسانی اعمال میں **شرک** کے جزو قلیل کا آجانا بھی فی الحقیقت وہ **ظلم عظیم** ہے کہ اس سے قومیں چشم زدن میں تباہ ہو جاتی ہیں۔ پوری اُمت کے اعمال چند ترنوں کے اندر خانہ برانداز ہو جاتے ہیں، اعضا میں سُستیاں اور ذہنوں میں ویرانیاں میلوں اور صدیوں تک ڈیرہ ڈالے رہتی ہیں،

† ان آیات کے مطالب کے لیے اور صراط مستقیم کی تعریف کے لیے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۲۳۱-۲۳۲ و صفحہ ۲۲۴، ۲۴۶ +

اس سطح زمین پر تنومند بنکر رہنے کی سچی اور کھری سیاست ہے۔ انسان کے ہر لائحہ عمل میں اسطرح شامل ہے اسکے ہر اسلوب کار میں اسطرح داخل، اسکے قانون مد و جزر کی وہ شرط لاینفک، اسکے بقا و دوام کی وہ علت اولیٰ، اسکی بہبودی اور خوشحالی کی وہ محرک اعلیٰ ہے کہ اسکو انسان کے کسی فعل حسن سے جدا کرنا ناممکن ہے۔ نہیں بلکہ میری نظروں میں اگر سورج اپنے وقت پر روز چڑھتا ہے تو اسی توحید کے زور پر، اگر چاند کی منزلیں مقرر ہیں اور وہ نکو نباہ رہا ہے تو اسی توحید کے زور پر، اگر نجم و شجر روز آفرینش سے اپنے مقررہ فرائض کو ادا کر رہے ہیں اور یک سر مو ادھر اُدھر نہیں ہٹتے تو اسی عبادت خدا کے زور پر: (وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ (نحل)) ۔ اگر دابہ اور ملائکہ اپنا اپنا کام کر رہے ہیں تو اسی خوف خدا کے زور پر۔ یہ ہر ایک کا اپنے فرض کو مقررہ وقت پر اور بے ردوبدل ادا کرنا ہی انکی صلاۃ ہے، یہی انکی تسبیح اور سجدہ ہے، یہی كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (النور) کا صحیح مفہوم ہے، یہی وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنی اسرائیل) کا صحیح تفقہ ہے۔ پس جب اس زمین و آسمان کا سارا نظم و نسق اسی توحید کے زور پر ہے تو انسانی امتیں بھی جہاں کہیں ابھر رہی ہیں اسی وحدت کے زور پر ابھر رہی ہیں۔ جس قوم اور گروہ میں نظم و نسق قائم ہے، جسمیں ہر شخص اپنا مقرر فرض ادا کر رہا ہے، سب کا معاون اور سب سے متحد ہے، سب کا ایک صراط مستقیم، ایک راہ عمل، ایک قانون، ایک میزان ہے، نہیں جو قوم یا گروہ اس سطح زمین پر اسطرح عمل کر رہا ہے کہ اس کا عمل اسکو بہتر اور طاقتور بنا رہا ہے اسمیں توحید قطعاً موجود ہے، اسمیں ایمان باللہ موجود ہے، اسمیں خشیت خدا موجود ہے، اسلام موجود ہے، دسواں یا ہزارواں حصہ موجود ہو مگر ایک شائبہ قطعاً موجود ہے: (وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ (رحمٰن)) ۔ اسلام کے مذہب عمل کی کسی خاص فرقے یا گروہ کی تخصیص نہیں۔ یہی اسلام ابراہیم اور موسیٰ اور لوط اور شعیب وغیرہم علیہم السلام کی ہلاک شدہ امتوں سے پے در پے نکلکر قرون اولیٰ کے عرب و عجم تک پونہچا تھا، ایک سے نکلکر دوسری میں اور دوسری سے تیسری میں ودیعت ہوا تھا، اور اگر یہی اسلام ہم سے نکلکر کسی دوسری امت میں چلا گیا ہے تو یہ امر خدا کے نزدیک

اور وہ ایمان باللہ ہے جسکا اٹل نتیجہ اس دنیا میں قوّت ہی، زور اور بادشاہت ہے، **امن** اور بقا ہی: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ (انعام)، یہی سچّی اور اصلی، دائم اور قائم **ہدایت** ہے! روئے زمین کے تمام تر خزانے بھی صرف افراد کے **جسموں** کو چند لمحوں کیلئے جوڑ سکتے ہیں اُن میں ایک ناقص اور عارضی اتحاد عمل پیدا کر سکتے ہیں مگر **دلوں** کا سچّا اتحاد توحید اور صرف توحید ہی سے قائم ہو سکتا ہے! دو افراد آپسمیں اُسوقت تک صحیح معنوں میں متّحد نہیں ہو سکتے جبتک کہ نفسانی اغراض کے سب قلبی بُت پیہم نہ محو ہو رہے ہوں اور دلوں کے اندر **ایک** محرّک اعلیٰ عملاً اور اصالتاً نہ قائم ہو گیا ہو۔ جہاں **سب** بُت ٹوٹ چکے ہیں اور صرف خدا باقی رہ گیا ہے، وہاں وحدت اور مواخات، مسامحت اور ملاطفت اٹل ہی۔ جس قوم کے دلوں کا محرّک شیطان نہیں رہا، اُسکا مؤلّف خدا یکسر ہے، اور اُسیکا ہر دشمن سے عہدہ برآ ہونا اٹل ہی: وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ† اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (انفال)۔ جہاں **تفرقہ** ہے وہاں طاغوت سے تعبّد قطعاً ہے، **شرک** قطعاً ہے، نہیں بلکہ جو قوم متّحد ہے اُسکے افراد کے دلوں میں توحید بلاشُبہ قائم ہے! شیطان کی ملازمت سے عملاً انکار ہی خدا سے تعبّد کا **معنوی اقرار** ہے، اور جس قوم کے افعال روز و شب اس امر کے شاہد ہیں کہ اُس کا شیطان سے کچھ سروکار نہیں رہا، اُسکو خدا کی عابد نہ سمجھنا صرف لفظوں کا ہیر پھیر ہے۔ خدا کی نظروں میں وہ قوم اُسکی کڑی آزمایش میں پوری اُتر چکی ہے، شیطان کو عملاً مسترد کر چکی ہے اُسکے حلقۂ عبودیّت میں داخل ہو چکی ہے کیونکہ اُسکے قانون کی معترف ہی، اُسکے حکموں پر عامل ہے، اُس کے سوا کسی کو الٰہ نہیں مانتی! یہی اصلی اور سچّی توحید ہے! اِس کارگاہ کسب و عمل میں نہ انسانی سعی و عمل خدا کیلئے ہے، نہ مُنہ سے اُس پناہ عالم کے مُقرّب بن کر اُسکی شان میں اضافہ ہو سکتا ہے، یہاں تو جو کچھ ہے انسان کی اپنی بہتری کے لیئے ہی، اگر اُسکے حکموں کی تعمیل ہو رہی ہے تو اپنی ہی بہتری اور خوشحالی کے لیئے، اور اگر انکار ہو رہا ہے تو اپنی ہلاکت کے لیئے، اُسکی اپنی ذات کیلئے نہ یہ ہے نہ وہ ہو رہا ہے: وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ

† یعنی یہ خدا کی مشترک ملازمت ہی تھی جس نے انکے درمیان اتحاد پیدا کر دیا، دنیا جہان کے خزانے انکے دلوں کو جوڑ نہیں سکتے تھے دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۶۷، تحت المتن صفحہ ۱۴۶

دل سخت ہو ہو کر وہ پتھر بنجاتے ہیں کہ پتھر بھی اُنکے سامنے مات ہو جاتا ہے، قلب کی سنگلاخ زمینوں میں وہ موت انگیز بربادیاں، وہ ہلاکت خیز ویرانے، وہ اعضا شکن خرابے پیدا ہو جاتے ہیں کہ سعی و عمل کی بالیدگی نام تک کو باقی نہیں رہتی: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (بقرہ)۔ یہ سب اس لیے کہ شرک **اتحاد** اور **عمل** دونوں کا صحیح معنوں میں قاطع ہے، دونوں کو قوم کے ہر کہ و مہ سے نیست و نابود کر دیتا ہے، لوگ اپنے اپنے **بتوں** کو لیکر اُن میں مست ہو رہتے ہیں، کسی کو کسی سے کچھ رسم و راہ باقی نہیں رہتی! کوئی مال میں مست، کوئی اولاد میں مگن، کوئی پیر و اولیا میں مشغول، کسی کا نفس حاکم، کسی کا حاکم وقت خدا، کسی کو جاہ سے غرض، الغرض کوئی **مشترک** تعلق، مشترک خوف، مشترک طاقت دلوں کو مشترک حرکت دیکر اُن کو آپس میں متحد نہیں کر سکتی۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (الروم) کا سماں سب طرف بندھ جاتا ہے۔ اُمّت کے اندر مُلک مُلک میں، شہر شہر میں، محلّوں اور گھروں میں، قریوں اور مکانوں میں، حتّٰی کہ ایک گھر کے مختلف افراد میں، باپ بیٹوں میں، ماں بیٹیوں میں، ماں جائے بھائیوں میں تفریق و انتشار کا ایک محشر بپا ہو جاتا ہے! (وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (الروم)۔ پیروین میں تفریق، طریق عمل میں تفریق، مذہب اور مسلک میں تجرّد افراد و دیار میں تحزّب، قوم کی تمام قوتوں کو بیکار کر دیتے ہیں۔ اپنے اپنے بتوں میں مشغول رہنے کے باعث ایک عارضی طمانیت اور فرحت تو فرداً فرداً ضرور حاصل ہو رہتی ہے مگر قوم کی بیخ و بنیاد ایک اقل قلیل مدت میں اس **ظلم عظیم** کے باعث اُکھڑ جاتی ہے! (وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان)۔ انسانی قلوب کے اندر **توحید** ہی فی الحقیقت وہ **محرّک** اوّل ہے جو افراد کے مابین ایک اصلی اور ناطق، ایک دائم اور قائم اتحاد پیدا کر سکتی ہے۔ یہ نفسانی اہوا و اغراض کے بتوں کو یکسر توڑ کر سب کا ایک **مشترک** خدا کے اذن میں آجانا ہی اتحاد کا صحیح باعث اور توحید کی سچی تفسیر ہے۔ یہی وہ توحید

اور کراہوں، نوحوں اور مرثیوں کے باوجود دے رہا ہے، مسجد اقصیٰ کو دے رہا ہے، بلد امین کو دے رہا ہے، بیت الحرام کو دے رہا ہے، روم اور مصر کو، عراق اور عرب کو دے رہا ہے! یہ سب اسلیئے کہ قانون پر عمل دراصل انہی ابن اللہ والوں کا ہے، حکموں کی تعمیل انہی مسیح کو خدا کہنے والوں کی ہے، پیہم تکلیف وہی اُٹھا رہے ہیں، دلوں کی بُت شکنی وہی کر رہے ہیں، شیطان کی عبودیت سے وہی خارج ہیں! نرے مُنہ سے کہنے والے مسلمان کچھ کام نہیں کرتے، کچھ پابند قانون نہیں، کچھ عابد خدا نہیں۔ اگر اُس باریک بیں اور دقیقہ رس، اُس لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ (یوسف) اور خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (توبہ) خدا کے امتنان و امساک، اُسکی جزا و سزا کی یہ توجیہ صحیح نہیں تو اس دُنیا کے اندر جو کچھ مسلمانوں سے ہو رہا ہے ظلم ہے، جو کچھ نصرانیوں سے ہو رہا ہے استبداد ہے، بے سبب قہر ہے، بلا وجہ جبر ہے۔ ایسے مستبد، جابر اور (العیاذ باللہ) ظالم خدا سے کیا دور ہے کہ کل کو سورج کو حکم دے کہ صرف مُلک فرنگ پر چڑھا کرے یا پانی کو کہدے کہ صرف المانیہ میں بہا کرے اور عرب میں جا کر لکڑی کی مانند ٹھوس ہو جائے! اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (یونس) پس اس عظیم الشان اور صحیح، اس منظم اور منسق کارخانے کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے کسی اُصول کے ماتحت ہو رہا ہے، ظلم اور استبداد، جبر اور قہر سے کچھ نہیں ہوتا۔ ظاہری بُت پرست مگر متحد قومیں اُسکی مطلق اصطلاح میں عابد خدا اسلیئے ہیں کہ اُسکے قانون پر عمل کر رہی ہیں، رسمی بُت پرستی کے باوجود متحد ہیں۔ یہ اتحاد بھی اسوجہ سے ہی کہ دیبیوں کے آگے ماتھا ٹیکنا صرف رسمی اور عادتی رہ گیا ہے، صدیوں کے آبائی رواجوں کا بقیہ ہے، ایک فعل عبث ہی، ایک بے نتیجہ بات ہے، افواہی اور مُلّائی کفر ہے، لیکن اس پتھر سے فی الحقیقت کوئی والہانہ تعلق یا اُس میں کوئی تفرقہ انداز توغل باقی نہیں رہا۔ جو شئے قوم میں فی الحقیقت تفرقہ انگیز ہے، وہ لذات و اہوا کی پرستش ہے، اولاد کو پوجنا ہے، مال کی عبادت ہی، نفسی اغراض کا پیدا کیا ہوا تجنب اور تجرید ہے، وغیرہ وغیرہ! یہی وہ غیر مادی اور ہوائی بُت ہیں جو بُرے سخت ہیں جنکو توڑنا بڑا مشکل ہے، پتھر کے بُتوں کو توڑنا یا اُنسے تعلق منقطع کر لینا کوئی بڑی مردانگی نہیں، وہ صرف محمود غزنویؒ کی توحید ہے، احمد مرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توحید قطعاً نہیں✝! پتھر کے بُت اُسوقت صحیح معنوں میں ہلاکت انگیز

✝ چنانچہ اگر کعبے کے ۳۶۰ پتھر کے بتوں کو توڑنا اسلام کا واحد منتہا اور اسکی خالص توحید تھی تو حیرت ہے کہ اس اہم واقعے کا ذکر تک قرآن میں موجود نہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (عنکبوت ۲۹)۔ پس جو آقا اسقدر بے نیاز ہے کہ غلام سے اپنے حکموں کی تعمیل کو بھی غلام کی اپنی ہی بہتری کے لیئے کہہ رہا ہے اور مَآ اُرِیْدُ مِنْھُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ (ذاریات ۵۱) کا مصداق ہے، اسکو اس امر کی کیا پرواہ ہے کہ مُنہ سے مقرّ کرانا† بھی کچھ شے ہے: قَالَ مُوْسٰٓی اِنْ تَکْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۝ فَاِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝ (ابراہیم ۱۴)۔

اِس کشت زار سعی و عمل کے اندر نہ اعتقادی بُت پرستی کوئی بُت پرستی ہے، نہ قولی خدا پرستی کو عبودیت کہہ سکتے ہیں نہ مُنہ کی بکواس کر لینے سے اُسکی شان کم ہو سکتی ہے، نہ زبان سے خدا خدا کرنیسے اُسکی عزّت بڑہا سکتے ہیں۔ کون و مکان کے اس ناپیدا کنار بحر میں نسل انسانی کی اضافی حقیقت وہی شخص جان سکتا ہے جو اُسکے اعمال کا علم رکہتا ہو، اور جو اُمّت اس ہیچمیرزی اور بے حیثیتی کے بعد بھی مُنہ کے اقوال کو خدا کی کوئی خدمت سمجہ رہی ہے، یا اُسپر احسان رکھکر اُسکو خوش کر لینے کے زعم میں ہے، وہ درحقیقت اپنے آپ کو بہت بڑا اور اس مالکِ کبریا و جبروت کو بہت چہوٹا اور تہڑدلا سمجہ رہی ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ حکومت بھی اس دنیا میں صرف رعیت کے اعمال کو دیکہتی ہے، جو شخص رائج الوقت قانون کی پابندی کر رہا ہے اُسکو اپنی رعایا سمجہتی ہے، رعیّت کے حقوق، رعیّت کی مراعات و انعام، امن و آسایش کے سامان بے نیازی اور استغنا سے سب دیتی ہے۔ جبتک حکموں کی تعمیل جاری ہے سلطنت کا قانون اسکو نہیں چہیڑتا، حکومت کے متعلق اُسکے افواہی عقیدوں کی کچہ پرواہ نہیں کرتا۔ سزا اُس دن شروع ہوتی ہے، جب سے حکم عدولی شروع ہو جب قانون کی حد سے تجاوز عملاً ثابت ہو۔ بعینہ اسیطرح بلکہ اس سے بے انت بڑھ چڑھ کر ربّ زمین و آسمان کا محکمہ قضا و قدر اقوال سے حتماً بے نیاز ہے۔ وہ آج اسی قوم کی قوّت کو بڑہا رہا ہے جو متّحد ہے، اُسی کو ملک بخش رہا ہے، اُسی پر یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا ۝ (نوح ۷۱) کا محاکمہ عائد ہے۔ نہیں مُنہ سے خدا پرست اور بے عمل مسلمانوں سے چھین چھین کر دے رہا ہے، مسیح کو ابن اللہ کہنے والی باعمل قوم کو دے رہا ہے، تیس کروڑ دیوتاؤں کے ماننے والوں کو دے رہا ہے، چیخوں

† یہاں پر ایک بظاہر وزن دار اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ قرآن حکیم میں بعض جگہ صرف قول کیلئے کہا گیا ہے مثلاً قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۝ کے الفاظ میں کہا گیا ہے کہ اللہ کو صرف مُنہ سے ایک کہو، یا مثلاً اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ (حم السجدۃ ۴۱) یعنی جن لوگوں نے اللہ کو اپنا رب کہا پہر اُسپر جمے رہے اُنپر فرشتے اترتے ہیں۔ یا مثلاً حدیث میں ہے: مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا جنت میں داخل ہو گیا۔ یہ مثالیں بذات خود اس امر کی مؤید ہیں کہ یہاں پر قَالَ کے معنی صرف مُنہ سے کہنا نہیں بلکہ اس قول پر عمل کر کے اسکو سچ کر کہانا مراد ہے، ورنہ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ کے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونا ہو لیکن اس مطلب کے لیئے دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۲۳-۱۲۶۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ† وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝ (بقرہ ۲)۔ حیوٰۃ دنیا کی عبادت میں جو قوم لگ گئی اُسکی عاقبت بہر نوع خراب ہے، یہی سچی بت پرستی اور سچا شرک ہی، یہی وہ ظلم عظیم ہے جسکی بخشش کی کوئی آس نہیں: (اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝ (النساء)۔ اسی عبادت اور لگاوٹ کا نتیجہ جہنم ہے، دہکتی ہوئی آگ کے انگارے ہیں: اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (یونس)۔ جس قوم نے دنیا کے متاع و اسباب سے نفرت کی، دنیا اُسکے قدموں پر گرتی رہے گی، اسکی زرخرید لونڈی بنی رہے گی، جسنے دنیا سے اعتنا پیدا کیا، اُسکے ہاتھ سے وراثتِ زمین کا نکل جانا اٹل ہے۔ دنیا سے نفرت دنیا کی نعمت کو اپنے پاس برقرار رکھنے کیلئے ہی، تمکن فی الارض اور استخلاف کیلئے ہے، متحد رہکر قوی بننے کیلئے ہی، موحد بنکر عابد خدا بننے کے لیے ہی، عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء) بنکر وارث زمین بننے کیلئے ہے، یہ اسلیئے کہ یہ عجوزِ عشوہ گر کمزور اور سست اعضا خاوند کو مسترد کردیتی ہے، قوی اور مضبوط خاوند کو اپنی لو لگاکر کمزور اور کمزور کو طلاق دیکر پھر نئے خاوند کے درپے ہے، پس جو قوم حتی الوسع اسکی محبت کی مجرم نہ بنی، دنیا اور زمین اُسی کی ہے خدا اُسیکا ہی، توحید اُسیکی ہے، آخرت اُسیکی ہے، یہانپر سرسبز جنات اور سربفلک محلات، زہرہ وش جوروئیں اور جگرخوں کن حوریں، سونے کے کنگن اور لباس حریر، اور آگے چلکر الجنۃ ہے۔ لیکن جس قوم کو اس دنیا کے اندر خوش اسلوبی سے رہنے کی راہ نہ ملی، جسنے توحید کے اس سربمہر راز کو نہ پایا اُسکی آخرت بھی خراب ہے، اُسکو بالآخر بھی جہنم ہے، جو یہان پر اندھا رہا اور لذات دنیوی میں مستغرق ہوگیا اُسکی آگے چلکر بھی مٹی پلید ہے: وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل)۔ خوشنودی خدا اور ابتغائے رضوان اللہ کی نعمت

† یعنی کاش کہ عابد ماسوا ظالم لوگ عذاب آتے وقت اس بات کا احساس کرلیتے کہ قوم کو قوت خدا ہی کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہے شیطان کی عبادت سے نہیں ہوتی +

ہوجاتے ہیں جب اُن سے بھی وہی مال و اولاد والا اعتنا پیدا ہوگیا ہو، جب اُن کے آگے چند لمحوں تک ماتھا رگڑنے کی بجائے چوبیس گھنٹے کا تعبد ہو اور ہر گھر اور قبیلے کا بُت جُدا ہو، لیکن یہ عبودیت جس قوم میں پیدا ہوئی ہے چند مہینوں یا برسوں سے زیادہ طبعًا نہیں رہ سکی۔ ایک اقلّ قلیل مُدت کے اندر اُن پتھروں سے عبودیت مسلمانوں کے اَجلّ کے خدا سے تعلق کی طرح صرف رسمی اور زبانی رہ گئی ہے اور وہ بُت فی الجملہ بے نفع وضرر ہوگیا ہے۔ لات اور اُہبل یا پیر و اولیاء کے اعتقادی نفع وضرر کے بُتوں کا یہ انداز قطعًا نہیں، وہ جبتک نسل انسانی اور خدا کا بنایا ہوا معلّم الملکوت موجود ہے انسان کے ساتھ لگے رہیں گے، اُسکو اپنی عبادت پر سہیم اُکساتے رہیں گے، جوں جوں اُنکی عبادت زیادہ ہوتی رہے گی، اُن سے دلوع زیادہ ہوتا رہے گا، سب تگ و دو اُنکے لیے وقف ہوتی رہے گی، خدا کے حکموں کیلئے کچھ عمل باقی نہ رہیگا، پھر اعضا سُست پڑ پڑکر اُس قوم کو تباہ کردینگے! یہی حیٰوۃ دنیا میں استغراق ہے، یہی حیٰوۃ دنیا کی وہ متاع قلیل ہے جس سے اجتناب کرتے رہنا ہر عابد خدا قوم کا شیوہ ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (آل عمران)۔ جس قوم نے اِن بُتوں کی عبادت کی اُسکی اِس دنیا میں مٹی پلید ہے، وہ اپنے حقیقی دشمن شیطان کی عبادت کر رہا ہے جو اِن سے عفو و درگذر کر رہا ہے، اِن سے کھچا کھچا پھرتا ہے، اِن سے کنارہ کشی اور مغفرت کر رہا ہے، اِن پر صفح جمیل کا پردہ ڈالکر اُنکی طرف نظریں بہر بہر کر نہیں دیکھتا وہی اُس خدائے بے نیاز سے اجر عظیم کا مستحق ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا † فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ، وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (تغابن)۔ جس قوم نے اِن بُتوں میں لگ کر اپنی قوائے عاملہ کو مضمحل کردیا جو اِن مرادوں کی مرید بن گئی، جنے مال اور مکان، بیٹوں اور بیٹیوں، گھوڑے اور جورو، پیر اور کبیر، باغوں اور طویلوں کو اپنا معبود بنالیا اُسکی عاقبت قطعًا خراب ہے، اُسکی سب رسیاں ایک نہ ایک دن کٹ جائینگی، بہتری کا کوئی وسیلہ باقی نہ رہیگا، اُسدن مرید سے مراد الگ، مطیع سے مطاع جُدا، اور یاس و حسرت کے سوا کچھ سامنے نہ ہوگا۔

† یعنی اگر تمہاری اولاد و ازواج کی محبت سے صرفنظر کرتے رہو (تَعْفُوْا) اگر اِن سے کنارہ کشی کرو (تَصْفَحُوْا) اور اِن پر پردہ پوشی احسان سے اغماض کرو (تَغْفِرُوْا) تو خدا بڑا صاحب عفو و درگذر ہے۔

دوستی اور **ولایت** کا دعوےٰ کس مُنہ سے کرسکتی ہے! اُسکو منعم علیہ قوموں کی توحید میں **شک** کرنے کا کیا حق ہے؟ اُسکو نصرانی کی عبودیّت سے **انکار** کس برتے پر ہے؟ اُسکو اس اسلام کا **احسان** کس شیخی پر ہے:

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (حجرات ۴۹) ۔ **نبی آخر الزمان** ؐ کی صدر اسلام میں لائی ہوئی **توحید** فی الحقیقت وہ سکوں سوز اور تاب گسل، وہ لرزہ فگن اور لشکر شکن شئے تھی، مومن کے لیئے اُسکا ہر وقت **نباہتے** رہنا وہ مصدر کسب و عمل بن گیا تہا، اسکا دلوں کے اندر **کیف** و حال وہ مصلح اعمال اور مزکّی افعال شئے تہا کہ چند لمحوں کے لیئے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ بُت کی محبّت کو قلب پر حکمران کرلینا بھی **ایمان** کے منافی ہوچکا تہا! اُنکو ہر لحظہ اور ہر آن اس امر کا خوف تہا کہ ادنیٰ سی عبادت ماسوا کرکے **مشرکوں** کے حلقے میں جا داخل ہونگے۔ اُنکے دن مسلسل تکلیف اور پیہم اطاعت میں گذرتے تھے، راتونکو بستر سے پہلو آشنا نہ ہوتے تھے: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۖ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (السجدہ ۳۲)۔ امّت کی بہتری اور **وراثت زمین** کی **طمع** میں روحیں کھچ کھچکر حلق تک پونہچتی تہیں کلیجے مونہوں کو آجاتے تھے، آنکھیں پھر پھر کر رہ جاتی تہیں مگر اُس ربّ امتحان طلب کی خوشدلانہ ملازمت ماتہوں پر بل نہ آنے دیتی تھی: اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ (احزاب ۳۳)۔ منعم لم یزل کے یہ خوشدل مزدور اور چاکری خدا کے یہ سچّے **شہدا**† اسی دم مزن اطاعت اور غیر متزلزل عبادت کو **الجنّۃ** میں داخل ہونے کا واحد ذریعہ سمجھتے: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ (بقرہ ۲) مومن کے دنیاوی تمکّن کو **رضائے** خدا کا آخری وسیلہ جانکر دشمن پر غالب آکر رہنا عین ایمان سمجھتے: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (مجادلہ ۵۸)۔ قرن اوّل کے مومن کی **توحید** کا سچّا کیف کسی طوفان زدہ کشتی کے بیکس مکینوں کا وہ کیف خشوع، اور اُسکے ڈوبتے ہوئے بے بسوں کا وہ زہرہ گداز

† دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۰۵

اور صراط مستقیم کے حصول کیلئے (ھبانیۃ) اور توحید کا یہ وہ فلسفہ عظمیٰ† تھا جسکو قرآن عظیم نے صدر اسلام میں ختم رسلؐ کی وساطت سے پیش کیا، جسکی حقیقت کو پاکر نسل انسانی کا ایک بڑا حصہ چند قرنوں کے اندر نہال ہوگیا، جسپر چلکر آسمان وزمین کے دروازے چوپٹ کھل گئے، جسکی تعمیل کرکے اوپر سے رزق برسنے لگا، نیچے سے دودھ اور شہد کی نہریں پھوٹ نکلیں، لیکن آج اسی فلسفے کو اس زمانے کے خرقہ پوش صوفیا، اور اپنے زعم میں اولیاء اللہ خانقاہوں کے اندر کملیاں اوڑھ اوڑھ کر، تسبیحوں کے منکوں کو چٹخا چٹخا کر اور اوندھے منہ غوں غوں کرکے دنیا کی اس نعمت عظمیٰ پر وہ بیدردی سے لات مار رہے ہیں کہ اُس منعم لم یزل نے بھی ایک چپہ بھر زمین مسلمانوں کے پاس باقی نہیں رکھی۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (بقرہ) کا غلط تخیل اسقدر نابکار، اسقدر مجنونانہ، اسقدر مضحکہ انگیز، اسقدر سوقیانہ، نہیں اسقدر آرام دہ اور ریاکارانہ بنالیا ہے کہ اُس مالک زمین وآسمان کے "سودائے عشق" میں تلوار ہاتھ میں لیکر دشمن سے خدا کی زمین چھیننے کی بجائے کفنیاں پہن پہن کر حال کیلتے ہیں، سر کو ہولے سے پٹخا پٹخا کر دیواروں پر مارتے ہیں، وجد میں آآکر بے ہوش ہوجاتے ہیں۔ بازاری عشق وتغزل کے سب لازمات اس حد تک پیدا کرلیے ہیں کہ خدا اور اُسکے رسولؐ کے ہجر میں حیا سوز غزلیں گائی جاتی ہیں، کمروں اور گیسوؤں، گالوں اور جوبن حتیٰ کہ شب وصال اور شب ہجر والی غزلیں ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ لشکر انگیز، اور آسمان شکن توحید، وہ چالیس ہزار شہر اور قلعوں کو بارہ برس میں سر کرنے والی **توحید** علم ونبوت کی سطح سے گر کر ظن واعتقاد کی تحت الثریٰ تک اسقدر پونچ چکی ہے، خدا کے اولیائے کرام کی شرم وحیا پر یہ پردہ پڑگیا ہے کہ اسکو بازار کی عصمت فروش طوائف کسی واصل باللہ اور خانہ برانداز ولیؒ کے مزار پر بیٹھی ہوئیں پان کھا کھا کر گا رہی ہیں! ہاں یہ سب کچھ **شرک** کا ایک بیگمانی منظر ہے، محبت نفس کے مکر ہیں، ضعف ایمان کا تہلکہ انگیز ریا ہے، یہ اسلیئے کہ جہاد بالسیف کے جگر نہیں رہے، تمنائے موت کے دل نہیں رہے*، متحد بنکر رہنے کی نفس کشیاں نہیں رہیں، خدا پر **یقین** نہیں رہا، یوم آخرت پر ایمان نہیں رہا، جان پیاری ہوگئی ہے، ایک نصب العین، ایک پیش نہاد، ایک **قرآن**، ایک **اُمت**، ایک امیر، ایک **رسول**، ایک **خدا** نہیں رہا۔ پس جس قوم کے ہر فعل وعمل میں شرک کا جزو کبیر اسقدر موجود ہو وہ خدا کی

† صفحہ ۹۰ کی سورہ حدید والی آیت ۲۷ رحمت العین کی طرف اشارہ ہے * دیکھ صفحہ ۱۰۵ سورہ جمعہ والی آیت ۶

صرف ہوتی ہے کہ کام کیا ہو رہا ہے، داڑھیوں اور مسواکوں، ڈھیلوں اور استنجاؤں کی طرف اسکی نگاہ ہرگز نہیں جاتی! وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ۚ وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ (الاعراف)

الغرض اس لفظی اور قولی، اس سیچکارہ اور ناکار بر آر توحید سے قطع نظر قرآن حکیم کی توحید کا سب سے **پہلا** اور اہم عمل **اتحاد** ہے، **وحدت امت** ہے، تالیف بین **القلوب** ہے، وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ ...... اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۔ (انفال) ہے۔ جس قوم کے ذہنوں اور دلوں میں، جسکے اعضاء و جوارح میں **یہ** توحید سرتا پا گھر کر گئی اُسکے افراد میں **نظم و نسق** کا قائم ہوجانا اٹل ہے۔ جو امت توحید کے اس مشروط بایمان اور **عظیم الشان** راز کو پا گئی، اس کی دنیوی فلاح قطعی ہے، اُسکا اس دنیا میں **بقا** طے شدہ امر ہے، **استخلاف** طے شدہ امر ہے، **دوام** طے شدہ امر ہے، نہیں بلکہ آگے چلکر آخرت کا دوام بھی اُسی کا ہے! جو قوم اسطرح پر موحد ہے، جس نے خودرائی اور نفس پسندی کے **بُت کو** ہر دم توڑ کر اپنے اخلاق و اعمال میں ایک لازوال متانت اور توازن پیدا کرلیا ہے، اُسکے سب افراد کا **ایک امیر** کے ماتحت ہوجانا اٹل ہے، حکم امیر پر فی الفور لبیک کہدینا اُن کی نظروں میں درحقیقت **خدا** ہی کی اطاعت ہے، "اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" کے آگے گردن تسلیم خم کردینا دراصل ربّ بے نیاز کے ایک اہم ترین اور مشروط بایمان✝ حکم کو نباہنا ہے، قرون اولیٰ کے عرب کی مانند رسول خدا اور امیر المومنین کی اطاعت اُنکی نظروں میں خدا کی اطاعت ہے: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء)۔ جس قوم نے توحید کو اسطرح پر شعار عمل بنالیا، اُسکے لیئے امیر کے کہنے پر دشمن سے **جہاد بالسیف** کرنا صرف ایک بُت شکنی ہے، توحید کی طرف ایک قدم ہے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر عمل ہے، جان کے پیارے بُت کو توڑنا ہے، خدا کی دی ہوئی جان کو خدا ہی کی راہ میں قربان کرنا ہے✝! جس اُمت نے توحید کو اسطرح پر سمجھ لیا، جس نے **اَشَدُّ** حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ) کے عالمگیر فلسفے کو اپنے اور جماعت کیلئے لفعمند یقین کرکے اسکو عملاً کر دکھایا، اُسکے لیئے **جہاد بالمال** کچھ مشکل نہیں، اُس کیلئے حسب موقع صدیق اکبرؓ کی طرح اپنا سارا اثاثِ بیت لاکر امیر جماعت کے قدموں پر ڈالدینا کچھ مشکل نہیں، اُسے محبوب کو

✝ مشروط بایمان اسلیے کہ سورہ نساء میں ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (النساء)۔ گویا اولوالامر کی مشروط اطاعت [illegible] ✝ مورخین اسلام [illegible] عمرؓ کے عہد میں حضرت ابوعبیدہؓ کی قیادت میں ہوا تھا موخرالذکر نے تمام فوج کو جمع کرکے ایک نہایت موثر تقریر کی اور کہا کہ مسلمانو! جو آج ثابت قدم رہ گیا اور مر گیا [illegible] دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہوکر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائیگا۔ گویا اس لمحہ میں میدان جنگ میں جان کو پیارا سمجھنا شرک تھا۔ اور ہر شخص کہنے لگا [illegible] مشرک بن جانے کا احتمال تھا۔

خضوع وسجود تھا جسکے ہوتے ہوئے دلوں کے اندر کسی ماسوا سے اعتنا کا باقی رہجانا طبعًا ناممکن ہے! اسکا **شرک** بھی سبکساران ساحل کی تمرّد اور نڈری کی پیدا کی ہوئی وہ **بتگری** تھی جس کی ایک بہری اور آراستہ محفل شیطان کی دلوں پر حکومت ہر جگہ قائم کردیتی ہے : فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۙ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ (عنکبوت ۲۹)۔ اگر آج یہی توحید مسلمان کی آرام پسندی اور ہرزہ درائی، کامچوری اور یاوہ گوئی کے باعث پتھر کے بتوں سے پرہیز کرنیوالی توحید بن چکی ہے، اگر آج ہر مسلمان نے بلا استثنائے احدے لَا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا (ج) کی روح فرسا مگر بادشاہ توحید کو لَا تُشْرِكْ بِيْ حجرًا کی آرام دہ مگر محکوم کن توحید سے بدل دیا ہے، اگر وہ سب کے سب الٰہی مقاصد اور کلام خدا کے اندر حیرت انگیز **تحریفیں** پیدا کرکے اپنے نفس کے لیئے آسانیاں پیدا کررہے ہیں اور خدا کو منہ سے ایک ایک بکتے رہنا اپنی زندگی کا منتہائے اہم سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں لیکن وہ یاد رکھیں کہ خدا بھی وہ خیر الماکرین خدا ہے کہ آج اُن سے اُنکے مکر کا دردناک بدلہ اُنکی پوری امت سے لے رہا ہے، اُن کے گھروں کو اُجاڑ رہا ہے! اُنکے مرکزوں کو تباہ کررہا ہے! اُنکی قوتوں اور فضیلتوں کو آہستہ آہستہ سلب کرکے موت کے گھاٹ اُتار رہا ہے! ہاں یہ سب کچھ اُنسے چھین چھین کر علیٰ رغم انف اُن لوگوں کو دے رہا ہے جنہوں نے باپ، ماں، بیٹا، روح القدس الغرض خدا کا ایک پورا کُنبہ بنا رکھا ہے، جنہوں نے آجتک ایک کلمۂ شہادت نہیں پڑھا، ایک مسجد نہیں دیکھی، ایک رکعت بھولے سے ادا نہیں کی، ایک روزہ نہیں رکھا، ایک پیسہ زکوٰۃ میں نہ دیا، بھولکر مکے اور مدینے یا نبی آخر الزمانؐ اور قرآن کا نام تک نہیں سُنا: ہاں لیکن خدائے عادل کے ہاں سے تباہی کا فرمان خسروی اسی قوم کے حق میں نافذ ہوتا ہے جو اُسکے ساتھ مکر کررہی ہے جو اُسکے حکموں کو **عملًا اور معنًا** جھٹلا رہی ہے جو منہ سے اُسکو ایک ایک کہکر عملًا اُسکو دس ہزار ثابت کررہی ہے، عادل اور دقیقہ رس، اللَّطِيْف (انعام) اور الْخَبِيْر (انعام) خدا صرف نیتوں اور **اعمال قلوب** کو دیکھتا ہے : لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ (بقرہ)، لوگوں کے لغو اقوال اور بیہودہ اعتقادات کو کچھ نہیں دیکھتا، اُسکی تمامتر توجہ اسی بات میں

آسمان قائم ہیں اُس اُمت کو کسیطرف سے کوئی آسیب قطعًا نہیں پونہچ سکتا، اُسکی زندگی اس دنیا میں قطعًا بیخوف و خطر ہے اور یوم آخرت کو الجنۃ کی نعمت عظمیٰ کا وارث بنکر ابدالآباد تک آرام پانا اُسیکا حصہ ہے: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ (زمر ۳)۔

یہ وہ دس عظیم الشان اصول ہیں جنپر میری دانست میں نبی آخر الزمان کے لائے ہوئے اسلام کی تمام بنیاد ہے۔ کلمۂ شہادت، صوم، صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ سب اسلامی شعائر جو آجکل ارکان اسلام سمجھے جاتے ہیں انہی دس سے ماخوذ اور انہی دس میں شامل ہیں۔ کلمۂ شہادت صرف توحید کا ایک رسمی اظہار ہے، صوم صرف جہاد نفس کا ایک ادنیٰ مظہر ہے، الصلوٰۃ صرف اطاعت امیر اور وحدت اُمت ہے، الحج صرف وحدت اُمت اور جہاد نفس ہے، الزکوٰۃ صرف جہاد مال ہے۔ یہ سب کے سب مناسک دین اسلام کے صرف ظواہر اور شعار ہیں لیکن اصل دین اور الامر یہی دس اصول ہیں یہی عشرہ مبشرہ دین فطرت ہی، یہی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا (روم ۳) ہی، یہی وہ لائحہ عمل ہے جسپر چلکر ہر قوم آرام پا رہی ہے، متمکن فی الارض ہے، مورث زمین ہے جس سے اجل زدہ قومیں اکثر ناآشنا ہیں: ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (روم ۳)۔ یہی وہ علم ہے جس کے نتائج ان آنکھوں کے سامنے نظر آرہے ہیں†، وہ سمع و بصر کی شہادت ہی جسپر سب دنیا طوعًا و کرہًا متفق ہے، وہ علم جلیل ہے جو سب انبیائے کرام بلا استثنائے احدے آسمان سے لائے، وہ عہد خداوندی ہے جو بنی اسرائیل سے قائم ہوا تھا جو نسیان کار انسان سے بارہا کیا گیا، جو نوحؑ اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور باقی سب انبیائے عظام لائے: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ۭ كَبُرَ عَلَی الْمُشْرِكِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ ۭ اَللّٰهُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ (شوریٰ ۲)، جو ہر مشرک اور طاغوت پرست قوم پر طبعًا گراں گذر رہا ہی جسکی طرف ہر موحد اور خدا پرست قوم لپک لپک کر پونہچتی ہی، جو گیتا کا واحد مذہب ہی، کرشن کا واحد پیغام ہے! یہی وہ عشرہ مبشرہ ہے جسکا ایک جزو قلیل (جہاد بالسیف) مچھر کا دائمی مذہب ہے، جسکے ایک حصہ صغریٰ (استقامۃ فی السعی) پر شہد کی مکھی روز آفرینش سے چل رہی ہے، جسکے اصل اصول (توحید) پر نجم و شجر چلے جا رہے ہیں: وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ (رحمٰن ۱)، جسکی بیخ و بنیاد (اتحاد) پر بر و بحر قائم ہیں، جسکی اساس مشترک پر دنیا آباد ہے،

† دیباچہ صفحہ ۳۱ کی سورۂ حج کی آیت کی طرف اشارہ ہے ۔ ‡ دیباچہ صفحہ ۴ و ۵ کے مضامین کی طرف اشارہ ہے ۔

خوش کرنیکے لیئے اپنی محبوب ترین شئے دیدینا کچھ مشکل نہیں، اُسکی نگاہ میں اپنی محبت کی تصدیق کیلئے اِس سے بہتر کوئی سند نہیں: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران) ہاں جس قوم نے توحید کو اسطرح پر یقین کرلیا جس نے ہر بُت شکنی کو خدائے بیمثال کی سچی عبادت سمجھکر اپنے دل کے اندر ایک غیر منقطع اجر کی ڈور باندھ لی، اُسکے لیئے اپنی قوم کی بہتری کی خاطر **ہجرت وطن** کچھ شئے نہیں، ترک اولاد کچھ شئے نہیں، ترک اقربا، ترک متاع، ترک خان و مان کچھ شئے نہیں! اُسکی نظروں میں یہ سب فوری تکلیف ایک لازوال اور غیر منقطع **امن** کا پیش خیمہ ہیں، ایک قائم اور دائم حکومت، ایک رحمتِ خدا کی موسلا دھار بارش کی تمہید ہیں، يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ (نوح) کا مقدمۃ الجیش ہیں، ایک نقد دیکر اُس صادق الوعد خدا سے دس اُدھار کر لینے کی تیاریاں ہیں! ہاں جو اُمت اس توحید پر اس نہج سے چل رہی ہے، اسکے لیئے اپنی سعی و عمل میں **استقامت** اور نتائج کے رو سے خدا پر **توکل** ناگزیر ہے، اُسکے افراد میں **ایمان بالآخرۃ** کا موجود ہونا قطعی ہے، اُسمیں **علو اخلاق** کی قدوسی بزرگیوں کا قائم رہنا قطعی ہے۔ روزمرہ معاملات میں مسامحت، عدل، ایفائے عہد، رحم، نکوکاری، پاکدامنی، حیا، دیانت، وغیرہ وغیرہ الغرض اُن سب **مکارم اخلاق** کا موجود رہنا جو سچی خداترسی اور خداشناسی کے باعث قوم میں پیدا ہوجاتے ہیں اٹل ہے۔ نہیں بلکہ اُس قوم میں زمین و آسمان کی اس ناپیدا کنار تکوین کے گوشے گوشے کا **علم** حاصل کرکے اپنے دوام و بقا کے لیئے قانون خدا اور امر ربّ العٰلمین کا پتہ لگاتے رہنا، اُسکی **مشیت** کی صحیح درک لگانا، اُسکے بالا و پست میں آیاتِ خدا کی تلاش کرنا†، سمع و بصر کا صحیح استعمال کرکے اُسکی سچی **معرفت** میں لگے رہنا نہ صرف عین اسلام اور عین ایمان بلکہ عین توحید ہے! جس قوم کے اندر توحید کے یہ سب عظیم الشان اعمال بدرجۂ اتم قائم ہیں، جسکے افراد میں **توحید فی العمل**، **وحدت امت**، **اطاعت امیر**، **جہاد بالمال**، **جہاد بالسیف والانفس**، **ہجرت**، **استقامۃ فی السعی** مع التوکل فی النتائج، **علم**، **مکارم اخلاق**، **ایمان بالآخرۃ** کے وہ عظیم الشان اصول عملاً اور اصالتاً موجود ہیں، اُس کا اس دنیا میں ہمیشہ تک بادشاہ زمین رہنا، جنات زمین میں متمکن رہنا، قائم و دائم رہنا، منظور خدا رہنا، منعم علیہ رہنا، ایک طے شدہ امر ہے! جبتک زمین

† دیباچہ صفحہ ۱۰ کی سورۂ جاثیہ کی آیت کی طرف اشارہ ہے۔

احراز قطعاً† ہے۔ الغرض جس قوم کے افراد میں اِن عظیم الشان اعمال کا کچھ نہ کچھ شائبہ پیدا ہوگیا ہے اُسمیں **دین خدا** کا ایک شمّہ ضرور ہے، **اسلام** ضرور ہے، **اتقا** اور **ایمان** ضرور ہے، **صراط مستقیم** پر اقامت ضرور ہے، نہیں بلکہ بطور نتیجے کے زمین کے کسی نہ کسی ٹکڑے کی **وراثت** ضرور ہے، آگے چلکر **الجنۃ** کے کسی نہ کسی درجے کا انعام ضرور ہے! جس اُمت نے اِس دین فطرت کے اصولوں کو چھوڑ دیا اکثر کو چھوڑ دیا یا سب کو چھوڑ دیا اُسکا **ایمان** یکسر **ساقط** ہے۔ وہ دائرہ اسلام سے یکسر خارج ہے، وراثت زمین سے قطعاً محروم ہے، اُسکی ہلاکت کا فیصلہ حتماً ہو چکا ہے، اُسکی زندگی کے دن سب پورے ہو چکے ہیں۔ پس نبی آخر الزماںؐ کا لایا ہوا ایمان نہ بڑی بڑی پگڑیاں باندھ لینا ہے، نہ اسکا اتقا داڑھیوں کو چھوڑ دینا اور مونچھوں کو کتروانا ہے، نہ دین حیض و نفاس کے مسئلوں کو یاد کرنا یا ڈھیلوں سے استنجا کرنا ہے، نہ کفر 'مالا بدّ منہ' کا کفر ہے، نہ شرک 'کنز' و 'اصول' کا شرک، نہ مذہب تسبیحوں کا ہیر پھیر ہے، نہ دین زبانی نیت کی مشق و کسرت ہے۔ دین خدا اِن سب سے جُدا، اور سب کا نقیض ایک علیحدہ شئے ہے جسکی ہیئت اِس مُلّائی شرح و تسہیل سے اصلاً مختلف ہے!

مغرب آج اِس دین فطرت کے صرف چار یا پانچ اصولوں پر کماحقہٗ عمل کر رہا ہے اور فطرت کے خزانہ عامرہ سے بیمثال **امن** حاصل کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا **ایک** اصل پر بھی کچھ عمل نہیں رہا اسلئے جلد مٹ رہے ہیں۔ آج اُنکے کسی گروہ میں نہ توحید باقی رہی ہے نہ اتحاد، نہ طاعت ہے نہ قابل ذکر امیر، نہ جہاد بالسیف کے ولولے ہیں نہ ایثار مال، نہ اعمال خدا کا علم ہے نہ استقامت، نہ ایمان بالآخرۃ ہے نہ مکارم اخلاق، نہ خوف عذاب ہے نہ طمع ثواب، نہ شوق اصلاح ہے نہ ذوق ایمان۔ **خلافت** کا منصب جسکا ایک مُلّائی اور اعتقادی، ایک ناکارہ اور مضحکہ انگیز ڈھانچ قرنوں کے عطل و جمود کے بعد باقی ہے صرف ایک **عضو معطّل** ہے جسکا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ کہیں کہیں کوئی امید کی جھلک نظر آتی ہے مگر یہ صرف اُس چراغ سحری کا ٹمٹمانا ہے۔ کسی طرف سے کوئی دردانگیز کراہ نکل جاتی ہے مگر یہ سب شیوہ زنان ہے۔ اب جو شئے سامنے نظر آرہی ہے **موت** ہے اور موت وہ لازوال حقیقت ہے جس سے کسی متنفّس کو مفر نہیں!

مذہب کی ماہیت اور پیغام خدا کی حقیقت کے متعلق یہ وہ ابتدائی اور انتہائی خیالات ہیں جو میں نے اِس دیباچے میں

† اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی اس تعریف، الجنۃ کے حصول کی اِن شرائط کی توضیح اور جہنم کے متعلق اِن شرائط سے اعراض کا ثبوت آئندہ مجلدات میں دیا جائیگا۔ اِس افتتاحیہ میں خوف طوالت کے باعث نظرانداز کر دیا گیا۔

جو باعث تقویم کائنات اور بنیاد تکوین جہان ہو! جس قوم نے اس **دین حنیف** سے منہ موڑا، جسنے وحدت اُمت اور اطاعت امیر، قتال بالسیف اور جہاد بالمال، استقامت فی السعی اور ترک لذات (ہجرت) معرفت خدا (علم) اور ایمان بالآخرۃ، مکارم اخلاق اور توحید فی العمل کو اپنا واحد اور دائمی شعار نہیں بنایا، ہاں جس قوم نے لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء) کی لاہوتی اور عالم آرا حکمت کو نہ سمجھکر اپنے اندر ایک غیر منقطع امن کی صورت قائم نہیں کی، اُسکی اس دنیا میں مٹی پلید ہو، زمین و آسمان کا یہ منظم اور مضبوط، یہ بے بدل اور مضبوط کارخانہ اُسکی دھجیاں اڑا کر رہیگا، اور اقل قلیل مدت میں وہ قوم صفحۂ زمین سے حک کر دیجائیگی۔ فاطر زمین و آسمان کی نگاہ میں وہی قوم **ظالم** ہے جس نے اپنے افراد میں تفرقہ ڈالا، **متقی** وہی ہو جو امت واحدہ بنکر رہی، **مومن** وہی ہے جسنے سب کو پچھاڑ دیا، **کافر** وہی ہے جو سب سے پچھڑ گئی، **فاسق** وہی ہو جسنے اپنی حفاظت نہ کی، **عابد** وہی ہے جو وارث زمین بنی، **صالح** وہی ہے جو بیخوف و خطر ہوگئی: فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (اعراف)۔ قرآن حکیم کا دستور العمل اول سے آخر تک اسی فتح و شکست، اسی اجتماعی ہلاکت و بقا کا ایک مکمل و مفصل، ایک ناقابل بدل اور اٹل مرقع ہے اور جبتک سعی و عمل کا یہ کارگاہ اکبر قائم ہو اس آسمان و زمین کے ہوتے ہوئے یہی قانون نافذ رہیگا۔

قانون خدا کا یہ عشرہ مبشرہ دین اسلام کا جزو لاینفک اسقدر ہے کہ قرآن حکیم کے طول و عرض میں جہاں جہاں اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ کی شرط ہے وہیں ان دس اصولوں میں سے کوئی نہ کوئی اصل قطعاً موجود ہو (افتتاحیہ کتاب صفحہ ۸۰ تا ۹۰) جہاں **اتقائے خدا** کے الٰہی مفہوم کی تشریح ہے وہیں ان دس میں سے ایک نہ ایک اصل **شرط لاینفک** ہے (افتتاحیہ صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۹)۔ جہاں **صراط مستقیم** کی توضیح کردی ہے وہیں یہ دس بطور **حکم ناطق** کے ہیں (افتتاحیہ صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۸۔ اصل کتاب صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۶) جہاں **کفر** کی الٰہی تفسیر ہے وہیں ان دس میں سے کسی ایک سے عملاً اعراض ہو، (افتتاحیہ صفحہ ۱۰۹ تا ۱۲۷)، جہاں **شرک** کا قطعی محاکمہ دیدیا ہے وہیں اس دو گونہ توحید سے عملی تناقض ہو (افتتاحیہ صفحہ ۶۶ تا ۷۹)، جہاں جہاں اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی کوئی شق بیان کردی ہو وہیں ان دس کا کچھ نہ کچھ حصہ ہے، جہاں وراثت زمین کی جزا پیش کردی ہے وہیں یہ بطور شرط کے موجود ہیں، جہاں الجنۃ کی شرط لکھدی ہے وہاں یہ بطور لاینفک جزا کے قائم ہیں، جہاں جہنم کی سزا عائد ہورہی ہے وہاں ان دس سے

† دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۲۵۶ ‡ دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۵۲ * دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۱۶۲ ✱ دیکھو اصل کتاب تحت المتن صفحہ ۸

اعلان کو ملتوی کر دینا شیوۂ مردانگی نہیں۔ نہیں بلکہ **آفتاب** کی **دلیل آفتاب** کے سوا اور کچھ شئے نہیں: جو شخص صاحب نظر ہے اُسکو کسی طول طویل تحریر کی بھول بھلیوں میں لیجاکر منوانا عبث ہے، جسکی نگاہ کمزور ہے اُسکو آہستہ آہستہ آفتاب کہلانے کیلئے سب کے واسطے اندھیرا کر دینا کچھ ضروری نہیں۔ اگر جو کچھ میں نے کہنا ہے میری نگاہوں میں **حقیقت** ہے، **صدق بسیط** اور **واقع الامر** ہے، زمین و آسمان کا ایک اور اٹل، دائم اور قائم **قانون** ہے، اگر یہ سب کچھ جو آج ان آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اُسکی **تصدیق** ہے، جو ہو چکا اُسکی ایک ناطق اور فیصلہ کن **سند** ہے، جو ہو کر رہیگا اسکی مبرہن دلیل ہے، تو اس حقیقت کا جسقدر جلد ببانگ دُہل اعلان کر دیا جائے اچھا ہے۔ جسقدر جلد اسکے مخالف یا موافق پیدا ہو جائیں بہتر ہے۔ **علم** کے اعلان کیلئے کسی لمبی چوڑی **دلیل** کی ضرورت نہیں، وہ بذات خود ایک مبرہن شئے ہے اور بیّن کو بیّن کرنے کی سعی کرنا دراصل اُسکے سچ ہونیمیں شکوک پیدا کرنا ہے۔ خود قرآن حکیم جب نازل ہوا **علم** تھا، ایک روشن اور بیّن حقیقت تھی، لیکن جب آیا بن دلیل آیا، اس بن دلیل علم اور صدق بسیط نے سعی و عمل کی آگ اسلیئے لگا دی کہ اُس حقیقت کو تسلیم کرنیکے لیئے دلیل کی **ضرورت** نہ رہی تھی، اُس آفتاب کو آفتاب ثابت کرنیکی حاجت نہ باقی تھی۔ جب قرآن علم نہ رہا اور ظن و اعتقاد کی ادنیٰ سطح پر گر گیا اُسیدن سے دلیلیں شروع ہوئیں، اُسیدن سے لوگوں نے تفسیر و تشریح کے طومار باندھنے شروع کیئے، ہر کس و ناکس نے اسکو سچ ثابت کرنا اپنا شعار بنالیا، اسکا نتیجہ یہی ہوا کہ استدلال کے باوجود قرآن پر **علم** نہ بن سکا، علی منطق کے پائے چوبیں سخت بے تمکیں ہی رہے، سعی و عمل پر پیدا نہ ہو سکا۔ پس اگر آئندہ اوراق کے اندر منطق اور دلیل کا ایک بے پایان دریا غرو تمکنت سے بہ رہا ہے تو اس دریا کے اندر اُس دریا کا آبدار موتی اور **گوہر غلطاں** موجود ہے، اگر اُس مفصل کے اندر دلیل اور برہان کی متانت قائم ہے تو **دیباچے** اور **افتتاحیے** کے مجملوں میں علم کا تحکمانہ استیلا اور حقیقت کا بے نیازانہ اختصار ہے۔ جس سرد مہری یا گرمجوشی سے اس کتاب کا عالم اسلام میں استقبال ہوگا مجھے اس سے سروکار نہیں، میں نے اپنی طرف سے **علم** اور **منطق** دونوں پیش کر دیئے ہیں، اجمال اور تفصیل دونوں یکجا کر دی ہے، جس نے اس اجمال سے کچھ حاصل نہیں کیا اُسکے لیئے دلیل اور تفصیل آگے آرہی ہے، جسنے تفصیل کو دیکھکر کچھ نہیں سمجھا اُسکے لیئے اجمال حاضر ہے۔ اسلام کی ماہیت کے متعلق جو کچھ میں نے کہا اور کہنا ہے میری نگاہوں میں

تمہیداً پیش کردیئے ہیں۔ اصل کتاب کو شروع کرتے وقت مجھے اِس تحریر یا اسقدر مفصل افتتاحیہ لکھنے کا گمان تک نہ تھا، میرا خیال تھا کہ قانون خدا کیطرف دس مجلدات کے طول طویل مباحث کے بعد بتدریج تمام رہنمائی ہو، کسی متنفس یا گروہ کے اعتقادی جذبات کو بیک وقت کم سے کم ٹھیس لگے اور جبتک رشحات دلیل کے پیہم تقاطر سے دلوں کی زمینیں قطعاً نرم نہ ہوجائیں اور قرآن حکیم کی ایک ایک آیت اور لفظ کے متعلق کئی پہلوؤں سے نقد و نظر کرکے کوئی قطعی اور آخری، ناقابل رد اور نالائق انکار فیصلہ نہ ہوجائے کلام الٰہی کا تمام لائحہ عمل ظاہر نہ کیا جائے۔ اِس امر کو پیش نظر رکھکر میں نے قریباً چھ مجلدات کا مسودہ دو سال کے اندر اندر ختم کردیا۔ اسمیں یہ التزام کیا کہ تمام کتاب اوّل سے آخر تک کلام الٰہی کے مطالب اور مقاصد کی ایک مسلسل اور مربوط کہانی ہو، اِس داستان میں صرف قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے بیمثال عروج کا راز کھولدینا پیش نظر ہو عہد حاضر کے مسلمانوں کے انحطاط کی تہ کو پہونچکر اسکی وجوہات کا کھوج لگایا جائے، سب سے پہلے قرآن حکیم کے اپنے متعلق نفس دعاوی کو دیکھا جائے، پھر ان دعاوی کی تصدیق کی تلاش ہو، پھر نفس اسلام کے ہر شعبۂ عمل پر مستقل مباحث ہوں، اُسکے قانون کی کُنہ و ماہیت اور الٰہی اوامر و نواہی کی منطق کیطرف توجہ ہو، اور انہی مباحث کے ضمن میں آیات الٰہی کے صحیح مطالب کی تبیین کردیجائے۔ آیات الٰہی کی توضیح اِس ترتیب سے ہو کہ ہر آیت کے مطالب کا انحصار حتی الوسع پہلے تصدیق شدہ مطالب کی بنا پر ہو، کوئی آیت حتی الامکان ایسی نہ پیش کیجائے جسکی مصطلحات کی تبیین اِس سے پیشتر کی آیات میں نہ ہوچکی ہو۔ گویا سب اگلے اور پرانے خیالات کو یک طرف کرکے اور قرآن کے متعلق **خالی الذہن** ہوکر اسکو **از سرِ نو** پڑھا جائے اور جوں جوں آیات الٰہی پیش ہوتی جائیں، مذہب کی ماہیت کا نقشہ خود بخود ذہنوں میں بیٹھتا رہے۔ یہ التزام اصل کتاب کی تمام تحریروں جو متن میں ہی قائم ہے اور حتی الوسع قائم رہے گا۔ حواشی کتاب میں جو بعد میں فرمایش پر اور نہایت اصرار سے لکھے گئے یہ التزام ہر جگہ قائم نہ رہ سکا اور نہ اسکا رکھ سکنا **ممکن** تھا۔ لیکن اسلام کی پُرآشوب حالت اور طباعت† کی بعید مشکلات نے اِس تدریج کے خیال کو بدل دیا۔ اور جب دس مجلدات کا بیک وقت پیش کردینا متعذر نظر آیا تو خیال ہوا کہ تمہید کے طور پر جو کچھ کہنا ہے بیخوف و خطر کہدیا جائے۔ جب ایک شئ **حقیقت** ہو تو اسکا چھپانا یا اسکو روک روک کر ظاہر کرنا بھی اصل مطلب کو خبط کرنا ہے۔ دلیل کے انتظار میں یا مخالفت کے خوف سے ایک عالم آرا حقیقت کے

† چنانچہ صرف پہلی مجلد کی طباعت میں شبانہ روز محنت کے باوجود دو برس کے قریب وقت صرف ہوا +

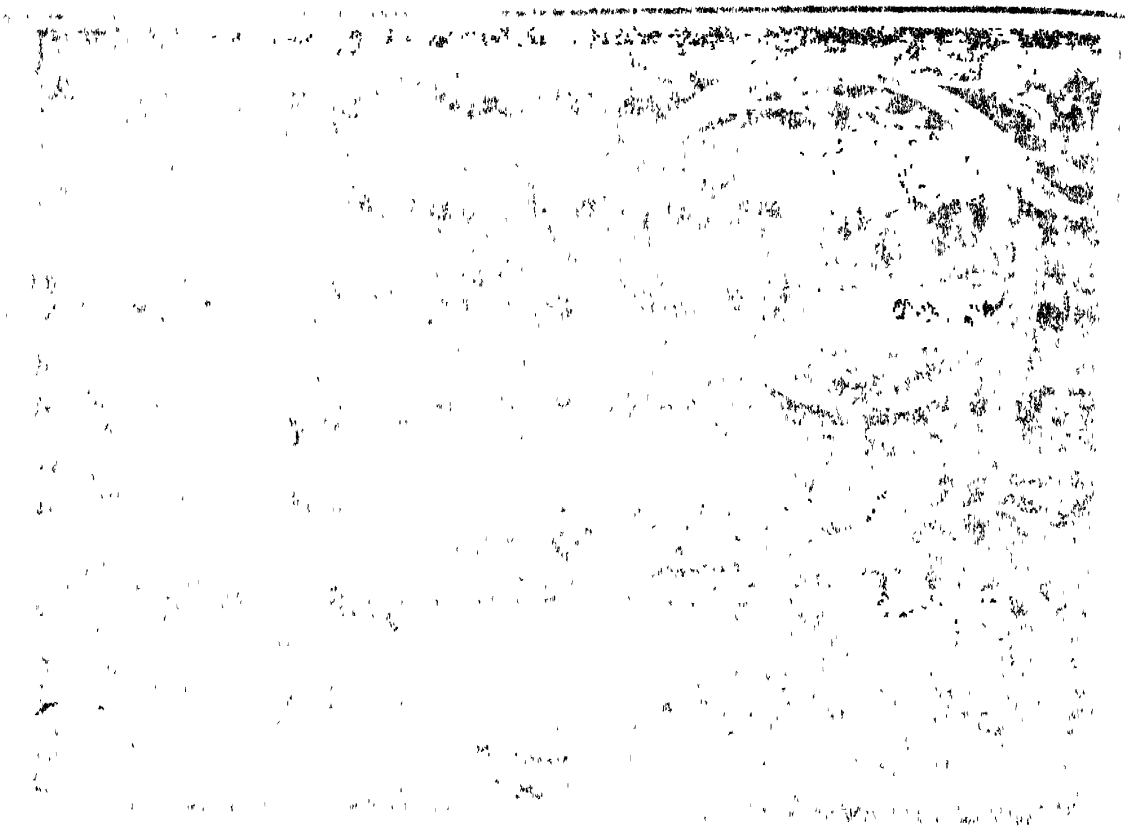

حقیقت ہی۔ فی الجملہ اور بحیثیت مجموعی حقیقت ہی۔ پس اس امر کے متعلق کسی حیص بیص میں پڑنا میری نظروں میں عبث ہی۔ میں اسلام کے اندر اسکی اس آفتاب لب بام حالتمیں کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا نہیں چاہتا، نہ معترض سے مخالفانہ رویہ اختیار کرکے مجھے اپنا اعلا مقصود ہے، پس مجھے اس تحریر کے مؤید سے اعتنا ہے نہ مخالف سے سرکار اگر تمام عالم اسلام بیک آواز اسکا مؤید بنکر اسپر عامل ہوگیا تو میں سمجھوں گا کہ میرا مقصود حل ہوگیا۔ اور اگر نہیں تو خمیری اور فطیری کی بحث میں پڑنا یا ایک گروہ کی آمادگی عمل پر خوش ہوجانا میرے نزدیک لاطائل ہے۔ مسلمانان عالم دین اسلام کی اس تبیین سے پچاس یا سو برس تک اور انکاری ہولیں، لیکن جبتک شدید العقاب خدا کا منتقمانہ عذاب اسطرح پر نازل نہیں ہوگا کہ موت کے علمبردار خدائی جلاد سینوں پر چڑھ چڑھ کر اُمت کا گلا گھونٹ رہے ہونگے اور فنا کی لازوال حقیقت عین سامنے آحاضر ہوگی تب تک اس کتاب کے مقصود کیطرف ہمہ تن رجوع ہوجانے کی امید عبث ہی۔ ابھی تک جو کچھ ہی صرف فاقہ مستی اور بے آبروئی کے نشے ہیں، فتح و شکست کے قمارخانے میں پاک بازی کی اکڑ ہے، ملائی تکبر یا جہالت کا پیدا کیا ہوا استغنا ہے، نسیان درس کی خوش طبعی یا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (المؤمن) کی فرحت ہی لیکن جسدن موت نے چپکے سے آسلام دیا اُسدن یہ اکڑ سب نکلجائے گی، یہ غفلت کے نشے سب ہرن ہوجائینگے، یہ کبر و منی کے دعوے سب باطل ہوجائینگے: فَلَوْلَآ إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ۝ وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ۝ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ (الواقعہ)۔ ہاں اُسدن اس تحریر کی طرف پھر رجوع ہوگا، اسکے اوراق کو طاق نسیاں سے اُٹھاکر پھر پڑھنا شروع کردیں گے، اسکی توحید کو پاکر آمنّا پکار اُٹھیں گے، قرآن کو اُٹھا اُٹھاکر حسبنا کہدینگے، غیظ و اسف سے انگلیاں کاٹ کاٹ کر جائینگے، فرش سے عرش تک ایک چیخ پکار پیدا ہوجائے گی، آہ لیکن وہ وقت توبہ اور عمل کا نہیں ہوگا، قضا اور اجل کا ہوگا، موت و ہلاکت کا ہوگا، يَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ کا ہوگا، هَلْ مِن مَّزِيدٍ کے نعروں کا ہوگا، جہنم کے سرنگلک شعلوں کا ہوگا، آہوں اور کراہوں کا ہوگا، اُس اڑے اور آخری وقت میں اس توحید، اس اسلام اس ایمان کیطرف رجوع کرنا عبث ہے!

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوٓا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ (المؤمن)۔

تمت

ادارۃ الاشاعت للنذر

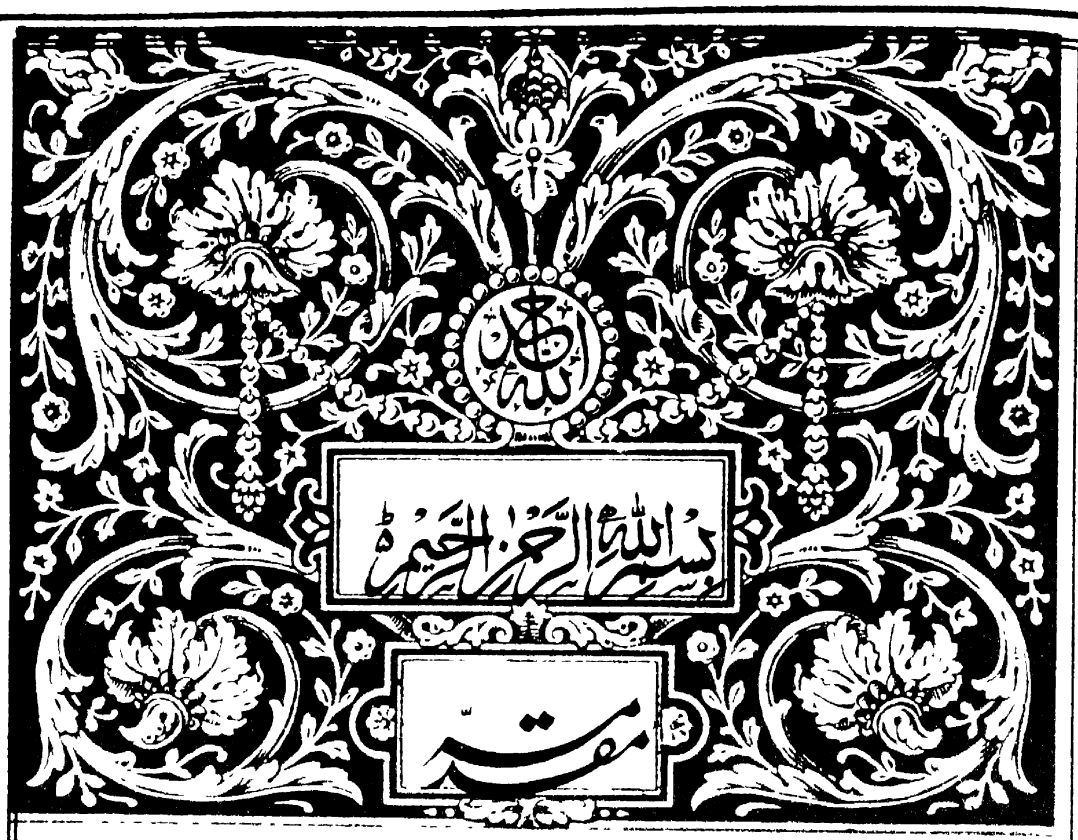

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ؕ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ (۱۸ : ۱-۲)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِیْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰی حَتّٰی یَبْعَثَ فِیْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِی الْقُرٰٓی اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ (۲۸ : ۵۸-۵۹)

مسلمانانِ عالم گذشتہ دو صدیوں سے ایک مسلسل انحطاط کے گرداب میں مبتلا ہیں۔ اِس تنزل کی سُرعت، اور ہبوط کی تیز رفتاری جس قدر خوفناک ہے اُسی قدر وہ عام جمود اور فقدانِ حسّ دردانگیز ہے جو مسلمانوں کو کامل طمانیت اور سکونِ دل کے ساتھ قطعی ہلاکت، اور یقینی موت کی طرف لیجا رہا ہے۔ ملّت کے ہر فرد میں وہ قوائے ظاہری و باطنی جو تمدّن کی جان، اور عمران کی رُوحِ رواں ہیں مفقود ہو چکے ہیں۔ وہ جذباتِ آہنی جن کی رَدّ بنیادِ اقوام کو کپکپا دیتی ہے نرم پڑ چکے ہیں۔ قوم کا ایک ایک متنفّس انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے بیکار ہو گیا ہے۔ حسیاتِ دینی کا اہم اور مفید تر حصہ زائل، اور امتیازاتِ دنیوی کی تحصیل میں مسلمانوں کا تعقّل

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولا برق خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

تاریخ کے صفحاتِ خونیں کو اور اُلٹ دیجئے، یہی رنگ نظر آئے گا۔ سوڈان میں مہدی کا ہولناک خروج، مصر میں محمد عبدہٗ کی نیم سیاسی تبلیغ، ہندوستان میں ہنگامۂ غدر، جنگ بلقان کا المناک حشر، ایران میں مجلس شورٰے کا انعقاد وغیرہ وغیرہ، سب کے سب اہم اور ہمہ گیر انقلابات تھے، لیکن اگر بہ امعانِ نظر اُن کے سقوط کے اصلی اسباب کی چھان بین کی جائے تو ہر نامرادی اور فساد کی تہ میں عدم نظامِ عمل اور وسائل کی یاس انگیز کمی، استقلال کا فقدان اور ذہنی طوائف الملوکی، جدوجہد کا تشتت اور غلط اندازۂ کار، آرا کا ہولناک تفرقہ اور قوتوں کا المناک انتشار، ایک ہلاکت آفرین معجون کی صورت میں نظر آئے گا۔ کم و بیش یہی صورت قوم کے ادنےٰ مشاغل کی ہے۔ کوئی ملکی تحریک یا مقامی تجویز، اجتماعی انجمن یا سیاسی مجلس، خیراتی مصرف یا تجارتی شرکت، علمی مشغلہ یا انتظامی سلسلہ، ایسا نہیں جو مسلمانوں کی مختصر پسندانہ کارفرمائی سے ایک اقلِ قلیل مدت میں کالعدم نہ ہوگیا ہو!

ہمچوں سپند پیشِ تو اے مختصر پسند!
در نالہ تمام کنم ماجرائے دل

مگر فی الحقیقت جو حوادث دنیائے اسلام پر اس چودھویں صدی کے آغاز میں رُونما ہو رہے ہیں اُن کی مثال اسلام کی گذشتہ ہزار سالہ تاریخ کا تاریک سے تاریک صفحہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بالآخر صدیوں کی مُزمن بیماری نے مریض کے ہر عضو کو مضمحل، اور ہر جوڑ کو درد آمود کر دیا ہے؛ اعضا کی پیہم شکست، اور طاقت کے مسلسل زوال نے دفعۃً خوفناک علامات پیدا کر دی ہیں؛ دل، دماغ، اور جگر، سب کے سب مرض کی لپیٹ میں آچکے ہیں؛ سلامتی اور بقا کی چند آخری گھڑیاں ہلاکت اور فنا کے مہیب دیو سے قطعی اور فیصلہ کن مجادلہ کرنے کو ہیں؛ حیاتِ مستعار کے چند عارضی لمحات عدم کی بیکراں ازلیت اور ابدیت کے محیط میں پیوست ہونے کو ہیں! اگر معیشت

ضرب المثل ہو گیا ہے۔ قوّتِ ارادی اور قدرتِ اقدامِ عمل، تنظیمِ جماعت اور تقسیمِ کار، قوائے عاملہ کا اتحاد و تمرکز، استقلال اور استمدادِ باہمی کا دستور العمل، مطاوعت و انقیاد کا جذبۂ مشترک، اور سیادت و قیادت کا ملکۂ سلیم، جن کے التزام کے بغیر اقوام کیا افراد بھی چھوٹے سے چھوٹا کام پایۂ تکمیل کو نہیں پونہچا سکتے محض چند مُہمل کلمات رہ گئے ہیں جو حقیقت سے بے بہرہ، اور معانی سے ناآشنا ہیں۔ اِس حالت میں تعجب نہیں اگر حصولِ مُراد کی ہر کوشش میں مسلمانوں کو بالآخر ناکامی کا سامنا ہوتا ہو؛ ہر تدبیر جو وہ اپنی بہتری کی اُمید میں عمل میں لائیں نامُرادی سے بدل جاتی ہو؛ ذہنی انتشار، اور جماعتی تفریق و اشتتات کا ہولناک عفریت اُن کی قوّتِ عمل کو بے اثر کر دیتا ہو؛ اور حرماں نصیبی ان کے کمزور اخلاق پر غلبہ پاکر اُن کے جذبۂ ایمان کو کچل دیتی ہو۔

مَیں ایک مُدّت سے اِس دردناک نظارے کو باکراہِ تمام دیکھ رہا ہوں۔ گذشتہ سَو سال کے تاریخی شواہد، اور سیاسی نامۂ اعمال کی روحِ فرسا سرگذشت نے ثابت کر دیا ہے کہ اُمّتِ حاضرہ اب اخلاقی تنزّل کے اُن انتہائی مدارج تک پونہچ چکی ہے جہاں اُن کا کوئی فعل، کوئی طریقِ عمل، روئے زمین کے کسی حصّے پر صلاحیت سے تکمیل کو نہیں پونہچتا۔ اگر نظامِ عمل کے عام فقدان کے باوجود، بالفرض کسی فرد یا جماعت کو ایک طریق کی طرف جانے کی توفیق عطا ہوئی ہے تو پیشتر اِسکے کہ کوئی مفید نتیجہ نکلے، مخالف اثرات اور تشتّت کے ہلاکت آفرین جراثیم نے اُس جماعت کی انتظامی قوّت کو اندر ہی اندر سلب کر دیا ہے! قوم کی جس تحریک کی طرف دیکھو یہی حال ہے۔ گذشتہ قرن کے اندر ترکوں کی سب سے اہم ملکی تحریک، جو ایک نقطۂ نظر سے منظّم، اور ایک مقتدر وزیرِ اعظم (مدحت پاشا) کے سیاسی تخیّل کا نتیجہ تھی، دستوری حکومت کے اصول کی سَو سالہ تبلیغ اور بالآخر اس کا انعقاد ہے۔ مگر یہ ایک کھُلی حقیقت ہے کہ انجمن اتحاد و ترقی، چند لمحوں کے لیئے بھی، یورپ کی اِس عجیب و غریب صنعت کی 'حسناتِ جاریہ' اور 'برکاتِ لامتناہیہ' سے بہرہ اندوز نہ ہو سکی، اور ترکوں کی سلطنت کے لیئے اِس کا رسمی نفاذ بالآخر اعلانِ شکست ثابت ہوا!

اثرات کے دباؤ نے ایک غیر مانوس صورت نمایاں کردی ہے جو ہٹ کر رہے گی! دین اسلام کے عالم آرا تعمیری† فلسفے کا یہی وہ بنیادی پتھر ہے جس نے اُس کے قیام و استحکام کا ذمہ ابتدائے آفرینش سے لیا اور جو آج تیرہ سو سال کے مصائب و نوائب ہائلہ کے باوجود اسکی حیات کو قطعی، اور اسکے قانون کو ازلی اور ابدی قرار دیتا ہے۔ صانع قدرت نے اِس اصلیت کا انکشاف فطرت کے ہر اصول اور ہر طرز عمل میں کیا ہے؛ جب تک صداقت صداقت ہے، اُس کا غلبہ، جہاں کہیں وہ ہو، یا جس پیرایہ میں ظاہر ہو، ناگزیر اور اٹل ہے۔ اگر دنیا میں کذب و ریا، مکر و تلبیس، ظلم و خدع کے لاانتہا فساد انگیز اثرات کے باوجود فطرت کے اصول قائم، اور قانونِ خدا کی حکومت مسلّط ہے تو اس کا اصلی راز یہی ہے؛ اگر ہوا و ہوس کی چند روزہ گرم بازاری، اور خواہشاتِ سفلی کی عارضی رَوا روی کے باوجود سطح زمین ابتک بحیثیت مجموعی جادۂ اعتدال سے منحرف نہیں ہوئی تو اس کا حقیقی باعث یہی ہے۔ باطل اور فاسد ہستی کے تصادم کا ایک مستقل حقیقت پر اثر بعینہٖ مثل اُس پتھر کے نقش کے ہے جو ایک اتھاہ سمندر کی سطح پر پھینکنے سے خفیف تموج تو چند لمحوں کے لیئے پیدا کر دیتا ہے، مگر اپنی ہستی کو ابدالآباد کے لیئے کالعدم کر دیتا ہے!

فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا

اسلام کا زور اثر آج اگر اِس قلیل مُدّت کے بعد، فی الحقیقت نابود ہو گیا ہے تو دو صورتیں ہیں: کائناتِ قدرت کا مسئلۂ قیام نیز ختم ہے؛ فطرت کی عظیم الشان تعمیر کا نظم و نسق بھی اپنی بُنیاد سے ہٹ چکا ہے؛ کیفیات کے طلوع و غروب کی عمر بھی پوری ہونے کو ہے؛ اجسام کا جذب و اتّصال، اجزا کا مزج و خلط، احوال کی مداولت، آثار کا حلول، تراکیب کا قدر و عمل، یہ سب کچھ بھی اپنی اپنی مہلت پاکر رخصت ہو رہے ہیں اور بالآخر معمول فطرت کے اِس حیرت انگیز استیلائے اثر کے بعد، زوالِ عالم کی منزل قریب ہے! اور اگر یہ حالت نہیں تو آج خود نفسِ اسلام، بلکہ مقاصدِ قرآن کے اندر، حقیقت کی روح قطعاً نہیں رہی؛ اُسکی قوّتِ تاثیر و نفوذ اپنا ظرف چھوڑ کر کسی دوسرے قالب میں

† فلسفۂ اسلام کو عالم آرا اور تعمیری دونوں ثابت کرنا اِس کتاب کا منتہائے نظر ہے۔

اور ممات کی یہ اندوہناک کشمکش فی الحقیقت کذب اور یقین، فساد اور امن، باطل اور حق کی آخری آویزش ہے تو فیصلہ اٹل ہے: **فنا** کی لازوال حقیقت کے سامنے کسی باطل اور فاسد ہستی کی کچھ وقعت نہیں، وہ مٹ کر رہے گی، اور تمام کوششیں جو اسکو فروغ دینے کے لیئے اس اخیر وقت میں کی جائیں گی بیکار ثابت ہوں گی۔ لیکن اگر اسلام سراپا **حقانیت** ہے، مجسمۂ **صدق** اور سرچشمۂ **حقیقت** ہے، شارع قدرت کی عالمگیر سُنّتوں میں سے ایک **سُنّت** ہے، تو فطرت کا عدل اور تسویہ اس امر کا مجاز ہو نہیں سکتا کہ ایک حقیقت کے نفوذ و اجرا کے ضمن میں دوسری حقیقت قربان کر دی جائے، یا کائناتِ فطرت کی اپنی طاقتیں ہی ایک دوسری کی تخریب و تعدیم پر آمادہ ہو جائیں!

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۰ : ۳۰)

دینِ اسلام خدا کی بنائی ہوئی وہ فطرت ہے جس پر اُسنے تمام انسانوں کو پیدا کیا، اس سے کسی فرد کو مفر نہیں، اور خدا ساز فطرت میں کسی ردّ و بدل کا امکان نہیں۔ دنیا کو نباہنے کا یہی صحیح اسلوب عمل اور صراطِ مستقیم ہے، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۝ (۳۳ : ۶۲)

اور تُو قانونِ خدا میں کوئی ردّ و بدل ہرگز نہیں پائے گا۔

اِس قطعی استدلال کی بنا پر میرا ایمان ہے کہ قانونِ فطرت کی کوئی مُضمر حقیقت اسلام کو فنا نہیں کر سکتی؛ مُسلمانانِ عالم کا روئے زمین پر بالآخر بطور ایک غالب عنصر کے رہنا لابُدی ہے؛ اور جب تک زمین و آسمان اور کُل کائنات موجود ہے یہ صورت قائم ہو کر رہے گی۔ اگر موجِ حوادث کے تلاطم اور واقعات کی شکر انگیزی نے بظاہر اِس کُلّیے سے انحراف پیدا کر دیا ہے تو وہ استثنائی اور عارضی ہے، اسکی حقیقت سوا اِسکے نہیں کہ مخالف

✤ دینِ اسلام کے متعلق قرآن کا دعوے ہے: فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا، یعنی یہ کہ تمام ساکنانِ زمین کو اسی پر مجبول کر دیا ہے، اور یہی اُن کی فطرت ہے! یہ ایک بڑے اور حیرت انگیز دعوے کا اعلان ہے جسکو دو اور دو چار کی طرح عیاں کر دینا ہر مُسلمان کا فرض ہے۔ صرف کہہ دینے سے کوئی شخص اِسکو مان نہیں سکتا۔ اور یوں تو اِس دعوے کے صحیح مفہوم کو سرسری نظر سے پالینا بھی از بس مشکل ہے۔ اور اسی لیئے کہا گیا ہے کہ اکثر لوگ اِس حقیقتِ کبریٰ کا علم نہیں رکھتے۔ بہرنوع یہی نکتہ اس کتاب کے طول و عرض میں پیشِ نظر ہے اگرچہ نتائج اخیر پر جا کر مترتب ہوں گے۔

مَن جائے گی اور اسلام کے ویران گھر کو یک دم آباد کر دے گی!

اسی بنا پر قرآن کریم کا وہ مُبشّرانہ اور فیصلہ کُن وعدہ جو آیہ کریمہ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ[1] (۳ : ۱۳۸)، میں ہے، ایک ایسی حقیقت کے ساتھ مشروط ہے جس کا التزام اجتماعی غلبے کے استمرار و تسلسل کے لیئے بمنزلۂ روح ہے۔ **ایمان** کی جانفزا صداقت، مرگ و زبونی کی ہر کشمکش کے قیام کے لیئے اکسیرِ اعظم ہے؛ وہ ہر کامرانی کی کلید، اور ہر کامیابی کی تمہید ہے؛ وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کے لیئے مومیائی اور مرے ہوئے حوصلوں کے لیئے آبِ حیات ہے؛ اسکی ہر افزایش میں کُشادِ کار کا راز، اور ہر کاہش میں نامرادی کا بھید ہے؛ وہ فتح کی ہر منزل پر نئی روح، اور شکست کی ہر علامت پر نئی زندگی بخشتی ہے؛ وہ اجماعِ اُمّت کا مرکز، نظم و نسق کا محور، اور انتہائی جدّ و جہد کی اساس ہے؛ اسکی کشش اتّصال، فاسد اور متفرق طاقتوں کو جمع کر کے، قُوّتِ دفاع کو دیوارِ آہن کی طرح مضبوط کر دیتی ہے؛ اسکا انجذابی اثر، اشتات و انتشار کے اجزا کو سمیٹ کر، اقدامِ عمل کی توفیق دیتا ہے؛ جس متنفّس کو حیات کی جانکاہ مسافرت میں ایسا سچّا رہنما نصیب ہو، اُسکے ہر گام پر فتح و نصرت شاملِ حال ہے؛ اور جس قوم کو تحفّظ و بقا کے اندوہناک مجادلے میں ایسا چارحانہ اور مدافعانہ حربہ عطا ہُوا ہو، اُسکا مخالف اثرات پر تسلّطِ یقینی، اور تغلّب اور **تمکّن فی الارض** ایک طے شدہ امر ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (۲۴ : ۵۵)

تم میں سے جن لوگوں کا ایمان سچّے دل سے قائم رہا، اور جنہوں نے اسکے علاوہ تن دہی سے اعمالِ صالحہ بھی کیئے، اُن سے اللہ جل شانہٗ کا وعدہ ہے کہ وہ اُنہیں زمین میں قیام عطا فرمائے گا جیسے اُن لوگوں کو قیام عطا فرمایا تھا جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں؛ وہ اس دین کو جو اُس نے اُنکے لیئے پسند کیا ہے جما کر رہے گا، اور بعد ازاں اُس خوف کو بھی جو اُنہیں دشمن سے لاحق ہے امن سے بدل دیگا۔ ان کا مسلک عمل یہ ہے کہ میرے غلام بنکر میرے حکموں پر چلتے رہیں (يَعْبُدُونَنِي)، اور طاعت گذاری میں کسی دوسری شے کو میرے ہم مقام

[1] اور نرم پڑکر ہمت نہ ہارو، اور آندوہ خاطر نہ ہو، کیونکہ اگر تم ایمان والے ہو تو آخر کار سب میں تمہاری ہی جیت ہے۔

منتقل ہوگئی ہے؛ اُسکا دائرۂ علم و عمل مُنحصر ہیں، اور اُسکی رُویائے قلب محو ہوگئی ہے! **معنی** کی عروسِ منفعل، بدسلوکی نااہل مسلمان کی رفاقت سے بیزار ہو جانیکے بعد، **صورت** کے تنگ و تاریک اور **الفاظ** کے مہلک روح حُجلوں کے اندر، اِس تغافل، بےاعتنائی، اور بیدردی کا شکار ہوئی ہے کہ آج اُسکی ہستی کا اعتراف بھی کسی متنفس کو نہیں رہا! دنیائے حقیقت نواز کی جنگ آج اس قتیلِ غفلت کی انہی فاسد اور ناکارہ ہڈیوں سے ہے جن کے ڈھیر کی المناک سرگذشت، مہلت† کے پردۂ خفا نے قرنہا قرن تک مستور رکھی! زمانے کا باطل رُبا مگر بیرحم ہاتھ آج قصاب خانۂ روح و عمل کی اسی مذبوحِ حیا نعش کو سپردِ زمین کر رہا ہے جس کے ایام سعید کا عہد حیات، مہرِ نیمروز کی کرنوں سے بھی درخشاں تر حقیقت تھی! آہ! لیکن قالب کا مکین اگرچہ رخصت ہو چکا ہے، اور حقیقت کی مضطرِ قرار روح بہتر اور صالح تر جسموں میں حلول کر گئی ہے، مگر زمانے کی عجائب نمائی، بلکہ ربِ لم یزل کے تقاضائے غیرت نے کم از کم اِس مُردہ ڈھانچے کی اس قدر حُرمت تو ضرور برقرار رکھی ہے کہ آج صدہا برس کی موت کے بعد بھی اُس کے اصلی خط و خال کا نقشہ صاحبِ نظر سے نہاں ہو نہیں سکتا۔ **قرآنِ عظیم** اب بھی جہل و نسیان کی ظلمات کے اندر وہ سطیع و نطیق **حکمت** ہے کہ عمیق نظروں میں سیاہی کا تقابل اُسکی سپیدی اور چمک کو اور بھی دوبالا کر رہا ہے! مطالب کی غلط فہمیوں، اور مقاصد کی دور افتادگیوں کے باعث جس قدر اسکی ہر بات عوام کے نزدیک ناقابلِ التفات اور بےمعنی ہو رہی ہے، اُسی قدر صحیح القلب نقاد کی نظروں میں اسکی عظمت کا رنگ کھلتا جا رہا ہے! اسلام کی از سرِ نو حیات کے دن لامحالہ اُس وقت پھرنے لگیں گے جب کہ بداعمالی، کفر، اور تکذیب کے ہوش رُبا جمود، اور عالمگیر شکست و ریخت کے مُحیط الکُل عجز میں خود مُسلمانوں کا کوئی غمزدہ اور دل باختہ بندۂ خدا، قرآنِ حکیم کی طرف پھر متوجہ ہوگا، اور نافہمی، غلط عمل، سیہ بینی، باطل آرائی اور عدم یقین کے حجاب در حجاب کو اُس کے ماتمی اور پژمردہ چہرے سے اُلٹ کر، **ایمان** کی اصلیت کو بےنقاب کر دے گا۔ اُسی دن حقیقت کی روٹھی ہوئی دُلہن پھر

† خلافت عباسیہ کے عہد انحطاط (چوتھی صدی ہجری) یا اسکے کچھ دیر بعد سے آجتک جو زمانہ جزوی امن یا عالمِ آراخوف کا دنیائے اسلام پر گذر رہا ہے میرے نزدیک 'مُہلت' کی ایک صورت ہے جو لامحالہ آخری اور انتہائی عذاب کا پیش خیمہ ہے۔ اِسی زمانے میں اسلام رفتہ رفتہ صرف ایک 'صورت' اور 'رسم' کا نام رہ گیا 'معنی' اور 'روح' دونوں نکلتے گئے!

یعنی † **بقا و استبقا** کے لیئے **ایمان** شرط ہے، اور اللہ کا وعدہ اُنہی لوگوں سے کیا گیا ہے جو ایمان رکھتے ہوں ۔
ثانیاً یہ کہ ایمان کامل کے ہوتے ہوئے **اعمالِ صالحہ** کا اکتساب لازمی امر ہے۔ جس جماعت کے افراد میں
یہ دونوں باتیں موجود ہوں وہی **اصلح** ہے ۔ اُسی کی صیانت اور سلامتی کا ذمہ قانونِ فطرت نے اپنے

† قرآن کریم میں استخلاف کا لفظ، آیۂ استخلاف سے قطع نظر، چار موقعوں پر آیا ہے جو یہاں پر اس وسیع التاویل لفظ کے مطلب کی صحیح توضیح کے خیال سے لکھ دیئے جاتے ہیں۔ پہلا موقع سورۂ انعام میں ہے :

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ۝ (۶ : ۱۳۴)

اور اے پیغمبر! جہاں تمہارا پروردگار بڑا رحم والا ہے۔ وہاں بڑا بے نیاز بھی ہے، وہ اگر مناسب سمجھے تو تم سب کو دنیا سے اٹھا لے جائے، اور تمہارے بعد جس میں اہلیت دیکھے تمہارا جانشین کر دے، جیسا کہ آخر دوسرے لوگوں کو ہلاک کر کے اُن کی بقیہ نسل سے تم کو فروغ دے ہی چکا ہے۔

(بقیہ کے معنی ہم نے مناسب سمجھنا کیے ہیں، اس کا ثبوت فلسفۂ عمل کے عنوان یعنی دوسری مجلد میں آئیگا)۔ دوسرا موقع سورۂ اعراف میں ہے :

قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝ (۷ : ۱۲۹)

اس پر موسیٰ نے جواب دیا کہ لوگو! اب وہ وقت قریب آلگا ہے کہ تمہارا خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے، اور تم کو ملک میں اُسکا جانشین بنائے پھر دیکھے کہ تم کیا سعی و عمل کرتے ہو۔

تیسری جگہ سورۂ ہود میں ہے :

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۖ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝ (۱۱ : ۵۷)

اس پر ہودؑ نے اُن سے کہا کہ اگر تم نے ان احکام سے گریز کیا تو کم از کم میں نے اپنا پیغام تم تک پہنچا دیا، اور اس نافرمانی کا نتیجہ لامحالہ یہ ہوگا کہ خدائے عظیم تم کو ہلاک کر کے کسی دوسری قوم کو تمہارا جانشین کر دے گا، اور وہ اس قدر صاحب قوت و شمن ہے کہ تم اُسکا کچھ بگاڑ بھی نہ سکو گے۔ اور یاد رکھو کہ میرا پروردگار ہر قوم کے اعمال کو بغور تمام دیکھ رہا ہے۔

ایک موقع جس میں استخلاف کا لفظ ذرا مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، سورۂ حدید میں ہے :

آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۖ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ (۵۷ : ۷)

لوگو! خدا کو خدا مانو، اور رسولؐ کو اُسکا بھیجا ہوا پیغام سمجھ کر اُسکے احکام کی تعمیل کرو، اور اُس مال میں سے جسکا وارث اگلوں کو تباہ کر کے تم کو بنایا ہے (اعلائے خدا میں) صرف کرو۔ کیونکہ جو لوگ احکام کی پیروی کرتے رہے، اور جنہوں نے ایثارِ مال کیا، اُن کو خدا کے ہاں سے اجرِ عظیم ہے۔

(آمنوا کے اِن معانی کی تشریح آگے آئے گی، یہاں اِس سے بحث نہیں۔) اِن چاروں مثالوں سے یہ امر واضح ہے کہ استخلاف کے معانی قرآنِ کریم میں ایک قوم کو ہلاک کر کے دوسری کو اُسکا جانشین بنانا ہے اِس سے زیادہ کچھ نہیں۔ نہ اِس سے مراد بالخصوص وہ مسلمہ خلافت ہے جس کا مرکز آجکل قسطنطنیہ ہے۔ اگرچہ وہ بھی اِسمیں شامل ہے۔ نہ اِس سے مراد خاص عرب کا استخلاف ہے، نہ عجم کا۔ نہ مشرق اور نہ مغرب کا۔ جو قوم ایک کے ہلاک ہوئے پیچھے اُسکے ملک اور دولت کی وارث ہوئی وہی مستخلف ہے۔ خواہ وہ چین کی ہو یا روم کی۔ یہی بقا و استبقا ہے، اور اسی لحاظ سے ہم نے یہ معانی متن میں لکھے ہیں۔

استخلاف، کے اِن معانی کی حتمی تائید قرآنِ عظیم کی دو اور آیتوں سے ہوتی ہے جن کے نفسِ موضوع کا مقابلہ سورۂ ہود کی متذکرہ صدر آیت (۱۱، ۵۷) سے کرنا چاہیئے۔ سورۂ توبہ میں ہے : إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (۹ ، ۳۹) اگر (اے عافیت پسند عرب کے لوگو!) تم اِس موقع پر لڑائی کے واسطے ہمہ تن مستعد نہ ہوئے تو خدا تم کو دردناک سزا دے گا اور تمہارے سوا کسی دوسری مستعد

نہ کریں (لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا)۔ اور جنہوں نے اِس تمکن اور قیام کے بعد اطاعت احکام سے انحراف کیا، اور اپنی بداعمالیوں کے باعث اِس نعمتِ عظمیٰ کی بیقدری کی (کَفَرَ) تو وہی فاسق ہیں†؛ (اور وہی اجتماعی ہلاکت کے اہل ہوں گے‡ (۴۶ : ۳۵))

شارع قدرت کا یہ حتمی میثاق، نہ صرف اسلام بلکہ تمام اقوامِ عالم کی حیات و ممات کا مکمل اور آخری فیصلہ ہے۔ قرآن کریم کی حجت بالغہ، اور شریعت خدا کی حکمت جامعہ و مانعہ، جہد للبقا اور مقاومۃ للنّفس کے اُس طبعی نتیجے پر تیرہ سو برس پہلے پہونچ چکی ہے، جو فلسفہ دان فارابی، ہیکل، اور ڈارون* کے مسئلہ ارتقا و انتخاب طبیعی کی اصطلاح میں "بقائے اصلح" کے نام سے معروف ہے۔ اِس آیہ کریمہ میں دو باتوں کا فیصلہ کر دیا ہے: اوّلاً یہ کہ "استخلاف فی الارض"

† آیاتِ ماقبل، (۲۴ : ۴۸ - ۵۴)، وما بعد (۲۴ : ۵۶)، کے ربط کو پیش نظر رکھکر، عبادت، شرک، کفر، اور فسق کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کی نعت میں یہ چاروں اصطلاحیں، اور ان کی مثل اور الفاظ جن کا ذکر آگے آئے گا، اِس قدر جامع اور مانع ہیں کہ ان کی صحیح اور ناقابل انکار تشریح کرنا، دراصل قرآن کی تمام حکمت اور لائحہ عمل کو عیاں کر دینا ہے۔ یہاں پر یَعْبُدُوْنَنِیْ سے لیکر فٰسِقُوْنَ تک جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ ذرا پیش از وقت ہے، مگر اس کا کافی ثبوت کتاب کے آیندہ اوراق میں مل رہیگا۔ قرآن حکیم کا ربط بھی اِس قدر ظاہر اور باہر شئے نہیں کہ اس کو کتاب کے محض ابتدائی اوراق میں واضح کیا جا سکے۔ اس کے لیئے بے انتہا غور و فکر اور صحیح علم کی ضرورت ہے۔

‡ سورۂ احقاف کے اخیر میں ہے: فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (۴۶ : ۳۵) "تو کیا ماسوا فاسق قوم کے کوئی اور قوم بھی ہلاک ہو سکتی ہے؟" گویا فاسق قوم کی ہلاکت قطعی ہے۔ اس بنا پر ترجمے میں اس ضروری ایضاح کا سبب ظاہر ہے۔

* مسئلہ ارتقا، جس کی مجمل تشریح آیندہ موقع پر کر دی جائے گی، منجملہ ان عالم آرا مسائل کے ہے۔ جس کی اختراع و ابداع اور تصدیق کے متعلق چند سربرآوردہ ناموں کا انتخاب کر لینا از بس مشکل ہے۔ مختلف قرون کے علما نے اِس مسئلے پر بحثیں کیں، اور ہر بار متعدد اضافے ہوتے رہے۔ اہل یونان اور رومۃ الکبریٰ کے زمانۂ عروج میں اِسکے اعتراف کے آثار پائے جاتے ہیں؛ مگر ماسوا ہرقلیطس (المتوفی ۴۷۵ قبل مسیح) اور لوقریطس (المتوفی ۵۵ قبل مسیح)، مشہور شاعر کے کوئی پُرانا فلسفی اسکے متعلق مفید معلومات بہم نہیں پونہچاتا۔ اہل ہند کی پُرانی کتابوں میں کہیں کہیں اسکا مشکوک سا ذکر پایا جاتا ہے۔ اسلام کے عہد عروج میں مختلف حکما نے اِس مسئلے کو لیا، اور اسکے متعلق بہت کچھ چھان بین کی۔ اِس سلسلے میں، الفارابی (المتوفی ۳۳۹ھ ۹۵۰ء) ابن سینا (المتوفی ۴۲۹ھ ۱۰۳۷ء)، ابن باجہ (المتوفی ۵۳۲ھ ۱۱۳۸ء)، اور ابن مسکویہ (المتوفی ۴۲۱ھ ۱۰۳۰ء)، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یورپ کے عہد ارتقا میں جو نام سب سے زیادہ سربرآوردہ ہیں، ہیکل (المتولد ۱۲۵۰ھ ۱۸۳۴ء)، وَالے (المتولد ۱۲۳۸ھ ۱۸۲۳ء)، ہکسلے (المتوفی ۱۳۱۲ھ ۱۸۹۵ء)، اور ڈارون (المتوفی ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۲ء) کے نام ہیں۔ موخر الذکر کی کتاب "اصل الانواع" مطبوعہ ۱۲۷۵ھ ۱۸۵۹ء نے آج اِس مسئلے کو پایہ ثبوت تک اِس قدر پونہچا دیا ہے کہ اب اسکی تحقیق و تدوین کا تمام سہرا ڈارون کے سر پر ہے۔ لیکن اس عظیم الشان نظریے کی ارتقائی شق کے دعوے کو اوّل اوّل جن علما نے مستقل صورت دی وہ حکمائے اسلام ہی ہیں۔ ابن خلدون نے تاریخ العبر کے مقدمے میں بھی ضمناً اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔ اصل کتاب میں ہم نے ابو نصر محمد الفارابی کا نام بالتخصیص پیش کیا ہے نہ صرف اسلیئے کہ مسئلہ ارتقا کی ابتدائی تدوین و تحقیق میں الفارابی کو بہت بڑا دخل تھا بلکہ اسلیئے کہ اس حکیم جلیل کی عالم اسلام میں خاص قدر و منزلت ہے۔ وفیات الاعیان میں ابن خلکان نے بوعلی سینا کے اس استادِ معظم کو اسلام کا سب سے بڑا حکیم کہا ہے!

ڈارون کا نظریۂ ارتقا؛ نشاۃ آفرینش سے لیکر ظہور انسان تک، ہر ذی حیات شئے کی انفرادی

مسئلہ ارتقا کی تخفیف و توہین جس انداز سے آج مسلمانانِ عالم اپنی کمی علم اور غلبۂ جہل کے باعث کر رہے ہیں، اُس سے کم از کم یہ تو شرح ہوتا ہے کہ انحطاط پذیر اقوام میں اپنے آبائی کارناموں کی یاد کس سُرعت سے محو ہو جاتی ہے۔ صفحہ ۸ کے تحت المتن میں چند اُن اسلامی حکمائے عظام کا ذکر کیا گیا تھا جنہوں نے اِس مسئلے کی تصدیق و تثبیت میں مستقل حصّہ لیا، اِسکو علم کلام کا اہم جزو قرار دیا، علم فطرت کی ایک بڑی حد تک توسیع کرکے مختلف ثبوت اسکی تائید میں بہم پونہچائے، اور صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں ارتقا کی نوعیت بیان کی، لیکن آج چونکہ مغربی حکما نے اِس نظریے کو پایہ ثبوت تک پونہچا دیا ہے، اور اِس سے مستقل نتائج اخذ کرکے حفظ و بن کی راہیں ڈھونڈھ رہے ہیں، مسلمان اِس سے یکسر بیزار ہو گئے ہیں، اور اسکی تضحیک کرکے اپنی نادانی کا ثبوت دے رہے ہیں! مسئلہ ارتقا و انتخاب طبیعی، آج مغرب کے تمام پہنائے علم و تحقیق میں وہ عظیم الشان انکشاف ہے جس کی عظمت اور نافعیت کا صحیح اندازہ لگانا قانون فطرت کے صحیح علم کے بدون از بس مشکل ہے۔ اِس مسئلے نے صحیح معنوں میں فطرت کے سرِ عظیم کو ایک بہت بڑی حد تک آشکارا کر دیا ہے! اس نے حیات کے حجاب اکبر کو چاک کرکے انسان کو معرفت نفس کا پہلا اور گراں قدر سبق دیا ہے! اس نے انسان کو شناسائی خدا میں مستقل مدد دی ہے! اس نے وحدتِ خدا اور وحدتِ ماسوا، وحدتِ مکان اور وحدتِ مکین کو ثابت کرنے میں اہم حصّہ لیا ہے! اِس نے انسان کا دائرۂ علم و عمل بیحد وسیع کرکے اُسکو صحیح معنوں میں خدا کا قائم مقام بنا دیا ہے! نہیں بلکہ اسنے زوال و بقائے اُمم کے وہ پنہاں اصول بھی ایک حد تک عیاں کر دیئے ہیں جو الہامی کتابوں، اور بالخصوص قرآن حکیم کے سوا آجتک اور کہیں نہیں ملے۔ جو لوگ اس مسئلے سے اِس لیے بیزار ہیں کہ اِسمیں نشو خود اختیاری کے باعث تعطل خدا کی شان پائی جاتی ہے، یا اُسکی نالقیت میں ایک ناقابل برداشت تعویق ثابت ہوتی ہے۔ اُن کے دلوں میں خدا کی عظمت اور قدرت، ازلیت اور ابدیت کا اندازہ بہت کم ہے۔ قرآن میں مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ط (۲۲ : ۷۴)، اِس امر کی شہادت ہے۔ اکثر لوگ اُس خلاق عظیم کا اندازہ انسانی قوتوں اور بشری واماندگیوں کو پیش نظر رکھکر کرتے ہیں، اور اسی لیئے اُسکی لاانتہا وسعت تک نہیں پونہچ سکتے۔ مختصر الفاظ میں اِس مسئلے کا یہ دعوےٰ ہے:-

۱- "اِس عالم کون و مکان اور پہنائے زمین و آسمان کے اندآفرینش کے ابتدائی ایام سے لیکر آجتک ایک ارتقائی اور تعمیری، ایک تدریجی اور ترکیبی انقلاب واقع ہو رہا ہے جو تخلیق کا فوری اور بلاواسطہ باعث ہے، حرکت اور حرارت اِس تکوین کی علل اُولیٰ ہیں۔ علت انتہائی وہ علۃ العلل وجود ہے جس نے سب اشیا کو اپنی اپنی جبلت عطا کرکے اپنے اپنے کام پر لگا دیا ہے۔"

قرآن حکیم کا محاکمہ اِس امر کے متعلق موسیٰ علیہ السلام کے ان الفاظ سے ظاہر ہے:-

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ (۲۰ : ۴۹-۵۰)

فرعون نے ازراہ سوال پوچھا کہ اے موسیٰ! وہ تم دونوں بھائیوں کا پروردگار کون ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ وُہ رب بے مثال ہے جسنے اِس عالم کائنات کی ہر مخلوق شئے کو اسکی جبلت اور خلقت عطا فرما کر اپنا اپنا راہ راست دکھلا دیا ہے۔

۲- "عالم موجودات کی سب ذی حیات مخلوق، بشمولیت نباتات و خورد بینی حیوانات، ایک سلسلہ تکوین کی مختلف کڑیاں ہیں جنکو بقدر اُنکے اعضائے رئیسہ و غیر رئیسہ کی سہولت اشکال ترکیب کے ایک تدریجی سلسلے میں پیوست کیا جا سکتا ہے۔ یہ سب تکوین آفرینش کے مختلف مراحل میں ایک معین ترتیب سے ہوئی اور بتدریج ہوئی۔ اِس نردبان کا کمال اوج انسان ہے جسکے اعضا کی تقویم سب ادنیٰ حیوانات سے بہر نوع بہتر ہے۔"

لہ لوگوں نے خدا کی عظمت کا اندازہ ہرگز اِس طرح پر نہیں کیا جیسا کہ کرنے کا حق تھا۔

اوپر لیا ہے، قرونِ ماضیہ کی اقوام متمدنہ کی طرح اُسیکا غلبہ اور استخلاف قائم رہیگا جب تک ایمان اور صلاحیتِ عمل اُن میں باقی رہے، اور فسق و کفر کی حد تک نہ پونہچیں!

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹) قوم کو تم سے بدل دے گا، اور وہ اِس قدر صاحبِ قوت دشمن ہے کہ تم اُسکا کچھ بگاڑ بھی نہ سکو گے، اور یاد رکھو کہ خدا وہ بے نیاز خدا ہے کہ وہ ہر بات کر سکتا ہے۔ یہاں 'یستبدل' اور 'یستخلف' کا ترادف عیاں ہے۔ سورۂ محمدؐ میں بھی 'یستبدل' اِنہی معنوں میں ہے: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ ۝ (۴۷: ۳۸) یعنی اگر تم نے اِن احکام سے سرتابی کی تو کچھ پروا نہیں وہ خدائے عظیم تمہارے سوا کسی اور قوم کو تم پر لا بٹھائے گا۔ پھر وہ تم جیسے بدعمل نافرمان، اور نفس پسند بھی نہ ہوں گے۔" اِن آیاتِ الٰہی سے صاف ظاہر ہے کہ استخلافِ اقوام دراصل اُن کا استبدال ہی ہے۔ جو قوم بادشاہت زمین کی اہل نہ رہی، جو قانونِ خدا سے سرتابی کرنے کے باعث اپنی قوتیں سلب کر چکی اُس کا روئے زمین پر سے بیک بینی و دو گوش نکالے جانا قطعی ہے۔ جو وارث زمین ہے وہی 'مستخلف' ہے وہی بہتر اور صالح تر ہے، وہی ناقابلِ ضرر اور قوی تر ہے، اور اُسیکا اس دنیا پر باقی رہنا طے شدہ امر ہے۔

خَلَفَ کا استعمال اِستخلاف اور ابقا کے معنوں میں کئی جگہ ہوا ہے۔ یہاں پر تین موقعے قابلِ ذکر ہیں۔ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْکُمْ مَّلٰٓئِکَۃً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ۝ (۴۳: ۶۰)، "اور اگر ہم مناسب سمجھتے تو تمہی کو فرشتے بنا کر اس زمین میں تمہارا جانشین کر دیتے۔" ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِھِمْ لِنَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۰: ۱۴)، "پھر ہم نے اُن کے ہلاک ہوئے پیچھے تم کو زمین میں ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیا سعی و عمل کرتے ہو۔" وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ ۚ (۳۴: ۳۹)، "اور جو تا یارِ مال بھی تم کرتے ہو خدا اُسکو بقا نصیب کرتا ہے اور اسکا عوض دیتا ہے۔" اِن مثالوں سے ظاہر ہے کہ خَلَفَ اور اِستَخلَفَ دراصل ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ اور اِنہی معنوں میں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ (۲: ۳۰) ہے، یعنی "میں زمین میں ایک قائم مقام بنانے والا ہوں۔"

ایک اور بات جو ضمناً اِن آیتوں اور بالخصوص (۷: ۱۲۹)، (۱۱: ۵۷)، (۱۰: ۱۴) اسے مترشح ہے، یہ ہے کہ مستخلف فی الارض کا مقام حاصل کرنے، اور اُسکو قائم رکھنے کے لیئے 'عمل' کرنا شرط ہے۔ آیۂ استخلاف میں شرط 'عملِ صالح' ہے۔ اب رہی یہ بات کہ 'عملِ صالح' کیا شئے ہے۔ اِس کا جواب اس کتاب کے طول و عرض میں ملے گا۔ اور 'صلاح' کی تعریف از روئے قرآن کرنا آسان کام نہیں۔

تیسری بات جو اِن آیات میں غور طلب ہے یہ ہے کہ 'الارض' کا استعمال (۷: ۱۲۹)، (۴۳: ۶۰)، اور (۲: ۳۰) میں مطلق معنوں میں ہوا ہے، اِس سے کوئی خاص حصہ زمین مراد نہیں، جیسا کہ آیۂ استخلاف کے 'الارض' کے متعلق بعض مفسرین کا خیال ہے، اور وہاں 'الارض' کے معنی زمینِ مکہ لیئے ہیں۔ یہ بحث کتاب کے متن میں کی جائے گی، لیکن یہاں اِس بات کا اظہار ضروری ہے کہ 'الارض' کا لفظ مطلق ہے۔ (۷: ۱۲۹) سے کچھ شبہ پڑتا ہے کہ موسیٰؑ کی مراد خطۂ مصر ہو مگر تاریخ شاہد ہے کہ بنی اسرائیل کو استخلاف سرزمین مصر میں ایک مدت مدید کے بعد حاصل ہوا، اِس سے پیشتر وہ ملک شام میں بادشاہ بن چکے تھے۔ (۱۰: ۱۴) سے بھی خفیف سا شبہ پڑتا ہے۔ لیکن اِس سے پہلی آیت (۱۰: ۱۳) کو ملا کر پڑھنے سے یہ شبہ رفع ہو جاتا ہے۔ بہر نوع اِن آیات کے غائر مطالعے کے بعد یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن میں استخلاف فی الارض کے الفاظ سے اقوامِ عالم کا اِس بقعۂ زمین پر اجتماعی بقا حاصل کرنا مراد ہے، اِس سے کم و بیش کچھ نہیں۔ وہ شرعی یا مذہبی ماحول جو اِس اصطلاح کے گرد اگرد مرورِ وقت یا رسمی تکرار کے باعث پیدا ہو گیا ہے خود لوگوں کا پیدا کردہ ہے، قرآن کریم کو اِس سے کچھ سروکار نہیں۔

صنف ضعیف کے سقوط، اور جنس اصلح کے بقا اور تدریجی ارتقا کی مسلسل روئیداد، طبقات الارض کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲) بنایا، اور دشمن پر فتح دے کر عمدہ قسم کی دنیاوی نعمتیں بخشیں، اور یہ سب اس لیے کہ تم ان نعمائے الٰہی کی دل سے قدر کرو۔ (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)۔ (شکر کے ان معانی کا ثبوت بعد میں ملیگا، یہاں اس پر بحث نہیں)۔

۴ مختلف انواع و اجناس کا ظہور اور قیام، خارجی اور مقامی حال و احوال اور باطنی استعداد صعود کے متفقہ زور اثر سے ہوا۔ جو نوعیں احوال طبیعت کی خارجی مزاحمت کے بالمقابل پوری نہ اتر سکیں، مٹتی گئیں، جنہوں نے اس کشمکش میں پورا حصہ لیکر اپنے آپ کو مستعد ثابت کیا، صعود کرتی گئیں۔ عالم حیات کا سب کون و فساد اسی عالم آرا اصول کے ماتحت ہو رہا ہے۔ حفظ نفس، اس مزاحمت کا محرک اول ہے۔ جس نباتی یا حیوانی نوع کا استخلاف زمین کے کسی حصے پر قائم ہے۔ وہ صالح ہے جس کا تمکن فی الارض مٹتا جا رہا ہے وہ غیر صالح ہے۔ جو نوع سب سے متمکن، سب سے زیادہ مجاہد اور مستعد، سب سے زیادہ تکثر اور ارتقائی اہلیت رکھتی ہے وہی اپنے دائرے کے اندر اصلح ہے، اسی کا بقا قطعی ہے، فطرت خود بخود اسکا انتخاب کر کے اسکو بے خوف و خطر کر دیتی ہے"۔

انسانی امتوں کے قیام و بقا کے متعلق قرآن حکیم نے بعینہٖ وہی لازوال اصول پیش کیے جو آج مغرب کی تمام علمی تحقیقات اور مادی تقدم کے محور عمل بن چکے ہیں۔ سورۂ اعراف میں ہے:۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (۷: ۳۴-۳۵)

اور ہر ایک گروہ کے صفحۂ ہستی سے مٹنے کی ایک میعاد مقرر ہے، پھر جب اسکی تباہی کے اسباب مکمل ہو چکتے ہیں تو اس سے ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پھر اگر اس وقت کوئی عذر پیش کرے گا تو ہم کہیں گے کہ اے بنی آدم! ہم نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جب کبھی ہماری طرف سے تم ہی میں سے ہمارے قاصد تمہارے پاس پہنچیں، اور ہمارے احکام تم پر واضح کر دیں، تو جس قوم نے ان احکام پر عمل کر کے حفظ نفس کی راہ اختیار کر لی (اتقی)، جو ہلاکت سے دامن بچا کر چلی (اتقی) اور صالح بن گئی (اصلح) اسکو اس دنیا میں کسی قسم کا خوف و خطر نہیں

آگے چلکر ہم اسی مجلد میں ثابت کرینگے کہ اتقا کی بعض اہم شرائط کیا ہیں، اتقا کی مکمل تشریح عمل کے عنوان (چوتھی جلد) میں آئے گی۔ صلاح کی تعریف میں ابھی بہت دیر ہے۔ وہ عظیم الشان آیات جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم حیوانات کا قانون فنا و بقا بھی اسی انداز پر ہے جس پر انسانی امتیں چل رہی ہیں بہت بعد میں آئینگی۔ یہاں پر ہم نے صرف قرآن حکیم کی چند معاون آیات کو پیش کر دیا ہے۔ ان سے کچھ ثابت کرنا ابھی مقصود نہیں۔ لیکن اگر کتاب کے اس محض ابتدائی حصے میں کوئی نتیجہ خیز اور قابل ذکر بات ان آیات سے مستنبط ہو سکتی ہے تو یہ ہے کہ کتاب الٰہی نے کس التزام کے ساتھ استخلاف فی الارض کی شرط کو جا بجا سعی و عمل، امتحان و ابتلا، تگ و دو قرار دیا ہے جو مسئلہ ارتقا کی اصلی روح رواں ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں سورۂ انعام کی آخری آیت نہایت قابل لحاظ ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۶: ۱۶۶)

اے ساکنان زمین! خدا وہ عظیم الاختیار خدا ہے جس نے تمکو اس زمین میں اپنا نائب اور قائم مقام مقرر کیا ہے (کہ تم اسکی حکومت اور انتظام کو اپنے ہاتھ میں لو)، اور تم میں سے ایک قوم کو دوسری قوم پر کئی درجے فضیلت اس لیے دی ہے کہ معیشت کی اس مسابقانہ کشمکش میں وہ تمہاری ان قوتوں اور صلاحیتوں کا امتحان لے جو اس نے تم کو دیں۔ جانے رہو کہ اگر تم اس ابتلا میں پورے نہ اتر سکے، اور دوسروں سے پیچھے رہ گئے تو لامحالہ خدا بڑا جلد سزا دینے والا ہے، اور اگر اپنی سعی و عمل کے باعث سبقت لے گئے تو اس میں بھی شک نہیں کہ وہ عیوب پر بڑا پردہ ڈالنے

اور اجتماعی جدوجہد کی داستان، حفظ نفس اور ترقی نسل کے متواتر اجتہاد کی سرگذشت، جنس قوی کے تغلب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ ۝ (۹۵: ۴-۵)

(اے ساکنانِ زمین! اس عالم کائنات کا ہر ذرہ اِس بات کا شاہد ہے کہ) ہم نے انسان کو احسن الخلق بنایا، اُسکے عضا میں بہترین صلاحیت اور استعداد پیدا کی۔ پھر اِس صلاحیت کے انحطاط کے باعث اسکو (اُسی) کمتر سے کمتر مخلوق کی طرف لوٹا لائے (جو کبھی زمانے میں تھا)۔

(ہم نے التین والزیتون کی شہادت پیش نہیں کی، اِن کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے۔ مگر رَدَدْنٰهُ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ انسان اپنی نشاۃِ اول کے ابتدائی مراحل میں اسفل سافلین تھا۔ 'اسفل سافلین' کی علمی تشریح آگے چلکر ملے گی۔)

۳۔ "دنیا ایک عظیم الشان امتحان گاہ جدوعمل ہے، جسمیں ہر ذی حیات فرداً فرداً ایک مجاہد کے ہے۔ سب کے سب اپنے اپنے دائروں کے اندر، ایک لامتناہی کشمکش، اور غیر منقطع مزاحمت میں لگے ہیں۔ قیام وبقا کا ہر تار حصر اسی جدوجہد پر ہے۔ ہر جنس، نوع، اور فرد، جغرافیائی اور استطاعتی حدود کے اندر، اپنی ہمسایہ مخلوق کے بالمقابل صف آرا ہے، فطری اور مقامی موانعات کا مقابلہ کر رہی ہے، بہتر اور قوی تر اجناس سے نبرد آزما ہے۔ دشمن سے عہدہ برآ ہونے کی تجویزیں لگی ہے، کمتر اور کمزور تر مخلوق پر متسلط ہونے کی سعی کر رہی ہے۔ الغرض اپنی بہبودی اور بچاؤ، اپنی تقویت اور دفاع کے لیئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ اِس مقام نظر سے عالم حیوانات و نباتات کی سب مجتمعات باقیہ، قوی تر اجناس و انواع کی جارحانہ دستبرد کے باعث، ایک متصل خوف کے ماحول میں گھری ہیں جس سے بچ نکلنا، اور جسکو امن سے بدل دینا ہر زندہ مخلوق کا منتہائے وحید ہے۔"

قرآن حکیم کا تمام دستور العمل من وعن اِس فطری اور اجتماعی جدوجہد کا مؤید ہے۔ چند مثالیں صفحہ ۱۰ کے تحت المتن میں لفظ استخلاف کی بحث کے ضمن میں گذر چکی ہیں، مگر لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ (۵۳: ۳۹) کا اصل اُصول قرآنِ عظیم کے ہر ورق پر جلی حروف میں لکھا ہے۔ آیۂ استخلاف کا نفس موضوع بھی اِسی خوفِ عدو کو حفظ و امن میں بدل دینے کی معنی خیز داستان ہے؛ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا کا محفوظ مقام کسی قوم کو صرف اُس وقت نصیب ہو سکتا ہے جب وہ متمکن فی الارض بن چکے، اور بے سعی و عمل اِسکا حاصل کر لینا قطعاً محال ہے۔

جنس قوی کی جارحانہ دستبرد اور تشدد، اِس ابتلا گاہ سعی و عمل میں، وہ بدیہی امر ہے کہ اسکے لیئے کسی بڑی چھان بین کی ضرورت نہیں۔ ادنیٰ مخلوق سے لیکر شرف الخلق انسان تک ہر نوع اِس قاعدے پر عمل پیرا ہے؛ قوی ہر جا اپنی طاقت کا استعمال ضعیف جنس پر کر رہا ہے؛ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل کر اپنا پیٹ پال رہی ہے؛ کمزور قومیں زور آور قوموں سے ہر دم خوفزدہ ہیں، اور ہر طرف دست زور بالا کی تعمیل بظاہر ہو رہی ہے۔ سورۂ انفال میں خدائے عظیم نے قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کو اِسی خوف عدو کا ماحول یاد دلا کر عیاں کر دیا تھا کہ دشمن پر غالب آکر محفوظ مقام حاصل کر لینا ہی تائید الٰہی ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (۸: ۲۶)

اور مسلمانو! وہ وقت یاد کرو جب تم اِس زمین میں تھوڑی سی تعداد میں تھے، کمزور اور بے بس گنے جاتے تھے، اور ہر آن اِس خوف کے باعث سہمے رہتے تھے کہ دشمن تمہیں اُچک نہ لیجائیں۔ پھر خدائے ذو الجلال نے (تمہارے اعمال کو پسند فرما کر) تم کو اپنی پناہ میں لے لیا، اپنی مدد سے تم کو قوی

ل۵ انسان کو کچھ میسر نہیں مگر وہ جو بقدر اسکی سعی کے ہے۔ ل۵ مطالب کے لیئے دیکھو صفحہ ۷۔

عالم حیوانات کی کشمکشِ حیات میں جسمانی زور، یا جارحانہ قوّت ہی کسی جنس کے قیام کے لیئے کافی نہیں ہوسکتی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴) مادّہ تناسل سے، جو ایک حقیر سا پانی کا نچوڑ ہے، جاری رکھا؛ پہر تناسل کے اِس عظیم الشان مرحلے کو طے کرنیکے بعد اُس خلق جدید کے اعضا میں، ہزارہا برس کی مزید تجویز و تدبیر کے بعد، بہترین تناسب قائم کیا (ثُمَّ سَوّٰىهُ)؛ اور پہر اس احسن الخلق شئے میں اُس خدائے عزیز و رحیم نے اپنی ناپید امثال صفات اور اوصاف کا ایک ایک شمہ ڈالا، اسکو اپنی جناب سے تہوڑا سا علم، تہوڑی سی قدرت، تہوڑی سی سمجھ وغیرہ وغیرہ عطا فرماکر گویا اپنی روح اسمیں پہونک دی (وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ)؛ اور آج اے اشرف الخلق انسانو! اس نے تم کو اِن تمام مرحلوں سے گذار کر وہ عظیم الشان نعمائے الٰہی، اور اوصافِ کبریا کے وہ عدیم المثال مظاہر عطا کیئے ہیں، جن کا نام کان ہے، آنکھ ہے، اور ذہنِ سلیم ہے، جن کے ذریعے سے تم صحیح معنوں میں (سب کمتر مخلوق کے نقلی کانوں، آنکھوں، اور قلوب سے قطع نظر) سُن سکتے ہو، دیکہہ سکتے ہو، اور سمجھ سکتے ہو! افسوس کہ تم اِن حیرت انگیز نعمتوں کی بہت ہی کم قدر کرتے ہو، اور ان کو بہت ہی کم صحیح استعمال میں لاتے ہو (قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ)

(الف) اِن جلیل الشان آیات کے مطالب تک پونہچنا آسان کام نہیں، مگر قرآن کے طالب العلم کو محولہ بالا مطالب کی ابتدائی تصدیق کے لیئے سورۂ مومن کی اُس آیت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے جس میں انسان کی پیدائش کو اسقدر عظیم اور مُہمّ امر قرار دیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا اُس سے مقابلہ کیا ہے: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۴۰ : ۵۷) "لوگو! اگر بچشم وا مشاہدہ کرو تو لامحالہ اس نتیجے پر پونہچو گے کہ آسمانوں اور زمین کی تکوین کا سلسلہ بنی نوع انسان کے سلسلۂ تکوین سے بھی کہیں بڑھکر ہے۔ لیکن اکثر لوگ اِس حقیقت کا علم نہیں رکھتے"۔ گویا انسان کی تکوین کوئی خالہ کا گھر نہ تھی کہ ایک مٹی کا پُتلا سا بنا کر رکھدیا، اور پہر اُسمیں معاذ اللہ کسی شعبدہ باز نے پہونک مار کر جان پیدا کردی، جیسا کہ جُہلا کا خیال آجکل ہے؛ بلکہ وہ ایک عظیم الشان تعمیری سلسلہ تھا جو ہزارہا سالوں کے بعد اختتام پذیر ہُوا! یہی بات ثُمَّ کی معنی خیز تکرار سے ظاہر ہے: (۳۲ : ۸-۹)۔ نَسْلَهٗ۔ اور سَوّٰىهُ اور فِيهِ، میں هُوَ کی غائب ضمیر سے "لَكُمْ" کی مخاطب ضمیر کی طرف رجوع کرنا بھی اِس امر کی طرف اشارہ ہے کہ هُوَ کی ضمیر انسان کی پہلی خلقتوں کی طرف ہے نہ کہ خود انسان کی طرف۔ علاوہ ازیں انسانی نسل کو ایک دفعہ قطرۂ منی سے جاری کرکے بعد میں اُسکا تسویہ کرنا قطعاً بے معنی ہے (ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ ثُمَّ سَوّٰىهُ) بَدَاَ کے لفظ سے بھی جو (۳۲ : ۷) میں ہے یہ ظاہر ہے کہ خلقت کی ابتدا مٹی سے ہوئی نہ کہ تکمیل۔ آج علم جدید کی حیرت انگیز تحقیق بھی انسان بلکہ تمام حیوانات کو اسی "طین لازب" سے بنایا ہوا قرار دیتی ہے: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ (۳۷ : ۱۱) "ہم نے انسان کو لیس دار کیچڑ سے پیدا کیا"۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (۵۵ : ۱۴) "اُس نے انسان کو ٹھیکری کی مانند بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا"۔ یہ بجتا ہوا لیس دار کیچڑ انسان کی تخلیق کا وہ سامان اوّل ہے جو ہر تالاب اور دلدل، جوہڑ اور سنڈاس کی تہ میں، یا جھیلوں کے کنارے پر، کثرت سے نظر آتا ہے، اور جس کے مرطوب قوام کے اندر یورپ کا دقیقہ رس عالم اپنی خوردبین کے ذریعے سے اُس خلاقِ عظیم کی کروڑ در کروڑ مجرد ہستیاں چھپی ہوئی دیکھتا ہے۔ یہ سب وجود اسقدر دقیق ہیں کہ اُن کی کُل کائنات صرف ایک خلیّہ یا حُجرہ ہے جسکے اندر حیات کا عالم آرا مکین محفوظ بیٹھا ہے! یورپ کے طبعی فلسفی کا دعوےٰ ہے کہ کل ذی حیات مخلوق اسی نفس واحد کے اجتماع اور استعمار سے ہوئی، اور قرنہا قرن میں اپنی ارتقائی استعداد کے باعث ایک مکان سے دوسرے مکان، اور ایک جائے قرار سے دوسری جائے قرار میں منتقل ہوکر اس مقام پر پونہچی جسکا نتیجہ اشرف الخلق انسان ہے! قرآن حکیم نے اِس مہتم بالشان حقیقت کو، یورپ کی روح فرسا علمی تحقیق سے کامل بارہ سو برس پہلے، اُن ناقابل تاویل اور نالائق جھود الفاظ میں ادا کیا ہے جن کی اطلاع پاکر مغرب کے سب حکمائے عظام کا اِس کتاب عظیم کے آگے سر جھکا دینا قطعی ہے! سورۂ انعام میں ہے:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ (۶ : ۹۹)

لوگو! وہی خلاق عظیم تو ہے جس نے تم جیسے اشرف الخلق وجود کی ابتدا اور اُسکی نشاء اول ایک خوردبینی نفس مطلق سے کی (اَنْشَاَكُمْ) پہر اُس نفس واحد کو ایک عارضی جائے قرار (فَمُسْتَقَرٌّ) اور ایک مکان استقرار سے دوسری جائے قرار میں بدلا، حتیٰ کہ اُسے آخری مکان قرار اور مستقل جائے استیداع

مٹی میں دبی ہوئی ہڈیوں کی زبانی ہے۔ اِس تمام پیچیدہ مسئلے کی تہ میں یہ بات ظاہر کردی گئی ہے کہ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳) (غفور) اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

۵۔ "انسان کی تکوین کمتر مخلوق کے ارتقا سے ہوئی، مگر اس انقلاب عظیم کی تکمیل میں قرنہا قرن گذر گئے، حتیٰ کہ ایک نوع کا انتقال اُس سے اگلی نوع میں بھی ہزارہا برس میں ہوا! اِس مُدت مدید میں زمین بھی لاانتہا جغرافی اور طبعی، کیمیاوی اور تعمیری انقلابات کا مکین رہی، اور اب تک ہے۔ ارتقا کا سلسلہ بند نہیں ہوا، بلکہ جب تک یہ زمین و آسمان موجود ہے، جاری رہیگا۔ اِس نقطۂ نظر سے بہت ممکن ہے کہ ایک مدت کے بعد انسان اپنی قوتوں، صلاحیتوں، اور علم و عمل میں ارتقا کرتے ہوئے اس سے بھی بہتر مخلوق بن سکے جو اپنی صفات میں شارع کائنات تعالیٰ کی ذات سے قریب تر ہو! اِس بنا پر زمین و آسمان کی تکوین کا سلسلہ انسانی نقطۂ نظر سے ایک بے پایاں سلسلہ ہے جو ہزار در ہزار بلکہ لکھ کہا برس سے چل رہا ہے اور ممکن ہے کہ لکھو کہا برس تک اِسی طرح چلتا رہے"!

مسئلہ ارتقا کی اِس شق کے متعلق قرآن کریم میں وہ حیرت انگیز اور ناقابل انکار شہادت موجود ہے کہ اُس کا تمام و کمال یہاں پر لکھ دینا بہت کچھ پیش از وقت ہے۔ یہاں پر صرف چند آیات اور اُن کا مربوط ترجمہ لکھ دیا جاتا ہے۔ صحت مطالب کی ناقابل رد دلائل ایک ایک لفظ کے متعلق اپنے اپنے موقع پر کتاب کے متن میں آئیں گی۔ سورۂ سجدہ میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ الَّذِیْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ (۳۲ : ۴-۹)

لوگو! خدا وہ عظیم و جلیل خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کے اِس حیرت انگیز کارخانے کو چھ بڑے مدید الوقت اور طویل المیعاد دنوں میں پیدا کیا، اور اب تخت سلطنت (العرش) پر جا بیٹھا اس ادارت عظمیٰ کو چلا رہا ہے۔ لوگو! اُسکے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے، نہ سفارشی۔ اُسی کی حکومت ہر جا چل رہی ہے، اُسی کا قانون ہر جگہ جاری و ساری ہے، تو کیا تم لوگ اِس کارخانہ جہان اور اس عالم آرا حکومت سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے!

وہ وُہ عظیم کار اور بزرگ اعمال خدا ہے کہ ایک عالم آرا قانون (الامر)، ایک امر مُبرم (الامر)، ایک جلیل القدر فیصلے یا معاملے (الامر) کی تجویز آسمان سے لیکر زمین تک کر دیتا ہے، پھر وہ معاملہ، اپنی عظمت اور وسعت کے باعث، رفتہ رفتہ اور نامحسوس طور پر، ایک مُدت مدید میں (فِیْ یَوْمٍ) جس کی مقدار انسانی شمار کے لحاظ سے ایک ہزار برس یا اِس سے بھی زیادہ ہو، اُسکی مشیت کی طرف (اِلَیْهِ) صعود کرتا ہے (یَعْرُجُ)، اور اپنے اٹل زور اثر سے کمال کو پہنچ جاتا ہے! گویا اُسکی عظیم الشان تجویزیں ہزاروں برس میں جاکر مکمل ہوتی ہیں، اُسکے قانون کا عالم انگیز نفوذ صدیوں میں چلکر محسوس ہوتا ہے، اسکی اٹل مشیت قرنوں کے امتداد کے باوجود پوری ہو رہتی ہے) یہ ہے وہ ہزاروں برس کے بعد کے حالات کا علم رکھنے والا (عٰلِمُ الْغَیْبِ)، اور آج کے حال و احوال کا صحیح پرکھنے والا (وَالشَّهَادَةِ)، غالب القویٰ (الْعَزِیْزِ)، صاحب عفو و درگذر (الرَّحِیْمُ)، خدا جسکے رحم و تحمل اور کمال علم و عمل پر یہ کارگاہ اکبر چل رہا ہے!

وہ وُہ صنّاع عظیم ہے جس نے ہر پیدا کردہ شے کو بہتر سے بہتر کر دیا ہے، اور انسان سی اشرف الخلق مخلوق کی ابتدا (بَدَاَ) مٹی سی حقیر اور کمتر مخلوق سے کی؛ پھر رفتہ رفتہ اِس بدأ اول، اِس کمتر مخلوق، اور اس خلق قدیم کی نسل کو ہزارہا برس کی تدبیر امر اور تشکیل نوع کے بعد اعلیٰ حیوانات کے

اِس عظیم الشان معمل میں موانع فطرت کا مقابلہ تندہی اور استقلال سے کیا، جو مخلوق موت

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۶) مسئلہ ارتقا کی باقی شقیں یہ ہیں:-

ب "نفس واحدہ" کے اجتماع اور استعمار سے مختلف نوعیں پیدا ہوئیں لیکن ہر نوعی اجتماع نہ صرف پہلے نوعی اجتماع سے بہتر اور صالح تر ہوا بلکہ ہر ایک صورت اجتماع میں بھی، اسکے اپنے دائرے کے اندر، اصلاح اور ارتقا کی تجویز قائم رہی، حتیٰ کہ وہ صنف بذاتِ خود اوجِ کمال کو پہنچ گئی۔ گویا ارتقا ایک شجر ہے جسکی متعدد متفرع شاخیں ہیں، اگرچہ اصل ایک ہی ہے؛ مختلف شاخیں اپنے اپنے خطوں پر پھولتی پھلتی گئیں، بلکہ شاخ در شاخ بن گئیں؛ اُن پر مختلف پھول لگے، جو اس شق کی صالح ترین انواع ہیں۔ بعض شاخیں اور پتے جھڑتے گئے، جو غیر صالح انواع کی مصداق ہیں۔ اِس تنے کی بلند ترین شاخ انسان ہے جسکی کئی ایک فروع ہیں جو بلحاظ اختلاف لون و نسل، اور امتیاز فہم و ادراک، ایک دوسرے سے قوی تر، اصلح تر اور ممیز تر ہیں۔ جس قوم یا نسل کی حکومت، صورتاً اور معناً، اِس زمین کے بر و بحر پر قائم ہے وہی آج "اصلح" ہے، اور اس عظیم الشان درخت کی چوٹی پر متمکن ہونا اُسیکا طغرائے امتیاز ہے"!

(الف) کتاب خدا نے شجرے کی صورت کو نہایت بلیغ اور پُر معنی الفاظ میں ادا کیا ہے، مگر اُن کی حقیقت نا اہل مسلمانوں کے ہاتھوں مدت ہوئی مسخ ہو چکی ہے۔ سورۂ نوح میں ہے: وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ (۷۱: ۱۷) "اور اے ساکنان زمین! خدائے عظیم نے تم انسانوں کو زمین سے ایک درخت کی طرح اُگایا"۔ گویا جب انسان کی زمین سے درخت کی مانند اُگنے کی ظاہری صورت کوئی نہیں تو ان الفاظ وحی کے لامحالہ کوئی اور عظیم الشان معانی ہیں جن کی تعلیم دینے کے لیے ربِّ بے مثال نے ایک مستقل آیت بھیجنے کی تکلیف گوارا کی۔ مگر آجکل کے مسلمانوں کو جو کسی عزیز کے مرنے پر ایک رات میں پورے قرآن کو کئی بار دُہرا کر مُردے کو ثواب پہنچانے میں مشغول ہیں، قرآن عظیم کے مطالب سے کیا غرض ہے جب ایک ایک حرف کی تلاوت پر لاکھوں نیکیاں خود بخود مل رہتی ہیں تو معانی جو کچھ بھی ہوں ہوتے رہیں، اُن سے بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے! اسی سورۃ میں ایک اور مہتم بالشان مضمون ہے جو پوری دو آیتوں میں ادا کیا گیا ہے:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ (۷۱: ۱۳-۱۴)

اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اُس خدائے عظیم سے عزت اور آبرو کی آس نہیں لگاتے، تم اُسکے قانون پر چل کر بہتر بن بننے کی اُمید نہیں رکھتے، حالانکہ وہی ربِّ بے مثال اور وہی منعم حقیقی تو ہے جس نے تم کو کئی طریقوں، اور تخلیق کے کئی مرتبوں سے مرتقی کر کے پیدا کیا ہے، ادنیٰ مخلوق سے اعلیٰ مخلوق میں ترقی دیکر، اور ایک جہت سے دوسری اعلیٰ جہت میں بدلکر اشرف الخلق ہونے کا وقار بخشا ہے!

کیا "وقار" اور "اطوار" والی آیات کا ربط اس کے سوا کسی اور معانی میں ہو سکتا ہے؟ اور کیا نوح علیہ السلام ایسا اولو العزم نبی اس وقار کی حقیقت معلوم کیے بغیر اپنی قوم کو خطاب کر رہا تھا؟

(ب) بنی نوع انسان کی سب مخلوق پر فضیلت خدائے عظیم کی اِس زمین پر ہر شخص کو بہر نوع واضح ہے، اور جو انسانی نسل زمین کے بر و بحر اور طیبات رزق کی مالک ہے، اُس کا تفضل بھی اظہر من الشمس ہے۔ مگر زمین و آسمان کے مالک کا کلام انسان کی فضیلت تمام عالم کی مخلوق پر نہیں مانتا، اور اُسکی ناپیدا کنار آسمانی فضا میں لامحالہ کسی شریف تر مخلوق کے وجود کی گواہی دے رہا ہے، لیکن اس نکتے کی تصدیق کے لیے مریخ سے چشمک زنی کی سعی کرنے والے یورپ کو ابھی نہ معلوم کتنی اور صدیاں درکار ہیں! سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

اور بیشک ہم نے بنی آدم کو اشرف المخلوق بنا کر بڑی ہی عزت دی اُن کو اس پہنائے زمین کے بر و بحر پر قابض کر کے صحیح معنوں میں اس زمین کا حکمران کر دیا،

بلکہ اسکی حفاظت اور بقا کا اصلی راز 'صلاحیت' اور 'استعداد' ہے۔ جس نوع حیوانی نے سعی و ابتلا کے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵) (مُسْتَوْدَعٌ) میں لے آیا، جو حسن الخلق بشر کا قالب ہے۔ جو قوم ہمارے اعمال کو سمجھتی، اور اُسکا صحیح علم رکھتی ہے، اُسکو ہم نے اپنی قدرت کے یہ اعجوبات (الآیٰت) ان لفظوں میں بالتفصیل بیان کر دیئے ہیں۔

(نَفْسٌ کا لفظ نہایت معنی خیز ہے جسکے معنی مطلق جان کے ہیں۔ قرآن حکیم میں انسان کی پیدائش کے متعلق ہر جگہ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ کا ذکر ہے بشر واحد کا کہیں ذکر نہیں لیکن یہ بحث اپنے موقع پر دوسری جگہ آئے گی)

قرآن کو کتاب خدا مان کر مسئلہ ارتقا کے درست ہونے، یا مسئلہ ارتقا کی عیسنی اور علمی شہادت پاکر قرآن حکیم کے منجانب اللہ ہونے کی آجتک اِس سے بہتر اور روشن تر شہادت کہیں موجود نہیں!

(ب) تَعْرُجُ کے لفظ سے جو سورۂ سجدہ کی محولہ بالا آیت (۳۲ : ۵) میں ہے، ازروئے نحو یہ ظاہر ہے کہ اِس کا فاعل خدا ہونا چاہیئے (يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ)، اور إِلَيْهِ کی ضمیر کا مرجع الأمر ہونا چاہیئے۔ مگر مفسرین نے يَعْرُجُ کا فاعل الأمر اور ضمیر کا مرجع خلاف اسلوب کلام خدا لکھا ہے، اور اِس آیت کا عجیب و غریب ترجمہ کر دیا ہے جس کے نقل کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ متذکرہ صدر ترجمے میں ازروئے نحو عام مفسرین کا اتباع کیا گیا ہے، مگر انصافاً اس اتباع کی ضرورت بھی معلوم نہیں ہوتی۔ اور چونکہ يَعْرُجُ کے معنی یہاں پر بتدریج ارتقا کرنیکے ہیں۔ اِسلیئے اِس نقطۂ نظر سے معانی اور بھی زیادہ صاف ہو جاتے ہیں:

"خدا وہ عظیم کار اور بزرگ اعمال خدا ہے کہ ایک امر مہم کی تجویز آسمان سے لیکر زمین تک کر دیتا ہے اور پھر اس امر عظیم کی طرف ایک مدت مدید میں جسکی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہوتی ہے آہستہ آہستہ اور نامحسوس طور پر ارتقا کرتا ہے" گویا اس امر کی تکمیل کہیں ہزار برس میں جاکر ہوتی ہے۔ اِس صاف ترجمے سے ارتقا کا وجود اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

(ج) سورۂ سجدہ کی يُدَبِّرُ الْأَمْرَ والی آیت سے يَوْم کی تشریح فیصلہ کن ہے، اور ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش ہماری گنتی کے چھ دنوں میں جس کا وجود بھی اُسوقت نہ تھا، نہیں ہوئی، بلکہ ہزاروں برس یا کم از کم چھ ہزار برس میں ہوئی۔ لیکن یہ تعیین بھی درست نہیں۔ کیونکہ ایک دوسری آیت میں يَوْم کی اِس تعیین کو اُڑا دیا گیا ہے اور "كَأَلْفِ سَنَةٍ" کہکر اُسکو غیر محدود کر دیا گیا ہے: وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۝ (۲۲ : ۴۷) "اور یہ لوگ تم سے عذاب کے بارے میں جلدی مچا رہے ہیں، حالانکہ خدا اپنا وعدہ ہرگز خلاف نہیں کرتا اور تمہارے پروردگار کے نزدیک تو ایک دن بھی تمہارے شمار کے ایک ہزار برس کی مانند ہوتا ہے، پھر اُسکو کونسی جلدی پڑی ہے" اور سورۂ معارج میں تو يَوْم کی مدت پچاس ہزار برس لکھی ہے: تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۝ (۷۰ : ۴) "ملائکہ اور رُوح اُس خدائے عظیم کی طرف ایک مدت مدید (یوم) میں ارتقا کرتی ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہے"! المَلٰئِكَة اور الرُّوح کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے۔ لیکن اِن آیاتِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ يَوْم ایک لامحدود مدت ہے جو ہزاروں بلکہ لاکھوں برس کی ہو سکتی ہے، اور اَرض و سمٰوٰت کی پیدائش بھی لاکھوں برس میں ہوئی۔ ملائکہ اور روح کا پچاس ہزار برس میں عروج کرنا (خواہ اُن کی حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو) ارتقا کی طرف ایک اور اشارہ ہے جو ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔ 'ستۃ ایام' کے متذکرہ صدر الفاظ میں لفظ سِتَّة (چھ) کی تخصیص کو سمجھنے کے لیئے مزید تشریح درکار ہے جو آیندہ اوراق (صفحہ ۳۶-۳۷) میں کر دی جائے گی

(د) انسان کے اپنی موجودہ حالت سے بہتر مخلوق بننے کے متعلق قرآن عظیم میں ایک خفیف سا اشارہ ہے، جو 'استخلاف' کی بحث میں صفحہ ۱۰ کے تحت المتن میں ہوئی، گذر چکا ہے۔ یہاں پر اسکا اعادہ کیا جاتا ہے: وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ۝ (۴۳ : ۶۰) "اور اگر ہم مناسب سمجھتے تو تم ہی کو فرشتے بنا کر اس زمین میں تمہارا جانشین کر دیتے" یہاں مِنكُم کے الفاظ نہایت قابل لحاظ ہیں، لیکن یہ امر کہ آیا مَلٰئِكَة بہمہ وجوہ انسان سے بہتر مخلوق ہیں یا نہیں نہایت بحث طلب ہے، اور اسکی تشریح اپنے موقع پر آئے گی۔

کرتی رہی، اور حفظ نفس کے اصل اصول پر چلکر ہر مدِّ مقابل سے فی الجملہ عہدہ برآ ہوئی،

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸) اور بالآخر اسی سلطنت کا وارث بنائیں جس کی شیخی پر فرعون اُن سے یوں ناک بھوں چڑھاتا تھا۔ نہیں بلکہ ہم چاہتے تھے کہ انکو اس زمین میں یکسر متمکن کردیں، اور فرعون بادشاہِ مصر، اور ہامان وزیر اعظم، اور اُن کے مغرور گوراشاہی سپاہیوں کو جو یوں مونچھوں پر تاؤ دیکر اینٹھے اینٹھے پھرا کرتے تھے، ایک دفعہ وہی تباہی اور زوال اُن کی اپنی آنکھوں سے دکھادیں جس کا چور اُنکے دلوں میں (بنی اسرائیل کے مظلوم خشت پزوں کو کوڑے مارتے، اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو بے دھڑک قتل کرتے وقت) رہا کرتا تھا! (مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ)

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۚ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ۝ (۷: ۱۳۷)

اور اس مبارک اور زرخیز سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بالآخر ہم نے اُنہی لوگوں کو کیا جو بظاہر کمزور گنے جاتے تھے۔ اور خدائے عظیم کا وعدۂ نیک تو بنی اسرائیل کے حق میں اوجِ تکمیل تک ٹھیک پونہچا، کیونکہ اُنہوں نے نہایت عزم اور استقلال سے دشمن کی سختیوں کی برداشت کی تھی، اُن کے ظلم و ستم کا مردانہ وار مقابلہ کیا تھا، اور موسیٰ کی قیادت میں مدافعت کے لیئے نکل کھڑے ہوئے تھے (بِمَا صَبَرُوا)، پھر ہم نے فرعون کے سب منصوبوں کو تہس نہس کردیا! اس کی قوم کی سب عظمت خاک میں ملادی: اور جو اونچی اونچی عمارتیں وہ بنی اسرائیل کے آدمیوں کو بیگار میں پکڑ پکڑ کر بنواتے تھے، ایک اقل قلیل مدت میں خاک میں ملادیں!

کیا آج فرعون اعمال اور خون آشام یورپ کو اس قانونِ خدا، اس آئینِ موت و فنا، اس تعریف عدم صلاح کو پڑھکر کچھ لرزش نہیں ہوگی، یا کیا ہیچکارہ اور مظلوم مشرق کو، ان آیاتِ خدا کی صحیح روح جذب کرلینے کے بعد "صلاحِ عمل" کی کوئی اور تعریف کردینا باقی ہے!

مسئلہ ارتقا کی آخری شق یہ ہے:

۸۔ (الف) کرہ فلک کے اس ناپیدا کنار محیط میں، جسکی وسعت قطعاً ناقابلِ مساحت ہی، لاانتہا عظیم و جلیل کرے ہول انگیز فاصلوں پر ہر طرف پھیلے ہوئے اپنے اپنے مداروں پر چل رہے ہیں۔ منظار اللون کی ناقابل انکار شہادت نے آج یہ بات پایہ ثبوت تک پونہچادی ہے کہ ان سب مجامع عوالم کی ترکیب اجزا میں وہی مشترک عناصر، اہویہ اور فلزات، شامل ہیں جو زمین پر موجود ہیں۔ کوئی نیا عنصر یا فلزی اور ہوائی مرکب ابتک اُن کے کسی حصے میں داخل ثابت نہیں ہوا۔ اس مشاہدے سے لاثانی ثابت ہی کہ آسمان کے سب دور اور نزدیک کرے بشمولیت زمین آفرینش کے محض ابتدائی مراحل میں ایک مشترک "ہیولائے فضائی" تھے جسکے مختلف حصے علیحدہ علیحدہ ہوکر (فارق المرکز قوت کے اثر سے) ٹھوس اجسام بن گئے، اور نئے مداروں پر چلنے لگے۔ طبعی نقطہ نظر سے **فطرت کی وحدت** اس بنا پر ایک آشکارا امر ہے جسکے لیئے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں!

(ب) اجرام سماوی سے قطع نظر کرکے پھر اگر تمام عالم حیات کی طرف نظر دوڑائی جائے تو فطرت کا طالب العلم لامحالہ اس نتیجے پر پونہچتا ہے کہ ماہیت "حیات" کا راز سب روے زمین پر ایک ہے۔ اسکا کیف و حال سب مخلوق میں اصلاً ایک ہے۔ اسکے لازمات اور ماجریات، تاثرات اور محسوسات[۱] ایک ہیں۔ پانی اُسکا وہ مشترک اور عالم آرا قوام ہے جسکے بغیر اس کا قائم رہنا محال ہے۔ ارتقائے حیات کے مختلف منازل میں یہی وہ شئے ہی جو ہر حال میں موجود ہے اس بنا پر **حیات** کی روئے زمین پر **وحدت** بھی ایک بدیہی امر ہے!

[۱] اس حیرت انگیز حقیقت کو سرزمین ہند کے مشہور طبعی فلسفی (جگدیش چندر بوس) نے حال (۱۳۳۷ھ ۱۹۱۸ء) ہی میں پایہ ثبوت تک پونہچادیا ہے۔

وحیات کی اِس مجاہدانہ کشمکش میں اپنی ظاہری اور باطنی قوتوں کا مناسب اور بہترین استعمال

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۷) اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں انکو دیں، اور اِس کائنات عالم میں جسقدر مخلوق ہم نے پیدا کی ہے، اُن میں سے اکثر پر ان کو فضیلت عطا فرمائی۔

ے "طبقات الارض کی تہوں میں میلوں کی گہرائی پر دبی ہوئی ہڈیاں نہ صرف اس مخلوق کی یادگار ہیں جو انسان سے پہلے اِس زمین پر بس رہی تھی، بلکہ زمین کے اُن طبیعی اور جغرافی، مقامی اور تخلیقی انقلابات کی سلسلہ وار سرگذشت ہیں جو نشاۃ آفرینش سے ہوتے، اور آج ہو رہے ہیں۔ گویا زمین کے تہ در تہ طبقے 'کتابِ فطرت' کے مرتب اوراق، اور اُن کی ہڈیاں وہ ناقابل محو حروف ہیں جن کی وساطت سے ماجرائے زمین کا سلسلہ وار پتہ لگ سکتا ہے۔ اسفل طبقے اعلیٰ طبقوں سے لامحالہ قدیم تر ہیں، اور اُن کے باقیماندہ[1] آثار تکوین کے تدریجی سلسلے کی صحیح سند ہیں۔ اِن آثار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ شجرِ ارتقا کی ابتدا سب سے نیچے طبق میں اُن نہایت ابتدائی حیوانات سے ہوئی جو محض ایک خورد بینی مضغۂ گوشت تھے، مگر سطح زمین کے نزدیک کے اعلیٰ طبق میں 'فرعی ارتقا' اُس شدومد سے ہوا کہ بڑے بڑے جسیم اور زور آور حیوان (جن کے ڈھانچے آجکل کے بڑے سے بڑے حیوان سے بھی کئی گنا بڑے ہیں) روئے زمین پر مدتوں کثرت سے آباد رہے۔ اُن کا بالآخر سطح زمین سے محو ہو جانا، اور بظاہر ضعیف جنسوں کا لکھوکھا برس سے جاری رہنا، اِس امر کی دلیل ہے کہ مزاحمت حیات میں جسمی زور یا جارحانہ قوت ہی کفایت نہیں کرتی، بلکہ 'صلاحیتِ بقا' اِن کے سوا کچھ اور شے بھی ہے۔ یہ صلاحیت فطرت کی اُن قوتوں کا، جو بقا کی راہ میں حائل ہیں، اور جو ہر مخلوق کے بالمقابل بقدر اسکی بساط کے نبرد آزما ہیں، مستعدی سے مقابلہ کرنا ہے۔ اگر چیونٹی کی نسل باوجود اپنے ضعف جسم کے ایک مدت مدید سے اِس زمین پر متمکن ہے، درآنحالیکہ وہ عظیم و جلیل 'میمتھ' جو موجودہ ہاتھی سے کئی گنا بڑا تھا، تباہ ہو چکا ہے، تو اِس کا باعث لامحالہ یہی ہے کہ چیونٹی نے موانع طبیعت کا مقابلہ زیادہ مستعدی اور کامیابی سے کیا ہے۔"

قرآن کریم کا تمام و کمال العلم اِس حیرت انگیز اور گرانبہا حقیقت کا وہ مکمل اور آخری، وہ ناقابل ترمیم اور ناپید امثال مرقع ہے، جسکے بالمقابل آج اس بیسویں صدی کے یورپ کا علم و عمل، اسکے سب معاشری اصول اور اجتماعی حکمت، اسکا علمی تفضل اور سیاستِ مُدن، ابجد اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ یہ 'صلاحیت' کی صحیح اور ناقابل انکار تعریف کرنا ہی اِس کتاب کا اہم موضوع ہے، اور اِسکی شہادت کتاب کے ہر ورق میں ملے گی۔ خود اِس استخلاف اِس حقیقت کبریٰ کی بصراحت تمام مؤید ہے۔ فی الحال مسئلہ ارتقا کی اِس شق کی تائید میں رسماً صرف دو معنی خیز آیتوں کو پیش کیا جاتا ہے لیکن مجھے خوف ہے کہ کتاب کے اِس ابتدائی حصے میں اُنکے صحیح مطالب اخذ کرنے میں غلط فہمی نہ پیدا ہو، اگرچہ فہم مطلب کے لیے اِن کا اعادہ کتاب کے متن میں اپنے موقع پر کیا جائے گا:

وَنُرِيدُ أَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝ (۲۸ : ۵-۶)

(اُدھر فرعون اپنی فرعونیت میں مصروف تھا، کمزور اور مظلوم رعیت کے مختلف فریقوں کو ایک دوسرے سے لڑا کر اپنا اُلّو سیدھا کر رہا تھا، اور بنی اسرائیل کی بے کس قوم پر تو بر تو ظلم ہو رہے تھے (۲۸ : ۴)، اِدھر ہم اِس بات کے درپے تھے کہ اُنہی لوگوں کو جو اُسکے مُلک میں نہایت کمزور سمجھے جاتے ہیں، اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیں، اُن کو قانون خدا کا پابند بنا کر زمین کے سردار بنا دیں،

[1] سطح زمین کی عمیق تہوں میں مخلوقات قدیمہ کے ان آثار باقیہ کو طبقات الارض کی علمی اصطلاح میں رکاز کہتے ہیں۔ ان رکازات کی تفصیل عنقریب آیندہ تحت المتن صفحہ ۲۰-۲۹ میں آئیگی۔

مرتقی، متمکن، اور صحیح معنوں میں زور آور ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو آج وہ عظیم الجثہ افیال

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰) اے صحنک زمین کے بے خبر بسنے والو! اور اے عظمت خدا کے ناقدروان بندو!، بام آسمان کا وہ بلندیوں پر اڑنے والا ستارہ جو شکست کے آخری مرحلوں سے گذر کر تم سے بدرجہا زیادہ قانون فنا و بقا سے باخبر ہو گیا ہے، اس بات کا شاہد ہے (وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى) کہ تمہارا رفیق محمدؐ نہ تو غلط چل رہا ہے، اور نہ کچھ بہک گیا ہے۔ وہ زمین و آسمان کے جو جو حقائق عالیہ تمہارے سامنے بول رہا ہے، کچھ اپنے وہم اور خواہش نفسانی سے نہیں بولتا۔ بلکہ وہ سب کے سب آسمانی انکشاف ہیں جو اسپر کیے جارہے ہیں؛ وہ خدائی آواز ہے جو اوج آسمان سے بول رہی ہے۔ اسکو یہ سب علمی اور حسکی معارف شدید القوی اور غالب الامر خدا نے خود سکھائے ہیں! اسی علم کے زور اثر سے وہ آج، اوج کمال پر پونہچکر، افق اعلیٰ پر متمکن ہے (فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى) فلک الافلاک کی بلندیوں پر جم کر بیٹھا (فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى) ملکوتِ خدا کا تماشا کر رہا ہے! نہیں، بلکہ وہ اس سے بھی بلند تر ہو کر استاد ازل تک کے عرش تک پونہچ گیا ہے (ثُمَّ دَنٰى)، اور اُس آستانہ کبریا و علم پر جبین نیاز گھسنے گھستے (فَتَدَلّٰى) بقدر دو کمان بلکہ اس سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا ہے! پھر جب وہ علم اور عجز، مشاہدہ اور ارادت، استعداد اور نیاز، ذوق اور شوق کے اس مقام منیع تک پونہچ چکا، تب کہیں اُس ایزد بیمثال نے اپنے بندے کو وہ بات وحی کی جو تمہارے سامنے ہے! (فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى) بے خبرو، اور نا حقیقت شناس لوگو! ذہن اور قلب سلیم (فُؤَادٌ) نے جو حقیقت حال دیکھی اُس میں محمدؐ کو کچھ دھوکا نہیں ہوا، تو کیا تم لوگ قرآن حکیم کے اُن برحق نتائج کے متعلق جنکی حقیقت اُسنے بچشم خود دیکھی ہے، اُس سے جھگڑا کر رہے ہو (اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى)۔

کیا اس سے بہتر اور قائم تر معراج علم و کمال آج تک کسی بڑے سے بڑے یورپی فلسفی، بڑے سے بڑے حکیم، بڑے سے بڑے طبعی کو حتماً حاصل ہوا ہے؟ کیا جہل و وہم، ظن و گمان کے عالم آرا ماحول میں اتنی وسیع نظری، ایسی صاف بینی، اسقدر بلند نگہی، ایسے حقیقت کشا اُفق کا حاصل ہو جانا، العیاذ باللہ، کسی دھوکہ باز بے علم نفس پرست اور جاہ طلب آدمی کا کام ہو سکتا ہے؟ کیا آیۂ رقیق (۲۱: ۳۰)، آیۂ مستودع (۶: ۹۹)، آیۂ سبات (۷۱: ۱۷)، آیۂ سافلین (۹۵: ۵) وغیرہ وغیرہ کا مضمون آج سے صدیوں پیشتر اُس سید کائنات، اُس حقیقت شناس اور خدا شناس اُس خیر الورے اور اعلم الناس بشر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سوا کسی اور مدعیٔ علم کسی دوسرے معلم حکمت، کسی ارسطاطالیس، یا افلاطوئے زماں کے منہ سے نکلا؟ کیا وہ مغرب کا سب سے بڑا "معلم الحکما" ارسطو (المتوفی ۳۲۱ قبل مسیح) جس کی حکمت اور پیش بینی پر آج یورپ بھی اپنی ہٹ دھرمی اور تعصب کے باعث اسقدر نازاں ہے، اور جسکی علم فطرت کے متعلق ہولناک غلطیوں کی عجیب و غریب تاویلیں پیش کر کے اُس کے جہل پر پردہ ڈالنے کی سعی کر رہا ہے، فیثاغورس (المتوفی ۵۰۰ قبل مسیح) کے دو سو برس پیشتر کے صحیح دعاوی کے باوجود، زمین کو مرکز عالم قرار دینے، اُسکو ساکن اور شمس و قمر کو اُسکے گرد متحرک بتانے، اور پہنائے آسمان کو خالی فرض کر کے نجوم کو آسمان کے بلوری گنبدوں میں نصب کیا ہوا یقین کرنے میں وہ مہلک غلطی، وہ المناک نادانی، وہ مضحکہ انگیز سوقیانہ کلام نہیں کر رہا تھا جسکے زیر اثر دنیا، کاپرنیکی نظام (۹۳۶ھ ۱۵۳۰ عیسوی) کے شائع ہونے تک، کامل اٹھارہ سو برس تک پڑی بھٹکتی رہی؟ اور کیا وہ پھر اُس فخر موجودات، اُس حکیم عرب، اُس مکی اور مدنی معلم الناس اور متعلم خدا کا لایا ہوا معجز نما کلام نہ تھا جسنے کاپرنیکس (المتوفی ۹۴۹ھ ۱۵۴۳ء) کے موجودہ مسلم نظام سے کامل نو سو برس پیشتر نا اہل مسلمان کی ناقدردانی اور نارمز شناسی کے باوجود، زمین کو بلکہ بلا استثنا تمام اجرام سماوی کو متحرک قرار دے کر ارسطو کی شرارت انگیز حکمت کا یکسر قلع قمع کر دیا تھا:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ (۳۹: ۵)

وہی قانون طبعی کی اصطلاح میں صالح ہے، وہی مستخلف فی الارض اور غالب ہے، وہی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹) (ج) مشاہدہ فلک نے ثابت کر دیا ہے کہ "ہیولائے فضائی" سب کا سب ابھی ختم نہیں ہوا، بلکہ مختلف شکلوں میں، بعض مجامع النجوم کے گرداگرد، فضائے اثیری میں پڑا چکر کھا رہا ہے۔ اس بنا پر تخلیق عالم کا سلسلہ بھی ختم نہیں ہوا، بلکہ روز بروز نئے کرے وجود میں آ رہے ہیں، یا پرانے نسیاً منسیاً ہو کر ہیولائے فلک بن رہے ہیں۔ الغرض یہ سب تعمیر و شکست ایک بے پایان سلسلہ ہے جس کا، کوتاہ نظر انسان کے محدود علم کے رو سے اٹل نتیجہ ایک ہی ہے: اور وہ یہ کہ تمام کائناتِ فطرت ایک ہی، اسکی علۃ العلل ایک ہے، صورتِ اتحاد ایک ہی، نسخہ حیات ایک ہی، رازِ ممات ایک ہی، نظم و نسق اور **مطاعِ بے مثال ایک ہے**"!

وحدتِ کائنات کا یہ ہوش ربا انکشاف مغرب کے حکمائے عظام کو آج اس جانگزا تلاش اور قرنوں کے پیہم مشاہدے کے بعد حاصل ہوا ہے جسکی مثال سطحِ زمین کا کوئی گذشتہ قرن حتماً پیش نہیں کر سکتا۔ مگر اسی عالم آرا اور حقیقت کشا توحید کا اعلان تیرہ سو برس پہلے اس پہنائے زمین میں یکہ و تنہا عرب کے اُمّی **پیغمبر** (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں اس شد و مد سے ہوا کہ دنیا اُس نتیجہ خیز یقین کی مثال پھر پیدا نہ کر سکے گی۔ آج اس توحید کے رسمی نام لیوا اگرچہ اُسی خدائے وحد کے اٹل قانون کے مطابق مٹ رہے ہیں۔ مگر خدا کا نوشتہ اَٹَل ہے، اور یورپ کے تشکیک سے بیزار، اور قرآن سے ناآشنا طبعی فلسفی تحسین و آفرین کہتے ہوئے نہ جانے کیا کیا معنی خیز سوال کر رہا ہے! سورۂ انبیا میں ہے:

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ (۲۱ : ۳۰)

اے پیغمبر! کیا قانونِ خدا اور خدا کے منکروں نے، انکار کرتے وقت، اس عظیم الشان حقیقت پر نظر نہیں کی کہ آسمانوں کے لامتناہی کرے، بشمولیت زمین، پیدائش کے ابتدائی مراحل میں، باہم ملے ہوئے تھے (كَانَتَا رَتْقًا)، اُن کے مواد کا باہمی انضمام اور اتصال تھا (كَانَتَا رَتْقًا)، ان کا ہیولا ایک تھا (كَانَتَا رَتْقًا)، پھر ہم ہی نے اُس ہیولائے فضائی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس حیرت انگیز سلیقے اور ترتیب اس محیر العقول نظم و نسق کے ساتھ آسمان اور زمین کو بنایا (فَفَتَقْنٰهُمَا)۔ اور تمام عالم کے سب بالا و پست میں وحدتِ کائنات اور وحدت خدا کی عینی اور ناقابل انکار، زندہ اور لازوال شہادت قائم کر دی! اور یہی نہیں بلکہ ہم ہی نے ہر ذی حیات شے کی حیات کا قوام پانی سی عام اور مشترک شے سے کر کے، تمام عالم کو وحدت حیات اور وحدت خلاق کا بدیہی ثبوت دے دیا! تو کیا اب بھی یہ لوگ اُس خدائے عظیم کی وحدت، اُسکی لامثالیت، اُسکی لاشریک حکومت، اُس کے عالم آرا تسلط، اُس کی عظیم کاری اور نظم پسندی پر ایمان نہیں لاتے؟

کیا آج سے تیرہ سو چالیس برس پہلے، جب کہ زمین خدا کے طول و عرض میں مغرب کی موجودہ علمی تحقیق کا نام و نشان تک نہ تھا، جب جہل و وہم کی ہولناک ظلمت سب طرف یکسر چھائی ہوئی تھی، پہنائے بر و بحر کی سب سے جاہل، سب سے بے علم، مغلوب الوہم اور بے ہنر قوم کا ایک اَن پڑھ، یتیم اور مظلوم بشر اپنے زورِ مشاہدہ سے، اپنے خداداد علم، اور قلبِ سلیم کے باعث سب دوربینوں اور خوردبینوں سے بے نیاز ہو کر ملکوت زمین و آسمان کا وہ یکتا اور فرید الدہر عالم نہ بن گیا تھا جس کا اندازہ آج لگاتے ہوئے ہوش پاش پاش ہو جاتے ہیں! اور کیا وہ ان آیاتِ خدا کے قلب پر نازل ہوتے وقت اُس صاحبِ کبریا و جبروت سے، جو اس کائناتِ جہان کا باعثِ اوّل ہے، دو گز بلکہ اس سے بھی قریب تر بیٹھا ہوا گردوں کے اُفقِ اعلیٰ کا تماشہ بخشیمِ خود نہ دیکھ رہا تھا؟ سورۂ نجم میں آلہ العالمین کی طرف سے اس یتیم بچے کو یہی سند ملی ہے جس کی شہادت آیۂ رتق کے اس حیرت انگیز انکشاف کے بعد مغرب کا ایک ایک حکیم بے اختیار دیگا:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ۝ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوٰى ۝ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ۝ فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهِ مَا أَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى ۝ أَفَتُمٰرُونَهُ عَلٰى مَا يَرٰى (۵۳ : ۱-۱۲)

ہو جاتے اور حضرت انسان کے لیئے گز بھر جگہ میسّر نہ ہوتی۔ چیونٹی سے لیکر ہاتھی اور کنجشک

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲) چل رہی ہے! نہیں کیا خود کار نیچری نظام کے اندر، جس کے اہم حصّوں کو آج یورپ نے پایہ ثبوت تک پونچا کر تلاش حقیقت میں کامیاب ہونے کا سہرا ہمہ تن اپنے سر پر رکھا ہے، اور جسکی بعض شقوں پر نادیدہ ایمان بلا حیل وحجت قریباً تین سو برس تک قائم رہا، کیا خود اس نظام کے اندر سورج کے ساکن فرض کر لینے کی وہ شرمناک غلطی کئی قرنوں تک نہایت التزام کے ساتھ جاری نہ رہی جس کو ہرشل (المتوفی ۱۲۳۷ھ ۱۸۲۲ء) نے، مدۃ العمر مشاہدے کے بعد ابھی پورے ڈیڑھ سو برس نہیں گذرے، ۱۱۹۵ھ ۱۷۸۳ء میں ان معرکۃ الآرا الفاظ میں درست کیا:-

"سورج مع اپنے تمام نظام شمسی کے خود ایک دور دراز مرکز کے گرد چل رہا ہے اور موجودہ اوقات میں اس کی سمت حرکت ایک مجمع النجوم کی طرف ہے جس کا نام "الجاثی علی رکبتیہ" ہرکولیس ہے"

آہ! کیا پھر اسی عظیم الشان حقیقت اور محیر العقول صداقت کو محمد (صلعم) کے لائے ہوئے قرآن عظیم نے کامل بارہ سو برس پیشتر "کُلٌّ فِیْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ" کے عالم آرا الفاظ کے علاوہ (جس سے لامحالہ سورج کا کسی مرکز کے گرد چلنا ظاہر ہے) انہی شاندار اور شرمندہ کن الفاظ میں بصراحت تمام بیان نہیں کیا جن کو دہرانے پر قرآن سے بیخبر اور محمد (صلعم) سے ناآشنا ہرشل قطعاً مجبور ہو گیا تھا!

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (۳۶: ۳۸)

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝ (۳۶: ۳۹-۴۰)

اور آفتاب ہے کہ اپنے کسی ایک جائے قرار کی طرف برابر چلا جا رہا ہے! لوگو! اُس قاہر القوی اور غالب العلم خدا کا باندھا ہوا اندازہ اس عظیم الشان شعلۂ نور کے حق میں یہی ہے (جس سے ادھر اُدھر ہٹنے کی اُس بیچارے میں کچھ طاقت نہیں۔)

اور چاند کی حرکت کی ہم ہی نے منزلیں مقرر کر دی ہیں تو وہ اس اندازے کہ اُس کا روشن حصّہ گھٹتے گھٹتے ایسا ٹیڑھا اور پتلا رہجاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی سوکھی ہوئی ٹہنی۔ نہ تو سورج بیچارے میں طاقت ہے کہ اپنے سے کمزور چاند کو لپک کر پکڑ لے، نہ رات ہی سے بن پڑتا ہے کہ دن سے پہل کرے۔ اور یہ اجسام سب کے سب (بشمولیت زمین جسکا ذکر (۳۶: ۳۶) میں ہوا) اپنے اپنے فلک، اور آسمان میں پڑے تیر رہے ہیں!

ہاں! لیکن اُس عزیز و علیم ہستی کے بالمقابل، جسکے دست قدرت میں سورج کا زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا کرہ محض بیچارہ ہے، غریب ہرشل کی کیا بساط تھی کہ علم میں مسابقت کرتا!

مسئلہ ارتقا کی آخری شق کے تیسرے حصّے (ج) کے متعلق بھی قرآن میں وہ فیصلہ کن شہادت موجود ہے جس سے خدائے عظیم کے متعلق تعطل کا نظریہ، (جس کا فلسفہ داں ابن باجہ اسقدماً قائل تھا)، محض ساقط ہو جاتا ہے۔ "خَلَقَ" کا لفظ قرآن کریم میں ہر قسم کی مخلوق کی پیدائش کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ خود اسی تحت المتن میں یہ اصطلاح اِنْسَان (۹۵: ۴) صفحہ ۱۳، (۳۷: ۱۱) صفحہ ۱۵، (۵۵: ۱۴) صفحہ ۱۵، (۷۱: ۱۴) صفحہ ۱۷، (۳۲: ۷) صفحہ ۱۴)، اَلسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۳۲: ۴) صفحہ ۱۴، (۴۰: ۵۷) صفحہ ۱۵، (۳۹: ۵) صفحہ ۲۱)، لَیْلَ وَنَهَارَ، شَمْسَ وَقَمَرَ (۲۱: ۳۳) صفحہ ۲۲) بلکہ آیہ (۲۰: ۵۰) صفحہ ۱۱ میں بلا تخصیص ہر شئے کی پیدائش کے بارے میں مستعمل ہوئی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے خدا کے ابداء و اعادۂ خلق کے متعلق وہ تمام دعاوی جو قرآن میں جا بجا موجود ہیں، کسی ایک قسم کی مخلوق، (مثلاً انسان یا حیوانات یا نباتات) تک ہی محدود نہیں ہو سکتے، بلکہ اُن سے مراد ہر قسم کی مخلوق کا بار بار پیدا کرنا ہے۔ اور جس میں لامحالہ نئے سموات، نئے ستاروں اور نئے کُروں کی پیدائش شامل ہے۔ یہاں پر ایک دو موقعے قابل ذکر ہیں۔ سورۂ یونس میں ہے:

اور الحمیم الجسد اژدہے جو قرونِ خالیہ میں روئے زمین پر اس کثرت سے آباد تھے مسلّط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱) لوگو! اُس رب بیمثال نے ہی آسمان کے لاانتہا ستاروں (السّمٰوٰت) اور زمین کے عظیم الشان کُرے کو پیدا کیا، اور اب روز روشن اجرامِ سماوی کی حیرت انگیز ترتیب، وقتِ طلوع و غروب کی تعیین سے رات کی ظلمت آراچادر کو دن کے روشن جسم پر لپیٹ دیتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ دن کے نورانی حجاب کو رات کے سیاہ جسم پر اوڑھا دیتا ہے۔ اور بڑی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سورج اور چاند جیسے عظیم و جلیل کُروں کو اُسنے اپنی مرضی کے تابع، اپنے حکم کا محکوم، اور اپنے اشارے پر مجبور کر رکھا ہے (سَخَّرَ)۔ یہ سب آسمانی کُرے، یہ شمس و قمر، یہ سماوات، اور زمین سب کے سب (کُلٌّ) ایک وقت مقرر تک حرکت کر رہے ہیں (یَجْرِیْ) اور منشائے ایزدی کو پورا کر رہے ہیں۔ لوگو! بگوش ہوش سُن رکھو کہ وہ خدائے بے ہمتا بڑا غالب القوی (اَلْعَزِیْزُ) اور بڑا پردہ پوش (اَلْغَفَّارُ) ہے۔

کیا پیروِ دشمن کی حُجت کو یکسر توڑنے اور اسلام کے عالم آرا فلسفے کو ارسطاطالیسی نظام سے بدرجہا بلند اور حقیق تر جتلانے کے لیئے اُس نے اِسی یَجْرِیْ کے قدرے مشکوک لفظ کی ناقابل انکار تشریح، آیۂ رتق (۲۱: ۳۰) کے متابعد کرکے یہ دعوے نہ کیا تھا کہ "سمٰوٰت" اور زمین، اور شمس اور قمر سب کے سب بلا استثنا اپنے اپنے "فلک" اور اپنے اپنے مدار میں پڑے چل رہے ہیں، اور "السّماء" سے مراد ("السّمٰوٰت" اور "فلک" کے قرآنی مفہوم سے قطع نظر) وہ محفوظ اور ناقابل درک، وہ نادست رسیدہ اور نانظر یافتہ چھت ہے جسکے نیچے یہ سب ہنگامہ کائنات ہو رہا ہے، اور جسکے محفوظ ہونے کا آج تمام یورپ قائل ہو چکا ہے:

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝ (۲۱: ۳۰-۳۳)

اے پیغمبر! کیا منکرینِ خدا نے اس حقیقت پر نظر نہیں کی کہ آسمان کے لاانتہا کُرے (السّمٰوٰت) اور زمین، پیدائش کے ابتدائی مراحل میں ملے ہوئے تھے (کَانَتَا رَتْقًا)، پھر ہم نے اِن دونوں کو آپس سے الگ الگ کر دیا، اور سب زندہ اشیا کا قوام پانی بنا دیا۔ تو کیا یہ لوگ اِس حیرت انگیز انکشاف کے بعد بھی خدا کی توحید پر ایمان نہ لائیں گے؟ اور ہم ہی نے زمین میں عظیم الشان پہاڑ اپنے اپنے موقع پر ڈال دیئے کہ زمین (اپنی حرکت میں) انکو لیکر ایک طرف کو نہ جُھک جائے (اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ)، اور اسکا مرکزِ ثقل قائم رہ سکے، اور کشادہ راہیں اُس میں بنا دیں کہ لوگ راہ پا سکیں۔ اور آسمان (السّمآء) کو ایک مضبوط اور ناقابل شکست "چھت" بنا دیا، اسکے ہر حصّے کو انسان یا دیگر مخلوق کے دستِ تصرف سے ہمیشہ کے لیئے محفوظ کر دیا (سَقْفًا مَّحْفُوْظًا)! خدا کی اِس حیرت انگیز مضبوط کاری اور حفاظت پسندی کو دیکھنے کے باوجود لوگ اس کے حفظ و امان دینے والے احکام سے گریز کرتے ہیں۔ اور لوگو! وہ خدا ہی تو ہے جس نے رات اور دن کی عظیم الشان حقیقتوں کو نیست سے ہست کیا، اور شمس و قمر کے عظیم الشان کُروں کو پیدا کیا۔ یہ سب کُرے، یہ شمس و قمر، یہ سمٰوات اور زمین یہ لیل و نہار اپنے اپنے مداروں میں پڑے تیر رہے ہیں!

کیا جبالِ زمین کے قیام کی یہ حیرت انگیز تشریح موجودہ علم جرِ ثقیل کے اُس اصولی ضابطے، اور علم التجیعات (اینگلرل کلکولس) کے اُس اساسی قاعدے کے بالمقابل حرف بحرف پوری نہیں اُترتی، جسکے رُو سے کسی دو اجسام کے مرکزِ ثقل کا محور پر واقع ہونا، اُسکی یکساں اور ہموار حرکت کے لیئے لابدی ہے، اور جسکے بدون اس محور کا، اُس جسم کا، بلکہ جسم کے اجزا کا ہر دم لڑکھڑاتے رہنا اٹل ہے کیا "اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ" کے بعد "کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ" کا دعوے خود اِس امر کی روشن دلیل نہیں ہے کہ بطلیموسی اور ارسطاطالیسی نظام ایک لغو نظام تھا جسکی تقلید ساکنانِ زمین نے صدیوں تک غلط اُصول پر کی، اور جب ہر جرمِ فلکی کا ایک علیحدہ مدار (فلک) ہے تو لامحالہ زمین بھی اپنے مدار پر چل رہی ہے اور یکساں حرکت سے

ہے۔ اگر فریقہ کا قصیر الجسم ہاتھی رفتہ رفتہ کشمکش حیات سے شکست کھا کر معدوم ہو چکا ہے،

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴) وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (۵۰: ۳۸)
اور لوگو! بالتحقیق ہم ہی نے آسمانوں اور زمین کے اس حیرت انگیز کارخانے کو، اور جو عظیم الشان کرے اور نہ مخلوق ان کے درمیان ہے اسکو، چھ بڑے مدید الوقت دنوں، میں پیدا کیا، اور باوجودیکہ کام اسقدر تھا کہ اسکو دیکھکر عقل ششدر ہے اور مدت یہ دراز تھی کہ تمہارے وہم و گمان میں نہیں آسکتی، لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ تھکاوٹ نے ہم کو چھو تک نہیں، اور ہم برابر اسی طرح نئے کاموں میں مشغول ہیں۔

نوعیتِ خلق کے متعلق سورۂ نحل میں ہے: وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۱۶: ۸)، "اور وہ خدائے عظیم اُن اشیا کو بھی پیدا کر رہا ہے جن کا تم کو سرے سے علم ہی نہیں"۔ جس سے کنایہ بظاہر اُس مخلوق سمٰوٰت کی طرف معلوم ہوتا ہے جس کا علم حاصل کرنا کوتاہ بیں انسان کے لیے ممکن نہیں۔ بہرنوع یہ تمام اشارات اِس امر کی مجموعی شہادت ہیں کہ زمین و آسمان کا ربط لم یزل تخلیق کائنات کے بعد "تدبیرِ امر" میں ہی مصروف نہیں جس کا ذکر آیۂ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ (۳۲: ۵) صفحہ ۱۴ میں ہو چکا ہے بلکہ ہر قسم کی تخلیق کے نئے نئے اتمامِ امور میں مشغول ہے اور جن میں نئے آسمانی گردوں کی پیدائش بھی شامل ہے۔ یہی مذہب آج یورپ کے طبعی حکما کا ہے، اور اُس لایزال و لم یزل خدا کے شایانِ شان بھی یہی ہے کہ ہر لحظہ کچھ نہ کچھ کرتا رہے جو لوگ اسکو آجکل کے کسی عیش پرست حکمران کی مانند سریر حکومت پر معطل اور مسند آرا سمجھتے ہیں، اُنکی شناسائی اُس احکم الحاکمین سے بہت کم ہے، اور معرفت کی پہلی بلکہ آخری منزل یہی ہے کہ اعمال خدا کا صحیح اور برای العین علم ہو، اسکی عظمت اور طاقت کا صحیح اندازہ ہو، اُس کے معمول سے پوری واقفیت، اور عادات کی کماحقہٗ شناخت ہو۔ مگر یہ بحث بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے جسکا یہاں پر چھیڑنا ضروری نہیں۔

مختصر الفاظ میں ڈارون کے مسئلہ ارتقا کا دعوٰے یہ ہے جسکی شرح و بسط اوپر ہوئی۔ جو قرآنی شہادتیں اِس مسئلے کی تائید میں پیش ہوئیں، اُنکی بحث دراصل "علم القرآن" کے متعلق ہے، جو اِس کتاب کا اخیر ترین حصہ ہے۔ اُن کا یہاں پر لکھ دینا کم از کم ایک ایسی کتاب کے لیے جسکا منتہا علم و یقین کی طرف بالدلیل اور بتدریج رہنمائی کرنا، اور فرض و اعتقاد کے عنصر کو بیدخل کرکے قرآن کو سب انسانی علم سے بالاتر اور عالم آرا حقیقت ثابت کر دینا ہو، بہت کچھ پیش از وقت ہے۔ ہم نے اِس تصنیف کے ابتدائی اوراق میں اِن مباحث عالیہ کو محض اسلیے چھیڑا ہے کہ کلام الٰہی کے اُن متلاشیوں پر جو اسکی ہر آیت میں ایک مستقل حقیقت کے موجود ہونے کا یقین رکھتے ہیں، مسئلہ ارتقا کی اہمیت (جو فی الحقیقت انسانی علم کا معراج ہے) ایک حد تک واضح ہو جائے، اور ساتھ ہی اُن علمائے علم فطرت کے ذہنوں میں جو قرآن کو لاشے سمجھکر اُس سے بیزار ہو گئے ہیں، اِس عجیب و غریب کتاب کی وقتِ مطالب اور عمقِ نظر کا اندازہ ابتدا سے ہو جائے۔ وہ آیندہ اوراق میں بچشم خود دیکھیں کہ قرآن کسقدر اس عظیم الشان مسئلے کا مؤید ہے، اسکا دستور العمل کہانتک اِس حقیقت کبرٰے کے عین مطابق ہے۔ اُس کا تمام لائحہ عمل کیونکر "حفظِ نفس" کے منتہائے وحید کی طرف جا رہا ہے، کس انتہائی شدت سے "اجتماعی سلامتی" کے درپے، اور "انفرادی سعی و عمل" کا مؤید ہے۔ نہیں بلکہ جوں جوں اُنکا علم قرآن کے حقائق عالیہ کے متعلق وسیع ہوتا جائے، وہ آجکل کے رسمی اور لفظی اسلام کو نظر انداز کرکے اُس یقین انگیز اسلام کی ماہیت کی طرف متوجہ ہوں جس نے ایک عالم کے اعمال اور اخلاق میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا، جس نے افراد کے دلوں میں وہ ہیجانِ عمل، وہ سلیقۂ نظم و نسق، وہ اتحاد اور ارتباط جاری کر دیا تھا جو ابتدائے آفرینش سے آجتک ہر زندہ اور مرتقی قوم کا خاصہ رہا ہے۔ وہ اِس حیرت انگیز کتاب الٰہی میں بطور خود وہ عظیم الشان اصول فنا و بقا دیکھیں جن کا اجرا روز اوّل سے صفحہ زمین پر ہو رہا ہے جن کی تاریخ بزبانِ حال شاہد ہے، جن سے قومیں فلک الافلاک پر چڑھ جاتی ہیں، یا تحت الثرٰے میں گر کر ملیامیٹ ہو جاتی ہیں۔ اِس نقطۂ نظر سے یہ تحت المتن جسکی طوالت کا اندازہ مصنف نے کتاب کی تحریر کے وقت نہیں کیا تھا اور جو بعد میں فرمایش پر لکھا گیا، محض ایک انتباہی تحریر ہے جس کا محولہ بالا اوراق کے نفس موضوع سے تعلق ابھی عیاں نہیں ہو سکتا۔ اور نہ مسئلہ ارتقا کو صحیح فرض کرکے قرآن کی صحت کو ثابت کرنا ہمارا پیش نہاد ہے۔

سے لیکر انسان تک جو جو نسلیں اِس وقت تک قائم ہیں اُن میں صلاحیت عمل کم و بیش باقی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳) قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ (۱۰ : ۳۴)

اے پیغمبر! اِن لوگوں سے کہو کہ کیا تمہارے شریکوں اور ٹھیرائے ہوئے خداؤں میں کوئی ایسا بھی ہے جو مخلوق کو نیست سے ہست کرے اور پھر بار بار نئی مخلوق پیدا کرتا رہے؟ ان کو کہو کہ خدا ہی مخلوق کو نیست سے ہست کرتا ہے اور پھر اُسکو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے تو تم کدہر کو بہکے چلے جا رہے ہو!

سورۂ عنکبوت میں یہی اشارہ ذرا واضح تر ہے۔ کیونکہ اعادۂ خلق کے عینی مشاہدے کی ترغیب دی گئی ہے، اگرچہ اِس 'خلق' سے مراد مخلوق زمین ہی ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (۲۹ : ۱۹-۲۰)

کیا منکرینِ خدا نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ خدا مخلوق کو کس طرح نیست سے ہست کرتا ہے اور پھر اُسکو بار بار پیدا کرتا ہے۔ ہمیں شک نہیں کہ یہ سب کام (یعنی ابدا اور اعادہ) خدا پر بیحد آسان ہے۔ ان کو کہو کہ جاؤ زمین کے طول و عرض میں جا کر تماشا کرو کہ خدا نے مخلوق کی ابتدا کیونکر کر دی ہے۔ پھر وہی خدا ان سب کو نیست کر کے ایک دوسری پیدائش کی ابتدا (یُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ) کرے گا۔ اِس میں شک نہیں کہ خدا ہر شے پر قادر ہے! (آیہ (۲۹ : ۱۹) اِس دنیا میں مخلوق کے اعادے کے متعلق ہے اور (۲۹ : ۲۰) آخرۃ کے اعادے کے متعلق)

سورۂ روم میں اعادۂ خلق کے ساتھ ساتھ سموات اور زمین دونوں کا ذکر کر کے نوعِ مخلوق کو اور بھی عام کر دیا ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۳۰ : ۲۷)

لوگو! وہی رب قدیر تو ہے جو مخلوق کو نیست سے ہست کرتا ہے پھر اُسکو بار بار پیدا کرتا ہے، اور یہ سب کچھ اُسکے لیے بیحد آسان ہے! اور آسمانوں اور زمین میں اُسکی اس عظیم الشان طاقت کی دھاک بندھی ہوئی ہے، اور وہ خدا بڑا غالب القوٰی اور صاحب حکمت خدا ہے جو ایسا کر سکتا ہے!

آسمانوں میں قوت کی دھاک تبھی بیٹھ سکتی ہے، جب وہاں بھی تخلیق کا سلسلہ اُسی طرح جاری ہو جیسے یہاں پر ہے۔ لیکن ان شہادتوں سے قطع نظر جن کے مطالب میں مفسرین نے تاویل کی بہت کچھ گنجایش اختیار کر کے اُن کو متشابہ المعانی بنا دیا ہے، اور جن کے صحیح اور مربوط معانی اپنے اپنے موقع پر کتاب کے متن میں آئینگے، اور شہادتیں بھی ہیں جنسے لامحالہ ثابت ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کا خلاق عظیم اُن کی پیدائش کے بعد بھی نئے مہمات امور میں مصروف ہے، اور روز بروز نئے عظیم الشان کام کر رہا ہے۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے:

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ ۝ (۵۵ : ۲۹)

لوگو! جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب اُسی کے آگے ہاتھ پھیلا رہا ہے، اُسیکا محتاج اور سوالی ہے۔ وہ بے کار اور معطل خدا نہیں بلکہ آئے دن کسی نہ کسی عظیم الشان کام میں مصروف ہے!

یوم کی تشریح پہلے گذر چکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ 'کام' بھی نہایت عظیم الشان ہونا چاہیئے۔ خدا کے بیکار نہ رہنے کے متعلق سورۂ قٓ میں بھی ایک پُرمعنی اشارہ ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ خدا ہر دم نئی تخلیق میں مصروف ہے اور تعطل کا دعوٰے محض باطل ہے:

اور صلاحیت کا خاتمہ ہوگیا ہے!

(تتمہ بحث المتن صفحہ ۲۶) دریافت کرکے پایۂ تحقیق تک پونہچا دیا۔ اُس وقت سے آجتک اِس مسئلے کی رد فسنوں شہادت برابر مل رہی ہے حتّٰی کہ آج اُسکو علم جدید کی بدیہیات میں شامل کرلینا مغربی حکما کے نزدیک کچھ قابل اعتراض نہیں۔ اصل کتاب میں اِسکے متعلق 'نظریّے' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (دیکھو صفحہ ۱۱) مگر 'نظریّہ' کا لقب فی الحقیقت اِس کے شایانِ شان نہیں، اگرچہ قرآن حکیم کی مستقل اور ناقابلِ بدل حقیقت کے بالمقابل اِس نامکمل اور غیر مستقل مسئلے کو یہی لقب دینا زیادہ موزوں ہے!

مسئلہ ارتقا کی محولۂ بالا چوتھی شق، یعنی مسئلہ انتخاب طبیعی (صفحہ ۱۳) کی صداقت پر جو ناگہاں حملہ حال ہی (یعنی ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۲ء) میں جامعہ کیمبرج (انگلستان) کے دو نامعروف الاسم حکما ڈاکٹر ولس اور ڈاکٹر بُول نے کیا ہے اِس قابل نہیں کہ اسکی باضابطہ تردید یا تشریح اِس کتاب میں کیجاسکے۔ ابھی تک کسی قابل ذکر علمی حلقے نے اِن حکما کے دعوے کی اہمیت کو تسلیم نہیں کیا، اور چند اشتباہی اور مشترک النتائج دلائل کی بنا پر انتخاب طبیعی کے اصل اصول کو مشکوک قرار دینا بہت کچھ پیشیں از وقت بلکہ حتماً نارواہے۔ اِن حضرات کا دعوٰے ہے کہ انواع واجناس حاضرہ کا روئے زمین پر تخلف بقائے اصلح کے قاعدے کے ماتحت رہ کر نہیں ہوا، بلکہ ہر نوع بقدر اپنی **قدامتِ ظہور** اور **مدّتِ قیام** کے روئے زمین پر توسیع و تمکن حاصل کرتی رہی حتّٰی کہ کسی ایک باقی یا فنا شدہ نوع کے رقبہ توسیع کا حال ضرب و تقسیم کے حسابی قاعدوں کے ذریعے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اِسی نقطۂ نظر سے اِن کے نزدیک ہر جنس کے تعدد انواع کی توسیع بھی روئے زمین پر ہوتی رہی۔ بہت ممکن ہے کہ **صلاحیّت** اور **قدامت** کے اعداد و شمار کے درمیان کوئی اتفاقی تعلق ظاہر ہوا ہو جس کی وجہ سے حساب لگانے میں یک گونہ سہولت پیدا ہوگئی ہو، مگر ظاہر ہے کہ فطرت کا یہ کارگاہ عظیم انسان کے تسلیم کیے ہوئے وضعی قاعدوں کی پابندی سے اصلاً بے نیاز ہے۔ جب کون و مکان کے ہر شعبہ بقاد حیات کی بنیاد **سعی و عمل** پر ہے تو **سعی و عمل کا قیام** ہی **عین صلاحیت** ہے۔ اور علی ہذا القیاس **صلاحیّت** کا وجود ہی **عین قیام و بقا** ہے! پس اِس مقام نظر سے مدّت قیام کی درازی اور صلاحیت دو مترادف اشیا ہیں جن کی **اصل** ایک ہی ہے۔ یہی قرآن عظیم کا دعوٰے ہے۔ اور یہی مسئلہ ارتقا کا **اصل اصول**۔ اگر قدامتِ ظہور اور تکثّر و تمکّن فی الارض میں کوئی ظاہری تعلق پیدا ہوگیا ہے تو وہ بھی اِسی باطنی ترادف کی وجہ سے ہے نہ اِس وجہ سے کہ قانون بقاد فنا کے متعلق کوئی نیا انکشاف ہوا ہے جس کا اعتراف پہلے لوگوں سے نہیں ہوسکا۔

✝ **اژدہوں** اور **افیال** کے متعلق اِس اجمال کی تفصیل کے لیے علم طبقات الارض کی مفصلہ ذیل معلومات کا یہاں پر لکھ دینا ضروری ہے:۔

'قشر الارض'، یعنی کرۂ زمین کے سطحی غلاف کی تفحص اور تلاش کرنے سے فطرت کے طالب العلم پر یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ سطح زمین کا وہ حصّہ جو انسان کے دست قدرت میں ہے، اور جہانتک اسکی کُدال کی زد پونہچ سکتی ہے، دو قسم کے احجار پر مشتمل ہے۔ ایک حصّہ جو نسبتہً مختصر سا ہے اُن چٹانوں کا ہے جو وقتاً فوقتاً زمین کے بطن سے سیال حالت میں آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے نکل کر سطح زمین پر جمتی گئیں، اور بدازاں اِس مُہل مذاب کے عظیم الشان تودے بن گئے۔ یہ سب چٹانیں نہایت سخت ہیں، اِنکے زمین پر پھیلاؤ کی کوئی ترتیب نہیں، اِن کے اندر کسی قدیم حیوان کے بقیۂ آثار کا نشان تک نہیں۔ جہاں جہاں غلاف زمین کا کوئی کمزور حصّہ ہے وہاں یہ چٹانیں اسکو پھاڑ کر نمودار ہوگئی ہیں۔ قدامت کے لحاظ سے اِن کی ترکیب میں کچھ کچھ کیمیاوی تغیر و تبدّل ہوا ہے مگر ماہر فن کے لیے اِن احجار منقلبہ کی شناخت کچھ مشکل نہیں، اور اگر کوئی شئے مشتبہ نظر آئے تو خوردبین اسکا یکدم فیصلہ کردیتی ہے۔

دوسری قسم چٹانوں کی وہ ہے جو طبق یعنی تہ در تہ ہے۔ ایک تہ نہایت سلیقے سے دوسری تہ کے اوپر جمی ہے۔ انکی سطحیں بھی قریب قریب ہموار ہیں۔ ہر ایک تہ کا رنگ اُس کے اِدراتی اجزا، اُسکی ظاہری ساخت، اُسکی خوردبینی بافت اور کیمیاوی ترکیب دوسری تہ سے جُدا ہے، کوئی نرم ہے

یا امریکہ کا ہندوئے احمر منقطع النسل ہونے کو ہے تو مسئلہ ارتقا کے رُو سے اُن کی مدافعانہ جدّوجہد

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵) کتاب کے متن کا سلسلہ استدلال بجائے خود ایک مستقل شے ہی جسمیں اِس تحریر کو چنداں دخل نہیں، البتہ اگر کتاب خدا کا علم، اِن مباحث کے ضمن میں، مسئلہ ارتقا کو اپنی آغوش میں لیکر، اپنے آپ کو یورپ کے اُس علم سے بدرجہا وسیع تر ثابت کردے جس کے باعث وہ آج اوجِ کمال پر چڑھ گیا ہے تو منکرین کیلئے یہ امر بجائے خود قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی روشن اور ناقابل انکار دلیل ہے!

مسئلہ ارتقا کی بحث آیۂ استخلاف کے الفاظ "عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" سے شروع ہوئی تھی۔ عمل صالح کی مکمل اور ناقابل انکار تشریح کردینا فی الحقیقت قرآن کے تمام دستور العمل کو از سرِ نو آشکارا کرنا ہے۔ اور یہ صلاحیت عمل ہی مسئلہ انتخاب طبیعی کی وہ مضبوط اساس ہے جس پر اقوام کے بقا و استخلاف کا سب دارومدار ہے۔ پس آج اِس علم و شہادت کے زمانے میں قرآن کریم کا **طبعی تعلق** اِس مسئلے سے ہے، اگرچہ حکمائے مغرب کو اِس کا علم نزول قرآن کے صدیوں بعد حاصل ہوا ہو۔ یا صالحات کے عظیم الشان لفظ کے معانی قرنوں تک بگڑتے بگڑتے نہایت محدود، یا قطعاً محجوب ہوگئے ہوں، اور اپنا اصلی اثر کلیۃً کھو چکے ہوں! یہ حقیقت اور بھی واضح تر اس وقت ہوجاتی ہی جب کلام الٰہی کا طالب العلم کامل غور و تعمق کے بعد لامحالہ اِس نتیجے پر پونہچتا ہے کہ قرآن کریم درحقیقت اقوامِ عالم کے فنا و بقا کے اسباب کی مکمل داستان ہے جو شارع کائنات نے تذکیر و اعتبار کے لیئے انسان کے حوالے کردی ہے، اور جسکے لائحہ عمل کو نباہنا دراصل اِس روئے زمین پر اپنی مدت قیام کو دراز کرنا ہے۔ سورۂ ملک میں مالک زمین و آسمان نے اِس حقیقت کو بوضاحت تمام بیان کرکے موت و حیات کے سوال کو حتماً طے کردیا ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ (۶۷ : ۲)

لوگو! وہ وُہ مالک الملک اور صاحب اختیار خدا ہے جس نے اجتماعی موت و حیات کے قانون کو رائج کردیا ہے تاکہ اِس بات کی آزمایش کرے کہ تم میں سے کونسی قومیں حُسن عمل کرتی ہیں؛ جبتک صالح ہیں اُن کو بقا نصیب کرے؛ جب غیر صالح بن جائیں اُن کو صفحۂ زمین سے یکسر محو کردے! اور لوگو! یاد رکھو کہ وہ شارع کائنات بڑا زبردست اور بڑا شدید العقاب (الْعَزِیْز) ہے، اور تائب اقوام کے اجتماعی عیوب پر بڑا پردہ ڈالنے والا بھی ہے (الْغَفُوْرُ)۔

آج اِس مسئلہ ارتقا کی تائید و تثبیت انسانی علم و یقین کے قریب قریب ہر شعبے نے اِس حیرت انگیز طریقے پر کی ہی کہ مغرب کے لیئے اِسکا منکر ہوجانا قطعاً غیر ممکن ہوگیا ہے۔ سطح زمین کے موالید ثلاثہ کی کامل تدوین و تنظیم نے اِس حقیقت کو اور بھی آشکارا کردیا ہی۔ طبقات الارض کی تمام داستان مِن و عَن اِسکی مؤید ہے؛ عالم افلاک کے پیہم مشاہدے اِسی کی طرف اشارہ کررہے ہیں؛ روئے زمین کے طبعی انقلابات یہی کہہ رہے ہیں؛ اجناس حیوانات کی داستانِ حیات یہی سبق دے رہی ہے؛ اطلال دیار کی روئداد یہی ہے؛ احوال جہان کی سرگذشت بھی اسی قطع کی ہی؛ جنین مادر میں تخلیق انسان کا تدرج یہی ثابت کررہا ہے؛ طبعیات، ریاضیات، کیمیا، تشریح الابدان وغیرہ وغیرہ اکثر یقینی علوم اسکی مساعدت میں ہیں۔ خود انسان کی مائل بہ حیوانیت فطرت زبان حال سے کہہ رہی ہی کہ انسان کسی ادنیٰ مخلوق کا ملخص اور کمتر مولود سے ماخوذ ہی۔ عام تخیل کہ بندر ارتقا کرتے کرتے انسان بن گیا جہلا کی نامنصفانہ تشریح ہے، اسکو اِس مسئلہ سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ خود بندر کو انسان سے بظاہر ہے۔ تاہم اسمیں شک نہیں کہ اِس مسئلے کے نفس دعوے میں بھی وقتاً فوقتاً ارتقا ہوتا رہا۔ روئے زمین پر تدریجی انقلاب کا اعتراف (شق اول) انسان کو غالباً اُسوقت سے ہے جسکی صحیح تعیین بہت مشکل ہے۔ قدیم ہندو فلسفہ تکوین عالم کے متعلق عجیب و غریب دعاوی پیش کرتا ہے جن کی مماثلت موجودہ مسئلے سے ایک خفیف سی ہے۔ یونانی حکما نے قدامت مادہ کے نظریے کی ترویج کی۔ مگر کوئی خاص مسئلہ مدوّن نہ کیا اسلامی حکما نے پہلی، دوسری، تیسری اور آٹھویں شقوں کے متعلق مستقل دعاوی مرتب کیئے۔ مگر باقی تمام شقوں کی تدوین اور تحقیق (بلکہ ایک رو سے تمام مسئلے کی تصدیق)، ہمہ تن علم جدید کا کارنمایاں ہے۔ مسئلہ انتخاب طبیعی، (یعنی چوتھی اور ساتویں شق)، کا دعوے اوّل اوّل ۱۲۲۸ھ ۱۸۱۳ء اور بعد ازاں ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء میں یورپ کے دو غیر معروف طبعی فلسفہ دانوں نے کیا، مگر ڈارون اور والے نے ۱۲۷۴ھ ۱۸۵۸ء میں اسکو از سرِ نو

یا تخالف پذیر ہونا ہی ان کی صلاحیت یا عدم صلاحیت ہے، اور وہی جنس قوی تر یا صالح تر ٹھیرے گی جسکے وسائل دفاع کا توازن، (جو فطرت نے اُسکو سپرد کیے ہیں) قدرت کی خارجی اور اٹل طاقتوں کے ساتھ قائم رہے گا۔ مگر مجامع انسانیہ کی حالت جن کے ہر فرد کی ادنےٰ سے ادنےٰ ضرورت بھی تدبیر و عمل کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی، قطعی مختلف ہے۔ ان کے تحفظ و ارتقا کا مسئلہ بیحد مشکل اور بدرجہا پیچیدہ ہے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۸) وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۝ (۱۷: ۴۹-۵۱)

اور لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم مرے پیچھے گل سڑ کر ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ایسی حالت میں ہم کو از سر نو پیدا کرکے اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ اے محمدؐ! ان سے کہدو کہ تم مرے پیچھے پتھر ہو جاؤ، یا لوہا بن جاؤ، یا کوئی اور شے جو تمہارے خیال میں اس سے بھی عجیب تر ہو، پھر کہیں گے کہ اچھا بھلا اب کون ہم کو زندہ کرسکے گا۔ انہیں کہہ دو کہ وہی خلاق عظیم جس نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا۔ اسپر یہ لوگ تمہارے سامنے انکار کے طور پر سر ہلانے لگیں گے اور کہیں گے کہ اچھا یہ کب ہوگا۔ انہیں کہہ دو کہ عجب نہیں کہ یہ سب کچھ قریب ہی آن لگا ہو!

ایک مدت تک اِن آثارِ باقیہ کے متعلق لوگ یونہی سر ہلایا کیے؛ انکے وجود کے بارے میں اکثر اغماضی اور تجاہلی شان رہی؛ لوگ انکو دیکھتے، مگر اُن کے متعلق بحث کرنے سے محترز رہتے؛ کسی نے اُن کو فطرت کا کھیل کہا؛ کسی نے "خدا کی شان کا ایک نمونہ" بتاکر معترض کو چپ کر دیا۔ عیسائی پادریوں نے جو یورپ کی علمی تحقیقات سے خوفزدہ ہوکر اپنی انجیل کی حفاظت میں حواس باختہ تھے، اور پاپائے رومۃ الکبریٰ نے جو محافظ دین ہونے کی حیثیت میں علمائے فطرت کو دار و صلیب پر چڑھانے میں معروف تھا، اِن کو نوح علیہ السلام کے طوفان کا بقیہ قرار دیکر اپنی جان چھڑانی چاہی، مگر حقیقت کے بالمقابل باطل کب تک ٹھیر سکتا تھا۔ جب کئی کئی گز لمبے ڈھانچے اور پورے سر، اور پیر، اور دھڑ برآمد ہونے لگے، اور سیلوں کی گہرائی تک تمام سطح زمین آباد نظر آئی تو پادری دُم دبا کر بھاگے؛ سب مسیحی یورپ دم بخود ہوگیا؛ علمائے فطرت کی چڑھ بنی۔ اُنہوں نے کامل غور و خوض کے بعد اعلان کردیا کہ دنیا عہد عتیق کے شمار کے مطابق محض چھ ہزار سال سے ہی آباد نہیں بلکہ تخلیق کا سلسلہ لکھوکھا برس سے جاری ہے! یہ ہڈیاں لامحالہ اُن حیوانوں کی ہیں جو روئے زمین پر انسان سے پہلے بس رہے تھے۔ اُن کے ڈھانچے پانی کے سیلاب، ہوا کے جھکڑ یا اور مختلف اسباب کے ذریعے سے سمندروں میں چلے گئے؛ آبی حیوانوں کے ڈھانچے وہیں تہ میں گرتے رہے۔ بالآخر جب رفتہ رفتہ رسوبات اور ذرات کی تہ اُنپر جمی، دب گئے۔ فطرت نے ان کو نہایت حفاظت سے یادگار کے طور پر محفوظ رکھا، اُن کی شکلیں برقرار رکھیں، اُن کے کیمیاوی اجزا تقطیر و امتزاج کے باعث بدل گئے مگر شکل نہ بدل سکی۔ انسان کی نوعی تخلیق ان حیوانات کے مدتوں بعد ہوئی اور بتدریج تمام ہوئی۔ اِس بنا پر سطح زمین کے لاتعداد رنگا رنگ طبقے **فطرت** کی عظیم الشان **کتاب** کے رنگا رنگ "ورق" ہیں؛ یہ رکازات باقیہ اِن اوراق پر خدا کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے "**حروف**" ہیں؛ انسان کو یہ عالم آرا "کتاب" اسلیئے دی گئی ہے کہ اسکو پڑھے اور اُس خلاق عظیم کی عظمت کا اندازہ بچشم خود کرے!

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۝ (۶۷: ۱۵)

لوگو! وہ ڈھ منعم حقیقی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیئے میدان کردیا ہے کہ تم اسکے اطراف و اکناف میں دل کھولکر پھرو، خدا کے

قرآن حکیم نے اِس آیۂ کریمہ میں آفرینش کی بقا و فنا، اور اقوام کے عروج و زوال کا وہ مہتم بالشان کلیہ بیان کر دیا ہے جس کی صرف پہلی شق کی اصلیت کو یورپ کے طبعی فلسفی طبقات الارض کی مسلسل تفتیش و تفحّص کے بعد ابھی ابھی پہونچے ہیں۔ غیر ناطق حیوانات میں چونکہ ایمان کی انسانی طریق پر گنجائش نہیں اور عمل مقتضائے طبیعت ہے، اِس لیئے فطرت کے حال و احوال کا ان کی ضروریاتِ زندگی سے تطابق

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۷) کوئی سخت، کسی کے اجزا نہایت باریک ذرات سے بنے ہیں، کسی میں چھوٹے چھوٹے ساحل آ کے گھسے ہوئے گول پتھر جڑ کر چٹان بن گئے ہیں، کسی کے سالمات اِستقدر نفیس ہیں کہ بمشکل تمام اُن کے اتصال کو شناخت کیا جا سکتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ سورۂ فاطر میں انہی حیرت انگیز اور جلیل الشان چٹانوں کیطرف اشارہ ہے جن کی حقیقت کُشا سرگذشت کم بین اور کوتاہ نظر انسان نے ہزاروں برس تک سُننے سے انکار کیا۔ اور ابھی ڈیڑھ سو برس نہیں گذرے۔ کہ مغرب کے چند طبعی حکما اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اُن سے ہمکلام ہوئے، اور اُن کی جگ بیتی داستان کو سُن کر ایک عالم کو محو کر دیا! نہیں، بلکہ قرآن حکیم کے ایک اہم حصّے پر عمل کر کے دنیا کو معرفت خدا کے فلک الافلاک پر پونہچا گئے!

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝ (۳۵: ۲۷)

اے ساکنانِ زمین! کیا تم نے اِس حیرت انگیز حقیقت پر غور نہیں کیا (اَلَمْ تَرَ کا ترجمہ جو اسی آیۂ کریمہ کے شروع میں ہے) کہ پہاڑوں کے اندر عظیم الشان طبقے ہیں جن میں سے کوئی سفید ہے کوئی سُرخ، اُن کے رنگ جدا جدا ہیں اور بعض اُن میں سے ایسے بھی ہیں جو بُجھنگ کالے ہیں (تم جاؤ ان کو دیکھو کہ وہ کیا داستان سُنا رہے ہیں، سفید کیا انکشاف کر رہے ہیں، سُرخ کیا کہہ رہے ہیں، خدا کی عظمت اور معرفت کا کیا گراں بہا سبق دے رہے ہیں، کالے کیا بے بہا نعمتیں بخش رہے ہیں!)

اِن طبقوں کی متوازی حدیں، انکی ہموار سطحیں، انکی ظاہری ساخت اور خوردبینی بافت، اِن کے مختلف اور متقابل رنگ، الامحالہ اِس نتیجے پر پونہچا دیتے ہیں کہ یہ سب احجار پانی کی تہ میں اور سمندروں کی وساطت سے بنے۔ سطح زمین کے مختلف نالوں اور دریاؤں کے مکدر اور ذرّات آمیز پانی جھیلوں اور سمندروں کے پانی میں ملکر ساکن ہو گئے۔ وہاں پر آہستہ آہستہ انکی تلچھٹیں (رسوبات) تہوں میں بیٹھتی گئیں اور مرور وقت کے باعث ہزار ہا گز موٹی تہیں بن گئیں۔ ایک تہ کے اوپر سطح زمین کے تبدیل احوال کے باعث، دوسرے رنگ، ساخت اور قماش کی تہ بیٹھی۔ تبدیلیٔ موسم، طوفان، بادوخاک اور حرکت انہار کے تخریبی اثرات (تعریہ جوّی)، شبنم اور طبیعی میاہ، باران و یخ بستہ کے کیمیاوی اور ادواتی اعمال (تعریہ مطری)، اور تصادم امواج مدوجزر بحر کی زمینی شکست و ریخت (تعریہ بحری) نے اِن طبقات کی تدریجی تعمیر میں مستقل حصّہ لیا۔ پھر ان کے اوپر کا پانی زلازل زمین یا اور مقامی انقلابات کے باعث رفتہ رفتہ خشک ہو گیا، اور یہ طبقے سطح زمین پر نمودار ہو گئے۔ بعد ازاں اوپر کے طبقوں کے کروڑوں من بوجھ اور زمین کی اندرونی حرارت نے قرنوں کے بعد ان رسوبات کو پتھر کی مانند سخت کر دیا، اور وہ مختلف چٹانیں بن گئیں۔ آج بھی ہر سمندر، جھیل، بلکہ معمولی تالاب کی تہوں میں یہ رسوبی طبقات روز بروز بن رہے ہیں، اور ہر صاحب نظر کو ارضی تعمیر و شکست کا سبق دے رہے ہیں!

لیکن جو حیرت انگیز امتیاز ان آبی اور ترسیبی احجار میں نمایاں ہے وہ ان کا حیوانی ہڈیوں اور ڈھانچوں، اُن کے قدموں کے نشانوں، اور نباتی پتّوں اور تنوں کے بقیہ آثار (رکازات) سے معمور ہونا ہے۔ سطح زمین سے کئی کئی ہزار گز، بلکہ بعض اوقات چار چار میل نیچے تک یہ ٹہیاں کیمیاوی طور پر تبدیل شدہ حالت میں ملتی ہیں۔ بلند ترین طبقوں میں مرے ہوئے حیوانوں کے سالم ڈھانچے ترکیبی اجزا کے معمولی ردّوبدل کے بعد پائے جاتے ہیں۔ اُن کی شکلیں بالکل محفوظ ہیں لیکن اجزا متحجّر یا متحدّر بن گئے ہیں۔ بعض کے اجزا چونے سے بدل گئے ہیں، بعض لوہا یا تانبا وغیرہ بن چکے ہیں۔ قرآن حکیم میں عظام کی اسی بدل ماہیت کی طرف علیمانہ اشارہ کر کے خدا فراموش انسان کو بعث کا عبرت انگیز سبق دیا گیا ہے:

ذاتی آسائش مفقود، اور بین الاقوامی امن ممتنع الحصول ہوگیا ہے، عمران وحفظانِ صحت کے التزامات نے آبادی کی المناک کثرت پیدا کردی ہے؛ ہلاکت کے شہر شکن سامان اور بربادی کے کوہ پاش وسائل کا مُہیّا کرنا ہر متمدن قوم کا مُنتہائے عمل ہوگیا ہے۔ وہ روٹی کا ٹکڑا جو انسان کو نشاءِ اوّل میں قلیل سی قلیل سعی اور ادنےٰ سی ادنےٰ تدبیر کے باعث مِل رہتا تھا آج انتہائی جدّوجہد کے بغیر میسّر نہیں ہوتا۔ علاوہ اِن

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۰) قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ۝ (۳۶: ۷۹-۸۰)

اے محمدؐ! اِن منکرین بعث کو جواب دو کہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ وہی خلاقِ عظیم کرے گا جس نے اوّل بار انکو نیست سے ہست کیا تھا، اور وہ اپنی پیدا کی ہوئی ہر چیز کے سب کیف و حال، اور اسکی تمام ممکنات سے بخوبی واقف ہے۔ وہ وُہ کارساز جلیل اور وُہ بنائے رحیم ہے جس نے تمہارے استعمال کے لیئے سرسبز درختوں کے بوسیدہ تنوں سے آگ کے عظیم الشان خزانے پیدا کیئے اور آج تم انہی خزانوں کو اپنے مصرف میں لاکر ترقی کے بامِ بلند پر چڑھ رہے ہو!

آج اِن گرانبہا خزانوں کے تہ در تہ طبقے ہزارہا گز گہرے وسط یورپ اور امریکہ، وسط ایشیا اور شرقِ ہند، روم، عرب اور مصر کی سرزمینوں میں دبے ہوئے انسانی سعی وعمل کا انتظار کر رہے ہیں۔ معدنیات زمین کے اِسی حصّہ کبرےٰ میں **پردار مچھلیاں** کثرت سے دبی ہیں۔ گویا **مچھلیوں کی نسبتاً ادنیٰ مگر تاجِ تخوان ارتخلوق کے ارتقا سے پرندوں کی مقابلۃً اعلیٰ مخلوق کے ابتدائی اسباب پیدا ہو رہے ہیں**۔ اُنکی اقسام ترقی کرتے کرتے موجودہ مچھلیوں کے لگ بھگ بن چکی ہیں۔ اسفنج اور لوبیا طحلزون، کیڑے اور مکوڑے زیادہ طاقتور اور بہتر اعضائی ترکیب کے بنتے جاتے ہیں۔ لیکن جس خاص جنس کا ظہور اِس عہد ارتقا میں اوّل مرتبہ ہُوا وہ **پیٹ کے بَل چلنے والے** دابّہ ہیں۔ اُن میں سے ایک نوع کسی مُنقار دار چھپکلی کی ہے جس کی ایک باقی قسم ابھی تک نیوزیلینڈ کے بعض متعلقہ جزائر میں رینگ رینگ کر اپنی حیات کے آخری دن گذار رہی ہے!

لیکن طبقات زمین کے اِس "درک اسفل" سے قطع نظر "**الحیات الوسطیٰ**" کے طبق فی الحقیقت وہ حیران کن طبقے ہیں جن کے اندر اُس خلاقِ عظیم کی کبریائی سب سے زیادہ واضح طور پر آشکارا ہوئی ہے۔ دریائی اور ساحلی کیکڑے قدیم قشری سرطانوں اور عقربوں سے ارتقا کرتے کرتے موجودہ کیکڑوں کے متشابہ بن گئے ہیں، مچھلیاں بدرجہا بہتر اور صالح تر ہو رہی ہیں، اُن کے پھیپھڑے اور سر تاجوانی ڈھانچے اور متناسب دُمیں آجکل کی مچھلیوں کے اعضا سے مشابہ ہو چلی ہیں۔ پیٹ کے بل چلنے والی چھپکلیاں (حزنون) نہایت تیز رفتاری سے ترقی کر رہی ہیں اُن کی منقاریں رفتہ رفتہ موجودہ حرازین کے دنداں دار مونہوں سے بدل گئی ہیں، ایک گروہ اسی جنس کا دریائی مسکن اختیار کر چکا ہے۔ جہاں پر آجکل کے دریائی دودھ پلانے والے حیوانوں (ذات الثدی یا مرضعات) کا پیش خیمہ بن رہا ہے۔ "الحیات الوسطیٰ" کے اِسی پہلے حصّہ طبق میں حرازین کے فرعی ارتقا کے باعث رضاعی حیوانوں کے مشکوک یا متشابہ آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ اکثر وہ اعضائی خاصیات اور آلی امتیازات جو اس جنس کے لیے مختص ہیں، بعض اعلیٰ اقسام کے حرازین میں نمودار ہو رہی ہیں۔ دوسرے حصہ طبق میں حزونی جنس کے حیوانات کی یہ حیرت انگیز کثرت اور پرورش ہوئی ہے کہ اُن کے بقیہ آثار کو دیکھکر عقل دنگ رہجاتی ہے۔ بڑے بڑے عظیم الشان پیٹ کے بل چلنے والے جانور جن کے ڈھانچے کئی کئی گز لمبے ہیں اور جنکی رانوں کی قد آدم کے برابر ہڈیاں اور گزوں لمبی دُمیں اُن کو اژدہوں کے مماثل کر دیتی ہیں، اِس زمانے میں سطح زمین پر معمور دکھائی دیتے ہیں۔ اِن ڈھانچوں میں سُم قدم، چنگال قدم، اور پنجہ قدم، تینوں قسم کے حزونوں

اور جوں جوں اقوامِ عالم ترقی کی تگ و دو میں ایک دوسرے پر سبقت لیجا رہی ہیں انفرادی معیشت اور اجتماعی حفاظت کا سوال اور بھی لاینحل ہوتا جا رہا ہے۔ آج معاشرت کی اس حیران کن مسابقت میں تمدن کی لاانتہا ضروریات، اور تہذیب کے اَن گنت لازمات جزوِ زندگی بن گئے ہیں، علم کی حیرت انگیز جدت آفرینی اور عمل کی محیّر العقول جولانی نے میدانِ حیات ناقابل گذر کر دیا ہے، ذرائع کی ناقابل یقین توسیع کے باوجود

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۹) عجیب و غریب اعمال کا بچشم خود مشاہدہ کرو اور اس کا رزق کھاؤ، ترقی اور آسودگی کے بامِ بلند پر چڑھو لیکن اس بات کو یاد رکھو کہ تم نے ایک نہ ایک دن اُسکے حضور میں کھڑے ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔

کتاب فطرت کی اس حیرت انگیز اہمیت کو پیش نظر رکھکر مغرب کے طبعی حکمانے اعجاز زمین کے اُس حصۂ عظمیٰ کو جن کی تخلیق سمندر کی وساطت سے ہوئی پانچ بڑے بڑے جلیل القدر اور طویل المدت زمانوں یعنی "القدیمۃ الاولیٰ"۔ "القدیمۃ الاخریٰ"۔ "الحیات الوسطیٰ" "الجدیدۃ القصویٰ"۔ اور "الجدیدۃ الادنیٰ" کے صخور پر منقسم کیا ہے۔ پہلی قسم یعنی **القدیمۃ الاولیٰ** کے طبقوں میں جنکی گہرائی زمین کے بعض حصوں میں میلوں تک پہنچتی ہے اور جو اور سب طبق کی تہ میں ہیں، کسی ذی حیات مخلوق کا باقی نشان آجتک نہیں ملا، اگرچہ ان کی تہوں کے اندر بعض مشکوک سی لکیریں اور سوراخ پائے جاتے ہیں جنسے شبہہ پڑتا ہے کہ وہ کسی بے استخوان حشرات الارض کے نشانات قدم ہیں۔ باقی چار حصے حیرت انگیز ترتیب اور تسلسل کے ساتھ عجیب و غریب حیوانات کے بقیہ آثار (رکازات) سے پُر ہیں سطح زمین کا کوئی حصہ اُن سے خالی نہیں۔ "**القدیمۃ الاخریٰ**" کے طبق میں بن کی تقسیم چھ بڑے بڑے حصوں میں کیگئی ہے، زندگی کے آثار غیر مشکوک طور پر نمایاں ہیں استخوان کے عام فقدان کے باعث سب مخلوق **غیر ذی فقری** (یعنی ریڑھ کی ہڈی کے بغیر) ہے۔ پہلے حصے میں (خورد بینی حیوانات سے قطع نظر جنکے نشانات کا باقی رہنا ناممکن ہے) سرطان نما قشری حیوانوں (القشریات) کی ایک تعداد کثیر پائی جاتی ہے جو آج سطح زمین سے قطعاً ناپید ہو چکے ہیں۔ اسی حصے میں اسفنج، عصلی اور دوربرگی حلزون (گھونگھے) کی ابتدائی نوعیں رونما ہوئی ہیں۔ دوسرا حصہ ان سرطانی انواع سے تابحکم آباد ہے۔ مگر مرجان (مونگے) کی فی الحال ناپید انواع، اسفنج، شوکیۃ القشر لوبی (پیچدار) حلزون، اور نا موجود شناجی حشرات سے پُر ہے۔ تیسرے حصے میں قشریات "کشمکش حیات کے باعث نہایت قلیل التعداد اور نحیف ہو چکے ہیں، مگر نجم نما آبی حیتان کی ابتدا ہو رہی ہے۔ دریائی حلزون زوردار ہیں، ریڑھ کی ہڈی والے (ذی فقری) جانوروں کی نشاۃ اول کہیں کہیں نمودار ہے مگر نہایت ابتدائی اعضائی ترکیب کی مچھلیوں کے سوا اور کوئی حیوان اس جنس کا کہیں نظر نہیں آتا۔ بستہ سرطانی قشریات اعضائی ارتقا کر کے ہزار پائے بن گئے ہیں۔ آبی عقرب جن کی کوئی قسم آج نہیں ملتی، کہیں کہیں جلوہ گر ہے۔ نمل (چیونٹی) کی ابتدائی انواع، پردار اور بے پر، دونوں پائی جاتی ہیں۔ چوتھا گروہ طبق مچھلیوں کی بے شمار ناپید انواع سے پُر ہے۔ ارضی حیوانات کی اکثر انواع وہی ہیں جو تیسرے حصے میں تھیں۔ مگر اقسام نسبۃً بہت زیادہ ہو گئی ہیں، مرجان کی کثرت ہے۔ "القدیمۃ الاخریٰ" کے طبقات کا پانچواں حصہ پوئے زمین کی انقلابی نشو و نما کا وہ یادگار زمانہ ہے جس میں انسان کی آیندہ بہبودی کے عجیب و غریب سامان پیدا ہوئے اس زمانے میں سطح زمین پر **نباتات** کا وہ عظیم الشان دور دورہ ہوا جسکی مثال آجتک پھر پیدا نہ ہو سکی۔ بڑے بڑے سرلفلک درخت جن کے تنے موجودہ درختوں سے کئی کئی گنا بڑے تھے سطح زمین کے سب بالا و پست میں پھیل گئے۔ ہزارہا اقسام کی نئی نباتات کا ظہور ہوا، بالآخر اسی سرسبز نباتات کے ہزاروں میل تک پھیلے ہوئے خزانے پایاب جھیلوں اور دلدلوں میں جمع ہو کر صدیوں کے بعد **معدنی کوئلہ** بن گئے، جسپر آج یورپ کی بے مثال ترقی اور تمکن فی الارض کا اکثر حصہ ہے! قرآن حکیم میں اسی اہم نعمت خدا کا تذکرہ، اور اسی بے مثال صناعی کا بیان سورۂ یٰسٓ کے اندر ہے (سورۂ فاطر میں بُجھنگ کالی (غرابیب سود) چٹانوں کا اشارہ بھی اسی معدنی کوئلے کی طرف ہے جنکا ذکر آیۂ (۳۵، ۲۷) صفحہ ۲۸ میں ہو چکا ہے):

الغرض عقل کی بے اندازہ کارفرمائیوں اور فوق الضرورۃ چارہ جوئیوں نے آج عقدۂ معاش میں وہ صورتِ اشکال پیدا کردی ہے جو فی الحقیقت ناقابلِ تحمل ہے!

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝ (۳۳ : ۷۲)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۲) کہ ہند کی سرزمین میں دریائے جہلم کے قریب نکلیں مگر اُس کا ڈھانچا اسقدر وزنی تھا کہ تیس نفر اسکو بمشکل اُٹھا کر اپنی جگہ پر لے جاسکے! الغرض جس حیرت انگیز طریق پر رب زمین و آسمان کی ان ہولناک اجناس نے انسان کے زمین پر وارد ہونے سے پیشتر زور پکڑا تھا، اُس سے گمان ہوسکتا تھا کہ انسان جیسی بظاہر کمزور، نووارد اور بے نوا مخلوق اُن کے ہوتے ہوئے کچھ حفظ و قیام حاصل نہ کرسکے گی، مگر شارع فطرت کو ان کا روئے زمین پر دیر تک رکھنا منظور نہ تھا، کارخانۂ طبیعت کے اٹل قوانین اُنکے تمکن فی الارض کی مخالفت میں حتماً تھے؛ بقا و معیشت کے پیہم مجادلے میں اُنکی جسامت، اُنکی قوتِ لایموت کی مقدار، اُن کا ممتنع السیر، کاہل الوجود اور بطئ النسل ہونا ہی اُنکے بقا کا مانع تھا؛ وہ سب کے سب ایک اقلِ قلیل مدت میں صفحۂ زمین سے محو کردیئے گئے، اور باعمل اور صالح تر مخلوق کو اُن کا جانشین کردیا گیا۔ "الحیات الوسطی" کے بلند ترین طبقات جسقدر ان اجناس سے پُر نظر آتے ہیں، اُسیقدر "الجدیدۃ القصوی" کے احجار کا درک اسفل اتنے نسبتاً خالی پایا جاتا ہے۔ مقدم الذکر زمانے کے زیر و بالا سب طبقات میں اُن کے حیرت انگیز ہجوم فرمن تکثر کے بعد بلند تر طبق میں اُنکا یک لخت معدوم ہوجانا فطرت کے طالب العلم کے لیئے از بس عبرت آموز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سعی و عمل، تگ و دو، صبر و ابتلا کے اس عظیم الشان معمل میں اُنکی سعی کچھ مشکور نہ ہوئی؛ بدیع کائنات کو جو بذاتِ خود شبانہ روز سعی و عمل میں مصروف ہے، اور ہر آن "کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" کا مصداق ہے، اُن کا جمود، اُن کا ناکارہ پن، اُنکی گرانجانی کچھ پسند نہ آئی، اور ایک دو "یوم" کے اندر اندر اُن کو روئے زمین سے حک کردیا گیا۔ قرآن کریم میں سورۂ قصص کے اندر اُس ربِ عظیم کے اسی بے مثال اختیار کی طرف اشارہ ہے جس کے مطالب کی عظمت کو طبقات زمین کی "کتاب عظیم" میں بچشمِ خود دیکھکر ہر صاحب نظر کا کپکپا جانا یقینی ہے!

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ (۲۸ : ۶۸)

اور اے محمد! تیرا پروردگار زمین و آسمان کے اِس بیکران محیط میں جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور پھر پیدا کرنے کے بعد اُن کی سعی و عمل کا امتحان لیکر جو مخلوق چاہتا ہے پسند کرلیتا ہے، اور جسکو مناسب سمجھتا ہے روئے زمین سے محو کردیتا ہے (یَخْتَارُ) اور جو فرضی معبود اور حاکم اعلیٰ انسانوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیئے ہیں اُنکو تو یہ عظیم الشان اختیار کچھ بھی نہیں؛ اے ساکنانِ زمین! وہ خدائے عظیم اُن تمام من گھڑت مطاعوں اور معبودوں سے بدرجہا بلند تر اور ارفع ہے جن کو لوگ اسکے برابر بناتے رہتے ہیں (یُشْرِكُونَ)۔

اور اس پر طرّہ یہ کہ اگر اس قیام و دوام، اس رد و قبول، اِس فنا و بقا، اور اِس شکست و فلاح کے اختیار کرنے کی کوئی شرط قرآن کریم پیش کرتا ہے تو وہ بھی مغربی طبعیوں کی علمی تحقیقات کی تائید میں "عمل صالح" ہی ہے، جو اس آیہ کریمہ سے پیشتر کی آیت میں بوضاحت تمام بیان کردی گئی ہے:

فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ۝ (۲۸ : ۶۷)

پر جو مخلوق اُسکے قانون کیطرف لوٹ آئی (تَابَ) اور جسنے ایمان کی اٹل قوتیں اپنے اندر قائم رکھیں (آمَنَ) اور جسنے عمل صالح کیئے تو قریب ہے، کہ وہی اس دنیائے کسب و عمل میں کامیاب ہوگی۔ (توبہ اور ایمان کی تفصیل کے لیئے ابھی بہت دیر ہے مگر یہاں پر ایک عارضی ترجمہ کردیا گیا ہے)۔

مشکلات کے مادّیت کے غلبے نے اقوامِ متمدنہ میں روحانیت سے عام انحراف پیدا کر دیا ہے؛ جسمی طاقت اور مادّی اقتدار پر ناز، کبریائی کا ادّعا اور بہیمی اخلاق سے تخلّق، طبیعت ثانیہ ہو گئی ہے؛ مکر و دروغ مجامع عالم کا شعار، بلکہ طغرائے امتیاز بن گیا ہے؛ بین المِلّی خُلق اور اتحادِ عالم کا نصب العین خواب و خیال ہو چکا ہے؛ طاقتور اقوام کی سبعیّت اور درندگی کی یہ شان ہے کہ ایک دوسرے کی تباہی کے ہولناک سامان روز بروز بڑھ رہے ہیں۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۱) شامل ہیں گویا پرندوں اور رضاعی حیوانوں کی طرف ارتقا کا میلان ابھی سے ظاہر ہے۔ حزرونی اژدہوں کے اعضا کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیس بیس گز لمبی چھپکلیاں اپنی پچھلی دو ٹانگوں کے بل سطح زمین پر کودتی پھرتی تھیں، یا عظیم الشان تمساحوں (مگرمچھ) کی طرح پایاب ساحلوں اور دریاؤں کے دہانوں پر شکار کی گھات میں پڑی رہتی تھیں۔ امریکہ کے بعض حزرون اپنی جسامت کے لحاظ سے اسقدر عظیم الشان تھے کہ آج سطح زمین کا بڑے سے بڑا جانور اُن کے بالمقابل دیوار کی چھپکلی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا! ایک منقار دار حزرون جسکے پانوں کی ساخت پرندوں کے پنجوں سے بہت مماثل تھی، اسقدر قد آور تھا کہ الف لیلہ کا سیمرغ بھی اسکے آگے محض ایک کنجشک نظر آتا ہے۔ اُسکی تمام مُحدّب کمر پر ریڑھ کی ہڈیوں کے عین اوپر دو دو گز اونچی گھریلو مرغ کی مانند کلغی تھی، اور مخروطی دُم کے اوپر ڈیڑھ ڈیڑھ گز لمبے اور ہاتھی کی ٹانگ کے برابر موٹے کئی کانٹے تھے؛ اونچائی میں چار انسانوں کے قد کے برابر اور دُم سے لیکر چونچ تک بلا مبالغہ دس گز لمبا تھا!

يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (۳۵ : ۱)

وہ رب عظیم اپنی مخلوق میں جو مناسب سمجھتا ہے زیادہ کر دیتا ہے۔ لوگو! بگوش ہوش سُن رکھو کہ وہ خدائے بے مثال ہر بات کر دینے پر قادر ہے!

"الحیات الوسطیٰ" کے اسی زمانے میں فرعِ ارتقا کے باعث اُڑنے والے اژدہوں کی ایک تعداد کثیر نظر آتی ہے۔ اُن کے تمساح (مگرمچھ) کی مانند لمبے لمبے دنداں دار مُنہ اور خفاش (چمگادڑ) کی مثل جھلّی والے پر اس بات کی شہادت ہیں کہ یہ ہولناک "پرندے" درندوں سے بدرجہا خوفناک تھے۔ معمولی اژدہوں کے پروں کا پھیلاؤ بھی آٹھ آٹھ گز تک پہنچتا تھا۔ دُم سے لیکر چوٹی تک ہر ایک کی لمبائی کئی کئی گز تک تھی، اور الف لیلہ کے رُخ کی مانند یہ دہشت انگیز درندے جہاں اُڑتے تھے اپنے پروں کے پھیلاؤ سے زمین پر اندھیرا کر دیتے تھے[1]!

لیکن فرعِ ارتقا کی ان حیرت انگیز عجائب نمائیوں سے قطع نظر جو اصلی ارتقا اس زمانے میں نمودار ہوا وہ پَر والے پرندوں کا ظہور ہے۔ اِن طبقات میں مُرغِ ہوا کی صرف ایک قسم محفوظ رہ گئی ہے جو آجکل کے پرندوں سے کچھ کچھ مماثل ہے۔ رضاعی (ذات الثدی) حیوانات کے آثار خال خال نظر آتے ہیں۔ لیکن حزرونی اور رضاعی اجناس کے سلسلہ تکوین کی درمیانی کڑیاں صاف طور پر ظاہر ہیں۔ "انڈے دینے والے رضاعی حیوان" جو مرغ اور چوپائے کے بین بین نظر آتے ہیں کثرت سے ہیں۔ تھیلی والے رضاعی حیوانات کی جو حزرون اور مویشیوں کی درمیانی کڑی ہیں رونق لگی ہے۔ مقدم الذکر نوع کی دو قسمیں آج بھی آسٹریلیا کے بعض حصّوں میں پرانے وقتوں کی یادگار کے طور پر قائم ہیں۔

ارضی، ہوائی اور دریائی تمساحوں اور اژدہوں کا قیام "الحیات الوسطیٰ" کے تیسرے اور آخری حصے میں بھی بدستور رہا۔ لیکن اُنکی جسامت اِس زمانے میں اور بھی حیران کن ہو گئی۔ ایک ارضی حزرون جسکے جسم کی شکل موجودہ اُود بلاؤ سے بہت کچھ ملتی جلتی تھی، اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا پانچ گز کے قریب بلند نظر آتا ہے۔ بعض ہوائی تمساح اُڑتے وقت تین تین گز لمبے خفاشی پر پھیلا سکتے تھے۔ بعض امریکی دریائی انواع کی لمبائی سر سے لیکر دُم تک پچاس پچاس گز ناپی گئی ہے! ایک ارضی تمساح کی ہڈیاں اسی زمانہ قدیم کے طبقوں میں سے ابھی (خیبر ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۳ء) چھ ماہ نہیں گذرے

[1] ابن بطوطہ (المتوفی ۷۷۹ھ ۱۳۷۷ء) اور مارکو پولو (المتوفی ۷۲۰ھ ۱۳۲۳ء) نے اِن ہیبت ناک پرندوں کا ذکر اپنے سفرناموں میں کیا ہے۔

تصویر درپیش تھی جو انسان کو قبولِ امانت کے وقت ظلوم وجہول ٹھیرایا تھا، مگر تصویر کے اِس تاریک پہلو سے ایک لمحے کے لیے قطع نظر کرکے جو اہم سوال آج اِس زمانے میں پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ مسئلہ ارتقا کے رو سے وہ **کونسی صلاحیت** ہے، اور قرآن کریم کی لازوال صداقت کے تتبع میں وہ **کیسا ایمان** اور **کیا اعمالِ صالحہ** ہیں جنسے آج اقوامِ یورپ کو مادی ترقی کے انتہائی منازل پر پونہچاکر اعلون بننے، اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۴) گویا ہوائی مساحوں سے ارتقا ظاہر ہے۔ رضاعی حیوانات کی بعض نامکمل نشانیاں نچلے حصے کے بعض اعلےٰ طبق میں نمودار ہیں مگر ٹھیٹھ رضاعی حیوان اِن طبقوں میں بھی بہت کم ملتا ہے۔

"الجدیدۃ القصویٰ" کے اعلیٰ طبق میں بھی قریب قریب یہی حال ہے، مگر اکثر اجناس کا بہتر اور صالح تر ہوجانا بیش از بیش ظاہر ہے۔ لیکن **"الجدیدۃ الادنیٰ"** کے طبقات وہ سبق آموز اور عبرت انگیز طبقات ہیں جن کی مخلوق کے مطالعے سے سطح زمین کی موجودہ مخلوق کا تدریجی ارتقا اظہر من الشمس ہوجاتا ہے۔ اِن حصص زمین میں حیوانات کے آثار باقیہ نہایت وضاحت اور حفاظت کے ساتھ ملتے ہیں۔ ادنیٰ حیوانات کی ایک شاندار تعداد ارتقا کی ہوئی ملتی ہے۔ حرازین کی قسم کے حیوانات اکثر نابود ہوگئے ہیں مگر رضاعی اجناس کی ایک بہت بڑی تعداد آبی گاؤ، اود بلاؤ اور ویل مچھلی (حوت) کی صورت میں پیدا ہورہی ہے، مچھلیاں آجکل کی ساحلی مچھلیوں سے ترکیب اعضا میں زیادہ مشابہ ہورہی ہیں، مگر مچھ اور سنسار کہیں کہیں نظر آتے ہیں، عقرب، عنکبوت، ہزارپائے وغیرہ وغیرہ ایک حد تک قائم ہیں، حشرات الارض کی سب قسمیں کثرت سے ہیں، پتنگے اور تتیریاں پہلی دفعہ جلوہ گر ہیں، پیٹ کے بل چلنے والے جانوروں کی یادگار سینڈکوں میں رہ گئی ہے، پرندوں نے اپنی چونچوں کے اندر دانت رکھنا قطعاً چھوڑ دیا ہے لیکن اُن کی جنس کا داخلی ارتقا حیرت انگیز طریقے پر ہوا ہے۔ اِسی کے زور اثر سے اُڑنے کی بجائے دوڑنے والے پرندے (یعنی مرغ میدان) جلوہ گر ہیں، نعامہ (شترمرغ) اور اسی جنس کی اور انواع جو آج صرف عرب اور افریقہ تک محدود ہوگئی ہیں نصف کرہ شمالی، یورپ اور شمالی امریکہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔ گویا خط استوا کی طرف کوچ بعد میں شروع ہوا۔ نیوزیلینڈ میں آج صرف ایک قسم نعامہ کی رہ گئی ہے مگر ابھی دو سو برس نہیں گذرے کہ شترمرغ سے نسبتہً بہت بڑے بڑے پرندے جن کی اونچائی چار چار گز تک پونہچتی تھی، اُن اقطاع میں آباد تھے جنکو بالآخر اِس سرزمین کے اصلی باشندوں نے نابود کردیا۔ جزیرۂ مدغاسکر میں کچھ اوپر سات صدیاں گذریں کہ ایک عظیم الشان مرغ رہا کرتا تھا جسکے قد آدم کے برابر انڈے ابھی تک الف لیلہ کے افسانوں میں بطور یادگار کے رہ گئے ہیں مگر اسکا نشان آج صرف ہڈیوں میں ملتا ہے۔

"الجدیدۃ الادنیٰ" یا "الجدیدۃ الحاضرہ" کے اعلیٰ طبق کی مخلوق اور موجودہ مخلوق میں بہت کم فرق نظر آتا ہے عجیب و غریب رضاعی حیوانات کی ایک تعداد کثیر سے یہ سب طبقے پُر ہیں۔ اُن کی نو مختلف نوعیں شناخت کی گئی ہیں جن میں ویل مچھلی کی قسم کے مرضعات، آبی گاؤ، سُم دار مویشی، کُترنے والے موش، گوشت خور گربہ، کرم خور خارپشت، چمگادڑ، بغیر دانت کے رضاعی حیوان، اور بوزنہ وش انواع شامل ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک نوع اِس زمانے میں بھی پائی جاتی ہے۔ رضاعی اقسام میں عجیب و غریب حیوانات مراسیس (گینڈے) ہیں، جن کی بعض قسمیں نہایت خوفناک تھیں جو نابود ہوگئیں۔ ہاتھی کی بعض حیرت انگیز قد آور انواع اِسی زمانے میں ظاہر ہوئیں۔ ایک بالوں والا یال دار ہاتھی رسیمتھ جو انسان کا ہمعصر تھا اور موجودہ دو اقسام سے کم از کم دوگنا بڑا تھا، شمالی سائبیریا اور نگلستان میں نہایت کثرت سے ملتا ہے۔ اُسکے دانت سائبیریا میں اِس کثرت سے ملتے ہیں کہ روسی تجارت کی محبوب شے بن گئے ہیں۔ موجودہ فیل کی بقیہ دو اقسام کا بھی انسان کی دستبرد سے مدت تک محفوظ رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ہاتھی دانت کی تجارت کو موجودہ مقدار میں برقرار رکھنے کے لیے دنیا میں ہر سال ایک لاکھ ہاتھیوں کا

ہم نے فہم و ادراک کی امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے پیش کیا کہ شاید وہ اُسے قبول کریں،
مگر اُنھوں نے بزبانِ حال اِس عظیم ذمہ داری کے حامل ہونے سے انکار کیا، اور اسکی اہمیت کو پاکر خوفزدہ
ہوگئے۔ بالآخر انسان نے اسکو اُٹھانا قبول کیا مگر وہ درحقیقت بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی جاہل تھا جو یوں
ناحق اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا!

عالم الغیب کے حضور میں شاید تمدن کی اِسی رست وخیز، اور عمرانِ حاضرہ کی اِسی نفسانفسی کی قیامت نُما

(بقیہ متن صفحہ ۳۳) ایک اور موقع پر نسل انسانی کو اِنہی معنوں میں خدا کا محتاج گردانا گیا ہے، ساکنانِ زمین کو قانونِ فطرت اور حکمِ خدا کی کامل متابعت کی ترغیب دی گئی ہے، اور ان سب کو یکسر ہلاک کرکے کسی خلق جدید کے تمکن فی الارض کرنے کی دھمکی اِس حیرت انگیز جسارت، صحت اور وثوق سے دی ہے کہ اعمالِ خدا کا علم رکھنے والا انسان بے اختیار لرز جاتا ہے۔ لیکن یہ آیاتِ کبریٰ اپنے اصلی رنگ میں لامحالہ اُسوقت نظر آئیں گی جب کتاب کے متن (غالباً چھٹی مجلد) میں تمام سورہ کا مربوط ترجمہ کردیا جائے گا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ (۳۵ : ۱۵-۱۷)

اے ساکنانِ زمین! تم سب کے سب کسی حال اور رنگ ڈھنگ میں ہو بہر نوع اُس خدائے عظیم کے محتاج ہو، اُس کے لطف و کرم کے محتاج ہو، ہدایت اور رہنمائی کے محتاج ہو، قانون پر چلنے کے محتاج ہو۔ اور اُسکی یہ شان ہے کہ وہ تم سب سے حتماً بے نیاز ہے اور باوجود اِس بے نیازی کے سزاوارِ حمد ہے۔ وہ اِسقدر بے پروا خدا ہے کہ اگر تمہارے اعمال کو دیکھکر مناسب سمجھے تو تم سب کو تختۂ زمین سے یکسر اُچک لے، اور کسی نئی مخلوق کو تمہاری جگہ لا بسائے، اور جانے رہو کہ یہ خدا کے لیے کچھ بھی دشوار نہیں (وہ تم سے پہلے بارہا اِسی طرح کرچکا ہے، اور پھر کرنے میں اُسکو کوئی تکلیف نہیں ہوتی)۔

ایک عجیب و غریب مشاہدہ جو یہاں پر "صلاحیت" کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لیے نہایت غور طلب ہے، اور جو "الحیات الوسطیٰ" کے اِن عظیم الشان اژدہوں کے متعلق کیا گیا ہے، یہ ہے کہ وہ آجکل کے بڑے سے بڑے تماسحوں اور سنسارُوں کے بالمقابل نہایت چھوٹے چھوٹے دماغ رکھتے تھے۔ بعض حالات میں، باقی جسم کے تناسب کو پیش نظر رکھکر کاسۂ سر (جمجمہ) بھی بے اندازہ مختصر تھا، بعض میں گوشت اور اعصاب کی زیادتی کے باعث بظاہر سر کافی بڑا دکھائی دیتا تھا، مگر حجرۂ دماغ ناقابل یقین طور پر تنگ تھا؛ حتیٰ کہ موجودہ مگرمچھ کا دماغ تناسب بدن کے لحاظ سے دس گنا بڑا ہے۔ اِن مشاہدات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ دور از کار نہیں کہ کشمکش حیات کی اِس شکست فاش میں جو اِن حیوانوں کو نصیب ہوئی دماغی قُویٰ کو بھی بہت بڑا دخل تھا۔ کمزور دماغی طاقتوں والے حیوان مقابلۃً جلد مٹ گئے، جن کی قوتِ مُدرکہ بڑھتی گئی محفوظ رہے۔ آجکل انسان کی نظروں میں بیوقوفی اور کُند ذہنی کا مجسمہ گدھا ہے مگر اُس کا انسان کے لیے مفید ہونا خود اسکی نسل کی حفاظت کر رہا ہے۔ اگر وہ بھی مزاحمتِ حیات کے میدان میں اور حیوانوں کے بالمقابل جم کر کھڑا ہوجاتا اور انسان کے سایۂ عاطفت میں پناہ نہ لیتا تو شاید کبھی کا صفحۂ زمین سے نابود ہوگیا ہوتا!

"التجدیدۃ القصویٰ" کے ادنیٰ طبقات زیادہ تر اُن دیرینہ حیوانات کے آثار سے پُر ہیں جو "القدیمۃ الاولیٰ" کے زمانے سے رفتہ رفتہ ارتقا کرکے بہتر بنگئے ہیں۔ حلزون اور اسفنج، حیتان (مچھلیاں)، ہزارپائے، مرجان، نجم نما مچھلیاں، قبّہ دار حلزون، حشرات الارض شقایق بحری، خارپشت بحری، وغیرہ وغیرہ نہایت کثرت سے ہیں۔ حزون (چھپکلیاں)، حربا، (گرگٹ)، ثعبان (اژدہے)، تنین (سنسار اژدہے)، تمساح (مگرمچھ)، خفاش (چمگادڑ) وغیرہ وغیرہ نسبتاً بہت کم ہیں۔ لیکن پرندے غیر مشکوک طور پر نمایاں ہوگئے ہیں۔ اُن کے منقار و ذنانہ دار ہیں

خطاب بلاقید وقت عام مسلمانوں کیطرف ہے، مگر معاہدہ لامحالہ اُنکے ایک گروہ ہی سے باندھا گیا ہے اگرچہ وعدے کی توسیع ایمان اور اعمال صالحہ کی موجودگی میں ہر مسلمان تک ہو سکتی ہے۔ اِس بنا پر مسلمانانِ عالم میں سے صرف اُسی گروہ کا استخلاف شرط ہے جو ایمان اور اعمال صالحہ رکھتا ہو؛ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (۲۴: ۵۵)۔ ثانیاً استخلاف فی الارض کا میثاق، جزیرۃ العرب پر تسلط یا سیادتِ حرمین کے معنوں میں کسی فرد واحد، یا اُسکی نسل، یا زیادہ سے زیادہ عرب قوم کے ساتھ ہو سکتا تھا، سب مسلمانانِ عالم سے ضروری تھا۔ ثالثاً كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ، نے معاملہ بالکل صاف کر دیا کیونکہ اسلام سے پہلے حرمین پر

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۳۶) يَمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۴: ۴۵-۴۶)

اور لوگو! اس خلّاق عالم کی طاقت کی یہ شان ہے کہ اس نے روے زمین کے تمام حیوانوں کو ایک ہی نطفے اور ایک ہی سلسلہ توالد و تناسل کے ذریعے سے (مِنْ مَّآءٍ) پیدا کیا، اور آج اِس حدت تناسل کا نتیجہ یہ حیرت انگیز ہے (دَآبَّةٍ) کہ اُن حیوانوں میں سے بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو صرف دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں (اور یہ محیر العقول تباین اور اختلاف اسی ترتیب و تسلسل سے اُس ایک نطفے کی قوت تولید میں ظاہر ہوا ہے)، لوگو! خدا جو شئے جس ذریعے سے مناسب سمجھتا ہے پیدا کر دیتا ہے، بگوش ہوش سُن رکھو کہ وہ ہر بات کے کرنے پر قادر ہے اے ساکنانِ زمین! ہم نے تم کم علم اور کوتاہ نظر انسانوں پر حقیقت کشا اور جہاں نما آیات اوج آسمان سے اُتاری ہیں تاکہ تم پر تکوین حیات کا راز عین ہو جائے اور یاد رکھو کہ خدائے عظیم اُسی کو علم کے صراط مستقیم پر لے جاتا ہے جسکو مناسب سمجھتا ہے۔

کیا آج سطح زمین کے طول و عرض میں مذاہب عالم کی آسمانی کتابوں کے اندر تکوین حیات کی اس سے بہتر، صحیح تر اور مکمل تر داستان کہیں موجود ہے؟

طبقات زمین کی تعمیر کے یہ پانچوں زمانے جن کا ذکر اوپر ہوا اور جنہیں زمین و آسمان کی پیدائش فی الحقیقت تکمیل کو پہنچی، اور ظہور انسان سے لیکر آج تک کا زمانہ حال جسمیں بنی نوع انسان کا ارتقا مکمل ہو رہا ہے، مالک کون و مکاں کی حکیمانہ لغت میں وہ "سِتَّةِ اَيَّامٍ" (آیہ ۳۲: ۴ صفحہ ۱۴) ہیں جنمیں اُسنے زمین و آسمان کو پیدا کیا: یوم کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۱۰ میں گذر چکی ہے، اور لفظ ستہ سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم زمین و آسمان کی تدریجی اور ارتقائی تعمیر کا ہمیشہ مؤید ہے۔ پس عہد عتیق کا دعوے کہ دنیا صرف چھ ہزار برس سے قائم ہے از روے قرآن محض غلط ہے، اگرچہ ستہ ایام کا ذکر اُس الہامی کتاب میں بھی موجود ہے جسکا مؤلف نے زمین کی مدت تعمیر کو چھ زمانوں میں اس بنا پر تقسیم کیا ہے کہ انکی مخلوق کے مابین ایک صریح تباین اور قطعی مابہ الامتیاز پیدا ہے جسکے باعث طبقے اور زمانے ایک دوسرے سے طبعاً اور خلقاً الگ نظر آتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ یہی وجہ افتراق اُس مدبر کائنات کے پیش نظر ستہ ایام کے الفاظ میں منضم ہو مگر یہ بحث کسی آیندہ موقع پر بتفصیل کیجائے گی۔

قصیر الجسم ہاتھی جسکا ذکر اصل کتاب (صفحہ ۲۰) میں ہوا، دراصل افریقہ کا باشندہ تھا جو کشمکش حیات کے باعث در بدر پھر کر چند صدیاں گذریں نابود ہو گیا۔ اُسکی ہڈیاں آج جزیرۂ مالٹا میں ملتی ہیں۔ ایک نوع کی اونچائی گھٹتے گھٹتے ڈیڑھ گز اور دوسری کی صرف ایک گز رہ گئی تھی۔ نئی دنیا کا ہندوئے احمر جو آجکل روئے زمین سے ناقابل یقین سرعت سے ناپید ہو رہا ہے، سولہویں صدی کے احتلال امریکہ کے بعد یورپی اقوام کی جارحانہ دستبرد اور ستم ایجادیوں کا شکار ہوا۔ فرنساوی مستعمرین نے اِس بیچ کنی میں سب سے زیادہ شرمناک حصہ لیا۔ ایک موقع پر مہلک متعدی بیماریوں کے جراثیم سے آلودہ کمبل، رواداری اور غریب پروری کے بہانے سے اُنھیں تقسیم کر دیئے جس سے ارد گرد کی آبادی سال بھر میں آدھی رہ گئی۔ لیکن تمدن کے مجادلہ بقا میں آج وہ اور دوسری غیر صالح قومیں جس تیزی سے محو ہو رہی ہیں اِس داستان سے کہیں زیادہ دردناک ہے!

* اگر یہیں تو آج 'مِنْكُمْ' کا خطاب بعینہٖ ہو اور تمام آیت سے کوئی مستقل نتیجہ اخذ نہیں ہوتا * مطالعہ کے لیے دیکھو صفحہ ۰ لیکن 'مِنْكُمْ' کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔

مُستخلف فی الارض، کا مقام حاصل کرنیکا قطعی مستحق قرار دیا ہے، اور مسلمانوں میں وہ کیا ضعفِ ایمان اور کیا غیر صالحہ اعمال آگئے ہیں جسنے اُنکی ہزار سالہ عظمت کو محو کرکے اُنکو تنزّل کا مترادف اور جہانبانی کا نااہل کردیا ہے؟

پیشتر اسکے کہ یہ عظیم الشان سوال، اِس کتاب کے طول و عرض میں†، ایک مُدلّل اور ناقابلِ انکار طریقے پر طے کردیا جائے، اِس امر کا فیصلہ ضروری ہے کہ مفسّرین نے جن سہل اور محدود معنوں میں آیۂ استخلاف کو لیا ہے کِس حد تک اُس کی مشروط اور مطلق لغت کے تابع، اور سیاق کلام کے مطابق ہے؛ اولاً اس آیت کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۵) شکار ہوتا ہی۔ اور چونکہ ہتھنی پندرہ سال میں صرف ایک بچہ جنتی ہے، اور موجودہ حیوانوں میں سب سے زیادہ بطی النسل ہی، اسلیئے چند اور صدیوں کے اندر اِس نوع کا تباہ ہوجانا بھی یقینی ہے۔ لیکن "الجدیدۃ الحاضرہ" کے اعلیٰ طبق میں خدا کی جس حیرت انگیز عالم آرا، اور احسن الخلق مخلوق کا ظہور ہوا وہ حضرت انسان ہے۔ ادنیٰ طبقوں میں کچھ مشکوک سی ہڈیاں ملتی ہیں جنکو رضاعی حیوانات اور ابتدائی انسان کی "درمیانی کڑی" کہا جاسکتا ہی، مگر قطعی طور پر کچھ مل نہیں سکا۔ ایک مدّت مدید تک حکمائے مغرب اِس "درمیانی کڑی" کی تلاش میں سرگردان رہے، اور ابتک ہیں۔ اعلیٰ طبق میں ابتدائی انسان کے ڈھانچے صاف طور پر ادنیٰ حیوانوں سے ارتقا کیئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُنکے جسم نسبتاً قوی ہیں مگر دماغ کے حُجرے موجودہ انسان کے بالمقابل بہت چھوٹے ہیں۔ قدیم غاروں میں اُنکی ہڈیاں نہایت صفائی سے دبی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اُنکے ساتھ ساتھ اکثر اوقات پتھر اور لوہے کے بیڈھنگے اواز اور برتن بھی دبے ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ آفرینش کے ابتدائی ایام میں انسان اپنے آپ کو زور آور حیوانوں سے بچانے، اور سردی اور گرمی سے محفوظ رکھنے میں مصروف رہا، اِس وجہ سے مدت مدید تک وہ کوئی معاشری ترقی نہ کرسکا۔ پہاڑوں کی غاریں اور وادیوں کے اوٹ اُسکے مستقل نشیمن تھے، حفظِ نفس اُسکا منتہائے وحید تھا۔ بالآخر جب انفرادی دفاع مفید نظر نہ آیا تو عقل سلیم نے اجتماعی اور معاشری حیات اختیار کرنے پر مجبور کیا، اور آج اُسکی یہ حالت ہی کہ علم و عمل کے بام بلند پر چڑھکر فطرت کی عالم آرا قوتوں کو قابو میں لانے کی سعی کررہا ہے!

ارتقائے حیات کی متذکرہ صدر تشریح میں جو بات نہایت قابل لحاظ ہی یہ ہے کہ سلسلہ تکوین متعدد مستقل منازل طے کرکے انسان تک پونہچا۔ "القدیمۃ الاخریٰ" کے پہلے حصے میں زندگی صرف غیر ذیفقری اور مفصلی مخلوق تک محدود رہی، دوسرے اور تیسرے حصے میں اِن بے استخوان اور مضغہ وش حشرات سے ریڑھ کی ہڈی والے (ذیفقری) بے دست و پا جانور پیدا ہوئے جن کی نشاء اوّل مچھلی سے ہوئی، چوتھے اور پانچویں حصوں میں مچھلیوں کا اعضائی ارتقا اوج کمال کو پونہچا، چھٹے حصے میں پردار مچھلی کے ساتھ ساتھ پیٹ کے بل چلنے والے دابّہ کا ظہور ہوا۔ "الحیات الوسطیٰ" میں بے دست و پا مچھلی اور دابّہ سے پروپادار پرندوں کا ارتقا ہوا۔ پھر "الجدیدۃ القصویٰ" کے زمانے میں دو پاؤں والے پرندوں اور حرازین کے ارتقا سے چار ٹانگوں والے ذات الثدی حیوان پیدا ہوئے جو اِس سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔ اِن انواع شریفہ کا مقدمۃ الجیش "الحیات الوسطیٰ" کے ادنیٰ طبق میں ہی نمودار ہوگیا تھا مگر فرعی ارتقا احسن الخلق انسان پر آکر مکمل ہوا۔ طبیعی حکما کا اندازہ ہے کہ یہ تمام نوعی اور جنسی تبدیلیاں لاکھوں بلکہ کروڑوں برس میں جاکر واقع ہوئیں، اور بتدقیق تمام ہوئیں۔ ادنیٰ مخلوق ہی بلند تر طبقوں میں اُسی ایک سلسلہ توالد و تناسل کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً اعلیٰ مخلوق میں مبدّل ہوتی رہی۔ کسی نئی نوع یا جنس کا ناگہاں اور بلاواسطہ ظہور مافوق الطبیعی یا خارق عادت اصول پر نہیں ہوا جیسا کہ عوام کا خیال ہی۔ قرآن حکیم نے سورۂ نور میں حیوانات زمین کی اِس وحدت اصل و نسل کو، اور جوارح حیوانی کے اِس تدریجی اور سلسلہ وار انقلاب کو اُن غیر مشکوک، پرمعنی، اور نتیجہ خیز مُبیّنات میں ادا کیا ہے جن کے حقیقت کشا انکشاف کو صحیفۂ فطرت میں بچشم خود دیکھکر خدا کی طاقت کا ہر شخص کے دلمیں مشخص ہوجانا، نہیں بلکہ تخلیق عالم اور سرِّ حیات کی اصلیت کے متعلق صراطِ مستقیم کا پتہ لگ جانا یقینی ہے!

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ[1] فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ

† اِس سوال کے متعلق قطعی فیصلہ غالباً پانچویں مجلد سے پہلے نہ ہوسکے گا۔ [1] کُلّ کی تعمیم، مَآءٍ کی تنکیر و تنوین اور خَلَقَ کا لفظ ظاہر کرتا ہی کہ یہاں مراد ایک سلسلۂ تناسل ہی صفحہ ۳۰ کی آیۃ (۲۱: ۳۰) کا اَلْمَآءِ

کیئے ہوئے مسلک و مذہب کا زمین پر حقیقی تمکن، اور معنوی تسلط ہے: وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا[۵] (۲۴: ۵۵)۔ وہ مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی عروج، قومی اور انفرادی تفوق اور علمی اور ذہنی تقدم کی وہ خوشگوار منزل ہے جہاں ایمان اور عمل صالح کی قوت افزا وساطت سے ہر شکست کا فتح میں، ہر فنا کا بقا میں، اور ہر خوف کا امن میں تبدیل ہو جانا یقینی ہے۔

جس طرح ہر متنفس میں بقائے نسل اور تحفظ ارث کی خواہش ایک طبعی امر ہے اسی طرح پر ابتدائے آفرینش سے آجتک، ہر زندہ قوم کا منتہائے نظر قیام سلطنت اور حفظ نسل رہا ہے۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو لفظ استخلاف سے تعبیر کیا ہے، اور ظاہر کر دیا ہے کہ اسلام سے پہلے بھی اقوام عالم میں یہ فطری جذبہ موجود تھا۔ شارع دین نے بعینہٖ اسی قطع کے تخلف کا وعدہ، سابقہ اقوام کی مانند مسلمانوں سے بھی کیا، اور اسی قرینے سے اُس نے جا بجا وراثت زمین کے نام سے موسوم کیا ہے:۔

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ (۷: ۱۲۸)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ان مشکلات کی حالت میں اللہ سے مدد مانگو اور مستقل مزاج بنے رہو۔ زمین تو سب اللہ ہی کی ہے، وہی اپنے بندوں میں سے جسکو مناسب سمجھتا ہے وارث بنا دیتا ہے اور بالآخر جیت تو اُنہی کی ہے جو مقام خدا سے ڈرتے رہتے ہیں۔

---

[۵] اور وہ خدائے عظیم اس دین کو جو اُس نے مسلمانوں کے لیئے پسند فرمایا ہے متمکن کر کے رہے گا، اور اس حالتِ خوف کو بھی جو آج دشمن سے لاحق ہے، امن سے بدل دے گا۔

---

† گویا اس آیۂ کریمہ کے رو سے وارث زمین وہی قوم بنتی ہے جس کے افراد میں صبر اور استقلال بدرجۂ اتم موجود ہو۔ اس بنا پر آیۂ استخلاف کو پیش نظر رکھکر **عملوا الصّٰلحٰت** کی ایک شق صبر ہے۔ استعانت باللہ سے مراد، درگاہ خدا میں عاجزی کرنیکے علاوہ احکام خدا سے استعانت بھی ہے لیکن خود صبر کے معانی بھی آج مسخ ہو چکے ہیں۔ 'یَشَآءُ' کے محولۂ بالا معانی کا ثبوت دیر میں آئے گا۔ 'عَاقِبَة' کے معنی یہاں پر قیامت کی آخرت کے نہیں اور نہ اس سے معانی مربوط ہو سکتے ہیں۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم کسی قوم کی سعی و عمل کا اس دنیا میں منتج بخیر یا بشر ہونا ہے۔ اپنی معنوں میں 'عَاقِبَة' کا لفظ آیۂ: اَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ (۴۰: ۸۲) میں، یا 'اَفَلَمْ' کی بجائے 'اَوَلَمْ' کے ساتھ (۳۰: ۹، ۳۵: ۴۴، ۴۰: ۲۱) میں استعمال ہوا ہے جسکے معنے یہ ہیں "تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیں کہ اُن لوگوں کا کیا بُرا انجام ہوا جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں"۔ 'مُتَّقِينَ' کی تشریح میں ابھی دیر ہے، لیکن ترجمے میں مطالب کی تصریح کر دی ہے۔

یا عرب میں استخلاف اِن خاص معنوں میں نہ تھا، اور نہ عرب کے متخاصم قبائل ایمان اور اعمال صالحہ کا دعوے کر سکتے تھے۔

درحقیقت اِس آیۂ کریمہ میں، شارع فطرت نے مسلمانانِ عالم کے سامنے وہ عظیم الشان دستور العمل پیش کر دیا ہے جو ہر کیفیت میں، اور ہر موقع پر اُن کی انفرادی اور اجتماعی، اعتقادی اور عملی، روحانی اور مادّی زندگی میں کامل طور پر کارآمد ہو سکے۔ اِسی نصاب عمل میں افراد کے اخلاق کی صلاحیت، اعمال کی درستی، اعتقادات کی سلامتی، ہمت کے قیام، قوت کے توازن، دینی بہبودی، اور دنیاوی مرفّہ الحالی کا سامان موجود ہے، اور اِسی ضابطے کے اندر اقوام کے سیاسی غلبے، اقتصادی ترقی، اجتماعی اقتدار، علمی ارتقا، اور تسلّط فی الارض کے جراثیم مخفی ہیں† "استخلاف فی الارض" جسکا وعدہ خدائے پاک نے بلا قیدِ وقت مسلمانوں سے کیا، محض ایک کمزور اور مرنجان و مرنج ملکی تسلط ہی کا دوسرا نام نہیں جو مسلمانوں کو کچھ دیر ہوئی سرزمین عرب پر حاصل تھا، اور اب بھی زمین کے دو ایک ٹکڑوں پر حاصل ہے، بلکہ وہ تمام روئے زمین یا اُسکے بڑے سے بڑے حصّے پر کامل سیاسی اقتدار، اور مکمل اجتماعی اور اقتصادی غلبے کا نام ہے؛ وہ قومی آزادی، عملی بیداری، علمی اور ادبی احیا، جمعی عصبیّت، اور اخلاقی عُلوِّ مرتبت کا وہ انتہائی معراج ہے جو صحیح معنوں میں مسلمانان عالم کو کئی سو سال تک قرونِ اولیٰ و متوسطہ میں حاصل رہا، اور معانی کی خاص حدود کے اندر یورپ کی بعض اقوام کو اِس وقت حاصل ہے؛ وہ مغرب کی سیاسی اصطلاح میں امن کے زمانے میں اپنی بہتری کی خاطر ہر ملّی اور بین الملّی وسیلے کا اختیار، اور ایام جنگ میں اپنے بچاؤ کے لیئے ہر جائز اور مناسب حربے کا استعمال ہے؛ حرمین شریفین کی حفاظت، جزیرۃ العرب کی کامل سیاسی آزادی، اور رسمی خلافت کا قیام و استحکام، اُسکے کُل کا صرف ایک جزو لاینفک ہے؛ وہ آیۂ استخلاف کے الفاظ میں شارع فطرت کی اپنی بنائی ہوئی شریعت، اپنے پسند کیئے ہوئے نظامِ عمل، اور اپنے اختیار

† اِن مہتم بالشان دعاوی کا ثبوت آگے چل کر اِس کتاب میں جا بجا ملے گا۔

اور ہم زبور میں تمام احکام کی شرح و ذکر کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث تو ہمارے صالح العمل بندے ہی ہیں۔ بلاشبہ اسمیں اطاعت گذار قوم کے لیئے ایک بڑا پیغام ہے۔

اور سورۂ زمر کے آخیر میں:-

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝ † (۳۹ : ۷۴)

اور وہ لوگ کہیں گے کہ شکر ہے اُس خدا کا جسنے اپنا یہ وعدہ بھی سچ کر دکھایا، اور اس سے پیشتر زمین کا وارث بھی ہمیں کو بنایا، اب ہم بہشت میں جہاں بھی چاہیں رہیں گے؛ تو دیکھو کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے!

اب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ آیۂ استخلاف میں فاطر ارض و سما نے خاص مسلمانانِ عالم کے ساتھ ایک ایسے کامل سیاسی غلبے کا حتمی وعدہ کیا ہے جو محض سرزمین عرب پر قبضے کے متعلق، یا اس کمزور اور برائے نام خلافت کے قیام پر ہی مشتمل نہیں جسکو یورپ کی خون آشام طاقتیں آج ایک لمحے کے لیئے چین نہیں لینے دیتیں، بلکہ اُسکا نصب العین دنیا کے عظیم تر حصے پر حقیقی اور قرار واقعی سیاسی اور اجتماعی حکومت ہے۔ اِس نعمت عظمیٰ کے حصول کے بغیر نہ تو خدائے پاک کا دین کسی معنوں میں اکنافِ عالم میں متمکن ہو سکتا ہے، اور نہ وہ خوف جو آج ہر سمت سے مسلمانانِ عالم پر طاری ہے کسی طرح امن سے بدل سکتا ہے۔

† یہاں پر لوگوں نے 'الْاَرْضَ' کے معنے ارض جنت لے لیئے ہیں۔ مگر اس دل خوش کن تاویل کی کوئی سند نہیں۔ اَوْرَثَنَا کا ماضی کا صیغہ اور نَتَبَوَّاُ کا حال کا صیغہ اس کا شاہد ہے کہ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ کا واقعہ پیشتر کا واقعہ ہے۔ اور جب الْجَنَّةِ کا ذکر آگے صاف ہو تو خدا کے کلام میں ایک آیت کے اندر یہ بے نتیجہ تکرار پیدا کرنا محض لغو ہے۔

دوسری بات جو غور طلب ہے یہ ہے کہ اس آیۂ کریمہ میں بھی 'فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ'، کہہ کر سعی و عمل پر کسقدر زور دیا گیا ہے۔ گویا عمل وہ چیز ہے جسکا نتیجہ وراثت زمین ہے۔ اور وراثت زمین کا نتیجہ ہی الْجَنَّةَ آخرت میں ہے!

ایک اور اہم بات جو قابل لحاظ ہے یہ ہے کہ ان سب آیات (یعنی (۷ : ۱۲۸)، (۷ : ۱۳۷)، (۲۱ : ۱۰۵) اور (۳۹ : ۷۴) میں بھی 'الْاَرْضَ' کا لفظ مطلق معنوں میں استعمال ہوا ہے کسی خاص حصۂ زمین کی تخصیص اِن میں نہیں جیسا کہ بعض شارحین نے آیۂ استخلاف میں فرض کر لیا ہے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا † (۷ : ۱۳۷)

اور اس مبارک اور زرخیز سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بالآخر ہم نے انہی لوگوں کو کیا جو کمزور گنے جاتے تھے۔ اور خدا کا وعدۂ نیک تو بنی اسرائیل کے حق میں ٹھیک پورا ہوا کیونکہ انہوں نے عزم و استقلال سے دشمن کی سختیوں کی برداشت کی تھی۔

اِسی ضمن میں ایک اور جگہ بعینہٖ آیۂ استخلاف کا مضمون ہے :-

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝ ‡ (۲۱ : ۱۰۵-۱۰۶)

† اِس آیۂ کریمہ میں صبر کا انجام اور بھی واضح طور پر وراثت زمین ہے۔ گویا صبر کے معنی استقلال اور ہر مقامت سے سب مشکلات کا مقابلہ کرتے رہنا ہے، ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا، اور اپنی بربادی کا تماشہ دیکھنا نہیں یہ آیۂ عظمیٰ مسئلہ ارتقا کی تشریح کے ضمن یعنی صفحہ ۱۹ کے تحت المتن میں آچکی ہے۔ مزید تشریح کے لیئے وہاں دیکھنا چاہیئے۔

‡ اِن آیات الٰہی میں وارثین زمین کی مکمل تشریح 'عبادی الصالحون' کے الفاظ میں کردی گئی ہے 'صلاح' کی تعریف از روئے قرآن مجید جامع و مانع ہے۔ علیٰ ہذا القیاس لفظ 'عبادت' کی۔ مگر یہ امر نہایت غور طلب ہے کہ مسئلہ ارتقا کے بقائے اصلح کا مفہوم اِس آیۂ کریمہ (۲۱ : ۱۰۵) کے دعوے کے کسقدر عین مطابق ہے۔ 'عبادت' کا لفظ عبد سے مشتق ہے جسکے معنی غلام کے ہیں۔ اور وہی قوم درحقیقت عابد ہے جو خدا کی عملاً غلام ہے، جو اُسکے قانون اور احکام پر عمل کر رہی ہے۔ ورنہ کوئی رسمی نمازگذار اور باقی احکام سے غافل قوم عابد کہلانے کی مستحق نہیں ہوسکتی کیونکہ ملازمت کی شرط اوّل آقا کے احکام کی تعمیل ہے۔ لیکن 'عبادت' کے متعلق مکمل بحث اصل کتاب میں آگے چل کر جا بجا آئے گی۔

'صلاح' کی ایک اہم شق ہم نے 'صبر' بتلائی۔ لیکن اگر 'صلاح' کے معانی کی ایک جھلک کتاب کے اِس ابتدائی حصے میں دیکھنی ہو تو اِس آیۂ کریمہ پر غور کرنا ضروری ہے جس میں شارع کائنات نے نوزائیدہ بچے کو 'صالح' کہا ہے :

فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَاۗءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (۷ : ۱۸۹-۱۹۰)

پھر جب خاوند کے لطف سے بیوی کا حمل ٹھیر گیا اور وہ رفتہ رفتہ بوجھل ہوتی گئی تو مرد اور عورت دونوں (میں) دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! اگر تو ہمکو یہ بچہ صحیح الاعضا (صالح) متناسب البدن (صالح) جیتا جاگتا (صالح) خوبصورت (صالح) دیگا تو ہم تیرے بڑے ہی شکرگذار ہونگے۔ پھر جب اِن دونوں کو وہ خدائے عظیم صحیح اور سالم، توانا اور تندرست (صالح) بچہ عطا فرماتا ہے تو اُس منعم حقیقی کے ساتھ اُسی انعام دی ہوئی چیز کو شریک کرنے لگتے ہیں، اِس بچے کی محبت میں اسقدر منہمک ہوجاتے ہیں کہ خدا کے برابر اُسکو کردیتے ہیں، اُسی کو اپنا بت بنالیتے ہیں۔ تو لوگو! خدائے عظیم اُس ٹلے سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے جو یہ لوگ اُس سے شریک کرتے ہیں۔ (پچھلے حصے کا ثبوت بعد میں آئے گا)

اِن آیات سے واضح ہے کہ بچے کا صالح ہونا اسکا فی الحقیقت بے نقص اور تندرست، صحیح الاعضا اور سالم الجسم ہونا ہی ہے۔ یہی ڈر ماں باپ کو حمل ٹھیرنے کے بعد لگا رہتا ہے۔ ورنہ ماں کے پیٹ سے بچے کا نیک پیدا ہونا بے معنی ہے اور نہ یہاں جوان بنکر نیک ہونیکا ذکر ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے صالح قوم وہی ہے جسکا ہر عضو درست ہو، متناسب ہو۔ بڑھا گھٹا نہ ہو، اُسکے ہر حصے میں یکساں بیداری ہو، حیات کا جوہر لطیف اُسکی ہر رگ و پے میں دوڑ رہا ہو وغیرہ وغیرہ جبتک مسلمانانِ عالم اِن معنوں میں صالح رہے وراثت زمین اُنکے پاس رہی۔ جب صلاح کے معنی محدود ہوگئے تو اِس آیت (۲۱ : ۱۰۵) کی نافرمانیاں بھی ہوئے لگیں مگر کلام خدا کے صحیح مفہوم میں ردّ و بدل قطعاً محال ہے۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (۶ : ۱۱۶) اِسکی شہادت ہے۔

دس نجاتے ہو، تمہارا عزم صمیم اور سچا ایثار ہی تمہارے لیئے پیغام بقا ہے ؛ دشمن کے ہجوم نے ایک لمحے کے لیئے تم کو مرعوب اور بے بس کر دیا ہے ، مگر میرا تم سے وعدہ ہے کہ اگر تم میں یہی خوبیاں رہیں تو تم نہ صرف خانہ کعبہ کے قطعی محافظ ، اور سرزمین عرب کے حقیقی وارث بنو گے بلکہ کسریٰ کی دیرینہ عظمت کے اصلی حقدار ، اسکندر کی عالم آرا سلطنت کے مسلّم جانشین ، بکرماجیت کی بھارت کے سچے سپوت ، اور قیصر کے دنیاوی جاہ و ابہت کے بہترین خلف ٹھیرو گے !

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ † اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝ (۱۴ : ۱۳-۱۴)

اور منکرین خدا نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال باہر کرینگے یا ہار کر تم پھر ہمارے مذہب میں آملو گے ۔ اسپر خدا نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم بدستور اپنی سعی میں لگے رہو ہم یقیناً ان ظالموں کو ہلاک کر دینگے اور ان کے پیچھے تم ہی کو اس سرزمین میں بسائیں گے ۔ یہ صلہ اس قوم کا ہے جو میرے مقام و منصب سے ڈر کر میرے احکام کی اطاعت کرتی رہی ، اور جسنے میرے عذاب سے بچنے کی کوشش کی ۔

اِس بحث و تمحیص کے بعد یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ آیہ استخلاف مسلمانوں کے ساتھ وراثت زمین کے متعلق ایک **مشروط وعدہ** ہے ، اجتباری اور بلا قید شرط نہیں ۔ جب تک مسلمانانِ عالم **ایمان** اور **اعمال صالحہ** کے صحیح مفہوم پر کم و بیش قائم رہے زمین کے ایک عظیم تر حصے کی وراثت اُن کے قبضے میں رہی ، دین اسلام کا تمکن مستقل ہوتا گیا ، اور یکے بعد دیگرے ہر مخالف طاقت کا خوف امن سے بدل گیا ۔

---

† اس موقع پر "اَرْضِنَا" سے مراد منکرین خدا کا وطن ہے اور اس لحاظ سے (۱۴ : ۱۴) میں "الْاَرْض" کے معنے بلا شبہ اُسی مخصوص سرزمین کے ہیں ۔ مگر آیہ استخلاف یا اور متذکرہ صدر آیات میں جہیں "الْاَرْض" کا لفظ واقع ہے تخصیص ایسے نہیں ہو سکتی کہ ان میں کسی خاص وطن کا ذکر نہیں

‡ یہاں صاف ظاہر ہے کہ "مَنْ" کسی فرد واحد کے لیے نہیں آیا بلکہ تمام قوم کے لیے استعمال ہوا ہے ۔ اجتماعی حرف موصول کی اس قطع کی مثالیں قرآن حکیم میں آگے چل کر جا بجا ملیں گی ۔ ایک مثال مسئلہ اتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۳۱ ، آیہ (۷ : ۳۵) ، میں گذر چکی ہے ۔ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

یہ آیت اُسوقت نازل ہوئی تھی جب دینِ الٰہی کے سچے علمبرداروں، اور بے ریا عمّالوں کی ایک چھوٹی سی جماعت، کفارِ مکّہ کے سلوک سے تنگ آکر مدینے میں پناہ گزین ہوگئی تھی۔ دشمن کے پے در پے حملوں کے باعث خوف و ہراس ہر طرف طاری تھا؛ مجبوری اور بے چارگی کا یہ عالم تھا کہ ایک لمحے کے لیے بھی ہتیار بدن سے جدا نہیں ہوسکتے تھے؛ مَردوں اور یتیموں کی نیم شبی آہیں، اور عورتوں اور بوڑھوں کی صُبحگاہی دعائیں آسمانوں کو ٹکرا رہی تھیں۔ مایوسی اور اضطراب کی ان گھڑیوں میں، خدائے پاک کی غیرت نے جوش زن ہوکر مُسلمانوں کو بشارت دی کہ اگر تمہارے ایمان میں یہ استواری، اور اعمال میں یہ صلاحیت ہے تو یقین جانو کہ دنیا کی کوئی طاقت تم کو مقہور و مغلوب نہیں کرسکتی؛ تم خدائے واحد کے پرستاروں کی ایک عاجز اور حقیر جماعت ہو، مگر یاد رکھو کہ قادرِ مطلق کی جناب میں تمہارے کاموں کی حقیقی وقعت، اور تمہارے ایمان کی سچّی قدر ہے؛ تمہارے سینوں میں صداقت کے موجزن دریا، اور حقانیت کے اُمڈتے ہوئے طوفان ہیں؛ تمہارے دلوں میں خدا کی محبّت کا سچّا ولوع، اور رسول کی اطاعت کا سچّا ولولہ ہے؛ تم بے خان و ماں ہو، مگر تمہاری نظروں میں آخرت کی لازوال متاع، اور عقبیٰ کی راحت افزا منزل ہے؛ تم بے سر و سامان ہو، مگر تمہاری اَتھک کوششیں اور اتحادِ عمل ہی خدا کی دائمی نصرت کا سامان ہیں؛ تم قلیل التعداد ہو، مگر جہاں جاتے ہو استقلال کے فرشتے تمہارے ہمرکاب، اور حوصلوں کے غیبی لشکر تمہاری تائید پر ہوجاتے ہیں: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۝ (۳۳ : ۹)[۱]؛ تم ایک ہو، مگر قوتِ ایمان اور صلاحِ عمل کی برکت سے

[۱] اے ایمان والو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا تھا جب کہ تم پر لشکر کے لشکر آچڑھے تھے۔ تب ہم نے اُن پر آندھی بھیجی اور اسکے علاوہ اور لشکر بھی جو تم کو دکھائی نہ دیتے تھے۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ اللہ تمہارے مردانہ وار اعمال کو بغور دیکھ رہا تھا اور تمہاری تائید و نصرت پر بہمہ وجوہ تُلا ہوا تھا۔

† ۵ھ ہجری میں غزوۂ خندق کے موقع پر اس جلیل القدر آیت کا نزول ہوا۔ آیت کے آخری حصّے "وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا" سے ضمناً یہ ظاہر ہے کہ صدرِ اسلام کے مومنوں کا سعی و عمل ہی نصرتِ خدا کا باعث ہوا تھا، نیز یہ کہ شارعِ کائنات کی توجہ سعی و عمل کی طرف کس قدر ہے اور اسکا انعام کیا ہے۔

کامل صلاحیت کو **ایمان** سے، اور عبادات اور معاملات کی کامل درستی کو **اعمالِ صالحہ** سے تعبیر کرکے شریعت اور سیاست کی بُنیاد ایک پتھر پر رکھدی۔ اور چند برسوں کے اندر اندر عرب کے اِن سیہ کار اور فاقہ مست گداؤں کو شناسائی خدا کے ساتھ ساتھ بادشاہتِ زمین کی ہر رمز سے آگاہ کرکے عالم ستانی کے لائق اور جہانبانی کا اہل بنادیا!

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيْرًا ۝ (۱۷: ۹)

بیشک یہ قرآن اپنے عالموں کو اُسطرف لیجاتا ہے جو سب سے زیادہ راست اور قیام آفریں ہے اور اُن صاحب ایمان لوگوں کو جو صالح العمل ہیں بشارت دیتا ہے کہ اُنکے لیئے بڑا اجر ہے۔

پس اگر آج تیرہ سو سال کے بعد اسلام کا لہلہاتا ہوا چمن مایوسی اور شکست کی ماتم سرا بن گیا ہے، اگر آج اُسکی ہر روش بربادی کے سپرد، اور اُسکا ہر گوشہ خرابی کا امین بن چکا ہے، اگر اُسکی بدطالعی اور خانہ ویرانی کے افسانے دشمن کے شکر خند اور قہقہے بن رہے ہیں، اگر اسکی بے آبروئی اور فاقہ مستی کا ماجرا شرمندۂ بیان اور رُوکشِ تشہیر نہیں رہا، اگر آج اُسکی ذلت اور مسکنت کی چوٹ جگروں کو فگار اور سینوں کو پاش پاش نہیں کرتی، اگر بے حسی کے موت آفریں زہر نے آج اُسکے ہر فرد کو بے پروائے سعی اور بیگانۂ عمل کردیا ہے، اگر افلاس کی غیرت اور بیچارگی کی آن آج اُسکو منت کشِ چارہ گر ہونے نہیں دیتی، اگر اس کی نعش جاں سپار پر آج ایک سچا ماتمی اور نوحہ گر موجود نہیں، نہیں نہیں، اگر اسکے عزاداروں کی آسماں رس فغاں اسکے بخت خوابیدہ کو جگا نہیں سکتی، اگر اسکے یتیموں کے دلفگار آنسو، اور بھوک منگوں کی جاں گداز آہیں فرشِ زمین میں شگاف اور سقفِ آسمان میں سوراخ نہیں کرتیں، اگر اسکے پسماندوں کی محشر انگیز سینہ کوبیاں اللہ میاں کے عرش کو متزلزل نہیں کرتیں، اگر خدائے پاک کی غیرت اور شانِ عفو، زمیں پاش سجدوں اور فلک شگاف دعاؤں کے باوجود، جوشِ زن اور متحرک نہیں ہوتی، اگر آج محبوبِ خدا اور حبیبِ ملت نبیؐ کی **شفاعت** بھی اُمت کے حق میں کارگر ہوتی نظر نہیں آتی، نہیں العیاذ باللہ نہیں! اگر خود اُمت اپنی مجرمانہ غفلت اور ظالمانہ طریقِ عمل،

قرآن کی اعجاز نما تعلیم نے ایک اقلِ قلیل مدت میں عرب کے رہزنوں اور مردم کُش وحشیوں کو روحانیت اور ایمان کے حلقۂ اثر میں لاکر، اُنکی کایا پلٹ دی۔ ریگستان کے اِن بے مُہار حُدی خوانوں کو، جن کی زندگیاں سالہا سال سے ریت کے چٹیل اور خشک میدانوں میں تشنۂ امل اور آوارۂ مراد کٹتی تھیں، خدا کی حبل متین میں جکڑ کر کامران صلاح اور سُبک گامِ عمل کردیا۔ بداعمالی اور فسق کے یہی آزادہ رَو بندے، جن کے ہر فرد کو قتل و غارت پر ناز، اور ہر شخص کو بدکاری کا اِدّعا تھا، چشم زدن میں طاعت کی لذّت اور عشق خدا کی خلش سے آشنا ہوکر، عبودیت کے رہ نورد بن گئے۔ اخلاق کی درستی کے ساتھ ساتھ دنیاوی اعمال میں صلاحیّت آگئی۔ وہی طاقتِ عمل جو داحس اور بسوس† کی خانہ جنگیوں میں قومی تخریب کا باعث ہوا کرتی تھی، قرآن کی حُسن تجویز سے اعلائے حق میں صرف ہوئی؛ وہی خوش اعتقادی جو لات و منات، ہُبل و عزّیٰ کی جاہلانہ پرستش سے قبائل عرب کو نصیب تھی، خدائے واحد کی سرفروشانہ عبادت سے بدل گئی۔ بالآخر ایمان کے اِنہی بے محابا فدائیوں، اور عمل صالح کے اِنہی نامصلحت اندیش، والہوں نے باطل کو دنیا سے یک قلم محو کرکے، اُسکے ہر گوشے میں صداقت کی گونج اور فدویّت کی ہیبت پیدا کردی! کلامِ الٰہی نے منتشر قوتوں کو جمع، کمزور جذبات کو مضبوط، اور نفسانیّت کو مغلوب کردیا۔ وحشیانہ عادات کو مناسب سطح پر لاکر، اقتصاد اور میانہ روی کی ہدایت کی۔ حسیّات ملّیہ کو متحرّک اور وسیع الاثر کرکے عالم گیر اسلامی اخوّت کا سبق دیا۔ نیّتوں کی راستی اور ارادوں کی درستی کو اعمال کے عواقب پر مقدّم کرکے ہیجانِ عمل پیدا کردیا۔ جائز مراسم اور مفید روایات کو مفید تر پیرائے میں بدلکر پھر رائج کیا۔ الغرض ارادات اور اعتقادات کی

† زمانۂ جاہلیّت کی دو مشہور خانہ جنگیاں حرب بسوس اور حرب داحس کے نام سے موسوم ہیں۔ اول الذکر لڑائی بنی بکر اور بنی تغلب کے درمیان ۴۹۴ء میں شروع ہوئی اور چالیس برس تک جاری رہی۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ ایک شخص کا اونٹ کھیت میں چلا گیا۔ کھیت والی نے اونٹ کو مارا بلکہ غصّے میں آکر اُس کے تھن کاٹ ڈالے، اِس پر فریقین میں لڑائی چھڑ گئی۔ پھر رفتہ رفتہ عرب کے سب قبائل اس لڑائی میں شریک ہوگئے، اور ستر ہزار آدمی اس خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھے۔ حرب داحس گھوڑ دوڑ میں کسی شخص کے گھوڑا بدکانے پر ۵۶۸ء میں شروع ہوئی اور تریسٹھ برس تک جاری رہی! اِس لڑائی کا خاتمہ اُس وقت ہوا جب بعض قبیلے حلقہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ مگر قبیلوں کے قبیلے اُس وقت تک کٹ مرے تھے!

آج قرآن کی سچی عظمت دلوں سے محو ہوگئی ہے! اُسکے عالم افروز مطالب اور محیر العقول معانی کو دلنشین کر دینے والے دس متنفس زندہ نہیں رہے؛ اُسکے حیرت انگیز ربط اور مکمل لائحہ عمل کو عیاں کرنے والا ایک فرد باقی نہیں رہا! اُسکی برہان ساطع اور حکمت لامعہ، رسمی ادب اور سطحی تعظیم کے گرد آلود جزدانوں اور ریشمین غلافوں کے اندر سربلند طاقوں میں چھپی ہے؛ اسکی حجت قاطعہ، زبان کی عام نافہمی، تراجم کی حسرت آفرین کمی، اور مطالب کی نفرت انگیز تشریحوں کے باعث ہجر و ہذیان بنکر دردناک کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہے۔ طہارت کے سقیم عذروں، رموزِ اوقاف اور اسالیب قرأت کے فوق الضرورۃ خوف آلود فتواؤں نے اِس عظیم الشان کتاب کو اور بھی متروک و مہجور کر دیا ہے۔ اِسکے کھلے کھلے احکام کے مطالب، اور سیدھی سادی آیتوں کے معانی بھی لغت، صرف و نحو، علم الانشا، علم المعانی، علم البیان، علم البدیع، علم رسم الخط وغیرہ وغیرہ، کے اُن لامتناہی نکات اور مصنوعی رعایات کی شرح و بسط کے نیچے دب گئے ہیں جو عرب زباں دانوں نے محض اپنی زبان کو جلا دینے کی خاطر ترتیب دیئے تھے۔ قرآن کا صحیح مطالعہ عرب تو درکنار، دنیائے عجم کے نزدیک بھی آج زیادہ تر انہی غیر متعلق علوم و فنون کا شبانہ روز درس و التزام ہے جو اہل عرب نے خود قرآن ہی کو معیارِ فصاحت و بلاغت مان کر اُسی کے تتبع میں قرنوں† بعد اختراع کیئے تھے۔ مسلمانوں کا دردانگیز قحط عقل، اور اُن کی مضحکہ خیز کم فہمی آج عرب کی کورانہ تقلید میں مغز کو چھوڑ کر پوست کی محبت میں گرفتار ہے، اور قرآن کی نہایت ادنیٰ، وہمی، اور سطحی فضیلت کو اہل غرض کی

† علم نحو کی ابتدا خلیل ابن احمد (المتوفی ۱۷۵ھ ۷۹۱ء) سے ہوئی، اگرچہ ابو الاسود الدؤلی (المتوفی ۶۹ھ ۶۸۸ء) نے اس موضوع پر چند ابتدائی تقاریظ لکھیں۔ سیبویہ (المتوفی ۱۸۰ھ ۷۹۶ء)، اور کسائی (المتوفی ۱۹۰ھ ۸۰۵ء) نے بعد ازاں اس فن کو مستقل کیا۔ علم صرف عام طور پر کسائی سے منسوب ہے مگر اسکا اصلی موجد ابو عثمان بکر بن محمد مازنی بصری (المتوفی ۲۴۸ھ ۸۶۳ء) ہے۔ علم لغت کی ابتدا ابو عبیدہ (المتوفی ۲۰۸ھ ۸۲۵ء) نے کی۔ علم انشا کا ظہور ابو جعفر منصور عباسی (المتوفی ۱۳۶ھ ۷۵۴ء) کے عہد میں ہوا۔ علم المعانی والبیان پر پہلی کتاب غالباً عبد القادر جرجانی (المتوفی ۴۷۱ھ ۱۰۷۹ء) نے خلیفۃ المقتدی باللہ کے عہد میں لکھی۔ علم بدیع کا موجد ابن المعتز (المتوفی ۲۹۵ھ ۹۰۸ء) ہے جو خلیفۃ المعتز کا بیٹا اور المعتمد باللہ کا بھائی تھا۔ درس و تدریس قرآن کے متعلق باقی فنون کی ابتدا بھی نزول قرآن کے قرنوں بعد ہوئی۔ کتاب الٰہی کا مطالعہ صدر اسلام میں ان تمام تکلفات سے بے نیاز ہوکر ہوتا رہا۔ لیکن کیا ان فنون کی عدم موجودگی میں آج کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے عہد کے مسلمان قرآن کے مطالب سے بعد کے مسلمانوں کے بالمقابل کم آشنا تھے، یا اُس کی نبوی تعلیم اور معنوی خوبیوں سے کم واقف تھے؟

عداوتِ رسولؐ اور عصیانِ خدا کے باعث رحم کی قطعی غیر مستحق، اور شفاعت کی یقیناً نااہل ہوگئی ہے۔ اور آسمانی اور زمینی بلائیں آج ہر طرف سے اُسکے اُجڑے ہوئے جھونپڑوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ویران کر رہی ہیں تو اِسکی وجہ یہی ہے کہ مسلمان قرآن کے مقاصد سے قطعاً ناآشنا ہوگئے ہیں اور **ایمان** اور **اعمالِ صالحہ** کے اصلی مفہوم سے کوسوں دور جا پڑے ہیں!

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ○ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ○ (۲۵: ۳۰-۳۲)

اسوقت رسولؐ پاک اللہ کی جناب میں بصد حسرت عرض کرینگے کہ آہ! اے میرے پروردگار میری اُمّت نے تیرے اِس بھیجے ہوئے قرآن کو لغو سمجھکر چھوڑ دیا؛ اور بعینہٖ اسطرح ہم نے ہر نبی کی مخالفت میں احکامِ خدا سے مجرمانہ تغافل کرنے والوں کی ایک جماعت بنا رکھی ہے، مگر اس مایوس کن حالت میں بھی تمہیں راہ سجھانے اور مدد کرنے کو تمہارا پروردگار بس ہے۔ اور آج منکرینِ خدا جو اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن سارے کا سارا ایک دم سے رسول پر کیوں نہیں نازل کیا گیا اور جستہ جستہ کیوں اُترا، فی الحقیقت مناسب یہی تھا کیونکہ ہم اُنکو مطمئن کرنے کی بجائے سب سے پہلے اسکی صداقت اور عظمت کو تمہارے دلنشین کرنا اور تمہارے قلب سلیم کو مطمئن کرنا چاہتے تھے۔ اور اسی غایت کو پیشِ نظر رکھکر ہم نے اسکو ٹھیر ٹھیر کر اُتارا کہ اسکی ایک ایک آیت کی اہمیت کو تمہارے دل پر کالنقش فی الحجر کردیں۔

---

* 'قوم' کا لفظ قرآن کریم میں مختلف جگہ پر خاص اُس اُمت کے لیے آیا ہے جس کی ہدایت کے لئے کوئی رسول بھیجا گیا ہو۔ مثلاً آیات (۶: ۶۶)، (۱۱: ۳۶)، (۲۳: ۴۴)، (۴۳: ۵۷) میں، اور بالخصوص آیہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (۱۴: ۴) میں، "اور ہم نے کوئی رسول اپنے ہاں سے نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ ہمارا پیغام اُسی زبان میں لے جاتا ہے جو اُسکی قوم کی ہے تاکہ اُنپر ہمارے منشا کو غیر مشکوک طور پر واضح کردے"۔ جس سے ظاہر ہے کہ متذکرہ صدر آیت (۲۵: ۳۰) میں قرآن کو لغو سمجھکر متروک کردینے کا اشارہ بالخصوص قومِ عرب کی طرف ہے۔ اور چونکہ کتاب خدا کے عربی زبان میں ہونے کے باعث، اس کے مقاصد اور مطالب اہلِ عرب کو، عجم کے بالمقابل، بدرجہا واضح تر ہونے چاہیئے تھے، اسلیئے آج فقدانِ مطالب کی اکثر ذمہ داری اہلِ عرب کی گردن پر ہے۔ نہ باقی دنیائے عجم پر۔ آیندہ اوراق میں چلکر بتایا جائے گا کہ اسلاف صالحین سے قطع نظر جن کے سلیم الذہن طبقے قرآن کے عظیم الشان مطالب سے کماحقہٗ واقف تھے، اور جن کے علم و عمل نے ہی فی الحقیقت اسلام کو تمدن کے فلک الافلاک تک پونہچادیا تھا، اخلافِ عرب نے کتابِ خدا کو ہجر و ہذیان بنانے میں کسقدر مستقل حصہ لیا۔ اسکے مطالب میں کیا کیا آمیزشیں کرکے ایک نیا کورس سے بیزار کردیا۔ آج اِس زمانے میں بھی مسلمانانِ عالم کے اکثر مذہبی اور معاشری، تمدنی اور اجتماعی معاملات میں اہلِ عرب کا روایتی اقتدار اس انتہائی حد تک نمایاں ہے کہ اسلام کی موجودہ حالت کی اکثر ذمہ داری بھی اہلِ عرب پر ہی عاید ہوتی ہے۔ اسلام کی داستانِ زوال کے ہر مرحلے میں یہ امر اسقدر روشن ہے کہ تاریخ کے ہر وسیع النظر طالب العلم کا اس تلخ حقیقت سے انکار کرنا قریباً محال ہوگیا ہے۔

اِن نامراد قضیّوں میں پڑکر مُسلمان قرآن کی حقیقت سے اور بھی دور ہو گئے۔ جمہور عُلمائے دین کی اعتقادات میں بالغ نظری اور معاملات کی طرف کم نگہی آج ایک بہت بڑی حد تک اِسی مفسدانہ اور شر انگیز فلسفیانہ اجتہاد کا بقیّہ ہے۔

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ (۲۳: ۵۲-۵۴)

اور مسلمانو! یاد رکھنا کہ یہ تمہاری اُمّت اپنے اصل و اساس کے اعتبار سے ایک ہی گروہ ہے جو میری سرکردگی اور سرداری میں قائم ہے، اور وہ اصل مقامِ خدا کا خوف ہی پس مجھ ہی سے ڈرتے رہو، اور مشترک خوف کے باعث ایک اُمت بنے رہے ہو۔ آہ! لیکن خدا کا خوف اُن سے زائل ہوتا گیا، اور لوگوں نے آپس میں پھوٹ پیدا کر کے اپنا اپنا مسلک جُدا کر لیا۔ اب ہر فرقہ اپنی اپنی بات پر خوش ہے۔ پس اِن سب کو غفلت میں پڑا رہنے دو۔ یہاں تک کہ امرِ الٰہی اُنکے اِس گناہِ عظیم کی پاداش میں سب کا فیصلہ کر دے!

علم کی صداقت آزما فضا، اور عمل کے فیصلہ کن میدان میں آج اِس **یونانی فلسفے** کی دھجیاں اُڑ چکی ہیں۔ سطحی خوب صورتی، لفظی نزاع، غلط مقدمات، ظنّی استدلال، عقر نتائج، وغیرہ وغیرہ، کوئی ایسی مد نہیں جسکے رو سے اسکی اصلیّت، حسب نسب، اور نامۂ اعمال کی قلعی نہ کھل گئی ہو۔ خود مسیحی یورپ بھی آج اپنے کمال قوت اور عدیم المثال تمکّن کے غرور میں کبھی کبھی اِس پرانی، باتونی، اور بے وفا معشوقہ کی داستان دل لگی اور افسوس کے طور پر لے بیٹھتا ہے جسکی دلفریب باتوں کی بلائے محبت میں وہ مسلمانوں کی شہ پر دو سو برس تک گرفتارِ وصال اور منتظرِ نتائج رہا۔ مگر مسلمان ہیں کہ ایک ہزار سال سے زیادہ اِس راندۂ عالم اور مضعفِ یقین، اِس تہیدست اور قلاش محض عجوزہ کے تبسّم نمالبوں اور عشوہ سنج نگاہوں کے

✤ حاکمِ وقت کا خوف بشرطیکہ سچا خوف ہو رعیّت کے افراد کے مابین سچا اتحاد پیدا کر دیتا ہے۔ اگر کوئی جماعت کسی ایک شخص کے ماتحت رہ کر متحد نہیں ہوئی تو اسکو لامحالہ اُس حاکم کا کچھ خوف نہیں۔ خوف کے ہوتے ہوئے تفرقہ ناممکن ہے۔ اور یہ بات ہر منتظم محکمے اور ادارت میں روزمرہ نظر آتی ہے۔ پس تقوے اور اتقا کی ایک اہم قرآنی شق اتحاد اور وحدت اُمّت ہے۔ اور وہی قوم دراصل متقی ہے جو خوف خدا کے باعث متحد بنکر رہے! اِس عالم آرا اصول کی تائید آگے چلکر جا بجا ملے گی۔ یہاں پر اِس سے بحث نہیں۔

اپنی بنائی ہوئی دلیل، اور اپنی پیدا کی ہوئی سند سے ثابت کرنے کی لاطائل سعی کر رہی ہے!

تو سرما دیدۂ بر شعلہ می تازی ز خاکستر

بہ بینی حسن خاکستر چو در روشنگراں بینی

آہ! اِس المناک تکلف اور مجرمانہ ظاہر پرستی کا خمیازہ مسلمانوں کو آج اُٹھانا پڑا ہے جبکہ صدیوں کے اِس بے سود اجتہاد، اور تضیع وقت نے اُنہیں اپنی محبوب کتاب کے مہتم بالشان مقاصد سے اِسقدر علٰحدہ اور دائمی بہبودی کے حیرت انگیز دستور العمل سے اِسقدر دور کر دیا ہے۔ کاش! جس تصنّع اور ظاہر نوازی سے خلیل ابن احمد، ابو الاسود الدؤلی، سیبویہ، کسائی، قطرب اصمعی وغیرہم نے قرآن کو ادب و بلاغت کی صحیح محک مان کر اُسے کئی ایک مستقل علوم ادبیہ کا ماخذ و مصدر قرار دیا تھا اگر رازی، ابن رشد، فارابی، ابن حزم، اشعری وغیرہم علیہم الرحمۃ بھی کتاب الٰہی کے دروں کو قانونِ فطرت کا صحیح ضابطہ، اور مشیت خدا کی صحیح تصویر مان کر اُسی طریقے پر مستقل اور ناقابلِ ردّ علوم الکلام اور علوم الطبیعۃ کی بنیاد ڈالتے، اور قرآن کا تمام ضابطہ عمل عیاں کر دیتے، تو آج اسلام اِس اندوہناک مصیبت میں مبتلا نہ ہوتا۔ برخلاف اِسکے علم کلام میں مسلمانوں کی تمام تر سعی نہایت نازک اور خارج از بحث، مابعد الطبیعی اور غیر مفید موضوعوں کے غلط استنباط اور غلط اجتہاد میں صرف ہوئی۔ معارفِ الٰہی، اوصافِ نبوّت، ماہیّتِ وحی، حقیقتِ روح، بحث امامت، جبر و قدر، احوالِ قیامت، عذاب قبر، خلقِ قرآن، وغیرہ وغیرہ، ایسے مسئلے تھے جن سے کسی غائر نظر کے بعد بھی کوئی یقینی فائدہ یا قطعی نتیجہ مترتب نہیں ہو سکتا تھا۔ یونان کے ضعیف اور لفاظ، غیر مستند اور خیال آرا فلسفے نے اِن مباحث کو چھیڑ کر مسلمانوں کے اعتقادات میں دردناک تصادم پیدا کر دیا۔ اہلِ سُنّت اور شیعہ، خوارج، معتزلہ، قرامطہ وغیرہا کے علاوہ جبریہ، قدریہ، مُشبّہ، مُرجیہ، باطنی، ناصبی، غالیہ، وغیرہ وغیرہ بیسیوں فرقے اسلام میں پیدا ہو گئے! اجماع امت شک میں تبدیل ہو گیا؛ قرآن کے مطالب کی تنظیم و تنسیق قطعاً رک گئی؛ استدلال کا تمام تر رجحان معتقدات اور ظنّیات کی طرف ہو گیا؛ معاملات اور یقینیات کی طرف توجہ نہ رہی؛

درس تو درکنار، اُسکے اوراق پر اُنگلی بھی نہیں رکھنے دیتے۔ یہی معنی رکھتا تھا کہ تم اِس پاکیزہ کتاب کے خدائی مقولات اور اَنمول جواہرات کو یونانی فلسفے کے ناپاک سنگِ امتحان پر رگڑ رگڑ کر، اپنی ہی ناقص عیاری اور نااہلی کا ثبوت دو، اور دنیا کو ابدالآباد تک محوِ حیرت اور شرمسار کر دینے والی صداقتوں کے مابین الدّفتین خزانوں کو

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۵۰) اِس آیت میں کسی بات سے منع کیا گیا ہے اور نہ اِنہا مقصود ہے بلکہ معترضین کو کتابِ خدا کے مفید عام ہونے، اسکے علم کے سب انسانی علم و خبر سے بالاتر ہونے، اور اسکی تعلیم کے مصدر عزّت و امن ہونے کا دعوٰے حیرت انگیز الفاظ میں پیش کیا گیا ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝ (۵۶: ۷۵-۸۵)

تو اے راہ گم کردہ غفلت زدو! اور اے احکام خدا کو مکر سے ٹالنے والے بہانہ سازو! (الفاظ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝ (۵۶: ۵۱) کا ترجمہ، جو اس سے پیشتر آچکے ہیں، اور جہاں سے برابر مُكَذِّبِيْنَ قرآن اور ضَآلِّيْنَ کی طرف خطاب ہو رہا ہے۔ حتّٰی کہ (۵۶: ۹۲) میں بھی انہی الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ کی طرف عود کیا گیا ہے،) میں تم کو آسمان کی اِس پہنائے بیکران میں کروڑوں میل بلند ستاروں کے مقامات عالیہ کو گواہ ٹھیرا کر کہتا ہوں (اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ ۝) اور بگوش ہوش سن لو کہ اگر تم کو علم ہوتا تو سمجھ لیتے کہ اِن آسمانی رصدگاہوں کی شہادت ایک بہت ہی بڑی اور قطعی شہادت ہے، کہ یہ قرآن عظیم ایک بڑی ہی بلند پایہ (كَرِيْمٌ)، بڑی ہی قابل قدر و عزّت (كَرِيْمٌ)، بے حد لائق غور و خوض (كَرِيْمٌ)، اور فراخور اعتنا و انہماک (كَرِيْمٌ) کتاب ہے۔ ہمارے نزدیک اس کے احکام کی عزّت، اِسکے مضامین کی قدر و منزلت، اُن کی اہمیّت، ضرورت اور نافعیّت، فی الجملہ اسقدر ہے کہ گویا کئی تہوں میں رکھے ہوئے (مَكْنُوْنٍ) انمول موتیوں کی طرح بین الدّفتین لپٹی پڑی ہے، جسکو بوجہ اس کے نایاب اور بے بہا ہونیکے پاک صاف اور اہل آدمیوں کے سوا کوئی چھونے نہیں پاتا (لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝) کم فہمو! قدر شناس انسانوں کے دلوں میں اس کتاب عزیز کے احکام کی یہ وقعت کیوں نہو، یہ تو ایزد بے مثال کا اُتارا ہوا کلام ہے جو مخلوق زمین و آسمان کا پالنے والا ہے، اور سب کو امن و راحت دینا جسکا اولین پیش نہاد ہے (رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ)۔ تو کیا تم ایسے قابل قدر، ایسے منفعت بخش اور اسقدر نایاب کلام سے مداہنت اور مسامحت روا رکھو گے (اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝) کیا اِن بے بہا احکام کی تعمیل سے گریز کرنا، ان کو جھوٹ سمجھکر اُن سے بے اعتنائی برتنا اپنا روزینہ اور ذریعہ معاش بنالوگے (وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ)! تو خیر کچھ پرواہ نہیں شوق سے کرو، لیکن اے اجل زدو! اس فرمان خسروی کو اُسدن کیوں نہ جھٹلاؤ جب کہ اجتماعی شکست و ریخت کے قیامت انگیز سمے میں تم میں سے ایک ایک فرد کی جان بدن سے کھچکر حلق میں آپونہچے گی، اور تم اُسوقت ٹکر ٹکر پڑے دیکھ رہے ہوگے اور ہرگز کچھ نہ کر سکوگے! پھر اُسدن ہم تم سے بھی زیادہ تمہارے حلق سے قریب تر (اَقْرَبُ اِلَيْهِ) کھڑے تمہارا گلا گھونٹ رہے ہونگے، اور تم کو خبر تک نہ ہوگی (وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ)!

اِس مربوط ترجمے سے جس میں ہر آیت کے مطالب کو بعد کی آیت سے سلسلہ وار پیوست کر دیا گیا ہے، یہ ظاہر ہے کہ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کے الفاظ احکام الٰہی کی قدر و منزلت کو ساکنانِ زمین کی نگاہ میں عیاں کر دینے کے لیے بطور استعارہ استعمال کیے گئے ہیں۔ کتاب خدا کو آیہ (۵۶: ۷۷) میں كَرِيْمٌ کا خطاب دیا ہے اور آیہ (۵۶: ۷۸) میں اسکے تکرّم کی توکید مزید لفظ مَكْنُوْنٍ سے کر دی ہے۔ گویا یہ کتاب وہ دُرِّ شہوار اور وہ گوہر نایاب ہے کہ موتیوں کی طرح تہوں میں لپٹی پڑی ہے۔ یہ کسی شے کو لپیٹے رکھنا ہی انسان کے نزدیک انتہائی تعزّز کا معیار رہا ہے، اور بعینہ یہی تشبیہ رب جلّ و علیٰ نے حوران بہشتی کے متعلق آیہ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۝ (۵۶: ۲۳) میں فرمائی ہے، گویا وہ حوریں تہوں میں رکھے ہوئے موتیوں کی مانند ہیں۔ حوروں کا فی الواقع لپٹی ہوئی ہونا نہ یہاں مراد ہے اور نہ قرآن کا عرش معلّٰی پر آیت زیر بحث (۵۶: ۷۸) میں، بلکہ مقصود احکام خدا یا انعام خدا کی قدر و قیمت

گھائل ہیں اور اپنی دینی اور دنیاوی کشائش کی راہ ابتک اس ناپاک فلسفے کے قدموں تلے دیکھ رہے ہیں! کیا خدائے پاک کا تنبیہی اور تادیبی اشارہ جو آیہ لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۝ (۵۶ : ۷۹) میں ہے، اور جسکی سطحی تعمیل اور دور از کار تاویل† میں مسلمان اس جوش و خروش سے استعاذوں، استغفاروں، اور پے در پے طہارتوں کے بغیر قرآن کا

۵ اس قرآن عظیم کو پاک بندوں کے سوا کوئی چھونے نہیں پاتا۔

† اس معنی خیز اور حقیقت نما آیت کا غلط استعمال جسقدر مسلمانانِ عالم نے پے در پے کئی قرنوں سے بالالتزام کیا ہے شاید ہی کسی دوسری ایک آیت الٰہی کا کیا ہو۔ کتاب خدا کے قدیم ترنسخوں میں جسقدر اس کا سرّ رق پر زیب عنوان ہونا کہیں تحقیق نہیں، اسیقدر اسلام کے زمانہ انحطاط سے آجتک یہ آیت نہایت استقلال کے ساتھ قریب قریب ہر مجلد کا سرنامہ بنتی رہی ہے۔ قرآن کریم کا ہر عالم اور جاہل مؤلف بلا امتیاز اسکو سرّ رق پر کہیں نہ کہیں جگہ دیتا رہا ہے، اور اسکی شمولیت کو اپنی تالیف کا جزو لاینفک قرار دیکر اپنے زعم میں دنیا کو خدا کی ایک 'نئی' مہم کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے، اور طرفہ تر یہ کہ اُسکے غلط العام مفہوم کے متعلق اپنے دل میں ذرا سا شک بھی نہیں رکھتا۔ مگر ہر قوم کے زوال کی داستان دراصل اُسکی حسیات کے زوال کی داستان ہے، جب سعی و عمل کا اصلی ہیجان افراد کے قلوب سے رفتہ رفتہ فرو ہو جاتا ہے، اور طبیعتیں آرام پسند بن جاتی ہیں تو انسان اپنے دل کی تسکین کے لیئے چند ایسی باتیں اعتقاد کے طور پر لے لیتا ہے جن کے کرنے میں کم سے کم تکلیف ہوتی ہے، اور اُن کے کر لینے سے ایک ڈھارس سی بندھی رہتی ہے۔ جبتک مسلمانانِ عالم کتاب خدا کو کسی جلیل القدر حاکم کا فرمان جسروی یقین کرکے اسکے ایک ایک حرف پر عمل کرنا ناگزیر سمجھتے رہے، اسکی اہمیت اور عالی نسبتی سے خوفزدہ رہ کر لرزتے رہے، اور اسکی تعمیل میں اپنے تن بدن کو تکلیف میں ڈالتے رہے، قرآن کی تعظیم کا صحیح مفہوم عمل اور صرف عمل ہی رہا۔ لیکن جب سعی و عمل سے گریز کرنا آرام دہ نظر آیا تو لوگوں نے قول خدا کی لفظی اور زبانی تعظیم کو اپنے اعتقاد کا جزو کبیر بنا کر اپنے نفس کو دھوکا دیا، اسی کو حاکم اعلےٰ کا صحیح منشا سمجھنے لگے، اسی کو حکم حاکم کی مرگ مفاجات فرض کر لیا۔ اسی میں اپنا تمام اعتنا و انہماک صرف کر دیا۔ پھر نفس فریب کار کی اس خوشنما بہانہ سازی نے قرآن کی تعظیم ریشمین جزدانوں میں بند رکھنے یا کبھی کبھی تبرک کے طور پر تلاوت کر لینے پر محدود کر دی، اور جب اس مکر دریا کو نباہنا بھی طبیعت پر گراں گذرنے لگا تو اُسکو ہر وقت بالائے طاق رکھنے کا شیوہ اختیار کرکے گویا خدا کو بالائے طاق رکھدیا! آج یہی ابلیس کی بنائی ہوئی منقیانہ دلیل ہر فرد متنفس کے دل میں موجزن ہے، اور باوجودیکہ انسانی تعلق اور تعہد کا انداز ہمیشہ سے یہ ہے کہ کسی مشاہرہ دہ حاکم کے مکتوب کو دیکھکر کئی راتوں تک نیند حرام ہو جاتی ہے، اور دن تیاری اور تعمیل میں صرف ہوتے ہیں۔ اور فہم مطلب کے اضطراب میں اُس منشور جسروی کو اُٹھا اُٹھا کر پڑھا، اور پڑھ پڑھ کر رکھدیا جاتا ہے، اور عمل کے سوا کسی دوسری تعظیم کا خیال تک نہیں گذرتا، تاہم مسلمانوں کے نزدیک آجکل تعظیم احکم الحاکمین اور مکرم جلّ و علےٰ کی بہترین تجویز یہی ہے کہ اُسکے مکتوب کو طاق نسیاں پر رکھکر پہر اُس کی خبر نہ لی جائے، اور ہر دم باوضو نہ ہونے کا یا اور شیطانی عذر رکھکر اسکو ٹال دیا جائے۔ آہ! لیکن جسوقت کسی قوم کی نیتیں بگڑ جاتی ہیں، جب تکلیف کی بجائے آرام اُن کا شیوۂ عمل بن جاتا ہے تو کوئی منطق، کوئی دلیل، کوئی حس مشترک اُنکو بہتر بنانیکے لیئے کارگر نہیں ہوتی، ورنہ خوف خدا کے اُس لشکر انگیز اور کشور کشا زمانے میں جب کہ قرآن کے یہی الفاظ سرورِ اُمت اور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب پر براہ راست آسمان سے وحی ہو رہے تھے، آپ کی چاہیتی اور رازدار بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ کلام خدا کو چمڑوں، اور کھجور کی شاخوں اور ہڈیوں پر لکھکر اُسی طرح علی الحساب ایک صندوق میں ڈال دیا جاتا تھا اور وہ صندوق رسولؐ خدا کی چارپائی کے سرہانے پڑا رہتا تھا!

لیکن اس استدلال سے قطع نظر جن معانی میں آیہ مُطَهَّرُوْنَ (۵۶ : ۷۹) قرآن کریم کے اندر استعمال ہوئی ہے۔ اُن کا مسلمانوں کی اس خود ساختہ تاویل سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ سورۂ واقعہ کے ربط کو ظاہر کرنے کا یہ موقع نہیں مگر چند پہلی اور پچھلی آیتوں کے سیاق سے ظاہر ہے کہ نہ

مغربی حکمت کے ان شیدائیوں نے آہ! اس تیرہ سو برس کے اندر قرآن کی مقدس مجلدات کو درس کے ہر موقع پر آنکھوں سے لگاتے اور بار بار چومتے وقت ایک مرتبہ بھی اُسکے اُن دعاوی پر غور نہیں کیا جنکو وہ ہر نئے موضوع کے عنوان میں، ہر دقیق بحث کے ضمن میں، اور ہر تازہ اکتشاف کے آخیر میں پکار پکار کر کر رہا ہے۔ آہ! قرآن حقیقت کے ان گمراہ متلاشیوں کو سوفسطائی فلسفے سے ہٹا کر حق و یقین کے راہ راست پر ہی لا رہا تھا جب اُس نے کہا تھا کہ اسکی آیات حکمت کے کامل اُستاد، اور غالب البرہان خدا کے اپنے ہاں سے اُتری ہیں: تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ[۵۱] (۳۹: ۱)؛ اُس بے مثال ہستی کا روئے سخن حکمت کے انہی نامراد ہرجائیوں کی طرف تھا جب اُس نے قرآن کو حکمت کی بے بدل اور جامع و مانع کتاب قرار دے کر اُسکی قسم کھائی تھی: يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ[۵۲] (۳۶: ۱-۴)؛ وہ ربّ عزیز و حکیم، فی الحقیقت، انسان کو اسکی اپنی ایجاد کی ہوئی ہر جُدّت اور حکمت سے عملاً بے نیاز کر رہا تھا، جب اُس نے اپنی بھیجی ہوئی بُرہان، اور اپنے بنائے ہوئے قانون کو "کتاب حکیم" کا جامع اور مانع لقب دیا تھا: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ[۵۳] (۱۰: ۱)؛ شارع زمین و آسمان کی مراد حکمت کے انہی نادان اور کم علم فلسفیوں کو صراط مستقیم پر لانے کی تھی جب اُس نے جتلا دیا تھا کہ تمہارا اُمّی نبیؐ تو قرآن کے مہتم بالشان حقائق

---

۵۱ سورۂ زمر کے علاوہ جس کا حوالہ متن میں دیا گیا، یہی آیت دو اور جگہ زیب عنوان ہے جن کا حوالہ یہاں پر دیا جاتا ہے: تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۴۵: ۲)، تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۴۶: ۲)، سورۂ مومنون میں "العزیز العلیم" ہے: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (۴۰: ۲)؛ ترجمہ ان کا یوں ہے: یہ تحریری پیغام (الکتٰب) بارگاہ جلّ علیٰ کی طرف سے تمام عالم کے نام ہے جو بڑا غالب القوٰے (بڑا صاحب علم) اور بڑا صاحب حکمت ہے۔

۵۲ قرآن حکیم اس بات کا شاہد ہے کہ بیشک تم خدائے عظیم کے پیغامبروں میں سے ہو، اور اسی صراط مستقیم پر چل رہے ہو جو مقصود خدا ہے۔

۵۳ یہی آیت سورۂ لقمان کے زیب عنوان بھی ہے: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (۳۱: ۲)؛ ترجمہ یوں ہے: یہ احکام الٰہی (اٰیٰت) اُس قانون جلیل سے ماخوذ ہیں جو ایک مجسمہ حکمت کتاب ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۵۲) مواقع النجوم کی قسم کا صحیح مفہوم، اسکی عظمت کی تشریح، اور حلقوم تک پہنچنے والی موت کی صحیح کیفیت کا ذکر کسی موقع پر کر دیا جائے گا۔ محولۂ بالا ترجمے میں مطالب بہت کچھ عیاں کر دیئے ہیں، اور ظاہر ہے کہ مواقع النجوم کی شہادت لامحالہ اُس افق اعلیٰ کی شہادت ہے جو انسان کو کمال علم کے باعث حاصل ہو جاتی ہے، اور جو عرب کے پیغمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حتماً حاصل ہو گئی تھی۔ اس کیف نبوت کا ذکر مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۲۱ میں ہو چکا ہے۔

چھوڑ کر، کاسۂ گدائی ہاتھ میں لیئے ہوئے، یُونان کی مسخ شدہ حکمت کے دریوزہ گر بنو!

آفتاب اندرون خانہ وما — دربدر میبرویم ذرہ مثال
گنج در آستین و میگردیم — گرد ہر کوئے بہر یک مثقال

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۵۱) کا جتلانا ہے۔ اِسی قدر و قیمت کی مزید تائید لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (۵۶ : ۷۹) کے الفاظ سے کردی ہے، یعنی وہ لپٹے ہوئے موتی اسقدر قیمتی اور آبدار ہیں کہ میلے ہاتھوں کا اُن کو چھونا بھی منع ہے۔ یہی تخصیص سورۂ الرحمٰن میں حوروں کے متعلق کی ہے: لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ (۵۵ : ۵۶ و ۷۴)، یعنی "کسی جن و انس نے ان کو اس سے پہلے چھوا تک نہ ہوگا"۔

اب رہا یہ سوال کہ کتاب خدا کی قدر و منزلت آیا اسی سطحی تعظیم میں ہے جو کم ہمت مسلمان آج کر رہے ہیں، یا اُسکے مشمولہ احکام کی تعمیل کرنا بھی قرآن کریم کی صحیح قدر شناسی اور عزت ہی۔ اِس کا جواب آیۂ اَفَبِهٰذَا الْحَدِیْثِ (۵۶ : ۸۱) اور آیۂ تُكَذِّبُوْنَ (۵۶ : ۸۲) میں ہے۔ اِن دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم نے مداہنت، یہی ہے کہ مکر اور چرب زبانی سے کام لیکر اسکے احکام کی آرام دہ تاویلیں کر دیجائیں، ان کی تعمیل سے گریز کیا جائے، اور نری سطحی آؤ بھگت کرکے العیاذ باللہ خدا کو دھوکا دیا جائے۔ یہی کفر کے صحیح معنی ہیں اور یہی تکذیب آیاتِ الٰہی ہے۔ جیساکہ دوسری مجلد میں واضح کر دیا جائے گا۔ خدا کی نظروں میں مکذب، وہی شخص ہے جو اُسکے کہے پر عمل نہیں کرتا خواہ وہ اُسکے قول و کلام کا منہ سے رسمی اقرار کرے یا نہ کرے۔ اِنہی معنوں میں رسول خدا صلعم کے زمانے میں کفار اہل عرب مکذب تھے۔ منہ سے مقر ہونا اور عملاً تکذیب کرنا، خدا بلکہ فی الحقیقت ہر اولو الامر کے نزدیک وہ فعل عبث ہی جس کی کچھ اُجرت نہیں۔

تعجب ہے کہ احکام الٰہی کو عملاً ماننے کی اس حیرت انگیز تحریص و ترغیب کے باوجود آیۂ مُطَهَّرُوْنَ کے معانی یہ لیئے جاتے ہیں کہ خدا نے اِس کتاب کو ہاتھ منہ دھوئے بغیر چھونے سے منع فرمایا ہے، اور صرف رسمی تعظیم مقصود ہے۔ ایک سلیم الذہن شخص کے نزدیک یہ تشریح نہایت لغو اور مضحکہ انگیز ہے۔ یہ خدا کی شان سے حتماً بعید ہے کہ اپنے فرمان خسروی کی ایسی ناقص اور بے معنی تعظیم کرنے کا حکم دے جو آج کسی معمولی سے معمولی حاکم کو بھی قطعاً گوارا نہیں، اور جسکا نتیجہ اسکی تبلیغ و اشاعت کو بیحد محدود اور نامسلمان ملکوں میں قطعاً مسدود کر دینا ہو۔ مگر اس تمام استدلال سے قطع نظر، کیا آج غیور مسلمانوں اور بالخصوص سات کروڑ ہندی مسلموں کے لیئے یہ ڈوب مرنے کا مقام نہیں کہ آیۂ مُطَهَّرُوْنَ کی اِس تاویل کو بالاتفاق تسلیم کرتے ہوئے بھی اُن کی فاقہ مستی اور بے نوائی، اُنکی بے حسی اور لاابالیت اِس حد تک پونہچ چکی ہے کہ قرآن کریم کی اکثر اشاعت اور طباعت کا فرض ناپاک ہندوؤں کی وساطت سے ہو رہی ہے۔ اُن کا اِس کتاب کو چھونا تو درکنار، عین مسروق پر آیۂ مُطَهَّرُوْنَ کے ساتھ ساتھ اُنکے نام نامی لکھے جاتے ہیں، اور کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ کیا اندھیر ہو رہا ہے!

میرا مقصود اِس تمام بحث و تمحیص سے حتماً یہ نہیں کہ کلام الٰہی کی ظاہری تعظیم نہ کی جائے، یا کم کر دیجائے، بلکہ یہ کہ صحیح قدر شناسی صرف اُس کے احکام کی تعمیل میں ہے اور بس۔ جو شخص قولِ خدا پر عمل کرنے کی نیت سے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال رہا ہے وہی اُسکے قول کی تعظیم کر رہا ہے، وہی اُسکو مان رہا ہے۔ ہمیں شک نہیں کہ اکثر اوقات یقین و عمل کے ساتھ ساتھ ایک ظاہری ادب بھی خود بخود پیدا ہو جاتا ہے مگر ایسا اجتماعی لحاظ کسی وجہ سے قابل اعتراض نہیں۔ جس بات پر اعتراض ہے یہ ہے کہ کتاب خدا کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں ریا و مکر کی تعظیم نہ ہو، جمود و فریب کی عزت نہ ہو، آرام و تکلف نہ ہو، تسکین دہ بناوٹ نہ ہو، دل سے انکار اور منہ سے اقرار نہ ہو، نفس کو دھوکہ نہ ہو، شیطان کی مساعدت نہ ہو، خدا سے گریز نہ ہو! اگر یہ ہے اور ساتھ ہی جنت کی لو بھی لگی ہے تو مسلمان وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ[۵۱] (۳ : ۵۳) کے مضمون کو یاد رکھیں اور سمجھ لیں کہ اس خوش اعتقادی کا کیا انجام ہو سکتا ہے!

(باقی بر صفحہ آیندہ)

۵۱ اور اِدھر اُن لوگوں نے مکر کیا تو اُدھر خدا اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ مکاروں کے بالمقابل بہترین چال چلنے والا ہے۔

نے یونانی فلسفے کے اِن خوشہ چینوں کو قرآن ہی کیطرف بُلایا تھا جب اسکی سچی اور بے عیب حکمت کو بشریت کے ہر نقص سے بری، اور انسانی صناعت کے ہر سُقم سے پاک ٹھیرایا تھا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ؕ۱ سکہ (۱۸: ۱)، اور صاف فرمادیا تھا کہ ساکنانِ عالم کو محیط ظلمت سے پہنائے نور میں نکالنے والی یہی کتاب ہے: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۙ۲ (۱۴: ۱)۔ آہ! مغربی منطق کے اِن زلّہ برداروں نے قرآن میں یونانی فلسفے کے ذریعے سے اجتہاد کرتے وقت نہ سمجھا کہ قرآن کی قطعیت اور کفایت کی یہی دلیل بس ہے کہ وہ ایک کامل باعلم اور کامل باخبر ذات کی طرف سے ہے: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ ۙ۳ (۱۱: ۱)، اور اس بنا پر اسکے معارف و حقائق میں کسی ناقص، غیر قائم اور عارضی شئے کو دخیل کرنا خدا اور حکمتِ خدا کو العیاذ باللہ ناقص سمجھنا ہے!

۱؎ تمام تعریف اور شکر خدا ہی کو سزاوار ہے جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن اُتارا اور اسمیں کسی قسم کی کجی نہ رکھی۔
قرآن حکیم کی حکمت میں کجی نہ ہونے اور اسکی صداقتوں کے ازلی اور ابدی ہونے کے متعلق دو اور اشارے ہیں جو اس جگہ لکھ دیئے جاتے ہیں۔ سورۂ زمر کی آیت (۳۹: ۲۷) سے قرآن کی جامعیت اور مانعیت کا دعوے بھی نکلتا ہے:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝ (۳۹: ۲۷-۲۸)

اور لوگو! ہم نے تمہارے سمجھانے اور تمہیں صحیح طرزِ عمل بتلانیکے لیے اِس قرآن کے اندر ہر ممکن مثال دیکر سارا دستور العمل واضح کر دیا ہے تاکہ لوگ اِس سے نتائج اخذ کریں، اور بعد ازاں اُنپر عمل کریں۔ یہ قرآن عربی زبان میں ہے، اِسکی حکمت عالیہ میں کسی قسم کی کجی نہیں رکھی اور اسکا منتہائے نظر یہ ہے کہ تمام عالم کے لوگ اس بیمثال حکمت پر عمل کرکے عذابِ الٰہی سے بچیں۔

لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ۝ (۴۱: ۴۲)

باطل کو اِس کتاب عظیم سے مقابلہ کرنے کی تاب نہیں، نہ اسکو پیچھے سے وار کرنے کی جرأت ہے۔ جھوٹ نہ اسکے سامنے سے آسکتا ہے (مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ)، نہ پیچھے سے (مِنْ خَلْفِهٖ) نہ آج اِسکو کوئی انسانی حکمت جھٹلا سکتی ہے، نہ آج کے بعد اِسکو کہیں سے گزند پہونچ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت عظمیٰ اُس حکیم اجل، اُس استاد ازل کی اُتاری ہوئی ہے جس کی حمد و ثنا میں ایک عالم رطب اللساں ہے!

۲؎ یہ قرآن ایک بڑے پائے کی کتاب ہے۔ اِس کو ہم نے تم پر اِس غرض سے اُتارا کہ تم لوگوں کو حکم خدا کی اطاعت پر آمادہ کرکے جہل کے اندھیرے سے علم کی روشنی میں لاؤ اور انکو عزیز و حمید خدا کی طرف لے جاؤ۔

۳؎ یہ قرآن وہ بے بدل کتاب ہے کہ اسکے احکام دلائل و براہین سے بخوبی ثابت اور مستحکم کیے گئے ہیں اور پھر حکیم و خبیر خدا کے اپنے ہاں سے اُن کی مکمل شرح و بسط کی گئی ہے۔

حکیم وعلیم خدا کے ہاں سے براہِ راست سیکھ کر آتا ہے: وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝[1] (۲۷: ۶) اور اُسکی آیات پڑھکر دنیا کو حکمت اور طہارتِ نفس سکھلاتا ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝[2] (۳: ۱۶۳)۔ ادب آموزِ ازل

---

[1] اور اے محمد! اس میں شک نہیں کہ تم قرآن کی عظیم الشان حکمتوں کو حکیم وعلیم خدا کے پاس سے سیکھ کر آتے ہو۔

[2] لوگو! اس خدائے عظیم نے ایمان والوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان بے علم اور اُجڈ، اَن پڑھ اور انجان اہل عرب میں (فِيْهِمْ، دیکھو (۶۲: ۲)) اُن ہی میں کا، اور حسب پسند ایک رسول بھیجا جو آج فرستادہ خدا ہونے کے باعث اس قدر صاحب علم ہوگیا ہے کہ اُن پر خدا کے عالم آرا احکام واضح کر رہا ہے (يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ)، ان کو آلائش گناہ سے پاک صاف کر رہا ہے، اُن کو قانون الٰہی (الْكِتٰبَ) کا علم دے رہا ہے، خدائے علیم وحکیم کی حکمت سکھلا رہا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو یہ جاہل لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

قریب قریب یہی مضمون (فِيْهِمْ) اور (يُعَلِّمُهُمُ) کی ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ چار اور موقعوں پر آیا ہے۔ سورۂ جمعہ میں ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۶۲: ۲)

لوگو! وہ خدا ہی تو ہے جس نے عرب کے اَن پڑھ اور اُجڈ لوگوں کی ہدایت کیلئے اُن ہی میں کا ایک اُمّی اور پہلے آسمانی صحیفوں سے ناآشنا شخص اپنا قاصد بنا کر بھیجا۔ وہ شخص آج فرستادۂ خدا ہونیکے باعث ہی اسقدر صاحب علم ہوگیا ہے کہ اہل عرب پر خدائے عظیم کے عالم آرا احکام واضح کر رہا ہے، انکے دلوں کو اپنی زندگی کے پاکیزہ نمونے اور زور عمل سے آلائش عصیان وجمود سے پاک کر رہا ہے (يُزَكِّيْهِمْ)، انکو قانون الٰہی کا علم دے رہا ہے، خدائے حکیم کی حکمت سکھلا رہا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو یہ جاہل لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

سورۂ بقرہ میں ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲: ۱۵۱)

اے ساکنانِ عرب! یہ احسانات جو اوپر شمار ہوئے اسی قطع کے ہیں جیسا وہ عظیم الشان احسان کہ ہم نے تم کو راہ راست پر لانیکے لیے تم ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ہمارے احکام تم پر واضح کرتا ہے، تمہارے نفس کو گناہ کی آلائش سے پاک کرتا ہے، تمکو قانون الٰہی کا علم دے رہا ہے، عزیز وحکیم خدا کی حکمت سکھلا رہا ہے، اور المختصر یہ کہ تمکو ان عظیم الشان حقائق فطرت کا علم دے رہا ہے جن کا اس سے پہلے تمہیں کچھ علم نہ تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا بھی یہی انداز تھا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۲: ۱۲۹)

اے ہمارے پروردگار! تو ان بے علم اور انجان اہل عرب میں ان ہی میں کا ایک رسول بھیج، جو تیرے احکام ان پر اچھی طرح واضح کر دے، انکو تیرے قانون جلیل کا علم دے، تیری جلیل القدر حکمت کا درس دے، اور انکی اصلاح کرے (يُزَكِّيْهِمْ) اسمیں شک نہیں کہ تو بڑا ہی غالب البرہان اور صاحب حکمت خدا ہے۔

سورۂ نساء میں ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (۴: ۱۱۳)

اور اے محمد! اس خدائے ذوالجلال کا تم پر بڑا ہی فضل ہوا جو اُس نے اپنی کمال عاطفت سے یہ کتاب عظیم تم پر اُتاری، اور یہ کتاب کیا ہے، دراصل مجسمۂ حکمت ہے، جسکے ذریعے سے خدائے علیم وحکیم نے تم کو وہ حقائق عالیہ سکھلائے ہیں جن کا تم کو اس سے پیشتر علم نہ تھا۔

اسلام کو تمہارے لیئے بطور آئین عمل پسند فرمایا۔

کلامِ الٰہی کی اِس مہتم بالشان اور معرکۃ الآرا حیثیّت کو پہچاننے کے لیئے نہائیت سیدھے سادے اجتہاد کی ضرورت تھی۔ شارع اسلام نے قرآن کو ایک روشن اور بیّن حقیقت قرار دیا تھا: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝[۵۱] (۲۶: ۲)، مگر ساتھ ہی سورۂ قمر میں یہ امر بار بار یاد دلا دیا تھا کہ اسکے اوامر و نواہی، مواعظ و حِکَم، طریق توجیہ اور طرز استدلال سے پورے طور پر مستفید ہونیکے لیئے ذکر و فکر، صحیح استنباط نتائج، اور عمل کی قطعی ضرورت ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝[۵۲] (۵۴: ۱۷)۔ صاحبِ قرآن اور فاطر زمین و آسمان تعالیٰ نے قرآن کو ہدایت کا سرچشمہ، رحمت الٰہی کا مبدء، اور بشارت کا مصدر قرار دیا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اُسکے حقائق عالیہ کو پورے طور پر سمجھنے کے لیئے کامل یقین، کامل ایمان، انتہائے استقلال، اور کمال بصیرت کی ضرورت ہی: قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝[۵۳] (۷: ۲۰۳)

---

۵۱ "یہ آیات اس کتاب جلیل کا ایک حصہ ہیں جو واضح ہے، اور جسکے مقاصد صاف صاف بیان کر دیئے گئے ہیں"۔ یہی آیت سورۂ شعراء کے علاوہ سورۂ یوسف اور سورۂ قصص کے زیب عنوان بھی ہے: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ (۱۲: ۱)، (۲۸: ۲)۔ سورۂ حجر کے شروع میں "قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ" کے الفاظ ہیں: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۱۵: ۱)، "یہ آیاتِ الٰہی اس الکتٰب کی ہیں جو قانون خدا ہے، اور اس قرآن کی جو ہر طرح پر واضح اور روشن ہی"۔ سورۂ نمل میں "كِتَابٍ مُّبِيْنٍ" کے الفاظ ہیں: تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۲۷: ۱)، "یہ آیات الٰہی قرآن کریم کی ہیں اور اس "کتاب" کی جو واضح اور روشن ہے"۔ سورۂ زخرف (۴۳: ۲)، اور سورۂ دخان (۴۴: ۲) میں صرف وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ ہے جس کا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے: "قرآن کریم جو ایک روشن اور مشرح فی البیان کتاب ہے اِس بات کا شاہد ہے"۔

اِن آیات کا صحیح مفہوم ترجمے میں ادا کرنا ازبس مشکل ہے یہاں پر ایک عام ترجمہ کر دیا گیا ہے جس سے مقصود قرآن کو واضح کتاب ثابت کرنا ہے لیکن یہ امر کہ "كِتَابٍ مُّبِيْنٍ" اور "الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ"، "الکتٰب" اور "کتاب" کے الفاظ کا صحیح مقصود کیا ہے علٰحدہ بحث ہی جو دوسری صحبت میں کی جائے گی۔ "الکتٰب" اور "کتاب" کے الفاظ اس سے پیشتر بھی چند آیتوں میں آ چکے ہیں، اور اس موضوع کی مستقل اور فیصلہ کن بحث سے پیشتر بھی آئینگے لیکن ان کے اصلی مفہوم کو اُسی بحث پر چھوڑ دینا چاہیئے۔

۵۲ اور فی الحقیقت ہم نے قرآن کو تو لوگوں کے اخذ نصیحت کی خاطر آسان طور پر بیان کر دیا ہے پس کوئی ہے جو اس سے سچی نصیحت پکڑ کر اس کے احکام پر عمل کرے!

سورۂ دخان کے اخیر میں ہے: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (۴۴: ۵۸)، "ہم نے اس قرآن عظیم کو تمہاری زبان میں محض اسلیے آسان کر دیا ہے کہ تمہاری قوم کے لوگ اس سے نصیحت اخذ کریں"۔ "يَسَّرْنٰهُ" کا اشارہ ایک اور جگہ بھی آیا ہے: (۱۹: ۹۷)، مگر وہ آیت آگے چلکر متن کتاب میں آئے گی۔ آیۂ مُدَّكِرٍ قرآن کریم میں سورۂ قمر میں تین جگہ آئی ہے یعنی (۵۴: ۱۷)، (۵۴: ۲۲)، (۵۴: ۴۰) میں۔

۵۳ تم ان لوگوں سے کہدو کہ میں تو اسی پر عمل کرتا ہوں جو میرے پروردگار نے مجھ پر وحی کی ہی۔ یہ قرآن تو فی الحقیقت بڑی سوچ سمجھ کی باتیں ہیں جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہیں ان میں اگر ہدایت اور رحمت ہی تو اس قوم کے لیئے جو اسکی حقیقت پر کامل ایمان رکھتے ہوئے اسمیں تدبر کرے (لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝)۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶: ۸۹)

اور اے پیغمبر! ہم نے تم پر یہ کتاب اس پائے کی نازل کی ہے کہ اس میں ہر ممکن شئے کے متعلق (جسکا واسطہ انسان سے پڑتا ہے) تفصیلی بیان موجود ہے، اور تسلیم کرنے والی قوم کے لیے یہ کتاب تو سرتاسر ہدایت ہی، رحمت ہے، اور اسکی سلامتی اور حفظ و امن کی بشارت ہی!

ان حیرت انگیز دعاوی کے بعد مسلمانوں اور قرآن کو "تسلیم کرنے والوں" کا فرض تہا کہ وہ اپنی دینی اور دنیاوی دونوں زندگیوں کے اصولی قواعد اور بنیادی ضوابط کی تلاش میں انسانی حکمت کے ہر مسلک خیال، اور قیاس ورائے کے ہر نظری مذہب سے حتماً بے نیاز ہو جاتے۔ وہ اللہ کا حاوی علم، اور خدا کا محیط فلسفہ موجود ہوتے ہوئے کسی افلاطون یا ارسطو کی حکمت کے محتاج نہ بنتے۔ وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کو خوش اسلوبی سے سلجھانے کیلئے تمامتر رجوع اسی کتاب کی طرف کرتے۔ وہ دین اور دنیا کے ہر مسئلے اور ہر طرز عمل کے متعلق سب بشارت اور رحمت، سب نور اور ہدایت، سب علم اور خبر اسی کتاب سے لیتے۔ وہ قرآن ہی کو اعتقادی اور عملی مناظرات کی حقیقی سنام، اور کلام الٰہی کو ہی روحانی اور مادّی مجاہدات کی مضبوط اساس مانتے۔ وہ کتاب خدا کو نہ صرف ذاتی فلاح کا بے مثال ذریعہ اور روحانی تقرّب کا واحد وسیلہ سمجھتے، بلکہ معاشری عمران کا سنگ بنیاد، اجتماعی استحکام کا مرکز ثقل، اور قومی تقدّم کا محور عمل یقین کرتے۔ وہ اقوام کی ترقی کے اسباب، انحطاط کے وجوہات، بادشاہت اور تسلّط فی الارض کے طریقے، حصول قوّت کے مآخذ، علوم و فنون کے مصادر، فطرت کے قوانین†۔ الغرض اُن سب نکات کے کھوج جن پر ائتلافی زندگی کا تمام حصر ہے، اسی قرآن سے لیتے اور اُنپر عمل پیدا کرتے۔ منّانِ لم یزل اور منعمِ حقیقی تعالیٰ نے قرآن ہی کو مسلمانانِ عالم کا کامل ضابطۂ عمل اور مکمّل آئینِ مذہب قرار دے کر کہا تھا کہ آج میں نے اسلام کو تمہارے لیے پسند فرما کر دین و دنیا کی تمام نعمتیں تم کو بخش دی ہیں!

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۝‡ (۵: ۳)

آج ہم تمہارے دین کے تمام دستور العمل کو تمہارے لیے مکمّل کر چکے، ہم نے اپنی تمام نعمت تم پر پوری کر دی اور

† مسئلہ ارتقا کے تحت المتن (صفحہ ۱۱-۳۷) میں اس عظیم الشان حقیقت کو واضح کرنیکی ایک حد تک سعی کی گئی ہے۔ ‡ نبوت کے سال اخیر سنہ ۱۰ھ ذیحجہ میں حجۃ الوداع کے خطبے کے موقع پر یہ آیۂ جلیلہ نازل ہوئی۔

وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ○ (۱۶ : ۴۴)

اور اے محمدؐ! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب نصیحت اسلیئے اتاری ہے کہ تم لوگوں پر اچھی طرح عیاں کردو کہ اُن کیلئے کیا احکام اُترے ہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہ خود سوچیں اور تدبر کرکے نئے مطالب دریافت کریں اور تطابق پیدا کریں۔

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ○ (۳۸ : ۲۹)

اے پیغمبر! یہ قرآن عظیم بڑی برکت اور رونق پیدا کرنے والی کتاب ہے۔ اسکو ہم نے تیری طرف محض اسلیئے اُتارا ہے کہ لوگ اِسکی آیات پر کامل تدبُّر کریں، اور صاحب عقل و فراست لوگ اس سے صحیح نتائج اخذ کرکے عبرت حاصل کریں۔

یہی خالص **تدبر، ذکر و فکر، ایمان و یقین، علم و بصیرت، صحیح استدلال اور تطابق** ایسے آئینی اُصول تھے جن کی بنا پر کلامِ الٰہی کے حُجّۃ بالغہ ہونے پر ایک سچّا اور ناقابلِ اجتہاد قائم ہوسکتا تھا۔ قرآن کے حیرت انگیز سربستہ رازوں، اور سربمُہر حکمتوں کے لیئے کسی خارجی فلسفے کی ضرورت نہ

✝ 'اُولُوا الْأَلْبَابِ' کی قرآنی تعریف بھی عمل کے عنوان میں آئے گی لیکن اِن تینوں (۱۴ : ۵۲) (۱۶ : ۴۴) (۳۸ : ۲۹) اور قابل کی 'بصار' والی (۷ : ۲۰۳) (۴۵ : ۲۰) آیات کو پیش نظر رکھکر اُس مہلک تخیل کا کیسر قلع قمع ہوجاتا ہے جسکے رو سے مسلمانانِ عالم کی ایک کثیر تعداد نے قرآن میں تدبر کرکے اس کے مطالب کو دریافت کرنا گناہ سمجھ لیا ہے۔ آج اِس عام انحطاط کے زمانے میں غالب رائے یہی ہے کہ قرآن کسی تدبر کا متحمل نہیں، اس کے حقائقِ عالیہ کا ذہن سے کچھ تعلق نہیں، اس کے مطالب میں فہم کو دخیل کرنا گناہ ہے، اسکی تشریح میں عقل کو کام میں لانا بدعت ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جو لوگ "علم اسرار الدین" کے منشا و وجود سے واقف ہیں جس کی بنیاد قرن اوّل میں حضرت عمرؓ نے رکھی، اور جنہوں نے اُس تنقیح و استقصا کا مزا چکھا ہے جو خود رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت میں اور اصحابِ صُفّہ کے ماہین سالہا سال تک ہوتی رہی۔ اور جس کو بلا استثنا سب صحابہ کرام نے ایمان و یقین کی خشت اوّل قرار دے کر قرآن حکیم کی ایک ایک آیت کے مطالب کی تعمیر میں مہینوں اور برسوں تک تدبر کرنا عین ایمان سمجھا تھا۔ اُن کے نزدیک اس زہر آلود تخیل کی کچھ وقعت نہیں۔ اگر مالک زمین و آسمان اور بخشندہ فہم و ادراک کا کلام انسان کی بڑی سے بڑی تنقید، ہر ممکن سے ممکن آزمائش، اور سخت سے سخت معیار کا متحمل نہیں **تو وہ ذی شعور انسان کے لیئے وجوباً قابل قبول نہیں**۔ کتاب کے اِس ابتدائی حصّے میں بھی صاحب نظر کے لیئے کئی مثالیں پیش ہوچکی ہیں لیکن آگے چلکر ہر ورق اِس امر کا آشکارا ثبوت ہوگا کہ قرآنِ حکیم کی آیات کس قدر محکم، کس قدر صحیح، کس قدر مطابق، اور کس قدر عمیق و بلیغ ہیں۔ کوتاہ نظر انسان کا علم اُن کے علم کے بالمقابل کس قدر ہیچ ہے۔ خدائے بیمثال کی طرف سے انسان کو صلائے عام ہے کہ اُن کو بغور تمام پرکھے، الٹ پلٹ کر دیکھے، بار بار دیکھے، مگر اُنکے ایک حرف کے متعلق کوئی کجی، کوئی کم علمی، کسی نادانی کا دریافت کرنا قطعاً محال ہے۔ اِس کتاب میں کلام الٰہی کے تمام مطالب اِسی **تطابق** کے اصل اصول کو پیش نظر رکھکر واضع کیئے گئے ہیں اور جو بیگانگت اور صحت اِس ترکیب سے اُن مطالب میں قائم ہوئی ہے ہر صاحب نظر کے سامنے ہے۔ خود انہی آیاتِ الٰہی یعنی آیۂ مبین (۲۶ : ۲) و آیۂ مذکر (۵۴ : ۱۷) اور آیات بصار (۷ : ۲۰۳) (۴۵ : ۲۰) کے مطالب میں بظاہر کچھ اختلاف سا نظر آتا تھا مگر اوپری سے تامل نے اسکو آیۂ یعلمون (۴۱ : ۳) کی وساطت سے رفع کردیا ہے۔

(دیکھو صفحہ ۵۰۰)

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۔ (۴۵: ۲۰) ۔ اُستاد لم یزل اور حلّالِ مشکلات نے قرآن کو آسان اور مبین، کہنے کے باوجود مجسّمہ بصائر اور سپیکر حکمت فرمایا تھا مگر ساتھ ہی یہ معنی خیز تشریح کردی تھی کہ اس کی آیات کی صحیح اور مکمل تفصیل صاحب علم قوم کے سوا کسی کو ودیعت نہیں: كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۝ (۴۱: ۳)، وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝ (۷: ۵۲) ہادیٔ دین اور ماحیٔ اختلاف خدا نے قرآن کو تضاد کے بدنما اور بشری عیب سے قطعاً بلند تر ٹھیرایا تھا مگر اس بات کو بوجہ احسن واضح کردیا تھا کہ اگر انسان کو اسکی آیات بیّنات میں کسی جگہ اختلاف کا شائبہ نظر آتا ہے، یا نقض و ضد کا گمان گذرتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اُس کے ظاہر اور باطن، سیاقِ بحث اور سباقِ کلام یا محلِّ وقوع اور شانِ نزول پر غائر نظر نہیں ڈالی گئی، جسقدر اسکے مطالب میں تدبّر اور صحیح استدلال کیا جائے گا اُسکا اختلاف مٹتا جائے گا۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۝ (۴: ۸۲)

تو کیا یہ لوگ قرآن کے مقاصد و مطالب پر غور نہیں کرتے اور نہیں دیکھتے کہ وہ سب آپس میں متحد اور متفق ہیں کیا ان کو اتنا بھی شعور نہیں کہ سمجھیں کہ اگر یہ کسی غیر خدا کا بنایا ہوا قانون ہوتا تو لامحالہ اسمیں بیحد اختلاف پاتے۔

---

۵۱ یہ قرآن تو تمام عالم کے لیئے بصیرت اور تدبّر کی باتیں ہیں۔ ہدایت اور رحمت اُسی قوم کو حاصل ہو جو اسکی سچائی اور منجانب اللہ ہونے پر بالاستقلال یقین رکھکر اسمیں تدبّر کرے (لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ)۔

۵۲ یہ قرآن عظیم ایک کتاب ہے جس کی آیات جلیلہ کے عظیم الشان مطالب کو ایک عربی متن کی صورت میں (قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا) اس قوم کے لیئے مشرح اور مفصل کردیا گیا ہے جو 'علم' رکھتی ہو (لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ)۔

۵۳ اور حقیقت حال یہ ہے کہ ہم ان نادان اور اجڈ اہل عرب کے پاس وہ بے بدل کتاب لائے ہیں جس کی شرح و تفصیل ہم نے 'علم' سے کردی ہے جو صاحب علم قوم اس قانون جلیل کے حقائق عالیہ کی صحت پر بالالتزام ایمان رکھکر اس میں تدبّر کرتی ہے۔ اُس کے لیئے تو یہ کتاب سراسر ہدایت اور رحمت ہے (لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)۔

---

† 'علم' کی صحیح اور ناقابل انکار تعریف 'عمل' کے عنوان کے تحت تیسری مجلد میں آئے گی۔ وہاں پر بصراحت تمام واضح کردیا جائے گا کہ کتاب خدا کی مراد 'علم' سے کیا ہے اور اس کے موجودہ مفہوم میں کس قدر حیرت انگیز تحریف ہوئی ہے۔ اس آیۂ کریمہ (۴۱: ۳) سے بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ قرآن صرف صاحب علم قوم کے لیئے اُترا ہے اور اس بنا پر اسکے حقائق عالیہ کو وہی قوم کماحقہٗ سمجھ سکتی ہے جو 'علم' رکھتی ہو۔ مسئلہ ارتقا کے تحت المتن میں اس 'علم' کی ایک جھلک دکھلادی گئی ہے اور ایک دو اور مباحث آگے چلکر اسی مجلد میں آئیں گے۔ مگر 'علم' کی تعریف تسلیم کیئے بغیر کتاب خدا کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانا از بس مشکل ہے۔

لوگو! کتاب مبین اس امر کی شاہد ہے کہ ہم نے کتاب خدا کو عربی زبان میں محض اسلیئے کر دیا ہے کہ تم اُسکے دستور العمل کو بآسانی سمجھ لو۔ اور یہی قرآن جسکو تمہارے سمجھنے کی خاطر عربی لباس پہنایا گیا ہے اُس اُمّ الکتب کا ایک حصّہ ہے جو ہمارے ذہن میں ہے اور جو ایک مقتدر اور مخزن حکمت کتاب ہے۔ تو کیا اِس وجہ سے کہ تم لوگ اِس کتاب کے حقیقی مقاصد نہ سمجھنے میں حد سے بڑھے جاتے ہو اور ہمارے مطلب کو نہیں پاتے ہم اِس کتاب کے مطالب کو تم سے سرتاسر اِسطرح اُچک لیں کہ تم خاک بھی نہ سمجھ سکو؟

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (۱۲: ۱-۳)

اے ساکنانِ زمین! یہ آیات الٰہی اس جلیل القدر کتاب سے ماخوذ ہیں جو روشن اور واضح ہے۔ اور اسمیں شک نہیں کہ ہم نے اِس کتاب مبین کو اپنے ہاں سے عربی زبان کا لباس پہنا کر عربی اللسان قرآن اِس لیئے بنایا ہے کہ تم لوگ اِس کے اسرار عالیہ کو سمجھکر عقلمند بن جاؤ۔

قرآن کے مقاصد اور اسلامی فلسفۂ اخلاق پر یونانی حکمت کے اِس مُہلک اثر کے علاوہ اور بھی فساد آفرین اثرات پڑے جن کا تعلّق خود اہلِ عرب کی جبلّت اور طینت سے تھا۔ عرب ظہورِ اسلام سے پہلے یونانیوں

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۰) اور اَنْزَلْنٰهُ (۱۲: ۲) کی ضمیر ہُو کا مرجع بھی اسی "کتب مبین" کی طرف ہے۔ گویا خدائے ہیمتال نے کسی کتاب مبین کو شاہد بنا کر یہ کہا ہے کہ ہم نے اُس کتاب مبین کو عربی زبان کا لباس پہنا کر عربی قرآن اسلیئے بنا دیا ہے کہ تم عقلمند بن جاؤ۔ ان آیاتِ الٰہی کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیئے بیحد غور و خوض درکار ہے لیکن صفحہ ۲۹ کے تحت المتن سے جو علم طبقات الارض کے متعلق ہے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ "الکتاب المبین" دراصل صحیفۂ فطرت ہی ہے۔ اور اسکو مبین اسلیئے کہا گیا ہے کہ ہر شخص کے پیش نظر ہے۔ اگر اس مفہوم کو تسلیم کر لیا جائے تو آیات (۴۳: ۲-۳) کے معانی صاف ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

"لوگو! صحیفۂ کائنات جو تمہاری نظروں کے سامنے روشن اور عیاں ہے اس امر کی گواہی دے رہا ہے (وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ) کہ ہم نے اِس کارگاہ اکبر کے تمام پوشیدہ قانون کا ترجمہ سہل الفہم اور عربی اللسان قرآن میں اسلیئے کر دیا ہے (جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا) کہ تم اسکے رازِ دروں کو سمجھکر ہوشمند بن جاؤ (لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ)۔ (گویا اسلام دین فطرت ہے اور قرآن کریم صحیفۂ فطرت کے قانون کا کُتب لبا ہے۔)

حکمائے مغرب نے بھی جسے صحیفۂ فطرت کو کتاب سے تشبیہ دی ہے اور اسکا شمار ایک کتاب کے معرفت خدا کے نکات اور معلومات عالیہ سے پُر ہونا تسلیم کیا ہے۔ اور دراصل یہی وہ عظیم الشان کتاب ہے جو خدائے عظیم نے خود اپنے ہاتھوں سے مرتب کی ہے۔ اعمال خدا کے اسرار و دقائق کے متعلق اس سے روشن تر کتاب کا ملنا قطعاً غیر ممکن ہے بشرطیکہ اسکا صحیح مطالعہ ہو سکے۔ لیکن اسکا صحیح مطالعہ کرنا آسان کام نہیں۔

آگے چلکر الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ کے ان معانی کی حیرت انگیز شہادت قرآن کریم کی مختلف آیات سے ملیگی۔ یہاں صرف مطالب کو قابل فہم بنانے کی غرض سے پیش از وقت متنبہ کر دیا گیا ہے رہا اِس بات کو پایہ ثبوت تک پونہچانا کہ قرآن کا قانونِ عمل کسقدر صحیفۂ فطرت کے قانون کا ہُو بہُو عکس ہے، اور کیونکر فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰: ۳۰) صفحہ ۴۴ کا مصداق ہے اسکی شہادت اصل کتاب میں جا بجا ملے گی۔ بہتہ نفس مطلب کی تائید ان تمام آیات سے جو صفحہ ۵۷ پر "تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ" کے تحت المتن میں بیان ہوئی ہیں بصراحت تمام ہوتی ہے جہاں الکتب اور قرآن

تھی۔ ربِّ علیم و حکیم نے اہلِ اسلام کی رہ نمائی اور سرخروئی کے لیے، قرآن کے بیمثال عجائب خانے کے اندر، سعی و عمل کے ہزاروں کرشمے، خوشحالی اور امن کے صدہا طلسم، قوت و اقتدار کے لاانتہا دفینے، اور علم و حکمت کے بیسیوں اساسی اصول اسکے مختلف طاقچوں اور گوشوں، دیواروں اور محرابوں کے سپرد کر دیئے تھے مگر آہ! اُن کی ظاہری شکلیں بھی آج اعتقاداتِ باطلہ، غلط مطالب، اور غلط اجتہاد کے خس و خاشاک کی تہ میں محو ہو چکی ہیں! مسلمانوں کا موجودہ فلسفہ آج اس معجز العقل عجائب خانے کے انمول موتیوں کو سپردِ خاک کر کے، عمارت کی چوکھٹوں اور دہلیزوں، طاقوں اور محرابوں، روشندانوں اور کھڑکیوں، چھتوں اور نالیوں کی ثناخوانی میں مصروف ہے، اور کم فہمی اور بدویت کی غیظ آفرین بے توجہی سے ان پاکیزہ جواہرات پر فصاحت کا جاروب پھیر کر، شاعرانہ واہ واہ یا جزدانی تعظیم کے جمادے چند سے ہی اُن کی قدر و قیمت کا فیصلہ کرنا چاہتا ہے! آج قرآن کی کل کائنات میں مسلمانوں کا مبلغ اجتہاد اور انکی اہم داستانِ حکمت، قیامت کے بے سند قصّوں، قبر کے مظنون عذابوں، روح کی مفروض قسموں، اخلاقی امراض کی آفتوں، کفر کے بے دلیل اور مضحکہ انگیز فتواؤں، نشست و برخاست کے موضوعی آداب، توبہ و استغفار کے بناوٹی اسالیب، اور طہارت و استنجا کے وضعی طریقوں کی ندامت انگیز تشریح ہے! کیا یونانی فلسفے کی المناک خیال آفرینی، اور مسلمانوں کے دردانگیز فقدانِ علم و فکر کا یہ نتیجہ نہیں ہوا کہ آج ظنّ و وہم کے ان ہوائی قلعوں کی تعمیر میں اسلام وہ سب کچھ کھو بیٹھا ہے جو صرف چند برس تک مسلمانوں کو قرآن پر ادنیٰ اور ابتدائی عمل کے انعام میں ملا تھا۔

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝ (۴۳: ۲-۵)

† "الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ" کے معانی کے متعلق، جیسا کہ صفحہ ۵۷ کے تحت المتن میں ظاہر کیا گیا ہے، ابھی کچھ بحث کرنا پیش از وقت ہے لیکن ان آیات یعنی (۴۳: ۲-۳) اور (۱۲: ۱-۲) سے کم از کم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ (۴۳: ۲) میں کسی روشن اور بیّن کتاب کی شہادت پیش کی گئی ہے اور جَعَلْنٰهُ (۴۳: ۳)

پیش بینی ، اور غیر متعلق واقعات کو ذات پر محمول کر لینا اُنکے خمیر میں داخل ہو گیا تھا۔ من گھڑت روایات اور آبائی مزخرفات کا ایک عظیم الشان طومار اُن کا علم ادب بلکہ اخلاقی ضابطہ بن گیا تھا۔ فصاحت اور شعر گوئی کا یہ عشق و ولولہ تھا کہ عین میدان جنگ میں ، سفر و حضر میں ، خطابات اور مناظرات بلکہ عالم خواب† میں ، رجز و سجع بے تامل کہہ دیتے ۔ ظہور اسلام سے پیشتر بیسیوں برس تک ، فصاحت کے یہ جنونی امرالقیس ، زہیر ، لبید بن ربیعہ وغیرہم کے مُعلقات السبع کے سامنے فی الحقیقت ماتھا رگڑتے رہے ، اور مُجہرات اور منتقیات السبع‡ کے مصنفوں کو اپنے تخیل اور فصاحت ، حتّٰی کہ اعمال و اعتقادات کا سچا رہنما مانتے رہے ۔ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تمام مراسم شنیعہ کو جہنّم کا شعلہ اور غضب الٰہی کی آگ دکھا کر یک قلم معدوم کر دیا ۔ تمام مذاہب و ادیان ملیامیٹ ہو گئے ؛ توہم پرستی قطعاً جڑ سے اُکھڑ گئی ؛ کہانت اور نبوت کے متعلق سب مافوق الفطرۃ عقائد اور دعاوی قرآن کے ایک ادنیٰ اشارے سے باطل ہوتے گئے : اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِہِمْ مِّنْ جِنَّۃٍ ؕ اِنْ ہُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ (۷ : ۱۸۴) ؛ نجوم پرستی اور سحر کے تمام شعبے بیکار ہو گئے ؛ قرآن کی روشن اور نمایاں حقیقت کے سامنے کذب و دروغ سب فنا ہو گیا : وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ

لہ کیا ان لوگوں نے اس بات پر کبھی غور نہیں کیا کہ اُنکے پیشوا (یعنی رسولِ خدا) کے اندر کوئی جن تو ہے نہیں ، وہ کوئی پاگل تو ہیں نہیں کہ اُن کی بیہودہ اور ان ہونی فرمائشیں قبول کرتے پھریں وہ تو صرف کھلم کھلا اور صاف طور پر عذاب خدا سے ڈرانے والے ہیں اور بس ۔

† عالمِ خواب میں شعر کہنے کے متعلق اہل عرب کی بعض روایتیں مشہور ہیں جن کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں ۔

‡ مُعلقات کے سات قصائد مشہور ہیں ۔ ان کے مصنف امرالقیس ، زہیر ابن ابی سلمٰی ، حارث بن حلزہ ، لبید بن ربیعہ ، عمرو بن کلثوم ، طرفہ بن العبد ، اور عنترہ بن شداد ہیں ۔ "مجہرات" بھی سات قصیدے تھے جو نسبتاً کم مشہور ہیں ۔ نابغہ ذبیانی ، عبید بن الابرص ، عدی بن زید ، بشر بن کازم ، امیۃ بن ابی الصلت ، خداش بن زہیر ، نمر بن تولب العکلی ، ان قصائد کے مالک تھے ۔ "منتقیات" تیسرے طبقے کے قصائد ہیں ۔ جن کے مصنف مسیب بن علس ، مرقش بن جریر ، مرقش الاصغر ، عروۃ بن الورد ، ورید بن صمہ ، مہلہل بن ربیعہ ، اور عثمان بن سوید تھے ۔ یہ سب شعراء اکثر زمانۂ جاہلیت ہی کے تھے ۔ معلقات کے سات قصائد خانۂ کعبہ کی دیواروں پر لٹکتے رہتے تھے ۔ لوگ اُن کو آکر دیکھتے اور ان کے سامنے سجدہ کرتے ۔ تذکرۃ الحکم فی طبقات الامم میں معلقات پرستی کی مدت ڈیڑھ سو برس لکھی ہے مگر امرالقیس کے عہد حیات (سنہ ۵۳۰ء) اور ابتدائے اسلام کے زمانے (سنہ ۶۲۱ء) کو پیش نظر رکھکر اس مدت عبادت میں بہت کچھ مبالغہ معلوم ہوتا ہے علاوہ ازیں بعض جدید محققین نے ان قصائد کے دیوار کعبہ پر آویزاں ہونے سے بھی یکسر انکار کیا ہے ۔ اور "معلقات" کے قصیدے کو حماد الراویہ سے منسوب کیا ہے ۔ بہرنوع واقعات کچھ ہی ہوں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان قصائد کی عرب میں خاص عزت تھی ۔ اور کوئی شے ان کے بالمقابل قدر و قیمت میں ٹھیر نہ سکتی تھی ۔

کی طرح اوہام پرستی اور خیال آرائی میں ماہر تھے۔ اُن کے مذاہب اور ادیان میں، اُنکی عبادات اور معاملات میں، اُنکی رسموں اور رواجوں میں تخیل اور توہم کا عظیم تر حصہ شامل تھا۔ اُن میں غیب دانی اور کہانت کا بکثرت رواج تھا۔ زود اعتقادی کی یہ حد تھی کہ عورتیں بھی نبوت کا دعوٰے کرکے قبائل سے بیعت کرالیا کرتی تھیں۔ قیافہ شناسی، تفاؤل و تشاؤم، تنجیم و تسخیر، میسر و ازلام، سیمیا، وغیرہ وغیرہ ایسے اعتقادات و ہیئات تھے جن پر صدیوں سے نہایت ایماندارانہ عمل چلا آتا تھا۔ ظن و قیاس سے واقعات کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۱) مُبِیْنٍ (۱۵: ۱) اور الْقُرْاٰنِ اور کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (۲۷: ۱) کے درمیان ظاہری شناخت قائم کرکے کتاب فطرت اور کتاب خدا کو ایک سمجھنے کا پر معنی اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن اسی مطلب کی ایک اور آیت بھی غور طلب ہے جس میں خود قرآن ہی کو کتاب مبین کا لقب دیا گیا ہے سورۂ مائدہ میں ہے: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ (۵: ۱۵)۔ "لوگو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے یہ قرآن کیا آیا ہے گویا نور اترا ہے اور کتاب مبین اُتری ہے"۔ گویا قرآن اور کتاب مبین (یعنی صحیفۂ فطرت) ایک ہی شئے ہیں۔ لیکن ان معانی کی مزید شہادت اصل کتاب میں اپنے موقع پر ملے گی۔

"الکتاب المبین" کے ان معانی کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ "اُمّ الکتب" کیا شئے ہے لیکن ادنیٰ سے تامل کے بعد یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ اگر "الکتاب المبین" صحیفۂ فطرت کا وہ حصہ ہے جہاں تک انسان کے حواس ظاہری پہونچ سکتے ہیں تو "اُمّ الکتٰب" لامحالہ تمام کائنات ہی جس کا ایک عظیم تر حصہ انسان کے دست قدرت اور علم سے قطعاً باہر ہے اور جس کا کامل علم لامحالہ اُس ذات باری کو ہے جس نے اسکو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اسی لئے اسکو "لَدُنَّا" کہا گیا ہے اور چونکہ صحیفۂ کائنات ہی تمام علم و حکمت کا مخزن ہے اسلئے اسکو "لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ" کا خطاب دیا گیا ہے۔ عوام کی زبان میں "اُمّ الکتٰب" کو مفسرین نے "لوح محفوظ" کہا ہے لیکن اگر نظر عمیق دیکھا جائے تو یہ صحیفۂ کائنات ہی "عظیم الشان کتاب" ہے جو لاکھوں اور کروڑوں برس سے محفوظ ہے۔ اسی کے اندر خدا کا علم اسکا قانون، اسکی حکمت چھپی پڑی ہے۔ وہ اس کے علاوہ کوئی بڑی لمبی چوڑی مجلد نہیں جو ہلا کی زبان میں ساتویں آسمان پر عرش خدا کے کنارے پر رکھی ہے "جس کی لمبائی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے"۔ اس نکتے کو پیش نظر رکھکر آیۂ (۴۳: ۴) کے مطالب صاف ہو جاتے ہیں: "اور یہ قرآن عظیم اس صحیفۂ کائنات کے عالم آرا قانون کا ایک جز ہے (وَاِنَّهٗ فِیْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ) جو وقت ہمارے پاس پڑا ہے (لَدَیْنَا) اور جو ایک بڑے پائے کا قانون (لَعَلِیٌّ) ہے اور حکمت سے پُر ہے (حَكِیْمٌ)"۔ جب دین اسلام کے رُو سے خدائے عزوجل کے وجود کو انسان کی شکل و صورت سے قطعاً کوئی مماثلت نہیں تو خدا کی بنائی ہوئی اُم الکتب بھی کاغذ کی بنی ہوئی انسانی کتابوں سے اصلاً مختلف ہونی چاہیئے۔

† زمانۂ جاہلیۃ کے اہل عرب کے نزدیک کہانت اور نبوت میں بہت کم فرق تھا۔ سب وہ لوگ جو آیندہ یا گذشتہ واقعات پر اطلاع رکھنے کا دعوٰے کرتے تھے کاہن کہلاتے تھے۔ جو اس کے علاوہ شعبدہ بازی اور عجائبات دکھلانے کا ادعا کرتے نبی کہے جاتے تھے۔ چنانچہ ان شرائط کو بزعم خود پورا کرنے والے افراد ہر قبیلے اور قریے میں موجود تھے۔ افعی، جذیمہ ابرش، اسود عنسی، ابن ابی سرح، مسیلمہ، وغیرہ وغیرہ چند مشہور کاہنوں اور نبیوں کے نام ہیں۔ ایک مشہور عورت سجاح بنت حارث نے جو قبیلۂ تمیم کی شاخ بنی یربوع سے تھی رسول خدا کے زمانے میں نبوت کا دعوٰے کیا مگر مسیلمہ کے بالمقابل ایک مدت تک اسکا زور نہ چل سکا۔ رسول خدا کی وفات کے بعد پھر اسی عورت نے جزیرہ بنی تغلب میں نبوت کا دعوٰے کیا اور بنی تمیم کو اپنا حمایتی بناکر اسلام کے لئے ایک مستقل خطرے کی صورت پیدا کردی۔ اسلام سے پہلے بھی ایسی کاہنہ عورتیں عرب میں ظاہر ہوئیں اور خلق خدا کو اپنے تابع کرلینے میں چند لمحوں تک کامیاب ہوتی رہیں۔ تفاؤل اور تشاؤم کا رواج بھی اہل عرب میں اسلام سے پہلے انتہائی حد تک پہونچ چکا تھا۔ عرب کے ان اعتقادات واہیہ کا بقیہ ابھی تک عالم اسلام کے اندر استخاروں اور مٹیگویوں کے شرعی تقدس میں رُونما ہے۔

اِن اعتقادی خرابیوں سے قطع نظر، عرب کا سب سے نمایاں اور مہلک عیب اُن کا باہمی انتشار اور **نفاق** بھی تھا۔ سب قبیلے ایک دوسرے کے خلاف آمادۂ جدال رہا کرتے تھے۔ بغض و حسد اُن میں کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا، سب کی سب سے کچھ رسم و راہ نہ رہی تھی۔ اُن کی ذاتی اور شخصی عداوتیں تھیں، حریفانہ کاوشیں اور خاندانی رنجشیں تھیں، حسب و نسب کے فخریہ جھگڑے، اور بداعمالی کے اِدّعائی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۴) نہیں۔ تعجب ہے کہ باوجود اس صریح اور پے در پے انکار کے آج مسلمانان عالم قرآن کو اُنہی معنوں میں فصیح مانتے ہیں جن سے اُسکو عمداً احتراز ہے۔ قرآن کے تمام طول و عرض میں اُسکی فصاحت کے متعلق ایک حرف کہیں موجود نہیں۔ نہیں بلکہ فصاحت کا لفظ بھی، سوائے قول موسیٰ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا[۵۱] (۲۸ : ۳۴) کے جو حضرت ہارون کے متعلق استعمال ہوا ہے کہیں نظر نہیں آتا! آیندہ اوراق میں اِس امر کے متعلق توضیح کردی جائے گی، لیکن قرآن کے فصیح فی البیان ہونے کا مہلک اور شرمناک تخیل مسلمانوں کی ہر رگ و پے میں اسقدر سرایت کر چکا ہے کہ اب اِس کتاب عظیم کی اور کوئی خوبی اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتی۔ اگر فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ[۵۲] (۲ : ۲۳) کی صلائے عام جو خدا نے قرآن حکیم کے متعلق جابجا دی ہے، فی الحقیقت اسکی فصاحت، اسکی شاعرانہ، اسکے صنائع اور بدائع کی خوبیوں کے متعلق ہے، اور اس کتاب جلیل کی عالمگیر **حکمت** اُسکے ناپیدا کنار **علم**، اسکی حیرت انگیز **صداقت** اور بے نظیر **ہدایت** سے اِس دعوے کو چنداں واسطہ نہیں، تو آج ابو القاسم حریری کے مقامات کا ایک ایک ورق، یا امرالقیس ابن حُجر کے قصائد کا ایک ایک بیت ان انسانی کمزوریوں اور تکلفات، اِن خود ساختہ تُرّہات اور لغویات سے اِسقدر پُر ہے کہ قرآن کی عبارت اُن کے بالمقابل حتماً نہیں ٹھیر سکتی۔ اگر فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ[۵۳] (۱۱ : ۱۳) سے صاحب القرآن کی مراد فی الحقیقت یہی تھی کہ برجستہ الفاظ اور چست بندشوں، یا قوافی اور استعاروں کی مناسبت میں اسکا اَدبی مقابلہ کیا جائے، اور دین اسلام کو کسی اہل زدہ اُمت کے لغو شاعروں کا اکھاڑہ بنا کر خدائے زمین و آسمان کے ذوق سلیم کی داد (العیاذ باللہ) دلوائی جائے، تو آج مسیلمہ کذاب کا افترا کیا ہوا "قرآن" بھی جس کی چند پریشان آیتیں کہیں کہیں ملتی ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے قرآن سے کسی اسلوب میں کم نظر نہیں آتا، کیونکہ اُس مفتری علی اللہ کی سحر بیانی نے بھی آخر انہی عرب قبائل کی ایک تعداد کثیر کو عین صدر اسلام میں برسوں تک دم بخود کر رکھا تھا جو خود اعتقاد مسلمانوں کے قول کے مطابق اِس سے پیشتر قرآن کی اَدبی خوبیوں پر مرمٹے تھے! قرآن اگر آج زمین کے طول و عرض میں پھیل کر ساکنانِ عالم کے لیے مشعل نور و ہدایت بن گیا ہے، اور مسیلمہ کا تمام قافلہ لُٹ کر ہمہ تن زمین بن چکا ہے، تو اسکی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کی زبان علم ادب کے اُن رسمی قواعد کے رو سے بہتر ہے جن کو خود انسان ہی نے وضع کیا، نہ اس لیے کہ مالک زمین و آسمان اور بادشاہ ارض و سما نے بادشاہ ہو کر ہیچمیرز انسان کے اسالیب بیان کا بہترین تتبع کیا ہے، بلکہ اِس لیے کہ یہ تصنیف جلیل **کلام ملوک** میں وہ **ملک الکلام** ہے جس کی حکمت اور حقیقت جس کا علم و فضل، نور و ہدایت سب انسانی تصانیف سے حتماً بالاتر ہے! یہ ناپیدا کنار **علم** کا مخزن ہونا ہی وہ مات کن فضیلت تھی جسکے آگے مغرور سے مغرور گردنیں جُھک گئی تھیں، جس کے سامنے بادشاہوں نے گردن خم کردی تھی۔ عرب اور عجم سب دم بخود ہو گئے تھے، **عمر** (رضی اللہ عنہ) سا نمود اور سخت گیر دشمن مُر گیا تھا، **ابو سُفیان** نے بالآخر توبہ کرلی تھی، اور آج بھی اگر قرآن عظیم سے دل میں باغی اور منہ سے مُقِر مسلمان اسکے آگے از سر نو گردن اطاعت خم کر سکیں گے تو اسکی شاعرانہ حیثیت کو دیکھ کر نہیں، بلکہ لامحالہ اسکے **علم** ہی کے قائل ہو کر رہینگے! سورۂ ہود میں ہے (باقی)

---

۵۱ وہ یعنی ہارون مجھ سے زیادہ اپنے کلام میں فصیح ہے۔ ۵۲ تو اس قرآن جیسی ایک سورۃ تو کہیں سے لے آؤ۔ ۵۳ تو اسی طرح کی من گھڑت دس سورتیں تم بھی بنا لاؤ۔

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ (۱۷ : ۸۱)؛ فصاحت کے طاقتور اور فساد انگیز طلسم کو توڑنے کے لیئے کلامِ الٰہی نے اپنے بے ارادہ زور کلام سے ہی خاموش مگر ترکی بہ ترکی جواب دیکر عرب کو ہمیشہ کے لیئے دم بخود کر دیا؛ معلقات کی پرستش از خود ماند پڑ گئی؛ عرب کی طاقت گویائی گویا اچک لی گئی۔ مگر ساتھ ہی عرب کے اِس مالیخولیائی وصف کی علانیہ تکذیب و توہین کے ارادہ سے، اور کتاب الٰہی کی حیثیت کو شعر و فصاحت سے بے انتہا بلند تر جتلانے کیلئے، شارع اسلامؐ نے شاعروں کو اللہ کے رستے سے بھٹکے ہوئے، وہم و گمان کی وادیوں میں سرگردان، جھوٹے اور مفتری قرار دیا۔

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ (۲۶ : ۲۲۴-۲۲۶)

اور جیسا کہ عرب خیال کرتے ہیں رسولِ خدا شاعر بھی نہیں۔ شاعر تو خود گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہ لوگ ہی اُنکے پیچھے لگتے ہیں۔ کیا تو نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ وہ عالم وہم و خیال کے ہر میدان میں پڑے بھٹکتے ہیں اور اکثر اپنے بارے میں فخر کے طور پر وہ کچھ کہتے ہیں جو کبھی کرتے نہیں۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ۝ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ (۳۶ : ۶۹-۷۰)

اور ہم نے رسول خدا کو کچھ شاعری تو نہیں سکھائی اور نہ شاعری اُنکی شان ہی کے لائق ہے۔ یہ قرآن تو نری نصیحت ہی نصیحت ہے، ہاں البتہ واضح کتاب ہے۔ اور اسکے مُبین ہونے سے مقصود یہ ہے کہ باحس اور بیدار لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرائے اور ساتھ ہی منکروں پر ہمارے عذاب کی دھمکیاں برحق ثابت ہوں۔

لہ اور اُن سے کہدو کہ اب حق آگیا اور باطل نیست و نابود ہو گیا۔ اور فی الحقیقت اُس نے تو ایک نہ ایک دن مٹنا ہی تھا۔

† اِس آیت میں اور اور کئی موقعوں پر جن کی تفصیل آگے آئے گی مخالفین نے قرآن کو شعر کہا ہے۔ حالانکہ قرآن موجودہ معانی میں شعر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ موزوں نہیں، بلکہ تمام کا تمام مقفّٰی بھی نہیں حقیقت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب ہر اُس شے کو جس میں نظافت بیان ہو، ایجاز و اختصار ہو یا جسکی عبارت مقفّٰی ہو، بلا لحاظ وزن شعر کہا کرتے تھے۔ فصاحت کا معیار بھی اُن کے نزدیک یہ تھا کہ خوبیٔ مضمون کے ساتھ ساتھ الفاظ خوش اسلوبی سے پیوست کیئے گئے ہوں، ان میں ترنم ہو، مطالب سادہ اور دلچسپ ہوں، ان میں غیر ضروری عمق نہ ہو، لیکن وزن کا ہونا یا نہ ہونا ضروری نہ تھا۔ اِسی بنا پر اہل عرب سجع، رجز، خطبات، مناظرات اور قصائد سب کو شعر میں داخل سمجھتے تھے۔ اور چونکہ اِس قطع کے شعر کا جزوِ اعظم ہمیشہ سے یہی ہے کہ انسان کے سفلی اور سطحی جذبات یا صرف سماعی محسوسات کو برانگیخت کرتا ہے، اور باطنی تربیت اسمیں مدنظر نہیں ہوتی بلکہ اِس لیے قرآن کو اپنے متعلق ایسی فصاحت کے معترف بننے میں چڑ تھی۔ اِسی نقطۂ نظر سے قرآن نے جا بجا شعر ہونے سے انکار کیا ہے اور اِسی لحاظ سے وہ فصیح ہی

خوف احکم الحاکمین کے حلقۂ اثر میں لاکر کالعدم کردیا۔ سب فرقہ بندیاں اور نفاق آرائیاں جسے اکھاڑ دیں، صدیوں کے دشمن دوست کردیئے، سینوں کی کدورتیں نکال پھینک دیں، دلوں سے کینے یکسر اُچک لیئے، اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (۴۹:۱۰) کا لشکر انگیز فرمان بارگاہِ خداوندی کے ہاں سے دکھلاکر چند برسوں کے اندر اندر محکوم اور شکست زدہ اہل عرب کو فرماں فرمائے عالمیان اور بادشاہ وقت بنادیا!

یہ سب کچھ اسلام اور قرآن کا ناقابل انکار معجزہ تھا مگر عرب کی **جبلّت** اور **طینت** کو کون بدل سکتا تھا؟ وہ عادتیں اور خاصیتیں جو اُن کی فطرت میں ہزار در ہزار برس پہلے سے چلی آتی تھیں کس طرح چشم زدن میں اُنسے رخصت ہوکر اپنا نقش پا نہ چھوڑتیں؟ وہ ملّی اوصاف جو قرنوں اور صدیوں پہلے اُنکی مٹی میں خمیر ہوچکے تھے، اُن کے طبعی میلانِ کار کو کیسے بے اثر چھوڑ دیتے؟ قرآن کی قاطع الظن اور متحد الاعمال تعلیم کی فدایانہ تعمیل میں عرب اپنی ظاہری عبادات اور مرسومات کو بدل سکتے تھے، اپنی آبائی روایات اور اعتقادات کو بادی النظر میں چھوڑ سکتے تھے، اپنے داخلی مناقشات اور قبائلی تنازعات کو علی رؤس الاشہاد محو کرسکتے تھے، بلاغت اور فصاحت کے ذاتی ادّعا کو بھی طوعاً و کرہاً خیرباد کہہ سکتے تھے، مگر طبائع کے باطنی رُجحان اور اصلی طریق تخیّل کو ہرگز نہ بدل سکتے تھے۔ اُنکا مسلک وہم و خیال یونان کی قدیم وہمی روایات سے ہزارہا سال قدیم تر تھا۔ اُنکی قبائلی زندگی کی بُنیاد رزم آفرینش سے اِسی انداز پر چلی آتی تھی۔ وہ اِسی وہمی اور اعتقادی ماحول کے بگڑے ہوئے طِفلک، اور اِسی فرقہ آرائی اور انتشار کے کُہنہ مشق استاد تھے۔ اِس بنا پر اُن میں کسی حقیقت کشا علمی صداقت یا عافیت انگیز

لہ ایمان والے تو آپس میں بھائی بھائی ہی ہیں۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۶۶) اور حقیقت پر مبنی ہو، جس واقع الامر کی تائید اور صراطِ مستقیم کی توکید ہو، جس کا منتہائے نظر انسان کو امن کا راہ راست دکھانا اور اجتماعی ہلاکت سے حتی الوسع بچانا ہو، ہر ایسی کتاب خود بخود اپنے زورِ بیان کے باعث، اپنی صداقت اور عُمقِ نظر کی وجہ سے بلیغ بلکہ بسا اوقات فصیح بھی بن جاتی ہے، لیکن اس بلاغت اور فصاحت کا شاعرانہ تکلف اور آورد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اِنہی معنوں میں قرآن حکیم بھی بلیغ ہے۔ جیسا کہ آگے چلکر جا بجا واضح ہوگا۔

بہرنوع محولہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کے متعلق شاعرانہ فصاحت کا دعوے سرتا پا اہل عرب یا مسلمانانِ عالم ہی کی ایجاد ہے۔ صاحب القرآنؐ کو اِس سے کوئی تعلق نہیں۔

اعلان تھے، ذاتیات پر بے اندازہ فخر و طعن تھا۔ اِس بنا پر اُن کے درمیان ادنیٰ سی بات پر نارِ حرب مشتعل ہوجاتی تھی۔ پھر ان خانہ زاد لڑائیوں میں قبیلوں کے قبیلے اپنی بسالت اور تہور، اپنے شرف اور تفاخر، اپنے زور و عمل کے جوہر دکھانے کے لیے شوقیہ مل جاتے تھے۔ پھر خود نمائی اور نفس پسندی کی آن اکثر اوقات اس حد تک نمایاں ہوجاتی تھی کہ برسوں کے مقاتلے اور انتہائی کشت و خون کے باوجود مصالحت کا نام زبان پر لانا بے غیرتی میں داخل تھا۔ ہادیٔ اسلام نے اِس ہلاکت انگیز معاشرت کو حکومت خدا اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ٦٥) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (١١ : ١٣-١٤)

کیا قرآن کے منکر کہتے ہیں کہ محمدؐ اسکو اپنی طرف سے گڑھ لایا ہے۔ انہیں کہدو کہ ہاں تم بھی ایسی ہی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ، اور اگر تم اس الزام دہی میں سچے ہو تو خدا کو چھوڑ کر تمام دنیا جہان کے لوگوں کو، جہانتک تمہاری طاقت ہو، مدد کے لیے بلاؤ کہ تمہاری بنائی ہوئی سورتیں مقابلے میں پوری اُتر سکیں۔ پھر اگر لوگ اِس پر بھی تمہاری اِس دعوت کو قبول نہ کریں تو جانے رہو کہ یہ قرآن عظیم اس خدائے زمین و آسمان کے علم کو اپنے ساتھ لیکر اُترا ہے (اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ) اس شارع کائنات کی ناپیدا کنار حکمت کا امین ہے اور وہ وُہ علیم ہے۔ مثال ہے جسکے مثل کوئی دوسرا حتماً نہیں (وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) تو کیا تم اِس ناممکن الحصول فضیلت کو پیش نظر رکھکر اسکو کتاب خدا تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو؟

خدائے زمین و آسمان معاذاللہ کوئی شاعر نہ تھا کہ لوگوں کو ادبی مقابلے کے لیے بلاتا۔ اس کی بڑی اور کارگر دھمکی یہی ہے کہ انسان کا علم اُسکے بالمقابل محض ہیچ ہے، یہی وہ شے ہے جو شاگرد کو اُستاد کے سامنے، محکوم کو حاکم کے حضور میں، جاہل کو عالم کے روبرو، مستغیث کو منصف کے آگے حتماً چُپ کرا دیتی ہے! اِسی کے ہوتے ہوئے کسی کو دم مارنے کا یارا نہیں ہوتا! اگر بعثت رسولؐ کے زمانے میں تمام کا تمام عرب فصاحت کا شیدا تھا۔ اگر عرب کو اپنی شاعری کے بالمقابل تمام دنیا گُنگ نظر آتی تھی، تو بھی خدا پر اسکا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اور نہ اِس موقع کو غنیمت جانکر (العیاذ باللہ) خدا اپنی فصاحت کو ظاہر کرنے کا اشتیاق رکھتا تھا۔ اُس پاک ذات نے اگر قرآن کو عربی زبان میں اتارا تھا تو محض اسلیے کہ عرب کی گمراہ قوم قانونِ خدا کو سمجھ جائے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (١٢ : ٢) اُسکے منشا کو اخذ کرے: اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (٤٣ : ٣) اُن کا کوئی لنگ عذر باقی نہ رہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (١٤ : ٤) اُن کی بہانہ سازیاں معدوم ہوجائیں، انکو اِس تشریح و تبیین کے بعد کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے، اُن کے لیے باعث تذکیر و اعتبار ہو: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (٤٤ : ٥٨) مصدر امن و بشارت ہو: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ (١٩ : ٩٧) اِس سے زیادہ قطعاً اور قاطبتہً کچھ نہیں اور اگر مسلمانانِ عالم اِس پر بھی کسی مضحکہ انگیز وہم میں گرفتار ہیں اور قرآن کو کسی عربی ہزل گو یا ہندی نک بند کا مجموعہ فکاہات سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں اِس سے کلام الٰہی کی عظمت اور صداقت میں لزوماً کوئی فرق نہیں آتا۔

اِس میں شک نہیں کہ ہر وہ کتاب جس کا منشا علم و یقین کی طرف رہنمائی کرنا ہو، جو صدق نیت اور خلوص دل سے لکھی گئی ہو، جو سرتاپا راستی

٥١ مطالب کے لیے دیکھو ص صفحہ ٦٠-٦١ ٥٢ دیکھو متن صفحہ ٦١۔ ٥٣ دیکھو تحت المتن صفحہ ٤٦۔ ٥٤ دیکھو تحت المتن صفحہ ٥٧ ٥٥ اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہنا کر محض اِس لیے آسان کر دیا ہے کہ تم اِس کے ذریعے سے خدا سے ڈرنے والی قوم کو خوشحالی کی خبر دو، اور عرب کی جھگڑالو اور نفاق پرور قوم کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔

فلاحت اور زراعت میں لگادے گی، اور تم کو وہی کچھ مل رہے گا جو مانگتے ہو۔ پھر ان پر ذلت اور محتاجی لیس دی گئی اور وہ خدائے قاہر کے غضب میں آگئے! یہ سب اس لیے کہ انہوں نے خدا کے مستعد کئے ہوئے احکام سے غفلت برتنی شروع کردی تھی، اور رسُل کو ناحق قتل کیا تھا، اور نیز اس لیے کہ اپنے امیر جماعت کی نافرمانی کی تھی اور کاہلی، کاہچوری، اور ناقدر شناسی میں حد سے زیادہ تجاوز کیا تھا۔

صدرِ اسلام کے اہل عرب نے بلاشبہ صاحبؐ شریعت کی زندگی میں ہی کلام الٰہی کے آگے سربسجود ہوکر اپنا سارا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا؛ وہ سارے کے سارے ایک اقل قلیل مُدّت میں ماسوی اللہ کے قطعی منکر، اور خدا اور رسول کے قطعی مطیع ہوگئے تھے؛ قرآن اُن کا واحد منتہائے عمل، اور کتاب خدا اُنکی ایک جو لانگاہ نظر بن گئی تھی؛ اُسکے محض ابتدائی اصول پر بے دھڑک اور بلا تامل عمل کرنیکے شکرانے میں منعم لم یزل نے دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت، اور زمین کی وسیع تر وراثت اُن کو سپرد کردی تھی؛ وہی نہروں والے جنات جنکا وعدہ، بادی النظر میں خدا نے آخرت میں کیا تھا، قرآن کے مبادیات اور ایمان کے حرف اوّل پر بیجا با عمل کے عوض میں اُن کو اس دنیا میں ہی مل گئے تھے؛ اُن کے مشعلستانِ ایمان دل، اور محشرستانِ عمل جگر، اُن کو چند برسوں† میں ہی سمندروں کے پار، عراق عرب کے میدانوں، افریقہ کی تپتی ہوئی ریتوں، اور اُندلس کی خوشگوار چوٹیوں پر لیگئے! یہ سب کچھ اہل عرب کی بینظیر خوبیوں کا ایک منظر تھا مگر جب زمین کی بادشاہت مل گئی، اور امن کے لازمات حاصل ہوگئے تو سلطنت کے تمکن و استقرار کیلئے قرآن میں استدلال اور اجتہاد ناگزیر ہوگیا، عرب کی مختصر سیاسیات میں توسیع اٹل نظر آئی؛ تب اسلام کے یہ جاں باز

† ایک مورخ نے تخمینہ لگایا ہے کہ رسول خدا کی وفات (سنہ ۱۱ھ سنہ ۶۳۲ء) کے بعد بارہ برس کی مدت میں (گویا فاروق اعظم کے عہد خلافت کے اختتام (سنہ ۲۳ھ سنہ ۶۴۴ء) تک) مسلمانوں نے چھتیس ہزار شہر اور قلعے اپنے قبضے میں کرلیے تھے۔ چار ہزار بتخانوں اور ہیکلوں کو اپنے تصرف میں لاکر مسجدوں میں تبدیل کیا۔ گویا اسلامی افواج کی اوسط رفتارِ تقدم مسلسل بارہ برس تک یہ رہی کہ ایک دن میں نو شہر یا قلعے سر کرلیتے تھے، جو آج کسی قاہر سے قاہر یورپی فوج کے لیے ازبس متعذر ہے۔ خود المانیہ، اپنی ناپید امثال جُندیت کے باوجود، حال (یعنی سنہ ۱۳۳۳ھ سنہ ۱۹۱۴ء) کے محاربہ عظمیٰ میں اس رفتار کے عُشر عشیر تک بھی نہ پونہچ سکی۔ اور یوں تو دول یورپ کے برخلاف جارحانہ تقدم چند مہینوں تک قائم رکھنا بھی اسکے لیے بالآخر پیام موت بنکر رہا۔ حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا رقبہ بائیس لاکھ مربع میل تھا۔ ہجرت کے ایک سو برس بعد تک مسلمان پرانی دنیا کے تینوں براعظموں میں پھیل گئے؛ ایشیا میں دریائے اٹک کی حدود انکے ایک طرف، اور یورپ میں فرانس کے جنوبی اور وسطی میدان دوسری طرف تھے، افریقہ کا تمام شمالی علاقہ بھی انہی کے دست قدرت میں تھا، گویا ماسوا روما الکبریٰ کی سلطنت کے قریب قریب سب مہذب دنیا پر ان کا تسلط ایک صدی کے اندر اندر ہوگیا تھا۔

معاشری آئین کا معنًا اور اصالۃً رائج ہو جانا ازبس متعذر تھا۔ اسی قطع کی ایک متفرق اور اوہام پسند نوحؑ کی قوم، ان سے صدہا برس پیشتر، اپنے ضعف ایمان اور طغیان کے باعث غضب الٰہی کے تنور میں دردانگیز طور پر غرق ہو چکی تھی: (سورۂ ہود ۱۱: ۳۵-۴۹)؛ اسی جزیرۃ العرب کے ایک حصے میں عاد و ثمود کی احکامِ الٰہی سے متذبذب اور آیاتِ خدا کی مکذب قومیں بالآخر اللہ کے عذاب غلیظ اور صیحہ سے دوچار ہوئی تھیں (سورۂ ہود ۱۱: ۵۰-۶۰)؛ اسی دیار کے بسنے والے اصحاب مدین، صدیوں پیشتر کم وزنی اور شرک کرتے کرتے غضب الٰہی کی چیخ کے شکار ہو گئے تھے (سورۂ ہود ۱۱: ۸۴-۹۵)؛ اور وہ دراصل اسی مٹی میں رہنے والے وہم زدہ لوگ، اور قریب قریب اسی آب و ہوا میں پلے ہوئے فرقہ بند آدمی تھے جنھوں نے وادیٔ سینا میں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت بیضا کو ہاتھ میں لیکر، اسکی غیبت میں، اپنی پرانی عادت کے مطابق اللہ سے انکار، اور بچھڑے کی پرستش شروع کر دی تھی (سورۂ اعراف ۷: ۱۴۸-۱۵۱)؛ نہیں بلکہ وہ انہی عرب کے ہم اصل (سامی) اور قریب النسل (عبرانی)، ہم مشرب اور ہمسائگت میں رہنے والے بھائی بند تھے جنھوں نے حکومت، فارغ البالی، زرخیز زمینوں، معتدل آب و ہوا، چشموں اور نہروں اور انواع و اقسام کے طیبات رزق کی بے قدری کر کے بالآخر ذلّ و مسکنت کی وہی پرانی طرزِ معیشت کو پسند کر لیا تھا:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ (۲: ۶۱)

اور اے بنی اسرائیل! کیا تمہیں وہ وقت یاد ہے جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ اے موسیٰ! اب تو ہم ایک ہی قسم کے (ان اچھے اچھے کھانوں اور اس سرزمین کے شکار وغیرہ سے تنگ آ گئے ہیں تو آپ ہمارے لیئے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ شیرینی درخت حاج اور ٹیر (من و سلویٰ) کی بجائے ہمارے لیئے زمین سے جو چیزیں اُگتی ہیں، یعنی ترکاری اور ککڑی، گیہوں اور مسور اور پیاز، پیدا کرے۔ موسیٰ نے کہا کیا تم فضیلت اور حریت کے اس مقام رفیع کو چھوڑ محکومیت اور افلاس کی ادنیٰ معاشرت کو پسند کرتے ہو۔ اچھا تو یہاں سے کسی متمدن شہر کو چل پڑو جہاں کی حاکم قوم تم کو

بجائے الفاظ بینی اور ظاہر نوازی، اور اجتہاد کی جگہ خیال آرائی اور بلند پروازی از خود پیدا کردی؛ فصاحت پرستی صحیح معنوں میں از سرِ نو شروع ہوگئی! قرآن ہی سے ثابت کرنے کی ناروا کوشش کی گئی کہ انسانوں اور جنّوں کا متفق گروہ بھی اسکی ایک سورت جیسی فصیح و بلیغ "تصنیف پیدا کرنے سے متعذر ہے: وَمَا †

† سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (۱۷: ۸۸)

اے محمدؐ! تم علی الاعلان کہہ دو کہ اگر اس پہنائے عالم کے سب جنّ و انس بھی اس بات پر مجتمع ہو جائیں کہ اس قرآنِ عظیم کی مانند ایک دوسرا قرآن بنا لیں تو ہرگز اس جیسا نہ لا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد پر تُلے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں (جن کی تشریح اپنے موقع پر آئے گی یہاں اس سے بحث نہیں)

یہاں ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی فصاحت یا عبارت آرائی کے متعلق ایک حرف نہیں کہا گیا۔ کیونکہ اگر مقابلہ فصاحت ہی میں تھا تو تمام دنیا کے جنّ و انس کو دعوت دینے کی کیا ضرورت تھی، صرف فی دارالکلام اہل عرب ہی کو بلایا ہوتا جن کا مقابلہ کچھ معنی بھی رکھ سکتا تھا پس جب دعوت عام ہے تو موازنہ بھی لامحالہ کسی ایسی خوبی کا ہے جسکے متعلق ہر شخص حتی المقدور کچھ نہ کچھ دعوے کر سکتا ہے اور وہ خوبی علم، حکمت یا ہدایت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی

اس امر کا تصفیہ کہ محوّلہ بالا آیت (۱۷: ۸۸) میں مِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ کے الفاظ سے بعینہٖ کن معنوں میں مثیل قرآن کے ممکن نہ ہونے کا دعوے کیا گیا ہے، سورۂ انفال کی ایک اور آیت سے بھی ہوتا ہے جو اس لحاظ سے از بس معنی خیز ہے:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (۸: ۳۱)

اور ان ناہنجار اہل عرب کے انکار کی یہ شان ہے کہ جب ہماری آیتیں انکو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو مغلوب ہو اُٹھتے ہیں کہ ہاں ہاں ہم نے محمدؐ کے قرآن اور اسکے دعوے پیمبری کی حقیقت کو خوب سمجھا (قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا)، اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی ہی پیش پا افتادہ باتیں بنا لیں (لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ)، اس میں رکھا ہی کیا ہے، یہ تو وہی ڈھکوسلے ہیں جو اگلے لوگ ہم کو ہمیشہ سے سناتے چلے آئے ہیں۔

یہاں ظاہر ہے کہ مِثْلَ هٰذَا کا اشارہ قرآن حکیم کے نفس موضوع اور مشمولہ حکمت اور ہدایت ہی کی طرف ہے جس کی منکرین عرب نے اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ کہہ کر تخفیف کرنی چاہی ہے۔ اگر ادبی اور لفظی خوبیوں کی طرف اشارہ ہوتا تو اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ کے الفاظ بے موقع اور بمعنی تھے کیونکہ اَسَاطِیر کے لفظ سے غیر فصاحت کے معنی قطعاً نہیں نکلتے اور نہ اَوَّلِیْن سے مراد پرانے اُدباء اور فصحاء کی جماعت ہے۔ انہی معنوں میں مِثْل کا لفظ سورۂ طور کے اندر واقع ہوا ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝ (۵۲: ۳۳-۳۴)

(کیا لوگ کہتے ہیں کہ محمدؐ اس قرآن کو اپنی طرف سے بنا لایا ہے یہ تو ان کام چوروں کے لنگ عذر اور کٹ حجتیاں ہیں، اصل بات یہ ہے (بَلْ) کہ وہ سرے سے ایمان لانے کی نیت ہی نہیں رکھتے (لَا يُؤْمِنُوْنَ)۔ (کیونکہ ایمان لانیکے ساتھ ہی قرآن پر عمل کرنا اپنے ذمہ واجب ہو جاتا ہے) اور وہ بے اگر دعوے میں سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات بھی تو لے آویں۔

یہاں بھی صاف طور پر قرآن کا مثیل شعر و فصاحت میں طلب نہیں کیا گیا بلکہ مقصود اسکے مضامین کو قدر و قیمت میں برتر ثابت کرنا ہے۔ اسکے شعر ہونے سے انکار تین آیتیں پہلے اسی سورۃ میں ہو چکا ہے: اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝ (۵۲: ۳۰) یعنی کیا لوگ رسولِ خدا کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ تو محض ایک شاعر ہے جس نے اپنے زورِ تخیل کے باعث چند خوشامدی پیدا کر لیے ہیں۔ اسکی واہ واہ تبھی تک ہے جبتک وہ زندہ ہے اور ہم تو اس امر کے منتظر ہیں کہ موت کا حادثہ اُسکو آدبوچے اور اسکی سب لن ترانیاں خاک میں مل جائیں"

فدائی جو اپنے تمدن کی تمام اگلی روایات اور کلیات کو خدا کی راہ میں متروک کر چکے تھے، اسکے دقیق مطالب کی طرف متوجہ ہونے لگے؛ کچھ عرصہ قرآن کی جمع و ترتیب میں صرف ہو چکا تھا، کچھ اور تصریف کتابت میں خرچ ہوا؛ نقاط اور حرکات ایجاد کی گئیں†، مگر اعراب کے استعمال سے معانی کی نوعیت کے متعلق ایک علیحدہ اور انوکھا اجتہاد قائم ہونا شروع ہوا؛ عرب اپنی وہمی نفاق آرا، اور مجادلانہ طبیعت سے مجبور ہو کر اس جد و جہد میں ہمہ تن مصروف ہو گئے؛ تلفظ کی زیروں اور زبروں اور اختلاف معانی پر ترکیب الفاظ اور تغیرات عوامل پر مستقل مناظرات ہونے لگے؛ کوفے اور بصرے میں نحویوں کے دو مقتدر اور متخالف گروہ قائم ہو گئے۔ ان فساد آفرین مجادلوں میں، تلاش سند کے بہانے سے، عرب قبائل کی مختلف لغات اور جاہلیہ کا سارا علم ادب مدون ہو گیا؛ راویوں کی مختلف جماعتیں جاہلی اور مخضرمی شعرا کے رطب و یابس سب ابیات اور قبائل کی جھوٹی سچی سب روایتیں پیش کرنے لگیں۔ ادھر عرب کی ارباب ذوق، نازک اور ظنی طبیعتیں قرأت کے سطحی اختلافات کی بھی متحمل نہ ہو سکیں؛ علما کا ایک پُرمغز گروہ اختلاف قرأت، رموز اوقاف، اور ترتیل قرآن کی طرف لگ گیا۔ فصاحت و بلاغت کی ان مہلک یا دوہانیوں میں عرب جو اپنا بیشتر اعتقاد قرآن کی بے مثال فصاحت ہی پر رکھتے تھے، اور جو اپنی قادر الکلامی اور سخن شناسی کے کبھی منکر نہ ہوئے تھے، اسی ناگوار اجتہاد کو اسلام کی بہترین خدمت سمجھنے لگے۔ شعر و سخن کی ان دلدادہ طبائع، اور وہم و وسوسہ کی ان مجبور فطرتوں میں کلام خدا کی محبت نے استدلال کی

† قرآن کی مختلف سورتوں کی آیتوں کی داخلی ترتیب خود صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی میں کر دی تھی، مگر ایک مدت تک یہ سورتیں علی الحساب اہل عرب کے سینوں کے اندر محفوظ رہیں اور کتابت قرآن کا سوال پیدا نہ ہو سکا؛ غزوہ یمامہ کے بعد جب حضرت عمرؓ نے خلیفۂ اول کی توجہ جمع قرآن کی طرف دلائی تو صدیق اکبرؓ نے زید بن ثابتؓ کی وساطت سے قرآن کو جمع کیا۔ لیکن اس وقت سورتوں کی باہمی ترتیب کا خیال غالباً نہیں کیا گیا۔ خلیفۂ ثالث (المتوفی ۳۵ھ ۶۵۶ء) کے عہد میں سورتوں کی مستقل ترتیب عمل میں آئی جو آج تک قائم ہے۔ پہلے پہل قرآن کی کتابت شاید حمیری خط میں تھی۔ پھر اس کے بعد کچھ تصرف کر کے کوفی خط کو لے لیا۔ بعد ازاں زیر، زبر، پیش، جزم، وغیرہ وغیرہ حرکات اور نقاط ایجاد کیے گئے۔ اور اس خط کو اور بھی ترقی ہوئی۔ پھر دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جب مسلمانوں نے اندلس اور افریقہ کو فتح کر لیا اور ابو جعفر منصور نے ۱۳۳ھ ۷۵۰ء میں بغداد پر قبضہ کر کے اس کو علوم عربیہ کا مرکز بنایا تو خط بغدادی کی ابتدا ہوئی جو آج بعض اہم تبدیلیوں کے بعد ہر جگہ جاری ہے۔

..... وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ (۷۳:۴)

اور قرآن کو خوب سوچ سمجھ کر پڑھا کرو۔

ظاہر پرستی کے اِن لاانتہا اور شبانہ روز مشاغل کے باعث قرآن کے مطالب میں حقیقی تدبر محال تھا۔ اسلام کی دماغی قوت کا بہترین حصہ اس دردناک طور پر ضائع اور منتشر ہوتا گیا۔ قرآن کی درس و تدریس تمام عالم اسلام میں انہی اصول پر ہونے لگی۔ اس اثنا میں جمع و تدوین احادیث کے نئے نظریے نے اجتہاد کا رُخ ایک اور ہی طرف بدل دیا۔ سینکڑوں محافظین دین تسلسل اور تواتر کے ناممکن اور غیر یقینی اجتہاد میں مصروف ہوگئے۔ راویانِ احادیث کے حسب نسب اور نامہ ہائے اعمال کی ایک نہایت وضعی مگر پُرازکار تحقیق شروع ہوگئی۔ احادیث کی صحت کا معیار اہلِ عرب نے پھر اُسی عقیدتمندی اور غلبۂ وہم کی بنا پر، کتاب الٰہی سے تطبیق یا کم از کم عدم تضاد کی بجائے، رُواۃ کے ذاتی اعتبار کو قرار دیا۔ دینی اور خدائی معاملات میں اس ناروا ارادت کا اظہار، اور نسیان کار انسان سے یہ عقیدتمندانہ سلوک عرب کی ظاہر پرستی اور ناحقیقت شناسی کی ایک اور دلیل تھی جسکا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ قسم قسم کی احادیث، موقع اور مطلب کے بنا بنے کے لیے معتبرین کے نام پر موضوع ہونے لگیں حتّٰی کہ اُن کی چھان بین محال ہوگئی، اور بیحد قیمتی وقت صرف ہوا۔ کلام الٰہی کے مطالب میں براہ راست اجتہاد اُسیقدر کم ہوتا گیا، اور ضمناً مسلمان ایک حسرت انگیز طریقے پر، قرآن کے ناقص اور غیر مکمّل، مغلق اور غیر مشرّح ہونے کے خاموش قائل ہوگئے!†

درحقیقت اِس تمام سطحی جدّوجہد کے بروئے کار نہ آنے کی اصلی وجہ اہلِ عرب کا طریق تخیّل تھا۔ عرب کی گذشتہ ہزارہا سالہ تاریخ میں اُن کا واسطہ تخیّل کی دو ہی شقوں سے پڑتا رہا۔ شاعرانہ شق کی بنا پر انہوں نے قرآن کے ظاہری محاسن کو دیکھنا شروع کیا اور بالآخر اسکو کمال پر پونہچا دیا؛ عجیب و غریب رسمی علوم ایجاد کرکے اسکے صنائع اور بدائع کی مکمّل تدوین کی؛ نصّ قرآن کو ایک زیر و زبر کے اختلاف سے پاک کرکے

† احادیث کے معیارِ صحت کی حقیقت اور متعلقہ معاملات کے بارے میں ایک مبسوط بحث عنقریب تیسری مجلد میں آئے گی۔

هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ† قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (۶۹: ۴۱-۴۳)

متن وعبارت کی خوبیاں، اور نطق کی گہرائیاں پیش نظر ہوتی گئیں، فصاحت کے عاشقوں کی ایک جماعت بلاغت کو مستقل فن بنانے میں مصروف ہوگئی، قرأت اور ترتیل کے موضوعہ اصول کی بنا پر ادائی کی امانت کے عوض میں، عرب وعجم سب کے لیے، اللہ کی مار سے دردناک سزائیں مقرر ہوئیں۔ آہ! لیکن ان مجاز پرستان دین کو اس اعتنا واہتمام کے باوجود یہ کہنے کی توفیق ہرگز عطا نہ ہوئی کہ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی حقیقی غایت خدا کے نزدیک صرف اس قدر ہے کہ اسکی ایک ایک آیت کے مطالب عوام کے دلوں پر کالنقش فی الحجر ہو جاویں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝ (۲۵: ۳۲)

اور منکرین دین جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن سارے کا سارا ایک دم سے کیوں نازل نہیں ہوا تو انہیں کہہ دو کہ فی الحقیقت یہی مناسب تھا کیونکہ ہم اس کے مطالب تمہارے قلب پر دل نشین کرکے تمہیں مطمئن کرنا چاہتے تھے اور اسی وجہ سے ہم نے اسکو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اتارا۔

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝ (۱۷: ۱۰۶)

اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کرکے اس لیے اتارا کہ تم وقتاً فوقتاً مہلت کے ساتھ اسے لوگوں کو پڑھکر سناؤ اور اسکے مطالب دلنشین کردو، اور اسی مصلحت سے ہم نے اسے رفتہ رفتہ اتارا۔

لہ اور یہ قرآن کسی شاعر کا کلام تو ہے نہیں، افسوس کہ تم اسکی حقانیت پر بہت کم ایمان رکھتے ہو جو اسے قول شاعر قرار دیتے ہو۔ نہ یہ کسی کاہن کے ڈھکوسلے ہیں۔ افسوس تم اس سے بہت کم نصیحت پکڑتے ہو جو اسے ایسا سمجھتے ہو۔ یہ تو پروردگار عالم کیطرف سے اترا ہوا کلام ہے۔

† یہ تیسرا موقع ہے کہ قرآن کے شعر ہونے سے بصراحت تمام انکار کیا گیا ہے۔ ایک موقع ابھی ابھی صفحہ ۷۱ پر اور ایک صفحہ ۶۴ پر گذر چکا ہے۔

‡ یہ آیہ جلیلہ صفحہ ۴۶ پر پہلے بھی آچکی ہے مگر اس جگہ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ کے مطالب کی تشریح نہیں کی گئی تھی۔ سورۂ ہود کے اخیر میں ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ (۱۱: ۱۲۰)

اور یہ سب جو کچھ ہم تمکو اپنے گذشتہ پیغامبروں کے حال بیان کرتے ہیں (انکی کامیابیوں اور دشمن کی ناکامیوں کی اطلاع دیتے ہیں) اس سے غرض و مطلب یہی ہے کہ ہم تمہارے دل کو مضبوط کردیں، تمہارے عزم کو مصمم کردیں (مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ) قانون خدا کی اہمیت کو واضح کرکے تمہارے دل کو اسکی صداقت کے بارے میں مطمئن کردیں (مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ) اور اس میں شک نہیں کہ تمہیں اس موضوع کے اندر ایک عظیم الشان حقیقت (الحق) منکشف کردی گئی ہے (جو تمہارے آئندہ طرز عمل کیلئے مفید ہوگی) اور علاوہ ازیں ایمان والوں کے لیے بھی اس سورت میں نصیحت اور عبرت ہے!

حقیقت کی ماہیت سے یہاں بحث نہیں مگر یہ امر ظاہر ہے کہ نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ کے معنی دل کو مطمئن کرنے کے ہیں۔

زندگیوں کو چٹان کی طرح مضبوط دیکھنا چاہتا تھا، لامحالہ ظن کے انہی ناہموار نتائج کو پیش نظر رکھکر، اسکی بعض قسموں کو قطعی طور پر گناہ قرار دیا تھا، مگر قرآن کریم کے ان عظیم الشان مقاصد تک پہونچنے کے لیئے تابعین عرب کو اسکی آیات میں حقیقی تامل اور تدبر کی ضرورت تھی!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (۴۹: ۱۲)

اے ایمان والو! اکثر قسم کے ظن سے بچتے رہا کرو کیونکہ بعض ظن داخل گناہ ہیں۔

اسلام کی ارضی سلطنت کے استمرار و تمکن کے لیئے یہ فساد آفرین مباحث کس طرح مفید ہو سکتے تھے۔ قرآن کے متعلق ان لفظی تنازعات اور سطحی کج بحثیوں میں ہی مسلمانوں کی زندگی کے کم و بیش دو سو برس صرف ہو گئے۔ اِس اثنا میں حفاظت قرآن کے مفید اور بے مثال عمل کے ماسوا عرب تخیل کا بے دیکر یہی نتیجہ ہوا کہ کلام الٰہی کی درس و تدریس کے ضمن میں عوام کے سامنے جاہلیۃ کا سارا علم ادب، اُن کی طرز معاشرت، اُن کی روایاتِ واہیہ، اُن کے اوہامِ باطلہ، اور اُن کا دیرینہ اخلاق مدون ہو کر التزام کے ساتھ پیش نظر ہو گیا۔ اِن بے سود تصریحات اور ناگوار انکشافات کے سم آلود اثر کے باعث، اسلام کی تسلیم اعتقاد میں صدہا غیر متعلق اور مفروضہ باتیں از خود دخیل ہو گئیں۔ قرآن کا سب سے بڑا معجزہ اسکی جید عبارت اور حسن بیان میں منتقل ہو گیا! اسکی تلاوت عرب سخن فہمی اور زباں نوازی کی بہترین داستان بن گئی۔ پھر فصاحت اور نغز گوئی ہر خاص و عام کا مستقل بلکہ مستند شغل ہو گیا۔ عرب اور عجم قیل و قال میں، تحریر و تقریر میں، زباندانی کا اہتمام ذوق و شوق سے کرنے لگے۔ اُدھر قرآن کی فرضی تائید پر جنات اور ملائکہ کے متعلق عقائد کی تدوین ہونے لگی۔ بہشت اور دوزخ کے مختلف مقامات اور مدارج وضع کیئے گئے۔ عذاب قبر کی تشریحوں کے متعلق کلام الٰہی سے دور از کار استناد کیا گیا۔ ماہیتِ خدا، حقیقتِ نبوت، کیفیتِ وحی وغیرہ کے مختلف نظریوں کے باعث، قرآن، رسول، بلکہ خدا کے متعلق بھی طرح طرح کے توہمات و شکوک عوام میں پھیل گئے۔ قرآن کی اکثر آیات میں عجیب و غریب تاویلیں ہونے لگیں۔ بدعت کا عام اجرا ہو گیا۔

ابدالآباد تک انسانی تصرف سے محفوظ کردیا۔ اوہامی شق کی بنا پر عرب نے قرآن کے باطن میں بھی استدلال شروع کردیا تھا مگر چونکہ طبائع میں غیب کی باتوں سے الفت تھی، اور کہانت، وسواس، ظنّ، اور فرضیّت کے عناصر غالب تھے اِس لیئے کتاب الٰہی کو کھولتے ہی اُن کا خیال ماہیّتِ خدا، حقیقتِ نبوّت، کیفیّتِ وحی، ملائک، جنّات، موت، مابعد الموت، بہشت و دوزخ وغیرہ وغیرہ، کی طرف معًا منتقل ہوگیا۔ یہ سب موضوعات لامحالہ اِس نمط کے تھے کہ اُن کے متعلق تخیّل کی بلند پروازی بدرجۂ اتم ہوسکتی تھی ظنّ و تخمین کے اِن معاملات پر عرب اور عجم نے دل کھول کر بحثیں کیں، جاہلیّہ عقائد کے اکثر لازمات کو اسلامی لباس پہنا کر اِن اَتھاہ مضامین میں خلط مبحث کردیا۔ مگر چونکہ ازمنۂ جاہلیہ کے عقائد، یونانیوں کے علم الاصنام کی غیر مانند، مدوّن بھی نہ ہوئے تھے، خود قبائل میں پہلے سے ہی اِن ظنّیّات کے متعلق بے انتہا تفرقہ موجود تہا، اور اُن کی صحّت کی تائید یا تردید بھی قرآن سے نہ ہوسکتی تھی، اسلیئے اِس نوع خیال کا لازمی نتیجہ **فرقہ بندی** ہوئی، عرب نے اِس حادثۂ عُظمیٰ سے بہت پہلے مسئلہ امامت کے متعلق ایک غیر اسلامی اور جاہلی عقیدے کی بنا پر تفرقہ ڈال کر، اسلام کو دو ناقابلِ وصال گروہوں میں تقسیم کردیا تہا، مگر اب ظنّی اجتہاد سے اِلٰہیّات کی سطحی موشگافیاں کرکے، ایک خدا، ایک رسول۔ اور ایک قرآن کے بارے میں بھی عقائد و آرا کا دردناک اشتات پیدا کردیا: كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۵: ۹۰-۹۳)[1]۔ جامع المتفرقین خدا نے، جو مسلمانوں کی ایمانی اور عملی دونوں

[1] یہ قرآن تو گویا ہم نے کسی اور قوم پر نہیں اتارا کہ وہ سارے کو من و عن مانکر اسکے مطالب میں تطابق قائم کریں، بلکہ دراصل اس تفرقہ آرا قوم کی طرف اُتارا ہے جو حسب خاطر اسکے ٹکڑے ٹکڑے کرکے آپسمیں بانٹ لینے والے ہیں۔ اپنے اپنے حصّے کو علیحدہ کرکے تفریق پیدا کرتے ہیں۔ پس تیرے پروردگار کی قسم کہ ہم اِن سب سے اُن کے اِن بداعمال کی ضرور باز پرس کرینگے!

✤ قرآن کو عِضِيْنَ (ٹکڑے ٹکڑے) کرنیکے معانی یہی ہیں کہ اُسکے کسی ایک حصّے کو لیکر اپنے مطلب کے معنی پیدا کرلینا، اِسی پر اپنی اکثر توجہ صرف کرنا، اور باقی حصّوں کو نظر انداز کرکے فرقہ بند بننا جیسا کہ آج ہر اسلامی فرقے کا شیوہ عمل بن گیا ہے، گویا فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (۲۳: ۵۳) کا مصداق بننا، جسکی تشریح صفحہ ۴۹ پر گذر چکی ہے۔ یہ طریق تخیّل ظاہر ہے کہ کسقدر مُہلک ہے۔ جبتک کسی تصنیف کا تمام لائحہ عمل پیش نظر نہو، اُسکے کسی ایک حصّے کے ظنّی معانی انسان جو چاہے بنا سکتا ہے مسلمانانِ عالم نے کتاب خدا کو اکثر اسی نقطۂ نظر سے دیکھکر اپنے اپنے فرقے بنا لیئے ہیں۔ اِسی لیئے آج اُنہیں دردناک پرسش ہو رہی ہے۔ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۵: ۹۲-۹۳) ضمنًا ان آیاتِ الٰہی سے یہ بھی مترشح ہے کہ قرآن حکیم فی نفسہ تمام کا تمام **مربوط** ہے۔ اور یہ انسان ہی ہے جو آیات کے حسب مطلب معانی بیان کرکے اُسکو بے ربط کر رہا ہے لیکن یہ حقیقت اُسوقت اظہر من الشمس ہوگی جب رفتہ رفتہ ہر ایک سورت کو اس کتاب میں مربوط المعانی ثابت کردیا جائے گا۔

جانا! اِن اوہام کی گرفت بالآخر اسقدر وسیع ہوگئی کہ عین اُسوقت جبکہ اسلامی عظمت وجبروت کا آفتاب نصف النہار پر ٹھیرا ہُوا تھا، اور اللہ کی بخششوں کے خزانے مسلمانوں کو ہر طرف سے مالا مال کر رہے تھے، اسلام کا مقتدر امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، ہارون الرشید، قرآن اور اسلام کو بالائے طاق رکھکر، فلکیات کے مطالعے میں بذات خود اس نیت سے مستغرق تھا کہ آثار نجوم سے اطلاع پاکر بقائے سلطنت کی بشارت اور نزولِ حوادث کے حالات معلوم کرے!

إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ ۝ أَفَنَضْرِبُ عَنكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَن كُنتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ † ۝ (۴۳: ۳-۵)

ہم نے کتاب خدا کو عربی زبان میں اسلیئے کر دیا تھا کہ تم اسکے عظیم الشان مطالب کو پاکر عقلمند بن جاؤ، اور یہی قرآن ہمارے ہاں امّ الکتب میں درج ہے جو ایک بڑی بلند نظر اور پُر از حکمت کتاب ہے۔ تو کیا اِس وجہ سے کہ تم اِس کتاب عظیم کی اصلی غرض و غایت سے دور ہوتے جاتے ہو ہم اس کو تم سے یکسر کیوں نہ اُچک لیں؟

کیا اِن اعمال کے بعد انسان کی گذشتہ ہزارہا سالہ تاریخ میں، کفر اور ضلالت، جہل اور ابلہی، مکر اور سیہ کاری کی اِس سے بہتر اور روشن تر مثال پیدا ہو سکتی ہے جیسی کہ سلف راشدین علیہم الرحمۃ کے ان ناخلف عرب و عجم نے ظہورِ اسلام کے پانچ سو سال بعد تک، قرآن کے مطالب پر غور کرنے، اور اللہ کی مُفت بخشی ہوئی سلطنت کو محفوظ و مستحکم کرنیکے بہانے سے دنیا کے سامنے پیش کی؟ کیا خود ابلیس، اپنی شبانہ روز مصروف کاری، شیطانی اغوا، اور طاغوتی مکر و حیل کے باوجود، اپنے سارے نامۂ اعمال میں، اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق کے دلوں پر ایک ہی وقت میں اُس کامل حکومت کی کوئی مثال پیش کر سکتا ہے جو ہم کے

† یہ آیات صفحہ ۶۰ پر گذر چکی ہیں مگر 'مُسْرِفِينَ' کی تشریح اُس موقع پر چھوڑ دی گئی تھی۔ 'مسخ حقیقت' کے عنوان میں اس قرآنی اصطلاح اور اکثر ایسے الفاظ کی مکمل تشریح آئے گی۔ اور ظاہر کر دیا جائے گا کہ یہ اصطلاح قرآن حکیم میں کن وسیع اور مختلف معانی میں استعمال ہوئی ہے۔ یہاں پر ہر صاحبِ نظر بطورِ خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہی معنی جو ہم نے اصل کتاب میں کیئے ہیں، مطالب کو مربوط کر سکتے ہیں۔ اِن کا بعد کی آیتوں سے ربط بھی ظاہر ہے۔ 'الذِّكْرَ' کا لفظ قرآن کے معنوں میں جابجا مستعمل ہوا ہے۔ مثلاً آیہ (۱۶: ۴۴) میں جو صفحہ ۵۹ پر آئی ہے۔ اِن آیات میں خطاب تمام تر اہل عرب کی طرف ہے۔

پھر قیاس کے اِن بے نتیجہ مجادلات، آرا کی اِس عام کشاکش، اور الفاظ وحی کے جاذبی اثر کے باعث عوام کے غیر مطمئن اور تشنہ نتائج دل کہانت کے جاہلی عقائد کی طرف از خود مائل ہو گئے۔ قرآن کا مطالعہ محض رسم و تبرک کے طور پر رواج پا تا گیا، کلام الٰہی کے الفاظ میں غیبی برکت اور طبّی تاثیر مانی جانے لگی، تمام پرستی اور زیارت قبور کی جاہلی علامات نمایاں ہونے لگیں، فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ[1] (۹:۷۰، ۹:۷۰)۔ پھر آیندہ احوال اور خانگی معاملات، حتّٰی کہ ملّی اور بین الملّی مناقشات کی پیش بینی کی غرض سے کلام خدا سے تفاؤل کیا جانے لگا! احادیث نبوی اور حروف مقطّعات قرآنیہ سے زوال و بقائے قوم، مُدّتِ قیام عالم، اور بقائے اسلام کی تشریحیں نکالی گئیں! سحر و طلسمات کا وجود قرآن سے غلط مستنبط کر کے، اور حلول جنّات وغیرہ وغیرہ جاہلی عقیدوں کا منفی ثبوت† غیر متعلق اور دور از کار آیات سے از سرِ نو نکالکر عجیب و غریب فریب سے اُن کی قرآنی تحریم و تردید کی نوعیت بدل دی! انہی مراسم جاہلیہ اور عقائد واہیہ کی تجدید کے سلسلے میں مُسلمانوں کو نجوم کے مفروضہ اعمال سے بھی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ آثار کواکب کے جاہلیہ عقائد کی تائید، ایک نہایت شرم انگیز طریقے سے کلام خدا کی وساطت سے کی جانے لگی۔ بعض فرقِ صوفیانے بھی تنجیم کے ان متعدّی اور ہلاکت انگیز اثرات میں پابگِل ہو کر، طبائع کوکبی اور اُرواح فلکی کو مظاہر اسمائے الٰہی فرض کیا، اور مکر و دروغ کے خجالت آفرین ڈھکوسلے اُسرار الحروف کے نام سے وضع کیے! تیسری صدی کے اخیر میں زیدیہ اور رافضیہ فرقوں نے امام جعفر صادق علیہ الرحمۃ کی تقلید کے بہانے سے کلام الٰہی کو قطعًا ناقابلِ فہم قرار دے کر، اسکے اسرار و رموز کا حلّ جفر اور رمل سے مناسب

---

[1] تو اللہ ان پر ظلم نہیں کر رہا تھا بلکہ وہ تو اپنی جانوں پر آپ ظلم کر رہے تھے۔

† اس منفی ثبوت کی ایک مثال صفحہ ۶۳ آیہ (۷: ۱۸۴) میں گذر چکی ہے۔ "مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ" سے بعض خوش اعتقادوں نے یہ مستنبط کیا ہے کہ اگرچہ رسولِ خدا میں (معاذ اللہ) جن نہیں گھسا تھا مگر عام لوگوں کے بدنوں میں جنّات کے گھس جانے کی قرآن تائید کرتا ہے! جن کی حقیقت کے متعلق مکمل بحث غالبًا چوتھی مجلد سے پہلے نہ ہو سکے گی۔ مگر جستہ جستہ اشارات درمیانی مجلدات میں بھی آئیں گے۔

چشموں، سایہ دار بادلوں، دلفریب گھاٹیوں، پُرفضا وادیوں، اور حیات افزا جنّتوں میں رہ کر، اللہ کی نافرمانی کے عوض میں، عبادت طاغوت کی سزا میں، 'ممنوعہ درخت' کے پاس جانے کے بدلے میں، غیب پر سے نقاب اُلٹنے کی جزا میں، اللہ کے آشکارا دیدار کی خواہش کی سرزنش میں، بالآخر اُسکے زبردست ہاتھ سے بیک بینی و دوگوش اِس بے آبروئی اور دُرگت سے نہیں نکالے گئے کہ آج اِس داستان کو دُہراتے ہوئے پسینہ آجاتا ہے؟ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ† وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (۲: ۵۷)؎ کیا آج آٹھ سو برس کی بے مثال حکومت اور جاہ و جلال کے بعد، اُس سرزمین میں، اُن کا ایک متنفّس اور ایک نوحہ گر بھی باقی رہا ہے جو اُنکی خاموش مزاروں پر سرنگون ہو کر چار آنسو ہی بہا دیا کرے!

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ† وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝ (۱۹: ۹۷-۹۸)

؎ اور ہم نے تمہیں ایسے قطعات زمین پر آباد کیا جہاں ابر تم پر سایہ کئے رہتا تھا۔ اور تم کو شیرینی درخت حاجّ اور عمدہ اقسام کے بٹیر کھانے کو دیئے، اور اجازت دی کہ جو کچھ عمدہ رزق ہم نے تم کو دیا ہے شوق سے کھاؤ۔ لیکن تم نے اِن نعمتوں کی بیقدری کی۔ تو ان لوگوں نے ہم پر کچھ ظلم نہیں کیا، وہ تو اپنی جانوں پر آپ ظلم کرتے رہے۔

† یہ لغو تشریح ہے جو جُہلا نے بنالی ہے کہ بنی اسرائیل جہاں جاتے بادل کا چتر اُنکے سر پر رہتا تھا۔ تاریخ سے ثابت ہی کہ جزیرہ نما سینا کے جن شمال مشرقی حصص میں بنی اسرائیل فتح کنعان سے پیشتر رہے وہ پہاڑی علاقہ تھا۔ 'عین قادیش' کا تمام گرد و نواح جہاں چھ لاکھ بنی اسرائیل کے خروج کے بعد موسیٰ علیہ السلام چالیس برس تک ڈیرہ ڈالے رہے، ایک نہایت خوشگوار ملک تھا۔ آب و ہوا میدانی علاقوں سے نسبتاً اب بھی خنک ہے، موسمی نہریں، چشمے اور دریا جابجا نظر آتے ہیں۔ درخت حاجّ جس کی شیرینی کو قرآن اور تورات نے مَنّ سے تعبیر کیا ہے بکثرت ملتا ہے۔ پرندوں کی بھی بہتات ہے۔ مصر اور سینا کے تپتے ہوئے بیابانوں سے نکلکر بنی اسرائیل کا اِن علاقوں میں آباد ہونا اُنکے لئے نعمت غیر مترقبہ تھا۔ قرآن نے اسی حقیقت کو "ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ" کے خوب صورت الفاظ میں ادا کیا ہے اور اگر قرآن فصیح و بلیغ ہے تو درحقیقت اِنہی معنوں میں کہ اسکا تمام اسلوب بیان نہایت مختصر اور مؤثر ہے، اور اِس سے بہتر انداز وہم و گمان میں نہیں آسکتا۔

بنی اسرائیل کی تاریخ بیان کرنے کا یہ موقع نہیں یہ موضوع 'تاریخ القرآن' کا ہی جو اِس کتاب کا آخری حصہ ہی۔ اِسی لئے اُنکے ظلم کی تشریح کو اُس موقعے کیلئے چھوڑ دیا گیا ہی۔

† 'تُبَشِّرَ' کے بالمقابل 'تُنْذِرَ' اور 'مُتَّقِيْنَ' کے بالمقابل 'قَوْمًا لُّدًّا' کے الفاظ آئے ہیں۔ جنسے ظاہر ہے کہ خدا کی نظروں میں 'متقی' قوم دراصل وہ ہی جو آپس میں جھگڑے پیدا نہ کرے اور متحد بن کر رہے۔ اتقا کے اِن معانی کا ثبوت جابجا آگے چلکر آئیگا: 'تقوٰے' کی رائج الوقت تشریح یعنی پرہیزگاری بے معنی اور بے نتیجہ ہے۔ اور قرآن حکیم میں اسکی کوئی سند موجود نہیں۔ اقوام کے بارے میں اسکا اطلاق اور بھی بے معنی ہے۔ اصل کتاب میں ہم نے فی الحال لفظی معنی کر دیئے ہیں۔ لیکن اتقا کے ان معانی کی ایک جھلک صفحہ ۴۹ کی آیۃ (۲۳: ۵۲) میں صاف نظر آتی ہے جہاں مقام خدا کا ڈر اِس بات پر منتج کر دیا گیا ہے کہ انسان اُمّۃ واحدہ بنکر رہے: وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ (۲۳: ۵۲)۔ کسی آقا (ربّ) کا سچا ڈر یہی ہے کہ اُسکے غلام آپس میں نہ لڑیں اور نہ کوئی غیور حاکم باہمی جدال کو گوارا کر سکتا ہے۔

ہلاکت انگیز عفریت، اور جہل کے موت افزا دیو نے عرب کی بے علم و ہُنر قوم کو کامل طور پر مسحور کر کے قائم کی؟ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ[۵۱] (۲: ۲۶)۔ کیا اسلام کی ازلی صداقت اور قرآن حکیم کی ابدی حقانیّت کی آڑ میں، مکر و دروغ کا یہ علانیہ جواز، ماسوی اللہ کی یہ آشکارا عبادت، اوثان جاہلیّہ کی یہ فاش عبودیّت، فی الحقیقت بنی اسرائیل کی پرستش عجل سے بہت بڑھکر جہالت، خودکُشی، اور ظلم نہ تھا جس سے اہل عرب نے آج اِس اخیر دم تک توبہ نہیں کی؟ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ[۵۲] (۲: ۵۴)۔ کیا قرآنی آیات کو بازو پر باندھ کر شفا کی امیدیں رکھنا، اُسکے اوراق سے فالیں نکالکر نتائج کا چشم براہ رہنا، کلامِ الٰہی کے حروف کو طلسماتی فسون سمجھکر فوری اثر کا منتظر رہنا، حادثات زمانہ کو اللہ کے آسمانی کُروں پر محمول کر کے غیب جاننے کی سعی کرنا، اور اِس طرح پر خدا کے وجود کا بالجہر امتحان لینا، دراصل بنی اسرائیل کی خدا کے آشکارا دیدار کی خواہش، اور اُن کے مشروط ایمان کے مترادف نہ تھا جسکی سزا میں بالآخر اُن پر بجلی گری تھی؟ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۙ[۵۳] (۲: ۵۵)۔ نہیں، کیا پھر انہی عرب پر شدید العقاب خدا نے بنی اسرائیل کی مانند، اُنکے مفتریانہ اعمال اور فسق و ظلم کی پاداش میں جلد تر عین اُن کی سلطنت کے قلب میں ہلاکو کی بجلی نہ گرائی، اور اُن کی شش صد سالہ عظمت کو تاتاریوں کے طوفانِ جراد سے چند دنوں کے اندر خُرد بُرد نہ کیا؟ کیا یہی عرب آٹھ سو سال تک اُندلس کے روح پرور

---

۵۱ بہتوں کو اِسی سے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت کرتا ہے۔ لیکن گمراہ اُنہی کو کرتا ہے جو درحقیقت فاسق ہیں۔ (اور ہلاکت کے اہل دیکھو صفحہ ۸ سطر ۱۳)

۵۲ اور لوگو! کیا تمہیں وہ وقت یاد ہے جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے بھائیو! درحقیقت تم نے بچھڑے کی پرستش اختیار کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے پس اپنے خدا کی طرف پھر آؤ، اسکی جناب میں توبہ کرو، یا اگر یہ نہیں کرتے تو اپنے آپ کو ہلاک کر دو، غرق ہو جاؤ، اور مر جاؤ (فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ[†]) خدا کی نگاہ میں تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ یا توبہ کرو یا مر جاؤ۔ پھر اُن لوگوں نے توبہ کی تو خدا نے بھی اُن کی توبہ قبول کر لی۔ ان پر عطا کی ہوئی نعمتیں بحال رکھیں، اُن سے کچھ مواخذہ نہ کیا، اور وہ خدائے عظیم باز آجانے والوں کے حق میں بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا، اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

۵۳ اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے کہا کہ اے موسیٰؑ! ہم تمہیں ہرگز فرستادۂ خدا یقین نہ کریں گے جب تک ہم خدا کو آشکارا نہ دیکھ لیں۔ پھر تم کو بجلی نے آدبوچا اور تم دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

---

† گویا فَتُوْبُوْا اور فَاقْتُلُوْٓا میں فاء سے مقصود اختیار جتلانا ہے۔ فَتُوْبُوْا کے بعد اور فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سے پہلے وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا کے الفاظ مقدر ہیں۔

اصلی مساکن تھے ، مگر اللہ کا المناک انتقام افسوس ! آج بھی کم ہوتا نظر نہیں آتا ، اور یورپ کی حرص سلطنت ، جوع الارض ، اور حریت کش اقتدار سے انہیں اور بھی ذلیل و پامال کرنا چاہتا ہے !

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ † ○ (۲۸ : ۵۹)

اور اے پیغمبر ! یہ تمہارے خدا کا دستور نہیں کہ وہ کسی بستی کو ہلاک کرے جبتک اُسکے اہم اور مرجع خلق حصے میں اپنا پیغامبر نہ بھیج لے جو واضح طور پر ہمارے احکام لوگوں کو سنا دے ، اور اسپر بھی ہم بستیوں کو تباہ نہیں کرتے جبتک اُن کے رہنے والے مقررہ حدود سے تجاوز کر کے ہماری اصطلاح میں ظالم نہ ٹھہریں

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ † ○ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (۶ : ۴۷-۴۸)

اے پیغمبر ! ان سے کہہ دو کہ کیا تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ اگر عذاب خدا تم پر ناگہاں یا آشکارا آئے تو سوائے ظالم قوم کے کوئی اور بھی ہلاک ہوگا ۔ اور پیغمبروں کو تو ہم اسی لیے بھیجتے ہیں کہ خوش حالی اور عذاب کی دونوں صورتیں پیش کر دیں ۔ پھر اسکے بعد جو قوم ایمان لے آئی ، اور جنہوں نے اپنی حالت کی اصلاح کر لی ، اُن کی زندگی بے خوف و خطر ہے !

بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ † ○ (۴۶ : ۳۵)

---

† 'ظلم' اور 'فسق' کی قرآنی اصطلاحیں منجملہ اُن جامع و مانع مصطلحات کے ہیں جن کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے ۔ اسی قسم کے چند اور الفاظ (مثلاً ایمان ، صلاح ، شرک ، کفر ، اتقا ، وغیرہ) اس سے پیشتر گذر چکے ہیں مگر اُن کا صحیح مفہوم بھی معرض التوا میں ڈالدیا تھا ۔ سردست جو مقصود ان آیات کے پیش کر دینے سے ہے یہ ہے کہ قرآن کے رو سے جو قوم صفحۂ عالم سے نابود ہو رہی ہے ، جسکا سیاسی اور اجتماعی اقتدار گھٹ رہا ہے ، جو ہلاکت کے قعر عمیق کیطرف بڑھ رہی ہے ، وہ شارع کائنات کی نظروں میں بلا لحاظ مذہب و ملت 'ظالم' اور 'فاسق' ہے ۔ اجتماعی ہلاکت کا متعارف مفہوم یہی ہے کہ اُس قوم کا سیاسی اقتدار سطح زمین سے محو ہو جائے ۔ ورنہ کسی قوم کے تمام افراد کا لغوی معنوں میں ہلاک ہو جانا شرط نہیں اور نہ تاریخ اسکی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ اجتماعی ہلاکت کا لازمی نتیجہ اکثر اوقات یہی ہوا ہے کہ اُس اُمت کے افراد بھی روئے زمین سے معدوم ہو گئے ہیں حتی کہ اُن کا ایک فرد بھی باقی نہیں رہا ، جیسا کہ صفحہ ۹۰ کی آیہ (۱۹ : ۹۸) سے ظاہر ہے مگر یہ ایک تدریجی عمل ہے جو سلسلہ قرنوں کے صدیوں یا قرنوں بعد تک ہوتا رہتا ہے ۔ مسئلہ بقائے 'اصلح' کو پیش نظر رکھکر آیہ (۶ : ۴۸) میں "فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں ۔ انہی دو آیات یعنی (۶ : ۴۷-۴۸) سے ضمناً یہ بھی ظاہر ہے کہ پیغمبران خدا کی بشارت اور تخویف کی نوعیت کسی قوم کی اجتماعی سلامتی یا اجتماعی ہلاکت ہی ہے ۔ اُن کی رسالت کا مدعا یہی ہوتا ہے کہ اقوام کو حفظ و بقا کے رستے پر لیجائیں یا نافرمانبرداری کی صورت میں ہلاکت کا اٹل پیغام سنائیں یہ نکتہ نہایت قابل لحاظ ہے کیونکہ اسکی طرف اشارہ جا بجا اصل کتاب میں آئیگا ۔ بعینہٖ یہی بات آیات (۱۹ : ۹۷-۹۸) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۹۰ کے متن میں آ چکی ہیں

اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہنا کر محض اس لیے آسان کر دیا ہے کہ تم اسکے ذریعے سے خدا سے ڈرنے والوں کو خوش حالی کی خبر دو، اور عرب کی جھگڑالو اور اکھڑ قوم کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔ اور ہم ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ کیا اب تم اُن میں سے کسی کو بھی دیکھ رہے ہو یا اُن کی بھنبھناہٹ تک بھی سنتے ہو!

آج یہی اللہ سے نڈر اور جھگڑالو قوم جس نے دین کی ہر جزوی بات میں پھوٹ، اور ہر فرع و اصل میں تفرقہ ڈالکر خدائے پاک کے محبوب مذہب کو نہایت بیدردی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا جس کے شدید کفر و نفاق کی روئداد، رسولؐ خدا کے عین حیات میں ہی قرآن کے قریب قریب ہر ورق پر روز روشن کی طرح ثبت ہے: اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ[۵۱] (۹: ۹۷)، جس کے مکر و فریب، جھوٹی قسموں، لنگ عذروں اور منافقانہ دوستیوں سے تنگ آکر علیم و حکیم خدا نے اُن کے عظیم تر حصے کو قرآنی ہدایت، اور حدودِ خدا پہچاننے کا قطعی نااہل قرار دیا تھا، جس کی کج بحثیوں، بیہودہ سوالوں، اور لغو فرمایشوں کا جواب دیتے دیتے اللہ کا محبوب نبیؐ اپنی جان کو ہلاک کر رہا تھا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ[۵۲] ۝ (۲۶: ۳-۴)، جسکے باہمی جنگ و جدل کی سرگذشت، اور آپس کے فتنہ و فساد کی داستان بعثتِ نبیؐ کے بعد بھی، تاریخ عالم کا سُرخ تر اور خونیں تر ورق ہے! آہ! یہی قوم کسریٰ، اور دارا کے سر بفلک ایوانوں میں شکار کھیل کر، بابل اور نینوا، مصر اور کارتھیج کے مٹے ہوئے نشانوں پر گھوڑے دوڑا کر، نمرود اور فرعون کی مغرور کھوپریوں کو لگد کوب کر کے، بالآخر اپنے ظلم کی سزا میں، ذُلّ و مسکنت کے اُنہی خراب آباد صحراؤں میں، ندامت انگیز قناعت کے ساتھ اپنی زندگی کے آخری دن بسر کر رہی ہے جو اس کے

---

[۵۱] یہ جنگلی اور بادیہ نشین لوگ از روئے کفر و نفاق بڑے سخت ہیں اور درحقیقت اِس لائق ہیں کہ کتاب خدا کے احکام کی حدود نہ جانیں، اور خدا تو ان کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے اور بڑا صاحب حکمت ہے جو انہی کے ذریعے سے اسلام کا بول بالا کر رہا ہے!

[۵۲] اے پیغمبر! تم تو اُن کے پیچھے اپنی جان بھی ہلاک کر دو گے کہ یہ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ اگر ہم مناسب سمجھیں تو اسی وقت ان لوگوں پر آسمان سے ڈراؤنا عذاب بھیجیں حتیٰ کہ ان کی گردنیں اسکے آگے جھک کر رہ جائیں۔

تاکید کی تھی؟ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝ (۱۷: ۳۶)۔

لہ اور جس بات کا تم کو یقینی علم نہیں اُسکے پیچھے نہ ہو لیا کرو۔ کیونکہ کان، آنکھ اور قلب سلیم سب سے اِس امر کی پرسش ہوگی کہ اٹکل پچو بات کا تتبع کیوں کیا گیا۔ (علم وہی ہے جو سمع و بصر اور قلب سلیم (عقل) سے براہِ راست حاصل ہو!)

† اِس عظیم الشان آیت میں 'علم' کی ایک نہایت حکیمانہ تعریف کردی گئی ہے، اور فیصلہ کردیا ہے کہ شارع کائنات تعالیٰ کی نظروں میں 'علم' وہ شئے ہے جو براہ راست سمع اور بصر اور فؤاد کے ذریعے سے حاصل ہو، گویا جس شئے کی تصدیق کان، آنکھ، اور ذہن سلیم کرلیں وہ 'علم' ہے؛ جو اس کے ماسوا ہے وہ 'ظن' ہے، اور علم کے یقینی مرتبے تک نہیں پہونچ سکتا۔ 'فؤاد' کا عام مفہوم عربی زبان میں 'قلب' ہے۔ مگر عرب کے نزدیک 'قلب' ایک وسیع اصطلاح ہے جسکا اطلاق انسان کے اُن اعضائے شریفہ پر ہوتا ہے جو اُس کی فہم و ادراک کے متعلق ہیں۔ اس قول کی تصدیق میں دو مثالیں صفحہ ۷۲ کی آیت (۲۵: ۳۳) اور اُسی صفحہ کے تحت المتن کی آیت (۱۱: ۱۲۰) میں گذر چکی ہیں اور باقی تصریحات اپنے اپنے موقع پر آئینگی۔ لیکن سورۂ حج کی اِس آیت سے قلب کا مفہوم قطعاً عیاں ہے: اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ (۲۲: ۴۶)۔ یعنی "کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ اُن کے 'دل' ہوتے جن سے تعقل کرسکتے، یا کان ہوتے کہ بگوش ہوش سُن سکتے اور خدا کی دردناک سزاؤں سے عبرت پکڑتے۔ کیونکہ دراصل آنکھیں تو اندھی نہیں ہوتیں لیکن 'دل' جو سینوں کے اندر ہوتے ہیں اندھے ہوجایا کرتے ہیں"۔ گویا عرب کی اصطلاح میں 'دل' ہی فہم و ادراک کا نشیمن ہے اور اسی کے ذریعے سے سب تعقل ہوتا ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے 'فؤاد' کا زیادہ صحیح ترجمہ 'قلب سلیم' ہے جس میں لامحالہ ذہن بھی داخل ہے۔ اور چونکہ جبتک کسی شئے کو ذہن تسلیم نہ کرلے، دل کے لیئے اسکا تسلیم کرنا غیر ممکن ہے اسلیئے 'ذہن سلیم' ہی 'فؤاد' کا صحیح مفہوم ہوسکتا ہے۔ اِسی 'فؤاد' میں باقی حواس ثلثہ (یعنی لامسہ، ذائقہ اور شامہ) بھی شامل ہیں کیونکہ اِن کے محسوسات کی اطلاع بھی، سامعہ اور باصرہ کی مانند، ذہن ہی کو ملتی ہے۔ علم کی یہ حیرت انگیز تعریف اِسقدر جامع اور مانع ہے کہ آج مغرب کی تمام حکمت اور عمل کی بنیاد، بلکہ اُن کی تمام تلاش و تفحص کا معیارِ تصدیق یہی سمع و بصر اور قلب سلیم کی شہادت ہے۔ علم کے عظیم الشان قصر کی تعمیر انکے ہاتھوں آج اِنہی ارکان ثلاثہ کے زور پر ہورہی ہے۔ اُن کی نظروں میں کوئی بات واقع الامر نہیں، کوئی شئے حقیقت کہلائے جانے کی اہل نہیں جبتک کان نے بار بار اسکے واقع الامر ہونے کی گواہی نہ دی ہو، آنکھ نے ہر مرتبہ اُسکو اچھی طرح دیکھ بھال نہ لیا ہو، دل نے بلاعذر اُسکی معقولیت کو نہ مانا ہو۔ یہی اُن کے نزدیک 'علم' ہے۔ اور جو اسکے سوا ہے 'ظن' ہے اور اسلیئے قابل التفات نہیں۔ اِسی سچے معیار کو پیش نہاد بناکر انہوں نے اُن تمام انسانی مکتشفات کو 'علم' کے نام سے موسوم کیا ہے جن کی بنیاد براہ راست تجربے اور مشاہدے پر ہے۔ علم طبعیات، علم ہیئت، علم جر ثقیل، علم حرارت، علم تشریح الابدان، علم جغرافیہ، علم طب وغیرہ وغیرہ انکے نزدیک صحیح معنوں میں علم ہیں۔ فلسفہ، قانون، ادب، صرف و نحو، بلاغت، عروض وغیرہ وغیرہ جن کی اساس قیاس، رائے، یا وضعی اجماع پر ہے، 'علم' کے بلند مقام تک نہیں پونہچ سکتے، اور نہ سمع و بصر اور قلب سلیم کو ان سے کچھ تعلق ہے۔ بیکن (المتوفی ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۶ء) کے مشہور اور عالم انگیز مسئلہ استقرا (۱۰۲۹ھ ۱۶۲۰ء) کی تمام بنیاد 'علم' کی اسی جامع اور مانع تعریف پر ہے۔ اور یہی وہ مسئلہ تھا جس نے مغرب کو ازمنۂ مظلمہ کی جہالت سے نکالکر ایک اقل قلیل مدت میں "النشأۃ الثانیہ" کی حیرت انگیز علمی ترقیوں کیطرف رہنمائی کی تھی!

علم کے صحیح اور ناقابل انکار قرآنی مفہوم کے متعلق اصل کتاب میں ایک طول طویل بحث بعد میں آئے گی، مگر کتاب کے اِس ابتدائی حصے میں سورۂ بنی اسرائیل کی اِس جلیل القدر آیت کے متعلق یہ سرسری توضیح اسلیئے بھی ضروری ہے کہ قرآن حکیم میں اِس نہی مُہم یعنی آیہ وَلَا تَقْفُ (۱۷: ۳۶) کو ربانی حکمت کا ایک مستقل جز قرار دیا گیا ہے، جو بعد کی آیہ: ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ط (۱۷: ۳۹)، یعنی "یہ احکام ہیں جو تمہارے پروردگار نے اپنی حکمت کاملہ سے اخذ کرکے تم پر وحی کردئے ہیں" سے ظاہر ہے۔ اِس حکمت عظمیٰ کے متعلق ایک پرمعنی بحث عنقریب تیسری مجلد میں آئے گی لیکن ہر صاحب نظر قرآن حکیم کی اِس آیہ کبریٰ یعنی (۱۷: ۳۶) کے صحیح مطالب کو پاکر بطور خود سمجھ سکتا ہے کہ آج جن اقوام عالم نے 'علم' اور صحیح علم کو اپنا رہنما

اے لوگو! یہ ایک اہم پیغام تھا جو ہم نے تم کو پونہچا دیا! تو کیا اسکے بعد، فاسق قوم کے سوا اس دنیا میں کوئی اور قوم بھی ہلاک ہو سکتی ہے؟ (یعنی وہی ہلاک ہوتی ہے جو ہماری اصطلاح میں فاسق ہو)۔

عرب تخیل اور اسلامی فلسفے کی اس مختصر حکایت کے بعد کیا کوئی صاحبِ نظر ایک لمحے کے لیئے بھی اس طرزِ عمل کا ممنون، اور اس فلسفۂ خیال کا شرمندۂ احسان ہو سکتا ہے؟ کیا جنّوں کے حالات کُرید کُرید کر بیان کرنا، اُن کے حسب نسب، ذُرّیت، حتّٰی کہ حکمت اور علم ادب† کی تشریحیں کرنا، ملائکہ کو فرضی گروہوں میں تقسیم کر کے اُن کے بے سند و عجیب و غریب فرائض مقرر کرنا، آسمان و زمین کے آر پار سڑکیں اور پُل باندھنا، بہشت کی نہروں درختوں اور مقاموں، دوزخ کے طبقوں پُلوں ایندھنوں حتّٰی کہ کلید برداروں اور محافظوں کے نام وضع کر کے، خلقِ خدا میں تذبذب یقین پیدا کرنا ہی عرب کے نزدیک وُہ حیرت انگیز علم لدُنّی تھا جسے احمد مرسل (علیہ الصّلوٰۃ والسلام) حکیم و خبیر خدا کے ہاں سے لایا تھا؟ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى (۵۳ : ۲۳)۔ کیا رعد، صراط، صاعقہ، سدرۃ المنتہٰی، کوثر، تسنیم، طُوبیٰ، عِلّیّون، وغیرہ وغیرہ، سیدھے سادے اور مُمثّل الفاظ کی تشریح میں عرب مفسرین کا آسمانوں اور بادلوں، ہواؤں اور عرش معلّٰے، خلد بریں اور مساکن ارواح کی سیریں کرانا اور دین متین کو یکسر افسانہ بنا دینا ہی قرآن کے مطالب میں وہ حقیقی تدبّر و تفکّر تھا جس کی خدائے پاک نے

---

۵ یہ تو نرے نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے اپنی طرف سے رکھ لیئے ہیں، خدا نے تو ان ناموں کی کوئی سند اُتاری نہیں۔ یہ لوگ تو محض ظن پر چلتے ہیں یا جو کچھ دل چاہتا ہے گھڑ لیتے ہیں، حالانکہ ان کو اپنے پروردگار کے ہاں سے کامل ہدایت مل چکی ہے۔

† ابو النّشری سہل بن ابی غالب خزرجی جو خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں مقبول شاعر تھا اس بات کا مدعی تھا کہ اُسکو ایک جنّیہ نے دودھ پلا کر پالا تھا۔ اُس نے اپنے دعوے کی تصدیق میں ایک کتاب جنّوں کی نسب اور حکمت اور اشعار وغیرہ کے بیان میں لکھی اور خلیفۂ وقت کو خوش کرنیکے لیے اعلان کیا کہ اُسنے جنّوں کی مخلوق سے امین بن ہارون الرشید کے حق میں بیعت لی ہے۔ یہ کتاب ایک مدّت تک مقبول عوام رہی چند اشعار آج بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔

‡ ان الفاظ کی تشریح حتی الوسع اپنے اپنے موقع پر آئے گی۔ اہل عرب نے اِنکے متعلق بے سروپا افسانے بنا لیئے ہیں جن کی کوئی سند نہیں دین اسلام اغیار کی نظروں میں آج انہی توجیہوں کے باعث تمسخر کا سامان بن رہا ہے۔ 'صاعقہ' کا تمثیلی مفہوم ہم نے صفحہ ۰ پر ظاہر کرنیکی سعی کی ہے۔ عربوں نے 'صاعقہ' کو شہاب ثاقب سے گرے ہوئے لوہے کی تلوار یا گرز سمجھ لیا ہے جسکو (نعوذ باللہ) کا فرشتہ اپنے ہاتھ میں لیکر مارتا ہے۔

ٹوہ لگانا، اور اس مکر و حیل سے آیاتِ خدا کو کوڑیوں کے مول بیچنا ہی قرآن حکیم کی وہ محیّر العقول حکمت آموزی تھی جس کا دعوٰے حکیم حقیقی نے بار بار کیا تھا؟ کیا صرف و نحو، علومِ† لغت اور فنونِ بلاغت کو اسلامی دینیات کا جزلاینجزّی قرار دے کر سبع اسابیغ*، حماستین اور مقامات حریری کے صنائع اور بدائع کا مطالعہ کرنا ہی فی الحقیقت "قَوْمٌ يُّؤْمِنُوْنَ" و "قَوْمٌ يُّوْقِنُوْنَ" کے لیے وہ "هُدًى وَّبُشْرٰى" اور "هُدًى وَّرَحْمَةٌ"* تھی جس کا قرآن میں ملنے کا وعدہ کیا گیا تھا؟ فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ[1] (۵۲: ۲۹-۳۱)؛ کیا قرآن کے پُرحکمت اور پُرمغز قصّوں، تشبیہوں اور مثلوں، سورتوں اور آیتوں کی فرضی اور بے سند تاویلیں بناکر، اللہ کی پاک اور بے عیب کتاب کو سحر اور تکہن، خوارق اور عجائبات کا جامع قرار دینا، انبیاؑ کو عجیب و غریب کرامات کا عامل قرار دیکر اُن کو تماشہ گر اور حقہ باز سمجھنا ہی اُس تذکیر و اعتبار، اُس تفکّر و تدبّر کے مترادف تھا جس کی تلقین کلام الٰہی نے کی تھی؟ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ[2] (۷: ۱۷۶)،

---

[1] تو اے پیغمبر! تم اپنی نصیحت کیے جاؤ کیونکہ تم اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے نہ تو بازیگر (کاہن) ہو اور نہ سودائی (مجنون)۔ کیا لوگوں نے تمہاری نسبت یہ مشہور کر رکھا ہے کہ محمدؐ تو محض ایک شاعر ہے جس نے اپنے زورِ تخیّل اور شعر و سخن سے ہی چند افراد کو اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔ اس کی پیروی اور اسکی دھمکیاں تبھی تک ہیں جبتک وہ زندہ ہے۔ اور ہم تو اس امر کے منتظر ہیں کہ موت کا حادثہ اسکو آدبوچے اور اس کی سب لن ترانیوں کو ختم کر دے۔ تم ان سے کہدو کہ بہت اچھا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں پھر معلوم ہو جائے گا کہ کس کی دھمکیاں محض پادر ہوا باتیں نہیں، اور کس کی ہدایت صرف نقش بر آب تھی۔

[2] پس تم ان کو یہ باتیں بیان کر دو تاکہ ان پر غور کر کے مستقل نصیحت اخذ کریں۔

---

† صفحہ ۸۳-۸۴ کے تحت المتن سے ظاہر ہے کہ علم لغت آجی اصطلاح میں درحقیقت علم نہیں علیٰ ہذا القیاس صرف و نحو یا بلاغت کے فنون۔ اسی لحاظ سے علوم کو دواوین میں گنا گیا ہے۔

* متاخرین عرب نے اپنے علم ادب میں سے ہر طبقہ شعرا کے سات اعلےٰ پائے کے قصیدوں کو معلقات کے انداز پر منتخب کر کے سات حصوں میں منقسم کیا ہے اور اس مجموعے کا نام سبع اسابیغ رکھا ہے۔ ان سات حصوں کے نام یہ ہیں: معلقات، مجمہرات، منتقیات، مذہبات، مراثی، مشوبات، ملمعات۔ پہلے تین مجموعوں کی تفصیل صفحہ ۶۳ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ باقی شعرا کے نام یہ ہیں: مذہبات (حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ، مالک بن عجلان، قیس بن خطیم، احیحہ بن جلاح، قیس بن اسلت، عمرو بن امرالقیس)؛ مراثی (ابوذویب ہذلی، محمد بن کعب، اعشی باہلی، علقمۃ المطموس، ابوزبید طائی، مالک بن ریب تہشلی، متمم بن نویرہ)؛ مشوبات (کعب بن زہیر، نابغہ جعدہ، قطامی، حطیئہ، تمیم بن مقبل، شماخ، عمرو بن احمر)؛ ملمعات (فرزدق، جریر، اخطل، عبید راعی، ذوالرمۃ، کمیت بن زید، طراح)۔

* صفحہ ۵۷-۵۸ کے متن کی آیات (۷: ۲۰۳) اور (۵۲: ۲۰-۲۵) کی طرف اشارہ ہے یا (۱۲: ۱۱۱) کی طرف جو آگے آرہی ہے۔

کیا تعویذوں اور گنڈوں، رمل اور جفر، تفاؤل اور حساب جمل سے آیندہ واقعات اور اسرار غیب کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۸۳) بنایا ہے، جنھوں نے قرآن کے اِس اہم حکم کی تعمیل میں اپنے آپ کو لغو اور بے سند، اٹکل پچّو اور بے تکی باتوں کا شکار بناکر قوم کی ذہنی اور عملی قوتوں کو تباہ نہیں کیا، وہ آج ترقی کے فلک الافلاک پر کس طرح چڑھ رہے ہیں، اور دوسری قوموں کے بالمقابل کسقدر طاقتور بن چکے ہیں!

لیکن اور اُمتوں سے قطع نظر، خاص مسلمانانِ عالم نے جس حیرت انگیز خوش اعتقادی سے پچھلی چند صدیوں سے عالمِ عُقبیٰ کی جسمانی تصویر اپنے ذہنوں میں جمانے کی بے طرح سعی کی ہے، جو بے سند قصّے بہشت اور دوزخ کی مکانیت کے متعلق اپنے شاعرانہ تخیّل کے باعث گھڑ لیے ہیں، جو عجیب و غریب خیالی سماں اُن کی فرضی کیفیت کے بارے میں بلا شہادت باندھ لیا ہے (مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ط (۵۳. ۲۳) صفحہ ۸۲) بجائے خود اُن کے ضعف یقین کی دلیل ہے۔ دنیائے آخرت کی صحیح ماہیّت کے متعلق بحث کرنے کا یہ موقع نہیں، مگر باوجود اُس تمثیلی کیفیت کے جو قرآن نے انسانوں ہی کی زبان میں اُس سانحۂ عظمیٰ کے بارے میں جابجا بیان کی ہے جس کا واقع ہونا اٹل ہے، اور باوجود اُس مثالی کیف و حال کے جو بہشت کی بے مثال آسائش اور دوزخ کی بے مثال تکلیف کے متعلق بار بار ظاہر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو سورۂ کائنات کے اُس مشہور قول کی بھی کچھ وقعت پیش نظر نہیں جس میں بہشت اور دوزخ کی بابت فیصلہ کر دیا ہے کہ "لا عینٌ رأت ولا اُذنٌ سمعت ولا خطر علیٰ قلب البشر" یعنی "اسکو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سُنا، اور نہ اسکا خیال ہی کسی بشر کے قلب پر گذرا ہے"۔ جب حال یہ ہے کہ سمع اور بصر اور فؤاد ان کی صحیح کیفیت تک نہیں پہونچ سکتے، اور اُنکا علم حاصل کرنا اُن کے واقع ہونے سے پیشتر محال ہے تو حیرت ہے کہ مسلمان "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ" کے محاکمے کے باوجود کیوں اُن کے پیچھے پڑے ہیں اور فرضی قصّے بنا بناکر اپنے دین کو غیروں کی نظر میں مضحکہ انگیز بنا رہے ہیں۔ عالمِ عُقبیٰ کے بارے میں جو تعلیم اسلام نے دی ہے فقط یہ ہے کہ وہ ہے، اُسکا واقع ہونا یقینی ہے اور بس:

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ (۵۶: ۱-۳)

اے لوگو! ذرا غور کرو کہ جب وہ کپکپا دینے والا سانحہ واقع ہوگا، اور قیامت جس کے ہونے میں ذرا شک و شبہ بھی نہیں تمہارے سروں پر آموجود ہوگی تو تمہارا کیا ہی خستہ حال ہوگا۔ اُسدن تمہارے اعمال کی حقیقت صاف کھُل جائیگی، بہتیروں کو ابدالآباد تک ذلیل کر دے گی اور بہتیروں کے درجے ہمیشہ کے لیے بلند کر جائے گی۔

اِس حادثۂ کبریٰ کے واقع ہونے کا ناقابل انکار ثبوت کتاب کے متن میں اپنے موقع پر آئیگا۔ رہی یہ بات کہ وہ کب ہوگا، کہاں اور کیونکر ہوگا، جزا کیا ہوگی، سزا کس طرح ہوگی، کیا کیف و حال ہوگا، کیا منظر پیش ہوگا، یہ سب امور انسان کے احاطۂ علم سے باہر ہیں کیونکہ سمع و بصر اور فؤاد کے حیّز درک میں آنیکا امکان نہیں رکھتے۔ اسی بنا پر اُنکے بارے میں بحث کرنا بھی عبث ہے۔ اور نہ قرونِ اولیٰ میں ان کی کسی ایک شق کے متعلق بحث کرنے کی اجازت تھی۔ سورۂ اعراف میں ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ (۷: ۱۸۷)

اے پیغمبرؐ! لوگ تمہیں قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ آخر اس سانحۂ عظمیٰ کا محل ہیرا بھی کہیں ہے، کوئی شناخت کرنے کی علامت یا نشان بھی ہے۔ اِن کو کہدو کہ اُسکا علم تو صرف میرے خدا ہی کے پاس ہے۔

جو بات نتیجہ خیز ہے یہ ہے کہ اُس السّاعۃ کے واقع ہونے پر کامل اور علمی یقین ہو، اسکی اہمیت اور صداقت کو باکر بدن میں کپکپیاں پیدا ہوں۔ دارالجزا کی امید میں سعی و عمل وہ چند ہوتا جائے، شوق کا حرص بڑھے، خوف کا تکیف ظاہر ہو۔ نہ یہ کہ نادیدہ انعام کے فرضی قصّے گھڑ لیے جائیں، انکو دُہرا دُہرا کر بے اثر، اور سعی عمل کو کالعدم کر دیا جائے۔ انعام میں قوت تشویق اور سزا میں طاقت تخویف تبھی تک ہے جبتک اُنکی صحیح کیفیت معلوم نہیں اور ساتھ ہی انکے بہترین یا بدترین ہونے میں کلام نہیں۔ یہی انداز اِس موضوع کے متعلق تمام قرآن عظیم کا ہے مگر افسوس کہ آجکل کے مسلمانوں نے اِس راز کو اکثر نہیں سمجھا۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ○
إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ○ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ○ (۲۱: ۱۰۵-۱۰۷)

اور ہم زبور میں تمام ضروری تفصیل کے بعد یہ بات قطعی طور پر واضح کر چکے ہیں کہ زمین کے وارث تو ہمارے صالح العمل بندے ہی ہیں۔ درحقیقت آسمیں اطاعت گذار قوم کے لیے ایک اہم پیغام ہے۔ اور اے محمدؐ! ہم نے بلاشبہ تم کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے تاکہ انہیں قیام و بقا کے سب شعیب فراز سے مطلع کر دو۔ (۶: ۴۸)†

وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۞
فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ ۝ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۞ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم
مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ○
وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ
أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَىٰ ○ (۵۳: ۲۸-۳۱)

† صفحہ ۸۱ کی آیات (۶: ۴۷-۴۸) کے تحت المتن میں پیغمبرانِ خدا کی تبشیر و تنذیر کی نوعیت واضح کر دی تھی۔ (۶: ۴۸) میں ہے وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ۔ علیٰ ہذا القیاس یہاں پر وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ہے۔ اس نقطہ نظر سے پیغمبر خدا کے رحمۃ للعالمین ہونے کی کیفیت بھی واضح ہے یعنی یہ کہ دنیا کو اجتماعی ہلاکت کی راہ سے ہٹا کر حفظ و بقا کی راہ پر چلانا ہی وہ پیام رحمت اور بشارت تھی جو وہ لائے تھے۔ اس بنا پر ہم نے یہ توجیہ ترجمے میں داخل کر دی ہے۔ پیغام رسول کو رحمۃ للعالمین ثابت کرنے میں ابھی دیر ہے۔ یہ تمام کتاب اسکی شہادت میں ہے۔

* ان آیاتِ الٰہی کے مطالب اور علم و ظن کے صحیح مفہوم کے متعلق صفحہ ۸۳-۸۴ کا تحت المتن پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ یہاں پر دو ایک اہم باتوں کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اولاً یہ کہ علم کے بالمقابل ظن اس دنیا میں کچھ بکار آمد نہیں ہو سکتا: (وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا)۔ یہ حقیقت اسقدر جلیل القدر ہے کہ مسلمانانِ عالم نے چند صدیوں سے اسپر کافی غور نہیں کیا۔ اور ظنیات میں پڑ کر قوم کی عملی قوتوں کو بیکار کر رہے ہیں۔ ثانیاً یہ کہ علم کا تتبع کرنا، یا بعبارت اُخریٰ اپنی تمام معلومات کی بنا تجربے اور مشاہدے پر قائم کرنا درحقیقت سبیل خدا پر چلنا ہے۔ اور یہی ہدایت کی ایک اہم شق ہے: (ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ)۔ ثالثاً یہ کہ تمام انسانی مساعی میں یقینیات کو پیش نظر رکھنا اور علم کو رہنما بنانا گویا حسن عمل کرنا ہے اسی حسن عمل کا نتیجہ زمین و آسمان کے بہترین انعام ہیں جو مسلمانوں کو کئی قرنوں تک بالالتزام ملتے رہے۔ اور جو آج عنی عن العالمین خدا نے ان سے چھین کر ان اقوام کے سپرد کر دیئے ہیں جن کا سعی و عمل ان کو علم کے راہ راست پر لیجا رہا ہے۔

ضمناً ان آیات الٰہی میں صلاح عمل کی ایک اہم شق صاف ہو گئی جس کو آج اس چودھویں صدی کے مسلمان قطعاً بھول گئے ہیں۔

* حیاۃ دنیا، کی صحیح تعریف عمل کے عنوان میں آئے گی۔ یہاں ہم نے ایک لگتے ہوئے سقم کر دیئے ہیں مگر اسکی قرآنی سند سورۂ آل عمران کی اس آیت سے ظاہر ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ
وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ (۳: ۱۴)

لوگو! دنیا کے اس دارالامتحان میں انسان کی نفسانی خواہشوں کو مثلاً بیبیوں اور اولاد سے محبت کرنا، سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں کو جمع کرنا، اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتوں سے دلبستگی رکھنا، بھلا کر کے دکھلایا گیا ہے۔ لوگو! یہی حیات دنیا کی متاع ہے جسکا قیام چند روزہ ہے اور خدا کے نزدیک انسانی کی بہترین جائے بازگشت تو ان اشیا کی بے اندازہ محبت سے الگ تھلگ ہو کر اسکے احکام کیطرف رجوع ہونا ہی ہے۔ (واللہ عندہ حسن المآب)۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۙ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝[1] (۱۲: ۱۱۱)۔ اگر صاحب القرآن عزّ اسمہٗ کی حقیقی غرض و غایت اِسی فلسفے اور اِسی حکمت سے تھی، اگر کتابِ خدا میں بصیرت اور تدبّر کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا، اگر غور و فکر اسی نمط پر اسکے حقائق کو بیّن کر سکتا تھا: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝[2] (۱۶: ۴۴)، اگر یہ عالم افروز اور مبیّن کتاب دنیائے اسلام کو اسی طور پر ظلمت سے نور میں نکال سکتی تھی، نہیں، اگر آیۂ استخلاف کے وعدے کے مطابق یہی **ایمان** اور یہی **اعمال صالحہ** ہونے چاہیئے تھے جو عرب اور عجم نے صدیوں اور قرنوں تک مِلکر کیئے تو آج کیوں قرآن حکیم کے یہی سچّے مترجم، کیوں کتاب مبین کے یہی اصلی مفسّر، یہی پکّے مومن اور صالح العمل **اہل عرب**[†]، ایک قلیل سے قلیل زمانے میں، شدید العقاب خدا کے عذاب مُہین کے اِس دردناک طریقے پر شکار ہو چکے ہیں کہ خدا کی گز بھر زمین بھی صحیح معنوں میں ان کی وراثت میں نہیں رہی؟

---

[1] بلاشبہ دانا آدمیوں کیلیئے اِن لوگوں کے حالات میں بڑی عبرت ہی اور یہ قرآن کوئی بنائی ہوئی باجھوٹ بات تو ہی نہیں بلکہ جو کچھ اُسکے سامنے ہی اسکی تصدیق ہے اور فی الحقیقت یہ تو تمام آئینِ جہان کی تفصیل ہے اور اُس قوم کیلیئے جو ایمان داری سے اسکے احکام پر عمل پیرا ہے ہدایت اور رحمت ہی۔ [2] اور ہم نے یہ کتاب نصیحت تم پر اسلیئے اتاری ہی کہ تم اسکے حقائق عالیہ کو اُنپر اچھی طرح عیاں کردو، اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہ بطور خود اسمیں تفکر کریں اور نئے حقائق دریافت کریں۔

---

† اِس آیت کے صحیح مفہوم، اور بالخصوص تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ کے معانی کے متعلق ایک مستقل باب باندھا گیا ہے جو غالباً پانچویں مجلد میں آئیگا۔ ایک اور مستقل بحث اِسی ضمن میں عنقریب آنیوالی ہی اسلیئے یہاں پر اِس آیۂ کریمہ کے متعلق کچھ کد و کاوش کی ضرورت نہیں ہم نے الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ کا ایک لفظی ترجمہ کرکے مطالب کو نظر انداز کردیا ہے۔

‡ اِس جگہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ مقاصد قرآن کی غلط اشاعت کا مجرم خاصّۃً اہل عرب کو کیوں قرار دیا ہے حالانکہ عباسیہ سلطنت میں علما، ادبا، متکلمین اور مفسّرین اکثر عجمی الاصل تھے اور قرآنی مطالب کی نشر و تبلیغ بھی عجمیوں کی وساطت سے ہوئی چنانچہ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں اِس موضوع پر ایک مستقل باب باندھا ہی۔ یہ اعتراض بظاہر وزن دار معلوم ہوتا ہے مگر ادنیٰ تامّل کے بعد اِس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عجمی حکما و فضلا نے قرون عباسیہ میں مقاصد قرآن اور باقی علوم و فنون کی تبلیغ جو کچھ کی سب کی سب عرب روایات اور عرب اثر، عرب تخیّل اور عرب حکومت کے ماتحت رہکر کی۔ دینیات کے متعلق تمام علوم کا مرجع و منتہا قرآن تھا اور وہ عربی میں تھا، احادیث کی روایت عربی زبان میں تھی، بحث مباحثے، اسناد اور حوالہ جات سب عربی میں تھے، تصانیف کی زبان عربی تھی، اُنکے اکثر موضوعات بھی عرب تاریخ، عرب خصوصیات اور اخلاق، عرب اعتقادات اور روایات پر یکسر مبنی تھے۔ نہیں بلکہ عجم مصنّفین نے قول و خیال کے اعتبار سے اپنے آپکو عرب میں مدغم کرنیکی سعی اِس شدّ و مد سے کی تھی کہ صرف تصنیف کو دیکھکر مصنّف کی اصل نسل کا پتہ لگانا آج بھی بہت مشکل ہی۔ اِس مقام نظر سے یہ کہنا کہ مقاصد قرآن کی غلط اشاعت کی ذمہ داری عرب پر ہی ہی حقیقت کے اعتبار سے کچھ غلط نہیں۔ آج ہند کی سرزمین میں انگلستان کی شہنشہی، تمدنی اور اخلاقی روایات کی اکثر نشر و تبلیغ متفرنج ہندیوں کے ہاتھ سے ہو رہی ہی۔ ٹھیٹھ انگریز جو اِس اشاعت میں حصہ لے رہے ہیں مقابلۃً صفر ہیں۔ لیکن با ایں ہمہ یہ کہنا کسقدر نادرست ہی کہ ہندوستان کے اخلاقی افلاس اور مادّی انحطاط کے مجرم ہندوستانی ہیں، انگریز نہیں۔ حاکم قوم کی حکومت ہی اِس بات کی روشن دلیل ہی کہ جو کچھ ہو رہا ہے اُنکے ایما بلکہ انہی کے کیئے سے ہو رہا ہی، آلۂ کار خواہ کوئی بھی ہو۔ اِس نقطۂ خیال سے دین متین کو ہجر و ہذیان بنا دینے کے مجرم اہل عرب ہی ہیں اور اسی لیئے سزا بھی انہی کو جلد تر ملی۔ لیکن اِس موضوع پر ایک ابتدائی بحث صفحہ ۴۶ کے تحت المتن میں بھی ہو چکی ہے۔

کتابوں کے بارے میں جو اُسی خدائے واحد کی طرف سے ہیں، اور لامحالہ اُسی کا کلام ہیں، فصاحت کا ادعا حتماً پیش نہیں کرتے، جب خود اہل اسلام خدا کے تورات کو "مُستبین" کہنے کے باوجود، اُسکے فصیح ہونے کا گمان تک نہیں کرتے: وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝ (۳۷: ۱۱۷)، جب خود خدائے عظیم کا آسمانی کتابوں کے بارے میں دعوے اُن کی بے مثال ہدایت میں ہے: قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (۲۸: ۴۹)، تو قرآن کے سطحی محاسن کو اس اعتنا و اہتمام سے دیکھنا اور باطن کو یکسر نظر انداز کر دینا، اُس کی

۱؎ اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو مشرح اور بلیغ فی البیان کتاب دی۔

۲؎ اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر قرآن اور تورات دونوں کتابیں جھوٹی ہیں اور تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم بھی خدا کے ہاں سے کوئی اور کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے ہدایت میں بہتر ہو۔ پھر میں بھی اسکی پیروی کرنے کو تیار ہوں۔

✝ **تورات** کے متعلق جو دعاوی قرآن کریم نے کیے ہیں مفصلہ ذیل حوالوں سے ظاہر ہیں:۔

سورۂ مائدہ میں ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ (۵: ۴۴)۔ "ہم ہی نے توراۃ کو اتارا، اُسمیں ہدایت اور نور ہے"۔ سورۂ انعام میں ہے: قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ (۶: ۹۲) "ان سے پوچھو کہ وہ کتاب کس نے اتاری تھی جسکو موسیٰ لایا تھا اور جو ساکنانِ عالم کے لیے نور اور ہدایت تھی"۔ اسی سورہ میں توراۃ کے متعلق ہے: ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً (۶: ۱۵۵)۔ "تمام خوبیوں پر مشتمل ہے اور تمام اشیا کی تفصیل ہے اور ہدایت اور رحمت ہے"۔ اگر ان خوبیوں میں ادبی بلاغت اور شاعرانہ فصاحت بھی شامل ہے تو مسلمان کیوں آج اسکو فصیح و بلیغ نہیں کہتے۔ سورۂ اعراف میں الواح موسیٰؑ کے بارے میں ہے: وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ۝ (۷: ۱۵۴)۔ "اور اُن الواح کے متن میں اُن لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت تھی"۔ سورۂ بنی اسرائیل میں علیٰ ہذا القیاس: وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۱۷: ۲) "یعنی ہم نے کتاب دی موسیٰ کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت بنا دیا ہو"۔ سورۂ قصص میں اسی تورات کے بارے میں بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (۲۸: ۴۳) آیا ہے: یعنی "تمام عالم کے لیے بصیرت اور تذکر کی باتیں ہیں اور ہدایت اور رحمت ہو تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں"۔ سورۂ سجدہ میں پھر وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (۳۲: ۲۳) آیا ہے۔ سورۂ مومن میں هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ (۴۰: ۵۴) فرمایا ہے، یعنی "دانا اور صاحب عقل لوگوں کے لیے ہدایت اور عبرت ہو"۔ سورۂ احقاف میں امام کا غریب القدر لقب بھی اسی کتاب کے بارے میں آیا ہے وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ (۴۶: ۱۲)۔ سورۂ انبیاء میں ضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۲۱: ۴۸) یعنی "ڈر والوں کیلئے نور اور عبرت ہو"۔

انجیل کا تعارف ربّ زمین و آسمان نے ان الفاظ میں کرایا ہے:۔

سورۂ آل عمران میں ہے: وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۙ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ (۳: ۳)۔ یعنی "اسی نے توراۃ اور انجیل کی الہامی کتابیں بھیجیں جو قرآن سے پیشتر ساکنانِ زمین کے لیے ہدایت تھیں"۔ سورۂ مائدہ میں ہے: وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۝ (۵: ۴۶) یعنی "اس میں نور اور ہدایت ہو"۔ اور اسی آیت میں وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۵: ۴۶) کے الفاظ ہیں یعنی "خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہو"۔

قرآن کے متعلق بعض دعاوی اس سے پیشتر اصل کتاب میں آچکے ہیں مگر تقابل کے خیال سے تمام آیات کو یہاں پر جمع کر دیا جاتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے: هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۳: ۱۳۷)۔ یعنی "یہ قرآن ساکنانِ زمین کے لیے ان کے دستور العمل کی تشریح ہے اور خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور عبرت ہو"۔ سورۂ انعام میں ہے: اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۝ (۶: ۱۱۵)۔ یعنی "اسی خدائے پاک نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری جسکے بعد کسی تشریح کی گنجایش نہیں ہی"۔ اسی سورۃ میں کچھ آگے چلکر ہے: وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ (۶: ۱۵۶)

ان کو اس کے متعلق کچھ علم تو ہے نہیں۔ وہ تو بزعمِ ظن اور اٹکل پر چلتے ہیں، اور ظن یقین کے بالمقابل کچھ بکار آمد نہیں ہو سکتا۔ پس اے پیغمبر! جو شخص ہمارے حقیقت نما قرآن (ذکرِنا) سے روگردانی کرے، اور دنیاوی شغل و اشغال میں مگن رہنے کے سوا اسکو کسی اور بات سے غرض و مطلب نہ ہو، تم اُس سے علیحدہ ہو جاؤ۔ اِن کا مبلغ علم یہی کچھ ہے جو وہ ظاہر کر رہے ہیں۔ خدا ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کے دکھائے ہوئے راہ راست سے بھٹک گئے ہیں، اور وہ ان کو بھی اچھی طرح سمجھتا ہے جو راہ ہدایت پر قائم ہیں۔ اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے وہ تو اللہ ہی کا ہے تاکہ اس میں سے بہترین شے حسنِ عمل کرنے والوں کو، اور بدترین عذاب بُرے عمل کرنے والوں کو دے۔ (یہاں ذکرِنا سے مراد خدا کی یاد قطعاً نہیں بلکہ کتاب خدا ہے

والا مطالب مربوط نہیں ہوتے کجا کہ پہلے اور بعد کی آیتوں میں علم کا ذکر ہو اور قرآن کا مجسمہ علم ہونا ثابت ہو (دیکھو صفحہ ۶۴-۶۷) ۲ ذکر: یعنی قرآن کئی جگہ آیا ہے۔ (دیکھو (۱۶: ۴۴) و (۱۵: ۹) صفحہ ۸۹ و ۹۲ میں)

کیا کلام الٰہی کے یہ ظاہر پرست اور وہم زدہ شارحین اسکی آیات میں استدلال کرتے وقت اس حقیقت کو بھول گئے تھے کہ اسلام کی دنیا میں آنے کی تنہا غرض ساکنانِ عالم کو خدا کی عبودیت اور قانون احکم الحاکمین کی اطاعت کی طرف منتقل کرنا ہے، اور اس بنا پر اسکی تشریحوں میں زمانہ جاہلیت کے ان خناسی وساوس اور ظنی واہیات کو پیوند خیل کر دینا اسلامی تعلیم کے سراسر منافی، اور کتاب خدا کی صریح توہین ہے؟: قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ (۲۳: ۶۶-۷۰) کیا قرآن حکیم کو اہل عرب کی سخن فہمی، ظاہر آرائی، اور باطل طرازی کی شرم انگیز داستان بناتے وقت اُنھوں نے یہ خیال نہ کیا کہ جب خود قرآن شعر و فصاحت کا مدعی ہی نہیں بلکہ منکر ہے: بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ † فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ (۲۱: ۵)، اور اور اہل کتاب بھی اپنی آسمانی

۵۱ میری آیتیں تم پر واضح کیجاتی تھیں مگر تم ازروئے غرور قرآن کو قصے کہانیاں اور لغو سمجھکر اپنے گذشتہ اعتقادات کی طرف رجعت فقہری کر جاتے تھے۔ تو کیا ان لوگوں نے سرے سے ہمارے اس قول عظیم پر غور ہی نہیں کیا، یا کیا انکے پاس کوئی طرفہ شے آئی تھی جو ان کے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی؟ کیا یہ لوگ اپنے رسول کی راستبازی، حق پروری اور یقین گوئی سے واقف نہ تھے کہ اب اسکی ان خصائص سے منکر ہیں؟ کیا اب آیات خدا کو یوں توڑ مروڑ کر، اور قصے کہانیاں سمجھکر گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ مجنون ہے! وہ تو دنیا کے پاس جو کچھ لایا ہے، حق لایا ہے، لیکن افسوس کہ ان میں سے اکثر حق بات ہی سے متنفر ہیں!

۵۲ ان عربوں نے تو قرآن کو سحر کہنے پر ہی بس نہ کیا بلکہ لگے کہنے کہ یہ تو پریشان خیالات ہیں جو رسول نے ادھر اُدھر سے اکٹھے کر لیے ہیں، بلکہ رسنے یہ جھوٹی جھوٹی باتیں اپنے دل سے بنالی ہیں، بلکہ درحقیقت وہ تو ایک شاعر ہے جو قافیہ بندی اور خیال آرائی میں ماہر ہے! اگر وہ فرستادہ خدا ہے تو ہمارے پاس اگلے نبیوں کی سی کوئی نشانی لاوے۔

† یہ چوتھا موقع ہے کہ قرآن نے بصراحت شعر ہونے سے اعراض کیا ہے۔ پہلے موقعے صفحہ ۶۴، ۷۱، ۳۷ پر گذر چکے ہیں۔

اور منطقی اجتہاد کرتے وقت اُنھوں نے اِس امر پر غور نہیں کیا کہ اسلام ایک کامل مذہب عمل اور کلام الٰہی ایک کامل کتاب شریعت ہے، اور اِس لحاظ سے اِسکے نکات کو حل کرنے یا تکمیل درس کیلئے کسی ناقص فلسفہ، کسی جاہلی نقل وروایت، کسی مصنوعی لُغت†، حتیٰ کہ کسی یقینی اور غیر یقینی حدیث کی بھی

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۹۰) کیا ہے جو قرآن حکیم کے حق میں آئے ہیں اور تمام عالم کو صلائے عام دیدی کہ توراۃ اور قرآن سے بہتر کتاب تو لے آؤ: قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ (۲۸: ۴۹)، تو قرآن کی فصاحت کا وہ مخصوص اوعاجو عرب نے صرف اپنی زبان کی برتری جتلانے کے لیے اپنے دل سے گڑ لیا ہے اُس وقت تک محض باطل اور بے معنی ہے جبتک کہ توراۃ کی عجمی زبان (یعنی عبرانی) کو بھی اسیقدر فصیح نہ مان لیا جائے لیکن مغرور عرب کو گنگ عجم کے ساتھ یہ ناقابل برداشت رقابت اور شرکت کب گوارا ہوسکتی ہے۔ اور جب یہ منظور نہیں تو اس مہلک تخیل کی قرنہا قرن تک نشر واشاعت کرکے باقی دنیائے اسلام کو کیوں دھوکہ دے رکھا ہے کہ قرآن کی بڑی سے بڑی فضیلت اسکی شاعرانہ بلاغت ہی ہے۔ اسی پر ایک دنیا مرمٹی تھی، اسی کے جوش اعتقاد میں عرب سرنگوں ہوگیا تھا، عمر بھر شاعری سے بیزار انسان دم بخود ہوکر اسلام لے آیا تھا، ایک ایک آیت کی فصاحت پر سب عرب وعجم سر دُھنتے تھے، اُندلس کی چوٹیاں فرش جبیں ہوگئی تھیں، کسریٰ کا تخت ہل گیا تھا۔ اگر حال یہی تھا تو قرآن آج بھی موجود ہے۔ اسمیں ایک حرف کے برابر تغیر وتبدل نہیں ہوا۔ آج اسکی بلاغت کو دیکھکر ان اہل عرب کے کانوں پر جوں تک کیوں نہیں رینگتی۔ آج وہ کیوں اپنی بے حمیتی کے جوش میں مکے اور مدینے کو، قرآن اور اسلام کو غیر کے ہاتھوں بیچ رہے ہیں اور رُش سے مس تک نہیں ہوتے!

قرآن کی کل کائنات میں سے ایکدم اگر کوئی آیت ہو جس کی بنا پر اسکی شاعرانہ فصاحت کا دعوےٰ چند لمحوں کیلئے کھڑا ہوسکتا ہے تو وہ ذیل کے الفاظ ہیں جنکو تو ذرہ مروڑ کر حسب حال کرلینا نسبتاً آسان ہے: وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (۱۶: ۱۰۳)، اور ہم خوب جانتے ہیں کہ کٹ حجتی لوگ افواہیں اُڑاتے پھرتے ہیں کہ محمدؐ کو یہ قرآن عظیم ایک چلتا پرزہ انسان سکھلاجاتا ہے عجب احمقیت ہے کہ جس شخص کیطرف سکھانے کی نسبت کرتے ہیں اُسکی زبان تو عجمی ہو، اور یہ قرآن شستہ اور سلیس عربی زبان ہو" یہاں زیادہ سے زیادہ نتیجہ جو ایک سلیم العقل شخص نکال سکتا ہے یہ ہے کہ قرآن کی زبان اسقدر صاف اور ستھری ہے کہ کم از کم کوئی عجمی یا غیر عرب شخص اسکی نقل نہیں کرسکتا۔ اس سے زیادہ نتیجہ نکالنا حتماً ناروا ہے۔ نہیں بلکہ اس آیت سے صاف اس امر کا امکان باقی رہتا ہے کہ کوئی عرب اہل زبان قرآن کی عبارت کی نقل اُسی سلاست سے کرسکے۔ اگر غیر عجمی کے حیز امکان سے یہ بات قطعاً خارج ہو جب ہی سلیس عبارت کا مثیل پیدا کرلینا عجمی کی استطاعت سے باہر ہو تو یہ کہنا ایک عربی الاصل شخص کی استطاعت سے بھی باہر سمجھنا بیجا اور غلط ہے۔ اگر یہی بات تھی تو عجمی اور عربی میں تفریق کرنیکی کیا ضرورت تھی، صرف کہنہ یا ہوتا کہ وہ تو محض ایک انسان ہے اور یہ قرآن ایسی شستہ زبان ہے کہ ابن آدم سے اسکا مثیل پیدا ہونا محال ہے۔ میرے خیال میں یہ آیت بجائے خود اس امر کی روشن دلیل ہے کہ قرآن کی بے مثال فضیلت کم از کم اسکی عبارت آرائی اور لفظی فصاحت نہیں۔

† علم لغت پر پہلی کتاب جیسا کہ صفحہ ۴۷ کے تحت المتن میں ظاہر کردیا گیا ہے تیسری صدی ہجری کے اوائل میں تیار ہوئی۔ یہ خصوصیت صرف عربی زبان تک محدود نہیں بلکہ ہر زبان کا یہی رویہ رہا ہے کہ اسکی لغت صدیوں اور قرنوں بعد میں مدقن ہوتی رہی ہے۔ جب جب کسی زبان کو روئے زمین پر استقلال حاصل ہوتا گیا، لوگوں نے اُسکے الفاظ کو لیکر رائج الوقت معانی کو مرتب کردیا۔ اور اُس خاص زمانے کو مدنظر رکھکر ایک لغت تیار کرلی۔ لیکن کسی زبان کے معانی الفاظ کی تاریخ بجائے خود ایک انقلابی داستان ہے اور حسیات قومی کے ارتقا، بقا وفنا سے اُسکا ایک نہایت گہرا تعلق ہے۔ لوگ زمانے کی چلن کے مطابق الفاظ کو لیکر اُسکے حسب مطلب معانی وضع کرلیتے ہیں، پھر جوں جوں محسوسات اور اعمال میں تغیر ہوتا جاتا ہے، معانی بدلتے جاتے ہیں۔ اِس مقام نظر سے کسی زمانے کی بنائی ہوئی لغت صرف اُسی زمانے کے مروجہ معانی کی سند ہوسکتی ہے، ماقبل اور مابعد کے مطالب میں اسکو چنداں حکم نہیں ٹھیرایا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زبان میں الفاظ کی ایک تعداد کثیر ہر زمانے میں موجود رہتی ہے جن کے مفہوم کی اصلیت بگڑ بگڑ کر زائل ہوچکتی ہے کچھ نامکمل تشریح سے، کچھ غلط رواج سے، کچھ عادت کے انجادی اثر سے، کچھ صورت کے معنوی فساد سے الفاظ کا صحیح اور اساسی مفہوم محرف

قدر و قیمت کو بے انتہا کم کرنا اور اسکی حقانیت سے انکار کرنا ہے؟ کیا قرآن میں فلسفیانہ اور فقیہانہ، لغوی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۸۹) یعنی "اور یہ بھی ایک کتاب ہے جسکو ہم ہی نے اُتارا۔ یہ بھی بڑی برکت پیدا کرنے والی شے ہے پس اسکے قدم بقدم چلو" اسی آیت سے ذرا آگے ہے: فَقَدْ جَآءَكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ (۶: ۱۵۷)۔ یعنی "تو جان لو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل آچکی ہے جو تمہارے لیے ہدایت اور رحمت ہے"۔ سورۂ اعراف میں ہے: وَلَقَدْ جِئْنَاهُم بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۷: ۵۲)۔ "اور ہم اُن کے پاس ایک ایسی کتاب لائے ہیں جسکی تفصیل ہم نے اپنے علم سے کر دی ہے۔ جو قوم اس پر عمل پیرا ہے اس کے حق میں ہدایت اور رحمت ہے"۔ سورۂ یونس میں اسی کتاب کو هُدًى اور رَحْمَةٌ کے سوا مَوْعِظَةٌ اور شِفَاءٌ کہا گیا ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (۱۰: ۵۷)۔ یعنی "اے ساکنانِ زمین تمہارے پاس تمہارے پروردگار کیطرف سے آخری دستور العمل (مَوْعِظَةٌ) پہنچ چکا ہے، وہ دراصل تمہاری بد باطنیوں اور نفسانی امراض کی شفا ہے۔ اور جو قوم اسکی صداقت پر ایمان لاکر اسکے احکام پر عمل پیرا ہے اُسکے لیے ہدایت اور رحمت ہے"۔ سورۂ ہود میں کتاب خدا کی صداقت، موعظت اور عبرت پر زور دیا گیا ہے: وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ (۱۱: ۱۲۰)، صفحہ ۷۲ کے تحت المتن میں اس کا ترجمہ گذر چکا ہے۔ سورۂ یوسف میں اسی قرآن عظیم کو تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۱۲: ۱۱۱) کہا گیا ہے جسکی تشریح صفحہ ۸۶ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ سورۂ رعد میں اسکو قانونِ خدا کی قطعی سند (حُكْمٌ) منشائے حکم الحاکمین کی آخری شہادت (حُكْمًا)، اور العِلْم کا خطاب دیا گیا ہے: وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ (۱۳: ۳۷)۔ یعنی "اور اسیطرح ہم نے اس قرآن عظیم کو عربی زبان میں منشائے ایزدی کی سند بنا کر اتارا ہے اور اگر اے محمدؐ! تو نے اس علم کے ہوتے ہوئے لوگوں کی خواہشات کا تتبع کیا تو یاد رکھنا کہ خدا کی دردناک سزا سے بچانے والا تیرا کوئی حمایتی نہ ہوگا"۔ سورۂ نحل میں پھر وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۱۶: ۶۴) کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی سورۂ شریفہ میں قرآن کو تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ (۱۶: ۸۹) فرمایا ہے جس کے معانی صفحہ ۵۶ کے متن میں گذر چکے ہیں ذرا آگے بڑھکر پھر اُسی کے متعلق هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ (۱۶: ۱۰۲) ہے۔ سورۂ انبیاء میں ہے۔ وَهَٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنزَلْنَاهُ (۲۱: ۵۰)۔ "یہ بہت برکت پیدا کرنے والی کتاب ہے جسکو ہم نے اُتارا"۔ سورۂ نمل میں دو جگہ بوضاحت تمام یہی مضمون ہے: هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ (۲۷: ۲)، وَإِنَّهُ لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (۲۷: ۷۷)۔ سورۂ عنکبوت میں کتاب خدا کو ایمان والوں کے لیے رحمت اور عبرت فرمایا ہے: إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۲۹: ۵۱)۔ سورۂ لقمان میں هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ (۳۱: ۳) ہے، یعنی "حسن عمل کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے"۔ هُدًى وَشِفَاءٌ کے الفاظ سورہ حٰمٓ السجدہ میں پھر آئے ہیں: قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ (۴۱: ۴۴)۔ یعنی "اے پیغمبر کہہ دو کہ قرآن عظیم اُن لوگوں کے لیے جو اسکو کتاب خدا تسلیم کرکے اسپر عمل پیرا ہیں ہدایت اور شفا ہے"۔ اور سورہ جاثیہ میں تو قرآن کو تمام عالم کے لیے بصیرت اور تدبر کا مجسمہ کہکر عمل پیرا قوم کے لیے ہدایت کا لازوال مصدر اور رحمت خدا کا بے مثال ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ هَٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ (۴۵: ۲۰)۔ اور سورۂ احقاف میں اسکو حسن عمل کرنے والی قوموں کے لیے قیام و بقا کی بشارت بتا کر ایک عالم کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے: وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ (۴۶: ۱۲)۔ یعنی "حسن عمل کرنے والی قوم کیلئے قیام و بقا کی بشارت ہے"۔ اسی بشارت کی نوعیت کیلئے دیکھو تحت المتن صفحہ

یہ تمام آیات قرآنی جو قرآن کے طول و عرض میں مختلف مواقع پر آئی ہیں اور جن کے حیرت انگیز تطابق اور توافق کو دیکھکر کتاب خدا کا طالب العلم اس کے استقلال کا از خود قائل ہو جاتا ہے، اس امر کی صریح شہادت ہیں کہ خدا کی نظروں میں تورات، انجیل اور قرآن کی مشترک خوبی اُن کی بے مثال ہدایت میں ہے۔ یہی اُن کا جزءِ اعظم ہے۔ کسی ادبی یا لغوی سطحی یا رسمی تفوق کا ان آیات میں ذکر تک نہیں۔ جس شے پر بجا فخر ہے وہ اُن کے نفس موضوع پر ہے، ہدایت اور نور پر ہے، رحمت اور بشارت پر ہے، عبرت و موعظت پر ہے، برکت اور شفا پر ہے، علم اور بصیرت پر ہے، حکمت اور امامت، تفصیل اور جامعیت پر ہے، استقلال اور کمال پر ہے۔ اسکے ماسوا کسی دوسری شے پر نہیں۔ اور جب توراۃ و انجیل کو قریب قریب انہی اوصاف کے ساتھ

منجانب اللہ اور مکمل یقین کرتے ہوئے اِس نتیجے پر نہیں پونہچ سکتے تھے کہ اسلام کے حقیقی محافظ نے قرآن کی آیاتِ بیّنات میں مسلمانوں کی حالتِ ضعف کا اُن کے عہدِ قوت کا، اُن کے وقت جنگ کا، اُنکے خوف و حُزن کا، ان کے دورِ امن کا، ان کے انفرادی مقام اور اجتماعی حیثیات کا، الغرض ان کی دائمی بہبودی کا کامل دستور العمل جمع کردیا ہے؟ کیا امن اور تہذیب، اجتماعی تقدم اور علم، تغلب اور تمکن، قضا اور قانون کا لائحہ عمل ڈھونڈتے وقت وہ اُن قطعی اور عام احکام کو پیش نظر نہیں رکھتے تھے جو مسلمانوں کو ہر ممکن حالت میں صراطِ مستقیم دکھانے کیلئے کافی تھے، اور جن میں شارع اسلام نے صاف صاف فرمادیا تھا کہ اللہ کا طریقہ معلوم کرنیکے لیئے کلام الٰہی کی حکمت اور موعظت یکسر کافی ہے، بلکہ دینی اور دنیاوی سب معاملات کی بہترین حکم خدائے عظیم کی یہی مفصّل اور جامع و مانع کتاب ہے!

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ○ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ○ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ † ○ (۶: ۱۱۵-۱۱۸)

† ان آیاتِ الٰہی کے مطالب کی تشریح کا ایک حصہ صفحہ ۹۲ کے تحت المتن میں گذر چکا ہے۔ یہاں پر ایک دو باتیں جو نہایت قابل غور ہیں بیان کردینا مناسب ہے۔ اولاً 'یَعْلَمُونَ' (۶: ۱۱۵) اور 'السَّمِیعُ الْعَلِیمُ' (۶: ۱۱۶) اور 'اِنْ یَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ' (۶: ۱۱۷) اور 'اَعْلَمُ مَنْ یَضِلُّ عَنْ سَبِیلِهٖ' (۶: ۱۱۸) کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہاں پر قرآن حکیم کی فضیلت 'علم' بتلائی گئی ہے اور دعویٰ کیا گیا ہے کہ جو لوگ فی الحقیقت اس کتاب عظیم کا 'علم' رکھتے ہیں اُنکو یقین ہوچکا ہے کہ یہ کتاب اُس 'السَّمِیعُ' اور 'العَلِیمُ' یعنی بڑے سمع رکھنے والے اور بڑے علم والے کے ہاں سے اُتری ہے۔ (۶: ۱۱۵) میں قرآن کے مفصّل اور مصدر علم ہونیکا دعویٰ ہے تو (۶: ۱۱۶) میں اُسکے مکمل اور ناقابل بدل، صادق اور عادل ہونے کا ادعا ہے۔ (۶: ۱۱۷) میں کہا گیا ہے کہ اس کتاب کا بتایا ہوا دستور العمل ہی 'سبیل خدا' ہے اسلیئے کہ صحیح 'علم' پر مبنی ہے، اور جو شے اِس علم کے مخالف یا ماسوا ہے 'ظن' ہے۔ مگر رہی یہی ہے کہ اس لائحہ عمل سے پردے ہٹا جائے اور اس علم کو نظر انداز کردیا جائے۔ 'ہدایت' یہ ہے کہ اس خزینۂ علم کو مستقل دستور العمل بنالیا جائے۔

اِن نکات کو پیش نظر رکھکر (۶: ۱۱۷) اور (۶: ۱۱۸) کے مطالب کا تطابق صفحہ ۸۷ کے متن کی آیات (۵۳: ۲۸) اور (۵۳: ۳۰) سے ظاہر ہے۔ اور 'سبیل' کے معانی عیاں ہوجاتے ہیں۔ گویا 'سبیل خدا' وہ ہے جو 'علم' سے حاصل ہو اور چونکہ 'علم' سمع و بصر اور فواد سے حاصل ہوتا ہے اس لیئے جو شے مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو وہ سبیل خدا ہے۔ 'السَّمِیعُ الْعَلِیمُ' خدا کا بھیجا ہوا کلام بھی علیٰ ہذا القیاس 'علم' ہے۔ اور اس پر چلنا بھی سبیل خدا پر چلنا ہے۔

ضرورت نہیں: اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (۵: ۵۰)؛ کیا وہ اس قانون جلیل کو

۵۱ تو کیا یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کا حکم (یعنی سند) چاہتے ہیں لیکن اس قوم کے لیے جسکو قرآن کی حقانیت پر کامل یقین ہو اللہ سے بہتر حکم (سند) کسکا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۱) ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ بسا اوقات مرور وقت کے باعث اسکا اعتراف کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ ہر زبان میں اس قسم کے الفاظ کی صدہا مثالیں موجود ہیں جنکے اعادے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ لیکن خاص قرآن کی لغت کے اندر جو معنوی انقلاب امتداد عہد کے باعث وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے مسلمانوں کی حیات کے ہبوط کی بہترین مثال ہے۔ 'ایمان'، 'شرک'، 'عبادت'، 'کفر'، 'صلاح'، 'تقویٰ'، 'ہدایت'، 'ظلم'، 'فسق' وغیرہ وغیرہ بیسیوں الفاظ قرآن میں موجود ہیں جنکے مطالب جزءً یا کلیۃً مسخ ہو چکے ہیں۔ اُن کا اصلی تکیف دل حتماً محو ہو گیا ہے۔ ایمان آج کسی رسمی کلموں کو دُہرانے کا نام بنا ہوا ہے عبادت دو چار رسمی سجدوں تک محدود ہو گئی ہے، صلاح کے کوئی مستقل معانی نہیں رہے، تقویٰ پرہیزگاری کی بے معنی اصطلاح کے مرادف بن گیا ہے ہدایت کا صحیح مفہوم ذہنوں سے قطعاً نکل چکا ہے وغیرہ وغیرہ۔ کوئی انسان کی بنائی ہوئی لغت ان الٰہی اصطلاحات کے صحیح مفہوم کو ادا نہیں کر سکتی قرآن حکیم نے اول مرتبہ ان الفاظ کو زبان عرب سے لیا۔ اور ہر لفظ کے متعلق ایک مستقل مفہوم مدنظر رکھکر اپنی لغت وضع کی، پھر اس مفہوم کی تلقین رسولؐ خدا سے تیئیس برس میں براہِ راست کرا کر ایک خاص ماحول پیدا کیا۔ جوں جوں اس ماحول کا اثر نا پید ہوتا گیا معانی بدلتے گئے۔ مگر ان الفاظ کا الٰہی اور نبوتی مفہوم اب تک قرآن کے اندر موجود ہے بشرطیکہ انسان اُسکے دریافت کرنے کی سعی گوارا کر سکے۔ انہی معانی میں کتاب خدا بِبَيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (۱۶: ۸۹) اور تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ (۱۲: ۱۱۱)، اور فَصَّلْنٰهُ عَلٰي عِلْمٍ (۷: ۵۲)، اور اَلْكِتٰبَ مُفَصَّلًا † (۶: ۱۱۵) ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے وہ سب تغیر پذیر اور موضوعی لغات سے بے نیاز ہے۔ اِس حقیقت کبریٰ کا ناقابل انکار ثبوت کتاب کی آیندہ مجلدات میں پیش کر دیا جائے گا۔ یہاں پر مدعا صرف نفس دعوے کی تعیین ہے۔ یہ معانی کے لحاظ سے سب انسانی لغات سے بے نیاز ہونا، اور اپنے دائرے کے اندر ایک محکم اور مبسوط، مفصل اور مکمل، مشرح اور ناتغیر پذیر کتاب ہونا ہی قرآن کے انسانی تصرف سے محفوظ ہونے کی دلیل ہے اور اسی لیے اُس کی شان میں کہا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (۱۵: ۹)

لوگو! ہم ہی نے اِس قرآن عظیم کو تم پر اتارا اور ہم ہی باوجود تمہاری سب جدت پسندی اور تغیر آرائی کے اِس کے ظاہر اور باطن کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اسکے مطالب کو روئے زمین پر سے نابود ہونے سے محفوظ رکھیں گے۔

لوگ قرآن کے متعلق جو تشریح چاہیں بنالیں، اس کی آیات کو توڑ مروڑ کر جو مطلب چاہیں نکال لیں، تاویل کے انبار کے انبار لگا دیں یا کمر کے طومار بکھیر دیں۔ مگر ان کے صحیح اور واحد معانی خود قرآن کے اندر موجود اور محفوظ ہیں ایک ایک لفظ کی مکمل اور مفصل شرح انہی اوراق کے اندر ہے۔ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی اور ایک جزو دوسرے جزو کی نمایاں تائید اور کامل تفسیر کر رہا ہے۔ نہ اس کو کسی فلسفے کی ضرورت ہے، نہ حکمت کی، نہ لغت اور نہ حدیث کی۔ وقت، حالت، موقع، زمانہ، مصلحت وغیرہ وغیرہ کا اسکے مطالب پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اِسکے کلمات صدق اور عدل پر ختم ہو چکے ہیں: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ † (۶: ۱۱۶)، اب اِن کے معانی کو، ان کے الٰہی مقاصد کو کوئی خارجی طاقت بدل نہیں سکتی کیونکہ خدا خود اس کا محافظ ہے۔ اُسی نے اسکو اسقدر مفصل اور مکمل کر دیا ہے کہ اب اس کے الفاظ کے علاوہ مطالب بھی ابدالآباد تک محفوظ ہیں۔ انسان کا یارا نہیں کہ مکر و تاویل سے یا قیاس و رائے سے ان میں تبدیلی پیدا کر کے خدا کو اپنا ہم آہنگ کر سکے! اللہ اللہ! کتاب خدا کے جامع اور مکمل ہونے پر ایک وقت وُہ کا شف خطا یقین تھا کہ روئے زمین کا ہادیٔ اعظم اور سالارِ انبیاء وفات سے چار دن پہلے ہیولیٰ کے عالم میں قلم دوات اور کاغذ طلب فرماتا ہے کہ ایک تحریر لکھدے جسکے بعد اُمت گمراہ نہ ہونے پائے۔ لیکن عرب کی اُس بہترین اُمت کا وہ اولوالعزم اُمتی عمرؓ اِس فرمایش کو سنکر ذرا نہیں گھبراتا اور اطمینان قلب کے ساتھ کہدیتا ہے کہ ختم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ورد کی شدت ہے جس کی وجہ سے بے ربط باتیں کر رہے ہیں ورنہ کتاب خدا تو ہمارے لیئے ابدالآباد تک کافی ہے، اب ہمیں کچھ شئے بڑھانے کی نہیں رہی!

† اِن آیات کے مطالب اور سلسلے کیلئے دیکھو مالتریب صفحہ ۵۶ و صفحہ ۸۶ و صفحہ ۸۸ و صفحہ ۹۲۔ † دیکھو صفحہ ۹۳ آیہ (۶: ۱۱۶)

اور یہ جو عرب لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس شخص پر اپنے پروردگار کیطرف سے عجیب و غریب نشانیاں کیوں نہیں اُتریں تو اے پیغمبر! ان سے کہدو کہ معجزے تو خدا ہی کے پاس، اور اُسی کے دست قدرت میں ہیں، اور میں تو صرف ایک عذاب خدا سے ڈرانے والا اور احکام کو کھلے طور پر بیان کر دینے والا ہوں۔ کیا ان لوگوں کے لیئے یہ بات کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اُتاری جو انپر واضح کر دیجاتی ہے، اور جسمیں اُس قوم کے لیئے جو اسکے حقائق عالیہ پر ایمان رکھتی ہو، رحمت اور نصیحت ہے۔ ان سے کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ بس ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کی سب باتوں کا علم رکھتا ہے، اور جو لوگ ظنی اور وہمی، باطل اور غیر یقینی باتوں پر اعتقاد رکھتے ہیں اور خدا کے نافرمان ہیں وہی بالآخر گھاٹے میں رہیں گے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ † وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ○ (۱۶ : ۱۲۵)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۴) معجزات کی ماہیت سے بحث کرنے کا مقام نہیں اور نہ اُن کے وجود سے انکار کرنا اس کتاب کا منتہائے نظر ہے۔ یہ بحث غالباً تیسری جلد میں نہایت شرح و بسط سے کیجائے گی اور بتایا جائے گا کہ قرآن عظیم کسقدر کم از کم اپنے عہد نزول میں معجزوں کو غیر ضروری گردانتا ہے اور اپنی صداقت کا تمام اتر اپنے علم اور حکمت کو قرار دیتا ہے۔ مگر سردست یہ ظاہر ہے کہ خدا کو جو رسول اور عوام کے درمیان گواہ ٹھیرایا گیا ہے: (قُلْ کَفٰی بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ شَهِیْدًا ۚ) اس سے مقصود یہی ہے کہ یہ کتاب جو اُن کے سامنے ہے مخزن علم ہے اور اُس ذات پاک کی اُتاری ہوئی ہے جو آسمانوں اور زمین کا علم رکھتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ہے: قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲۵ : ۶)؛ یعنی اے پیغمبر! اعلان کر دو کہ اس کتاب کو اس پاک ذات اور عالی تبار خدا نے اُتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھید کا علم رکھتا ہے!" گویا کہا گیا ہے کہ اس کتاب کو بطور خود جانچ تول کر دیکھ لو اگر اس میں وہ علم اور حکمت موجود ہے جو تم کسی خدا کی بنائی ہوئی کتاب میں ہونے کے متوقع ہو تو اسکو مان لو، ورنہ رد کر دو۔ یہی میری صداقت کی دلیل ہے۔ میں معجزوں سے اپنے آپ کو منوانا نہیں چاہتا۔ اور جو لوگ صرف معجزوں کے ذریعے سے کسی کی سچائی کو آزمانا چاہتے ہیں اور نفس پیغام کو نہیں دیکھتے، یا جو سرے سے خدا کے منکر ہیں اُنھی کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ ہر کس و ناکس کچھ نہ کچھ خرق عادت باتیں دکھلا سکتا ہے یا دعا کر سکتا ہے کہ یہ بجلی میری وجہ سے گری، یہ قحط میری بددعا سے پڑا وغیرہ وغیرہ۔

آج چونکہ مسلمانان عالم نے قرآن کو اس نظر سے دیکھنا چھوڑ دیا ہے اور علم و مشاہدے کو چھوڑ کر باطل اور بے حقیقت باتوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں اسی وجہ سے وہ گھاٹے میں ہیں (اُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝) اور اسوقت تک رہیں گے جبتک حقیقت کو اپنا رہنما نہ بنائینگے۔

† کلام خدا کو بار بار "الحکمۃ" کہا گیا ہے جیسا کہ صفحہ ۵۴ کے تحت المتن کی آیات (۲ : ۱۶۲)، (۲ : ۱۵۱)، (۲ : ۱۲۹) اور (۴ : ۱۱۳) سے ظاہر ہے قرآن کے لیئے "موعظۃ" کا لقب بھی تین بار آیا ہے جیسا کہ صفحہ ۸۹-۹۰ کے تحت المتن کی آیات (۳ : ۱۳۷)، (۱۰ : ۵۷) اور (۱۱ : ۱۲۰) سے ظاہر ہے۔ اس بنا پر آیت کے مطالب صاف ہیں یعنی لوگوں کو اس قرآن ہی کے دستور العمل کی طرف بلاؤ۔ کیونکہ خزینۂ علم و حکمت ہونیکے باعث سبیل رب یہی ہے۔ ماقبل کی آیات (۱۶ : ۱۱۵-۱۱۸) سے اس مطلب کا تطابق بھی ظاہر ہے جن لوگوں نے اس آیہ شریفہ کے یہ معانی سمجھے ہیں کہ عوام کو حکمت (یعنی دانشمندی) سے، اور اچھی اچھی نصیحتیں کر کے اپنے پروردگار کی طرف بلایا کرو، وہ ایک سطحی، لایعنی اور غیر متعین بات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اور اصلیت کے پہنچنے کی سعی نہیں کرتے۔ ان کا مقصود وصف جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ کے الفاظ سے پورا ہو سکتا تھا پھر تکرار کی ضرورت کیا تھی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن مصدر علم و یقین ہے۔ پس اسی کو بنیاد قرار دیکر سبیل خدا کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ یہ علم و یقین کیطرف رہنمائی کرنا ہی سبیل خدا پر چلانا ہے۔ دیکھو تحت المتن † صفحہ ۸۸ و ۹۳۔

تو کیا یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میں (یعنی رسولؐ) ماسوا خدا کے کوئی اور حکم تلاش کروں، اور تمہارے معاملات کا قرآن کے ماسوا کسی اور کتاب کے مطابق فیصلہ کیا کروں، حالانکہ اُس خدا نے تمہاری طرف مشرح اور مبسوط کتاب بھیجی جسمیں ہر طرح کی تفصیل موجود ہے۔ اور جن لوگوں کے لیئے درحقیقت ہم نے یہ کتاب بھیجی ہے وہ تو خوب جانتے ہیں کہ یہ خدا ہی کی طرف سے ہے، اور حقائق عالیہ سے پُر ہے۔ تو اے پیغمبر! ان کے لغو اعتراضات کو سُن کر اس کتاب کے مفصّل اور کامل ہونے میں کہیں شک نہ کرنا۔ تمہارے پروردگار کے سب کلمات اس کتاب میں صدق و عدل پر ختم ہو گئے ہیں، اب کچھ بات کہنے کے لائق نہیں رہی، اور نہ اس کے کلمات کے صدق و عدل کو کوئی خارجی طاقت ہی بدل سکتی ہے، اور وہ خدائے عظیم انسانی ضروریات کو بڑا سمجھنے والا اور آیندہ احوال کا بڑا علم رکھنے والا ہے۔ اور اے پیغمبر! اگر تو اس کتاب خدا کو چھوڑ کر اکثر اُن کی جو زمین میں بستے ہیں، پیروی کرے گا تو وہ تم کو خدا کے راہ راست سے بھٹکا دیں گے۔ یہ لوگ تو محض ظنیات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں، علم و یقین کا ان میں نام تک نہیں۔ تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اسکے دکھائے ہوئے رستے سے بھٹک رہا ہے اور کون صراط مستقیم پر ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۡ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ † ۝ (۲۹: ۵۰-۵۲)

† ان آیات الٰہی میں معترضین کی اس فرمایش کو کہ رسول خدا پر نشانیاں (یعنی معجزے) اُترنے چاہیئے تھے، مسترد کر دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ معجزے خدا کے پاس ہیں، اور رسولؐ تو تم کو اجتماعی ہلاکت سے ڈرانے کیلئے آئے ہیں۔ تماشہ دکھلانیکے لیئے نہیں آئے۔ آگے چلکر فرمایا ہے کہ یہ قرآن عظیم بذات خود ایک آیت الٰہی (معجزہ) ہے کیونکہ لوگوں کے پاس جو اجتماعی بقا اور امن کی بشارت (رَحْمَةً) لیکر آیا ہے اور اسکے ذریعے سے مستقل عبرت (ذِكْرٰى) حاصل ہوتی ہے۔ کیا یہ معجزہ کم ہے کہ تمہارے پاس ایک شخص ایسی جلیل القدر ذات کا کلام لائے جو آسمان و زمین کا کامل علم رکھتا ہو (يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) گویا یہاں پر بھی قرآن کی فضیلت 'علم' بتلائی گئی ہے اور اسی لحاظ سے اسکو تمام معجزوں سے برتر قرار دیا گیا ہے۔ جو لوگ قرآن کو معجزہ اسلیئے قرار دیتے ہیں کہ اسکی شاعری اور فصاحت بیمثال ہے ان کے لیئے یہ آیات ازبس قابل غور ہیں۔ یہ نکتہ اور بھی واضح اسوقت ہو جاتا ہے جب ان آیات سے پیشتر کی آیت یعنی بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ (۲۹: ۴۹) کو پیش نظر رکھا جائے۔ جہاں صاف طور پر فرمایا گیا ہے کہ "یہ قرآن عظیم صاحب علم لوگوں کے سینوں میں روشن اور ناقابل انکار آیات (احکام) کا مجموعہ ہے"۔

ان آیات کا آخری حصہ یعنی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۲۹: ۵۲) بھی نہایت قابل غور ہے۔ یہاں پر معجزات پر ایک نہایت خفیف اور حسی خیز چوٹ کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ معجزات کو دیکھ سُنکر کسی کو رسول خدا ماننا فی الحقیقت ایک ناپائدار اور غیر قائم ظنی اور وہمی باتوں پر ایمان لانا ہے۔ اسمیں کلام نہیں کہ بڑے سے بڑے معجزے کا اثر بھی مقامی اور وقتی ہی ہوتا ہے اور کچھ مدت کے بعد زائل اور باطل ہو جاتا ہے۔ یہاں پر

طاق نسیان وریا کا وہ ناقابلِ فہم اور ناکارہ آرد فتر بن چکا ہے کہ اُس کے بارے میں امت حاضرہ کی غلط روی کو دیکھکر عقل کانپ اُٹھتی ہے۔ اُسکی تعلیم و تعظیم کے اکثر مدعی آج کشور کشائی اور جہانبانی، قوت اور امن، تمکن اور تغلب کے سب اگلے اور شکر انگیز ارمانوں کو پاؤں سے ٹھکرا کر خوف و مسکنت، ذُل و امساک اور عجز و خمول کے عبرت انگیز ماحول میں، حُجروں کے اندر بیٹھے، کبر مولوتیت میں مگن ہیں۔ اُسکی رَواں تلاوت کو دارِ آخرت کی طلسمی کلید سمجھتے ہیں، اُسکو اکثر بُجھارت اور چیستاں بنائے بیٹھے ہیں، کہیں اُسکو پُڑیوں میں لپیٹ کر بیچا جا رہا ہے، کہیں اُسکے تعویذ بنکر گلے کا ہار ہو رہے ہیں، کہیں اُسکی خوب خوانی پیٹ کا ایندھن بن رہی ہے، کہیں خوش اعتقاد اسکو گھول گھول کر پی رہے ہیں، کہیں ستم ظریف پھونکیں مار مار کر اُڑا رہے ہیں، کہیں اُسکے اوراق میں کسی اسمِ اعظم کی تلاش ہے، کہیں اسکو رَٹ رَٹ کر بے اثر کیا جا رہا ہے، کہیں اُس سے مُردے کو ثواب پہونچ رہا ہے، کہیں خدا کو داد سخن مل رہی ہے، کہیں تحسین ناشناس اور جاہل کی واہ واہ ہے! نہ غرض و مطلب سے بحث ہے نہ مقصود سے سروکار ہے، نہ تعمیل پیش نظر ہے۔ اس کتاب جلیل سے لے دیکر اگر کچھ اخذ ہو رہا ہے تو یہی استخارے اور فالنامے† ہیں، تمائم اور ٹوٹکے ہیں، فسونی اور سحری اعمال ہیں، اور اگر کوئی طبقہ ان مُہلک اثرات سے

† ایک استخارہ نامہ اسی قطع کا حال میں میری نظر سے گذرا ہے جسکو طابع اور ناشر نے اپنی تجارت کو فروغ دینے کی غرض سے علامہ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء) اندلس کے مشہور فقیہ اور محدث، اور صاحب الفتوحات المکیہ، کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس طومار نویس متکلم کے بارے میں، جس نے اپنی عمر میں ۲۸۹ کتابیں لکھیں، اور جو ظاہریہ فرقے کا رکن رکین شمار کیا جاتا تھا، وثوق سے معلوم نہ ہو سکا کہ کہانتک یہ مختصر رسالہ اُسکے قلم سے نکلا ہے، مگر جرمن مستشرق بروکلمین نے اسکی ایک سو پچاس موجودہ تصانیف کی جو فہرست دی ہے، اُسمیں اسکا کہیں مذکور نہیں۔ تاہم اسکی بعض تصانیف کے مذاق کو پاکر جنمیں سے اکثر جفر اور رمل، اور اعتقاداتِ واہیہ پر ہیں، عجب معلوم نہیں ہوتا کہ یہ استخارہ نامہ بھی اسی عجب ایجاد شخص کے ہاتھ کا لکھا ہُوا ہو۔ لیکن مصنف کی ذات سے قطع نظر، جس مکر و فریب سے طابع صاحب نے اس رسالے کو عوام کی نظروں میں عجیب و غریب ثابت کرنے کی سعی کی ہے جس درجہ دہنی سے اسکی طلسمی جداول کو قرآن کا زندہ معجزہ بتایا ہے، اور جو ادّعا مصنف کی اسرار دانی خدا اور رسالے کی حقانیت کے بارے میں کیا ہے، اُسکا پول کھول دینا لازمی ہے۔ مصنف نے اس رسالے میں ۲۳ جدولیں تیار کی ہیں۔ ہر ایک جدول میں ۱۰ خانے شرقاً غرباً اور ۱۶ خانے شمالاً جنوباً کھینچے ہیں۔ پھر قرآن کی پانچ حسبِ حال آیتوں کے ٹکڑے لیکر (یعنی وہ ٹکڑے جن سے سائل کے مطلوبہ سوال کے جواب کا ہاں یا نا، سعد یا نحس، مخالف یا موافق ہونے کا اندازہ ہو سکے) ہر جدول کے ۱۶۰ خانے اس اندازے پر کر دیئے ہیں کہ ہر ٹکڑے کا ایک ایک حرف علی الترتیب چار متصل خانے چھوڑ کر پانچویں خانے میں سما جائے۔ مثال کے طور پر پہلی آیت کے حرف خانہ نمبر ۱، ۶، ۱۱، ۱۶ وغیرہ میں، دوسری آیت کے حروف خانہ نمبر

اے پیغمبر! اپنے پروردگار کے راہ راست کی طرف لوگوں کو اس قرآن ہی کے ذریعے سے بلایا کرو، کیونکہ یہی حکمت کاملہ اور موعظہ حسنہ ہے۔ اور اگر ان کے ساتھ اس کے متعلق کوئی بحث چھڑ جائے تو نہایت شستہ طور پر اور نرمی سے کرو۔ پھر اس کے بعد جو اُسکے دکھائے ہوئے راہ راست سے بھٹک گیا، اور جو ہدایت پاگیا اُن سے خدا ہی بہتر واقف ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ † ○ (۵ : ۴۵)

اور جو لوگ ہر اہم معاملے میں کلام اللہ کو حَکَم نہیں ٹھیراتے وہی ظالم ہیں۔ (اور ہلاکت کے مستوجب دیکھو صفحہ ۸۱۔ آیات (۲۸ : ۵۹)، (۶ : ۴۷-۴۸))

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ † ○ (۵ : ۴۷)

اور جو لوگ ہر دور رس معاملے میں قرآن سے اخذ نتائج نہیں کرتے وہی فاسق ہیں۔ (اور ہلاکت کے اہل (۴۶ : ۳۵) دیکھو صفحہ ۸۱۔ اور تحت المتن صفحہ ۸)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ † ○ (۵ : ۴۴)

اور جو لوگ ہر معاملے کے متعلق کتاب خدا کو حَکَم نہیں ٹھیراتے وہی منکر خدا ہیں۔ اور اجتماعی ہلاکت کے اہل

آج قانونِ اُمم کی یہ مُفصّل کتاب، یہ سُنّت خدا کا ناممکن البدل، مرقع، یہ آلہی محکمہ، قضا و قدر، یہ علمی معجزات، کا سحرستان جلال‡ انسان کی قرنہا قرن کی باطل آرائی، طرفہ اندیشی، اور عجائب نوازی کے بعد

† ان تیسوں آیتوں میں 'کفر'، 'ظلم' اور 'فسق' کے الفاظ ایک ہی موضوع کے متعلق استعمال کیے گئے ہیں قرآن کی لُغت میں یہ تینوں اصطلاحیں اسقدر خوفناک اور لرزہ انگیز ہیں کہ کسی قوم پر ان کا خدائی اطلاق اسکو انتہائی سزا کا مستوجب یکسر قرار دیتا ہے۔ صفحہ ۸۱ کے متن میں کتاب خدا کا محاکمہ 'ظالم' اور 'فاسق' اقوام کے بارے میں پیش کر دیا گیا تھا، اور وہ یہ تھا کہ ایسی قوموں کی ہلاکت روئے زمین پر یقینی ہے، دیکھو آیات (۲۸ : ۵۹)، (۶ : ۴۷)، (۴۶ : ۳۵)۔ یہی بات آیات لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۝ (۱۴ : ۱۳-۱۴) سے بھی ظاہر ہے جو صفحہ ۴۳ کے متن میں آچکی ہیں۔ کافر قوم کے متعلق یہی محاکمہ قرآن میں جا بجا موجود ہے۔ سورۂ مومن میں ہے فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۝ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (۴۰ : ۲۲)۔ یعنی "پھر انہوں نے کفر کیا تو خدا نے بھی اُن کو دھر پکڑا۔ اور یکسر ہلاک کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ خدا بڑا طاقتور اور شدید العقاب ہے"۔ گویا کفر اور اجتماعی ہلاکت آپس میں توأم ہیں۔

سورۂ سبا میں سیل عرم کی ہلاکت کے بعد ہے: ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝ (۳۴ : ۱۷) "یہ تھی سزا جو ہم نے اُن کو کفر کی پاداش میں دی، اور کیا سوائے کافر قوموں کے ہم کسی اور کو بھی ایسا بدلہ دیتے ہیں" یعنی نہیں دیتے، گویا ظاہر ہے کہ کافر قوم کی ہلاکت بھی روئے زمین پر یقینی ہے۔ اِس نصّی شہادت کی بنا پر ہم نے مستذکرۂ متن آیات کے ترجموں میں "ہلاکت کے اہل" کے الفاظ زیادہ کر دیئے ہیں۔ رہا یہ امر کہ 'ظالم' اور 'فاسق' اور 'کافر' کی کیا تعریف ہے، یہ بحث نہایت طول طویل ہے۔ اور آئندہ مجلدات میں بتدریج اس عظیم الشان راز کو کھول دیا جائے گا۔ کتاب کو حَکَم ٹھیرانے کے معنی یہی ہیں کہ تمام اعمال میں قانونِ خدا کی عملی متابعت ہو جو آجکل کے نام نہاد مسلمانوں میں قطعاً نہیں رہی

‡ دو اوین کے درمیان گھرے ہوئے اِن چاروں الفاظ میں بالترتیب آیہ (۶ : ۱۱۵) صفحہ ۹۳ (مُفَصَّلًا ۝) آیہ (۶ : ۱۱۶) صفحہ ۹۳ (لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ) آیات (۵ : ۴۴، ۴۵، ۴۷) صفحہ ۹۶۔ اور آیات (۲۹ : ۵۰-۵۲) صفحہ ۹۴ کی طرف اشارہ ہے۔

مگر یونانی فلسفے اور عرب تخیل کے اِن تمام مضعفِ ایمان، اور مخرّبِ عمل اثرات کے علاوہ دنیائے اسلام کو دائرہ عبودیت اور حلقۂ صلاحیت† سے حقیقی اور معنوی طور پر خارج کرنے، اور آج وراثت زمین سے یکسر محروم کر دینے کا سب سے بڑا باعث وہ طریق اجتہاد تھا جو صاحب شریعت (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی وفات کے کچھ دیر بعد ہی اسلام میں شروع ہو گیا تھا۔ اِس سمت تخیل نے جس سرد مہری، ناآشنائی، اور بے دردی سے اسلام کے آباد آشیان کو بے رونق کیا، جس رعونت اور استغنا سے اُسکی خانہ براندازی کی، جو نقصان عظیم رفتہ رفتہ اور نامحسوس طور پر مسلمانانِ عالم کی عملی اور تمدنی، ذہنی اور اقتصادی زندگی کو پہنچایا، تاریخ عالم میں تخیل کی حیرت انگیز انقلاب آفرینی کی واحد مثال ہے! مگر اس اہم موضوع کے مطالب دلنشین کرنے کیلئے ایک مستقل اور طول وطویل بحث‡ کی ضرورت ہے جو قرون اولیٰ

---

† صفحہ ۷۸ کی آیات (۲۱: ۱۰۵-۱۰۷) کی طرف اشارہ ہے۔

‡ یہ بحث اسقدر طول وطویل ہے کہ غالباً آئندہ تین یا چار مجلدات سے پیشتر ختم نہ ہو سکے گی۔ اسمیں بتدریج تمام اُس مہلک اور جمود انگیز تخیل کی تکذیب کر دی گئی ہے جسکے باعث اسلام آج محض اعتقادی اور نظری، لفظی اور رسمی شئے کا نام بن گیا ہے، سعی وعمل سے اسکا حتماً کچھ واسطہ نہیں رہا۔ سب اعتقادات اور معاملات عالم قول وخیال میں منتقل ہو گئے ہیں یا اُن کے مقاصد واغراض قطعاً بدل چکے ہیں اور فعل وعمل کے لائق کوئی شئے نہیں رہی۔ یہ معرکۃ الآرا بحث دراصل آیۂ استخلاف (۲۴: ۵۵) صفحہ ۷) کے الفاظ 'اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ' کی تشریح ہی ہے اور اسی ضمن میں کلام الٰہی کے ایک معتدبہ حصے کے مطالب بھی عیاں ہو گئے ہیں صفحہ ۳۶-۳۲ کے اُس عبرت آموز سوال کا جواب کہ آج تیرہ سو برس کے بعد مسلمانانِ عالم کیوں وراثت زمین سے محروم کر دیئے گئے، اور مغرب کی بیدار قومیں کیوں انکی مستخلف بن چکی ہیں، نیز اس اثنا میں نظر انداز نہیں کیا گیا۔ جہاں جہاں موقع ملا ہے جواب کی مختلف شقیں ظاہر ہوتی گئی ہیں حتیٰ کہ عنوان عمل کے اخیر میں (غالباً پانچویں مجلد ہوگی) اس جواب کو حتماً طے کر دیا ہے۔ اس مجلد میں باقی بحث صرف لفظ 'ایمان' اور اسکے تکیف پر ہے۔ پہلے اسکی اہم شرائط کو پیش نظر رکھکر ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام کا واحد مستمائے نظر کیا تھا۔ اسکا تمام دستور العمل کس مستقل نصب العین کے درپے تھا۔ وہ مطمح نظر کیونکر حاصل ہوا تھا اور آج کیوں نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے وغیرہ۔ مجلد کا آخری حصہ 'عبادات' کی اساسی حکمت عملی پر مشتمل ہے۔ اسلام کے موجودہ ماحول میں یہی وہ اہم امور ہیں جو دین اسلام کے ارکان خیال کیے جاتے ہیں اور انہی پر 'اعمال صالحہ' کے الفاظ کا اکثر اطلاق آجکل ہوتا ہے۔ اِس بنا پر کتاب کے ابتدائی حصوں میں 'عبادات' کے صحیح مفہوم کو واضح کر دینا انسب معلوم ہوتا ہے۔

کتاب کا مستقل حصہ دراصل اسی عنوان سے شروع ہوتا ہے جو آئندہ اوراق میں قائم کیا گیا ہے۔ مقدمہ کتاب میں صرف اُن دعاوی کو پیش کیا گیا تھا جو قرآن حکیم نے اپنے بارے میں کیے۔ قرآن کی تعلیم یا تجویز وتدبیر سے اُس حصے کو چنداں سروکار نہ تھا۔ آئندہ اوراق میں قریباً پانچ جلدوں کے اندر کتاب الٰہی کی 'تعلیم' پیش کر دیجائے گی، اور ثابت ہو جائے گا کہ تاسیس جماعت کے متعلق قرآن کی تجویز وتدبیر کس قدر حکمت کاملہ سے پُر ہے، اور کس صحت واستقلال سے اُن دعاوی کی تائید کرتی ہے جو اس حیرت انگیز کتاب نے اپنے بارے میں علی الاعلان کیے۔ اِس مجلد میں بالخصوص 'عبادات' کی حکمت اور تاسیس جماعت کے چند اساسی اصول پر بحث کی جائے گی جیسا کہ گذر چکا ہے۔ باقی اصولوں اور بالخصوص 'معاملات' اور 'عملیات' پر

نسبۃً محفوظ ہے تو اسمیں مقاصد قرآن کے بارے میں ہولناک افتراق ہے۔ ذہنی ویرانیاں اور غوغائے قیامت ہے، سطحی حیص بیص اور لفظی تنازعے ہیں، تفریق آرا ہے، انتشارِ نظر ہے، تشتت عمل ہے! ایسا تختۂ مشقِ اختلاف قرآن، ایسا مجموعہ شعر و سخن قرآن، ایسا سحری اور طلسماتی جدول، ایسا کاہنی طبّا عمل، اُمت کے افراد میں کیا اشتمال امر اور کیا اتحادِ کار پیدا کر سکتا ہے۔ اُنکی نظروں میں یہ اختلاف شکست ہی قرآن کی اکثر ہدایت ہے، بشارت اور رحمت ہے، نور و شفا ہے! عرب کی جاہلی عادتوں اور رومی عقیدوں کا پُرانا خمیر مسلمانوں کی اعتقادی زندگی میں اس تیزی سے سرایت کر چکا ہے کہ اب اُن کے طرزِ تخیل سے اس اثر کو دور کرنا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا ہے۔ آج دینِ متین کے باقی علم بردار اہلِ عجم بھی عرب کی ان روایات کے اعلا اور آیاتِ خدا کی تکذیب کے جرم میں تیرہ سو برس کی خواب آور مہلت کے بعد رفتہ رفتہ اُسی موت و فنا کے گھاٹ اُتر چکے ہیں جسپر اُن کے پیشوا اہل عرب کئی سو برس پہلے اُترے تھے!

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ (۷: ۱۸۲-۱۸۳)

لوگو! سُن رکھو کہ جس قوم نے ہماری آیات کی تکذیب کی، جسنے اُنکو حقیقت کے بلند مرتبے سے گرا کر جھوٹ بنا دکھایا ہم اُنکو نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ ہلاکت کیطرف گھسیٹ لیجائینگے اور کچھ مدت تک اُنکو ڈھیل بھی دینگے کہ خوب نیند کر لیں کیونکہ میرا داؤ بیشک بڑا پکا داؤ ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۷) ۲، ۷، ۱۲، ۱۷ وغیرہ میں، تیسری آیت خانہ نمبر ۳، ۸، ۱۳، ۱۸ میں علی ہذا القیاس باقی دو آیتیں بھی باقی خانوں میں اسی ترتیب سے بھری گئی ہیں۔ پھر اس جدول کو خوش اعتقاد سائل کے سامنے رکھکر حکم دیا گیا ہے کہ وہ آنکھیں بند کر کے کسی خانے پر اُنگلی رکھے۔ اور اُس حرف سے شروع کر کے آگے اور پیچھے کے چار خانوں کو علی التواتر چھوڑ کر سب حرف لکھتا جائے یہ سب حروف ظاہر ہے کہ اُن پانچ آیتوں میں سے کسی ایک آیت کے ہونگے۔ اس لایعنی عمل کو دیکھکر بیوقوف شخص حیران رہجاتا ہے کہ یہ کیا کرامت ہے جس حرف پر اُنگلی رکھتے ہیں ایک قرآنی آیت بنجاتی ہے اور ہمارے سوال کا جواب خود بخود دیدیتی ہے۔ استخارہ نامہ میں کل ۲۳ جدولیں موجود ہیں مگر طابع صاحب کے واضح رہے کہ تیئیس کیا ایسی تیئیس ہزار طلسمی جدولیں چشم زدن میں تیار ہو سکتی ہیں اور نہ صرف قرآن کی آیتوں سے بلکہ کوک شاستر کے ہر اشلوک سے بھی! یہ مصنف کی اسرار دانی اور تقرب کا عقیدہ، سو اسکی نسبت اسیقدر کہدینا کافی ہے کہ جس شخص نے اپنی عمر کے ۷۵ برس میں بالاوسط ہر برس چار کتابیں لکھی ہوں اُسکے زود نویس قلم سے بعض اوقات ایسی لایعنی تصنیف کا عمل جانا کچھ تعجب خیز نہیں۔

† یہاں ترجمے میں ہم نے 'تکذیب آیات' کے صحیح مفہوم کی ایک ادنیٰ صورت پیش کر دی ہے اور اشارہ کر دیا ہے کہ کسی حقیقت پر جھوٹ کا لباس اوڑھ دینا بھی تکذیب ہی ہے۔ اس تکذیب کا نتیجہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اُس حقیقت کے متعلق تذبذب یقین و ایمان پیدا ہو جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اسکی تعمیل متعذر ہو جاتی ہے۔ یہ فقدان عمل ہی صحیح معنوں میں تکذیب ہے جیسا کہ کچھ دیر بعد چل کر ظاہر ہوگا۔

تکیف ایمان و منتہائے اسلام†

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۳:۱۳۸)

اور تم ہی سب سے برتر ہو اگر ایمان والے ہو

متذکرہ صدر صحبت کے اُس حصے سے جو تبلیغ دین اور اعلان نبوت کے متعلق ہے، یہ امر واضح ہے کہ داعیٔ اسلام کی بعثت اُستلاف ملل کے حق میں ایک بےنظیر رحمت تھی۔ اعلائے کلمۃ الحق نے اعتقادات کے علاوہ، عرب کی ہیئت اجتماعی میں ایک ناقابل یقین انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ نعرۂ توحید نے، اور اللہ کے برگزیدہ رسولؐ کے خُلق عظیم نے اہل عرب کے سینوں کو چاک کر کے اُنکے دلوں کو چیر چیر کر، عداوتیں اور کینے نکال لیئے تھے! پیغمبرؐ برحق کی بےلوث ریا، اور وقفِ عمل زندگی نے بخل و حسد کے تنگ و تاریک قلوب میں ایمان کا نور، اور اعمالِ صالحہ کی وسعت دیدی تھی! خدائے واحد کی ہستی پر محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ناقابل انکار شہادت نے ہر متنفس کو اللہ کی حمایت میں آمادۂ عمل کر دیا تھا! خدا کی حقیقت، اُسکی رحمتوں کے دریا، اُسکی حکمت اور علم کے سمندر، اُسکی لاانتہا بخششیں، اُسکی قدرت کاملہ، ساتھ ہی اسکے عذاب کے طوفان، اُسکے زلزلے، اسکی تہس نہس کر دینے

† صحبت حاضرہ کے مطالب خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ آیندہ مباحث، بلکہ ایک روسے کتابِ ہدیٰ کی حکمت کو کماحقہ سمجھنے کا اکثر دارومدار اسی صحبت پر ہے۔ بیسویں سو برس کے انقلاب تخیل کے بعد ایمان کی حقیقت کو از سرِ نو پالینا، یا دل پر اُس کا صحیح کیف و حال پیدا کر کے پیکرِ ایمان اور مشاہدِ خدا بن جانا آسان کام نہیں۔ مگر اس نقدان حال اور صورت اشکال کے باوجود قرآن حکیم کے اندر ایمان کی صحیح تصویر اور منتہائے اسلام کی ناقابل انکار دلیل موجود ہے۔ اسی بات کو پیش نظر رکھکر جہاں جہاں اس صحبت کے اندر آیات الٰہی میں ایمان کا لفظ آیا ہے انہ ظ کو جلی حروف میں لکھدیا ہے کہ اس ناقابل تشریح اصطلاح کی صحیح ماہیت سمجھنے میں آسانی ہو۔ اسکی اہم قرآنی شرائط اور لوازم واضح ہوں اور پھر رفتہ رفتہ انسان کے ذہن میں اسکا تکیف بیٹھتا جائے۔ بےشبہ اہم یہ امر کہ کلام خدا کا طالب العلم بطور خود اس حقیقت کبریٰ کا قائل ہو کہ سعی و عمل ایمان کا جزو لاینفک کس انتہائی حد تک ہے۔ منتہائے اسلام کی حقیقت صفحہ ہا پر عیاں ہوگی

کی اعتقادی اور سیاسی زندگی، اور قرآن حکیم کے اجتماعی دستور العمل کے متعلق ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۹) بحث بعد کی چار جلدوں میں ہوگی۔ انہی مجلدات میں ضمناً 'معتقدات' کی حقیقت کا انکشاف کر دیا جائیگا۔ تین یا چار جلدیں 'علم القرآن' (معلومات)، 'تاریخ القرآن' (ماجریات) اور 'طریق عمل' کے متعلق ہونگی جو اس کتاب کا آخری حصہ ہے۔

'معاملات' کی بحث کے ضمن میں اسلام کی موجود فرقہ آرائیت کا پول کھول دیا جائے گا۔ اور ثابت کر دیا جائے گا کہ **ایک خدا، ایک رسول، اور ایک قرآن کے ہوتے ہوئے صراط مستقیم بھی صرف ایک ہی ہے**۔ سب فرقہ بندی اور تشیع، رہبانیت اور غلط تخیل زہد، غلو فی الدین اور تلائی افراط و تفریط وغیرہ وغیرہ کتاب الٰہی کے منشا کے نقیض اکثر عیاں کر دیجائے گی۔ دین اسلام کے وجود پر سے عارضی اور اکتسابی غلاف الٹ کر اسکو صحیح معنوں میں 'فِطْرَتَ اللّٰہِ النَّاسَ عَلَیْہَا' (۳۰ : ۳۰) صفحہ ۴) کا مصداق ثابت کر دیا جائیگا۔ یہ حقیقت کبریٰ **از سر نو منکشف کر دیجائے گی کہ اسلام وہ راہ عمل**، وہ مذہب سعی و کار، اور وہ **فطرۃ کاملہ ہے جس پر سطح زمین کا ہر فرد بشر بلا لحاظ ملک و ملت مجبول بلکہ مجبور[1] ہے**۔ اسی پر چلکر سرتاسر امن ہے، فردی اور اجتماعی امن ہے، فردی اور شخصی امن ہے، اخروی اور دائمی امن ہے۔ اس سے ذرا ہٹ کر **ضعف و شکست** ہے، قوموں اور امتوں کی شکست ہے، قبیلوں اور گھروں کا انتشار ہے۔ الغرض دین الٰہی کو امت مرحومہ کے مختلف گروہوں اور بھیڑوں کے اعتقادی رنگ سے یکسر آزاد کر کے خدائے واحد کی **وحدت انگیز یکرنگی** میں رنگ دیا جائے گا۔ اس نازک موضوع کی بحث و تمحیص سے مفید نتائج برآمد کرنیکے لیئے اس امر کا عمداً خیال رکھا گیا ہے کہ کتاب خدا کے طالب العلم کے ان ذاتی جذبات کو جو وہ کسی فرقے سے متعلق ہونے کی حیثیت میں کسی عقیدے یا شخص یا طرز عمل کے متعلق اس کتاب کے کامل مطالعے سے پیشتر رکھتا ہو حتی الوسع کم سے کم ٹھیس لگے۔ حقیقت کی طرف بتدریج اور بالدلیل رہنمائی ہو۔ جو بات کہی جائے اسکی سند موجود ہو۔ محض سفلی جذبات کو بھڑکا کر راہ راست پر لانے کی بے سود سعی نہ کی جائے۔ اس مدعا کو پیش نظر رکھکر کتاب کی طوالت کا باعث ظاہر ہے۔ میرا مقصود ایک فرقے کو سراہنا، یا دوسرے کی توہین کرنا نہیں بلکہ حتی الامکان اسلام کے سب رسمی ماننے والوں کو ایک مشترک اور صحیح راہ کی طرف انگشت نمائی کرنا ہے اگر جو کچھ میں نے کہا ہے **حقیقت** ہے تو ذہن خود بخود اسطرف مائل ہوگا۔ اسکے لیئے کسی نارواترغیب یا غیر ضروری تشویق کی ضرورت نہیں۔

قارئین کتاب سے صرف اسقدر استدعا ہے کہ آئندہ مجلدات کے **ربط** اور **تسلسل** کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ کیونکہ ہر دعوے کی بنا پیشتر کے ثابت کیئے ہوئے دعوے پر ہے اور کتاب کے سب آئندہ مباحث ایک سلسلے کی مختلف اور مرتب کڑیاں ہیں۔ اور ایک ہی نتیجے کی طرف استقلال سے جا رہی ہیں۔ اگر تمام کتاب کے سب گذشتہ مطالب درس و تدریس کے کسی مرحلے میں پیش نظر نہ رہے تو قرآن حکیم سے کوئی مدلل نتیجہ اخذ کرنا محال ہو جائے گا۔ اس تصنیف کا سب سے اہم حصہ آخری مجلدات ہیں جنمیں قرآن حکیم کی تمام تعلیم سے کامل تفتیش و تلاش کے بعد مستقل نتائج اخذ کیئے گئے ہیں پھر اجل زدہ امتوں کے تحفظ و بقا کیلئے ایک اٹل **طریق عمل** مستنبط کر کے سلمانان عالم کو **انکی حیات و موت کا آخری پیغام دیدیا گیا ہے**!

---

[1] **فطرت** محالہ وہ شئے ہے جس سے کسی فرد متنفس کو کسی حال میں مفر نہیں۔ اگر دین سلام فطرت النَّاسَ عَلَیْہَا ہے جیسا کہ صفحہ ۴ پر دعوے کیا گیا ہے تو وہ بھی بلا شبہ وہ شئے ہے جسکی تعمیل پر سطح زمین کا ہر شخص اسیطرح مجبور ہے جس طرح کہ اپنی کسی اور فطرت پر، اور جسکے برخلاف چلنے کی فوری سزا بھی اسیطرح ملی چاہیئے جس طرح کسی اور فطرت سے باغی شخص کو اس دنیا میں ملتی ہے۔ ایک شخص اگر کھانا نہیں کھاتا یا کئی دن مسلسل نہیں سوتا تو اسکا جلد مرجانا لازمی ہے۔ اس بنا کہ کھانا اور سونا اس کی فطرت میں داخل ہیں، اور فطرت سے باغی ہونے کی انتہائی سزا ہلاکت ہے۔ پس اس مقام سے نظر سے دین اسلام بھی وہ **طریق عمل ہے جس پر چل کر اس دنیا میں ہر جا امن مل رہا ہے** جیسا کہ آئندہ اوراق میں چلکر واضح ہوگا۔ وہ کسی رسمی کلمہ شہادت کا پڑھ لینا نہیں جیسا کہ اکثر مسلمان سمجھے بیٹھے ہیں!

مقدمہ ختم ہوا

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۶ : ۱۰۰)

وہی قادرِ مطلق تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم ہی نے اُس پانی کے ذریعے سے ہر اُگنے والی چیز کی بُوٹیاں نکالیں، پھر اُن بوٹیوں سے ہم ہی نے ہری ہری ٹہنیاں نکالیں۔ اُن سے ہم گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے گابھے میں گچھوں کے گچھے خوشے جو مارے بوجھ کے جھکے پڑتے ہیں۔ اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار۔ ظاہر اُنکل وشباہت میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، مگر مزے اور تاثیر میں جُدا جُدا ہیں۔ تم اُسکے پھل کی طرف بغور دیکھو جب نکل رہا ہو اور پک رہا ہو بے شک جن میں ایمان ہے اُن کے لیے اِس مشاہدے میں عجیب وغریب نشانیاں خدا کی قدرت کی موجود ہیں!

صدیوں کے باطل عقیدوں، خوف انگیز وسوسوں، اور مذبذب قلوب واہموں کے بعد حقیقت کے اس دلنشین انکشاف، اور خدا ہونے کے اس قطعی ثبوت نے بالآخر عرب کے دلوں میں ایمان کا آسماں تاب نور، اور یقین کا عالم افروز شعلہ پیدا کر دیا۔ صداقت کا روح پرور اثر اُنکے بدنوں اور طبیعتوں، دلوں اور ذہنوں میں اسقدر جاری وساری ہو گیا تھا کہ بمجرد اللہ کا ذکر آنے پر اُن کے دل کپکپا جاتے تھے!

† ضمناً اِن آیاتِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ اعمالِ خدا کا مشاہدہ، اُنمیں استقصا اور تفکر، خدا کی عطا کی ہوئی بصر کا استعمال (اَلَمْ یَرَوْا (۶ : ۶)، اُنْظُرُوْا (۶ : ۱)) اور کارگاہِ فطرت سے طلبِ علم (دیکھو صفحہ ۸۳) ایمان کے اہم لازمات میں سے ہیں، ان کے بغیر ایمان ناقص اور معرفتِ خدا محال ہے! اس بحث کو یہاں پر طول دینا ضروری نہیں مگر مسلمانوں کو غور کرنا چاہیئے کہ آج وہ قَوْمٌ یُّؤْمِنُوْنَ کے صحیح مصداق ہیں یا مغربی قومیں جنہوں نے فطرت کا پتا پتا دیکھ مارا ہے!

‡ سورۂ انفال میں ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (۸ : ۲)

لوگو! ایمان والے تو وہی بندے ہیں کہ جب خدا کی یاد اُن کو آجاتی ہے تو اُنکے دل ہل جاتے ہیں، اور جب اُسکے احکام (اٰیٰتُهٗ) انپر واضح کر دیئے جاتے ہیں تو اُنکی تنعیل کا یقین (اِیْمَانًا) اور بھی بڑھتا ہے، اور وہ وُہ لوگ ہیں جو حتی الوسع سعی وعمل کے بعد نتائج کے بارے میں اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہیں (یَتَوَكَّلُوْنَ) (توکل کے اِن معانی کی توضیح آگے چلکر آئے گی)۔

یہ ایمان والوں کی لرزش کوئی مصنوعی لرزش نہیں جو آجکل لوگ رسماً پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں، اور باوجود مشق کے صحیح معنوں میں پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ فی الحقیقت خدا کی عظمت، ہیبت، اور طاقت کا ہول انگیز یقین ہے جو اسکے اعمال کے برائے العین مشاہدے اور اس کارگاہِ فطرت کی براہ راست بصیرت سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ وہ تکیف قلب ہے جو آج ان قوموں کو حاصل ہے جو قانون خدا سے ہر دم خوفزدہ رہ کر سعی وعمل میں مصروف ہیں۔ جو حکم حاکم کو مرگ مفاجات کے برابر سمجھکر طوعاً وکرہاً اُسکی تعمیل میں لگی ہیں، جو قانونِ فطرت کے ایک ایک حرف کو بغور سمجھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ یہ لرزش ہمہ تن حاکم کے مقتدر ہونے کی لرزش ہے، اُسکے قانون کو اٹل ماننے کی لرزش ہے، اُسکی سزا کے شدید ہونے کی لرزش ہے، اُسکے حکم کے اٹل اور حاکم کے بے پروا ہونے کی لرزش ہے۔ اسی لرزش کا اٹل نتیجہ عمل ہے، احساسِ فرض ہے، تگ ودو ہے، تکلیف ومحن ہے، یہ کوئی دوستی کے باہمی ناز ونیاز، یا عشق کی لطف آمیز چشمکیں نہیں جو مسلمانوں نے رسماً اور خلطاً خدا سے پیدا کر لی ہیں اور جسکا نتیجہ نادانی خدا کے سوا کچھ نہیں۔

والی چیخیں، اُسکی بجلیاں، آنکھوں کے سامنے صاف نظر آگئی تھیں! اُس رب لم یزل کو جسکی بے عیب شخصیت وہم کے محیط سے باہر، اور امکان کے نقص سے بری ہے، **احمدؐ مرسل** (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی حیرت انگیز شناسائی نے ہر شخص کے روبرو عیاں کر دیا تھا! مومنوں کے کانوں میں اسکی صدائیں ابلاغ آگئی تھیں! اُنکی آنکھیں، اُنکے دل، اُنکے ہاتھ، اُس لامکان ذات کو اپنے گھروں کے اندر، میدانوں اور حجروں میں، سجدوں اور دعاؤں میں آشکارا محسوس کر رہے تھے! وہی آسمان و زمین، وہی چاند اور ستارے، وہی زرع و نخیل، جو عرب کی ہموار اور غیر دلچسپ سرزمین میں ہر دم اُن کے پیش نظر رہتے تھے، اِس جویائے حق نبیؐ کی دیدۂ عبرت نگاہ کے باعث **معرفتِ خدا** کے بیکراں دفتر اور حقانیت کے بے پایاں مظاہر بن گئے تھے!

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝ (۲۷: ۶۰)

لوگو! ذرا اِسپر تو غور کرو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا؟ اور آسمان سے تم لوگوں کے لیئے پانی کس نے برسایا؟ پھر اُسی پانی کے ذریعے سے ہم نے خوشنما باغ لگائے! لوگو! کیا تم میں طاقت ہے کہ اُنکے درختوں کو اُگا سکو؟ اور کیا پھر اس حقیقت کے عیاں ہو جانے کے بعد بھی خدا کے کوئی اور قابلِ اطاعت، اور لائقِ عبودیت رہجاتا ہے! آہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں کہ ناحق دوسری طرف جھکے ہوئے ہیں!

پھولوں کی پنکھڑیوں میں، پرندوں کے پروں اور درختوں کے خوشوں میں صناع بے مثال کا ہاتھ کام کرتا ہوا صاف نظر دلا دیا تھا!

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ † (۱۶: ۷۹)

کیا لوگوں نے پرندوں کے حال پر نظر نہیں کی جو فضائے آسمانی میں مسخر ہیں، اُن کو اُڑتے وقت کون سنبھال رہا ہے اور کون سنبھلنے کی طاقت دے رہا ہے؟ جن لوگوں میں ایمان موجود ہے اُنکے لیئے اس حقیقت میں بھی غور و فکر کی کئی علامتیں ہیں۔

فطرت کے بدیع الخلق ظواہر اور محیر العقول صنائع کی طرف، کلام الٰہی کی انتھک ترغیب و تحریص نے عرب کی طبائع پر گہرا اور ناقابل انحکاک اثر پیدا کر دیا تھا!

† اس کا تسلسل اگلے صفحے پر دیکھو۔

اُسکی استقامت عہد، اُسکی سطوت وجبروت، اُسکے جبر وقہر کی وہ زندہ اور زبردست **شہادت** تھی جو ہر منکر کو قائل کر دیتی! اُن کی سرتاپا سعی اور رہینِ عمل زندگی اللہ کی غلامی کو بہترین غلامی، اور اُسکی چاکری کو مفید تر چاکری بنانے کی وُہ بانگِ دُہل اور وُہ صیت ناقوس تھی جسنے اقل قلیل مُدت میں ایک سیہ کار اور بے حس عالم کو اللہ کی عبودیّت پر متفق العمل کر دیا تھا!

وَكَذٰلِكَ† جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ* عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (۲: ۱۴۳)

اور اس تسلیم کی خو اور اللہ کے رنگ میں رنگے جانیکے باعث (دیکھو آیہ (۲: ۱۳۸)) ہم نے تم سب کا ایک مرکز (یعنی قبلہ) قرار دیکر تم عرب کو روئے زمین کی امتوں کا مرجع ومرکز بھی بنا دیا ہے تاکہ تم اپنے حُسن عمل سے تمام دنیا کے سامنے خدا کے وجود کی گواہی دو، اور رسولِ خدا تمہیں اللہ کی گواہی دیتے رہیں!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا* رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ* عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (۲۲: ۷۷-۷۸)

---

† "كَذٰلِكَ" کا ربط پہلے مضمون کے تسلسل سے ظاہر ہوتا ہے جو آیہ (۱۲۲) سے شروع ہوا ہے۔ اِس ربط کو ثابت کرنے کا یہ موقع نہیں مگر سورۂ بقرہ کے ربط کا اظہار غالباً پانچویں مجلد سے پہلے نہو سکیگا۔

* "شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" ہونے کے یہی معانی ہیں کہ لوگوں کو تمہارے اعمال وافعال سے، تمہاری تگ ودو اور تکلیف برداری سے، تمہاری خدمت گذاری اور ملازمت سے خدا کے خدا اور حاکم اعلیٰ ہونے کی سچّی گواہی ملجائے، وہ بچشم خود دیکھ لیں کہ تم کسی ایسی جلیل القدر ہستی کے ملازم اور پابند ہو جو گو نظروں سے اوجھل ہے مگر اُسکے ہونے اور مقتدر ہونے میں گمان نہیں یہی سعی وعمل آج کسی دنیاوی حاکم کی ملازمت اور اُسکے موجود ہونے کی صریح بلکہ عینی شہادت ہے، خواہ وہ حاکم ہر دم لوگوں کی نظروں سے چھپا رہے اور عوام نے اسکو ایک لمحے کے لیے بھی بچشم خود نہ دیکھا ہو۔ جبتک ایک ملازم کسی آقا کے حکموں کی تعمیل میں مصروف ہے، اسکی خاطر اپنی جان کو تکلیف میں ڈال رہا ہے، اور کسی دوسرے کے ہاں سے امیدوار مزد نہیں ہوتا، تب تک اس آقا کے ہونے کی عینی گواہی موجود ہے۔ کیونکہ کوئی متنفس اپنے آپ کو بلا مزد رنج ومحن میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ شہادت یہ نہیں کہ مُنہ سے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، یا کوئی اور ایسا کلمہ پڑھ لیا جائے جیسا کہ آجکل کے مسلمان سمجھ بیٹھے ہیں! جبتک ملازمت اور عبادت عملاً نہ ہو گواہی، یعنی شہادت جسکا تعلق لامحالہ مشاہدے سے ہے، قائم نہیں ہو سکتی۔ رہی یہ بات کہ عمل کی نوعیت کیا ہو اسکی تشریح آگے چلکر خود کتاب خدا کریگی۔ اِس امر کا ثبوت کہ شہادت خدا ہی کی ہو آیہ (۴: ۱۳۵) صفحہ ۲۰۲ کے الفاظ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ سے ملتا ہے۔

* عبادت کے قرآنی معانی آج صدیوں کے انقلاب تخیّل کے بعد قطعاً مسخ ہو چکے ہیں۔ عامۃ الناس نے بلا استثنا اسکے معانی نماز پڑھنا

دلوں نے اللہ سے وہ سچّا لگاؤ پیدا کر لیا تھا کہ اُٹھتے بیٹھتے ایک دنیاوی حاکم کی طرح، اُسکے حضور میں سراپا ادب رہکر اُسکی رحمتوں اور بندہ نوازیوں کے چشم براہ، اور اُسکے قہر سے خوف زدہ رہتے۔ حضوریِ قلب کی حیات افزا روح نے اور قرب رسولؐ کے جرأت آموز اثر نے اُن کو اللہ کی رضا میں مصیبت سے قطعی بے خوف، اور جان سے قطعی بے نیاز کر دیا تھا۔ اُن کے فلک شگاف حوصلے اور کوہ فگن جرأتیں، اُس احکم الحاکمینؐ کی خوشنودی اور حمایت میں ہر وقت پابہ رکاب رہتیں! وہ ایک اہل الغرض اور مشاہرہ دار نوکر کی طرح، اُس آنکھوں سے اوجھل اور جلیل القدر ذات کی خوشنودی کی خاطر، اُسکے ادنیٰ اشاروں اور حکموں پر چونک چونک اُٹھتے، اور دوڑ دوڑ گرتے! وہ اللہ کے رعب و وقار اور اُسکے جاہ و جلال کے آگے ہر انسانی منزلت کو بیقدر و قیمت، اور دنیاوی رعب داب کو ہیچ سمجھتے! وہ اپنے سچّے مخدومؐ، اور مقتدر منعمؐ کا بول بالا کرنیکے ولولے میں جانوں کو ہتیلیوں پر رکھکر قیصر و کسریٰ کے دربار میں، اپنے خرقہ پوش اور اُمّی پیغمبرؐ کا تنبیہی پروانہ بے دہڑک لیجاتے! وہ اپنے حقیقی آقا کا آوازہ بلند کرنے کی غرض سے جان، مال، اور تعلقات دنیوی کے انقطاع† سے ایک لمحے کے لیئے دریغ نہ کرتے! وہ ایک مزدور خوشدل کی طرح اللہ کے اس نیک بندے کی حمایت میں تلواروں سے کٹ، اور تیروں سے چھن جاتے مگر ہمّت نہ ہارتے! وُہ اُس کالی کملی والے رسولؐ کی جانفروشانہ اطاعت میں موت کی آرزوئیں، اور قتل کی مَنّتیں مانتے! وہ اللہ کی کبریائی اور جبروت کے بالمقابل ہر سرکش کا غرور توڑنے کے لیئے پہاڑ سے لڑجاتے اور آسمان سے ہاتھا پائی کرتے! اُن کی مودّبانہ خدمت اور فدایانہ عبودیّت خدائے ذوالجلال کے وجود، اُسکی عالم آرا حکومت، اُسکی عالی مقامی

---

† سورہ مجادلہ میں ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ (۵۸: ۲۲)

اے مخاطب: جو لوگ خدا کے خدا ہونے پر ایمان لاتے ہیں، اور جو روز آخرت کی جزا و سزا پر یقین رکھتے ہیں، اُن کو تو تم ہرگز نہ دیکھو گے کہ خدا اور اسکے رسول کے مخالفوں اور نافرماں برداروں کے ساتھ میل جول رکھیں گو وہ انکے باپ، یا انکے بیٹے، یا انکے بھائی بند، یا رواج ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکے دلوں کے اندر خدا نے ایمان کا گہرا نقش کر دیا ہے، اور جنکو اپنی ناپیدا کنار طاقت اور ہمت کا ایک حصہ عطا فرما کر انکی مدد کی ہے (بِرُوْحٍ مِّنْهُ)۔

واسطۂ عمل بن گیا تھا! تعبد کی یہ شانِ اضطراری (وَاعْبُدْ رَبَّكَ)[۵۱] اور اعتصام خدا کا یہ الحافی رنگ تھا

۵۱ دیکھو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵۔

(بقیہ سخت المتن صفحہ ۱۰۶) چنداں زور نہیں دیا جا سکتا کیونکہ کلام الٰہی کے الفاظ کے استقلال مطالب اور وحدت معانی کی مثالیں کثرت سے پیش نہیں ہوئیں، لیکن آگے چلکر جوں جوں اور شہادتیں ملتی جائیں گی یہ نکتہ عیاں ہوتا جائیگا۔ 'مسخ حقیقت' کے عنوان میں اس بات کا کافی ثبوت دے دیا جائے گا کہ نفس قرآن کے رُوسے 'سجدہ' اور 'عبادت' ایک تکیف دل کی دو مختلف حالتیں ہیں اور اسی لیے بالالتزام علیحدہ علیحدہ بیان کی گئی ہیں۔ 'سجود' کے معانی بھی قرآن کریم میں ماتھا رگڑنے یا سر جھکا دینے کے نہیں بلکہ اس سے مقصود تکیف اطاعت اور صرف اطاعت ہے۔ اگرچہ ماتھا رگڑنا اُس کا ایک جزو ہو سکتا ہے۔ مطیع شخص ممکن ہے اپنی اطاعت کے جوش میں ماتھا بھی رگڑے مگر ہر سجدہ کرنے والا لازماً مطیع نہیں ہوتا۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے: وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ (۵۵: ۶) "اور ستارے اور درخت سجدہ کر رہے ہیں"۔ یعنی احکام خدا کی اطاعت میں مصروف ہیں۔ ظاہری سجدہ مراد نہیں اور نہ ہو رہا ہے۔ سورۂ نحل میں ہے: وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ (۱۶: ۴۹) "اور جو کچھ آسمان و زمین میں چلنے والی شئے ہے خدا کے آگے سجدہ کر رہی ہے"۔ یعنی اسکے قانون کی مطیع ہے۔ علیٰ ہذا القیاس (۱۳: ۱۵) اور (۲۲: ۱۸) میں یہی مضمون ہے۔ سورۂ آل عمران میں اہل کتاب کے متعلق کہا ہے: يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ (۳: ۱۱۳) "یعنی رات کے اوقات میں احکام خدا کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں"۔ حالانکہ زمین پر ماتھا رگڑنا اُن کا طریق نماز نہ تھا اور آج بھی نہیں۔ سورۂ اعراف کے اخیر میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝ (۷: ۲۰۶)۔ یہاں 'عبادت' اور 'تسبیح' اور 'سجدے' کا وہی لغوی تکرار ہے، اور لفظوں میں تفریق کر دی ہے مگر ظاہر ہے کہ اُنکے یہ معانی نہیں ہو سکتے جو آجکل لوگوں نے ان الفاظ سے لے لیے ہیں۔ کیونکہ مذکور اُن کا ہے جو اس روئے زمین پر نہیں ہیں اور عالم ارواح میں بس رہے ہیں۔ سورۂ نجم میں ہے: فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۝ (۵۳: ۶۲) یہاں بھی 'سجدہ' اور 'عبادت' کو لفظوں میں الگ کر دیا ہے اگرچہ تکیف ہی اطاعت ہی کا ہے۔ 'سجدے' کا لفظ کلام الٰہی میں صرف و جگہ ظاہری ماتھا رگڑنے کے معنوں میں آیا ہے۔ ایک سورۂ نمل میں ملکہ سبا کے متعلق: وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۲۷: ۲۴) یعنی "وہ اور اسکی قوم خدا کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے تھے"۔ اور دوسری سورۂ حٰمٓ السجدہ میں: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (۴۱: ۳۷) مگر ان دونوں موقعوں پر صرف ایک واقع الامر کا اظہار ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں یعنی لوگ سورج کے آگے ماتھا رگڑتے تھے یا یہ عبث فعل جو تم کرتے ہو نہ کیا کرو۔ آیۂ (۴۱: ۳۷) سے 'تَسْجُدُوْا' اور 'تَعْبُدُوْنَ' کا الفاظ میں الگ ہونا بھی ظاہر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ "اگر تم فی الحقیقت خدا ہی کے غلام ہو (اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) اگر اسی کے احکام کی تعمیل کر رہے ہو (اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) اگر اسی کے مطیع اور اُسی کے حلقہ بگوش بنے ہو (اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ)، تو اس ظاہری سجدے کو بھی جو شمس و قمر کے آگے کرتے ہو، چھوڑ دو، کہ یہ بھی کیف عبودیت کے منافی ہے۔ یہ رسم بھی خدا ہی کے آگے ادا کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے"۔ گویا خدائے عزوجل کے نزدیک ملازمت ایک آقا کی اختیار کرنا اور سلام سلام دوسرے کو کرنا ایک لایعنی سی بات ہے۔ اگرچہ ایک شخص کے ظاہرا سورج کو سجدہ کرنے اور درپردہ عابد خدا ہونے کے استثنائی امکان کو یہاں پر پیش ہی نہیں کیا گیا بلکہ اسکو اشارۃً تسلیم کیا گیا ہے۔

رکوع کا لفظ بھی جسکے معانی اصطلاحاً آج نماز میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھکر جھکنے کے ہیں۔ قرآن میں ان معنوں میں نہیں آیا۔ اس کا قرآنی مقصود بھی اطاعت اور تعمیل احکام الٰہی ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ (۵: ۵۵) یعنی "اے ایمان والو! تمہارا دوست اور مددگار تو خدا ہی ہے (جو تمہیں قوت افزا احکام دے رہا ہے) اور اسکا رسول (جو تمہیں راہِ راست پر لے جا رہا ہے)، اور باقی ایمان والے (جو عملاً ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں)، اور یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پر قائم رہتے ہیں، اور قربانی مال کرتے ہیں، اور قانون خدا کے آگے عملاً سر تسلیم خم کرتے ہیں (وَهُمْ رٰكِعُوْنَ)"۔ یہ آخری الفاظ قافیے کی ضرورت کے لیے (معاذ اللہ)

اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو! اپنے خدا کے حضور میں عملاً جھکتے رہو، (ارْكَعُوا)، اُس کے سب احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کردو، (وَاسْجُدُوا)، اس کے سچے غلام بنے رہو، (وَاعْبُدُوا)، اور بھلے اور پسندیدۂ خدا کاموں میں لگے رہو تاکہ تم بالآخر کامیاب ہوجاؤ اور اپنی مراد کو پونچھو۔ اور اعلائے خدا میں کوشش کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تم ہی کو اس مطلب کے لیئے دنیا جہان کی امتوں سے انتخاب فرمایا ہے، اور تم ہی وہ لوگ ہو جن پر (تمہارے اپنے زعم میں) خدا نے اعمال و فرائض کے متعلق کچھ نارواسختی نہیں کی۔ یہی دستور العمل تمہارے باپ ابراہیم کا تھا، اور اس خدا کی عملی غلامی، اور تسلیم کے نصاب عمل کو مدنظر رکھکر ہی اُس نے اس سے پہلے بھی تم جیسے حکمبردار اور کارکن آدمیوں کا نام مسلم رکھا تھا، اور اب بھی تمہیں اُسی نام سے پکارتا ہے۔ اور یہ سب اس لیئے کہ رسول تو خدا کے آقائے نامدار ہونے کی تمہیں گواہی دیتے رہیں، اور تم تمام جہان کے سامنے اپنے اعمال کے ذریعے سے خدا کے وجود کی زندہ شہادت بنو! پس ان سب باتوں کو مدنظر رکھکر نماز پر قائم رہو، ہماری بارگاہ عالیہ میں پنجوقتہ حاضر ہوکر اپنے اعمال کا حساب دو، اور ہمارے وجود کو دنیا پر ثابت کردینے کی خاطر قربانی مال (الزَّكٰوة) بھی کیا کرو۔ اور اللہ کو مضبوط پکڑے رہو! وہی تمہارا آقا ہے، پر کیا ہی اچھا آقا، اور کیا ہی اچھا مددگار ہے!

قبولیت اثر، اور محسوسات قلب کے تہیج واحیا کا یہ وہ عہد سعید اور وہ نکو کار زمانہ تھا جب کہ خدا کو خدا تسلیم کرلینا، اہل عرب کی نگاہوں میں آفتاب کی کرنوں اور مہتاب کی شعاعوں سے بھی عیاں تر

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۵) لے لیئے ہیں، اور ہر شخص چند بار ماتھے کو زمین پر رگڑ کر بے غل وغش اپنے آپ کو 'عابد' قرار دیتا ہے۔ شارحین و مفسرین علما، فقہا، جملا سب کا غالب خیال عبادت سے نماز یا تسبیح گردانی ہی ہے، اور اگر کوئی شخص ذرا زیادہ وسیع النظری سے کام لیتا ہے تو باقی ارکان اسلام کو بھی داخل عبادت کردیتا ہے یا حد سے حد علی الحساب اور احساناً کہہ دیتا ہے کہ "خدا کے لیئے اُٹھنا اور بیٹھنا بھی شامل عبادت ہے"۔ یہی نہیں بلکہ قریب قریب ہر مذہب کی لغت میں یہ اصطلاح صرف دعا یا نماز تک محدود ہوگئی ہے۔ پرانی الہامی کتابوں کے متعلق تحقیق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اُن کے الفاظ کے استقلال کی کوئی سند موجود نہیں اور ترجموں میں الہامی الفاظ کی صورت، روح، اور مطالب سب بگڑ چکے ہیں مگر قرآن حکیم کے اندر 'عبادت' کا اصلی اور صحیح مفہوم ابتک موجود ہے بشرطیکہ اسکی آیات میں صحیح تدبر کیا جائے ان آیات الٰہی میں جو زیر بحث ہیں، 'ارْكَعُوا' اور 'اسْجُدُوا' اور 'اعْبُدُوا' کے تین الفاظ آئے ہیں اور اگر، جیسا کہ کم از کم مجھے یقین ہوچکا ہے، خدائے زمین و آسمان کا کلام ہر قسم کے حشو و زوائد بے نتیجہ تکرار، یا شاعرانہ فصاحت سے قطعاً مبرا ہے۔ اور اس کا ایک جملہ، ایک لفظ اور ایک حرف بھی اول بدل، پس و پیش، یا حذف نہیں کیا جاسکتا، تو اس نتیجے پر پونچنا کچھ مشکل نہیں کہ 'ارْكَعُوا' اور 'اسْجُدُوا' اور 'اعْبُدُوا' کے الفاظ کے تین مختلف اور مستقل معانی ہیں جو شارع قرآن کے ذہن میں اسوقت تھے جب یہ آیت وحی کی گئی۔ اُن کو نماز کا رکوع و سجود سمجھکر قریب المطالب یا مترادف المعانی قرار دینا، یا زور بلاغت کا تکرار فرض کرلینا کلام خدا کی توہین ہے۔ کتاب خدا کے اس ابتدائی حصے میں اس حقیقت کبریٰ پر

اور اسی کی راہ میں تھی، (وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ)[1]، سب طاعت و تسلیم اُسی کی گواہی کے لیے تھی، (لِيَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ)[2]، داعیٔ اسلام کی جاذب القلوب صحبت اور حقیقت کشا شہادت (لِيَكُوْنَ

[1] دیکھو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵۔ [2] دیکھو (۲: ۱۴۳) صفحہ ۱۰۵۔

بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۸) یہاں پر پہر عبادت اور الصلوٰۃ اور الزکوٰۃ کا لفظی تفرق ظاہر ہے۔ گویا عبادت وہ شے ہے جو نماز اور زکوٰۃ سے علٰحدہ بلکہ بڑھکر ہے۔ اور یہ وُہ عملی ملازمت، وُہ استغال امر، اور وُہ شبانہ روز چاکری ہے جسکے لیے کسی وقت یا عدت کی تعیین نہیں۔ ایک درجہ ہوئی علیہ السلام کے مکالمے میں عبادت اور الصلوٰۃ کے فرق کو اور بھی نمایاں کر دیا ہے: (اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ (۲۰: ۱۴))۔ یعنی اُے موسیٰ! اسمیں شک نہیں کہ میں ہی مالک زمین و آسمان ہوں، میرے سوا کوئی حاکم اعلیٰ نہیں، تو تم میری ہی عبادت اور ملازمت اختیار کرو، اور میری یاد، اور غائبانہ خوف دل میں رکھنے کے لیے (لِذِكْرِيْ) الصلوٰۃ پر قائم رہو یعنی احیاناً میرے حضور میں حاضر بھی ہوا کرو۔" گویا عبادت ایک غائبانہ تعمیل احکام ہے اور الصلوٰۃ اس غائبانہ خدمت کے جذبے کو محرک رکھنے کے لیے بالمشافہ سلام اور حاضری ہے۔ لیکن سورۂ مومن میں عبادت کا قرآنی مفہوم اِن سے بھی عیاں تر ہے:

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۚ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۚ (۲۳: ۴۵-۴۷)

پھر ہم نے موسیٰ اور ہارون اُنکے بھائی کو اپنے احکام (بِاٰيٰتِنَا) اور اُنکے منجانب اللہ ہونے کی روشن شہادت (سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ) اپنی طرف سے دیکر فرعون اور اُسکے حاشیہ نشینوں کی طرف بھیجا وہ لوگ اُنکو دیکھکر اکڑ گئے، اور درحقیقت وہ تھے بھی سرکش اور متکبر لوگ جو شیخی میں آکر کہنے لگے کہ کیا ہم اِن اپنے جیسے دو آدمیوں کو اپنا رہنما مان لیں حالانکہ انکی حیثیت یہ ہے کہ انکی قوم ساری کی ساری ہماری غلام ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہماری چاکری اور خدمتگذاری میں دن رات لگی ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہمدن ہمارے زیر اثر ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہماری محتاج اور دست نگر ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہماری نظروں میں خوار و ذلیل ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہمارے آگے ہاتھ جوڑتی اور پاؤں پڑتی ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہمارے دست شفقت کی آرزومند ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہماری دی ہوئی روٹیوں پر گذارہ کرتی ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، وغیرہ وغیرہ۔

گویا از روئے قرآن عابد وہ شخص ہے جسکی ہیئت کذائی بعینہٖ وہ ہو جو خروج سے پیشتر بنی اسرائیل کی فرعون کے ماتحت رہ کر تھی یا جو آج کشمیر مشرقی اقوام کی یورپ کے دست تظلم سے آجکل ہے۔ بنی اسرائیل کے مظلوم فرعون کے محلات کی تعمیر کے ضمن میں ہزاروں من پتھر لادے ہوئے چھکڑوں میں ہانکے جاتے تھے، اُمرا کی تفریحی گاڑیاں میلوں تک ہانپ ہانپ کر کھینچتے تھے، اُن کی بیگمات کو پالکیوں میں اٹھائے پھرتے تھے، اُن کے سروں پر چھپتریاں لگائے دم بخود چلے جاتے تھے، اُن کی سواریوں کے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے پڑاووں میں شبانہ روز خشت سازی اور جنگلوں میں لکڑی جمع کرنا اُن کا آبائی پیشہ تھا، چمڑے کے گندھے ہوئے کوڑے اُن کے بدنوں کو لہولہان کر دیتے تھے، وہ اُن کی ضرب سے سرکوں اور چہروں پر بے ہوش و حواس گر پڑتے، لیکن بادشاہت کے رعب جلال کے آگے اُف تک نہ کر سکتے تھے۔ اُن کے چیتھڑوں سے پیوند کیے ہوئے تہمد اور مسکنت کے سیاہ کیے ہوئے بدن، فرعون کی عبادت اور طاغوت کی غلامی، تحکم شاہ اور تعبد گدا تعلی بشر اور قہر خدا کی وہ عبرت انگیز شہادتیں تھیں جو ہر صاحب نظر کو کپکپا دیتی تھیں۔ وہ اس تعبد میں صدیوں کی عادت اور رواج کے باعث اسقدر محو و منہمک رہتے تھے کہ اس متکبر قوم کی خدمت میں دن رات لگے رہنا اُنکی نظروں میں عین سعادت تھا۔ فرعون مصر اُن کو بُلا بُلا کر کچھ اپنے آگے ماتھا نہیں رگڑواتا تھا[1]۔ اور نہ مُنہ سے رسماً اپنے آپ کو خدا کہا کرتا تھا بلکہ یہی تعلق اور تعبد وہ جبری عبادت تھی، جو ہزار رسمی سجدوں اور زبانی دعووں سے بڑھکر تھی۔ اسی کے ضمن میں حسب موقع ماتھے بھی رگڑے جایا کرتے تھے۔ مشقتیں اور خوشامدیں بھی ہوا کرتی تھیں جبینیں فرش زمین بن جاتی تھیں، آرام کی پروا نہ رہتی تھی، جان کو جوکھوں میں ڈالکر آقاؤں کو خوش کیا جاتا تھا۔ یہی طرز عمل بعینہٖ آج مشرقی قوم کا

[1] لَنَا عٰبِدُوْنَ کی جمع متکلم کی ضمیر سے بھی یہی ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل صرف فرعون کے عابد نہ تھے بلکہ تمام مصری قوم کی خدمت میں لگے رہتے تھے سجدہ کرنا صریحاً ضروری نہیں۔

(وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ) کہ ربّ العرش کی مقتدر **حکومت** دلوں کی زمینوں، عزائم کے رہگذروں، اور اعمال کی شاہراہوں پر یکسر قائم ہوگئی تھی! **سب عمل اُسی کے لیئے وقف تھے، سب جدّوجہد اُسی کی خاطر**

✤ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ کے یہی معانی ہیں کہ بیم و امید کا پیدا کیا ہوا سب عمل تعلق خدا سے قائم کرو۔ یعنی جس طرح کسی دنیاوی آقا سے غرضمندی اعتصام پیدا کردیتی ہے اُسی طرح بلکہ اس سے زیادہ اس احکم الحاکمین سے اعتصام پیدا کرو۔ اسی کیف عبودیت کو متن کتاب میں "الحانی رنگ" کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۷) نہیں بڑھائے، اور نہ یہ ایک بیہودہ تکرار ہے جو "الصّلوٰۃ" کے بعد کردی ہے اور جس میں رکوع لامحالہ شامل ہے بلکہ "ارْكَعُوْا" کے اصلی معنی بھی اطاعت احکام خداہی تھے یا کم از کم کلام الٰہی کی اصطلاح میں یہ تھے۔ "رکوع" بمعنی رکن نماز بعد میں لوگوں نے وضع کرلیا اور نہ ان زود عوام اس قدر ہوا کہ اصلی معانی مسخ ہوگئے۔ **اب انسانی لُغت اُس حقیقت کو منکشف کرنے سے عاجز ہے** جیسا کہ ہم نے صفحہ ۹۱-۹۲ کے تحت المتن میں دعویٰ کیا ہے یہی بات: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (۲: ۴۳) سے ظاہر ہے۔ یعنی "الصّلوٰۃ" پر قائم رہو اور "الزکوٰۃ" کو دیا کرو، (اور سب سے اہم یہ امر کہ) قانون خدا کو تسلیم کرنے والوں کے ساتھ تم بھی سرِ تسلیم خم کردو۔ سورۂ مرسلٰت میں ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ ہے: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ (۷۷: ۴۸-۴۹)۔ "اور یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ قانون خدا کے آگے جھک جاؤ تو اسکی تعمیل کرنے سے کتراتے ہیں۔ تو لوگو! اُس دن ان جھٹلانے والوں کے حال پر افسوس ہے"۔ گویا **رکوع** (تسلیم) نہ کرنا **تکذیب پیغامِ رسل** ہے۔

ان تمام آیاتِ الٰہی سے جو قرآن سے جستہ جستہ لے لی گئی ہیں، ثابت ہے کہ قرآن کی لُغت میں "رکوع"، "سجود"، "عبادت"، "تسبیح" وغیرہ وغیرہ اطاعت خدا کے قلبی تکیف کے مختلف مراحل اور مظاہر ہیں جسکا نتیجہ احکام الٰہی کی تعمیل ہی ہے، اس سے کمتر کچھ نہیں، کوئی شخص صرف نماز کی رکعتوں کو رسماً ادا کرکے یا تسبیح کے منکوں کو پھیر کر عبدِ خدا نہیں بن سکتا، اگرچہ جو شخص **فی الحقیقت** اطاعت گذار ہے اُس کے لیئے اِن عبادات کو کیفیتِ دل اور رقتِ قلب کے ساتھ ادا کرنا اسی طرح طبعی ہے جس طرح کہ ایک غلام کا آقا کی شبانہ روز خدمت کے ساتھ ساتھ سلام کرنا، یا احیاناً اُسکی حمد و ستائش کرنا بھی ایک لازمی فعل ہے۔ پس یہ **احکام خدا کی شبانہ روز تعمیل کرنا ہی سچی عبادت ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے کسی کی عبادت کرنا فی الحقیقت اُس کی ملازمت اور تعبّد اختیار کرنا ہی ہے**۔ اسکے ماسوا کچھ نہیں، عبادت کے یہ معانی کلام الٰہی کے قریب قریب ہر ورق پر ثبت ہیں اور اصل کتاب میں اسکی بیسیوں مثالیں آگے چلکر ملینگی۔ سردست دو تین مثالیں اور پیش کردی جاتی ہیں جنسے یہ حقیقت اور بھی عیاں ہوجاتی ہے۔ سورہ انبیاء میں ہے:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝ (۲۱: ۷۳)

اور لوگو! ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو لوگوں کا سردار اور پیشوا بنایا، وہ ان کی رہنمائی ہمارے قانون (بِاَمْرِنَا) سے کرتے رہے، اور ہم نے اُن کی طرف نیک اور مفید جماعت کاموں (الْخَيْرٰتِ) کے کرنے کی وحی بھیجی، اُن کو حکم دیا کہ الصّلوٰۃ پر قائم رہیں، الزکوٰۃ کو دیتے رہیں۔ اور وہ لوگ تو نماز گذار یا پابند زکوٰۃ ہی نہ تھے بلکہ جینک رہے ہمارے اطاعت گذار بندے اور غلام بنے رہے (وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝)۔ (باقی)

ع اگر شارحین کلام الٰہی نے "ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ" کے الفاظ سے باجماعت نماز کا حکم مستنبط کیا ہے اور اس لحاظ سے رکوع کے معنی اسلامی نماز کے متعارف رکن کے لیئے ہیں۔ نماز کے باجماعت ادا کرنیکے وجوب لزوم سے کسی شخص کو انکار نہیں ہوسکتا جیسا کہ آگے چلکر صفحہ ۲۰۸، ۲۱۱، ۲۲۵، پر واضح کیا جائیگا لیکن ان الفاظ کو باجماعت نماز ادا کرنے کی سند گردانا حتماً روا ہی کیونکہ "رکوع" کا مقطر رکن نماز کے معنوں میں قرآن میں کہیں نہیں آیا چنانچہ حضرت مریمؑ کے بارے میں یہ آیت اس امر کا قطعی فیصلہ کردیتی ہے: يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (۳: ۴۳)۔ یعنی "اے مریم! تم اپنے پروردگار کی کامل جگر داری کرتی رہو، اُسکے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کردو (وَاسْجُدِيْ) اور قانون خدا کو تسلیم کرنیوالوں کے ساتھ تم بھی کامل طور پر مطیع بنجاؤ"۔ حضرت مریمؑ کو یہاں پر نماز باجماعت ادا کرنیکا حکم نہیں دیا گیا، اور نہ اسلامی رکوع یہودیوں یا عیسائیوں کا جزو نماز کبھی ہوا ہے۔ اسطرح یہ عورتوں کے لیئے نماز باجماعت ادا کرنا اسلام میں بھی فرض نہیں اگرچہ رسول خدا کی امامت میں مستورات کا مردوں کے پیچھے صف باندھکر نماز ادا کرنا مذکور ہے۔ اس آیہ شریفہ سے بہرنوع ظاہر ہوگا کہ قنوت اور سجود اور رکوع سے مراد احکام خدا کی تعمیل، اور کیف اطاعت کا پیدا کرنا ہی ہے اسکے ماسوا کچھ نہیں۔

دِلوں میں ارادت کے اُسی کارکن جوش کی خوش آیند خلش، اور سینوں میں تعلق کے اُسی غرضمند شوق کی دل آویز لگن رہا کرتی تھی۔ مومنوں کے توجہ طلب اور رشک آشنا قلوب میں، شاہدِ معنی کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۰) ابراہیمی مذہب خدائے ذوالجلال کی عملی عبودیت اور اس کے احکام کی سرفروشانہ اطاعت سے ہٹتے ہٹتے اسقدر لغو اور بے معنی شے بن گیا تھا کہ خانہ کعبہ کی نماز صرف سیٹیاں اور تالیاں بجانا ہوگئی تھی۔ سورۂ انفال میں وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ (۸ : ۳۵) کا اشارہ اسی لایعنی 'نماز' کی طرف ہے اور بصراحت تمام کہہ دیا ہے کہ نماز کی ابراہیمی کیفیت کو مسخ کر دینا 'کفر' اور ہلاکت کے مترادف تھا۔ یہود و نصاریٰ کے مذہبی حلقوں میں عبادت اور نماز اصلاً اور عملاً ایک ہی شے سمجھی جاتی ہیں، اور زیادہ تر گیت گانے، ارغنون بجانے، یا حد سے حد وعظ سُننے اور تسبیح پھیرنے' یا توراۃ و انجیل کے ترجموں کی رواں تلاوت کرنے پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ 'عبادت' یعنی خدمتِ خدا کا اظہار ہیکلوں اور کلیساؤں میں خوشبودار چیزیں جلا جلا کر، شمعوں کو قربانگاہ کے گرد اگرد روشن کرکے، یا اسقفوں کی مقرر کردہ رسوم کو بصحت تمام ادا کرکے کر دیا جاتا ہے۔ اسلام کے اندر اگرچہ نماز کی ظاہری شکل و صورت میں اسکے جدید ترین مذہب ہونے کے باعث (فرقہ بند لوگوں کے جزوی اختلاف سے قطع نظر) قابل ذکر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی مگر اسکے مقاصد و اغراض اسقدر نسیاً منسیاً ہو چکے ہیں کہ الصلوٰۃ 'اب صرف ایک رسمی اُٹھک بیٹھک کا نام رہ گیا ہے جو ہر نماز گذار نہایت صحت اور التزام سے ادا کر دیتا ہے اور اسیکو 'خدمت' خدا کا جزو اعظم شمار کرتا ہے۔ گویا جہاں خدمت نفس اور عبادت حکام، تعلق اولاد اور تعبد مال و جاہ میں دن رات ایک کر دیئے جاتے ہیں وہاں خدمت خدا کے لیئے یہی دو ایک سجدے کر دینا 'کارِ عظیم' اور 'بارِ گراں' بن چکا ہے۔ بیم و رجا کا تکیف دلوں سے محو ہو کر خدا پر احسان و امتنان کی صورت پیدا کر گیا ہے۔ ارضی حاکموں اور نفسانی بتوں کی عملی عبادت درگاہِ خدا میں خشوع کو حتماً بیدخل کر چکی ہے، اور اسی لیئے یہ نیچوقتہ بیگار طبعاً بُری معلوم ہو رہی ہے۔ لیکن جب خوف کے مستحق، اور رجا کے سزاوار ارضی 'خدا' بن چکے ہوں تو رب زمین و آسمان سے استعانت کی ضرورت کیوں باقی رہے اور سچا خشوع و خضوع کیونکر پیدا ہو! سو وہ بقرہ میں ہے:

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ (۲ : ۴۵)

اور لوگو! اپنی مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیئے استقلال سے طلب اعانت کیا کرو اور ساتھ ساتھ نماز میں کھڑے ہو کر خدا کے حضور میں بھی گڑگڑاؤ کہ اصلی حلال مشکلات اور مسبب الاسباب وہی ہے اور یہ نماز تو ان لوگوں کے سوا جن کا تمام تعلق ہم سے وابستہ ہو چکا ہے (الْخَاشِعِينَ) جن کا سب بیم و رجا ہم ہی سے ہے (الْخَاشِعِينَ دیکھو آیہ (۲۱ : ۹۰) جو اوپر گذر چکی ہے) جو ہم ہی کو منعم اور ہم ہی کو مُذِل قرار دیتے ہیں اور اسی لیئے ہمارے ہی آگے عاجزیاں کرتے ہیں (الْخَاشِعِينَ)، باقی سب کے نزدیک ایک بیگار ہی بیگار ہے!

اسلامی مذہبی حلقوں میں 'نماز' اب صرف الفاظ کو صحت اور خوش الحانی سے دُہرانے کا نام رہ گیا ہے، مطالب سے کوئی غرض یا بحث باقی نہیں رہی، پیش امام کی ساری توجہ اسی میں ہے کہ قرأت درست ہو، صفیں سیدھی ہوں، ارکان صحیح طور پر ادا ہوں، قرآن کا کوئی ٹکڑا حسب حال یا حسب حال ہر قومے میں چلا دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ مقتدی کا کشاکش تمام بھی انہی سطحی باتوں میں صرف ہوتا ہے۔ اسی لیئے نماز کے ادا کرنے میں ایک تکلف اور آورد پیدا ہو گئی ہے جو اسکی اصلی غایت بلکہ صورت کو بھی آہستہ آہستہ مسخ کر رہی ہے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ آیندہ ہزار دو ہزار برس بلکہ اس سے بھی کم مدت میں اسلامی نماز اہل چین کے چرخ کی مانند مضحکہ انگیز بنجائے۔ اور جس طرح آج کسی سے قرآن اور درود پڑھوا کر یا بالواسطہ روزہ رکھوا کر ثواب حاصل کرنا مرسوم ہو گیا ہے اسی طرح رفتہ رفتہ نماز کو ادا کرنے والے پیشہ ور اصحاب بھی مقرر ہو جائیں جو اجرت کے خیال سے اسکو کسی مخنیقی ترکیب سے جلد جلد ادا کرنے کی کوئی آسان سبیل نکال لیں۔ اب بھی موسیقی عنصر اور تطریبی اسلوب نماز میں اسقدر نمایاں ہو چکا ہے کہ جہاں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ دنیاوی حاکم کے روبرو جا کر دم خشک ہو جاتا ہے، ملاقات سے پہلے ہونٹوں پر پپڑیاں جم جاتی ہیں، بدن میں کپکپیاں اور چہروں پر زردی چھا جاتی ہے، اور فرط رعب کے مارے مُنہ سے الفاظ تک نہیں نکلتے، وہاں مالک ملک میں فوج آسمان

الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ[۵۱]، نے عالمِ ارواح کے شاہد لم یزل[۵۲] پر سے نقاب اُلٹ کر، خدا اور بندوں کے درمیان آقائی اور غلامی، حاکمی اور محکومی، حُسن و عشق کے انداز پیدا کر دیئے تھے! (هُوَ مَوْلٰىكُمْ[۵۳])

۵۱ دیکھو (۲۲: ۷۸) صفحہ ۱۰۵۔ ۵۲ ایضاً صفحہ ۱۰۵۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۹) شیوۂ عبادت ہے، اور جس فرد یا قوم کے طریق عمل میں خدائے زمین و آسمان کے بارے میں یہی شیوۂ عبادت اور یہی انداز عشق ظاہر ہو وہ "اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ" (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵) کے الفاظ کا صحیح مصداق ہو سکتی ہے۔ عبادت کے اسی انداز عمل کو پیش نظر رکھکر اصل کتاب کی زیر بحث آیت (یعنی ۲۲: ۷۷) کے بعد "وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ" کے الفاظ آتے ہیں یعنی "اس ربِّ زمین و آسمان کی خدمت اور اعلا میں وہ وہ کوششیں، وہ وہ حکم برداریاں، وہ وہ ایثار اور تکلیفیں اُٹھاؤ جو اتنے بڑے آقا کے شایانِ شان ہوں!" عبادت کا یہی مفہوم آیہ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (۲۶: ۲۲) میں ہے جو ہر صاحب نظر پر عیاں ہے۔

اب سوال صرف یہ رہجاتا ہے کہ اگر عبادت یہ ہے تو رکوع و سجود' یعنی ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا (۲۲: ۷۷) کے الفاظ کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ اسکی تشریح بھی بنی اسرائیل کی عبادت کی محولہ بالا تفصیل میں ضمناً ہو گئی ہے مگر ذرا زیادہ وضاحت پیش نظر ہے۔ غرضمندی اور احتیاج' شوق انعام اور خوف سزا ہی وہ چیزیں ہیں جو ہر عبادت کی محرک اوّل ہیں۔ انہی کے ہوتے اطاعت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے، پھر اطاعت کے ساتھ ساتھ رکوع و سجود کا پیدا ہونا بھی لازمی امر ہے۔ جبتک کسی منعم کے انعام کی امید لگی ہے یا اسکی سزا کا خوف باقی ہو، اُسکے آگے جھکتے رہنا، اُس کے پاؤں پڑنا، اسکی خوشامد اور اطاعت کرنا قطعی ہے۔ یہی رکوع و سجود کا سچا کیف و حال ہے۔ اور اسی نقطۂ نظر سے رکوع و سجود اسلامی نماز کا جزو لاینفک بھی ہے۔ بیم و امید کا وجود 'عبادت' یعنی تعلق اور ملازمت از خود پیدا کر دیتا ہے۔ اور اسی عبادت کا ایک ادنیٰ جُز رکوع و سجود ہے۔ لیکن نماز میں رسماً ہاتھ باندھ لینا یا گھٹنوں کے بل کر پڑنا نہ عبادت ہو نہ رکوع۔ جبتک خوف و رجا کا قلبی تعلق اصالتاً موجود نہ ہو اور گردنیں رسماً نہیں بلکہ عملاً بلکہ جبراً خدا کے آگے جھکیں۔ اسی تکلیف کو پیش نظر رکھکر سورۂ انبیا میں ہے: وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝ (۲۱: ۹۰) یعنی "وہ لوگ ہمیں بیم و رجا سے بلایا کرتے تھے اور اسی لیئے ہماری درگاہ میں عاجز بن کر آتے تھے۔" قرونِ اُولیٰ کے عرب کی یہی کیفیت دل ہم نے اصل کتاب میں ظاہر کی ہے (دیکھو صفحہ ۱۰۴) اور یہی 'ایمان' کا جزو لاینفک ہے جو يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے ظاہر ہے۔ کتاب کے عربی دیباچے میں میں نے لفظ 'عبادت' سے جا بجا اسکا یہی عملی مفہوم مراد لیا ہے۔

'عبادت خدا' کے صحیح معانی آج یہانتک مسخ ہو چکے ہیں کہ دنیا کا کوئی ایک مذہب بھی اس کے اصلی یا خدائی مفہوم پر عمل کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ نہیں بلکہ جسقدر کوئی مذہب قدیم تر ہے اسیقدر اسکی 'عبادت' ایک لفظی اور رسمی، بے نتیجہ اور بے معنی شے بن گئی ہے حتیٰ کہ اسکی نماز کے بقیہ آثار بھی مرورِ مدت کے باعث قطعاً بے حقیقت اور مضحکہ خیز بن گئے ہیں۔ وحشی اقوام میں جنکے مذہبی محسوسات متمدن اقوام کے معتقدات باقیہ سے نسبتہً قدیم تر ہیں، 'نماز' یا 'عبادت' کا کوئی مستقل تخیل حتماً باقی نہیں رہا۔ افریقہ اور آسٹریلیا کی بعض وحشی قومیں بظاہر اس کلیے سے مستثنیٰ نظر آتی ہیں مگر اُن میں بھی 'نماز' کا تخیل کسی مٹی کے بُت کے گرد اگرد ناچنے' یا آواز بلند نام پکارنے تک محدود ہے اگرچہ خدمت جن (عبادت) کے خیال سے قبروں کے اندر آگ جلانا اور پانی، میوے، اور ہتیاروں کے چڑھاوے چڑھانا بھی کہیں کہیں مروج ہے۔ ہندوؤں میں 'عبادت خدا' کسی دیوی کی مورتی پر پھول چڑھانے یا خوراک اور مال کی قربانیاں کرنیکے مترادف ہے۔ 'نماز' کا تخیل اُنکے ہاں بجز بگڑتے صرف اشنان کرنے، قشقہ لگانے، ماتھا ٹیکنے، ہاتھ جوڑنے اور مندروں کے اندر گھنٹے بجانے تک رہ گیا ہے۔ بدھ مذہب جسکی 'عبادت' اور 'صلوٰۃ' کے تخیل میں آج کوئی مابہ الامتیاز قائم نہیں رہا۔ اور جو خود کسی زمانے میں آریہ مت کی اصلاح کے لیئے آیا تھا، اسی انقلاب کا شکار ہو چکا ہے۔ اُسکی نماز آج صرف ایک چرخ کے گھمانے پر ختم ہے! جسقدر چکر چرخ کو دیئے جاتے ہیں اُسیقدر زیادہ موثر یا بہتر نماز ہو جاتی ہے حتیٰ کہ بڑے بڑے ہیکلوں میں اس چرخ عظیم کو گھمانے کے لیئے آبی کلیں اور پن چکیاں استعمال ہوتی ہیں! خود عرب اور اہالیٔ مکہ کا قدیم

حق ادا کرنے میں کچھ کسر اُٹھا نہ رکھتے، (هُوَ اجْتَبٰىكُمْ)[1]۔ تسلیم اُن کا واحد شیوۂ عمل، اور اطاعت اُن کا اہم طریقِ کار تھا، (هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ)[2]، بڑی سے بڑی مصیبت، اور مشکل سے مشکل خدمت اُن کے چہروں پر ملال اور ماتھوں پر بل نہ آنے دیتی، (وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ)[3]۔ منعم بے مثال کے یہ خوشدل مزدور، اور ملّتِ ابراہیم کے یہ سچے پیرو، اپنی بہتری اور فلاح کی خاطر پسندیدۂ خدا کاموں کیطرف لپک لپک کر پونہچتے اور ایک عالم کو محو و شرمسار کر دیتے، (وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)[4]۔ خدائے بے نیاز کی جناب میں اُنکے رکوع و سجود کسی غمزدہ اور بے نوا انسان کی نگاہ عاطفت کی پیہم دُعا، اور بے محابا کرم کے سوال بن بن کر ظاہر ہوتے تھے نمازوں اور دعاؤں میں اُنکے قومے اور قعدے ہولِ جاہ اور رعبِ جلال کی مضطربانہ حرکات، اور عجز و بے بسی کے ترحّم انگیز اور اضطراری اعمال بن گئے تھے! بارگاہ خدا میں اُنکا دست بستہ

---

[1] دیکھو (۲۲: ۷۸) صفحہ ۱۰۵۔ [2] ایضاً صفحہ ۱۰۵۔ [3] ایضاً صفحہ ۱۰۵۔ [4] دیکھو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۱۲) عبادت کا یہ اصلی اور نتیجہ خیز مفہوم سنسکرت کے مشہور لفظ سیوا (خدمت)، اور انگریزی کی کلیسائی اصطلاح سروس (ملازمت) سے ظاہر ہی اگرچہ آج کوئی شخص انکو ان معانی میں نہیں لیتا۔

متذکرہ صدر بحث و تمحیص سے بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ ارْكَعُوْا، اور اسْجُدُوْا، اور اعْبُدُوْا، کے الفاظ قرآن حکیم میں اپنے اصلی معانی استعمال ہوئے ہیں، ان سے مقصود خدا کی ملازمت بعینہٖ انہی معنوں میں اختیار کرنا ہے جن معنوں میں کسی دنیاوی حاکم کا تعبّد اختیار کیا جاتا ہے، رسمی سلام سلام اور پنجوقتہ نماز اُس ملازمت کا صرف ایک جزو خفیف ہی۔ اس چاکری کا حصہ عظمیٰ عمل ہی، اطاعتِ احکامِ خدا ہے، تسلیم و انقیاد ہے۔ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ہے۔ اسکے سوا حتماً کچھ نہیں۔ جو سطحی غلاف عبادت کے صحیح مفہوم پر انسان کی سہل پسندی اور کامچوری کے باعث پڑ گیا ہے خود لوگوں نے ڈالا ہے، قرآن کے محفوظ اور ناقابلِ بدل کلام کو اُس سے کچھ واسطہ نہیں۔ عبادت کے معانی خود کلام کے اندر موجود و مضمون ہیں کوئی لغت انکو ابدالآباد تک بدل نہیں سکتی قرآن میں جہاں عبادت کا لفظ واقع ہوا ہی اسکی آلہی غرض و غایت یہی ہی جیسا کہ آیندہ اوراق میں ظاہر ہوگا۔

✤ اگرچہ شارحین قرآن نے عام طور پر اس غور طلب فقرے کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ "خدا نے مسلمانوں پر دین کے بارے میں کوئی تنگی روا نہیں رکھی" اور اپنے سب مطلب معانی پیدا کر کے مسلمانوں کیلئے (اور سب سے پہلے اپنے نفس کیلئے) سعی و عمل سے گریز کرنیکی ایک عمدہ سبیل نکال لی ہی لیکن اگر ذرا تامل سے کام لیا جائے تو ان الفاظ کے یہ معانی ہرگز نہیں ہو سکتے۔ خود انہی آیات (یعنی (۲۲: ۷۷-۷۸)) سے اور اُنسے جو آگے چلکر پیش کر دیجائینگی ظاہر ہے کہ ایمان کی شرط خدا کی راہ میں سخت سے سخت مصائب کا سامنا کرنا ہی۔ یہی بات وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (۲۲: ۷۸) سے ظاہر ہے۔ پھر خدا کیونکر کہہ سکتا ہی کہ تمہارے لئے دین اسلام میں ہم نے کوئی ذرا سی تنگی بھی نہیں رکھی حالانکہ ایمان کی شرط وحید یہ ہی کہ اسکی راہ میں جان تک سے دریغ نہ کرو۔ دراصل یہ تمام خطاب اُن اہل عرب کیطرف ہے جو رسول اللہ کے زمانے میں اپنی انتہائی سعی و عمل سے "شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" بن چکے تھے، اور انہی کارکن لوگونکی بابت خدا نے فرمایا ہی کہ تم ہی صحیح معنوں میں مسلم ہو تم ہی خدا کو درحقیقت خدا تسلیم کرتے ہو، تم ہی ابراہیم کے سچے پیرو ہو، تم ہی میری منتخب اُمت ہو، اور تم ہی خدا کے وہ سچے غلام ہو کہ خدا کا مشکل سے مشکل اور صبر آزما سے صبر آزما حکم تم کو تنگ نہیں کرتا، تم ہی وہ مستقل مزاج اور تکلیف بردار، وہ اولوالعزم اور صابر لوگ ہو کہ خدا کی کوئی خدمت بھی تمہارے ماتھوں پر شکن نہیں پڑنے دیتی! عَلَيْكُمْ پر اور ان آیات میں جہاں جہاں لفظ كُمْ ہے ان سب پر زور ہی۔ روئے خطاب صرف قرون اولیٰ کے مسلمانوں کیطرف ہی یا اُن کیطرف جو ان جیسے کارکن ہیں۔ انہی کے لیے خدا نِعْمَ الْمَوْلٰى اور نِعْمَ النَّصِيْرُ بھی ہے نہ آجکل کے برائے نام مسلمانوں کا جن کو دردناک سزائیں دے رہا ہے!

نگاہوں کی غلط اندازیاں، اور لب جاں بخش کے تبسم کی غیر نوازیاں خلجان عظیم پیدا کر دیتی تھیں!
وہ خدا کی دامن درازی کے بالمقابل اپنے دست نارسا کو دیکھکر اور بھی سعی و عمل کرتے اور انتخاب خدا کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۱) اور خالق شمس و قمر کے حضور میں جاکر ترنم پیدا ہو جاتا ہے! پروا تک نہیں رہتی کہ کس کی جناب میں کھڑے ہیں، کیا مانگ رہے ہیں، کیوں مانگ رہے ہیں، کیوں گھٹنوں کے بل گر رہے ہیں، کیوں سجدے کر رہے ہیں، کیوں ٹھوڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ پیش امام کا سارا زور اسمیں صرف ہوتا ہے کہ نماز بلند سے بلند آواز میں ادا ہو، مقتدی سب کے سب اس کے ترنم کو سُن سکیں اور مسجد سے بے اختیار واہ واہ کرتے نکل جائیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں ایک الٰہی ارشاد ہے جو بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ آجکل کی ترنم والی نماز قرون اولیٰ کی نماز نہیں ہے

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ (۱۷: ۱۱۰)

اے محمدؐ! ان مجاز بینوں کو کہہ دو کہ خدا کو 'اللہ' کہہ کر گڑگڑاؤ یا 'رحمٰن' کہکر بلبلاؤ جس نام سے بھی پکارو گے تو اُسکے سب نام اچھے ہی ہیں (مقصود صرف تکیف دل ہے، باطنی خوف ہی، اسکی جناب میں سچی عاجزی ہے، دل کو ہلا دینے والا خشوع و خضوع ہے، اور پھر اس خشوع و خضوع کے بعد باقی اوقات میں کیف اطاعت ہی)۔ اسکے لیئے نام کی کوئی تخصیص نہیں اور نہ نام لے کر پکارنے سے تمہارے حالِ دل کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ ہاں البتہ اپنی نماز میں اتنا ظاہری ادب ضرور ملحوظ رکھو کہ اسکو چلا چلا کر مت پڑھو اور بالکل چپکے ہو کر پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ ان دونوں کے بیچ بیچ ایک متوسط طریقہ اختیار کرو (جانے رہو کہ تم کس کے حضور میں کھڑے ہو، اور وہ کتنا بڑا بادشاہ ہے۔ یہ ظاہری ادب بھی کیف دل پیدا کرنیکے لیئے ازبس ضروری ہے۔ اگرچہ خدا سب باتوں سے بے نیاز ہے)۔

نماز کے موجودہ رنگ سے صرف نظر کرکے پھر اگر دوسری مرسوم عبادات کی کنہ و ماہیت کیطرف نظر دوڑائی جائے تو لامحالہ کہنا پڑتا ہے کہ انکی غرض و غایت میں بھی مرور مدت کے باعث بے انتہا تصرف ہو چکا ہے۔ صوم، زکوٰۃ، حج وغیرہ وغیرہ سب کے سب معنا بدل چکے ہیں۔ تسبیح کا تخیل مسلمانوں نے قطعاً نصرانیوں اور یہودی راہبوں سے لیا ہے۔ اگرچہ تسبیح ہندوؤں اور بدھ کے معتقدوں میں بھی مدت مدید سے جاری ہے۔ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تمام عمر میں تسبیح کا استعمال کلیتہً نہیں کیا۔ اور اگرچہ عبادت خدا کا یہ مضحکہ انگیز ہتیار آپنے ضرور کہیں کہیں دیکھا ہوگا مگر اسکے استعمال کے متعلق آپکے ارشاد کا ایک حرف کہیں موجود نہیں۔ اُسوۂ حسنہ پر چلنے والے مسلمانوں نے آج زہد و اتقا کا تمام ساز و سامان اسی چار گرہ دھاگے کے اندر دیکھ لیا ہی، اور اس خدائے عظیم کے کپکپا دینے والے اسماء کو دُہرا دُہرا کر بے نتیجہ اور بے اثر کر دینا اس قدر آسان سمجھ لیا ہے کہ ہر کس و ناکس اسکو ہاتھ میں رکھکر مسلمان ہونے کی سند حاصل کر لیتا ہے اگرچہ در پردہ وہ قوم کی بیخ کنی کے منصوبے سوچ سوچ کر اُمت کو تباہی کے کنارے پر لگا رہا ہو۔ مگر یہ نازک موضوع اس قابل نہیں کہ کتاب کے ابتدائی حصے میں اسکے ماله و ماعلیہ پر مدلل بحث کی جا سکے۔

محولہ بالا بحث و تمحیص سے کم از کم یہ ظاہر ہے کہ اسلام میں عبادت کے معانی احکام خدا کی پیہم تعمیل کرنا ہی ہے کوئی انسان کی بنائی ہوئی لغت اسکے صحیح مفہوم کو حتماً ادا نہیں کر سکتی اور جسطرح کسی آقا کی ملازمت میں وقت کی تخصیص نہیں ہوتی اسیطرح عبادت بھی وقت سے حتماً بے نیاز ہی۔ الصلوٰۃ صرف ایک پنجوقتہ حاضری اور سلام سلام ہے جو ہر وفادار اور حکمبردار، مُسلم اور مطیع غلام کے لیئے روزانہ خدمت کے بعد ضروری ہی لیکن بجائے خود عبادت نہیں۔ اسی لیئے قرآن میں بارہا 'صلوٰۃ' کے لفظ کو عبادت سے علیحدہ کرکے کہا ہے۔ اور اسی تعبد کا اقرار نماز میں ہاتھ باندھکر ہوتا ہی: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ (۱: ۴) یعنی "اے خدا! ہم تیرے ہی غلام بنیں گے اور تجھ ہی سے مشکلات میں مدد مانگیں گے"۔ ورنہ نَعْبُدُ کے معانی ہم تیری ہی نماز پڑھتے ہیں" لے لینا بے معنی ہے کیونکہ نماز تو اسی کی پڑھی جا رہی ہے پھر اسکا اقرار لغو ہے۔ خدا کی خدمت صرف یہی ہے کہ اسکے بتائے ہوئے احکام علماً مانے جائیں۔ اس سے زیادہ یا کم کچھ نہیں۔ آگے چلکر اصل کتاب میں بتایا جائیگا کہ یہ فرماں برداری بھی انسان کے اپنے ہی نفس کے لیئے ہے، خدا اس خدمت سے قطعاً بے نیاز ہے۔ گویا یہ خدمت بھی عجب خدمت ہی جو غلام کی اپنی ہی بہتری کے لیئے ہے۔

(باقی)

اور جن لوگوں نے خدا کو مولا مان کر اسکا آوازہ بلند کرنے کی خاطر ہجرت وطن اختیار کی، اور اس کی راہ میں دشمنوں سے لڑے، اور جنہوں نے ہجرت کرنے والوں کو پناہ دی، اور حصول مقصد میں اُن کی حتی الامکان مدد کی، تو یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں! ان کے لیے میرے ہاں سے اُنکی تقصیروں اور گذشتہ واماندگیوں پر پردہ پوشی ہے، اور علاوہ ازیں بالآخر عزت و آبرو کی روزی۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ○ (۴۹: ۱۵)

سچے ایمان والے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے خدا کو فی الحقیقت اپنا آقا سمجھا (آمَنُوا بِاللَّهِ)، اور رسول کو صدق دل سے اُسکا بھیجا ہوا پیغام برحق جانا، اور پھر اسکے بعد خدا کی آقائی اور رسول کی صداقت میں کسی طرح کا شک و شبہ نہ کیا۔ اور اس قلبی ایمان کی تائید میں اپنے جان و مال سے خدا کا بول بالا کرنے کی خاطر دشمنوں سے لڑے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے یقین کی بذریعہ عمل تصدیق کرنے والے، اور اپنے ایمان کو سچ کر دکھانے والے ہیں۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ○ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ○ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ○ (۹: ۲۰-۲۲)

---

* 'جَنّت' کا ترجمہ ہم نے باغات اور سرسبز زمینیں کر دیا ہے۔ یہاں اس بحث کو طول دینا مناسب نہیں۔ قرآن حکیم میں جَنّت اور الجَنّۃ، دو مختلف اصطلاحیں ہیں جنکا مفہوم بھی للعالمہ مختلف ہونا چاہیئے۔ 'جَنّت' اور 'الجَنّۃ' میں فرق، اور اول الذکر کا قرآنی مفہوم قسط سوم میں عیاں کر دیا جائیگا۔ اگرچہ 'الجَنّۃ' کی حقیقت پر بحث چوتھی مجلد سے پہلے مکمل نہ ہو سکے گی۔ یہاں صرف اسقدر لکھ دینا کافی ہے کہ قرآن کریم میں 'جنّت' کا لفظ کئی صورتوں پر بصراحت تمام زمینی باغات کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۂ رعد میں ہے: وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ (۱۳: ۴) "اور زمین میں پاس پاس کئی قطعے ہوتے ہیں اور انگور کے باغات اور کھیتی اور کھجور کے درخت"۔ سورۂ قٓ میں ہے: وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ○ (۵۰: ۹)۔ "اور ہم نے ہی آسمان سے برکت دینے والا مینہ اتارا پھر اُسکے ذریعے سے باغ اُگائے اور کھیتی کا اناج"۔ سورۂ مومنون میں پھر اسی مارِ مبارک کے بارے میں ہے: فَأَنشَأْنَا لَكُم بِهِ جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ (۲۳: ۱۹) یعنی "ہم نے اس پانی کے ذریعے سے تمہارے لیے کھجور اور انگور کے باغ اُگائے"۔ سورۂ یٰسٓ میں علیٰ ہذا القیاس یہی مضمون ہے: وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ○ (۳۶: ۳۴)۔ "اور ہم نے اس زمین میں کھجور اور انگور کے باغات پیدا کیے اور اُس میں پانی کے چشمے بہائے"۔ سورۂ انعام میں ہے: وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ (۶: ۱۴۲)۔ "اور وہی قادر مطلق تو ہے جس نے باغ پیدا کیے جن میں سے بعض کی بیلیں منڈھے چڑھتی ہیں اور بعض سطح زمین پر رینگتی رہتی ہیں اور کھجور کے درخت اور کھیتی"۔ اسی سورۃ میں ہے: وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ (۶: ۱۰۰)۔ "اور انگور اور زیتون اور انار کے باغات"۔ ان مثالوں کے علاوہ جن سے 'جَنّت' کا زمینی باغات ہونا اظہر من الشمس ہے قرآن میں ایک اور قطع کی مثالیں موجود ہیں جنسے جَنّت کا

قیام کسی نیازمند دل کے طبعی اضطراب کی سکوت افزا دھڑک، اور غرضمند انسان کی بے تابیٔ دل کی ادب آموز دبک بن بن کر ظاہر ہوتا تھا (یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا[۵۱])۔ اُن کا ایمان اُنکے **اعمال** کا صحیح عکس، اور اُن کے سجدے اُنکی **اطاعت** کی صحیح تصویر تھے! خداوندِ عالم کی یہی وہ سچّی عبادت اور وہ ناقابلِ انکار شہادت تھی جسنے ایک اقلّ قلیل مدت میں اہل عرب کو روئے زمین کی اُمتوں کا مرکز بنا دیا تھا! (۲: ۱۴۳[۵۲])۔ عشق و عمل کے اِسی نقطۂ وحید سے خدائے واحد کی محبّت کے آتش افشاں فوارے، اور نورِ ایمان کے آسمان سیر شعلے پھوٹ پھوٹ کر اکناف عالم میں پھیل گئے تھے! یہی وہ برگزیدہ اور منتخب اُمّت تھی جسکے دعوئے محبّت کو آزمانیکے لیئے شاہدِ امتحان طلب نے قوم کے ہر فرد پر **جہاد بالسّیف** فرض کرکے مُدعیٔ ایمان کی جان کو عشقِ خدا کے بیباکانہ جُرم کا خونبہا تجویز کیا تھا، اور پھر وہ اس نعم المولےٰ اور مُنعم لم یزل کی حیرت انگیز حیلہ جوئی اور حکمت آمیز بہانہ طلبی تھی جو اس سرفروشانہ تہوّر کے انعام میں مومنوں کو ہر موقع پر بلا عطا فرما کر چند برسوں کے اندر ہی اندر روئے زمین کے بڑے سے بڑے حصّے کی بادشاہت بخش دی تھی! (فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ[۵۳])

بہ تمنائے تو ترکِ دو جہاں کردو لی

مہربانیٔ تو ہم درخورِ آں می بایست

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا† لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ○ (۸: ۷۴)

---

[۵۱] دیکھو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵ [۵۲] دیکھو صفحہ ۱۰۵۔ [۵۳] دیکھو (۲۲: ۷۸) صفحہ ۱۰۵۔

† "اُلْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا" کی شرائط جو اس آیۂ شریفہ میں بیان کی گئی ہیں نہایت غور طلب ہیں: "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے متعابعد ہجرت اور جہاد اور نصرت باہمی کی شرائط پیش کردینے کا مطلب یہی ہے کہ ایمان کا مُنہ سے اقرار کرلینا محض کچھ شے نہیں جبتک کہ اُس زبانی اقرار کی تصدیق عمل سے نہ ہو۔ چنانچہ سورۂ عنکبوت کے شروع میں یہی تو کید ہے (یکدیسی بات آیہ (۲۹: ۱۵) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۱۱۵ کے متن میں ہے):

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ○ (۲۹: ۲-۳)

کیا لوگوں نے اپنے دل میں یہ سمجھ رکھا ہے کہ زبان سے صرف اتنا کہنے پر چھوٹ جائینگے کہ ایمان لے آئے اور اُن کا امتحان نہ لیا جائیگا۔ حالانکہ اُنکو اس بات کا خوب علم ہے کہ ہم نے اُن لوگوں کی آزمایش بھی ازروئے عمل کی تھی جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ تو یاد رکھو کہ خدا ان لوگوں کو ضرور معلوم کرکے رہیگا جو اپنے یقین کی بذریعۂ عمل تصدیق کرنے والے ہیں (اَلَّذِیْنَ صَدَقُوْا) اور اُن کا بھی پول کھول دیگا جو منہ سے بکواس کرتے ہیں اور دل سے جھٹلاتے ہیں (اَلْکٰذِبِیْنَ)۔ صَدَقُوْا پر دیکھو صفحہ ۱۱۵

کی وہ عملی تثبیت، یقین رب کا وہ عملی ثبوت، اور عبودیت کی وہ ناقابل انکار تصدیق ہوتی تھی جس سے بڑھکر کم نوا اور فرومایہ انسان کے پاس کوئی تصدیق نہیں، کوئی ثبوت ممکن نہیں: (اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ)۔ یہی وہ قربانیاں تھیں جو اس حاکم اعلیٰ کی ملازمت میں کر دینا سچی ارادت، سچے تعبّد اور سچے ایمان کی قطعی دلیل تھا: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (۲: ۱۶۵)۔ یہی عبادت کا صحیح مفہوم، بلکہ رکوع و سجود کی صحیح منطق تھی۔ خدا کی بندگی یہی تھی کہ کسی کمتر اور کہتر خواجہ کی غلامی نہ ہو، اُسکی محبت کے بالمقابل کسی شئے کو ترجیح نہ ہو، وطن کا غم نہ ہو، اولاد کی عبادت نہ ہو، مال کی غلامی نہ ہو، نفس کا تعبّد اور جان کی پروا نہ ہو، نماز میں سچی شان اطاعت، اور اعمال میں رنگ سجود کا ظہور ہو۔ یہی شدتِ محبت اور غلبۂ عشق قرنِ اول کا اصل ایمان تھا، اور یہی ہر دنیاوی حاکم کی عبادت کا صحیح پیش نہاد آج بھی ہے۔ اسی سبیلِ خدا، اور ایمان کے صلے میں مغفرت تھی، رزق کریم تھا (۸: ۷۴) رحمت کی نوید امن اور رضائے ربُّ العرش کی بشارت تھی، جنّت تھے قائم اور دائم نعمتیں تھیں، اجر عظیم تھا، فوز جلیل تھا، (وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ)۔ خدائے بے نیاز کی خدائی پر سچا ایمان، اور رضائے احکم الحاکمین کا سچا عشق آجکل کے لفظی اور نظری، سطحی اور ناکارہ ایمان کی غیر مانند کسی بے روح و بے حقیقت "اقرار باللسان" یا کسی بے نتیجہ اور غیر مرئی "تصدیق بالقلب" سے ہی کسطرح روبراہ ہو سکتا تھا، اس سے عہدہ برآ ہونیکے لیئے سعی و عمل کی مستقل خلش، رنج و محن کی صبر گسل ابتلا، تکلیف و مصائب کی پیہم برداشت، اور ظلال سیوف کی عمل پرور آزمائش لازم تھی! وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰھِدِیْنَ

ملہ دیکھو (۴۹: ۱۵) صفحہ ۱۱۵ ۵۲ اور جن لوگوں نے خدا کو حاکم اعلیٰ مان لیا اُن کی محبت اور ارادت خدا سے بہت شدید ہے۔ اور سب سوائے یاد ہے (گو یا ایمان کی شرط یہ ہے کہ سب سے گہرا تعلق خدا سے ہو۔ سب سے زیادہ ملازمت اُسکی ہو، اُسی کے حکموں کی اطاعت ہو وغیرہ وغیرہ) ۵۳ دیکھو (۶۰: ۲) صفحہ ۱۱۶

† 'صَادِق' کا لفظ بالالتزام قرآن کریم میں اُس شخص کے لیے استعمال ہوا ہے جو اپنے قول و ایمان کو فعل و عمل سے سچ کر دکھائے۔ آجکل صادق کے معانی میں کچھ تحریف واقع ہو چکی ہے، اور معمولی سچ بولنے والے کو بھی صادق ہی کہتے ہیں۔ 'صدیق' مبالغے کا صیغہ ہے اور یہ لقب حضرت ابوبکرؓ کو لامحالہ اسی بنا پر ملا تھا کہ وہ اپنے قول کو عمل سے سچ کر دکھاتے تھے۔ 'صدقہ' کی اصطلاح کا قربانی مال کے معنوں میں ہونیکی بھی یہی وجہ ہے کہ مال کا ایثار معنی کے معاون اور مؤید ہونے کی تصدیق ہے۔ 'مصدق' بمعنی 'صادق' بھی قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے۔ 'صادق' یا 'مصدق' کی ضد 'کاذب' یا 'مکذب' ہے۔ جس کا ذکر صفحہ ۱۱۴ کے تحت المتن میں آیہ (۳۹: ۳۲) کے اندر آچکا ہے اور وقتاً فوقتاً آگے چل کر آئے گا۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ کے معانی صفحہ ۱۱۵ پر ہم نے اسی بنا پر کیے ہیں۔

جو لوگ خدا کے خدا ہونے پر ایمان لے آئے، اور جنہوں نے اللہ کی حمایت میں اپنے دیس چھوڑے اور اپنے مال و جان سے اسکی لڑائیاں لڑیں، اُن کا اللہ کے ہاں سب سے بڑا درجہ ہے! اور یہی وہ لوگ ہیں جو اس دنیا میں بھی فائز المرام ہوں گے۔ انکا پروردگار انہیں اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت دیتا ہے اور نیز اُن باغوں (جنّت) اور سرسبز سینوں کی حکومت کی جن میں انکو دائمی نعمتیں اور آسایشیں حاصل ہونگی۔ وہ ہمیں سدا سدا رہیں گے۔ اے لوگو! بیشک ایسے لوگوں کیلئے خدا کے پاس اجر عظیم ہے۔

الغرض آلہ العالمین کی نگاہ میں ایمان اور محبت خدا کا صحیح معیار انسان کا اُسکی راہ میں مصائب کا پیہم مقابلہ کرنا، اور دشمن کے بالمقابل جان و مال پر کھیل جانا ہی تھا۔ ترک اقربا۔ ترک اولاد، ترک خان و مان، ترک وطن، ایثار مال، ایثار نفس، ایثار جان ہی وہ انتہائی پیشکش تھے جو رب بے نیاز نے ایمان کی متاع بے بہا کے بدلے بطور قیمت مقرر کر دیئے تھے، (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا) انہی کی موجودگی میں محبت خدا

لہ دیکھو (۸ : ۷۴) صفحہ ۱۱۴۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۵) مطلب بادشاہت زمین ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ الشعراء میں فرعون کو بادشاہت مصر سے محروم کرنیکے متعلق ہے: فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ كَذٰلِكَ ۗ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (۲۶ : ۵۷-۵۹) یعنی پھر ہم نے فرعون کی قوم کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عزت کی جگہ سے نکال باہر کیا، اُن کی عظمت یوں خاک میں ملادی اور بالآخر بنی اسرائیل کو ان نعمتہائے الٰہی کا وارث بنایا"۔ سورۂ دخان میں پھر انہی فرعونیوں کی بابت ہے: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ ۗ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ (۴۴ : ۲۵-۲۸) یعنی ان لوگوں کو کتنے ہی عالیشان باغات اور نہریں اور کھیتیاں اور عمدہ مقامات چھوڑنے پڑے، اور کیسی کیسی آرام دہ نعمتوں کو خیرباد کہنا پڑا جن میں مزے اُڑایا کرتے تھے۔ ہاں ان نااہلوں کی سزا یہی ہونی تھی۔ اور ہم نے یہ بدلہ لیا کہ اس تمام ساز و سامان کا دوسروں کو وارث بنا دیا"۔ سورہ شعراء میں موت و شکست کو دعوت دینے والی قوم ثمود کے بارے میں ہے: اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ (۲۶ : ۱۴۷-۱۴۸)۔ "تو کیا تم لوگ اس زعم باطل میں ہو کہ ان باغات اور نہروں میں بے روک ٹوک امن و امان سے چھوڑ دیئے جاؤ گے"۔ اسی سورۃ میں قوم عاد کی طرف خطاب ہے: وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ (۲۶ : ۱۳۲-۱۳۴) "اور لوگو! اس احکم الحاکمین کی سزا سے بچو اور اس سے خوف کھاؤ جسنے تمہاری مدد ان چیزوں سے کی جو تم کو خوب معلوم ہیں۔ تم کو مال مویشی اور اولاد کی کثرت سے مدد دی، باغوں اور نہروں کا تم کو حکمران کیا وغیرہ وغیرہ"۔

تعجب ہے کہ ان حیرت انگیز شہادتوں کے باوجود شارحین قرآن اور عام مسلمانوں نے جنّت کے معانی آخرت کے جنّت کے لیلئے ہیں اور بادشاہت زمین کے نصب العین کو جو اسلام اس دنیا پر لایا تھا۔ آنکھوں سے کیسا اوجھل کیا ہے مگر مسلمانوں کی نیت بدل جانے سے کلام الٰہی کے معانی نہیں بدل سکتے، وہ وہی ہیں جو قادر مطلق کے علم میں اُس وقت تھے جب وقت قرآن حکیم وحی کیا گیا تھا، امت کے اتفاق اور مفسرین کے اجماع کا اُنپر ہرگز کچھ اثر نہیں! مگر یہ بحث جسے جنّت کتاب کے متن میں آگے چلکر آئے گی۔ آیات زیر بحث (یعنی (۹ : ۲۰-۲۲) صفحہ ۱۱۵) میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا کے الفاظ بظاہر جنّت کے ان معانی کے مخالف نظر آتے ہیں مگر جب مومن کی دنیا اور دین دونوں درست ہیں (جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا) اور اُخروی انعام دنیاوی نعمتوں کے تسلسل ہی میں ہے تو خٰلِدِيْنَ اور اَبَدًا کے الفاظ نہ صرف موافق بلکہ نہایت موزوں ہیں ورنہ مطالب کے مبہم ہو جانیکا امکان ہے۔

سب جنّ و انس اُس شارع کائنات ہی کے تابع فرمان ہو کر رہے، اُسی کے حلقۂ عبودیّت میں داخل ہو، اُسی کے سکھائے یا بتائے ہوئے قانون پر چلے، گویا اُسی کی 'عبادت' میں لگی رہے۔ وہ خدائے عظیم و جلیل انسان کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے فعل کو ہر آن اپنی ہی مرضی، اور اپنے ہی قانون کے مطابق دیکھنا چاہتا تھا۔ اُسکی غیور ذات رحم و مغفرت کی ناپیدا کنار وسعت کے باوجود، انسان کی ہر صغیر و کبیر خطا کو معاف کر سکتی تھی مگر اپنی اطاعت، اپنی محبّت، اور اپنی عبادت میں شرکتِ غیر کو قطعاً ناقابلِ عفو جُرم قرار دیتی تھی: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝[1] (۴: ۱۱۶) صاحبِ ایمان بشر کے ہاں سے یہ دلبرِ امتحان پسند فرہاد کی سی تمکین قلب کا خواہشمند، اور

---

[1] بیشک اللہ اس بات سے چشم پوشی ہرگز نہیں کر سکتا کہ اُسکے مقام و منصب میں کسی دوسرے کو شریکِ طاعت اور شریکِ محبّت کیا جاوے۔ اسکے ماسوا جو تقصیریں انسان کرے اُنکو اگر مناسب سمجھے تو نظر انداز کر سکتا ہی، اور جس شخص نے اپنی محبت میں غیر اللہ کو شریک کیا وہ فی الحقیقت اپنی بہتری کے راہ راست سے بہت دور بھٹک گیا۔ ('یَشَآءُ' کے معنی ہم نے 'مناسب سمجھنا' کیے ہیں۔ اسکا ثبوت تیسری مجلّد میں فلسفۂ عمل کے عنوان میں آئے گا)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۸) اِس آیۂ شریفہ میں 'جِنّ' کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ 'جِنّ' کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں ہو سکتی، اسکے لیے ابھی بہت دیر ہے مگر 'خَلَقْتُ' کے لفظ سے اسقدر ضرور ثابت ہی کہ 'جِنّ' خدا کی پیدا کی ہوئی ایک مخلوق ہے، اور ان سے قانون فطرت کی تعمیل کا متوقع خدا اسیقدر ہے جسقدر انسانوں سے ہی۔ مزید غور کرنیوالے شاید اِس نتیجے پر بھی پہونچ سکیں کہ 'جِنّ' بھی 'اِنس' کی طرح ایک سرکش خدا مخلوق ہے جس کی بغاوت کو دُور کرنے کیلئے خدا نے 'عبادت' کا تریاق تجویز کیا ہے۔

[2] عفر کے معانی دراصل پردہ پوشی کرنیکے ہیں۔ اسی سے مِغفار بمعنی زرہ کے ہی۔ لوگوں نے مجازاً 'بخشش' کے لے لیے ہیں اور فرض کر لیا ہی کہ یہ تمام بخشش قیامت کے دن ہوگی۔ اِس سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ اور علی ہذا القیاس سزا بھی شرک کرنے والوں کو اُسیدن ہوگی مگر اِس فرضی داستان کی کوئی سند نہیں۔ 'یَغْفِرُ' کا صیغہ حال اور مستقبل دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اِسلیے کوئی وجہ نہیں کہ بخشش اور سزا، یا انعام اور عذاب کسی شخص یا قوم کو یوم آخرت سے پہلے نہ مل سکیں۔ بلکہ تعجب ہوتا ہی کہ جب گناہ اسقدر ناقابل معافی ہے تو سزا میں کیوں اتنی ڈھیل دے دیجائے کہ لکھوکھا برس کا فرق پڑ جائے اور ہر شخص کو خواہ نخواہ شرک کرنے پر جرأت ہو! دراصل یہ تمام ناروا اور بے سند تاویل 'شرک' کے صحیح معانی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی۔ اور جب آج مسلمانوں کے بنائے ہوئے اصطلاحی 'مشرکوں' کو اِس دنیا میں سزا کی بجائے پے درپے انعام مل رہے ہیں تو اُنکے لیے روز قیامت کے متعلق یہ دل خوش کن داستان گھڑ لینا بھی ازبس ضروری ہو چکا ہی گویا اُنکے نزدیک خدا کی حکومت (العیاذ باللہ) اس دنیا پر قائم نہیں ہی اور وہ اگرچہ 'مشرکین' سے بیحد ناراض ہی مگر اُنکو معاً سزا دیدینا اُسکے بس کی بات نہیں ہی۔ اگلی مجلّدات میں رفتہ رفتہ ہم اِس تخیّل کو غلط ثابت کر دینگے، اور بتائینگے کہ مشرک کو کیونکر سزا اِس دنیا میں ہی ملتی ہی۔ وہ خدائے عظیم کسقدر سریع الحساب اور شدید العقاب ہے۔ اور شرک کا بدلہ کس بیدردی، کس بے نیازی، کس شدّت اور سرعت سے لے لیتا ہے۔ اور آخرت کا عذاب تو دنیاوی عذاب سے کہیں بڑھکر ہی: وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ[1] (۱۳: ۳۴)۔

'شرک' کی تعریف ازروئے قرآن بے حد جامع و مانع ہے جیسا کہ پیشتر کہا گیا ہے۔ یہاں پر اسکی صرف ایک شق کی سرسری تصریح کر دی گئی ہے یعنی یہ کہ کسی شے کو محبت اور اطاعت میں خدا کے ہم پلّہ اور برابر نہ کر دیا جاے۔ مسلمانانِ عالم کو غور کرنا چاہیے کہ آیۂ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ[2] (۲: ۱۶۵)

---

[1] اور آخرت کی سزا تو دنیاوی سزا سے سخت تر ہے۔ [2] ترجمے کے لیے دیکھو صفحہ ۱۱۷

مِنكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ † وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ۝ (۴۷ : ۳۱)۔ رب زمین و آسمان کی عبادت، کا اِدّعا کسی رسمی اور دو رکعتی نماز یا پنجوقتہ رکوع و سجود کی مقابلۃً آسان، بے اثر اور بے ضرر مشق کر لینے سے ہی کیونکر قابل تسلیم ہو سکتا تھا اسکی صادقانہ تکمیل کے لیئے ہر آن اور ہر وقت اطاعت کا رنگ لازمی تھا، تسلیم کے اعمال، اور تعبّد کی شان چاہیئے تھی، ماسوا کا جحود لابُدی تھا، نفس پر کامل تحکّم اور غیر پر کامل قدرت ناگزیر تھی۔ گویا سب کا انکار اور ایک کا اقرار، سب سے سرکشی اور ایک کی ماتحتی ضروری تھی! عالم آرائے کون و مکان اور وجہ طراز زمین و آسمان کی عبودیت وہ بے ریا محبت اور وہ بے لاگ خدمت تھی جسمیں غیر سے تعلق اور ماسوا کی اطاعت کو حتماً دخل نہ تھا۔ اسی عالم آرا اصول پر تکوین عالم کی اساس قائم تھی، اِسی پر کون و فساد کا سب انحصار تھا، اِسی پر چل کر رزق کریم تھا، اِسی سے ہٹ کر عذاب الیم تھا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ † ۝ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ (۵۱ : ۵۶-۵۷)۔ اِس تمام ہنگامۂ کائنات کی وجہ بنا یہی تھی کہ زمین و آسمان کی سب کہ وہ مہ مخلوق،

لہ اور اے مسلمانو! ہم تمہارے ایمان کو ضرور آزما کر رہیں گے، یہاں تک کہ تم میں سے جو لوگ ہماری حمایت میں دشمنوں سے لڑنے والے اور مصائب کو برداشت کرنے والے ہیں اُن کو ہم اچھی طرح معلوم کر لیں اور تاکہ تمہاری اصلی اور اندرونی حالت کو جانچ لیں۔ لہ اور اے لوگو! ہم نے اِس کائنات فطرت کے جنّ و انس کو صرف اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ ماسوا سے قطع نظر کر کے ہمارے ہی چاکر، اور ہمارے ہی حکم پر رہنے رہیں۔ ہم اُنسے کچھ روزی کے تو خواہاں نہیں ہیں اور نہ اسکے کہ ہم کو کھلائیں پلائیں۔

† یہاں عیاں ہے کہ 'صبر' کے معنی ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھنے کے نہیں جیسا کہ عافیت پسند اُمت نے لے لیئے ہیں، بلکہ مصائب اور حوادث کا استقلال اور عزم سے مقابلہ کر کے اُنپر فتح پانا ہے۔

‡ یہاں ظاہر ہے کہ 'عبادت' کے معانی وہ نہیں ہو سکتے جو لوگوں نے بنا لیئے ہیں۔ خدائے زمین و آسمان معاذاللہ اِس بات کا محتاج نہیں کہ لوگ اسکی نمازیں پڑھتے اور خوشامد کرتے رہیں۔ بلکہ مقصود تعمیل احکام ہی ہے۔ یہی دنیا کا ہر حاکم اپنی رعیت سے چاہتا ہے، اگرچہ زمین و آسمان کا مالک اِس صورت احتیاج سے بھی بے نیاز ہے۔ اور جیسا آگے چلکر ثابت ہوگا، انسان سے تعمیل احکام کی آرزو رکھنا کچھ خواہش خدا کے باعث نہیں بلکہ انسان کی اپنی ہی بہتری کیلئے ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے آیۂ 'وَمَا خَلَقْتُ' سے مقصود یہی ہے کہ "ہم نے دنیا کے جنّ و انس کو پیدا ہی نہیں کیا مگر اس جبلت پر کہ وہ ہمارے احکام کی تعمیل میں لگے رہیں"۔ یعنی اُنکی فطرت اور طینت میں یہ بات پہلے سے رکھدی ہے کہ ہمارے احکام (یعنی قانون فطرت) کی تعمیل کے بدون اُنکی اِس دنیا میں دال نہیں گل سکتی۔ گویا جب وہ اطاعت سے منحرف ہونگے سزا اُنکو لامحالہ ملکر رہیگی۔ اور تکوین عالم کا اصل اصول ہی ملازمت قانون خدا (یعنی عبادت) ہے۔ یہ اصول ہر صاحب نظر کیلئے بقدر اظہر من الشمس ہے کہ اسکو اور عیاں کرنیکی ضرورت نہیں۔ ہر جگہ اسی پر عملدرآمد ہو رہا ہے۔ چھوٹے یا بڑے کسی امر میں جسوقت انسان نے قانون خدا کی متابعت یا لفاظت کی، اُسیوقت یا بدیر وہ اُسکو اُسکا نفع یا نقصان ملجاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک رات ضرورت سے کم نیند کرنیکا مزا اُسکو اگلے دن ہی درد سر یا اور مرض کی صورت میں مل رہتا ہے۔ اِس حقیقت کشا آیت (۵۱ : ۵۶) کی مکمل تشریح و تصدیق آیندہ مجلدات میں ہوگی جبکہ قانون خدا اور آئین فطرت کو عیاں کر دیا جائیگا، اور جب ہر ساکن زمین کو اِس قانون سے مفر اور اِس 'عبادت' سے گریز کرنے کی کوئی سبیل نظر نہ آئے گی۔ یہاں پر مقصود صرف 'عبادت' کے معانی کی توضیح ہے۔

(باقی)

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۰) مکر سے استعمال ہوتے ہیں کہ غالباً کوئی دوسرے الفاظ نہ ہوتے ہونگے۔ ہر مسلمان اپنی بے ہمتی، اپنی کامچوری، اپنے ناکارہ پن کو معلم الملکوت کی آستین میں چھپا کر قرآن حکیم کے اس سیاق و سباق سے علیحدہ کیئے ہوئے ٹکڑے کو جا و بے جا استعمال کرتا ہے اور اپنی نامرادی اپنی شکست و ریخت، اپنی موت پسندی کا سارا الزام بے دھڑک خدا پر تھوپ دیتا ہے اور اس صریح افترا کے بعد رب زمین و آسمان کے غیظ و غضب سے قطعاً نہیں ڈرتا۔ حالانکہ ان آیات الٰہی (یعنی (۳: ۱۳۹ - ۱۴۲)) کے استدلال سے ظاہر ہے کہ مداولت ایام کا قطعی باعث سعی و عمل کی کمی ہی ہے اور لوگوں کے اپنے ہی کرتوت سے ہے۔ خدائے بے نیاز صرف اقوام کی سعی و عمل کا امتحان لیتا ہے اور بے رُو و رعایت جس کی سعی زیادہ ہو اُسی کو کامیاب کر دیتا ہے۔ قرآن میں جا بجا اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝ (۱۰: ۴۴) کا مضمون اس امر کی تائید میں ہے۔ یعنی "خدا ساکنانِ زمین پر کسی حالت میں قطعاً ظلم نہیں کرتا لیکن یہ لوگ ہی ہیں جو اپنی جانوں پر آپ ظلم روا رکھتے ہیں"۔

ان آیاتِ الٰہی سے پہلے کی آیت ہے: وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (۳: ۱۳۸)۔ جس سے ظاہر ہے کہ ایمان والی وہی قوم ہے جو 'اَعْلَوْنَ' بنکر رہے۔ جنگ اُحد میں جس کا ذکر ان آیات میں ہو رہا ہے مسلمان بھلے چنگے خاصی تعداد میں تھے، دشمن کی تعداد کچھ ایسی زیادہ نہ تھی جیسی کہ نسبتاً غزوۂ بدر میں تھی۔ اُس غزوے میں باوجودیکہ ایک مسلمان کے بالمقابل تین اہل مکہ لڑ رہے تھے مگر فتح مسلمانوں ہی کو نصیب ہوئی تھی، لیکن اُحد کے موقع پر بعض مسلمانوں نے ہمت ہار دی۔ ایک جماعت نے جسکو خود رسولؐ خدا نے ایک مقام پر معین کیا تھا کہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں، مال غنیمت کے لالچ میں آکر اپنا مورچہ چھوڑ دیا۔ اہلِ مکہ اُسی مورچے پر پل پڑے، اور دفعتاً لشکر میں بھاگڑ مچ گئی۔ پیغمبرؐ خدا چند رفیقوں کے ساتھ تن تنہا رہ گئے اور زخمی ہوئے۔ فرقِ مبارک پر چوٹ آئی، دانت ٹوٹ گیا، سب طرف مشہور ہو گیا کہ شہید ہو گئے، وغیرہ وغیرہ۔ خدائے عظیم فرماتا ہے کہ وہ تم ہی مٹھی بھر مسلمان تھے جنہوں نے بدر میں ایک جرار لشکر کو شکست فاش دی تھی اور اب یہ بے ہمتی دکھلائی کہ اپنے سپہ سالار کو چھوڑ کر چلتے بنے۔ تم بددل نہ ہو اور غم نہ کھاؤ اگر تم میں ایمان فی الواقع موجود ہے تو فتح خود بخود تمہارے قدم آن کر چوم لے گی۔ اور ہماری ذرہ پروری اور بے نیازی تو ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ جو قوم جسقدر سعی و عمل کرتی ہے اُتنا ہی اجر ہم سے لامحالہ لے لیتی ہے۔ کسی کی بے جا رعایت کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔ اور اسی لیئے اگر آج فتح اس قوم کے شامل حال ہے تو کل دوسرے کی قدمبوسی کر رہی ہے: (وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ)۔ ہمارا مقصود اس جنگ اُحد سے صرف اس بات کا دریافت کرنا (اور دریافت کرنا بھی کیا، صرف تمہیں ہی جتا دینا) تھا کہ تم میں سے حقیقی ایمان والے کون ہیں؟ کن کا ایمان ناقص ہے؟ کون ہمارے وجود کے سچے گواہ ہیں، کون ہمارے حاکم اعلےٰ ہونے کی آخری دم تک شہادت دیتے رہے، ہم کو آخری وقت تک آقا مان کر ہماری خدمت میں لگے رہے: (وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ)۔ اور بھگوڑوں اور کچے ایمان والوں کو تو خدا پسند ہی نہیں کرتا کیونکہ وہ تھوڑی سی تن آسانی کی خاطر اپنی قوم پر ظلم کر رہے ہیں، اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں: (وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝)۔ خدا صرف اتنا چاہتا تھا کہ سچے ایمان والوں کو چھانٹ کر الگ کر دے (وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) اور منکروں اور دل میں خدا کو نہ ماننے والے منافقوں یعنی کافروں کو الگ کر دکھائے، اُنکو بالآخر نیست و نابود کر دے (وَیَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ)۔ اگلی عبارت بالکل صاف ہے: الجنۃ اتنی آسانی سے نہیں ملتا جتنا تم سمجھے بیٹھے ہو وہ تو صرف سعی و عمل کرنے والوں (جَاهِدُوْا مِنْكُمْ) اور استقلال والوں (الصّٰبِرِیْنَ) کو ہی ملتا ہے۔ تم تو اس جنگ اُحد سے پہلے موت کی منتیں مانا کرتے تھے، شیخی میں آکر کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کی 'عبادت' میں جان تک دینے کیلئے تیار ہیں تو اُحد کے دن کیا موت آگئی تھی کہ موت تمہارے سامنے تھی اور اُس سے جی چُرا کر بھاگے بھاگے پھرتے تھے!

ان آیات الٰہی میں ضمناً 'ایمان' کی تشریح ہو گئی کہ اسکا اٹل نتیجہ فتح قوم ہے۔ شہداء کے معنی معلوم ہو گئے۔ ظالمین کا پتہ لگ گیا کہ کچے ایمان والے لوگ ظالم ہیں۔ درسی لیئے ہلاکت اور شکست کے اہل صفحہ ۸۱۔ آیات (۲۸: ۵۹ و ۶: ۴۷) 'کفر' کی ایک حد تک وضاحت ہو گئی کہ میدان جنگ میں

سلہ مطالب کے لیے دیکھو صفحہ ۷

بیستون کی جوئے شیر کے سے تاب گسل اور صبر پاش اعمال کا اُمیدوار تھا! اُسکی نظروں میں ایمان وہ کیفیتِ قلب تھی جسکا اٹل نتیجہ سعی و عمل تھا! وہ ہجرت اور جہاد کی آڑ میں ایمان کے دعویداروں سے نقد جان کا طالب تھا! اور انہی سرفروشانِ حکم اللہ کو عشقِ خدا کے سچے "شہید"، رب العزۃ کی حکومت کے سچے گواہ، اور رزقِ کریم کے قطعی اہل قرار دیتا تھا۔

إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ† وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ۝ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن قَبْلِ أَن تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ۝ (۳: ۱۳۹–۱۴۲)

اگر تمہیں اس لڑائی میں شکست کا زخم لگا ہی تو اس سے پہلے فریقِ مخالف کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے اور یہ فتح و شکست کے دن تو ہم بقدرِ مناسب کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر پھیرتے ہی رہتے ہیں، اور یہ اسواسطے بھی کہ ہم جان لیں کہ خدا پر سچا ایمان رکھنے والا کون ہی، اور نیز اسلیئے کہ اللہ تم میں سے اپنے سچے گواہوں کو منتخب کرے ورنہ وہ کچے ایمان والوں کو تو محبت ہی نہیں کرتا۔ اللہ اس طریقِ عمل سے ایمان والونکو اپنے متعلق شک شبہ کی میل کچیل سے نکھار دینا چاہتا ہی، اور پھر اپنے اصلی محب پیدا کرکے منکرین کے زور کو توڑ دینا، اور تمہاری جماعت میں سے شائبۂ شک و کفر کو دور کر دینا چاہتا ہے۔ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہی کہ (خدا کو منہ سے خدا کہکر) جنت میں جا داخل ہوگے حالانکہ ابھی تک تو اللہ نے اُن لوگوں کو جانچا ہی نہیں جو تم میں سے اسکی حمایت میں ثابت قدم ہوکر لڑنیوالے، اور مصیبتوں کو برداشت کرنیوالے ہیں۔ اور تم تو موت کے آنیسے پہلے ہی (میری محبت کے جوش میں) مرنے کی آرزوئیں کیا کرتے تھے تو آج تم نے اسکو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، اور پھر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے انتظار کر رہے ہو!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۹) کی تعریفِ ایمان کو پیشِ نظر رکھکر وہ ہر روز کسقدر اس "شرک" کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی بخشش کی قطعاً کوئی اُمید نہیں! سورۂ نسآء میں بھی اسی قطع کی ایک آیت ہی:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۝ (۴: ۴۸)

لوگو! گوش ہوش سے سنو [illegible] چشم پوشی ہرگز نہیں کرتا کہ اُسکے برابر کسی دوسری شے کی اطاعت کی جائے یا اس سے محبت رکھی جائے۔ ہاں اسکے سوا اگر کوئی اور گناہ ہو تو [illegible] معاف کر سکتا ہی۔ اور لوگو! جس شخص نے خدا کیساتھ ماسوا کو برابر کر دیا تو اُسنے اپنے پتے ایک گناہِ عظیم باندھ لیا!

† "تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ" کے خدائی الفاظ آج قوم کی مرثیہ خوانی کی مجالس اور مسلمانوں کی عام گفتگو کے ضمن میں اس بیدردی سے [illegible]

اپنے قول کے مطابق آسمان وزمین ہر وقت مصروف رہتے ہیں، اس ذرۂ مقدار انسان سے اپنی محبت کے ولولے میں، تحمل آلام، نقص امن، اور خراج مال وجان کا کیوں طالب تھا؟ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝ (۲: ۱۵۵-۱۵۷)

لہ اور ایمان والو! اسمیں شک نہیں کہ ہم تمکو ذرا اچھی طرح (بِشَيْءٍ) دشمن کا خوف دلا دلاکر، میدان جنگ میں ہوکوں مار مار کر، مال اور جانوں میں کمی کرکے پیداوار کا قحط ڈالکر (الثَّمَرَاتِ) نتائج کو خلاف امید کرکر کے (نَقْصٍ مِّنَ ... الثَّمَرَاتِ)، آزما کر رہیں گے اور تمہارے ایمان کی قدر وقیمت، اور سعی وعمل کی حد کا اندازہ لگائیں گے، لیکن اگر تم فی الحقیقت صاحب ایمان ہوئے تو تم بھی ان آزمایشوں میں پورے اُتر کر رہوگے اور اپنے سعی وعمل کو ہرگز کم نہ ہونے دوگے۔ اور اے محمدؐ! مصائب کا استقلال سے مقابلہ کرنے والوں کو ہماری خوشنودی اور کامیابی کی بشارت دیدو، (وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر کوئی اجتماعی مصیبت آپڑتی ہے تو مقابول اُٹھتے ہیں کہ ہم تو فی الحقیقت خدا ہی کے اطاعت گذار ہیں۔ (إِنَّا لِلَّهِ)، اسی کے بتائے ہوئے حکموں پر چلیں گے (وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)، اُسی کی طرف اپنا تمامتر رجوع کردینگے (وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)، اور اپنے سعی وعمل سے خدا کو پرخوش کرلیں گے۔ (یہ مصیبت جو ہمیں پونہچی ہے لامحالہ ہماری سعی میں کسر کے باعث ہی ہے۔ دیکھو قرآن کریم وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ (۴: ۷۹)) اور سعی وعمل کو دوبالا کردینا ہی خدا کی طرف رجوع کرنا ہے) یہی وہ لوگ ہیں جن پر اپنے پروردگار کے بیشمار افضال ہیں، تحسین وآفرین کے نعرے (صَلَوَاتٌ) ہیں، رحمت اور عنایت ہے، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو مصائب کے دور کرنیکے متعلق صحیح راہ عمل مل چکی ہے، (وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ)۔

ٹ یہاں الصَّابِرِينَ کا لفظ پہر آیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صابر وہی لوگ ہیں جو ہر اجتماعی مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں، اسکے دور کرنے کے لیے ہمہ تن مستعد رہتے ہیں۔ نہ وہ جو ہاتھ پر ہاتھ دھرکر اپنی بربادی کا تماشہ کرتے اور شس سے مس تک نہیں ہوتے کبھی کبھار آہیں نکالکر یا عورتوں کی طرح آنسو بہاکر اپنے نفس کو دھوکہ دیتے ہیں کہ صابر ہیں!

ٹٹ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کے الفاظ مسلمانانِ جہان جس حیرت انگیز نادانی، جہالت اور نافہمی سے نہ معلوم کتنی قرنوں سے کسی عزیز کی موت یا ادنیٰ سی ادنیٰ خانگی اذیت پر استعمال کرتے آئے ہیں، اور اس محض زبانی عبادت کے صلے میں اپنے آپ کو رحمتِ خدا کا مستقل حقدار گنتے ہیں، اُس سے کم از کم یہ مترشح ہوتا ہے کہ کلام الٰہی کا صحیح علم کسقدر جلد رسم ورواج کی لکیر میں پڑکر بے اثر ہوگیا تھا، اور آیاتِ خدا کے مطالب یقینیات کے بلند مرتبے سے گرکر ظن واعتقاد کی ادنےٰ سطح پر کس سرعت سے پونچ گئے تھے۔ اوپر کی عبارت میں ہم نے ان آیات (یعنی ۲: ۱۵۵-۱۵۷) کا مربوط اور مسلسل ترجمہ کردیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان میں نہ کسی خانگی مصیبت کا ذکر ہے اور نہ یہ ترغیب دی گئی ہے کہ جب تمہارا کوئی رشتہ دار مرجائے تو إِنَّا لِلَّهِ کے الفاظ منہ سے بڑبڑاؤ، پہر جب کہہ لوگے تو خدا کی طرف سے تم پر "صَلَوَاتٌ" اُتریں گی، رحمتِ رب نازل ہوگی، اور تم ان الفاظ کے دہراتے ہی "مُهْتَدُونَ" یعنی ہدایت پانے والوں میں سے بن جاؤگے (۲: ۱۵۷)! یہ سب تشریح نہایت لچر اور شرمناک ہے۔ کوئی ذہن سلیم اسکو ایک لمحے کے لیے بھی قبول کرنے پر تیار نہیں۔ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر صرف اجتماعی مصائب کا ذکر ہے۔ جسکی تائید جمع کے صیغے سے ہوتی ہے جو ان آیات میں برابر چلا جارہا ہے۔ مُّصِيبَةٌ جس کا ذکر آیہ (۲: ۱۵۶) میں ہوا ہے لامحالہ وہ خوف کا ماحول ہے جو ہر شکست زدہ امت پر ہر آن حاوی رہتا ہے (بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ)، وہ فقر وافلاس جو محکومیت اور ضعف کی حالت میں غلام قوموں کا پیچھا نہیں چھوڑتا (وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ)، وہ قلت تعداد ہے جو دشمن کی اکثریت، اُہبت اور ہجوم کے بالمقابل عجز وبیچارگی پیدا کردیتی ہے (وَالْأَنفُسِ)، وہ قہر خداہی جس سے

عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ † ○ (۳ : ۱۹۴)

پھر پروردگار عالم نے انکی دعا قبول کرلی اور فرمایا کہ ہم تم میں سے کسی کام کرنیوالے کے کام کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔ مرد ہو یا عورت ہماری نظروں میں سب برابر ہیں۔ تم سب ایک دوسرے کی جنس ہو تو جن لوگوں نے ہماری خاطر ہجرت وطن کی، اور ہماری ہی وجہ سے اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور ستائے گئے، اور دشمنوں سے لڑے، اور مارے گئے، ہم انکی سب اجتماعی بدحالیوں، خانہ بربادیوں، اور واماندگیوں (سَيِّاٰتِهِمْ) کو اُنسے دور کردینگے۔ اور انکو ایسے عمدہ باغوں میں لیجا داخل کرینگے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی۔ یہ اللہ کے ہاں سے اُنکے اعمال کا بدلہ ہوگا اور اچھا بدلہ تو اللہ ہی کے ہاں ہے۔

آہ! لیکن اس مالک الملک اور پروردگار عالم خدا کو، جسکی طاقت اور حکومت، جسکی عزت اور عظمت صحیفۂ فطرت کے ہر ذرّے میں نمایاں ہے، جس کی بے نیازی کی شان صفحۂ عالم پر روز روشن کی طرح ثبت ہے، ایک ذلیل، بے حیثیت، اور ہیچمیز انسان کی پیہم عبادت، سچی محبت اور لاشریک اطاعت کی کیا حاجت تھی؟ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۵ (۵۹ : ۲۳-۲۴) وہ جانوں کا خالق، دنیا کے امن و آسایش کا کفیل (اَلْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ) موجد اور مصور خدا، جسکی تسبیح و تقدیس میں اُس کے

---

۵ وہ اللہ ایسا پاک ذات ہو کہ اُسکے سوا کوئی آقا ہونے کے لائق نہیں۔ بادشاہ جہان ہے، پاک ہے، تمام عیوب سے مبرّا ہے، امن دینے والا نگہبان ہے، زبردست اور بڑا باوقار ہے، صاحب عظمت ہے۔ جس جس کو یہ لوگ اُس کی عظمت میں شریک کرتے ہیں وہ ان سب سے بالاتر ہے۔ وہی ہر شے کا خالق، بلکہ موجد اور مصور ہے، اُسکے بڑے بڑے اوصاف ہیں (اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى) جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اُسکے احکام کی تعمیل میں سربسجود ہے (يُسَبِّحُ)، اور وہ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۱) خدا کی لڑائیاں آخری دم تک استقلال سے نہ لڑنا 'کفر' اور انکار خدا ہے۔ 'صَابِرُوْا' کے مطالب صاف ہوگئے کہ وہ صرف استقلال ہی ہے، 'جہاد' کی حقیقت کھل گئی کہ وہ صرف قتال بالسیف ہی ہے۔ جو لوگ جہاد کے معنی تسبیحوں پر زور دینے کے لیتے ہیں اُنکے لیے یہ آیات از بس عبرت انگیز ہیں۔ اور بالآخر یہ کہ 'تمنائے موت' کے معنی سمجھ میں آگئے کہ اس سے مراد لڑائی میں کٹ مرنیکے ہیں کہ یہی سب سے بڑی عبادت کسی آقائے نامدار کی ہوسکتی ہے۔ یہی ہر بادشاہ اپنے سپاہی سے چاہتا ہے اور اس کے عوض میں تمغے اور انعام، جاگیریں اور زمینیں تقسیم کردیتا ہے۔ 'تمنائے موت' کا ذکر تیسری مجلد میں عنقریب آئیگا۔

† اس آیہ کریمہ میں "لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" کے الفاظ تشریح طلب ہیں۔ لیکن ان کی تشریح صفحہ ۱۳۱ کے تحت المتن میں 'مصیبت' کے عنوان میں آئے گی۔

نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (۸: ۷۴)؛ وہ کیا سمجھکر اور کیا مدنظر رکھکر اپنی راہ میں قتل ہوجانے والوں کو زندہ اور بقید حیات کہا کرتا تھا: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۴) شَيْءٍ قَدِيْرٌ) اور اسپر بھی قادر ہے کہ تمہارے اعمال کو دیکھکر تمہیں شکست دے۔ اور یاد رکھو کہ جس دن مقام احد میں دونوں فریق بھڑ گئے اور تم کو شکست کی مصیبت پونہچی تو یہ بھی خدا ہی کے حکم سے تھا اور غرض یہ تھی کہ خدا ایمان والوں کو الگ معلوم کرلے اور ظاہری مسلمان بننے والوں، لیکن دل میں نفاق رکھنے والوں کو الگ پہچان لے۔

یہاں پر ظاہر ہے کہ قرآنی اصطلاح میں مُصِيْبَةٌ وہ شئے ہی جو اپنے ہی کرتوت سے آتی ہے اور بطور سزا کے ہی۔ سورۂ نساء میں ہے: فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۝ (۴: ۶۲)، یعنی "تو پھر ان منافقوں کی کیا ہی بُری حالت ہوگی جب ان ہی کے اپنے کرتوت کی وجہ سے انپر کوئی مصیبت نازل ہو تو تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے دوڑے آئیں کہ بخدا ہماری غرض تو یہی تھی کہ میل ملاپ اور اتحاد پیدا ہو"۔ اسی سورۃ میں انہی منافقین کے متعلق ہے: وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ (۴: ۷۲)، یعنی "مسلمانو! تم میں ضرور ایسے لوگ بھی ہیں جو ارادہ کر بیٹھتے ہیں کہ ہم ضرور کسی نہ کسی طرح جہاد سے پیچھے ہٹے رہیں گے، پھر اگر لڑائی میں تم پر شکست کی مصیبت آپڑتی ہے تو دل ہی دل میں کہتے ہیں کہ خدا نے مجھپر بڑا ہی احسان کیا جو میں ان لوگوں کے ساتھ لڑائی میں موجود نہ تھا"۔ یہانپر مصیبت صاف اجتماعی مصیبت ہی۔ سورۂ توبہ میں پھر انہی مسلمان نما منافقوں کے ذکر میں ہے: اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝ (۹: ۵۰)، یعنی "اے محمدؐ! اگر تم کو جنگ میں فائدہ پونہچتا ہے یا غلبہ حاصل ہورہتا ہی تو ان لوگوں کو بُرا لگتا ہے، اور اگر تم پر شکست کی مصیبت آنازل ہوتی ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا کام پہلے ہی سے ٹھیک ٹھاک کرلیا تھا، اور تمہارے پاس سے اُٹھکر واپس جاتے ہیں تو ان کی باچھیں کھلی ہوتی ہیں"۔ یہاں بھی مصیبت صاف لڑائی میں شکست کھانے کی مصیبت ہی، انفرادی مصیبت سے بحث نہیں۔ سورۂ قصص میں پھر 'مصیبت' کو اپنے اعمال کی سزا کہا گیا ہے: وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (۲۸: ۴۷)، یعنی "اور یہ اتمام حجت اس لیے ہی کہ مبادا ان پر انکے اپنے ہی کرتوتوں کے بدلے میں مصیبت نازل ہو..." سورۂ شوریٰ میں 'مصیبت' کے مفہوم کو یہ کہکر قطعاً عیاں کردیا ہے کہ اقوام عالم پر کوئی مصیبت نہیں آتی مگر یہ کہ انکے اپنے ہی کرتوت سے ہی اگرچہ خدا اکثر واماندگیوں پر گرفت نہیں کرتا: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (۴۲: ۳۰)۔ سورۂ حدید میں اجتماعی مصیبت کے باعث نزول کو یہ کہکر اور بھی واضح کردیا ہے کہ دنیا کی سب 'مصیبتیں' نہایت سوچ بچار کے بعد نازل ہوتی ہیں:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ (۵۷: ۲۲-۲۳)

اے لوگو! جو جو مصیبتیں روئے زمین پر نازل ہوتی ہیں، یا جو تمہارے اپنے ہاتھوں تمپر آتی ہیں، سب کی سب پیشتر اسکے کہ ہم انکو پیدا کریں ایک مسل میں درج ہوتی ہیں (جو علم الٰہی ہے) (اس کے اندر اس 'مصیبت' کے مالہٗ اور ماعلیہ پر پوری بحث ہوتی ہے، اسکے سب وجوہ کامل طور پر بیان ہوتے ہیں، واقعات اور حالات سلسلہ وار قلمبند ہوتے ہیں) اور پھر کامل غور وخوض کے بعد اس مصیبت کے اجرا کا فیصلہ کیا جاتا ہی (اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا)، اور لوگو! اس بادشاہ کون ومکان کی حکومت اس قدر منظم، اس قدر قوی، اس قدر دقیقہ رس اور عادل ہے کہ یہ سب بظاہر ناممکن باتیں خدا کے لیے بیحد آسان ہیں۔ اور اے ناعاقبت اندیش انسانو! تمہاری جزا وسزا میں یہ عظیم الشان اہتمام اس لیے مدنظر رکھا گیا ہے کہ تم لوگ جو شئے تمہارے ہاتھ سے چلی گئی ہے اسکو اپنی ہی بداعمالی کا نتیجہ سمجھو، اور ناحق خدائی فیصلوں کو اٹا سٹا استبدادی اور بے اصولے سمجھکر اپنی قسمت پر پشیمان نہ ہوتے پھرو (تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ)، یا جو انعام تمکو دیا گیا ہے اسکو بلا سبب اور بے وجہ سمجھکر اکڑے اکڑے پھرو اور سعی وعمل سے غافل ہوجاؤ، اور جانے رہو کہ خدا اترانے والے کا چور اور شیخی باز نکمے کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ (خدا کے سعی وعمل کے پسند کرنیکے متعلق اب تک اس کتاب میں اتنی شہادتیں مل چکی ہیں کہ ان آیات الٰہی کا اسکے سوا کوئی اور مفہوم ہو نہیں سکتا)۔

(باقی)

وہ کیوں ہجرتِ وطن اور قتال بالسیف کو ہی ایمان کا صحیح معیار قرار دے کر مہاجرین و انصار کو سچے مومنوں کی فہرست میں شمار کرتا تھا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۳) اُنتیں قحط اور وبا، فاقوں اور بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں، جس کے باعث دنیاوی انعام سب اُچک لیے جاتے ہیں (وَالثَّمَرٰتِ)، دشمن ہر وقت تاک میں لگا رہتا ہے، اور کمزور کی کمزوری کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ گویا یہاں پر بعینہٖ اس قطع کی مصیبت کے امتحان و ابتلا کا ذکر ہے جو اَعْلَوْنَ نہ رہنے کے باعث قوموں پر طاری ہو جاتی ہے اور جسکا مصداق آج تمام عالمِ اسلام ہے۔ قرآن حکیم نے اس قلتِ تعداد اور ضعفِ قوت۔ اس خوفِ عدو اور بیمِ موت کی تصریح ایک دوسرے موقع پر بھی کی ہے جس میں بوضاحت تمام جتلا دیا ہے کہ کسی قوم کا آزاد ہونا اور دنیوی نعمتوں اور طیبات رزق سے متمتع ہونا ہی نصرت الٰہی ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (۸ : ۲۶)

اور مسلمانو! وہ وقت یاد کرو جب تم دنیا میں تعداد میں تھوڑے سے تھے، کمزور اور بے بس گنے جاتے تھے، اور ہر آن اس خوف کے باعث سہمے رہتے تھے کہ دشمن تمہیں اُچک نہ لیجائیں۔ پھر خدائے ذوالجلال نے (تمہارے اعمال کو پسند فرما کر) تم کو اپنی پناہ میں لے لیا، اپنی مدد سے تم کو قوی بنایا، اور دشمن پر فتح و دیگر عمدہ قسم کی دنیاوی نعمتیں بخشیں، اور یہ سب اس لیے کہ تم قوت اور امن، نعمائے الٰہی اور تائید خدا کی دل سے قدر کرو، اور اُسکے قوت انگیز احکام پر بدستور عمل کرتے رہو (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)۔ (شکر کے ان معانی کی تصریح کے لئے دیکھو صفحہ ۱۳۸)

یہ آیت مسلہ ارتقا کی بحث کے ضمن میں صفحہ ۱۲ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آیات اِنَّا لِلّٰهِ (یعنی (۲ : ۱۵۵-۱۵۷)) میں 'خوف' یہی يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ کا خوف ہے، اور نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ، یعنی قَلِيْلٌ اور مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ ہونا ہے، اور یہی وہ مصائب کبریٰ ہیں جن کا ابتلا مقصود ہے۔ کسی عزیز کا مر جانا 'نَقْصٍ مِّنَ ... الْاَنْفُسِ' نہیں ہو سکتا۔ مزید برآں تعجب ہے کہ جہاں کسی شخص کی طبعی یا ناگہانی موت پر اِنَّا لِلّٰهِ کا نیز متعلق فقرہ نہایت التزام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے وہاں خوف اور بھوک اور نقصان مال کے موقع پر روا بھی نہیں بولا جاتا! یہ دلیل بجائے خود اس امر کی شہادت ہے کہ اخلاف مسلمین نے کلمۂ استرجاع کو قطعاً غلط سمجھا ہے اور اسکے خدائی مفہوم سے یکسر الگ ہو گئے ہیں۔

لیکن اس استدلال سے قطع نظر ایک اور صورت نظر بھی ہے جو اس دعوے کی یکسر تغلیط کر دیتی ہے کہ کسی مسلمان کی طبعی یا ناگہانی موت وہ مُصِيْبَةٌ ہے جس پر اِنَّا لِلّٰهِ کہنے کی ضرورت یا اجازت از روئے قرآن ثابت ہے۔ 'مُصِيْبَةٌ' کا لفظ کلام الٰہی کے اندر بالالتزام اس خدائی انتقام یا اجتماعی سزا کے معنوں میں آیا ہے جو قومیں یا افراد اپنی غفلت یا نافرمانی کے باعث اپنے ہاتھوں مول لے لیتے ہیں۔ انفرادی اموات اس جدول میں داخل نہیں کیونکہ نیک و بد سب نے ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور ہر شخص کا مرنا از روئے سزا یا انتقام واقع نہیں ہوتا۔ اگرچہ ایک ملک میں عام وبا کا پھیل جانا، یا طوفان سے بستیوں کا ہلاک ہو جانا مُصِيْبَةٌ میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہ نکتہ اس حیرت انگیز صحت اور تطابق کے ساتھ قرآن حکیم میں جا بجا بیان ہوا ہے کہ مُصِيْبَةٌ کے الحال مسخ شدہ معانی کی صحیح تصویر پیش کرنے کی غرض سے اس شہادت کا تمام و کمال یہاں پر لکھ دینا ضروری ہے:۔

سورۂ آل عمران میں غزوۂ اُحد کے متعلق ہے:

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ (۳ : ۱۶۴-۱۶۶)

مسلمانو! تم بھی عجیب لوگ ہو کہ جب تم پر جنگ اُحد میں شکست کی مصیبت آ پڑی، حالانکہ تم ہی جنگ بدر میں دشمنوں پر اس سے دُگنی مصیبت ڈال چکے تھے، تو تمہارے چھکے چھوٹ گئے اور بے دل ہو کر لگے کہنے کہ ہیں! یہ آفت کہاں سے آگئی۔ اے محمدؐ! ان سے کہدو کہ یہ مصیبت آئی تو تمہارے اپنے کیے سے آئی، اپنی نامردی اور بزدلی سے آئی، اور خدا تو اسقدر باحوصلہ اور بے نیاز ہے کہ اپنے بندوں کے کسی گروہ پر بے جا رعایت نہیں کرتا (اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ

لہ طالب کے لیے دیکھو صفحہ ۱۱۴-۱۱۵۔

دائمی وعدے دے دیا کرتا تھا؟ وہ کیوں اپنی سُرمہ گیں آنکھ کی الفت سے بھری ہوئی نظریں

اُن غازیانِ ملت، اور فدائیانِ دین پر ہی ڈالتا تھا جو اسکی راہ محبت میں دیوار آہن کی طرح ثابت قدم

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۶) "مُصِیْبَۃ" یعنی اجتماعی بدحالی کے معنوں میں استعمال ہوئی ہے "سَیِّئَۃٌ" ہے اور جس کی ضد "حَسَنَۃٌ" ہے۔ یہاں اس تقریب پر ان اہم اصطلاحات کی توضیح بھی کر دیجاتی ہے اگرچہ اسکی ضرورت آگے چل کر واضح ہو گی۔ **الف** سورہ نساء میں ہے: مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (۴: ۷۹)، یعنی اے لوگو! جو بھلائی تم کو اس دنیا میں پہنچتی ہے وہ تمہارے خدا کے بنائے ہوئے راہ پر چلنے کی وجہ سے ہے، اور جو سزا تم کو اس دنیا میں ملتی ہے وہ تمہارے اپنے کرتوت سے ہے"۔ علیٰ ہذا القیاس سورہ شوریٰ میں ہے: وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (۴۲: ۳۶) یعنی "اگر ان کو انکے اپنے کرتوت سے کوئی بُرائی پہنچے"۔ جس سے مقصود افراد امت کی غفلت کی وجہ سے اجتماعی سزا کا ملنا ہے۔ سورہ اعراف میں اقوام کو سزا ملنے کے ابتدائی مراحل کے ذکر میں ہے: ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا (۷: ۹۵) "پھر ہم اس قوم کی ظاہری بدحالی کو خوشحالی اور فارغ البالی سے بدل دیتے ہیں یہانتک کہ وہ لوگ اسکے زعم میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں"۔ اسی سورہ میں آگے چلکر ہے: وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ (۷: ۱۳۰) "اور ہم نے تو فرعون کی قوم کو برسوں کی خشک سالیوں اور کمی پیداوار کی سزا اسی لیے دی تھی کہ وہ لوگ عبرت پکڑیں اور اپنی بداعمالیوں سے باز آئیں۔ پھر جب انپر کوئی اجتماعی راحت نازل ہوتی تھی تو کہتے کہ خدا کی طرف سے خوشنودی مزاج کا یہ پرتو ہے ہمارے ہی نیک اعمال کیوجہ سے ہے، اور اگر انپر کوئی مجموعی آفت آتی تو موسیٰ اور اسکے ساتھیوں کے بداعمال کا نتیجہ گردان کر اُن کے سر تھوپتے"۔ یہاں نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ کے متذکرہ صدر معانی (صفحہ ۱۲۴ تحت المتن) کی تائید بھی ہو گئی اور سَیِّئَۃٌ کے مطالب بھی صاف ہو گئے۔ سورہ رعد میں ہے: وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ (۱۳: ۶) "اور اے پیغمبر! یہ لوگ تم سے خوشحالی اور اجتماعی عافیت مانگنے کی بجائے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں حالانکہ انکو خوب معلوم ہے کہ ان سے پہلے ہمارے ہاں سے وہ وہ دردناک عذاب آئے ہیں کہ اُن کی کہاوتیں چلی آتی ہیں"۔ علیٰ ہذا القیاس سورہ نمل میں حضرت صالح کا قول ہے: قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۲۷: ۴۶) یعنی حضرت نے کہا کہ اے قوم: تم کیوں خوشحالی اور امن (الْحَسَنَۃ) کو چھوڑ کر ذلّ و مسکنت کے عذاب (السَّیِّئَۃ) کے لیے جلدی مچا رہے ہو، تم کیوں خدائے ذوالجلال سے اپنی گذشتہ واماندگیوں پر پردہ پوشی کی درخواست (تَسْتَغْفِرُوْنَ) نہیں کرتے تاکہ تم مستحق انعام و اکرام ہو جاؤ"۔ یہاں بھی سَیِّئَۃٌ سے مراد صاف طور پر وہ اجتماعی بدحالی ہے جو احکام خدا کی عدم تعمیل کے باعث ہر قوم پر دفعۃً یا رفتہ رفتہ نازل ہو جاتی ہے۔ سورہ آل عمران میں ہے: اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا (۳: ۱۱۹) یعنی "مسلمانو! اگر تم کو کوئی اجتماعی فائدہ پہنچتا ہے تو انکو بُرا لگتا ہے اور اگر تم پر کوئی قومی آفت نازل ہوتی ہے تو یہ منافق خوش ہو جاتے ہیں"۔ یہاں سَیِّئَۃٌ کی کوئی دوسری تاویل غیر ممکن ہے اور مطالب بالالتزام وہی ہیں جو پہلے بیان ہوئے۔ سورہ اعراف میں بنی اسرائیل کے بارے میں ہے: وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (۷: ۱۶۸) "اور ہم نے بنی اسرائیل کو بالآخر گروہوں میں تقسیم کر کے سطح زمین پر پھیلا دیا، ان میں سے بعض اُمتیں صالح بنی رہیں (اور مدت مدید تک ہمارے انعاموں سے بہرہ ور ہوتی رہیں) اور بعض بہت جلد غیر صالح ہو گئیں (اور جلد صفحہ زمین سے محو کر دی گئیں)، اور ہم نے ان غیر صالح اُمتوں کی آزمایش طرح طرح کی اجتماعی خوشحالیوں (الْحَسَنَات) اور قسم قسم کی اجتماعی بدحالیوں (السَّیِّئَات) سے کی کہ شاید وہ انعاموں کے ملنے کی لِم کو سمجھکر اور سزاؤں کے آنے کی حقیقت کو پاکر ہمارے قانون کی طرف لوٹ آئیں (لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ)"۔ گویا یہاں مراد یہ ہے کہ جہاں کچھ مدت کے لیے راہ راست پر آجاتے تھے تو ہم اپنی نعمتوں کا دروازہ یکسر کھول دیتے تھے تاکہ انکو معلوم ہو جائے کہ انعام یکسر ہماری متابعت کی وجہ سے ملتا ہے، اور جہاں ہمارے قانون سے سرکش ہو بیٹھتے تھے تو اُن کو بدحال کر دیتے تھے کہ سمجھ لیں کہ یہ بدحالی اُنکے اپنے کرتوت ہی سے ہے۔ سورہ زمر میں سَیِّئَات کا یہی مفہوم ذرا اور بھی واضح طور پر ہے: فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَالَّذِيْنَ

بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (۲: ۱۵۴)، وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ (۳: ۱۶۹)؛ وہ کس حکمت عملی کی بنا پر انکو مغفرت عامہ کے بے تحاشا انعام، اور جنت کی دلفریب نہروں کے

۱ اور لوگو! جو شخص خدا کی راہ میں اور اُسکا اعلا کرتے کرتے قتل ہوگیا، اُسکو مرا ہُوا نہ کہو، وہ فی الحقیقت زندہ ہے، وہ ابدالآباد تک اپنا نام چھوڑ گیا، اپنے کارنامے چھوڑ گیا، وہ ہر وقت دوسروں کو شجاعت کی ترغیب دے رہا ہے، حوصلے بڑھا رہا ہے۔ لیکن تم نہیں سمجھتے کہ وہ کیونکر زندہ ہے۔
۲ اور لوگو! جو شخص راہ خدا میں قتل کیئے گئے اُن کو مُردہ شمار نہ کرو، وہ تو فی الحقیقت زندہ ہیں اور خدا کے پاس بیٹھے ہوئے اُسکی نعمتوں اور رحمتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۵) ان آیات سے ظاہر ہے کہ مصیبت یہاں پر بھی وہ اجتماعی سزا ہے جو خدا قوموں کو اُن کی مجموعی بداعمالیوں کے باعث نہایت غور و خوض کے بعد دیتا ہے۔ انفرادی اور خانگی مصائب اسمیں شامل نہیں، اور نہ کسی عزیز کی موت اس قانون کے ماتحت ہو سکتی ہے۔ قوموں کی پشتینی غفلتیں اور کامچوریاں ایک اتل قلیل مدت کے اندر خدا کے وبال کو دعوت دیتی ہیں، پھر جب اُنکی بدکاریوں کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو پورے تامل کے بعد خدا کا اٹل حکم نافذ ہو جاتا ہے جیسا کہ سورۂ تغابن میں ہے: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (۶۴: ۱۱) اور جسمیں کافروں کے اجتماعی عذاب ہی کا ذکر ہوا ہے۔ تمام قرآن کے طول و عرض میں صرف ایک جگہ (یعنی سورۂ مائدہ میں) 'مصیبت' کا لفظ انفرادی معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر وہاں پر موت کے لفظ سے اُسکی تصریح کر کے متذکرہ صدر کُلیے کو برقرار رکھا ہے: اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ (۵: ۱۰۶)، یعنی "اگر سفر میں ہو اور تمپر موت کی مصیبت آپڑے تو وصیت کرتے وقت کوئی دو غیر مسلم گواہ بھی پیدا کر لو تو کچھ مضائقہ نہیں"۔
الغرض 'مُصِيْبَة' کی قرآنی اصطلاح کے متعلق اس تمام استدلال سے ظاہر ہے کہ اصل کتاب کی آیاتِ زیر بحث میں خدائے عظیم نے اس امر کی تلقین نہیں کی کہ جب تمپر کسی ہمسائے کا خوف طاری ہو، یا غریب اور نادار ہو جاؤ، یا کوئی عزیز مسلمان مرجائے، یا تمہاری تجارت کا جہاز ڈوب جائے تو فوراً "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" کا طلسمی منتر دُہراؤ، بلکہ یہ کہا ہے کہ اے مسلمانو! اسمیں شک نہیں کہ ہم وقتاً فوقتاً تم کو تمہاری مجموعی بداعمالیوں اور غفلتوں کے باعث محکومیت، افتقر و افلاس، بیچارگی، اور شکست و ریخت کی مصیبتوں میں ڈالتے رہیں گے، لیکن اگر تم سچے معنوں میں مسلمان ہوئے تو تم اپنی آبائی غفلتوں، اور ذاتی واماندگیوں کو خیرباد کہکر صبر و استقلال سے ان مصائب کا مقابلہ کرو گے، اور اپنے سروں پر سے یہ آسمانی بلائیں ٹال کر رہو گے۔ اور صحیح معنوں میں مستقل مزاج اور صابر لوگ تو وہی ہوتے ہیں جو مصیبت کو سر پر سوار دیکھکر قانون خدا کیطرف از سرِ نو رجوع کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں (قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) اور جان لیتے ہیں کہ یہ مصیبت ہمارے اپنے ہی کرتوت کی وجہ سے ہی اور خدا سے منحرف ہونے کا نتیجہ ہے۔ ہر سزا یافتہ مجرم یا عتاب زدہ ملازم اپنے آقا کو خوش کرنیکے لیے آئے دن بعینہٖ اسی قطع کا رجوع اختیار کرتا ہے، وہ سزا کے بعد پھر اپنے ناراض حاکم کے حکموں کی تعمیل شروع کر دیتا ہے، اُسکے قانون کی طرف لوٹ آتا ہے، اپنی بداعمالیوں اور غفلتوں سے تائب ہو کر اُسکی صحیح معنوں میں ملازمت اختیار کر لیتا ہے۔ نہ یہ کہ زبان سے کوئی فسون دُہراتا پھرے، اور آقا اس کی خوشامدانہ پر فریفتہ ہو کر اُس کو معاف کرے بلکہ شاباش بھی دے! 'قَالَ' کا لفظ قرآن حکیم میں ایسے موقعوں پر محض مُنہ سے کہنے کے معنوں میں نہیں آتا بلکہ اپنے قول کو فعل سے ثابت کرنا مراد ہوتا ہے۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (۴۱: ۳۰)، یعنی "جن لوگوں نے خدا کو اپنا رب کہدیا، پھر استقامت سے اس قول پر جمے رہے اُنپر فرشتے اُترتے ہیں"۔ یہاں محض مُنہ سے کہنا ہرگز مراد نہیں بلکہ جن لوگوں نے از روئے عمل خدا کو اپنا حاکم اور رازق مان لیا، اُن کا ذکر ہے۔

تشریح سَيِّئَة وَحَسَنَة

'مُصِيْبَة' کی قرآنی اصطلاح کے معانی آج قریب قریب مسخ ہو چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی انسانی لغت اب اُسکے خدائی مفہوم کو ادا نہیں کر سکتی۔ قرآن بذاتِ خود اپنے معانی کا محافظ ہے اور اسی نقطۂ نظر سے سب انسانی لغات سے بے نیاز ہے۔ ایک اور قرآنی اصطلاح جو قریب قریب

اور جمیع مخلوق کا رزق ہے : لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (۳۹ : ۶۳)، وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ (۱۵ : ۲۱)،

۱؎ زمین و آسمان کے خزانوں کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں۔ جسکو خوش ہوکر جو چاہے اُن میں سے بخش دے۔ تو جو لوگ احکام خدا سے منکر ہیں اور اُسکے مطابق نہیں چلتے وہی گھاٹے میں ہیں۔

۲؎ اور اس زمین و آسمان کے اندر کوئی ایسی شے نہیں جسکے ہمارے ہاں خزانے کے خزانے نہ بھرے پڑے ہوں، اور ہم اُنکو اس دنیا میں بھیجتے بھی ہیں تو ایک مناسب اندازے کے ساتھ جو ہمارے علم میں ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۸) سے بظاہر ان کا کچھ تعلق نظر نہیں آتا لیکن اگر بہ امعانِ نظر دیکھا جائے تو سیاق و سباق کلام سے عیاں ہو جائے گا کہ اُن کا انہی مفہوم بھی اجماعی ہی ہے۔ قرآن حکیم اپنے کسی امر و نہی میں اجتماعیت کے گرانقدر اصل اصول کو نظر انداز نہیں کرتا، اور اُنہی اعمال کو حسنات یا سیئات قرار دیتا ہے جن کی تہ میں اجتماعی ترقی یا تنزل کے جراثیم مخفی ہوں۔ نہیں بلکہ از روئے قرآن 'حَسَنَةٌ' انسان کا وہ انفرادی عمل ہے جو خالصۃً اس ارادے کو پیش نظر رکھکر کیا جائے کہ اُسکے کرنے میں اجتماعی فائدہ ہے، اور علی ہذا القیاس 'سَيِّئَةٌ' وہ فعل ہے جسکا تعقل اور استمرار من حیث الجماعۃ نقصان دہ ہے' اور اسی لیئے اسکے عامل کی نیت اپنی جماعت کے بارے میں درست نہیں۔ **اعمال کا نیات** کے ساتھ لازم ملزوم ہونا اسلامی فلسفۂ عمل کا وہ جزو لاینفک ہے جو ہر صاحب نظر پر ظاہر ہے۔ دنیا کی بیدار اقوام کے سب افراد ہمیشہ سے تمام حسنات اسی مستقل پیش نہاد کو سامنے رکھکر کرتے آئے ہیں، اور یہی مطمح نظر جب رفتہ رفتہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو قوم میں بلاتحسس نتائج 'سَيِّئَات' شروع ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ اکثر 'حَسَنَات' بھی 'سَيِّئَات' بن جاتی ہیں جیسا کہ آجکل زکوٰۃ ہے کہ بیہودہ اور منتشر طور پر خرچ کرنے سے مسلمانوں کو قوت دینے کی بجائے ان میں گداگروں کی جماعت پیدا کرکے ضعف پہونچا رہی ہے۔ اس اہم موضوع کے متعلق اسلامی فلسفۂ عمل کے تحت میں مستقل بحث کی گئی ہے جو تیسری مجلد کے شروع میں آئے گی۔ سرِدست صرف اسقدر دکھلانا مقصود ہے کہ 'حَسَنَةٌ' کی صحیح تعریف از روئے قرآن یہ ہے کہ اس سے کسی **مستقل اجتماعی زبون حالی (یعنی السَّيِّئَة)** کا دفعیہ ہو۔ مثال کے طور پر اگر ایک قوم کے افراد دیانت داری کے اصول پر اسلیئے عمل پیرا ہیں کہ بددیانتی سے اُن کی تجارت کو فروغ نہیں ہو سکتا، اُنکی دنیا میں ساکھ نہیں بیٹھ سکتی، اُن کا کاروبار عالمگیر نہیں ہو سکتا، وغیرہ وغیرہ، تو وہ قوم بلاشبہ ایک سَيِّئَةٌ کا دفعیہ ایک حَسَنَةٌ سے کر رہی ہے، اور اسی لیئے فطرت کے خزانۂ عامرہ سے انعام پا رہی ہے۔ برخلاف اسکے جس قوم کا کوئی مستقل پیش نہاد نہیں رہا، اور اُس کے افراد فرداً فرداً نیک عمل **بلانیت** کر رہے ہیں یا سرے سے قوم کے بہ انجام سے غافل ہو کر بدیاں کر رہے ہیں تو قرآن کے رو سے یہ حالت کچھ داخل حسنات نہیں۔ سورۂ رعد میں ہے :

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (۱۳ : ۲۲)

لوگو! صاحب علم و نظر تو وہ لوگ ہیں ('اُولُوا الْاَلْبَاب' کا ترجمہ جو آیہ (۱۳ : ۱۹) میں ہے) جو اپنے پروردگار کی خوشنودی کی خاطر مستقلاً کو اپنا دستور العمل بنا لیتے ہیں (صَبَرُوا) جو 'الصَّلٰوة' کو قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انکو دے رکھا ہے اُسمیں سے ایثار مال در پردہ اور علی الاعلان کرتے ہیں، اور اپنی اجتماعی بدحالی کا دفعیہ مناسب اعمال کے ذریعے سے کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی دنیا یعنی دنیاوی معاشرت (الدَّار) کا انجام (عُقْبٰى) اچھا ہی اچھا ہے۔

'الصَّلٰوة' کی اجتماعی خوبیوں، اور ایثار مال کے اجتماعی فوائد کے متعلق اصل کتاب میں بحث ہو رہی ہے، اور آیندہ کئی ورق اسی اہم موضوع کے لیئے وقف ہیں، تاہم اس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ 'صبر' 'اقامت الصلوٰۃ' 'انفاق مال' 'دفاع سیئات' سب کے سب **اجتماعی اعمال** ہیں جنکا اجتماعی حالت کو درست کرنے کی نیت سے کیئے جانا مقصود ہے۔ یہی مضمون قریب قریب سورۂ قصص[۱] (۲۸ : ۵۴) میں ہے، اور وہاں بھی یہی مجموعی

۱؎ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (۲۸ : ۵۴)

رہ کر لڑا کرتے تھے: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ (۶۱: ۴)؛ نہیں! وہ زمین و آسمان کے خزانوں اور ملاءِ اعلیٰ کے گنجینوں کا مالک خدا، جس کے قبضے میں کائنات عالم کی مقالید

ہے بیشک خدا انہی لوگوں کو پیار کرتا ہے جو اسکی حمایت اور محبت میں صف باندھکر لڑتے ہیں اور ایسے جمے رہتے ہیں کہ گویا ایک دیوار ہیں جسمیں سیسہ پلا دیا گیا ہے۔

(بقیہ گت الستن صفحہ ۱۲۷) ظَلَمُوا مِنْ هٰؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا، وَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ (۳۹: ۵۱) یعنی "تو اُن لوگوں کو اُن کی بداعمالی کے بُرے نتائج اجتماعی بدحالیوں (سَيِّئَاتُ) کی صورت میں پہنچے، اور ان اہل مکہ میں سے بھی جو لوگ صدود سے تجاوز کر رہے ہیں (ظَلَمُوا) اُن کو بھی اُن کے اعمال کے بُرے نتائج قومی زبون حالی کی صورت میں عنقریب پہنچنے والے ہیں، اور یہ لوگ ایسے طاقتور تو ہیں نہیں کہ ہم کو عاجز کر دیں۔" اس موقع سے ذرا پہلے سَيِّئَاتُ کو پھر اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے: وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (۳۹: ۴۸)، یعنی "پھر ان لوگوں کو اپنے کرتوت کے بُرے نتیجے اجتماعی شکست و ریخت (سَيِّئَاتُ) کی صورت میں ظاہر ہو گئے، اور جس سزا کو یہ لوگ ہنسی مخول سمجھ رہے تھے اُن پر آ نازل ہوئی۔" یہاں بھی سَيِّئَات سے مراد بصراحت تمام وہ فقر و افلاس، خوف کا ماحول، اور ذلت و مسکنت ہی جو اقوام عالم کو اُن کی غفلتوں اور بداعمالیوں کی پاداش میں ملتا ہے۔ اس سے مقصود گناہ نہیں جس کا عملی مفہوم آج شرعی اصطلاح بن کر کچھ بے معنی سا ہو گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ ہود میں سَيِّئَات کا یہ عالی مفہوم اور بھی واضح ہے: وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي (۱۱: ۱۰)، یعنی "اگر انسان کو کسی تکلیف کے پہنچنے کے بعد ہم نعمائے الٰہی کا تھوڑا سا مزا چکھا دیں تو معاً اپنے دلمیں یقین کر لیتا ہے (لَيَقُولَنَّ) کہ اب (ہمیشہ کے لیے) میری سب خستہ حالیاں مجھ سے دور ہو گئیں۔"

(ب) ان مثالوں سے قطع نظر قرآن حکیم میں كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ اور عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ کے معنی خیر جملے بھی استعمال ہوئے ہیں جن کا صحیح مفہوم قوم کے افراد کا اُن مجموعی گناہوں، اور بداعمالیوں میں مبتلا ہونا ہے جسکا نتیجہ اجتماعی شکست و ریخت ہی۔ یہاں پر صرف دو مثالیں پیش کر دی جاتی ہیں۔ سورۂ یونس میں ہے: وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا، وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ (۱۰: ۲۷) یعنی "جس قوم نے بداعمالیاں کمائیں تو یاد رکھو کہ بُرے عمل کا ویسا ہی بُرا نتیجہ ہے، اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ اُس قوم پر ذلت چھا رہی ہو گی۔" گویا ازروئے قرآن سَيِّئَات وہ اجتماعی بداعمالیاں (مثلاً تفرقہ اندازی، بدنظمی، بددیانتی وغیرہ وغیرہ) ہیں جن کا نتیجہ قوم کی بدحالی ہے۔ رہی یہ بات کہ اس آیت میں اس دنیا کی جزا و ذلت کا ذکر ہے، آخرت کی سزا کا مذکور نہیں، اس کا ثبوت تیسری مجلد میں آئے گا جہاں تمام رکوع کا مربوط ترجمہ کر دیا ہے۔ سورۂ قصص کے آخری رکوع میں آخرت کی جزا و سزا کے بارے میں ہے: مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا، وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۲۸: ۸۴)، یعنی "جس شخص نے اپنی جماعت کے حق میں ایک بھلائی کی تو اُسکو اس بھلائی سے بہتر اجر دیا جائے گا، اور جس نے اپنی قوم کو کوئی گزند پہنچایا تو بداعمالیاں کرنے والے لوگوں کو تو اُن کے اعمال کے مطابق ہی سزا ملیگی۔" گویا كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ کے قرآنی معانی قومی بدحالی کو اپنے ہاتھوں خریدنا، اور عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ کا صحیح مفہوم اس بدحالی اور ذلت کے لیے عمل کرنا ہے جیسا کہ آج قریب قریب ہر مسلمان اپنی قوم کے لیے اہتمام اور سعی کر رہا ہے۔ ایک اسی قطع کی قرآنی اصطلاح مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ ہے جو سورۂ نحل میں واقع ہوئی ہے: أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ (۱۶: ۴۵)، یعنی "تو کیا وہ لوگ جنہوں نے اس کارگاہ سعی و عمل میں بداعمالیوں اور غفلتوں کا جال بچھا رکھا ہے (مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ) فی الحقیقت اس امر سے بیخوف و خطر ہو گئے ہیں کہ خدا کسی دن اُن کو زمین سے دھسا مارے یا اُنپر کوئی اور عذاب اُدھر سے آنازل ہو جدھر سے اُن کو سان گمان تک نہ ہو۔" گویا مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ سے مراد اجتماعی غفلتوں کا پے در پے مجرم بننا، لیکن مکر و ریا سے یہ سمجھنا کہ درا صل کسی جرم کا ارتکاب نہیں ہو رہا، جیسا کہ آجکل عالم اسلام میں ہر جگہ ہو رہا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ قرآن حکیم میں بعض اوقات حَسَنَة اور سَيِّئَة کے الفاظ بادی النظر میں انفرادی نیکیوں اور ذاتی برائیوں کے لیے مستعمل نظر آتے ہیں۔ معاشری خصوصیات

رہا کرتا تھا، اور اِس بروقت مالی امداد کے صلے میں چند سکّوں کے بدلے، جنّت کے نظر فریب

(بقیہ سخت المتن صفحہ ۱۳۰) اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (۶ : ۱۶۰) یعنی اے پیغمبرؐ جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے، تمہارا اُن سے کچھ تعلق نہیں ہے، اُن کا معاملہ خدا کے حوالے ہے وہ خود ہی انکو دردناک سزائیں دے گا اور اس وقت ان کے بداعمال کا نتیجہ موبمو بتلادے گا جبکہ شکست وریخت اُن کے سروں پر چھا رہی ہوگی"۔ مُعافیصلہ کردیتی ہے کہ حَسَنَةٌ اور سَيِّئَةٌ کے الفاظ بالتخصیص اِسی اتحاد اور فرقہ بندی کے متعلق استعمال ہوئے ہیں جو ایک اجتماعی عمل ہے، اور ایسے ہی دوررس اور نتیجہ خیز اجتماعی نیکیوں کے متعلق خدائے زمین و آسمان نے دس گُنا ثواب مقرر کیا ہے۔ نہ یہ کہ اگر کسی راہ چلتے گدیہ گر کو دو پیسے دیدیئے جائیں تو خدا سے بیس پیسوں کا امیدوار انسان ہوجائے۔ علیٰ ہذا القیاس سورۂ نمل کے اخیر میں الْحَسَنَة کو اِسقدر جلیل القدر اور لائق الطاف واکرام عمل قرار دیا گیا ہے کہ قیامت کی نفسانفسی اور کس مپرسی کے دن اُس ایک الحسنۃ کا عامل سب جزع وفزع سے امن میں ہوگا، اور ایک السّیئۃ کا کرنے والا اوندھے مُنہ جہنّم میں دھکیل دیا جائے گا: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ۝ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (۲۷ : ۸۹ - ۹۰) یعنی جس متنفس نے قیامت کے دن الحسنۃ کو اپنی شفاعت میں پیش کیا تو اسکو اُسکے عمل سے بہتر اجر دیا جائے گا اور ایسے لوگ اُس دن قیامت کی تمام جزع وفزع سے امن میں ہونگے، اور جو السّیئۃ کو اپنے ساتھ لایا تو ایسے لوگ اوندھے مُنہ دوزخ میں دھکیل دیے جائینگے اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ کیا یہ دردناک سزا تم لوگوں کو ماسوا تمہارے اعمال کے کسی اور جرم کی پاداش میں مل رہی ہے"۔ اِن آیات الٰہی سے ظاہر ہے کہ الحسنۃ کا معیار از روئے قرآن کسقدر بلند ہے۔ آج لوگوں نے نیکی کا معیار اِسقدر پست متصور کرلیا ہے کہ ادنیٰ سی اور بے نتیجہ نیکیاں کرکے دس گُنا ثواب کے منتظر رہتے ہیں اور اِس نارواز عم میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہتے ہیں۔ قریب قریب یہی بات سورۃ المومن (۴۰ : ۴۰) میں ہے مگر اسکے اعادے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ قرآن حکیم کی کل کائنات میں صرف دو یا تین موقعے (۶ : ۱۶۰، ۴۰ : ۴۱، ۳۴ : ۳۷)، (۲۳ : ۹۶) ہیں جہاں بادی النظر میں سَيِّئَةٌ یا حَسَنَةٌ کے الفاظ انفرادی معانی میں استعمال ہوئے ہیں مگر جس وقت اُن آیاتِ الٰہی کا ربط اصل کتاب میں ظاہر کردیا جائے گا تو عیاں ہوجائے گا کہ اُن موقعوں پر بھی اِن قرآنی مصطلحات کا بلند معیار بدستور قائم ہے۔

اِس تمام طول وطویل بحث وتمحیص سے جو اوراق میں سَيِّئَةٌ اور حَسَنَةٌ کے الٰہی مفہوم کے متعلق ہوئی ہر نوع یہ ظاہر ہے کہ سَيِّئَةٌ کے معانی بھی "مُصِيْبَةٌ" کی قرآنی اصطلاح کی مانند دنیاوی اور اجتماعی بدحالی کے ہیں۔ جو سزائیں اقوام عالم کو اس دنیا میں قانون خدا سے منحرف ہونے، اور ذاتی غفلتوں کے تسلسل میں ملتی ہیں، اُن کے لیئے قرآن نے لفظ 'سَيِّئَات' تجویز کیا ہے۔ اِسی لحاظ سے جہاں جہاں قرآن میں "نُكَفِّرْ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ" یا "لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ" وغیرہ کے الفاظ ہیں انکا صحیح مفہوم یہ ہے کہ "ہم اُن کی تمام اجتماعی بدحالیوں اور خانہ بربادیوں کو دُور کردینگے"۔ نہ یہ کہ "ہم اُن کے گناہوں کو معاف کردینگے"۔ جس کے معنی عملاً غیر محدود ہیں کیونکہ کسی شخص یا قوم کو پتہ نہیں لگ سکتا کہ اسکے گناہ درحقیقت معاف ہوئے ہیں یا نہیں۔ اکثر شارحین قرآن نے اِن الفاظ کا بے معنی اور بے نتیجہ سا ترجمہ کردیا ہے اور حقیقت سے دور جا پڑے ہیں۔

'سَيِّئَةٌ' کے لفظ پر طول وطویل بحث آیہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (۲ : ۱۵۶) صفحہ ۱۲۳ کے تحت میں اِس لیئے کی گئی ہے کہ صفحہ ۱۲۴ کے متن کی آیہ (۳ : ۱۹۴) میں لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے الفاظ آچکے ہیں اور سَيِّئَةٌ کی تشریح نہیں ہوسکتی تھی جبتک کہ 'مُصِيْبَةٌ' کی تشریح نہ کردی جاتی۔ بہرنوع ظاہر ہے کہ اس آیت میں مراد یہ ہے کہ جن لوگوں اور قوموں نے میری راہ میں قتال کیا اور قتال کرتے کرتے ترک وطن پر مجبور ہوئے، میں اُن کی اجتماعی بدحالیوں کو دور کرونگا، اور انکو ایسے باغوں اور سرسبز زمینوں (جَنّٰتٍ) کا بادشاہ بناؤنگا جن کے تلے نہریں بہتی ہونگی۔ ضمناً یہاں جَنّٰتٍ کے معانی کی بھی تشریح ہوگئی۔ اگرچہ جَنّٰتٍ کے متعلق مکمل بحث تیسری مجلد کے چھوڑ دی گئی ہے۔ جو شخص اِس قتال میں بچے رہے اُن کے لیئے زمین کے جنّات کی بادشاہت، اور جو مارے گئے اُنکے لیئے آخرت کے

اِن فاقہ مست اور گدیہ گر عرب کے مال و متاع کا محتاج اور قرض حسنہ کا امیدوار کیوں

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۹) جدّ و جہد مراد ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یہود کے سیاسی مدّ و جزر اور اجتماعی عروج و زوال کی توجیہ کے بارے میں خدائی ارشاد ہے:

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۚ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۚ (۱۷: ۶-۷)

پھر اے بنی اسرائیل کے نافرمانبردار لوگو! ہم نے زبردست حکمرانوں کو تم پر حاکم بنا دینے کی سزا کے بعد (دیکھو آیہ (۱۷: ۵)) تم کو اُنپر غلبہ دیکر تمہیں باری دی، مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی، اور تم کو بڑے جتھے والے بنا دیا۔ اور ہم نے بار بار گر تم پر عیاں کر دیا کہ اگر تم نے حُسن عمل سے اپنی اجتماعی حالت درست کر لی (اِنْ اَحْسَنْتُمْ)، تو اس کا فائدہ تمی کو پونہچا (اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ)، اور اگر اس سے پیشتر تم نے بُرے عمل کر کے اپنے آپ کو غیر کا محکوم بنا لیا تھا (اِنْ اَسَاْتُمْ) تو اس کا نقصان بھی تمی کو ملا تھا (فَلَهَا)۔

یہاں صاف طور پر رب زمین و آسمان کی لغت میں حُسنِ عمل (الْحَسَنَاتِ) سے مراد اجتماعی بیداری اور قومی احیاء کے وہ متعارف اعمال ہیں جنکا اٹل نتیجہ غلبۂ قوم ہے، اور سُوءِ عمل (السَّيِّئَاتِ) قومی اخلاق کا وہ انحطاط عمیم ہے جس کا نتیجہ محکومیت اور غلامی ہے۔ جن لوگوں نے حسن عمل سے مراد نہانخانوں میں بیٹھکر تسبیحیں چلانا سمجھ رکھا ہے اُن کے لیئے یہ آیات از بس سبق آموز ہیں! بنی اسرائیل کی قوم نے اپنے ظالم حاکموں (نہیں بلکہ خدا کے سخت گیر اور بارعب بندوں عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ (دیکھو آیہ (۱۷: ۵)) سے نجات، اعتکاف خانوں کے اندر تسبیحیں پھیر پھیر کر حاصل نہیں کی تھی، وہ لامحالہ تیغ و تفنگ لیکر باہر نکلے ہونگے۔ ایمان کی اٹل قوتیں اُنکے دلوں میں موجزن ہوئی ہونگی۔ اتحاد، صبر، ایثار مال وغیرہ ان کا مذہب عمل بن گیا ہوگا، پھر رب غفور و رحیم نے انکے اِس حُسنِ عمل کو دیکھکر اُن کے گذشتہ گناہ، معاف کر دیئے ہوں گے، اور یہ بادشاہت کا حاصل ہونا ہی خوشنودیٔ خدا کی علامت تھی! مال و اولاد کی کثرت (اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ)، اور اُن کا جتھ غفیر ہو جانا (وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا)، بھی کچھ تسبیحوں کے زور سے نہ تھا، یہ سب افضال الٰہی عروس سلطنت کی وہ ادنےٰ کنیزکیں ہیں جو ہاتھ باندھے ہوئے اس کے جلو میں ہر وقت حاضر رہتی ہیں، اور ہر اُس قوم کے گھر کا اُجالا بن جاتی ہیں جسکی میہمانی عروس بادشاہت قبول کرے! جو قوم اِس کارگاہ عمل میں اپنی بہتری کے لیئے حتی الامکان ہاتھ پیر مار رہی ہے، جو سعی و عمل کی دوست ہے، آزاد اور زندہ آور ہے، جو اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ ہے، وہی اَحْسَنْتُمْ کی مصداق ہے، وہی قانون خدا کی پابند ہے، وہی خدا کی عملاً غلام ہے، وہی عبادت، کا حق ادا کر رہی ہے، وہی عِبَادًا لَّنَآ ہے! منکوں کو ہاتھ میں پہیر پہیر کر رواں کرنیسے خدا کی بندگی ہرگز نہیں ہو سکتی! اسکے لیئے ملازم ہونا شرط ہے، کام کرنا شرط ہے، متفق اور متحد ہو کر ہاتھ پیر مارنا شرط ہے! لیکن اس موضوع کو یہاں پر طول دینا بہت کچھ پیش از وقت ہے۔

(ج) 'سَيِّئَةٌ' اور 'حَسَنَةٌ' کے متعلق متذکرۂ صدر بحث سے جو (الف) اور (ب) کے ماتحت ہوئی اسقدر ظاہر ہے کہ جہاں آیاتِ مشمولۂ (الف) میں اِن اصطلاحوں سے مقصود اجتماعی بدحالی اور قومی خوشحالی ہے، وہاں آیات مذکورہ (ب) میں اِن سے مراد وہ اعمال ہیں جو اجتماعی بدحالی اور خوشحالی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں اور جن کا انجام بادشاہت اور تسلط فی الارض یا محکومیت اور غلامی ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے کلام الٰہی میں جہاں جہاں یہ الفاظ آئے ہیں وہاں مراد یہی طاقت اندوز یا شکست انگیز اعمال ہیں اِس سے کمتر قطعاً کچھ نہیں۔ سورۂ انعام کے آخری رکوع میں ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (۶: ۱۶۰)، یعنی جو متنفس اِس کارگاہ سعی و عمل سے ایک 'حَسَنَة' کما لایا تو اُسکو اُس جیسی دس 'حَسَنَات' انعام میں ملیں گی اور جس نے اپنی جماعت کے حق میں کوئی شکست انگیز عمل کیا تو اسکو صرف اسیقدر سزا ملے گی جسقدر اُس نے شکست و ریخت کی تھی، اور اُنپر زیادتی تو کسی صورت میں نہ ہوگی" یہاں بادی النظر میں محاکمہ عام معلوم ہوتا ہے اور خیال میں آتا ہے کہ کسی خاص نیکی کی تخصیص نہیں کی، لیکن اِس سے پہلے کی آیت: اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ

قرض حسنہ کی چند در چند واپسی کا کیوں اقرار کرتا تھا؟

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۲) قدم بقدم چلنے کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے۔ یہی مقصود نبی کریمؐ پر درود بھیجنے سے تھا، اور یہی اسکا ثواب، (فائدہ) ہے مگر واحسرتا کہ یہ رسم بھی اب بے اثر ہو چکی ہے!

رہی یہ بات کہ صَلُّوْا سے مقصود بھیسنہ یہ تھا جو اوپر بیان ہوا، اور صَلُّوْا کا عمل صرف پیغمبر خدا ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ہر درجہ تحسین شخص اس کا مستحق ہے، اور اُس زمانے میں تھا جب کہ قرآن وحی کیا جا رہا تھا، اس کا ثبوت سورۂ توبہ کی ایک آیت سے ہوتا ہے جس میں منافقین عرب پر درود بھیجنے کا حکم رسولؐ خدا کو دیا گیا ہے!:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۹: ۱۰۳)

اے پیغمبر! ان مشکین اور منافقین عرب سے اُنکے مال میں سے کچھ شئے بطور صدقہ لے لیا کرو (کہ یہ صدقہ بادی النظر میں اُنکی مزعومہ قلبی کیفیت کی تصدیق کرتا ہے (دیکھو صدقہ کی تعریف تحت المتن صفحہ ۱۱۷)، تم یہ طریقہ اختیار کر کے فی الحقیقت اُن کے دلوں کو محبت ماسوی سے پاک صاف کر دو گے (تُطَهِّرُهُمْ) اور اُن کے نفسوں کو آلایش حُبِّ زر سے مبرّا کر دو گے (تُزَكِّيْهِمْ) اور یہی نہیں بلکہ اُن کا شکریہ ادا کرو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) اُنکو اس ایثار مال کے عوض میں تحسین و آفرین کہو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) اُنکو دعائے خیر دو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) کیونکہ تمہاری شاباش (صَلٰوتَكَ) اُنکے لیے موجب طمینان ہوتی ہے اور اُنکو ان سے بھی اچھے کاموں کے کرنے پر آمادہ کرتی ہے، اور یوں تو خدا ہر شخص کے ظاہر و باطن کو سمجھنے والا اور دل کی کیفیات کو خوب جاننے والا ہے۔

اسی سورۃ میں جہاد سے جی چرانے والے منافقین کے بارے میں، وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا (۹: ۸۴) ہو یعنی اگر اپنی موت مریں تو اُنکو ہرگز شاباش کہو۔ اور پھر آگے چلکر اعراب کے

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۹: ۹۹)

اور لوگو! ان بدو اعراب میں سے ایک طبقہ ان لوگوں کا ہے جو خدا کو حاکم اعلیٰ مانتے ہیں اور اُسکے حضور میں روز قیامت کو جواب دہی کرنے پر یقین کرتے ہیں، اور جو ایثار مال وہ کرتے ہیں اُسکو خدا کے تقرب اور رسول کی شاباش (صَلَوٰت) کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اے پیغمبر! ان کے ذہن نشین کر دو کہ یہ مال خرچ کرنا بیشک ان کے لیے باعث تقرب ہے، اور اگر وہ اسی طرح اپنی اجتماعی بہتری کے لیے مال خرچ کرتے رہے تو عنقریب خدا انکو اپنی رحمت میں لے لیگا۔ اسمیں شک نہیں کہ وہ کارکن لوگوں کے حق میں گذشتہ واماندگیوں پر بڑا پردہ ڈالنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

یہاں صاف طور پر صَلَوٰت کا مطلب وہ شاباش اور دعائے خیر ہے جو رسولؐ خدا ایسے مفید کارکنوں کو دیا کرتے تھے اور جو اُن کے لیے باعث ازدیاد اطمینان ہوا کرتی تھی۔ سورۂ احزاب میں قرون اولیٰ کے کارکن اور شہدائے خدا مومنوں پر خدا اور اُسکے فرشتوں کا درود بھیجکر صَلٰوت کی حقیقت کو اور بھی عیاں کر دیا ہے، (اس آیت میں الظُّلُمٰت اور النُّوْر کے صحیح مفہوم پر بحث نہیں آئندہ ترجمہ میں ان اصطلاحوں کا قرآنی مفہوم ادا کر دیا ہے لیکن اسکا ثبوت بعد میں کسی موقع پر آئیگا)

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا (۳۳: ۴۳)

مسلمانو! اُس رب ذوالمنن کے احسان و اکرام کی یہ شان ہے کہ وہ اور اسکی عالم بالا قوتوں کے علمبردار ملائک آج تم خستہ حال اور پیچھے رہے ہوئے اجل زدہ اور نابکار اہل عرب کو اپنی تمام سنعدی کے ساتھ تحسین و آفرین کہہ کہہ کر اس بات پر آمادہ کر رہے ہیں (يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ) کہ تم کو جہالت، غفلت اور ناانجام شناسی کی ظلمتوں سے (مِنَ الظُّلُمٰتِ) نکالکر علم و عمل اور حقیقت کی روشنی کی طرف (اِلَى النُّوْرِ) لے آئیں۔ اور اسمیں شک نہیں کہ وہ بادشاہ زمین و زمان! ایمان لوگوں کے ساتھ بڑا ہی صاحب لطف و کرم رہا ہے۔" (مَلٰٓئِكَتُهٗ کی حقیقت اور اُنکے درود کی کیفیت سے یہاں بحث نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ سے مراد یہاں پر وہ تحسین آفرین ہے جو ایک صاحب رحم اور ہوشمند، ایک عادل اور محسن شخص کسی مصیبت زدہ اور غافل شخص کو اس نیت سے دیتا ہے کہ اسمیں اپنے آپ کو اُس تکلیف سے نجات حاصل کرنے کا حوصلہ اور استعداد پیدا ہو۔ مومنین عرب کے حق میں خدائے بیمثال کے اسی بے اندازہ رحم کو مدنظر رکھکر اس سے پیشتر کی آیت میں فرمایا ہے، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (۳۳: ۴۱-۴۲)

باغات اور نہریں کیوں فروخت کر دیا کرتا تھا، اور پھر ان نعمائے الٰہی کے باوجود اس

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۱) باغ بہشت۔ یہی "ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ" کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ 'مِن' کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ ثواب دنیاوی ہے اور سودا نقد۔ آخرت کا اُدھار مقصود نہیں جیسا کہ شارحین نے بالعموم فرض کر لیا ہے اور اس ناروا فرض کے باعث مسلمانوں کے آگے سے بادشاہت زمین کا وہ اہم نصب العین اور بہترین انعام دور کر دیا ہے جس پر سعی و عمل کا تمام حصر تھا۔

صلوٰت کے مفہوم کی تشریح

آیہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۲: ۱۵۶) کے مطالب کی صحیح تعیین کے بعد جو غور طلب بات لائق شرح و بیان رہ جاتی ہے یہ ہے کہ آیہ (۲: ۱۵۷) صفحہ ۱۲۳ کے الفاظ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ میں صَلَوٰتٌ کا مفہوم بعینہ کیا ہے، نہیں بلکہ مروجہ طریق درود خوانی میں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے کیا معانی ہیں۔ اہل اسلام کی شرعی مجالس میں اور دوسرے موقعوں پر نبی کریمؐ کے نام پر درود بھیجنے، کا طریقہ ابتدا سے رائج ہے، اسمیں ہر مسلمان روز اوّل سے نہایت شدومد سے حصہ لیتا چلا آیا ہے، اور اس درود کا بار بار پڑھنا 'داخل ثواب' سمجھتا ہے۔ صدر اسلام میں یا اسکے کچھ دیر بعد تک جب کہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پڑھایا ہوا سبق ابھی تازہ ہی تھا، اور اسلامی اوامر و نواہی کی حکمت بالغہ ہر مسلمان کے ذہن نشین اسقدر ہو گئی تھی کہ اسکی تعمیل کیلئے عند الضرورت ہزاروں میل چلنا بھی اسکے لیے ناگوار نہ تھا، ممکن ہے کہ کم و بیش ہر مسلمان 'درود' پڑھتے وقت اسکے صحیح مفہوم سے واقف ہو بلکہ اسکو صحیح لہجے اور کیف دل کے ساتھ ادا کرتا ہو لیکن آج جبکہ مسلمانان عالم اسلام کا اکثر درس بھول گئے ہیں، 'درود' کا صحیح مفہوم اور اسکا سچا کیف و حال ذہنوں سے قاطبۃً نکل چکا ہے، اور باقی ملفوظات شرعی کی طرح یہ عمل بھی محض رسمی اور بے نتیجہ رہ گیا ہے۔ آج جب کسی اوسط مسلمان کو درود کے متعلق سوال کیا جاتا ہے کہ وہ کیا ہے، کیوں اور کس لیے بھیجا جاتا ہے، اسکی اصلی حکمت کیا تھی، تو وہ آئیں بائیں شائیں کرتا نظر آتا ہے، اور بالآخر جب تہ تک نہیں پونہچ سکتا تو سب ہتیار ڈالکر کہہ دیتا ہے کہ خدا کے احکام میں عقل کو کچھ دخل نہیں! اسمیں کلام نہیں کہ یہ طریق تخیل کسی حق طلب قوم کے لیے ازبس مہلک ہے، اور فقدان عمل کا راز بھی اسی دم مزن اور لب کمشا حالت کے قیام میں ہے۔ آیہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کی متذکرہ صدر توضیح کے بعد کم از کم یہ ظاہر ہے کہ خدا نے اپنی جناب سے اُن لوگوں کو تحسین و آفرین کہنے کا وعدہ کیا ہے جو کسی اجتماعی مصیبت کو دفع کرنے کی غرض سے قانون خدا کی طرف لوٹ آتے ہیں، اور ایسے ہی کارکن لوگوں کے بارے میں اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ گویا صَلَوٰتٌ سے مراد وہ شاباش اور تحسین و آفرین ہے جو کسی شخص کو کسی پسندیدہ کام کے سرانجام کرنیکے بعد دیجاتی ہے۔ قرآن حکیم میں سرور کائنات پر 'صَلٰوت' اور 'سلام' بھیجنے کا حکم سورۂ احزاب کے ان الفاظ سے ظاہر ہے،

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۳۳: ۵۶)

(لوگو! تم کس ناروا زعم میں ہو اور کیوں آئے دن نئے بہتان باندھکر اور خوابیدہ فتنے جگا جگا کر رسول خدا کو تنگ کرتے ہو حالانکہ اس جلیل القدر نبی کی شان و منزلت ہے کہ وہ زمین و آسمان کا مالک خدا، اور اسکی عالم آرا قوتوں کے علم بردار فرشتے سب کے سب اُسکی حیرت انگیز طاقت عمل، اُسکی صحبت کے دیرپا اثر، اُسکے انقلاب انگیز زود برو شت، اُسکی مقلب القلوب روحانیت پر تحسین و آفرین کے نعرے لگاتے رہتے ہیں (یُصَلُّوْنَ) اور ہر دم اُسکے خیر الورٰے اور سید کائنات ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اپنے اس رہنمائے جلیل پر آفرین کے نعرے لگاؤ (صَلُّوْا عَلَيْهِ) اور اُسپر اپنی تمام اُمت کا سلام بھیجا کرو (سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا) اُسکے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دیا کرو (سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا)۔

مَلٰٓئِكَهٗ کی حقیقت سے یہاں بحث نہیں، نہ اسپر کہ رسول خدا کا وہ کیا رد عمل تھا جس نے ایک عالم کو انگشت بدنداں کر دیا تھا، اسکی حقیقت اصل کتاب میں بتدریج عیاں کر دیجائے گی۔ لیکن یہاں ظاہر ہے کہ نبی پر درود بھیجنے سے مراد کیف دل کے ساتھ اُسکے جلیل القدر کارناموں پر متحیر ہونا، اُس کا نام بر لب آنے پر تحسین و آفرین کے نعرے لگانا، اسکو زندہ باد (سلام) کہنا وغیرہ وغیرہ ہے جیسا کہ آج ہر قوم اپنے رہنماؤں کے دیدار سے مشرف ہو کر کیا کرتی ہے۔ اس عقیدت کیشی کا نتیجہ اکثر یہی ہوا کرتا ہے کہ دل میں اُن کاموں کی عظمت برقرار رہتی ہے، اور ہر شخص کے دل میں کچھ نہ کچھ اس ہستی کے

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۴) مقصود بذات خود وہ اجتماعی اعمال ہیں جن کا نتیجہ قوم کی خوشحالی ہوا کرتا ہے۔ اس آیۂ شریفہ میں 'الخَیْرٰت' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی 'مومن' اور 'مجاہد بالمال والانفس' قوم کو اجتماعی خوشحالی کی بشارت دی گئی ہے (اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ)۔ شارحین نے جو 'خَیْرٰت' سے مراد نیکیاں، اور فلاح کا مطلب 'اُخروی نجات' لے لیا ہے بے معنی ہے، کیونکہ نیک عمل (یعنی جہاد مال و جان) کے بدلے 'نیک عمل' ملنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اور 'فلاح' بھی دنیوی اور اخروی دونوں مقصود ہے، صرف اُخروی نہیں جو نظروں سے تاحال نہاں ہے اور اسقدر محرک سعی و عمل نہیں ہوسکتی جسقدر کہ فوری اجر۔ نہیں بلکہ اجتماعی فلاح کا حاصل ہوجانا، یا اسکی جستجو میں اپنی جان اور مال کو قربان کردینا ہی کسی متنفس کی اخروی نجات کا پیش خیمہ ہے، اور یہی اُس آیندہ اور ابدی نجات کے حاصل کرنے کا صحیح معیار ہے۔ اِس موضوع پر مُدلّل بحث اصل کتاب میں کچھ دیر بعد آئے گی، سردست لفظ 'خَیْرٰت' سے سروکار ہے جسکے معنی ہم نے دنیا کی بہترین اشیاء اور نعمتہائے الٰہی کیے ہیں۔ اس مفہوم کی تائید قرآن حکیم میں کئی موقعوں پر بالصراحت موجود ہے۔ سورۂ مُومنون میں فرقہ بند، مشرک، اور منتشر الاعمال قوموں کے بارے میں ہے: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ○ (۲۳: ۵۵-۵۶) "کیا یہ لوگ اس زعم میں ہیں کہ ہم جو فی الحال مال اور اولاد کی کثرت سے انکی مدد کر رہے ہیں، اُس سے یہ مترتب ہوتا ہے کہ ہم انکو اچھی اچھی اشیاء (الخَیْرٰت) اور نعمتہائے الٰہی (الخَیْرٰت) کے عطا کرنے میں جلد بازی کر رہے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ہم ان کو کچھ اپنے پاس سے دے نہیں رہے، بلکہ اگلے دیئے ہوئے انعام ہی رفتہ رفتہ چھین رہے ہیں"۔ آگے چلکر ایمان والی قوم کے بارے میں ہے: اُولٰٓئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ○ (۲۳: ۶۱) "یہی وہ لوگ ہیں جو فی الحقیقت انعاماتِ خدا (الخَیْرٰت) کے حاصل کرنے میں جلدی کر رہے ہیں (نہ وہ لوگ جن کا ذکر اوپر ہوا (۲۳: ۵۵-۵۶)، اور یہی اُن کو لپک لپک کر پکڑ رہے ہیں"۔ ان دونوں موقعوں پر الخَیْرٰت کے کوئی دوسرے معانی ہو نہیں سکتے، اور مراد صاف طور پر اجتماعی انعام ہیں، انفرادی نہیں۔ سورۂ مائدہ میں علیٰ ہذا القیاس اختلاف کی برائیوں کے ضمن میں ہے:

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ (۵: ۴۸)

اور اے ساکنانِ زمین! اگر خدا اپنی مرضی کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ) تو ضرور تم انسانوں کو ایک اُمت بنا دیتا۔ لیکن یہ صورت اختلاف جو تم نے اپنی خودرائی اور خدا سے برگشتگی کے باعث پیدا کرلی ہے اس سے شارع کائنات کی غرض یہ ہے کہ وہ تم مختلف شدہ امتوں کا امتحان اُن اہلیتوں اور نعمتوں کے بارے میں لے جو اُسنے تم کو دیں (لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ) تو اے انسانی اُمتو! تم اپنے آپ کو اس آزمائش میں کامیاب ثابت کرنے کے لیے خداوند عالم کے بہترین اجتماعی انعامات کی طرف لپکو (فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ)۔ جانے رہو کہ تم سب نے ایک دن خدا کی طرف لوٹنا، اور اُسکے حضور میں اپنے سعی و عمل کی جواب دہی کرنی ہے۔ پھر اُسدن وہ بنی نوع انسان کا خالق خدا تم کو اُس حقیقت حال سے مُطلع کردے گا جسکے بارے میں تم آپس میں اختلاف پیدا کرکے ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہوگئے تھے۔

اِس آیہ شریفہ کے مطالب کے متعلق مکمل بحث صفحہ ۱۹۳ کے تحت المتن میں آئے گی۔ وہاں پر 'لَوْ شَآءَ اللّٰهُ' کا متذکرۂ صدر مفہوم ثابت کردیا جائے گا لیکن ادنیٰ تامل کے بعد صاف ظاہر ہے کہ 'الخَیْرٰت' سے مراد یہاں پر وہ اجتماعی انعامات ہی ہیں جو اقوام عالم کو اُن کے سعی و عمل کے بدلے میں خدا کی جناب سے ملتے ہیں اور انہی انعامات پر قبضہ کرنیکے لیے 'اِسْتَبِقُوْا' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ 'نیکیوں کی طرف لپکنا'، جیسا کہ اکثر شارحین نے سمجھ لیا ہے محض بے نتیجہ و بے ربط ہے کیونکہ سعی و عمل کے متعلق تمام ترغیب و تحریص کسی مستقل انعام کو پیش نظر رکھکر ہوسکتی ہے، سعی بے حاصل کو فی نفسہ مآل سعی سمجھنا محض ایک شاعرانہ تخیل ہے، جس کی حقیقت ازروئے عمل کچھ نہیں۔ یہی مفہوم 'الخَیْرٰت' کا سورۂ فاطر کی اس معنی خیز آیت میں ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (۹ : ۸۸ - ۸۹)

لیکن رسولؐ اور جو لوگ اسکی تائید میں ایمان لاکر اپنے مال وجان سے جہاد کرتے رہے، یہی ہیں جنکو بہتر سے بہتر چیزیں دیجائیں گی، اور یہی کامیاب لوگ ہیں۔ اللہ نے اُن کیلئے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ اُنمیں ایک مدت مدید تک رہیں گے، اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۳۳) یعنی اے ایمان والو! خدا کا اپنے دلمیں احساس کثرت سے کیا کرو، اور صبح وشام اسکی تسبیح وتقدیس کرتے رہو" گویا ایسا محسن، ایسا رحیم، ایسا صاحب لطف وکرم خدا جو تم کو شاباش دے دے کر ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے اور تمہارے حوصلے بڑھا بڑھا کر تم کو حقیقت اور امن، تمکن فی الارض اور بقا کی طرف لاتا ہے اسی کے شایاں ہے کہ ہر دم اس کا کھٹکا اور اسکی یاد دل میں لگی رہے)۔

اِن تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ وہ شرعی ماحول جو لفظ صلِّ علیٰ کے گرد اگرد پیدا ہوگیا ہے خود لوگوں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ قرآن کو اس سے کچھ سروکار نہیں۔ قرآن حسب موقع عام مومنوں بلکہ منافقوں پر درود بھیجنے سے بھی نہیں جھجکتا! ضمناً یہ بھی ثابت ہوگیا کہ الصلوٰۃ، تحمید وتحسین رب العٰلمین ہے۔

اس تمام تصریح کے بعد ضمناً اُس عظیم الشان حکایت کے صحیح مطالب بھی صاف ہوجاتے ہیں جو ہر مسلمان پانچ وقت خدائے جل شانہٗ کے حضور میں سلام پھیرنے سے پہلے بیٹھکر کرتا ہے۔ یعنی اَلتَّحِیَّاتُ اور اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اور اللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے مطالب۔ آج فیصدی ایک نفس بھی اِن تینوں قرأتوں کے مقاصد کی تہ تک نہیں پونہچتا، اور علی الحساب بڑبڑاکر سلام پھیر دیتا ہے۔ الصلوٰۃ کے صحیح مقاصد کے متعلق مفصل بحث اصل کتاب میں آگے آرہی ہے لیکن ظاہر ہے کہ نماز میں حضوریٔ دل نہ ہونیکا بڑا باعث اُسکے صحیح مطالب کو نہ سمجھنا ہے۔ جب ایک شخص نہیں سمجھتا کہ وہ مخاطب کو کیا کہہ رہا ہے اور کس غرض ومطلب کے لیئے کہہ رہا ہے تو اسکا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ وہ اُسکو طوطے کی طرح پڑھکر چھٹکارا اُتار دے اور بس۔ اَلتَّحِیَّاتُ خدا کے حضور میں ہر مسلمان عالم اور عامل کا وہ خراج تحسین آفرین ہے جو وہ نبی کریمؐ کے حیرت انگیز اور جلیل القدر کارناموں کو ذہن میں لاکر دن میں پانچوقت ادا کرتا ہے، وہ رب ذوالجلال کی جناب میں طمینان سے بیٹھکر سب سے پہلے اس آقائے ذوالمنن کی نعمتوں کا مُقر ہوتا ہے (اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ)، پھر اس رسول اعظم کے اعمال کو جنے تیئیس برس کی اقل قلیل مدت میں ایک جاہل اور اُجڈ قوم کا باوا آدم بدلکر انکو روئے زمین کے اکثر حصے کا بادشاہ بنادیا تھا، سراہتا ہے، اُسپر رحمت اور برکت بھیجنے کی سفارش کرتا ہے، اُسکو اعظم الناس سمجھتا ہے (اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ)، پھر اپنے آپ کو اُسی جلیل القدر رہنما کا ایک پیرو، اور اُمت وسطیٰ کا ایک کارکن شمار کرکے اُس شہداء علی الناس اُمت[1] اور اسکے صالح العمل ارکان پر سلام بھیجتا ہے (اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ)، بعد ازاں خود اپنے دن بھر کے کارناموں اور اعمال کو نہایت عاجزی سے خدائے زمین وآسمان کے حضور میں پیش کرکے اپنے آپکے شاہد خدا ہونے اور اُس رسول کے اُمتی ہونے کا مُقر ہوتا ہے (اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ) اسکے بعد اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اور بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ ہے۔ پھر خدا کے ساتھ کئی لمحوں کی حضوریٔ دل، اور خلق خدا سے قطع تعلق کے بعد باشندگان زمین کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ کا نعرہ دائیں بائیں ہے، اور نہایت ادب سے اُسکے حضور سے اُٹھ جاتا ہے۔ یہ نماز ہے اگر اسی کیفیت کیساتھ ادا ہو تو کچھ معنی رکھتی ہے، نتیجہ خیز ہے، ورنہ ایک بے اثر اور بے ثواب رسم ہے جسکو لاکھ بار کرنیسے کچھ نتیجہ مترتب نہیں ہوسکتا۔ انسان جو چاہے فرض کرلے مگر اس کارخانۂ قدرت کے اندر وہی شے نتیجہ خیز ہے جو واقع الامر ہے۔ فرض اور ظن کو اسکے اندر کچھ دخل نہیں!

† 'الحسنات' کی تشریح صفحہ ۱۲۶ کے تحت المتن میں سَیِّئَۃٌ اور سَیِّئَات کی شرح وبسط کے ضمن میں ہوچکی ہے اور وہاں پر ثابت کردیا ہے کہ 'حسنات' کا اسی مفہوم وہ اجتماعی برکتیں اور خوشحالیاں ہیں جو اُمتوں کو اُن کے حسن عمل کے انعام میں ملا کرتی ہیں، نیز یہ کہ بعض موقعوں پر حَسَنَۃٌ سے

[1] دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۵۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ○ (۵۷: ۱۱)

کون ہی جو اپنے مال کا بہترین حصہ خدا کا نام بلند کرنے کی خاطر صرف کرے، اور پہر خدا بھی اسکے واسطے اسکو چند در چند کر دے، اور ساتھ ہی اُسکو اُسکی خدمت کا باعزت اجر دے۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْہُ لَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ شَکُوْرٌ حَلِیْمٌ ○ ✝ (۶۴: ۱۷)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۶) مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ وَمَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ یُّکْفَرُوْہُ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ○ (۳: ۱۱۳-۱۱۴)۔ یعنی یہ یہود و نصاریٰ اسقدر باایمان لوگ ہیں کہ 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کی دعوت میں مصروف رہتے ہیں، اور مفید جماعت اعمال کی طرف لپک لپک کر پونہچتے ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جو دراصل 'صالح' کہلائے جانیکے مستحق ہیں۔ اور یہ لوگ کوئی بھی مصلح قوم عمل (مِنْ خَیْرٍ) کریں ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ اُن کے اُس عمل کی قدر نہ کی جائے گی، اور خدا تو اپنے قانون سے ڈرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔" یہاں 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر'، 'صالحین'، 'متقین' وغیرہ اصطلاحات قرآنی کے صحیح مفہوم سے بحث نہیں لیکن ظاہر ہے کہ 'الخیرات' سے مراد اجتماعی جد و جہد ہی ہے، اعتکافی عمل نہیں کیونکہ 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کی دعوت خانہ نشین رہ کر نہیں ہو سکتی۔ اور یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ کا عمل بھی اسی ضمن میں ہی۔ سورۂ بقرہ میں تحویل شدہ قبلہ کو مرکز اُمت گرداننے کی بحث کے بعد الٰہی ارشاد ہے: وَلِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ (۲: ۱۴۸)، "اور مسلمانو! تمہیں یاد رہے کہ اس کارگاہ اتحاد و اتفاق میں ہر قوم اور ہر اُمت اپنے لیے کوئی نہ کوئی سمت اتحاد تلاش کرتی ہی (وَلِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ)، اور پہر جب وہ لوگ کسی ایک مرکز کو مقرر کر لیتے ہیں تو سب کے سب طبعاً اسکی طرف رجوع ہو جاتے ہیں (ھُوَ مُوَلِّیْھَا)، تو اے مسلمانو! تم بھی اس کلیے کو پیش نظر رکھکر قوت افزا اور طاقت اندوز اعمال کی طرف لپک لپک کر پونہچو (فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ) اور تقرر قبلہ کے متعلق جو بات سب سے اہم اور نتیجہ خیز ہے یہ ہے کہ تم روئے زمین کے کسی گوشے میں ہو، اور کسی طرح پر بکہرے ہوئے ہو خدا تم کو اس ترکیب سے مجتمع کر دیا کریگا، اور دوسری قوموں کے بالمقابل تمہارے مجموعی رعب و وقار کو برقرار رکہیگا، جانے رہو کہ خدا ہر شئے پر قادر ہی۔" 'الخیرات' کا مفہوم یہاں پر اسقدر اظہر من الشمس ہے کہ اسکے لیے کسی مزید بحث کی ضرورت نہیں۔

الغرض ان تمام آیات الٰہی کے غائر مطالعے کے بعد یہ مستنبط ہو جاتا ہی کہ 'خیرات' کی جامع و مانع اصطلاح کا الٰہی مفہوم بھی حسنات کی طرح وہ اجتماعی انعامات ہیں جو منعم حقیقی اقوام عالم کو اُنکے حسن عمل کے صلے میں عطا فرماتا ہی۔ جو اعمال اُن انعامات ملنے کا پیش خیمہ ہیں وہ بھی از روئے قرآن الخیرات میں داخل ہیں خواہ اُنکی جزا اجتماعی انعام کی صورت میں عامل کی حین حیات میں ملے یا نہ ملے۔ اسلام کے رو سے سب سعی و عمل جماعت کی بہتری اور تقویت کے لیے ہی ہے۔ جو عمل اس دنیا میں اسطرح پر نتیجہ خیز نہیں وہ داخل خیرات و حسنات نہیں، جو بہبودی قوم کی نیت سے کیا نہیں گیا وہ داخل سعی و عمل ہرگز نہیں۔ انفرادی جد و جہد اور اجتماعی حسن عمل کا یہ وہ عالم انگیز فلسفہ تہا جسکی صحیح تعلیم نے قرون اولیٰ کی اسلامی جماعت کے ہر فرد میں اضطراب عمل اس حد تک پیدا کر دیا تہا کہ لوگ برسوں اور عمروں تک ایک امیر اور ایک نظام، ایک جماعت اور ایک مرکز کے ماتحت سر بکف اور تیغ بہر پھر پھر کر بھی اپنے آپ کو 'اسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ' کا مصداق نہیں سمجھتے تھے، اور آج جبکہ وہ نبوی اور الٰہی درس ذہنوں سے قطعاً نکل چکا ہے، انحطاط عمل کی یہ حالت ہی کہ کسی بھک منگے کو دو پیسے دیکر، یا تسبیح پر چند بار نام خدا رٹ رٹ کر 'اِسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ' کے مصداق اور جنت کے حقدار بنے بیٹھے ہیں، مگر ہوشمند نظروں میں آج 'نیکی' کے اس پست تخیل کا نتیجہ عالم اسلام کے حق میں یہ پست کن ثابت ہوا ہی کہ جہاں قرون اولیٰ کے نکوکار مسلمانوں کو روئے زمین کی بادشاہت انعام میں ملی تھی وہاں زمانۂ حال کے نسیہ پسند تسبیح برداروں اور صالح العمل "پاکبازوں" سے سلطنتیں چہینی جا رہی ہیں اور ذل و مسکنت سب طرف سے یوں لبیک کہہ رہی ہی کہ پیٹ بہر کر کھانے کو نہیں ملتا! فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ۔

✝ اس آیہ کریمہ، اور پیشتر کی آیات (۵۷: ۱۱)، اور (۲: ۱۴۵) میں "قَرْضًا حَسَنًا" کے الفاظ آئے ہیں۔ عوام نے اس سے مراد خدا کے نام پر زکوٰۃ بطور 'قرض حسنہ' دینے کے لے لیے ہیں۔ ہم نے ترجمے میں ایک حد تک یہی صورت برقرار رکھی ہے لیکن اگر تامل سے دیکہا جائے تو یہاں پر ایثار مال کی

اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ○ (۲ : ۱۴۴-۱۴۵)

اور خدا کا بول بالا کرنیکے ضمن میں اگر دشمن سے لڑائی کی نوبت بھی آپہنچے تو قتال کرو، اور خوب جان لو کہ خدا تمہارے ارادوں کو بڑا سمجھنے والا، اور تمہارے اعمال کو بڑا جاننے والا ہے۔ کون ہے جو اللہ کو خوش دلی کے ساتھ قرض دے، اور پھر خدا اُس قرض کو اسی کے لیے کئی گنا بڑھا دے۔ تنگ دست کرنا یا کشائش دینا بالآخر خدا ہی کے اختیار میں ہے، اور اُسی کیطرف تم بالآخر رجوع کرتے ہو۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۵) الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ۚ (۳۵ : ۳۲)، یعنی "اے لوگو! پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے جس قوم کو اہل سمجھا (یعنی مسلمانانِ قرونِ اولیٰ) اُسکو قانونِ خدا (الکتٰب) کا وارث ٹھیرایا، تو اُن (کی آیندہ نسلوں) میں سے کوئی اُمت ایسی ناخلف ہوگی کہ بداعمالیوں سے اپنے آپ کو ہلاک کرے گی (ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ) اور کوئی ایسی بھی ہوگی کہ اپنے اوسط درجے کے سعی وعمل سے ہلاکت اور عروج کے بین بین رہے گی (مُقْتَصِدٌ) اور کوئی ایسی بھی ہوگی جو اپنے انتہائی جہد وعمل سے خدائے عظیم کے عطا کردہ انعاموں کی طرف لپک لپک کے پونہچے گی (سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ)، اور یہ آخری حالت کا قائم ہوجانا انتہائے فضل وکرم ہے"۔ یہاں 'سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ' کے ساتھ 'بِاِذْنِ اللّٰهِ' کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ وہ اجتماعی انعام خدا کے حکم سے ملیں گے۔ خدا کے حکم سے نیکیوں کی طرف لپکنا کچھ بے معنی سا ہے، اور یہاں استعارہ بظاہر اُس حالت کو پیش نظر رکھکر لیا گیا ہے جب منعِم کسی انعام کی بخشش کے لیے اذن دیتا ہے اور منعَم علیہ اسکے لینے آگے کو لپکتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ کے بہشت کی حوروں کو لفظ "خَیْرٰتٌ" سے یاد فرمانے کی وجہ بھی انکی یہی انعامی حیثیت ہو جو اوپر بیان ہوئی۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ۝ (۵۵ : ۷۰) یعنی "اُن باغات کے اندر یہ عزیز القدر انعامات آلہی یعنی خوبصورت بیبیاں ہونگی"۔

'خَیْرٰتٌ' کے اِس مفہوم سے قطع نظر قرآن حکیم میں چند مواقع ایسے ہیں جہاں پر اس اصطلاح سے مراد (حَسَنَات کے مفہوم کیطرح) وہ اعمال ہیں جنکا نتیجہ افضال واکرام ہے۔ ایک آیت (۲۱ : ۷۳) صفحہ ۱۰۸ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ مگر یہاں پر اُسکا اعادہ کیا جاتا ہے:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ۝ (۲۱ : ۷۳)

اور لوگو! ہم نے اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام کو بھی اُن کے باپ ابراہیم علیہ السلام کی طرح اُن کی قوم کا پیشوا بنایا۔ وہ اپنی قوم کی رہنمائی ہمارے قانون کے ذریعے سے کرتے رہے، اور ہم نے ان کی طرف مفید جماعت اور مصلح قوم کاموں (الخَیْرٰت) کے کرنے کی وحی بھیجی، انکو حکم دیا کہ الصلوٰۃ کو قائم کریں، الزکوٰۃ کو دیتے رہیں، اور وہ لوگ تو نماز گذار اور پابند زکوٰۃ ہی نہ تھے بلکہ فی الحقیقت ہمارے بندے اور غلام بنکر رہتے تھے۔

الصلوٰۃ اور الزکوٰۃ کی اجتماعی حیثیت کے متعلق مکمل بحث اصل کتاب میں آنے والی ہے۔ تاہم سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر اُن قومی اور اجتماعی اعمال کا ذکر ہو رہا ہے جن کا نتیجہ فلاح قوم ہے اور جو ائمۂ اقوام کا پیش نہاد ہمیشہ سے رہا ہے۔ گوشہ نشین بن کر رام رام جپنے کا یہاں مذکور نہیں۔ عامۃ الناس نے نیک بننے (یعنی فِعْلَ الْخَیْرٰت) کو اکثر یہی سمجھ لیا ہے۔ بعینہٖ اسی قطع کے اعمال کا ذکر اسی سورۃ میں زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کے بارے میں ہے: اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۚ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ۝ (۲۱ : ۹۰) یعنی "ہم نے اُن پر یہ احسان بدیں وجہ کیے کہ اسمیں شک نہیں یہ لوگ مفید قوم اور مصلح اُمت اعمال کیطرف لپک لپک کر پونہچتے تھے، اور ہم کو اجتماعی انعام کی رغبت، اور اجتماعی سزا کے خوف سے پکارا کرتے تھے، اور اسی بیم ورجا کے باعث ہماری جناب میں سچا خضوع وخشوع کیا کرتے تھے"۔ رغب ورہب اور خوف اُمید کا تکیف دل میں تبھی پیدا ہوسکتا ہے جب انعام دنیاوی ہو، اور یہی خشوع کا سچا باعث اکثر ہوتا ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے ادنیٰ تامل بھی اِس نتیجے پر پونہچا دیتا ہے کہ یہاں بھی الخَیْرٰت سے مراد خدمت عباد ہے، تسبیح گردانی قطعاً نہیں۔ سورۂ آل عمران میں جو خدائی محاکمہ بعض صالح اہل اہل کتاب کے بارے میں ہے اِس مفہوم کا صریح طور موید ہے: یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ

اور جو لوگ سونے اور چاندی کے ڈھیر لگائے رکھتے ہیں اور خدا کا نام بلند کرنیکی خاطر کچھ صرف نہیں کرتے، اُنہیں میری طرف سے دردناک عذاب کی خوش خبری سُنادو۔ روزِ قیامت کو وہی دولت جہنم کی آگ میں رکھکر تپائی جائے گی، اور پھر اس سے اُن کے ماتھے، اُنکی کروٹیں، اور اُنکی پیٹھیں داغی جائیں گی، اور اُنسے کہا جائے گا کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا تو آج اپنے ڈھیروں کے ڈھیر جمع کر رکھنے کا مزہ چکھو!

کیا مخالفین اسلام کی نظروں میں خلد بریں کی یہ ارزاں فروشی، اور ادائے قرض کے یہ دل خوش کن وعید، اُس خدائے غنی کے کامل غنا اور کمال تنعم کے نقیض نہیں ہو سکتے تھے؟ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ (۳: ۱۸۰)[1]

کیا خود سید البشر اور سرور کائنات کے بارے میں زکوٰۃ وصدقات کے اِن نازک اور شکوک انگیز تقاضاؤں کے باعث، معاندین اُمت کی طرف سے طمّاع وحریص ہونے کا گمان نہیں ہو سکتا تھا؟ کیا راہ خدا کی بظاہر بے معنی اصطلاح کی آڑ میں انفاقِ مال، جُرم عشق کا کوئی خدائی تاوان، یا مذہبی کاروبار کا کوئی آلہی محصول تھا جو (العیاذ باللہ) کسی بُت پرست مجاور کی طرح، خدا کا گودڑی میں یہ مست رسولؐ ہر مسلمان سے وصول کر لیا کرتا تھا؟ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (۹: ۱۰۴)[2]

کیا خدا کی عبودیت کے اعتراف میں قربانیٔ مال کا یہ وجوب ولزوم بنارس کے کسی مندر کے چڑھاوے یا نذر ونیاز قبور کی کوئی رسم تھی جو خدائے پاک نے اسلام میں گداگروں اور مفت خوروں کی اُمت کو ترقی دینے کی نیت سے وضع کی تھی؟ کیا دینِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طالب جان ومال خدا (العیاذ باللہ) کسی برہمن کی جبینِ نیاز کیش کی غضب آلود دیوی، یا متھرا کے قشقہ نما اور زنار پوش مشرک کا کوئی

---

[1] اللہ نے ان لوگوں کی بکواس سُن لی ہے جو تمہیں طنزاً کہتے ہیں کہ تمہارا اللہ تو محتاج ہے جو قرض مانگتا رہتا ہے اور ہم مالدار ہیں۔ ہم انکی ان گستاخیوں کو لکھ رکھیں گے، اور اُنکے پیغمبروں کے ناحق قتل کو بھی۔ پھر جب دن ہمارے غضب کا دریا جوش مارے گا ہم کہیں گے کہ اس بھسم کر دینے والے عذاب کا مزا چکھو۔

[2] کیا ان لوگوں کو اس بات کی خبر نہیں کہ اللہ اپنے غلاموں کی توبہ بھی ہر وقت قبول کرنیکے لیے تیار ہے اور اس توبہ کی تائید وتصدیق میں خیرات کا مال بھی لے لیتا ہے، اور وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم دل ہے۔

اگر تم خدا کے لیئے اپنے مال کا بہترین حصّہ کاٹ کر الگ کردوگے تو تمہارے ہی لیئے وہ اسکو چند در چند کردے گا، تمہارے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا، اور اللہ تو بڑا قدر شناس اور فراخ حوصلہ خدا ہے جو کسی کی اُجرت روک کر نہیں رکھتا۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۷) کچھ خصوصیت نہیں اگرچہ فرض کا لفظ بگڑتے بگڑتے یہی معانی اختیار کرچکا ہے۔ قرض کے اصل معنی کاٹنے کے ہیں، اور اس لحاظ سے "اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اگر تم لوگ خدا کے لیئے اور اُسکی آقائی کو مدنظر رکھکر بہترین ٹکڑا کاٹکر الگ کردوگے" تو خدا بھی اس حصّے کو چند در چند کردے گا گویا اس احکم الحاکمین کی خاطر اگر انسان اپنے آرام کا، اپنی جان کا، اپنے مال وجائداد کا، اپنی محبوب اشیا کا بہتر سے بہتر ٹکڑا وقف کردے، اور اپنے پر تکلیف گوارا کرکے اسکی لڑائیاں لڑنے تو یہ اسکی نوکری کی بہترین شہادت ہے۔ یہی بات سورۂ مزمل کے سفصلہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے جہاں زکوٰۃ، اور قرض حسنہ کو الگ الگ بیان کرکے اُنکے مطالب میں تفریق نمایاں کردی ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۭ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ (۷۳: ۲۰)

تو اِن وجوہ کی بنا پر (وجوہ کی تفصیل پر کسی موقع پر آئے گی)، جو حصہ اس قرآن عظیم کا تم آسانی سے مطالعہ کرسکو، پڑھ لیا کرو۔ اور الصّلوٰۃ پر قائم رہو، اور ایثار مال کیا کرو، بلکہ خدا کے لیئے اپنی ہر محلوکہ شئے کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کردیا کرو۔

آیۂ زیر بحث میں "وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ" کے الفاظ بھی غور طلب ہیں۔ شکر کے معانی آج قطعاً مسخ ہوچکے ہیں۔ ہر شخص دونوں ہاتھ اٹھاکر اس رسم کو ادا کردیتا ہے اور چند الفاظ مُنہ سے بُڑبُڑاکر سمجھ لیتا ہے کہ ایک اہم فرض ادا ہولیا۔ حالانکہ عام انسانی تعامل میں کیفیت قلب کا وجود ہی سچا شکر ہے! جو شخص دل سے اپنے منعم کی عطا کی ہوئی نعمت کی قدر کرے وہی شاکر ہے، اور منعم کا شاکر ہونا یہی ہے کہ وہ اپنے خادم کی خدمت کی دل سے قدر کرے۔ اس کیفیت قلب کے لیئے ظاہر ہے کہ کسی وقت کی تعیین، یا رسم کی پابندی ضروری نہیں، بلکہ پیہم قدردانی کرنا ہی سچا شکر ہے۔ ایک شخص اگر خدا کی دی ہوئی نعمت کا صحیح استعمال کررہا ہے، اُسکو برقرار رکھنے کے لیئے مسلسل سعی وعمل کرتا ہے، اُس سے متمتع ہونے میں کفایت کو ہر وقت مدنظر رکھتا ہے، اور دل سے خدا کی منعمیت کا مقر ہے، تو وہ صحیح معنوں میں شکر ہے۔ خواہ وہ تمام عمر میں ایک بار بھی رسماً ہاتھ نہ اٹھائے برخلاف اس کے جو شخص خدا کی نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے، اُن کو برقرار رکھنے کے لیئے حتی الامکان سعی نہیں کرتا، اُن کو حقیر سمجھکر پاؤں سے ٹھکرادیتا ہے، کفایت کو پیش نظر نہیں رکھتا، یا ایک بیہودہ سا استغنا اختیار کرکے اُن کی بے قدری کرتا ہے، وہ اگر تمام عمر بھی ہاتھ اٹھائے رکھے، اور مُنہ سے نعتیہ الفاظ بڑبڑاتا رہے تو شاکر کے مقام تک نہیں پہونچ سکتا۔ مسلمانان عالم نے آج شکر کا مفہوم اسقدر غلط سمجھ لیا ہے کہ صرف الفاظ باقی رہ گئے ہیں اور خدائی مقصود باطل کردیا ہے۔ "وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ خدا بھی اپنے بندوں کا شکر ادا کرسکتا ہے مگر ہاتھ اٹھاکر نہیں بلکہ اُن کی خدمات کی سچی قدردانی کرنیسے اور وقتاً فوقتاً ان کا صلہ دینے سے۔ شکر کے اِن معانی کا قرآنی ثبوت جابجا آگے چلکر (اور بالخصوص تیسری مجلد میں) آئے گا۔

✤ یہ آیات شریفہ اگرچہ رسول خدا کے زمانے میں احبار اور رہبان کے خلق خدا کو لوٹ لوٹ کر بے اندازہ مال جمع کرنیکے متعلق آئی ہیں، مگر میں نے اُن کا اطلاق اسلیئے عام کردیا ہے کہ آج مسلمانان عالم کے دلوں میں، ائمہ قوموں کے بالمقابل، مال کی محبت اسقدر بڑھ گئی ہے کہ ہر شخص کم وبیش اسکا مصداق ہورہا ہے۔ خود دین اسلام کے اندر اہل کتاب کے احبار اور رہبان کے بالمقابل لاتعداد ایسے سرگروہ پیدا ہوگئے ہیں جو اپنی نفسانی خواہشوں کو مدنظر رکھکر لوگوں سے روپیہ بٹورتے ہیں اور پھر اسکو خدا کی لڑائیاں لڑنے میں صرف نہیں کرتے۔ اِنہی لوگوں کی شان میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں جیساکہ غالباً تیسری مجلد میں عیاں کردیا جائیگا

درد پیدا کرنا تھا! اپنی محبت اور اپنے تعلق سے وہ دارائے عالمیان، انسان کے غرضمند اور انعام طلب قلوب میں ایک اولوالامر کا خوف، اور ایک منعم اعلیٰ کا ڈر بٹھلانا چاہتا تھا: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ[۱] (۷: ۵۴)؛ وہ باشندگانِ روئے زمین کا ایک حاکم کُل اور ایک بادشاہ حقیقی سے لگاؤ پیدا کرکے، اُن کے اعتقادات اور معاملات میں، اُن کے اعمال و افعال میں مشترک عبودیت کا تذلل اور عام نیازمندی کا عجز دیکھنا چاہتا تھا، اور پھر اس عجز و نیاز کی حوصلہ افزائیں، اور حیات انگیز تڑپ سے چاردانگ عالم میں، اِس گنبدِ افلاک کے نیچے توحید کا نغمۂ مستطیر اور حقانیت کا ہنگامۂ عظیم پیدا کرنا چاہتا تھا!

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ (۶۳ ۷)

یہی منافق تو وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو بہکایا کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی تائید و تقویت میں جو رسول خدا کے گرد جمع ہو گئے ہیں اپنا مال نہ خرچ کیا کرو۔ جب روپیہ پیسہ ان لوگوں کے پاس نہ ہوگا تو عاجز آکر آپ ہی تتر بتر ہو جائیں گے۔ یہی انکی قوت کا راز ہے۔ آہ لیکن منافقین نہیں سمجھتے کہ مال انکی قوت اور اجتماع کا راز نہیں، اور نہ خدا کو اسکی ضرورت ہی ہے، کیونکہ زمین و آسمان کے خزانے اسی کے ہیں

آہ یہ بھی نہیں! اُس صاحب جلال خدا کو جسکی سطوت اور جبروت میں، جسکے حاکمانہ رعب و وقار میں، جسکی طاقت اور حکومت میں، روئے زمین کے تمام انسانوں کی سرکشی اور متفقہ انکار بھی یک سرِ مو فرق نہیں لاسکتی؛ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ[۲] (۱۴: ۸) فی الحقیقت یہ منظور تھا کہ دردِ دل کے اِس نادرۂ عمل میں، اور مشکلات و محن کی صبر آزما مجمر میں، وہ ہر مومن کے قلب کو دنیا ہی

---

[۱] لوگو! سُن رکھو کہ تمام کائنات جہان اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور حکم جسکے ذریعے سے سب کچھ ہو رہا ہے نیز اسی کا ہے۔ پروردگار عالمین درحقیقت بڑا صاحب برکت ہے

[۲] اور موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اگر تم اور جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں سب کے سب ملکر بھی خدا کی نافرمانی کریں تو خدا کو ذرا بھی پرواہ نہیں وہ بے نیاز ہے اور ویسا ہی سزاوار حمد رہیگا۔

مہیب دیوتا تھا جو انسانی جان کی خوں چکاں قربانی، اور مال وزر کے ہلاکت آفرین جرمانوں کے بغیر مطمئن اور مسکن نہیں ہو سکتا تھا، اور جسکے نائرہ حرص وغضب کے تنور میں قیامت کے روز مسلمان عاصیوں کی پیشانیاں اور بدن داغے جانے کا وعدہ تھا! اور کیا یہ اسلام کے جابر اور قاہر خدا کا تحکمانہ ظلم وستم یا محض ایک بے سبب اور بے نتیجہ دراز دستی تھی جسکے رو سے وہ جنت کے پیش پا افتادہ وعدے کرکے، مومنوں کے جان ومال پر قابض ہو گیا تھا؟

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ† أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ (۹ : ۱۱۱)

بیشک اللہ نے ایمان والوں سے اُنکی جانیں اور اُنکے مال اس وعدے پر خرید لیئے ہیں کہ انکے بدلے انہیں اخروی جنت دیگا۔ یہ لوگ اب خدا کے نام کا ڈنکا بجانے کی خاطر دشمنوں سے لڑتے ہیں، ان کو قتل کرتے ہیں اور آپ بھی قتل ہوتے ہیں۔ یہ خدا کا پکا وعدہ ہے جو تورات اور انجیل اور قرآن میں ہر مومن کے ساتھ برابر چلا آیا ہے، اور خدا سے بڑھکر اپنے قول کا پورا اور کون ہو سکتا ہے۔ تو اے ایمان والو! اپنے اس سودے کی جو تم نے خدا کے ساتھ کیا ہے خوشیاں مناؤ، اسمیں تمہاری بڑی کامیابی ہے۔ اس میں تم کو فلاح دارین ہے۔

آہ معاذ اللہ نہیں! اس تمام عجیب وغریب لین دین، اور محیر العقول ترغیب وتحریص سے خدائے بے نیاز کا مقصد وحید ساکنانِ عالم کو اپنی ناپید امثال ذات کا شیدا ومفتون بناکر اُنکے دلوں میں

† 'مؤمن' کی صحیح تعریف، اور 'الجنۃ' کے حقدار بننے کی کامل شرائط اس آیہ کریمہ سے واضح ہیں۔ یہی شرائط بعینہٖ صفحہ ۱۱۴ کی آیات (۴۱، ۴۲) اور (۴۹، ۱۵۱)، اور صفحہ ۱۲۰ کی آیہ (۳ : ۱۴۱) میں درج ہیں۔ اگر آج مسلمانانِ عالم نے اپنے نفس کو دھوکہ دے کر کوئی اور شرطیں وضع کر لی ہیں تو اس سے قانونِ خدا میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ اس خوش اعتقادی کے بدلے میں 'الجنۃ' مل سکتا ہے، خواہ لوگ ہزاروں برس تک یہ سبز باغ اور خوش کن خواب پڑے دیکھا کریں۔ شرط پوری جان اور سارے مال کے ایثار کی ہے نہ یہ کہ تھوڑی سی تکلیف برداشت کرکے یا چند پیسے ناروا طور پر خیرات کرکے ایک مکر سا بنا لیا جائے۔ جیسا کہ بالعموم ہر مسلمان نہایت التزام سے کر رہا ہے۔ ضمناً فی التوراۃ والانجیل کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ان دونوں کتابوں پر عمل کرنے والی مجاہد اقوام بھی صحیح معنوں میں مومن اور جنت کی حقدار ہو سکتی ہیں۔

جذبہ قائم کرنا چاہتا تھا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[1] † (۸: ۴۵)؛ وہ اپنی لاشریک اطاعت اور بے ریا عبادت کے آلۂ عمل سے مسلمانوں کے ارادوں میں قوت، حوصلوں میں افزایش، نیتوں میں صداقت، اور پائے عمل میں ثبات دیکھنے کا متمنّی تھا؛ وہ اسلام کی دنیاوی شوکت واحتشام اور مادی ارتقاء عروج کو روحانیت کے بے امان ہتیاروں، اور اخلاق کی اٹل قوتوں سے حاصل کرانا چاہتا تھا، اور اُمت کے اِس اجتماعی اور ائتلافی غلبے کو ہر مدعیٔ ایمان کا واحد منتہائے نظر، اسکی فلاح ونجات کا اٹل ضابطۂ عمل، اُسکے تقوے اور عبادت کا صحیح معیار، اسکے کفر وشرک کی سچّی محک، اسکی جزا وسزا کا قطعی مدار قرار دیتا تھا!

یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ ۙ وَیَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ۧ (۱۴: ۲۷)

اللہ ایمان والوں کو اپنے پکّے قول کے ساتھ اِس دنیا کی زندگی میں خوب جما کر رکھتا ہے اور آخرت میں بھی اُنکو خوب جما کر رہیگا۔ لیکن کچّے ایمانداروں اور بُزدلوں کو جو اُسکے احکام کی متابعت نہیں کرتے وہ خطر واَمن کی راہ سے ڈگمگا دیتا ہے، اور خدا تو وہی کچھ کرتا ہے جو مناسب سمجھتا ہے!

---

[1] اے ایمان والو! جب دشمن کی کسی فوج کے بالمقابل تم صف آرا ہو جاؤ تو ثابت قدم رہا کرو، اور اُسوقت خدا کا دھیان اور بھی زیادہ دل میں رکھو تاکہ تمہارے حوصلے بڑھیں، اور بالآخر تم دشمن کے بالمقابل کامیاب ہو جاؤ۔

† یہاں 'ایمان' کو پہر دشمن کے بالمقابل ثابت قدم رہنے پر محمول کیا گیا ہے۔ "وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا" کا مقصود یہ ہے کہ جب تم دشمن کے بالمقابل ڈٹ کر کھڑے ہو جاؤ تو اُس حاکم اعلیٰ کا خیال دلمیں لاؤ جس کی ماتحتی میں تم لڑ رہے ہو۔ پہر جس طرح ہر سپاہی کو اپنے سپہ سالار کی یاد، اُسکے انعاموں کی یاد، اُسکی سزاؤں کی یاد میدان جنگ میں اور بھی مستعد کر دیتی ہے اسی طرح تم بھی مالک زمین وآسمان کی یاد کر کے اپنی ہمتوں کو بڑھاؤ تاکہ تم دشمن پر فتح پاؤ (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)۔ گویا یہاں بھی تُفْلِحُوْنَ سے مراد دنیاوی فتح ہے، اُخروی فلاح مراد نہیں۔ اور نہ "وَاذْكُرُوا كَثِیْرًا" سے مقصود یہ ہے کہ گھر بیٹھے تسبیحوں پر خدا کا نام بڑبڑاتے رہو تاکہ قیامت کے دن فلاح پاؤ جیسا کہ بعض نادانوں نے سمجھکر آیات الٰہی کو بے ربط اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ۝ (۱۵: ۹۱) صفحہ ۷۴) کے مصداق بن گئے ہیں۔

†† جو عجیب وغریب تاویلیں شارحین قرآن نے اِس آیہ شریفہ کے مطالب میں اپنے پاس سے بنالی ہیں بجائے خود ایک دفتر ہے۔ بعضوں نے قول ثابت کو کوئی اسم اعظم فرض کر لیا ہے جسپر ایک زبانی سا 'ایمان' لانا فرض قرار دیا ہے، بعضوں نے عالم اسلام کی موجودہ زبون حالی، اور خدا کے اِس اٹل وعدے میں اختلاف دیکھکر "یُثَبِّتُ" کے معنی "روحانی ثابت قدمی" بنا لیے ہیں، وغیرہ وغیرہ، لیکن 'ایمان' کی اُن کڑی شرطوں سے جو اب تک بیان ہوئیں ظاہر ہے کہ جس قوم میں وہ خصائص موجود ہوں اُسکا اِس دنیا میں جم کر رہنا، مضبوطی اور قوت سے بسر کرنا، علی الرغم عدو غالب آکر رہنا اٹل ہے۔ یہی حقیقت بعینہٖ اِس آیۂ کریمہ میں عیاں کر دی گئی ہے، اور جتلا دیا ہے کہ صاحب ایمان قوم کا اِس دنیا میں تمکّن اور استخلاف فی الارض قطعی ہے

خطرات اور بدنی مصائب کے خوف سے پاک کر کے اُن میں صبر انگیز کا کشور کشا نور اور قوت کی جلا پیدا کرے:
وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝[۵۱] (۳: ۱۴۰)، وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝[۵۲] (۳: ۱۵۴)؛ وہ ہر مسلمان کے دل کو توحید کے مشترک مرکز پر لا کر ان کی جماعت میں وحدت و استحکام کا دستور العمل پیدا کرنا چاہتا تھا: وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝[۵۳] (۸: ۱۱)؛ وہ اپنی ذات پر کامل ایمان، اور اپنے جاہ و منصب کے سچے خوف سے اُمت کے ہر فرد میں استقلال کا نظم و نسق، اور اتحاد عمل کا طریق کار دیکھنا چاہتا تھا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝[۵۴] (۳: ۱۹۹)؛ وہ ایمان کے جرأت انگیز ولولوں، اور مقام خدا کے ہمت آفرین تذکروں سے اسلام کے ہر متنفس میں مقابلے کی ناقابل تسخیر روح اور ثبات کا ناقابل شکست

---

۵۱ اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو خالص بنا دے اور خدا کے وجود میں شک و شبہ کرنے والوں کو بیامیٹ کر دے۔

۵۲ اور اس غزوۂ اُحد میں تم کو ہرا دینے میں یہ مصلحت تھی کہ خدا اُس ایمان کو جو تمہارے سینوں کے اندر چھپا بیٹھا ہے آزمائے، اور دیکھے کہ باوجود ہزیمت کے خدا پر یقین رکھنے والا کون ہے، اور تمہارے دلوں کو ڈر اور وسوسوں، خوف مصائب اور خطرات سے پاک صاف کر دے، اور جانے رہو کہ خدا سینوں کے حالات سے موبو واقف ہے، جبتک تمہارے دلوں میں یہ وساوس اور خدا کے متعلق شکوک ہیں فتح تمہارے قدموں کو نہیں چوم سکتی

۵۳ اور خدا یہ چاہتا ہے کہ تائید غیبی کے وصلہ افزا، اور جامع القلوب اثر سے شیطان کی آلائش (یعنی نفاق) کو تم سے دور کر دے، اور تاکہ تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑ کر مضبوط کر دے، اور پھر اس اتحاد کے ذریعے سے تمہارے پاؤں میدان جنگ میں جمائے رکھے۔

۵۴ اے ایمان والو! ان اجتماعی تکالیف کا جو تمہیں پیش آئیں سختی سے مقابلہ کرو، اور ایک دوسرے کو مقابلہ کرنے کی تلقین کرتے رہو، اور ایک دوسرے میں گتھکر ایک بنجاؤ، اور خدا سے ڈرتے رہا کرو تاکہ دشمن کے بالمقابل تم کامیاب ہو جاؤ۔

---

* اس آیہ کریمہ میں 'ایمان' کی بعض اہم شقیں بتلادی گئی ہیں۔ گویا مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا 'ایمان' ہے: (اصْبِرُوْا) جماعت کے اعضا کے مابین استقلال کا ماحول پیدا کرنا 'ایمان' ہے، (وَصَابِرُوْا) اور سب سے اہم یہ کہ کامل اور باہمی اتحاد پیدا کرنا بھی 'ایمان' کا جزو اعظم ہے: (وَرَابِطُوْا)۔ جس قوم کے اندر یہ عظیم الشان خاصیتیں موجود ہیں، وہ خدائے عظیم کے ایک اہم حکم کو مان رہی ہے، اور وہی ہے جو اس کے اٹل قانون کے بموجب کامیاب ہو رہی ہے: (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)۔ گویا یہاں پر بھی 'تُفْلِحُوْنَ' سے مراد دنیاوی غلبہ ہی ہے، اُخروی فلاح کا یہاں ذکر نہیں۔ دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ اس استقلال، متقین صبر، اور اتحاد کو 'اتقائے خدا' پر محمول کیا گیا ہے: (وَاتَّقُوا اللّٰهَ) گویا وہی قوم متقی ہے جو فی الحقیقت خدا سے، اُس کے قانون سے، اُس کی اٹل سزاؤں سے ڈرتی ہے جس میں استقلال ہو ایک دوسرے کو مستقل بنانے کی اہلیت ہو، اور متحد رہنے کی صلاحیت موجود ہو۔ فرقہ بند اور ڈرپوک قوم خدا سے قطعاً نہیں ڈرتی کیونکہ وہ اس کی سزا سے بے خوف ہو چکی ہے اور اسی لیے 'متقی' کہلانے کی اہل نہیں۔

'اتقا' کے یہ معانی بالصراحت دو اور آیتوں سے جو مقدمہ کتاب میں صفحہ ۴۹ و ۷۹ پر گذر چکی ہیں ثابت ہیں۔ آج کل کے مسلمانوں کو اس خدائی محاکمے سے عبرت پکڑنی چاہیے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (۳: ۱۰۱ - ۱۰۴)

اے ایمان والو! مقام خدا سے ڈرتے رہا کرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے، اُسکے احکام کے آگے ہر دم سر تسلیم خم رکھو، اور مرتے دم تک سرتاپا تسلیم بنے رہو۔ اور سب ایک دوسرے سے مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہو اور تتر بتر ہرگز نہ ہو جانا۔ اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے برخلاف عداوتیں اور کینے بھرے پڑے تھے، پھر خدا کو اپنا سچا آقا ماننے کے باعث اُس نے تمہارے دل آپس میں جوڑ دیئے، پھر تم اسکی اِس نعمت کے باعث بھائی بھائی بن گئے۔ تم اِس سے پہلے اسقدر بکھر چکے تھے کہ گویا آگ کے گڑھے کے کنارے جا لگے تھے، پھر اُس نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اِس طرح خدا اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔ اور تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیئے جو صرف اسی اتحاد (الخیر) کی دعوت دے، اِسی عظیم القدر نیکی (المعروف) کی تلقین بالتخصیص کرتا رہے۔ اور تفرقے کی مکروہات (المنکر) سے باز رکھتا رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو ہم اس دنیا میں کامیاب کرینگے۔ اور دیکھو ہم پھر کہے دیتے ہیں کہ اُن جیسے نہ بن جانا جو ایک دوسرے سے بچھڑ گئے، اور جنہوں نے خدا کے کھلے کھلے احکام آئے پیچھے بھی آپس میں فرقہ آرائیاں اور اختلاف قائم کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو ہم دردناک عذاب دینگے۔

کیفیتِ اتقا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۳: ۱۹۹)

(ایک دوسرے کو استقلال کی تلقین کرو، اور باہم بلکر ایک بنجاؤ، اور خدا سے ڈرتے رہو کہ کامیاب ہو جاؤ)

جامع القلوب خدا کی نظروں میں ایک مُدّعیٔ ایمان کا صحیح تقویٰ اسی کامل مصالحت اور

---

* اِن آیاتِ قرآنی کے مطالب نہایت قابلِ غور ہیں۔ اہل کتاب میں سیاق کلام کو پیش نظر رکھکر ایک مربوط ترجمہ کر دیا گیا ہے مگر دو ایک باتیں خاص طور پر لائق ذکر ہیں جو یہاں بیان کر دی جاتی ہیں:-

اوّلاً۔ 'اعتصام بحبل اللہ'، اور جماعت کے کامل اتحاد کو پہر تیسری بلکہ چوتھی بار 'اتقائے خدا' پر محمول کیا گیا ہے۔ پہلی مثالیں صفحہ ۴۹، ۷۹،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ
اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ
مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۳) اور آخرت میں بھی اُسی کا بول بالا ہے۔ گویا اس آیت اور آیہ "اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" کا مضمون ایک ہی ہے جو صفحہ ۷ پر گذر چکی ہے۔

"روحانی ثابت قدمی" جس کا ذکر آجکل کے مسلمان اس شد و مد سے کرتے ہیں ایک پادر ہوا اور بے معنی سی بات ہے۔ 'يُثَبِّتَ' کا لفظ قرآن کریم میں جہاں کہیں آیا ہے اسی مادی تمکن اور دنیوی استقلال کے لیے آیا ہے۔ دو مثالیں اصل کتاب میں ابھی ابھی گذر چکی ہیں: یعنی يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (۸: ۱۱) اور اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا (۸: ۴۵)۔ دو اور پیش کر دیجاتی ہیں۔ سورۂ انفال میں ہے:

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ (۸: ۱۲)

اے محمدؐ! یہ وہ وقت تھا کہ تمہارا پروردگار، تمہارا سپہ سالار اعظم خدا ملائکہ کی فوج کو حکم دے رہا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو تم ایمان والوں کے پاؤں میدان جنگ میں جمائے رکھو، اُن کے حوصلوں کو دو چند کر دو، اُن کے استقلال کو اور بھی مضبوط کر دو، ہم عنقریب منکرین کے دلوں میں اپنی مٹھی بھر مسلمانوں کی دہشت ڈال دینگے، تو مارو ان کی گردنوں پر کہ چور چور ہو جائیں، اور لگاؤ ان کی پور پور پر کہ ان سب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔

ملٰٓئکۃ کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں لیکن ظاہر ہے کہ "فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" سے مقصود ارضی تغلب اور تمکن ہی ہے۔ روحانی استقلال کا کچھ ذکر نہیں۔ یہی الفاظ قریب قریب زیر بحث آیت میں استعمال ہوئے ہیں۔ دوسرا موقع سورۂ نحل میں ہے:

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶: ۱۰۲)

اے محمدؐ! تم علی الاعلان کہہ دو کہ اس قرآن عظیم کو روح القدس میرے پروردگار کے ہاں سے لیکر اسلیئے اُترا ہے کہ جو لوگ اسکے احکام پر ایمان لائے ہیں اُن کو اس دنیا میں مضبوطی سے، اور جما کر رکھے اور تاکہ یہ قانون جلیل تسلیم کرنے والوں کو صحیح راہ عمل دکھائے (هُدًى)، اور اُن کو اجتماعی سلامتی اور حفظ و امن کی بشارت دے (بُشْرٰى)۔

'روح القدس' کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں۔ صفحہ ۱۸ کے تحت المتن میں پیغمبران خدا کی بشارت کی نوعیت واضح کر دی گئی ہے۔ اس آیۃ کریمہ سے ظاہر ہے کہ یہاں بھی "لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ سے دنیاوی ثبوت اور استقلال ہی مراد ہے۔ 'روحانی ثابت قدمی' کی ترغیب پیش کرنا منکر قوم کے لیئے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ دنیاوی خوشحالی کا لالچ ہی وہ شے ہے جو ہر مخالف کو ماننے پر مجبور کر سکتا ہے۔

'قول ثابت' کے الفاظ جو زیر بحث آیت میں آئے ہیں، اُن سے مراد وعدہ خدا کی توثیق ہی ہے اور کچھ نہیں۔ ضمناً اس آیت سے 'يُضِلُّ' کے معانی بھی صاف ہو گئے کہ یہ 'يُثَبِّتُ' کی ضد کے طور پر آئے ہیں۔ گویا اس دنیا کی زندگی میں مضبوطی اور تمکن سے نہ رہنا ہی ضلال ہے۔ ظالمین کا لفظ پہر یہاں استعمال ہوا ہے۔ اس سے پیشتر صفحہ ۱۲۰ کے متن کی آیت (۳: ۱۳۹) میں ہوا تھا۔ یہاں پھر بھی 'ظالمین' سے مراد کچے ایمان والے ہی ہیں کیونکہ جو لوگ اپنے ایمان کی کمی کی وجہ سے دشمن سے شکست کھا جائیں وہ فی الحقیقت اپنی جانوں پر آپ ظلم کر رہے ہیں۔ آج 'ظُلم' کی قرآنی اصطلاح کے معانی بالکل بدل چکے ہیں۔ لیکن آئندہ مجلدات میں وقتاً فوقتاً اسکے مختلف مفہوم بیان کر دیئے جائینگے۔ مقدمۂ کتاب میں 'ظالم' قوم کے متعلق قرآنی محاکمہ پیش کیا گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ ظالم قوم اجتماعی ہلاکت یقینی ہے (دیکھو صفحہ ۱۸۔ آیات (۲۸: ۵۹)، (۶: ۴۷)) گویا يُضِلُّ اور ظٰلِمِيْنَ کا تعلق ظاہر ہے۔

يَشَآءُ کے معنی ہم نے 'مناسب سمجھنا' کیے ہیں لیکن اسکا ثبوت فلسفۂ عمل (غالباً تیسری جلد) میں آئے گا۔

اِخْوَانًا (۳: ۱۰۲)، وہ سب کے سب یکجان و یک زبان ہوکر اُسکی حکومت کے ہر آن شاہد، اور اُسکی بارگاہ عالیہ سے بہرحال مرعوب رہیں: وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ[۱] (۲۳: ۶۰)، وہ اللہ کو ہر وقت اپنے ذاتی مناقشات میں حاضر و ناظر، اور ہر حالت میں نگرانِ اعمال یقین کرکے اُسکے رعب و وقار کا احترام اور احکام کا پاس کرتے رہیں: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ

[۱] خدا سے ڈرنے والے تو وہ لوگ ہیں جو باوجود اسکے کہ جو کچھ اُن کے پاس ہے اعلائے کلمۃ الحق میں صرف کردیتے ہیں، مگر اُنکے دل اندر سے ہلتے رہتے ہیں کہ اُنھوں نے ایک دن خدا کے حضور میں جوابدہی کے لیے کھڑا ہونا ہے (اور ممکن ہے کہ خدمت خدا کا حق ادا نہ ہوا ہو!)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۶) اور جہل، نامعلوم اور نامحدود رستے پر لیگئے ہیں۔ مطالب کی اس عام افراتفری میں چنانچہ آج یہ حالت ہوگئی ہے کہ اسلامی جماعت کے ہزار در ہزار گروہ، 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کے ظاہری ادعا کی آڑ میں، ہر طرف پھیلے ہوئے خلق خدا کو دھوکہ دے رہے ہیں، اور کسی مستقل پیش نہاد نہ ہونے کے باعث ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہوکر اسلام کی رہی سہی قوت کو اور بھی منتشر کررہے ہیں۔ ہر گروہ اپنے آپ کو 'داعی الی الخیر' کا خطاب دیکر جماعت میں تفریق و اشتتات پیدا کررہا ہے۔ سب کے سب اپنی اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کے باعث مختلف رستوں پر نہایت کبر و تحکم سے جارہے ہیں، اور اپنے زعم میں خدا کے ایک اہم حکم کی تعمیل کررہے ہیں! جو حیرت انگیز فرقہ بندیاں ان گروہوں کی متخالف اور متقابل تعلیم و تلقین سے پیدا ہورہی ہیں بجائے خود خدائے عظیم کے مقصد اصلاح و اتحاد اور اس آیت کے منتہائے نظر کو باطل کررہی ہیں۔ وہ 'اعتصام بحبل اللہ' اور 'ائتلاف قلوب' اور 'اخوانیت' جو 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' سے مطلوب تھی یک قلم مٹ رہی ہے۔ ہر گروہ اپنی اپنی دکان سجائے سربازار بیٹھا ہے اور حتی الوسع چرب زبانی اور لفاظی سے کام لیکر بے وقوف اُمت کے گاہکوں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے!

اگر بنظر تعمق اس آیہ شریفہ کے مضمون کیطرف دیکھا جائے تو عیاں ہوجاتا ہے کہ رب کون و مکان تعالیٰ نے تمام عالم اسلام کیلئے صرف ایک گروہ اور ایک جماعت ہی کو 'دعوت الی الخیر' اور 'امر بالمعروف' کے لیے تجویز کیا ہے نہ دس بیس مختلف گروہوں کو۔ جو وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ پس لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے عالم آرا، ایسے یکتا اور منتخب گروہ کا مقصد بھی یہی ہوسکتا ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک کے مسلمانوں کے مابین اتحاد قائم رکھے۔ اُن کو اعتصام خدا کی دعوت دے، اُن کے اختلافات کو وقتاً فوقتاً دور کرتا رہے، اُن میں فرقہ بندیاں نہ پیدا ہونے دے، سب دنیائے اسلام کو جبراً ایک مقصد وحید، ایک مطمح نظر اور ایک راہ عمل کی طرف لیجائے۔ وہ گروہ خود کسی متعدد نظام کے ماتحت کام کررہا ہو، اور تمام مسلمانوں کا صحیح معنوں میں قائم مقام ہو۔ ایسا گروہ تاریخ شاہد ہے کہ قرن اول سے قطع نظر مسلمانوں نے آجتک نہیں بنایا اور اسی لیے میرا یقین ہے کہ اُمت مرحومہ اس آیہ کبریٰ کے خدائی مطالب کی تعمیل کرنے سے حتماً قاصر رہی ہے!

اس گروہ کے متعلق 'وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ' کا ارشاد ہے۔ 'فلاح' کے معانی قرآن کریم میں دنیاوی کامرانی کے بھی ہیں جیسا کہ کئی ایک مثالوں سے جو پیشتر دی گئیں ظاہر ہے۔ گویا خدا فرماتا ہے کہ یہی وہ گروہ ہے جو فلاح دارین حاصل کرے گا اور اُمت کو صحیح معنوں میں قوت دیگا۔ آگے چلکر فرقہ بند اُمت کے لیے 'وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ' کہا گیا ہے۔ گویا یہ عذاب بھی دنیاوی ہی ہے جو ہر اختلاف زدہ اُمت کو دنیا میں ملتا ہے۔ 'اُولٰٓئِكَ' کا تکرار بھی لامحالہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ 'دعوت الی الخیر' اور 'امر بالمعروف' کا مفہوم دنیائے اسلام کو ایک مقصد و منتہا پر قائم و متحد کرنا ہی ہے اور وہ پیش نہاد دنیوی قوت اور تمکن ہے اسکے ماسوا حتماً کچھ نہیں۔

لیکن اس تمام خارجی استدلال سے صرف نظر کرکے قرآن حکیم کے الفاظ میں داخلی غور و فکر بھی اس نتیجے کی طرف راغب کرتا ہے کہ 'الخیر' 'المعروف' اور 'المنکر' کے آئی مطالب وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ 'الخیرات' کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک مختصر بحث ابھی ابھی صفحہ ۱۳۹ کے

اتحاد (لَا تَفَرَّقُوْا (۳: ۱۰۲)) کا مسلک عمل تھا۔ یہی وہ سچّی ہدایت (لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۳: ۱۰۲)) اور یقینی فلاح (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۳: ۱۰۴)) تھی جسکا حاصل کرنا ہر مسلمان کا منتہائے سعی اور مقصد حیات ہو سکتا تھا۔ خدائے برتر کی صحیح معنوں میں عبادت (غلامی)، اور اُسکے جاہ و منصب کے سچّے خوف (تقویٰ) کا صحیح پیش نہاد یہی ہو سکتا تھا (اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (۳: ۱۰۱)) کہ ایک مقتدر حاکم کے کئی ملازموں کی مانند، اُسکے بندوں میں تالیف قلوب کے جذبات، اور اخوت و مساوات کے اصول قائم ہو جائیں (فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۵، اور ۱۴۶ پر گذر چکی ہیں۔ گویا کسی قوم کا بالاجماع قانونِ خدا (حَبْلِ اللّٰہ) کو مضبوط پکڑے رکھنا اور آپس میں فرقہ بند نہ بننا ہی "اتقائے خدا" ہے۔ وہی قوم فی الحقیقت شدید العقاب خدا کی اٹل سزاؤں سے ڈرتی ہے، وہی اسکی عالی مقامی اور طاقت انتقام سے خوفزدہ ہے جو آپس میں اختلاف پیدا کرکے اپنے آپ کو کمزور نہیں کرتی۔ کیونکہ فرقہ بندی کا اٹل نتیجہ شکست و ریخت ہے اور یہ قانون اسقدر عالم آرا ہے کہ اسکا اطلاق ہر جا اور ہر وقت ہو رہا ہے، کوئی اُمّت یا گروہ اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ جبتک ایک حاکم اعلیٰ کا ڈر دل میں بس رہا ہے، رعیت کے افراد آپس میں لڑ بھڑ نہیں سکتے۔ جب تک کئی غلام ایک مقتدر آقا کی غلامی (عبادت) کر رہے ہیں اُن کا ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہونا محال ہے!

ثانیاً۔ ائتلاف قلوب کو نعمت خدا کہا گیا ہے اور اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔ اگرچہ بادی النظر میں اس جملے کے معنی یہی ہیں کہ "خدا نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت کی راہ و رسم پیدا کر دی"، لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس ائتلاف کا واقع ہونا خدا کا کوئی غیبی، استبدادی یا تقدیری فعل نہ تھا جسپر آجکل کے مسلمان نہایت تن دہی سے اعتقاد رکھتے ہیں اور بلا اسعی و عمل اسکے پھر واقع ہونیکے منتظر رہتے ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اُس ایک خدا کی عبودیت ہی تمہارے اتحاد کا باعث ہوئی۔ تم نے اسکو صحیح معنوں میں آقا اور حاکم اعلیٰ مان لیا، اور پھر اُسکے سچّے خوف و اتقا کے باعث تمہارے دل آپس میں جُڑ گئے۔ گویا اتحاد کا واقع ہونا ایک مسبّب بالاسباب فعل تھا جس کا بالواسطہ محرک خدائے عظیم کا صحیح معنوں میں ڈر تھا۔

ثالثاً۔ باہمی تفریق اور اختلاف کو "عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ" کہا گیا ہے۔ یعنی جس قوم میں باہمی عداوتیں اور کینے رونما ہیں وہ جہنّم کے کنارے پر کھڑی ہے۔ یہاں پر فرقہ آرائی کو 'النّار' سے تعبیر کرنا از بس معنی خیز ہے۔ گویا اجتماعی ضعف اور عدم اتحاد ہی دنیا کا سب سے بڑا جہنم ہے جن خوش اعتقاد مسلمانوں نے قرآن کے لفظ 'النّار' کو خالصۃً اُخروی جہنّم سمجھا ہے اُن کے لیے یہ الفاظ نہایت غور طلب ہیں۔ لیکن ان آیاتِ الٰہی میں سب سے زیادہ غور طلب آیت آیۂ 'وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ' (۳: ۱۰۴) ہے۔ جو بات لائق دریافت ہی یہ ہے کہ 'دعوۃ الی الخیر'، 'امر بالمعروف'، اور 'نہی عن المنکر' کا صحیح مفہوم کیا ہے، اور وہ کیا شئے ہے جسکی تبلیغ و تلقین کے لیے ایک جماعت قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ادنیٰ سا تامل بھی ہر صاحب نظر کو اس نتیجے پر پہونچا دیتا ہے کہ 'الخیر' اور 'المعروف' کا صحیح مفہوم اس آیت میں اصلاح و اتحاد اور صرف اتحاد ہی ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے ان الفاظ پر اَلْ تخصیصی داخل ہوا ہے، اور چونکہ پیشتر اور بعد کی آیات میں اتحاد کی خوبیاں اور اختلاف کی برائیاں ظاہر کی گئی ہیں اور یہ آیت اُن کے درمیان گھری ہوئی ہے اس لیے خدائے عظیم نے عالم اسلام کے لیے ایک ایسی جماعت بنانے کا حکم دیا ہے جو سب اُمّت کو اتحاد کی دعوت بالتخصیص دیتی رہے اور انکو تفرقے کی مکروہات (المنکر) سے دمبدم باز رکھے۔ اس مطمح نظر کے ماسوا یا اس سے کم و بیش حتماً اس آیت کا اور کچھ مطلب نہیں۔ کلام الٰہی کو مربوط اور مدلّل تعین کرنیوالوں کیلئے اسکے سوا کسی اور نتیجے پر پہونچنا ممکن نہیں۔

مسلمانان عالم اور شارحین قرآن نے اس آیت کا مفہوم قطعاً غلط سمجھا ہے، اور الخیر و المعروف کے معنی عام کرکے عالم اسلام کو ایک غلط

پاس ادب اور لحاظ سے دلوں کے بُغض اور سینوں کے حسد نکالکر باہم گرمجوش اور متفق ہوجائیں؛ وہ دانائے نہان وآشکارا کی متجسسانہ دانش اور متفتشانہ بینش کا کامل یقین کرکے، دلوں کی تہ کے سرائر وخفایا کو آلایش گناہ سے قطعاً پاک صاف کردیں مخلص اور عقیدتمند خواجہ تاشوں کا اپنے آقائے حقیقی سے یہ وہ معترفانہ خوف، اور وہ غیر متزلزل اتقا تھا جس نے ہر ناگہاں مصیبت کے وقت

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۸) سمجھو جسکی غرض وغایت یہ ہے کہ طلاق صلح صفائی کے ساتھ اور بغیر دنگے فساد کے طے پائے (مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ) اور سچ تو یہ ہے کہ مصالحت سے چلنے والے اشخاص پر یہ ندانہ تو ایک طرح کا حق ہے۔" کچھ آگے چلکر مطلقہ عورتوں کے بارے میں بھی اسی قطع کا حکم ہے: وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ (۲: ۲۴۱) یعنی "مطلقہ عورتوں کے لیے بھی کچھ نہ کچھ ندانہ بطور احسان یا یادگار ہونا چاہیئے تاکہ فریقین صلح صفائی کے ساتھ ایک دوسرے سے جُدا ہوں، اور خدا سے صحیح معنوں میں ڈرنے والوں کے لیے تو یہ معمولی سی رواداری بطور ایک فرض کے ہے۔" مطلب یہ ہے کہ جو شخص صحیح معنوں میں متقی ہے اُسکا منتہائے نظر دنیا میں ہمیشہ یہی رہتا ہے کہ انتہائی معاملات میں بھی کم سے کم فساد پیدا ہو۔ طلاق وہ مکروہ شئے ہے جو دو فریقوں کے درمیان ایک ناقابل برداشت شقاق کا باعث ہوتی ہے۔ اگر اسکا واقع ہونا بہرنوع ضروری ہوگیا ہے تو ایک صلح پسند آدمی پر فرض ہے کہ اُس عورت کو جسکے ساتھ اس نے اتنی مدت صحبت کی ہے ایک معتدبہ رقم بطور ندرانے کے پیش کرے تاکہ مخالفت کے جذبات انتہا تک نہ پہنچنے پائیں۔ ازدواجی تعلقات کے منقطع ہونے پر فریقین ایک دوسرے کو کم از کم دشمن نہ سمجھیں اور اسلامی جماعت کے اندر شکست انگیز تفریق پیدا نہو۔

ناسمجھ اور کم عقل یتیموں کے سرپرستوں کو سورۂ نساء میں ہدایت ہے: وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (۴: ۵) یعنی "اُن کے ساتھ صلح صفائی سے بتاؤ کرو۔" محتاج سرپرست کے بارے میں ہے: وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ (۴: ۶)، یعنی "اگر سرپرست کم مقدور ہو تو اُس یتیم کے مال میں سے بقدر مناسب (بِالْمَعْرُوْفِ) اپنے گذارے کے لیے لے لے۔" یہاں بقدر مناسب سے مراد یہ ہے کہ دلمیں اس یتیم کی طرف نیکی، صلاح دہی اور مصالحت کا خیال ہو، اُسکو تباہ کرنے اور لوٹنے کی نیت نہ ہو، اُسکے بارے میں عداوت اور مخالفت کے جذبات موجزن نہ ہوں۔ بیبیوں کے ساتھ سلوک کے بارے میں ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۴: ۱۹)، یعنی "انکے ساتھ حُسن سلوک سے رہو۔" لونڈیوں سے نکاح کرنیکے متعلق ہے: وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ (۴: ۲۵)، یعنی "اُن کو اُنکی اس مستقل مصاحبت کے عوض میں اُنکے مہر منصفانہ طور پر (بِالْمَعْرُوْفِ) ادا کردو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ گھریلو عورتیں بنکر رہیں، بدکاری اُن کی غرض نہو، اور نہ پوشیدہ طور پر یار رکھیں۔" یہاں "المعروف" سے مقصود حق مہر کا اس مقدار میں ادا کرنا ہے کہ فریقین میں رضامندی پیدا ہوجائے، گویا منتہائے نظر وہی اتحاد ہے۔

سورۂ نساء میں منافقین اسلام کے بارے میں ہے: لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۝ (۴: ۱۱۴)، "اُن لوگوں کی اکثر سرگوشیوں اور خفیہ ریشہ دوانیوں میں تحد کرنے (خَيْرَ) یا صلح وصلاح کی صورت (خَيْرَ) بنانے کا تو نام نہیں، اِن کا دار و مدار ہی نفاق پر ہے، البتہ وہ شخص اس سے مستثنیٰ ہے جس نے اوروں کو ایثار مال کرنے کی ترغیب دی (اَمَرَ بِصَدَقَةٍ)، مصالحت کا کوئی عنوان قائم کیا (اَوْ مَعْرُوْفٍ) یا لوگوں کے درمیان میل ملاپ کا بیج بویا۔" یہاں صاف "معروف" سے مقصود اتحاد برخلاف تفرقہ اور نفاق کے ہے جو منافقوں کی اصلی غایت ہوا کرتی ہے۔ سورۂ توبہ میں انہی منافقوں کی تعریف میں ہے: اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ (۹: ۶۷)، یعنی "نفاق ڈالنے والے مرد اور نفاق ڈالنے والی عورتیں سب ایک ہی تھیلی کے بٹے ہیں، لوگوں کو نفاق (المنکر) کی ترغیب دیتے ہیں، اور مصالحت اور اتحاد (المعروف) سے باز رکھتے ہیں، اور یہی نہیں بلکہ ایثار مال کے

رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (۵۸ : ۷)؛ وہ اسکی محتسبانہ رقابت میں سب جزوی معاملات اور فرعی مختلفات کو بالائے طاق رکھکر اُسی کی خدمت و اعلا میں ہمہ تن مصروف ہوجائیں؛ وہ اس احکم الحاکمین کے

لہ اے انسان! کیا تونے اس حقیقت پر کبھی غور نہیں کیا کہ اللہ تو جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہورہا ہے اسکا علم رکھتا ہے جب تین شخص آپسمیں صلاح و مشورہ کرتے ہیں تو بہرحال چوتھا وہ ہوتا ہے، اور پانچ ہوں تو چھٹا وہ ہوتا ہے، اور اس سے کم ہوں یا زیادہ اور کہیں بھی ہوں وہ اُن کے ساتھ ضرور ہوتا ہے پھر جو جو کام یہ آج کررہے ہیں اُن کو روزِ قیامت کو موبمو بتلادے گا، لوگو! درحقیقت خدا ہر چیز سے واقف ہے!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۷) تحت المتن میں ہوچکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ نے اتحاد کے اجتماعی حسن عمل کو یہاں پر لفظ "الخیر" سے یاد فرمایا ہے (یَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ)۔ "المعروف" اور "معروف" کے الفاظ بھی کلام الٰہی کے اندر بالالتزام دو شخصوں یا فریقوں کے درمیان مصالحت یا صورت اصلاح و اتحاد پیدا کرنے کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں خاوند اور عورت کے باہمی تعلقات کی کشیدگی کے بارے میں ہے: وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا (۲ : ۲۳۱)، "اور جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو اور انکی عدت پوری ہونے کو ہو تو یا طلاق کا ارادہ فسخ کرکے انکو پوری صلح صفائی سے (بِمَعْرُوفٍ) پھر زوجیت میں رکھ لو، یا اُن کو مصالحت سے رخصت کردو، اور دُکھ دینے کی نیت سے انکو نہ رکھو کہ بعد میں زیادتی کرو۔" یہی مضمون اس آیت سے ذرا پہلے بھی ہے: فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (۲ : ۲۲۹)؛ یعنی "یا صلح صفائی کے ساتھ پھر زوجیت میں لے لینا، یا خوش اسلوبی سے رخصت کردینا۔" ایک آیت پہلے پھر اسی مضمون کی تصریح ہے: وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (۲ : ۲۲۸)، یعنی "اور اگر اُنکے خاوند مصالحت کرنا چاہیں تو اُن کو پورا حق ہے کہ اس اثنا میں اپنی عورتوں کو پھر اپنی زوجیت میں واپس لے لیں، اور اُس صورت میں جس طرح پر مصالحت اور صلح صفائی سے رہنا عورتوں پر لازم ہے (عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ) اسی طرح پر مردوں کی طرف سے عورتوں کے ساتھ (لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي) مصالحت کا سلوک کیا جانا بھی لازم ہے۔" اسی رکوع میں مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے: فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ (۲ : ۲۳۲)، یعنی "طلاق ہوئے پیچھے تم ان عورتوں کو منع نہ کرو کہ نئے خاوندوں سے نکاح کریں اگر دو فریق آپس میں مصالحت اور اتحاد پر (بِالْمَعْرُوفِ) راضی ہوگئے ہوں۔" آگے چلکر دودھ پلانے کی اُجرت کے بارے میں ہے: وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (۲ : ۲۳۳)، "اور باپ پر لازم ہے کہ ایسی زیر تجویز مطلقہ ماؤں کو صلح صفائی کے ساتھ کھانا اور کپڑا دے۔" اور اگر دایہ سے دودھ پلانے کا باہمی سمجھوتہ ہوجائے تو فرمایا ہے: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ (۲ : ۲۳۳)، یعنی "اس صورت میں دایہ سے دودھ پلوالینے میں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ جو کچھ ماؤں کو دینا کیا تھا صلح صفائی کے ساتھ دے دو۔" رانڈ عورتوں کے دوسرے بیاہ کے بارے میں ہے: فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (۲ : ۲۳۴)، "پھر جب وہ اپنی عدت پوری کرچکیں تو نیک نیتی اور صلح روی سے (بِالْمَعْرُوفِ) جو کچھ دوسرے بیاہ کے بارے میں اپنے دل میں ٹھان لیں اسکی پرسش تم وارثانِ میت سے کچھ نہیں، اور اسی لیے تمہیں اس فعل سے واسطہ نہیں جو چاہیں اُن کو کرنے دیں۔" اس موقع پر المعروف سے مراد رانڈ عورت کا صلاح روی کے ساتھ دوسرا بیاہ کرنا ہے، نہ یہ کہ اُٹھے اور وہ وطیرہ اختیار کرے جس سے خاندان کی ناموس برباد ہو اور فضیحتی کی صورت پیدا ہو۔ گویا یہاں بھی مقصود اصلاح و اتحاد اور فساد کو مٹانا ہی ہے۔ شادی شدہ باکرہ عورتوں کو شبِ زفاف سے پیشتر طلاق دینے کے بارے میں ارشاد ہے کہ کچھ گناہ نہیں مگر ہاں اُن کو بطور احسان کے کچھ دے دینا چاہیئے: عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝ (۲ : ۲۳۶)، "مقدور والا اپنی حیثیت کے مطابق اور بے مقدور اپنی حیثیت کے موافق۔ تم اسکو ایک نرالہ

اِسی اتقا کے قیام اور باہمی نفاق کو دور کرنیکے لیئے قرآن آیا تھا: فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ (۱۹: ۹۷)؛ اِسی الخیر اور المعروف کی مسلسل تبلیغ اور سپیم تلقین کیلئے رب العلمین نے مسلمانوں میں ایک مستقل جماعت کی تاسیس ضروری سمجھی تھی؛ یہ تفریق بین الافراد ہی وہ المنکر اور صحیفہ کائنات کا وہ سب سے بڑا گناہ تھا جسکے اِنہاد استیصال کے لیئے مسلمانان جہان پر ایک غیر منقطع جہاد لازمی کر دیا تھا: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۳: ۱۰۳)؛ اِسی صحیح تقوٰی کے وسیلۂ عمل سے مسلمانانِ عالم کو ساکنانِ زمین پر ایک امتیازی خصوصیت اور مقامِ بلند ملنے کا وعدہ تھا؛ اور اسی تقوی کے انعام میں منعم حقیقی نے دنیا کے

لہ اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہنا کر سہل الفہم صرف اسلیے کر دیا تھا کہ تم اسکے ذریعے سے متقی (اور متحد) قوم کو (اجتماعی بقا) کی بشارت دو اور نفاق آرا اور جھگڑالو قوم کو اجتماعی ہلاکت اور عذاب سے ڈراؤ۔ (اس آیت کے لفظ المتقین کے متعلق ایک بحث صفحہ ۹۰ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے) لہ ترجمے کیلئے دیکھو صفحہ ۱۴۵۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۵۰) الغرض جس نقطۂ نظر اور درجہ تعمق سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والی آیات کو دیکھا جائے، ہر صاحب نظر کو ان کا مطالعہ لامحالہ اس نتیجے پر پہونچاتا ہے کہ کلام الٰہی کی قانونی زبان میں المعروف کی اصطلاح سے مراد اتحاد اور المنکر سے مقصود نفاق اور اختلاف ہی ہے۔ نیکی، بدی، برائی کے لغوی معانی جو شارحین قرآن نے ان دو اصطلاحوں کے لیئے ہیں اسقدر غیر محدود اور بے نتیجہ ہیں کہ ان کے مان لینے کے بعد کسی ایک حکم خدا کے بارے میں مستقل نتائج پر پہونچنا از بس دشوار ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم ساکنانِ زمین کے لیئے ایک قانون عمل ہے۔ اور قانونی کتاب کے سزاوار یہی ہے کہ اس کا کوئی قانون قیاس یا رائے یا تاویل کے تابع نہ ہو سکے، بلکہ ایک حکم کا صرف ایک ہی مطلب اور ایک ہی طریق عمل ہو اور بس، نہیں بلکہ سب سے ضروری امر کہ ہر متفرع المعانی اصطلاح کی آئینی تعریف خود اُسکے اندر موجود ہو، اپنی وضع کی ہوئی مصطلحات کی شرح وبسط کے لیئے اسکو کسی دوسری کتاب کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ بعینہ انہی معانی میں قرآن عظیم تمام انسانی لغات سے بے نیاز ہے۔ (دیکھو صفحہ ۹۱-۹۲) وہ اپنی سب مصطلحات کی آپ ہی تعریف کرتا ہے، آپ ہی اپنی لغت، اور آپ ہی اپنی تشریح ہے، اسکے کسی ایک امر و نہی یا آیت کا صرف ایک ہی پیش نہاد، ایک ہی مقصود، اور ایک ہی طرز عمل ہے۔ دستور خدا کے شارحین کا فرض ہے کہ وہ اُس مقنن اعظم تقسم کے واحد عندیے کو صاف اور روشن الفاظ میں واضح کر دیں کہ انتشار عمل کی گنجایش باقی نہ رہے، کوئی شخص یا گروہ تاویل کو دھوکے کی ٹٹی بنا کر گریز کی سبیل نہ نکال سکے، مکر و ریا کی آڑ میں نہ چھپے، جہل کو عذر نہ بنا سکے۔ جو تفسیر اس اہم مقصود کو پیش نظر نہیں رکھتی وہ فی الحقیقت کلام خدا کی شرح نہیں۔ اس کا پیش نہاد اشتات عمل ہے، تفریق قوام و تضعیف امت ہے۔ جب تک مطالب بین اور غیر مشکوک، واحد اور محدود نہ ہو جائیں کسی حکم کی تعمیل کرنا محال ہے، جب تک آقا کا صحیح عندیہ معلوم نہ ہو غلام کی تعمیل بے معنی ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ (۱۶: ۴۴)۔ 'المعروف' اور 'المنکر' کے صحیح مفہوم کے متعلق اسی تبیین کی سعی میں نے اس تحت المتن میں کی ہے اور میرا یقین ہو چکا ہے کہ جہاں جہاں ان الفاظ کا استعمال قرآن کریم میں ہوا ہے وہاں الٰہی مقصود یہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ بہر نوع یہ تمام بحث و تمحیص اس دعوے کا مزید و حتمی ثبوت ہے کہ قرآن حکیم اپنی اصطلاحات کی تبیین میں تمام انسانی لغات سے بے نیاز ہے، نہیں بلکہ لغت اسکے مطالب کی تشریح کیلئے اکثر اوقات گمراہ کن ہے کیونکہ تغیر پذیر ہے اور لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (۶: ۱۱۶) صفحہ ۹۲-۹۳ کے تحت میں نہیں آسکتی۔

لہ مطالب کے لیئے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۵۹۔

مومنوں کے صبر میں استقامت، اور اتحاد میں استواری پیدا کردی تھی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۳: ۱۹۹)۔ یہی وہ ہیبت انگیز ذکر، اور ارتعاش آفریں یادِ خدا تھی جو تیروں اور تلواروں کی بارش میں بھی پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دیتی تھی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۸: ۴۵)۔ اسی باہمی ولایت اور اتقا کا لازمی نتیجہ فلاحِ دین اور غلبۂ اسلام تھا: وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (۵: ۵۶)۔

۵۱ دیکھو صفحہ ۲۰۰ ۵۲ دیکھو صفحہ ۱۴۳ ۵۳ اور جو اللہ کا دوست اور رسول کا معاون بنا رہا، اور جس نے ایمان والوں کے ساتھ اتحاد قائم کیا، وہ اللہ کے گروہ میں سے ہے۔ اور اللہ کا گروہ ہی تو غالب گروہ ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۹) موقع پر اپنی سُتھیاں بھینچ لیتے ہیں"۔ یہاں پہلی دفعہ 'المنکر' کا لفظ آیا ہے اور ہر صاحب نظر بطور خود دیکھ سکتا ہے کہ 'المعروف'، اور 'المنکر'، کا منتہائے نظر اس آیۂ کریمہ میں بعینہٖ وہی ہے جو آیاتِ زیر بحث یعنی (۳: ۱۰۱-۱۰۴) صفحہ ۱۴۵) میں ہم نے ظاہر کیا ہے۔ اس نقطۂ نظر کی تصدیق حیرت انگیز طور پر آیندہ آیتوں سے ہوتی ہے جو مومنوں کی تعریف میں آئی ہیں: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۹: ۷۱)، "اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں ایک دوسرے کے صحیح معنوں میں دوست ہیں، وہ لوگوں کو باہم گرتحد ہونے (المعروف) کی دعوت دیتے رہتے ہیں، اور نفاق (المنکر) کے مکروہ نتائج سے باز رکھنے کی سعی کرتے ہیں، اور الصلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں، اور حسب موقع ایثار مال کرتے، اور خدا اور اُسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں"۔ الصلوٰۃ کی اجتماعی حیثیت، الزکوٰۃ کے اجتماعی فوائد اور اطاعت خدا و رسول کی ماہیت اور سیاسی حکمت عملی پر بحث آیندہ اوراق میں آئے گی، لیکن سیاق مضمون سے عیاں ہے کہ المعروف کی دعوت فی الحقیقت اتحاد ہی کی دعوت ہے، اسکے سوا شتاً اور اصلاً کچھ نہیں۔ المنکر کی الٰہی اصطلاح تفریق اور مخالفت کے معنوں میں ایک دو اور موقعوں پر استعمال ہوئی ہے جو یہاں لکھ دیئے جاتے ہیں، باقی موقعے اصل کتاب میں عنقریب آئیں گے۔ سورۂ حج میں ہے: وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ یَكَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا (۲۲: ۷۲)، یعنی "اے پیغمبر! جب ان منکرین عرب کو ہمارے روشن اور نصیحت خیز احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو تم ان لوگوں کے چہروں پر مخالفت اور نفاق کے آثار اس شدت سے دیکھتے ہو کہ گویا کوئی دم میں یہ لوگ ہمارے احکام سنانیوالوں پر حملہ کر بیٹھیں گے"۔ گویا 'المنکر' یہاں پر وہ قلبی انکار ہے جسکا نتیجہ تفریق اور اختلاف ہے۔ سورۂ عنکبوت میں حضرت لوط علیہ السلام کا قول اپنی قوم کے بارے میں ہے: اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ (۲۹: ۲۹)، یعنی "کیا تم لوگ عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو، شاہراہوں پر ڈاکے مارتے ہو، اور اپنی ٹولیوں میں دنگے مچاتے اور ناچا قیاں پیدا کرتے ہو (المنکر)"۔ مفسرین نے جو 'المنکر' سے مراد "بے حیائی کے کام" لیا ہے محض بے سبب اور بے سند ہے۔ جب تَاْتُوْنَ الرِّجَالَ اور تَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ کے الفاظ میں نوعیتِ جرم کی پوری تخصیص ہے تو تاتون المنکر میں بھی وہ تخصیص جاری رہنی چاہیئے، اور وہ سوا اسکے نہیں جو ہم نے بیان کردی۔ رہزنوں اور لواطت پرست غنڈوں کا شیوہ ہمیشہ سے یہی چلا آیا ہے کہ بات بات پر دنگا کھڑا کر دیتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے خلاف گروہ بن جاتے ہیں۔ یہی وہ جرم عظیم تھے جن کی پاداش میں قوم لوط کی تباہی ہوئی تھی۔ لواطت سے بڑھکر کیا بے حیائی ہوگی جس کا ذکر تَاْتُوْنَ الرِّجَالَ بلکہ اس سے پیشتر کی آیت (۲۹: ۲۸) میں اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ کے الفاظ میں، ہو چکا ہے۔ پھر یہ تین دفعہ ایک ہی شے کو بے سبب دُہرانا کلام الٰہی کے شایان شان نہیں۔

(باقی)

فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ۝ (۳: ۱۹۵-۱۹۷)

اے پیغمبرؐ! دشمنانِ خدا کا اِن تمہارے شہروں میں چلنا پھرنا، اور ایمان والوں کے بالمقابل دنیا میں آرام و آسایش سے رہنا تمہیں کہیں مغالطے میں نہ ڈال دے۔ یہ سب ایک قلیل فائدہ، اور چند روزہ مہلت ہی جو انکو دیجا رہی ہے۔ پھر دیکھ لینا اِن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہی۔ لیکن جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا سچا خوف کیا ہم اُنکے استقلال اور استقامت، اُنکے صبر اتحاد کے بدلے میں اُنکو ایسے خوشنما باغوں میں داخل کرینگے جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ اسمیں ایک مدت مدید تک رہینگے۔ یہ تو انکی مہمانی اللہ کی طرف سے اِس دنیا میں ہوگی، اور جو کچھ حُسن عمل کرنیوالوں کے لیئے اللہ کے پاس رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے۔

❖ اِن آیات میں بعض باتیں نہایت غور طلب ہیں:-

اولاً۔ یہاں پر کُفر، اور اتقا، کا باہم مقابلہ کیا گیا ہے۔ کافر اقوام کی دنیوی آسایش اور بہجت کو 'مَتَاعٌ قَلِيلٌ'، کہا گیا ہی، اور مراد یہ ہے کہ ایک اقل قلیل مدت کے اندر ہر کافر، قوم سے دنیاوی نعمتوں کا چھینا جانا اٹل ہے، اور بعد ازاں اِس دنیا کے اندر تکست ریخت ابدالآباد تک انکا حصہ ہی (ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ)۔ کافر، قوم کے دنیاوی عذاب اور اجتماعی ہلاکت کے متعلق مقدمہ کتاب کے آخری حصے (صفحہ ۹۶) میں قرآن حکیم کا محاکمہ پیش کر دیا تھا، اور وہ یہ تھا کہ ہر کافر، قوم کی اجتماعی ہلاکت قطعی ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے 'مَتَاعٌ قَلِيلٌ' کا مذکرۂ بالا مفہوم عیاں ہے۔ اکثر لوگوں نے 'مَتَاعٌ قَلِيلٌ' کا مفہوم یہ سمجھ لیا ہے کہ کافر اقوام کو جو دنیاوی نعمتیں مل رہی ہیں وہ اُنکو دنیا کی اس چند روزہ زندگی کیلئے ملتی ہیں اور نسلاً بعد نسل بدستور ملتی رہیں گی، پھر مرنیکے بعد یا قیامت کے دن اُنکو جہنم میں ڈالا جائیگا۔ وغیرہ وغیرہ، یہ سب فلسفہ نہایت لچر اور ناپاک ہی۔ سوال یہ ہی کہ جب خدا اُن سے ناراض ہی تو دنیا کی چند روزہ نعمتیں بھی کیوں اُنکو ملیں، یہیں سے عذاب کیوں نہ شروع ہو جائے اور آخر دم تک ملتا رہے۔ کیا یہ بات (معاذ اللہ) خدا کے بس کی نہیں رہی کہ وہ اِس دنیا کے اندر اُن سے نعمتیں چھین سکے۔ اور سنۂ آخرت کے واقع ہونیسے پہلے نہ دے سکے۔ قرآن حکیم کی تمام حکمت اِس نادر تخیل کے سراسر خلاف ہی۔ اور اِس تخیل کا اُمت حاضرہ میں رواج پا جانا بھی درحقیقت 'کافر' اور 'کفر' کے صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی۔ خود 'اَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ' (۳: ۱۳۹) صفحہ ۱۳۰ کا مضمون 'کافر' قوم کی دنیاوی خوشحالی کے حتماً نقیض ہے اور صاف اِس امر کا دعویدار ہے کہ مومن، قوم ہی کی دنیوی فلاح قطعی ہے۔ یہی بات 'فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ' (۵: ۵۶) صفحہ ۵۱ سے ظاہر ہے، اور اگر قرآن حکیم اختلاف کے انسانی عیب سے قطعاً مبرا ہے تو دنیاوی خوشحالی کسی کافر، قوم کے شامل حال حتماً نہیں ہو سکتی۔ جو بات آیات زیر بحث (یعنی ۳: ۱۹۵-۱۹۶) میں کہی گئی ہے یہ ہی کہ منکرین خدا کی ظاہری خوش حالی، اُن کا تغلب اور تمکن فی الارض ایمان والوں کو دھوکہ نہ دے، اُن کو متعجب نہ کر دے کہ خدا کی طرف سے ان کو انعام کیوں مل رہے ہیں، دراصل انکو انعام مل نہیں رہے بلکہ رفتہ رفتہ اُن سے چھینے جا رہے ہیں۔ جو تغلب یا تمکن اُن کو اپنے آباؤ اجداد کیطرف سے وراثۃً ملا ہے وہ ایک متاع قلیل ہی۔ ایک اقل قلیل مدت میں انکے نااہل اور **بے ایمان** ہو جانے کے باعث چھین لیا جائے گا گویا تمہارے آنے کے چھینے جانے کی تیاری ہو رہی ہے اور ہلاکت اُن کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ پھر جب عذاب آخری آپہنچے گا تو اُن کا ٹھکانا جہنم ہے! (ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ)۔

ثانیاً آیات زیر بحث (۳: ۱۹۵) میں کافر قوم کی متاع قلیل کے بالمقابل 'متقی' قوم کی دائمی آسایش کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بتلایا ہے کہ جہاں کافر، قوم کی دنیوی طاقت روز بروز زوال پر ہے اور کوئی دن جاتا ہے کہ وہ صفحۂ زمین سے نیست و نابود ہو جائے وہاں 'متقی' قوم کا یہ حال ہے کہ سرسبز زمینوں کی بادشاہت اُن کا حصہ ہے (لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ)، وہ ان زمینوں کے مالک سدا سدا کو رہیں گے

شاداب اور سرسبز ملکوں کی بادشاہت مومنوں کے لیے اپنے پاس بطور امانت رکھ لی تھی!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○ (۸: ۲۹)

اے ایمان والو! اگر تم خدا کا سچا خوف کرکے (متحد بنے) رہوگے تو وہ تمہارے لیے ایک امتیاز پیدا کردے گا، تمہاری سب اجتماعی واماندگیوں اور دنیاوی خستہ حالیوں کو تم سے دور کردے گا، تمہاری پشتینی غفلتوں سے چشم پوشی کرے گا، اور خدا تو فی الحقیقت بڑا فضل کرنیوالا ہی بشرطیکہ بندے اُسکے حکموں پر چلیں۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ○ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا ۖ وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ○ (۱۶: ۱۲۷-۱۲۸)

اور اے پیغمبر! مخالفوں کی ایذاؤں کو صبر اور استقلال سے برداشت کرو۔ جہاں تمہیں تکالیف خدا کی وجہ پہونچ رہی ہیں، وہاں تمہارا تحمل بھی خدا ہی کی وجہ سے ہوگا (ورنہ یہ لوگ فی الحقیقت صبر کے اہل نہیں)۔ لیکن انکے سلوک کو دیکھکر غم بھی نہ کھاؤ اور جو چالبازیاں یہ تمہارے برخلاف کر رہے ہیں اس سے دل تنگ بھی نہ ہوجاؤ، بلکہ استقلال سے اپنے اصولوں پر جمے رہو، کیونکہ تقوٰی کا صحیح مفہوم یہی ہے۔ اللہ بیشک اُنہیں کا ساتھ دیتا ہے جو مقام خدا کا سچا خوف دل میں رکھکر اسکی لڑائیاں استقلال سے لڑتے ہیں، اور جو اجتماعی بہبودی کو پیش نظر رکھکر حُسن عمل کرتے ہیں (هُم مُّحْسِنُونَ ○ دیکھو حَسَنَات کا مفہوم تحت المتن صفحہ ۱۳۰۔ الیٰ آخرہ)

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ○ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

✝ 'يُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ' کے الفاظ کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۱۳۱ کے تحت المتن میں ہوچکی ہے جہاں پر عیاں کردیا ہے کہ اس جملے سے صاحب القرآن تعالیٰ کی مراد اجتماعی اور دنیاوی بدحالیوں، اور قومی واماندگیوں کا دور کرنا ہے۔ 'يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا' کے الفاظ سے ان مطالب کی اور بھی تائید و تصدیق ہوتی ہے کیونکہ فُرقان، یعنی امتیاز باقی اقوام عالم کے بالمقابل، اور دنیاوی حیثیت ہی سے ہوسکتا ہے ورنہ بے معنی ہے، اور اگر یہ امتیاز روز قیامت ہی کو عیاں ہونا جیسا کہ آجکل کے نابکار مسلمانوں نے فرض کرلیا ہے تو 'يَغْفِرْ لَكُمْ' کے الفاظ اس مطلب کو ادا کرنے کے لیے بالکل کافی تھے۔ یہ بات 'وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ' سے بھی ظاہر ہے کیونکہ جیسا آگے چلکر ثابت کیا جائے گا 'فضل' کے معنی ازروئے قرآن دنیاوی افضال ہی کے ہیں۔

✣ ان آیات الٰہی سے ظاہر ہے کہ 'صبر' یعنی مصائب ونوائب کا استقلال سے مقابلہ کرنا۔ "اتقائے الٰہی" کی ایک اہم شق ہے یہی بات آیۂ (۱۶: ۱۲۸) سے ظاہر ہے جو مقدمۂ کتاب میں صفحہ ۳۹ پر آچکی ہے۔

جس کی آسماں دوز زد اور زمیں پاش ٹکر سے قرنوں کی مستحکم اور مقیم سلطنتوں کی بنیادیں ہل جاتی تھیں!
جس کی آہنیں ضرب سے رومۃ الکبریٰ اور فارس کے بلند نشینانِ عیش و عشرت کے تخت ہلنے، اور تاج ڈگمگانے لگتے تھے! جسکے قلعہ شکن اور حوصلہ کش گھمسان کے باعث قوی سے قوی دشمن کے حواس باختہ، اور روحیں فنا ہوجاتی تھیں! جس کی خانہ برباد طاقت اور تباہ کن قوت کا راز، دشمن سے قطع نظر، آج خود ہمارے لیئے تازیانۂ عبرت ہے:

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ (۵۹ : ۲)

وہ خدا ہی تو تھا جسنے اپنے بہادر اور ثابت قدم مومنوں کے ذریعے سے منکرِ خدا اہل کتاب کو اُن کے گھروں سے پہلی بھاگڑ بنا کر نکال دیا! اے ایمان والو! تمہیں اپنی قوت کا صحیح اندازہ نہ ہونے کے باعث گمان بھی نہ تھا کہ یہ لوگ اپنے گھروں سے نکل جائیں گے، وہ اس خیال میں مست تھے کہ اُنکے قلعے اُن کو خدا کی پکڑ سے بچالیں گے، مگر اللہ کے لشکر نے انکو اُدھر سے وہ پکڑا جدھر سے اُن کو وہم و گمان بھی نہ تھا، اور اُن کے دلوں میں ایمان والوں کی ہیبت بٹھا دی! اب وہ اِن گھروں کو اپنے ہاتھوں اور ایمان والوں کے ہاتھوں سے اُجاڑ رہے ہیں، تو اے بصیرت والو! اس واقعہ سے عبرت پکڑو کہ ایماں کیا کچھ کرسکتا ہے!

کیا یہ اللہ کا محبت آمیز **ڈر**، کیا یہ اُس سب سے بڑے سپہ سالارؐ کا **ہول** مرتبت، کیا یہ اُس قائدِ اعظمؐ کا عشق انگیز **خوف**، کیا یہ اُس دلق پوش پیغمبرؐ کا **رعبِ** رسالت، یورپ کی حصن پاش توپوں اور رومۃ الکبریٰ کی قلعہ نشین فوج کی منجنیقوں سے بدرجہا مہیب اور مُہلک تر **ہتھیار** نہ تھا جس نے صدرِ اسلام کے مُتقی مومنوں کو انہی شکستہ نیزوں اور کُند تلواروں کے ذریعے سے روئے زمین کے شاداب تر ملکوں کا وارث بنا دیا تھا!

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ

† یہاں صاف ظاہر ہے کہ متقی قوم کی دنیا بھی درست ہے اور آخرت بھی بخیر گذریگی۔ پس دنیاوی خوشحالی کا ہونا اور نہ ہونا اے الٰہی سے فیضیاب ہونے کی اہلیت رکھنا ہی اتقائے خدا کی علامت ہے، لیکن یہ بحث پانچویں مجلد سے پہلے نہ ہوسکیگی: اَشَآءُ کے متذکرہ صدر معانی کا ثبوت فلسفہ عمل میں آئے گا۔

آہ! یہ کیا **فرقانِ عظیم** تھا؟ یہ کیا میسّر مقام تھا؟ یہ کیا نہروں والے باغوں کی دائمی بادشاہت تھی جو دربار رب العٰلمین سے تقوٰی کے صلے میں مہمانیٔ خدا بن کر نازل ہونی تھی اور جلد تر ہوئی! کیا یہ تقوٰی، کیا یہی تقوٰی جو آج ہماری مسخ مصطلحات، غلط محاورات، اور تحریف شدہ مطالب کے رو سے تسبیح کے دانوں کا دیوانہ وار مرتعش انگلیوں کے درمیان سے سرکاتے رہنا، لمبے لمبے جُبّے، بڑے بڑے عمامے، اور رنگ دار داڑھیاں بنا بنا کر اسلام کُش اور تفرقہ انگیز اعمال کرنا، خلقِ خدا کی آنکھوں میں دُھول ڈالکر پرہیزگار بنے رہنا، یا شبانہ روز بے روح و اثر سجدوں سے ماتھے کو زمین پر ٹھکرا کر، دنیا و مافیہا سے الگ تھلگ رہنے، اور اللہ کی عزیز القدر نعمتوں پر نہایت بیدردی اور اصرار سے لات مارنے کا مترادف ہے: یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ[۱] (۱۶: ۸۳)، کیا یہی تقوٰی وہ خوفناک اسلحہ تھا

---

[۱] یہ لوگ خدا کی نعمتوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں پھر تجاہل عارفانہ کرکے اُن سے انکار کرتے ہیں اور اُن میں سے اکثر ان نعمتوں ہی کے منکر نہیں، بلکہ درحقیقت خدا کے منکر ہیں۔ (گویا ازروئے قرآن خدا کی نیوی نعمتوں کی بیقدری کرنی کفر ہے۔ 'نعمت' کا قرآنی مفہوم آگے چلکر اسی مجلد میں واضح کر دیا جائے گا)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵۳) رخٰلِدِیْنَ فِیْهَا)۔ گویا جبتک قرآنی اصطلاح میں متقی رہینگے دنیوی تغلب اُن کے حصے میں رہیگا!

'اتقا' کی مکمل تشریح ابھی تک نہیں ہوئی، اسکے لیے ابھی بہت وقت درکار ہے مگر جو کچھ ابتک حاصل ہوا ہے یہ ہے کہ ازروئے قرآن (۱) مصائب کا استقلال سے مقابلہ کرنا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۳۹۔ آیت (۷: ۱۲۸) اور صفحہ ۱۵۲۔ آیات (۱۶: ۱۲۷-۱۲۸)) (۲) "اُمّتِ واحدہ" بنے رہنا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۹۴۔ آیت (۲۳: ۵۲))، (۳) "قَوْمًا لُّدًّا" نہ بننا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۹۷۔ آیت (۱۹: ۹۷))، (۴) اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ، اور لَا تَفَرَّقُوْا، کا مصداق بننا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۱۴۴۔ آیات (۳: ۱۰۱-۱۰۲))، (۵) 'اصْبِرُوْا' اور 'صَابِرُوْا' اور 'رَابِطُوْا' پر عمل کرنا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۱۵۰۔ آیت (۳: ۱۹۹))۔ جس قوم میں یہ خاصیتیں موجود ہیں وہ ازروئے قرآن متقی ہے، اور ایسی مستقل مزاج، اولوالعزم، متحد، نافرقہ بند، اور صاحب اخوت قوم کا روئے زمین پر تسلط قطعی ہے۔ اس مقام نظر سے ثابت ہے کہ زیر بحث آیت میں کافر قوم کا متقی قوم سے مقابلہ کرکے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اوّل الذکر قوم کی دنیاوی نعمتیں محض چند روزہ ہیں، مگر مؤخر الذکر کے لیے جنّاتِ زمین ہیں جنکے نیچے نہریں پڑی بہہ رہی ہیں، وہ اُن میں جبتک متقی بنے رہیں گے، رہیں گے۔ یہ مہمانی اُن کی اس روئے زمین پر خدا کے ہاں سے ہوگی (مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ) اور جو کچھ رفد آخرت کو اس بادشاہت زمین کے سوا خدا کے پاس (عِنْدَ اللّٰهِ) ملیگا، وہ اس سے بدرجہا بہتر (خَیْرٌ) ہے۔

'نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ' کے الفاظ کے بعد 'وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ' کہنا، اور بعد ازاں مقابلے کے لیے 'خَیْرٌ' کا لفظ استعمال کرنا صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ سے مراد بادشاہت زمین ہی ہے اسکے ماسوا حتماً کچھ نہیں، اور 'وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ' کا مفہوم 'الجنّۃ' کی آسائش ہے جو آخرت میں ملیگا، اور جو بادشاہت زمین کی نعمت سے بدرجہا بہتر نعمت ہے۔ 'خٰلِدِیْنَ فِیْهَا' سے شارحین قرآن نے مراد ابد تک ہمیشہ رہنا لیا ہے لیکن خلود کے معنی ایک مدت مدید تک رہنے کے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ 'مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ' اور 'مَا عِنْدَ اللّٰهِ' کا تقابل صفحہ ۱۲۲ کی آیت (۳: ۱۹۴) میں گذر چکا ہے، اور وہاں بھی جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے الفاظ موجود ہیں۔ یہ دونوں آیات الٰہی جنات کے متذکرہ صدر معانی کی زبردست دلیلیں ہیں۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ ۚ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۹: ۱۳)

اے ایمان والو! تم اُن لوگوں سے دل کھولکر کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا، اور رسول خدا کو وطن بدر کر دینے کا ارادہ کیا، اور ایذا دینے میں پہل بھی انہوں نے کی۔ کیا تم ان لوگوں کی طاقت اور تعداد سے ڈرتے ہو؟ پس اگر تم میں ایمان موجود ہے تو خدا ان سے کہیں بڑھکر حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵۶) ہو جائے! انسان کے **انسان** کی عبادت کرنیکے متعلق کتاب خدا کا محاکمہ ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ (۱۷: ۵۶-۵۷)

اے محمدؐ! اِن لوگوں سے کہہ دو کہ خدا کو چھوڑ کر تم نے جن انسانوں (الَّذِيْنَ) کو اپنے زعم میں اپنا کارساز سمجھ رکھا ہے۔ (جن کو تم خدا کے ساتھ ساتھ طاقتور اور مشکلکشا سمجھ بیٹھے ہو) ان کو پکار دیکھو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ لوگ نہ تم سے تکلیف کو دور کر سکینگے اور نہ اُسکو بدل ہی سکیں گے۔ یہ شخص جنکو نادان لوگ حاجت روا سمجھکر پکارتے ہیں، (اور جنسے اپنے مشکلکشا اور سفارشی بننے کی آس لگائے بیٹھے ہیں)، خود اس قدر محتاج ہیں کہ ان میں سے خدا کے بڑے مقرب بھی (اَيُّهُمْ اَقْرَبُ) اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنیکے وسیلے ڈھونڈتے رہتے ہیں (يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ)، اُس کی رحمت کے ہر دم چشم براہ، اور اُسکی سزا سے ہر آن خوفزدہ رہتے ہیں (تو وہ پھر مشکلکشا اور سفارشی آپ کیسے بن سکتے ہیں)، اور لوگو! خدا کا عذاب وہ شئے ہے جس سے ڈرنے کے سوا کسی کو چارہ نہیں۔

یہاں پر انسان کو انسان کی 'عبادت' اور ملازمت اختیار کرنیسے منع کیا ہے، اور بصراحت تمام اس بات پر زور دیا ہے کہ خدا اور انسان کے درمیان بڑے سے بڑا انسان اور معزز سے معزز بشر بھی حاجت روائی کا وسیلہ یا نجات کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُن میں سے جو سب سے زیادہ مقرب بارگاہ ہے وہ بھی اُس صاحب کبریا و جبروت کے سامنے اس قدر عاجز اور بے بس ہے کہ اسکو اپنا ہی قرب اور تعزز برقرار رکھنے کے لیئے وسائل ڈھونڈنے سے فرصت نہیں ملتی، پھر وہ کسی غیر کی سفارش یا مشکلکشائی کیا کر سکیگا۔ گویا جب بڑے سے بڑا نبیؐ بھی اپنی ہی نجات کے فکر میں ہے، اور اُسکے لیئے شب و روز سعی کر رہا ہے تو پھر کسی خود ساختہ "پیر طریقت" یا "ولی" کی کیا مجال ہے کہ کارسازی کر سکے۔ جب اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی انسان کسی انسان کا 'وسیلہ' نہیں بن سکتا، اور بڑے سے بڑا انسان حتیٰ کہ نبیؐ بھی اپنی نجات کا 'وسیلہ' ڈھونڈھتا ہے تو يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ، کے 'الْوَسِيْلَةَ' کا مفہوم لامحالہ پیر پرستی کے علاوہ کوئی اور شئے ہے جو انبیاء جیسے مقرب بارگاہ انسان بھی تلاش کرتے ہیں، اور وہ شئے سعی و عمل کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے 'اَقْرَبُ' بارگاہِ الٰہ ہونیمیں کسی ایک مسلمان کو اعتراض نہیں ہوگا، اور یہ بھی مسلم ہے کہ آپنے اپنی زندگی میں کوئی پیر نہیں پکڑا تھا بلکہ تمام عمر سعی و عمل کرتے کرتے انتقال کر گئے۔ یہی بات آیت زیر بحث کے سیاق سے ظاہر ہے جہاں 'ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ'، کے معاً بعد 'وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ' کہا گیا ہے جسکے واحد معنی یہی ہیں کہ خدا کی راہ میں اپنا جان، مال، آرام، گھر بار سب کچھ دیدو۔ ایک سپاہی کو بادشاہ کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنیکے لیئے بعینہ یہی سعی و عمل ضروری ہے نہ یہ کہ بادشاہ کی لڑائیاں لڑنے سے انکار کرے اور تمغے حاصل کرنے یا کرسی نشین بننے کے لیئے دوسروں کی سفارش کا طلبگار بنے۔ خدائے زمین و آسمان کی حکومت اہل فرنگ کی حکومت کی طرح (معاذ اللہ) پوچ نہیں ہے کہ تمغے کسی کی سفارش پر بلا سعی و عمل ملجایا کریں۔ ان آیات کا مضمون کپکپا دینے والا مضمون ہے۔ بشرطیکہ مسلمان غور کریں۔

✤ یہاں 'ایمان' کی شرط لاینفک قرار دی گئی ہے کہ انسان خدا کے سوا کسی کمتر ہستی سے خوفزدہ نہ ہو اور دشمن سے بیخوف و خطر قتال کرے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۷: ۱۵۶)

اور اُنھوں نے کہا کہ اے پروردگار عالم! تو اِس دنیا کی بہتری اور آخرت کی فلاح ہمارے نام لکھدے کیونکہ ہم سب سے الگ ہوکر تیری ہی طرف آگئے ہیں، تو اللہ نے فرمایا کہ ہم اپنا عذاب تو اُسی پر نازل کرتے ہیں جسکو ہم بہمہ وجوہ مستوجب سزا قرار دیتے ہیں (مَنْ اَشَآءُ)، لیکن ہماری رحمت تمام عالم پر حاوی ہے تو ہم بہبودی دنیا اور فلاح آخرت عنقریب اُن لوگوں کے نام پر لکھدینگے جو ہم سے سچے طور پر ڈرتے ہیں، جو ہمارا بول بالا کرنے کی غرض سے قربانی مال کرتے ہیں، اور جو ہمارے احکام کے نفع مند ہونے پر ایمان رکھکر اُن پر عمل کرتے ہیں (يُؤْمِنُوْنَ)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۵: ۳۵)

اے ایمان والو! مقام خدا سے ڈرتے رہا کرو، اور پسندیدۂ خدا کاموں کے وسیلے سے اُس سے قرب حاصل کرنے کی سعی کرو۔ اور اسکی حمایت میں جانیں لڑادو تاکہ تم آخر کار اس دنیا میں کامیابی اور آگے چلکر فلاح حاصل کرو (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)

† جس حیرت انگیز نادانی بلکہ تجاہل عارفانہ سے بعض ناعاقبت اندیش اور فرقہ بند مسلمانوں نے اِس آیت الٰہی کے مطالب میں قصداً تحریف کرکے "ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ" کے الفاظ کو اپنے اپنے انسانی کارفرماؤں اور پیروں کی تلاش، اور انکے توسل سے "قرب خدا" حاصل کرنے پر محمول کیا ہے، اور جس ظاہری سکوت اور باطنی اطمینان سے پیر حضرات نے بھی اس آیت کو اپنی طرف منسوب دیکھکر دنیائے اسلام کی صدر نشینی خود بخود قبول کرلی ہے، اُس سے کم از کم یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاں مسلمانان عالم نے قرآن حکیم کے الفاظ کی حفاظت میں اس شدومد سے حصہ لیا کہ باقی دنیا انکے اِس کارنامے پر ہمیشہ رشک کرتی رہے گی، وہاں کتاب الٰہی کے مطالب کی حفاظت کی طرف سے کامل بے اعتنائی اور بے حسی اختیار کرکے دین اسلام کی روح کو نہایت سرعت سے فنا کر رہے ہیں۔ اب ہر شخص جس آیت کا جو مطلب چاہتا ہے بنالیتا ہے، اور الفاظ کے مطالب کو کھینچ تان کر اُسکے ذریعہ ایک نہایت آباد اور پررونق دکان سجالیتا ہے۔ آج تاویل کے محشرستان مکر و فساد میں کسی ایک آیت الٰہی کے معانی کی تعیین مشکل ہوگئی ہے، ہر شخص اپنے اپنے ٹکڑے اور من مانی تاویل کو ہاتھ میں لیئے ہوئے تفریق و انتشار کے عدم آباد کی طرف نہایت شوق سے جارہا ہے، اور خدا سے قطعاً نہیں ڈرتا کہ جن مطالب کی نشر و تبلیغ وہ نہایت تن دہی سے کر رہا ہے، اور جس "خدمت اسلام" کے برتے پر وہ نجات آخرت کا امیدوار ہے اس خدمت اور مطلب کی کوئی خدائی سند بھی ہے۔ آج یہی آیہ "وَسِيْلَةَ" (۵: ۳۵) پیر پرستی کی سند میں ہر موقع پر اس یقین اور التزام کے ساتھ پیش کردی جاتی ہے۔ قرآن سے دن رات سروکار رکھنے والے مسلمان اور پیروں کے پڑھائے ہوئے مرید خدا تک پونہچنے کے لیئے پیروں کے توسل کو اسقدر ناگزیر سمجھتے ہیں کہ اُن کے طرز استدلال اور تعقل، اُن کی قرآن فہمی اور تدبر کو دیکھکر عقل کانپ اُٹھتی ہے۔ لیکن یہ خدا کے اِس آخری کلام کا زندہ معجزہ ہے کہ جس جس آیت کے مطالب مسلمانوں نے اپنا مطلب نباہنے کیلئے محرف کرلیئے ہیں اسکی تغلیط کا پورا سامان خود قرآن کے اندر حیرت انگیز استقلال کے ساتھ موجود ہے۔ قرآن حکیم کا ہر حصہ اپنے مطالب کا آپ محافظ ہے، اُسکو کسی مفسر یا شارح کسی من مانی لغت یا دل سے بنائی ہوئی حدیث کی حاجت نہیں۔ آیہ "وَسِيْلَةَ" کے اِن نارواؤں معانی کا پورا رد سورۂ بنی اسرائیل کے اندر موجود ہے اور یہ رد اِس درجہ مسکت ہے کہ کسی بڑے سے بڑے پیر پرست کو اسکے آگے دم مارنے کی مجال نہیں۔ بشرطیکہ ذہن کو کام میں لانے کی توفیق اُسکو ازلی

لوگو! یاد رکھو کہ خدا کے سچے دوستوں کو نہ تو کسی قسم کا خوف ہے اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور مقامِ خدا سے ڈرتے رہے۔ انہیں اس دنیا میں بھی عافیت اور امن کی بشارت ہی، اور آخرت میں بھی فلاح ہے۔ خدا کے وعدوں میں ردّ و بدل کا امکان ہرگز نہیں اور یہ فلاح دارین تو بڑی بھاری کامیابی ہے۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ† وَخَافَ وَعِيْدِ ○ (۱۴: ۱۴)

اور دشمن کے غارت ہوئے پیچھے ہم ضرور تم کو اسی سرزمین میں بسائینگے۔ یہ صلہ اُس شخص کا ہے جو میرے مقام و منصب سے ڈرتا رہا اور جس نے میرے عذاب سے بچنے کی سعی کی۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ* ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ○ (۱۶: ۳۰)

اور اُن لوگوں سے جنہوں نے مقامِ خدا کا سچّا احساس کیا پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے اپنے ہاں سے تمہاری اِس خدمت کے عوض میں کیا دیا تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اچھے سے اچھا۔ جن لوگوں نے اچھی خدمت کی اور اپنے حُسنِ عمل سے خدا کو خوش کر دیا انکے لیے اس دنیا میں بھی بہتر سے بہتر نعمتیں ہیں اور آخرت کا گھر تو اس سے کہیں اچھا ہے۔ اور تقویٰ کرنے والوں کا ٹھکانا تو بہرحال نہایت ہی اچھا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ* ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (۳۹: ۱۰)

اے پیغمبر! ہماری طرف سے کہدو کہ اے ہمارے بندو! جو ہم پر ایمان لا چکے ہو، مقامِ خدا کا تقوےٰ کرتے رہا کرو۔ جنہوں نے ہم سے ڈر کر ہماری حمایت میں جان و مال کی پروا نہ کی اُن کے لیے اِس دنیا میں زمین کی بادشاہت کا بہترین اجر ہے۔ اور خدا کی زمین تو بڑی وسیع ہی۔ بیشک مصیبت برداشت کرنے والوں کو ان کا عوض بے حساب دیا جائے گا۔

---

† یہاں مُتّقی، قوم کے لیے بادشاہت زمین کا انعام صاف ہی۔

* یہاں پھر صاف طور پر مُتّقی، قوم کے لیے دنیا کے بہترین انعام وقف کر دینے کا وعدہ ہے۔

* یہاں پھر روئے زمین کی وسیع بادشاہت مُتّقی، قوم کے لیے وقف ہے۔ اور صاف فرما دیا ہے کہ دنیاوی انعامات اسقدر بے حساب ہیں کہ تمام کرۂ زمین کی ملکیت اس میں شامل ہے (وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ) یہی سچا حُسنِ عمل ہی (لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ)، اور لامحالہ صلاحِ عمل، کی بھی یہی تعریف ہی جس کی تلاش ہم کر رہے ہیں۔ حَسَنَات کے تحت المتن صفحہ ۱۳۰ میں بھی اَحْسَنْتُمْ سے یہی مراد ہے! (دیکھو آیہ (۱۷: ۷)) ضمناً اس آیت میں پھر بتلا دیا ہے کہ صَبْر یعنی مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا، اتقائے خدا کی ایک اہم شق ہے (اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ)

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ (۹: ۴۴-۴۵)

اے پیغمبر! جو لوگ خدا پر ایمان لاتے ہیں اور روز آخرت کے محاسبے کا بھی اُنکو یقین ہے، وہ تو تم سے اِس بات کی رخصت مانگتے نہیں کہ اپنے مال و جان سے شریک جہاد ہوں اور اللہ تو سچے تقویٰ والوں کو خوب جانتا ہے۔ نہ شامل ہونیکے لیئے لنگ عذر پیش کرکے تم سے خواہان اجازت وہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ اور روز حساب کا یقین نہیں رکھتے۔ اُنکے دل شک میں پڑے ہیں، اور اسی شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (۱۰: ۶۲-۶۴)

❊ یہاں 'ایمان' کی شرط جہاد بالمال والانفس ہے، اور یہی شرط تقوی کی ہے: (وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ)۔ گویا خدا جیسے حاکم اعلیٰ سے ڈرنے کے یہی معنی ہیں کہ اُسکی راہ میں جان و مال سے دریغ نہ کیا جائے۔ آج بھی شیوہ ہر ملازم کا اپنے مشاہرہ دہ آقا سے ہے۔ وہ اگر جانباز سپاہی اور سچا غلام ہے تو اپنے حاکم سے ڈر کر اور اُسکی حفاظت میں جان تک لڑا دے گا۔

❊ یہاں صاف ظاہر ہے کہ متقی قوم کو جہاں آخرت میں کچھ باک نہیں وہاں اُسکی دنیا بھی درست ہے۔ کوئی قوم جسکی دنیا درست نہیں 'متقی' ہونے کی مصداق نہیں ہوسکتی، اور چونکہ اتقا کے معانی صاف ہو چکے اسلیئے جو قوم متحد ہو کر رہے گی، مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرے گی، 'صَابِرُوْا' اور 'رَابِطُوْا' پر عمل کرے گی، خوشنودی خدا حاصل کرنے کیلیئے ابتغائے وسائل کرے گی، قَوَّامًا لِّلّٰهِ بنے گی، اسکی دنیا ہر نوع اور لامحالہ اچھی ہے، اور وہی 'لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ' کی بشارت کی سچی اہل ہے، اُسکو یہاں پر بھی کسی دشمن کا ڈر نہیں اور آگے چلکر تو ابدالآباد تک امن ہے۔ ایسی قوم ہی 'اولیاء اللہ' ہونیکی صحیح مصداق ہے۔ وہ بیگمان خدا کی 'دوست' ہے اور خدا اسکا 'دوست'۔ ہے کیونکہ یہاں بھی سب نعمتیں دے رہا ہے اور آگے چلکر بھی بے حساب دیگا۔

مسلمانوں نے نہ معلوم کس بنا پر 'اولیاء اللہ' کا خطاب اُن دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے فقراء اور پریشان مو اصحاب کو دیا ہے جو تمام عمر اپنے اعتکاف خانوں میں بند رہ کر خلق خدا سے بیزار رہے، جنھوں نے امت کو متحد کرنے میں کچھ سعی نہ کی جنھوں نے خدا کی لڑائیاں لڑنے میں اپنی جان کو پیش نہ کیا، جنکو خدا نے حیاۃ دنیا میں کوئی بشارت نہ دی، جو خلق خدا کو متحد کرنے کی بجائے اُلٹا اپنے پیچھے لگا کر متخالف الآراء اور منتشر العمل کر گئے، جنکی تمامتر زندگیاں نہایت رنج و غم اور ذل و مسکنت میں کٹیں۔ خدا کا 'دوست' وہی ہے جو اُسکی خاطر تکلیف اُٹھائے لیکن پھر دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مالک الملک خدا اُسکو اس تکلیف اٹھانیکے صلے میں سب سے بیخوف و خطر کر دے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ 'اولیائی' نہیں۔ اگرچہ ساری دنیا اُسکو 'ولی' کہکر پکارتی رہے! آج اگر سطح زمین کے طول و عرض میں خدا کا صحیح معنوں میں 'دوست' کوئی ہے تو وہ بندۂ خدا جو اپنی جماعت کی بہتری کی خاطر تن بدن کو تکلیف میں ڈال رہا ہے، جو دشمن کی قوت سے خوفزدہ نہیں ہوتا، جو ماسوا سے قطع نظر کرکے خدا ہی سے ڈر رہا ہے، جو فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ (۹: ۱۳) پر عمل کرکے سب سے بیخوف و خطر ہو گیا ہے۔ اگر کسی خدا کے بندے میں یہ ڈر اور یہ نڈری، یہ تقویٰ اور یہ بیخوفی، یہ خوف خدا اور لاخوف ولاحزن ماسوا آچکا ہے تو وہ بلاشبہ 'ولی' ہے، وہ لاریب خدا کا دوست ہے خواہ وہ چین کا رہنے والا ہو یا ہند کا۔ خدا کو اپنی دوستی میں کسی ملک یا مذہب کی تخصیص نہیں!

سالہا سال تک اسلام کو نئی طاقت اور نئی زندگی بخشتی رہی: قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ۙ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (۳۹: ۱۱-۱۲)، قُلِ اللّٰہَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّہٗ دِیْنِیْ ۝ (۳۹: ۱۴) ۔ اِسی تقویٰ کی پاداش عمل میں اللہ کی رحمتوں کے دریا اُمڈ جاتے تھے! یہی اتقا و اتحادِ عمل اُس جلیل القدر ذات کی سچی عبادت اور اُسکی موجودگی اور وحدت کا زندہ اشتہار تھا! اِسی کی بے انتہا برکت سے نصرت حق اور فتح مبین ہر وقت شامل حال رہ کر اشاعتِ اسلام کا قطعی باعث ہوا کرتی تھیں: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ۝ (۱۱۰: ۱-۳)۔ اللہ کے محکوم اور خالصتہً اُسی سے ڈرنے والے سپاہی، عقیدت کے سرفروشانہ جوش، مستعدی کی داعیٔ انقلاب اُمنگ، اور محبت کی مضطر امتحان وفا کے باعث صبر اور استقلال، توکل اور مردانگی کے عدیم النظیر پیکر

۱؎ اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہدو کہ مجکو تو خدا کے ہاں سے یہی حکم ملا ہے کہ میں تمام ارادت اور اخلاص (الدِّیْن)، تمام عقیدت اور اعمال (الدِّیْن) کو خالصتہً خدا ہی کیلئے وقف کر کے ہمہ تن اُسیکا غلام بنا رہوں (اَعْبُدَ اللّٰہَ)۔ اور مجھے یہی حکم ملا ہے کہ میں ہی سب سے پہلے اُسکو اپنا آقائے حقیقی تسلیم کروں، اور عملی طور پر اُسکی عبودیت میں رہوں (اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ)۔

۲؎ ان سے کہدو کہ میں اپنی تمام ارادت اور محبت کو اُسی کے لیئے خالص کر کے اُسکی غلامی کر رہا ہوں (اَعْبُدُ)۔

۳؎ اے پیغمبر! جب اللہ کی مدد آئے گی، اور دین اسلام کی فتح عظیم کا وقت آپہنچیگا، اور تو دیکھے گا کہ لوگ جوق در جوق دین خدا میں داخل ہو رہے ہیں، تو اُس وقت اپنے پروردگار کے شکر لانے میں سربسجود ہو جاؤ، اُسوقت اپنی عاجزی کی اور اپنی گذشتہ تقصیروں کی معافی طلب کرو۔ کیوں کہ وہ فی الحقیقت بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (اور ایسی مہربانیوں کے موقعے پر ہی اُس سے ایسی درخواستیں کرنی چاہئیں)۔

✝ یہاں 'اَعْبُدُ' کے معنی صاف ظاہر ہیں اور اس سے مقصود نماز پڑھنا قطعاً نہیں ہو سکتا 'دِیْن' کے معنی قرآن کی اصطلاح میں طرز عمل، یا راہ عمل کے ہیں۔ یہی معنی لفظ مذہب کے ہیں۔ گویا 'اَعْبُدُ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ' کا مفہوم یہ ہے کہ اپنا تمام طریق عمل خالصتہً خدا کی منشا کے مطابق کر کے اُسکے غلام بنے رہو۔ ہر سچے ملازم (یعنی عبد) کا شیوہ بھی یہی ہے کہ وہ کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کرتا، اُسکی سب بھاگ دوڑ آقا کی مرضی پر منحصر ہوتی ہے، وہ اپنی مشیت اور اپنی خواہشات کو مالک کے حکم کے بالمقابل فنا کر دیتا ہے۔ رہا اس امر کا تصفیہ کہ مالک نے زمین و آسمان کی مشیت فی الواقع کیا ہے؟ یہ ایک بڑا دقیق سوال ہے اور اصل کتاب میں اسی کی ایک اہم شق پر بحث جاری ہے۔ بہرنوع ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہے کہ 'دِیْن' کے معنی کسی شخص کا مسلمان ہونا، یا نصرانی ہونا، یا یہودی ہونا نہیں بلکہ ہر غلام کا اپنے آقا کے حق میں طرز عمل ہی اُسکا دین ہے۔ والا مُخْلِصًا لَّہٗ دِیْنِیْ کے کچھ معنی نہیں بنتے یہی بات لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۝ (۱۰۹: ۶) سے ظاہر ہے۔ یعنی تمہیں تمہاری خدمت کا اجر ملیگا اور مجھے میرے کیئے کا۔ خدا کو مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ (۱: ۳) بھی اسلیئے کہا کہ وہ دن اعمال کی اجرتوں، اور خدمتوں کی مزدوریاں، ادا کرنے کا ہوگا (دین کے ان مطالب کی حقیقت کے لیئے دیکھو مباحث کتاب صفحہ ۷)۔

✤ اس سورہ کے صحیح معانی کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایک دفعہ سوال کیا گیا تھا۔ میں نے مربوط اور ناقابل انکار معانی لکھدیئے ہیں۔ خدا کی نصرت قطعاً کسی قوم کے شامل حال نہیں ہوتی جبتک کے اسکی سعی و عمل خدا کو فی الواقع خوش نکردے یہی وقت فی الحقیقت کسی حاکم سے نہایت مانگنے کا بھی ہے۔ اِسیوقت اسکی رحمت کا دریا بجوش میں آتا ہے اور وہ بسا اوقات علی الحساب دے دیتا ہے۔

اس اتحادِ عمل اور تزکیۂ اخلاق کا اصلی راز خدائے واحد کی **خالص** عبادت، اور **براہِ راست** عبودیت تھی۔ قرآن کی حیرت انگیز تعلیم، اور داعیٔ اسلام کی حیرت انگیز یقین آفریں صحبت نے خداوند عالم کا اپنے عاجز اور محتاج بندوں سے براہِ راست تعارف کرا کے عبد و معبود کے درمیان سے سب مشکوک حجاب دور کر دیئے تھے۔ رسولؐ خدا کی ناقابلِ انکار صداقت اور انکسارِ نفس نے بندے کا ہاتھ مالک ارض و سما کے مقتدر ہاتھ میں دے کر خود ایک بے تعلق اور پیغام وہ بشر کی حیثیت قبول کر لی تھی۔ ذاتیات اور شخصیت کا مُہلک ایمان اور مضعفِ یقین عنصر اسلام کے خمیر میں قطعاً نابود تھا۔ توحید تمام اُمّت کے اجماع کا نقطۂ وحید بن گئی تھی۔ بشر و بشر کا معاملہ، بلا وساطت غیرے اور بلا مساعدت احدے، اُس معزّ و مُذل حقیقیؐ کے ساتھ وابستہ ہو گیا تھا جسکی قدرت اور عظمت کے صحیح اندازے نے ایک عالم کو کپکپا دیا تھا! نفع اور ضرر کے اسی ہیمثال یقین نے سرزمین عرب میں **خوف** خدا کی مشترک لہر دوڑا دی تھی۔ اِسی خوف کے باعث باہمی عداوتیں مٹ گئیں، کینے اُچک لیے گئے، بھائی چارے کا سماں ہر طرف بندھ گیا تھا! انسان کی عزّت و تکریم اور اُسکے انعام و اکرام کا معیار بھی خدا کے نزدیک اُس کا تقوےٰ ہی تھا: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (۴۹: ۱۳)[۱]، قلوب کے اندر ایک مشاہرہ وہ حاکم کی مانند اُسکے رعبِ مرتبت اور ہول جاہ کی بجلیاں، نفع و ضرر اور بیم و رجا کی لاانتہا تاروں کے ذریعے سے دوڑ گئیں؛ پھر وحدتِ امیر کی کشش اتصال نے، اور یک منعمی کے متحد القلوب خوف نے ہر مومن کے قلب میں مشترک عبودیت کی عصبیت، اور عالم آرا اخوّت کا اعتصاب پیدا کر دیا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۴۹: ۱۰)[۲]؛ یہی وہ **عملی تقویٰ** اور وہ **مخلصانہ توحید** تھی جو

---

[۱] اللہ کے نزدیک تم میں سے بڑی عزت والا اور مستحق فضل و کرم وہی ہے جو خدا سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ اور اللہ تو انسان کی قدر و قیمت کو بڑا جاننے والا، اور اُسکے حال و احوال سے بڑا باخبر ہے۔

[۲] خدا پر ایمان رکھنے والے تو آپس میں بھائی بھائی ہیں پس تمہارا فرض ہے کہ اپنے دو بھائیوں کے درمیان مصالحت کراؤ اور خدا کی خفگی سے ڈرتے رہو اور اُسکا تقویٰ کرو کہ وہ تم پر مہربان ہو جائے۔

† یہاں پر ہر مصالحت اور مواخات کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے جس قدر خوف رعیّت کو حاکم اعلیٰ کا ہے اسی قدر اُسکے افراد متحد رہیں گے۔

سپاہیوں کی، اِن اللہ کے عاشق، بیقرار ابتلاؤ محن، نصرت حق اور وراثت زمین کے موعد، موت کے تشنہ و منتظر، دست بختِ گہوارۂ امید، اور جنت خرید **غلامون** کے مقابلے میں کیا بساط تھی جو برو کار آتی، مومنوں کے فلک کشا حوصلے اور متحدہ دلوں کی کوہ شکن طاقتیں، دشمن کے جمِ غفیر کو پہلے ارمیں ہی پیوند زمین کر دیتیں، ایمان کا جرأت افزا اثر معاً اُن کی قوتِ عمل کو چند در چند کر دیتا، اور ایک حیرت انگیز طریقے پر یہی ظاہراً کم سامان جماعت دشمن کا تہس نہس کر دیتی!

یارمردانِ خدا باش کہ در کشتیٔ نوحؑ
ہست خاکے کہ بہ آبے نخرد طوفاں را

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ○ (۵۹: ۱۳-۱۴)

مسلمانو! تم اللہ پر ایمان رکھنے کے باعث ہی اِن منکرین خدا کے دلوں میں اشد شدید ہیبت بٹھلا رہے ہو، اور یہ محض اسلیئے ہی کہ یہ ایک ناسمجھ قوم ہے، جسکو ایمان کی قوت کا علم نہیں۔ اب تو اِنکی یہ حالت ہی کہ سارے کے سارے مِلکر بھی تم سے لڑنے کی تاب نہیں رکھتے مگر یہ کہ محفوظ بستیوں یا دیواروں کی آڑ میں ہو کر لڑیں۔ بات یہ ہے کہ اُنکی آپس کی لڑائیاں اور باہمی عداوتیں سخت ہیں۔ بظاہر

---

† "قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ" اور "قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ" کے الفاظ یہاں پر نہایت قابل غور ہیں گویا یہ منکرین خدا لوگ اس بات کا تفقہ اور تعقل ہی نہیں کر سکتے کہ قانونِ خدا کیا ہے، وہ کن اقوام کو دنیا پر برتر قرار رکھتا ہے، کن کو سزائیں دیتا ہے۔ یہ لوگ آپس میں لڑ مر کر اپنی قوتوں کو ضائع کر رہے ہیں اور دشمن سامنے آتا ہے تو دُم دبا کر بھاگ جاتے ہیں ان کو اتنی عقل ہی نہیں کہ سمجھیں کہ اتحاد اور ائتلاف قلوب میں کیا برکتیں ہیں، اور خدا کس طرح متحد القلوب قوم پر اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے۔ **گویا اِن آیات میں رمزاً اور کنایۃً جتلا دیا ہی کہ بزدل، متفرق اور معاند ہونا کافر قوم کا خاصہ ہے۔** آج مسلمانانِ عالم خود "قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ" اور "قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ" اور "تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى" کے صحیح مصداق بنے ہوئے ہیں! دوسری قوموں نے اپنے افراد کے مابین اتحاد پیدا کر لیا ہے۔ مسلمان اُن کے خوف سے بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں اور قلعوں کی اوٹ میں بیٹھکر بھی لڑ نہیں سکتے۔ ہر جگہ شکست و ریخت ہے، خوف و حزن ہے، رنج و ماتم ہے! "بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ" اسقدر ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ آہ لیکن خدا کوئی مسلمانوں ہی کا خدا نہیں وہ رب العالمین ہے اور ہر قوم کو اسکی سعی و عمل کے مطابق اجر دے رہا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ!

"بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ" کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تمہارے متعلق اُن کا خوف آپس میں بہت شدید ہے مگر اس سے مطلب کافی طور پر مربوط نہیں ہوتا۔

بن گئے تھے ؛ انکی قوت و استحکام کا راز دروں اُنکے متحد اور متفق قلوب میں مضمر تھا ؛ نیتوں کی یگانگت اور تہذیب نفس کے التیام آفریں اثر نے اُن کے اعمال میں ناقابل یقین ضبط، اور افعال میں طبعی یکسانیت پیدا کردی تھی ؛ بڑے بڑے مقتدر اور جری عساکر جو مدت مدید کی تیاری اور صرف کثیر کے بعد اُن کے مقابل کھڑے ہوتے تھے، انکے ضابطۂ عمل، انکی پیش بندی اور اہتمام، اُنکے نظم و نسق اور خوف قانون خدا، انکی مشق تحمل اور ستم برداری پر دنگ رہ جاتے تھے : یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۵۹ : ۱۸) ؛ لالچ اور بددلی، ہراس موت اور قنوط، تشتت اور جمود کے اُن زرخرید اور بے مولا، اُن ناآشنائے پایانِ عمل اور کرایہ پر لیئے ہوئے

لہ اے ایمان والو! قانونِ خدا سے ڈرتے رہا کرو اور تمہیں چاہیئے کہ ہر شخص اس بات پر نظر کرتا رہے کہ اُس نے آنے والے کل کے لیئے کیا تیاری کی ہے اور آیندہ مصائب کے لیئے کیا حفظِ نفس اور پیش بندی کی ہے۔ اور قانونِ خدا سے مکرر ڈرتے رہو۔ اللہ جو کچھ سعی و عمل کر رہے ہو اُس سے بخوبی واقف ہے۔

ہ اس آیت الٰہی میں پیش از وقت تیاری اور دور اندیشی کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے اور دشمن کے بالمقابل حفظ النفس کو استعداد ہم قرار دیا ہے کہ دو دفعہ اتقوا اللہ کے الفاظ ایک آیت کے اندر آئے ہیں۔ اس تکرار سے مقصود لامحالہ یہ ہے کہ خدا کا قانون اہل اور واجب الخوف ہے، اور اسی قوم کو انعام کا مستحق قرار دیتا ہے جو ہر نوع اسکی اہل ہو، جسنے سعی و عمل سے اپنے آپ کو فتح و ظفر کا اہل ثابت کیا ہو، جس نے آنیوالے کل کے لیئے تیاری کی ہو (وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ) خدا کسی قوم کی کوئی بے جا رعایت مدنظر نہیں رکھتا، جس جس نے جتنا زاد راہ کل کے لیئے جمع کیا ہے، جسقدر تحفظ اس نے آنے والی مصائب کے برخلاف اختیار کیا ہے، اُسیقدر اجر اُسکو لامحالہ مل رہیگا۔ یہی بات اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ سے ظاہر ہے کہ یا خدا عمل اور صرف عمل کو چاہتا ہے اور اُسیکو دیکھکر فیصلے صادر کرتا ہے۔

نسیہ پسند اور آخرت کے شیدائی مسلمانوں نے "قَدَّمَتْ لِغَدٍ" کے معنی "روز قیامت کی تیاری" کے لیئے میں حالانکہ "غد" کے معنی کسی آنے والے کل کے ہیں، اور مزا یہ ہے کہ اسپر ال تخصیصی بھی داخل نہیں کہ اسکے معنی خاص روز قیامت کے ہوں۔ جامع ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ ۸۹۲ء میں حضرت انس رض سے روایت ہے کہ۔ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ لَا یَدَّخِرُ لِغَدٍ "یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کل کے لیئے کوئی ذخیرہ جمع نہ کرتے تھے"۔ روایت کی صحت یا عدم صحت سے بحث نہیں، صرف "لِغَدٍ" سے مطلب جسکے معنی یہاں صاف آنیوالے کل کے ہیں روز قیامت کے نہیں ہوسکتے۔ خود قرآن کریم میں چار موقعوں پر غَدًا کا لفظ استعمال ہوا ہے اور چاروں موقعے آنیوالے کل کے معنی میں ہیں سورہ یوسف میں یوسف علیہ السلام کے متعلق اُنکے بھائیوں کا قول ہے : اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (۱۲ : ۱۲) یعنی ہمارے ساتھ کل یوسف کو بھیجدو کہ کھائے پیئے اور کھیلے، اور ہم اسکی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں"۔ سورہ کہف میں ہے : وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ (۱۸ : ۲۳) یعنی کسی شے کی بابت یقینی طور پر مت کہو کہ میں اسکو ضرور بالضرور کل کرونگا"۔ سورہ لقمان کے اخیر میں ہے : وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ (۳۱ : ۳۴) "اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل کیا کریگا"۔ علی ہذا القیاس سورہ قمر میں قوم ثمود کی تباہی کے متعلق ہے : سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝ (۵۴ : ۲۶) یعنی "یہ لوگ عنقریب کسی آنے والے کل کو دیکھ لیں گے کہ کون جھوٹا اور گستاخ ہے"۔ تعجب ہے کہ اس شہادت کے ہوتے ہوئے غد کے معنی کسطرح قیامت کے ہوسکتے ہیں، اور کس بیدردی سے مسلمان آیات خدا کو توڑ مروڑ کر تحریف معنوی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ † (۳۷ : ۱۷۱-۱۷۳)

اور لوگو! ہمارے پیغامبر بندوں کے حق میں ہمارا پہلے ہی ارشاد ہو چکا ہے کہ ہمارے ہاں سے محالہ اُنکو مدد دیجائے گی، اور بیشک ہمارے بندوں کی فوج ضرور غالب آکر رہے گی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ † ○ (۴۱ : ۳۰-۳۲)

بیشک جن لوگوں نے خدا کو اپنا آقا مان لیا اور پھر اُسپر تندہی اور استقلال سے جمے رہے، اُن پر ہماری رحمت کے علمبردار فرشتے نازل ہو کر اُن سے کہتے ہیں کہ اے خدا کے خالص بندو! دنیا کے مصائب اور دشمن کے ہجوم کو دیکھکر کچھ اندیشہ مت کرو اور غم نہ کھاؤ بلکہ اپنے تحمل اور استقلال کے صلے میں بہشت کی، جسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، خوشیاں مناؤ۔ خدائے عزوجل فرماتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں ہم تمہارے مددگار ہیں اور آخرت میں بھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑینگے۔ اور تمہارے لیئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ میں (فیہا) جو کچھ تمہارا جی چاہے گا ملیگا، اور جو کچھ بھی طلب کروگے حاضر کیا جائے گا۔ غفور و رحیم خدا کے ہاں سے یہ تمہاری مہمانی ہے۔

† اِن آیات الٰہی اور بعد کی آیات سے صاف ظاہر ہے کہ دنیاوی تمکن اور راضی لقلب کا ایمان والوں کے شامل حال ہونا قطعی ہے۔ اس موقع پر اگرچہ "عِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ" کے الفاظ آئے ہیں مگر بعد کی آیتوں میں یہ قید اُٹھا دی گئی ہے۔ "هُمْ مُّسْلِمُوْنَ" کی نصرت سے بعض عافیت پسند اور کاہجور مسلمانوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ صرف پیغامبر ہی منظفر و منصور ہوا کرتے ہیں یا وہ مومن جو اُن کی معیت میں خدا کی لڑائیاں لڑتے ہیں۔ بعد کے مومنوں کیلئے "اَعْلَوْنَ" بنکر رہنے کی کوئی شرط نہیں، وہ صرف زبانی ایمان سے "مومن" کے درجے تک پونہچ سکتے ہیں۔ یہ لچر اور ناپاک تاویل اسقدر مضحکہ انگیز ہے کہ اسکے لیئے کسی رد کی ضرورت نہیں۔ فتح و نصرت کا سلسلہ دنیا میں روز اوّل سے لگا ہے اور روز قیامت تک جاری رہیگا۔ کاہجو قومیں اسیطرح کے مکر بنا بناکر اپنے نفس کو دھوکہ دیتی ہیں۔ "اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ" کا محاکمہ اسقدر صاف اور ناقابل تاویل ہے کہ اسکے بعد کسی مکر و ریا کی گنجایش نہیں رہتی۔ لیکن یہ بحث و تمحیص چوتھی اور پانچویں مجلد کے لئے وقف کر دی گئی ہے۔

† اِن آیات سے ظاہر ہے کہ ایمان والوں کی دنیا بھی درست ہے اور آخرت بھی۔ "قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ" سے مراد صرف منہ سے کہنا نہیں بلکہ خدا کو فعل و عمل سے اپنا حاکم اعلےٰ ماننا، اور اسکے احکام کی نہایت تندہی سے تعمیل کرنا ہے۔ "مَلٰٓئِكَة" سے یہاں پر بحث نہیں مگر اسقدر ضرور ظاہر ہے کہ "مَلٰٓئِكَة" خدائے عظیم کی وہ "مخلوق" ہے جو فتح و نصرت کا پروانہ اس دنیا میں لیکر پونہچتی ہے۔ جو قوم "لَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ" کی مصداق ہے، جسکو اس دنیا میں قوت اور امن نصیب ہے، جو دشمن کے خوف و حزن سے نجات پا چکی ہے اس پر خدا کے ملائکہ کا نزول ہو رہا ہے۔ رہی یہ بات کہ کیونکر نزول ہو رہا ہے۔ اسکی تشریح میں ابھی دیر ہے۔ "نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ" کے "مِنْ" سے ظاہر ہے کہ "فِیْهَا" کی ضمیر کا مرجع "الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا" بھی ہے۔

تو انکو مجتمع اور متحد دیکھیگا لیکن اُنکے دل ایک دوسرے سے جُدا ہو چکے ہیں یہ اسلیئے کہ ان لوگوں میں سلیقۂ اتحاد نہیں، انہیں عقل نہیں۔ یہ متحد قلوب کو کیا جانیں۔ اور ایک نصب العین پر قائم ہونے کی قوت کو کیا سمجھیں۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (۴ : ۱۰۴)

اے ایمان والو! دشمن قوم کی تسخیر و تعاقب میں نرم نہ پڑجاؤ، اگر لڑائی میں تم کو تکلیف پہونچ رہی ہے تو جیسے تم کو پہونچتی ہے انکو بھی پہونچ رہی ہے، اور تم کو تو خدا سے وہ وہ امیدیں ہیں جو انکو ہرگز ہرگز نہیں۔ اور اللہ طرفین کے سب حالات سے اور قتال کی حکمت عملی سے خوب واقف ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝ الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (۸ : ۶۵-۶۶)

اے پیغمبر! ایمان والوں کو دشمنانِ خدا کے برخلاف لڑنے پر برانگیختہ کیا کرو۔ ایمان والوں کی قوت تو سقدر زبردست ہے کہ اگر تم میں سے برداشت کرنے والے بیس مومن بھی ہوں تو وہ مخالف فریق کے دو سو نفر پر غالب رہیں گے، اور اگر تم میں سے ایسے سو ہوں تو کفار کے ہزار نفر پر غالب رہینگے یہ اسلیئے کہ یہ قوم ایمان کی غلبہ افزا طاقت کو سمجھتی ہی نہیں۔ اس وقت اللہ نے اپنے حکم کا بوجھ تم پر سے ہلکا کر دیا ہے، اور محسوس کیا ہے کہ ابھی تم میں کمزوری وسائل باقی ہے۔ تو اس کمزوری کی حالت میں بھی تم میں سے ایک سو صابر ہونگے تو وہ دو سو دشمن نفر پر غالب رہیں گے، اور اگر ایک ہزار ہونگے تو وہ دو ہزار پر غالب رہیں گے، اور اللہ تو مستقل مزاج لوگوں ہی کا ساتھی ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ وَإِنَّ

* یہاں صبر کے مطالب اسقدر صاف ہو گئے ہیں کہ اسکے بعد کسی مزید تشریح کی حاجت نہیں رہتی۔ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ کے الفاظ یہاں پھر آئے ہیں اور مقصود یہ ہے کہ یہ قوم صبر کے غلبہ افزا نتائج کو نہیں سمجھتی۔ ان آیات میں صبر کو ایمان پر محمول کیا ہے (حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ) گویا ایمان کی ایک شق صبر بھی ہے لیکن جو اہم نتیجہ ان آیات کے مطالعے سے نکلتا ہے یہ ہے کہ جو قوم اس دنیا کے اندر اپنے سے کم تعداد قوم سے پچھڑ رہی ہے اس میں شائبہ کفر ضرور ہے، انتہائی کفر یہ ہے کہ اپنے سے دس گنا تعداد سے شکست کھائے لیکن اگر اپنے سے نصف تعداد سے پچھڑے تو بھی کافر ہے انتہائی ایمان یہ ہے کہ ایک مومن دس کو پچھاڑے لیکن اگر ضعف کی حالت میں دو کو بھی ہرا سکے تو ایمان کا کچھ نہ کچھ دعویدار ضرور رہتا ہے! گویا کفر کی ایک ہم شق ارذل قرآن بزدلی ہے، نامردی ہے، میدان جنگ سے مارنا ہے، لمبی دارھیاں رکھنے یا شرعی پائجامے پہننے سے کوئی شخص خدا کے نزدیک کافر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس مطلب کے لیئے صفحہ ۱۶۳ کا تحت اللفظ بھی دیکھنا چاہیے۔

عدو شکن طاقت، اور صبر کی اسی عزم گسل استطاعت کو مدنظر رکھکر رسول کریمؐ کو اطمینان دلایا تہا کہ کامیابیٔ اسلام کیلئے **توحید** کا یہی **وحدت** انگیز ماحول، اور **ایمان** والوں کی یہی چہوٹی سی جماعت کافی ہے!

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ† اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۸: ۶۳-۶۴)

اے پیغمبرؐ! سب سے بڑا احسان جو خدا نے تم پر کیا ہے یہ ہے کہ اُسنے مومنوں کے دل گانٹھ دیئے! اگر تم روئے زمین کے خزانوں کو خرچ کر ڈالتے تو بھی انکے دلوں میں یہ الفت نہ پیدا کر سکتے تھے لیکن وہ خدا کی مشترک عبودیّت ہی تو تھی جسنے ان کو آپسمیں جوڑ دیا! بیشک وہ خدا بڑا زبردست اور صاحبِ تدبیر ہے۔ اے پیغمبرؐ! اب تمہیں اللہ اور یہی مومن جو تمہارے تابع فرمان ہیں ہر ایک سے نبٹنے کے لیئے کافی ہیں۔

کفایتِ خدا کا یہ عظیم الشان وعدہ عرب کے بے زر اور بیضرر نبیؐ سے اُس وقت ہوا تھا جب کہ بعثت کے چھٹے سال میں اسلام کا وہ زبردست اور تُند خو دشمن عُمر (رضؓ) محمدؐ کے خُلق عظیم کے آگے سپر ڈال چکا تہا، اور عرب کے کُل برّ اعظم میں صرف **چالیس** مرد اور **پندرہ** عورتیں ایمان لائی تھیں! مگر **اُلفت** کی دلوں کے بیچ میں چلی ہوئی نہر سلسبیل نے اور **طاعت** کے پیدا کیئے ہُوئے ابر بہار نے اِس بے نشان اور کمزور پودے کو ایک دن سر بفلک درخت بنا کر سایہ پرور اور زمیں شگاف کر دینا تہا!

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا ۫ يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ

† اَللّٰهُ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ کے مطالب کے لیے صفحہ ۱۴۶ کے تحت المتن کو دیکھنا چاہیئے۔ مرقومۂ صدر ترجمے میں ہم نے ان معانی کا ماحصل بیان کر دیا ہے۔ خدا کو صحیح معنوں میں خدا مان لینے کے بعد اسکے ماننے والوں کا آپسمیں متحد ہو جانا قطعی ہے۔ اسی حقیقت کو اصل کتاب میں توحید کا وحدت انگیز ماحول کہا گیا ہے اگر آج یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو اسکا باعث یہ ہے کہ مسلمان خدا کو درحقیقت خدا نہیں مانتے۔

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۝ (۴۰: ۵۱)

اے لوگو! بگوش دل سُن رکھو کہ ہم اپنے پیغامبروں، اور اُن لوگوں کی جو سچے دل سے ہمارے خدا ہونے پر ایمان لے آئے ہیں مدد کرتے ہیں، ان کو غلبہ عطا فرما کر رہتے ہیں، اور یوم قیامت کو بھی اُن کی تائید کرینگے۔

ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۱۰: ۱۰۳)

اے لوگو! پھر جس دن ہمارے عذاب کا وعدہ آپہنچتا ہے تو ہم اپنے پیغامبروں، اور ایمان والوں کو عذاب کی شکست سے نجات دیتے ہیں۔ یہی ہمارا قانون ہے اور ہم نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ایمان والوں کو بہر نوع نجات دیں۔

فَانتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا ۖ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۳۰: ۴۷)

پھر اے لوگو! ہم نے مجرموں کو شکست دیکر اُن سے بدلہ لیا، اور ایمان والوں کو مظفر و منصور کرنا تو ہم پر لازم تھا۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ (۴۱: ۱۸)

اور پھر اے لوگو! ہم نے ایمان والوں کو غلبہ عطا فرمایا اور اُن لوگوں کو جو ہمارا سچا اتقا کیا کرتے تھے۔

ربّ الافواج اور عزیز و حکیم خدا نے **ایمان** کی اِسی مقلب العمل کیفیت، **اتحادِ قلوب** کی اِسی

✝ یہاں بصراحت تمام کہہ دیا ہے کہ رُسُلؑ کے سوا صاحب ایمان قوم کی دنیوی فلاح یقینی ہے۔

✝ یہاں پھر 'رُسُل' کے ساتھ ساتھ 'وَالَّذِينَ آمَنُوا' بھی ہے۔ اور نجات کے مطالب صاف ہو گئے ہیں کہ اس سے مراد دنیاوی تمکن ہی ہے۔ نجات کو محض اُخروی نجات، سمجھنا آج ناکارہ مسلمانوں نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔

✝ یہاں 'رُسُلؑ' کا خاص طور پر ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف 'ایمان والوں' کی نصرت کا حتمی وعدہ ہے بشرطیکہ وہ 'ایمان والے' ہوں۔ صفحہ ۱۲۰ آیات (۳: ۱۳۹-۱۴۲) میں غزوۂ احد کی شکست کے بارے میں خدائے عظیم نے مسلمان' بھگوڑوں کو 'کافر' اور 'ظالم' کہا تھا گویا اگر یہ سب صاحب استقلال ہوتے تو یہ شکست نصیب نہ ہوتی۔ یہاں پر تاکیداً اسی مضمون کو دوسری عبارت میں دُہرایا ہے اور فرمایا ہے کہ جو قوم صاحب ایمان ہو اُسکو نصرت عطا کرنا ہمارے لیے لازم ہو چکا ہے۔ خدائے عظیم کی اپنے پر یہ پابندی ازروئے عدل ہے نہ ازروئے احسان و استحسان، جیسا کہ بے سمجھی و عمل مسلمانوں نے فرض کر لیا ہے، اور آج پے در پے شکستوں کو دیکھکر حیران ہیں کہ خدا کا وعدہ کیوں پورا نہیں ہوتا!

✝ صفحہ ۱۵۰-۱۵۹ کے متن کی آیات میں ہم نے جستہ جستہ قرآن عظیم سے وہ موقعے پیش کر دیئے تھے جس میں 'متقی' اقوام کی دنیوی فلاح اور تمکن فی الارض کا قطعی وعدہ کیا گیا تھا۔ 'اتقا' کی بعض اہم شرطیں بیان کر دی تھیں۔ اِن آٹھ موقعوں پر جو کتاب کے متن میں پیش کر دیئے ہیں صرف 'ایمان والوں' کی دنیوی فلاح کا ذکر ہے، لیکن خاص اِس آیت یعنی (۴۱: ۱۸) میں 'ایمان' اور 'تقویٰ' دونوں کو یک جا کر کے 'متقی' اور 'مومن' قوم کی دنیوی نجات کا فیصلہ کر دیا ہے۔ ایمان کی شرائط اس سے پیشتر ذکر کر دی گئی ہیں۔ اور اُن میں اور تقوے کی شرطوں میں مماثلت عیاں ہے۔ چنانچہ آگے چلکر صفحہ ۱۹۰ پر ثابت کر دیا جائے گا کہ ایمان اور اتقا قریب قریب ایک ہی شے ہیں۔

اطاعتِ رسولؐ

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۴:۸۰)

جس نے رسول کا حکم مانا اُس نے گویا خدا کی اطاعت کی۔

طاعتِ رسولؐ، اور اُسکے منجانب اللہ ہونے کا یہ یقین تھا کہ عین اُسوقت جبکہ مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت اِس پاک نبیؐ کی امامت میں اللہ جل شانہٗ کے حضور میں، اپنے عجز اور بینوائی کی داستان گڑگڑا گڑگڑا کر سُنا رہی تھی، اور مُسلمانوں کے ایمان سے منوّر دل اُس بارگاہ عالیہ کی رفعت کا سماں اپنے سامنے صاف دیکھ رہے تھے، تحویل قبلہ کا حکم ملا! قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو پاش پاش کر دینے والے یہ **مومن** مغ اس اللہ کے سچے نبیؐ کی تبدیل سمت پر اسی طرح بیچون و چرا، دست بستہ، بے شائبہ استعجاب منتقل ہو کر پھر صف بستہ ہو گئے، اور آستانۂ خدا پر سر ٹپخنے لگے! عرش کے دم بخود اور صف آرا فرشتے جنہوں نے اپنی مدۃ العمر طاعت، بے اختیارانہ عبودیت اور دم مزن عبادت کے حوصلے پر ایک مرتبہ اللہ کی جناب میں انسان کو بُرا بھلا کہنے، اور اپنی فوقیت جتلانے کی جرأت کی تھی، اور جنہیں خدائے پاک نے انسان کی خفت و توہین کرنے پر ٹوک† دیا تھا، اِس کیفیت کو دیکھکر انگشت بدنداں رہ گئے، مگر **جریدۂ رحمت** کے کاتبوں کو حکم ملا کہ اِس نادرۂ روزگار اُمت کے نام پر روئے زمین کی بادشاہت اور اللہ کی سب نعمتوں کی وراثت ابھی سے لکھ دی جائے!

† سورۂ بقرہ میں اِس عبرت آموز اور شاندار قصے کا یوں ذکر ہے۔ ہم نے ایک لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ خیز مفہوم تیسری جلد سے پہلے بیان نہ ہو سکے گا۔ ملائکہ کی تشریح اور سورۂ بقرہ کا ربط پانچویں جلد میں عیاں کر دیا جائے گا:۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲:۳۰)

اور اے پیغمبر! ساکنانِ زمین کو وہ وقت یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار نے 'ملائکہ' سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے فرشتو! میرا ارادہ ہے کہ اِس زمین میں اپنا ایک قائم مقام بناؤں۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! کیا حضور کسی ایسی مخلوق کو اپنا نائب منتخب فرمائینگے جو اِس زمین میں فساد پھیلائے اور آپس میں خونریزیاں کرے، حالانکہ ہم ہیں کہ روزآفرینش سے تیری تعریف میں لگے ہیں، اور تعمیل احکام کر کے تیری بول بالا کر رہے ہیں۔ پروردگار عالم نے جواب دیا کہ ہاں بیشک لیکن میں اپنی ان شہنشاہی مصلحتوں کا خوب علم رکھتا ہوں جنکی اہمیت تک تم نہیں پہنچ سکتے

فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (۴۸: ۲۹)

اے دین خدا کے دشمنو! یاد رکھو کہ محمدؐ خدا کا بھیجا ہوا نبیؐ ہی، اور اسی لیئے تمہاری سب کارستانیوں کے باوجود بیخوف و خطر ہے! جو لوگ اُسکے ساتھ ہیں اعدائے اسلام کے حق میں بُرے سخت ہیں، آپسمیں بیحد رحمدل ہیں، رافت اور محبت کی ایک نہر سلسبیل اُنکے دلوں میں بہ رہی ہی تم انکو دیکھوگے کہ ہمارے حضور میں کبھی گھٹنوں کے بل کھڑے ہیں، کبھی زمین پر ماتھا ٹیک رہے ہیں۔ گویا سرتاپا مطیع رہکر فضل خدا اور خوشنودی رب العالمین کی طلبگاری میں لگے ہیں۔ اطاعت کے نشان (اَثَرِ السُّجُوْدِ) اُنکے چہروں میں (فِيْ وُجُوْهِهِمْ) عیاں ہیں (سِيْمَاهُمْ) حکمبرداری کی علامتیں اُنکی شکلوں سے نظر آرہی ہیں۔ یہی اوصاف اُنکے توریت اور انجیل میں مذکور ہیں، یہی آج اُنکا طرز عمل ہے وہ روز بروز اسطرح زور پکڑتے جائینگے جیسے ایک کھیت ہو جسنے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی، پھر جلب غذا اور جلب آب سے آہستہ آہستہ زور پکڑا، پھر رفتہ رفتہ موٹا ہوکر اپنی جڑ پر سروقد کھڑا ہوگیا۔ اب کسان ہیں کہ اپنی محنتوں کو بارور دیکھکر باغ باغ ہو رہے ہیں، اور دشمن ہیں کہ مارے حسد کے جل رہے ہیں۔ اے لوگو! خدا نے محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو سچے دل سے ایمان لائے، اور جنہوں نے تندہی سے مناسب اعمال بھی کیئے (اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ) اس دنیا میں اجر عظیم دینے اور اُنکی اجتماعی واماندگیوں اور بدحالیوں پر پردہ پوشی کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے!

✝ یہ آیہ جلیلہ "اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کی پہلی قسط ہی جو ہم نے صفحہ ۳۵ کے جواب میں 'ایمان' کی تشریح کے بعد پیش کردی ہے گویا "اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ" ہونا، "رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" ہونا، تعمیل احکام خدا میں "رُكَّعًا" رہنا، اور سب سے اہم یہ کہ ہر دم اور ہر آن خدا کے انعامات کی تلاش میں لگے رہنا، قوت اور طاقت، تمکن اور تسلط کے درپے رہنا (يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ)۔ اور اسکے لیئے وسائل تلاش کرنا ہی ایمان اور عمل صالح ہی۔ جو قوم دشمن کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آرہی ہی، آپسمیں نہایت متحد اور رحمدل ہی، قانون خدا کی نہایت پابند ہی، خدا کی دنیاوی نعمتوں اور وراثت زمین حاصل کرنیکے درپے ہی اور ساتھ ہی خدا کے حضور میں اپنے آپکو عاجز شمار کرتی ہی، وہی اعمال صالحہ کررہی ہی، وہی ایمان کی شرطوں کو پورا کررہی ہی، وہی حیرت انگیز سرعت سے نشوونما پارہی ہے، وہی اس زمین کے طول و عرض میں اسطرح پھیل رہی ہے کہ نام نہاد مسلمان آج اُسکے تمکن کو دیکھکر دنگ ہو رہا ہے، اور شدت غیظ کے باعث اپنی انگلیاں کاٹ رہا ہے۔ آہ! لیکن خدا صرف مسلمانوں ہی کا خدا نہیں وہ رب العٰلمین ہے اور جو اُسکے قانون پر چل رہا ہے وہی انعام پارہا ہے!

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ اُن لوگوں نے نمازیں پڑھ پڑھکر اپنی پیشانیوں پر گٹے ڈال لیئے ہیں جیسا کہ آجکل بعض سادہ لوح مسلمان اپنے ماتھوں کو زمین پر عمداً رگڑ رگڑ کر ڈال لیتے ہیں اور اس ترکیب سے "معیت رسولؐ" اور اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (۴۸: ۲۹) کے حقدار بنتے ہیں بلکہ یہ صرف قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی کیفیت قلب اور شدت اطاعت کا تمثیلی اظہار ہے گویا یہ کہا ہے کہ اطاعت کے نشان تم اُنکے چہروں پر دیکھوگے جسطرح آج کسی کو کہا جاتا ہی کہ ذہانت اور اقبال فلاں شخص کے چہرے پر نظر آتے ہیں۔ اسجگہ ماتھے کا ذکر تک نہیں بلکہ چہروں (وُجُوْهِهِمْ) کا ہی اور تمام چہرے میں اطاعت نظر آرہی ہی نہ صرف ماتھے میں۔ اس دعوے کی تصدیق مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ اور مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ کے الفاظ سے بھی ہوتی ہی کیونکہ زمین پر ماتھا رگڑنا اہل کتاب کا شیوۂ نماز نہ تھا۔ سِيْمَا کے معنی نشان کے ہیں چنانچہ سورۂ بقرہ میں مجاہد فی سبیل اللہ فقرا کے بارے میں ارشاد ہی: تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ (۲: ۲۷۳) یعنی تم ایسے لوگوں کو اُنکے نشانوں سے تاڑ جاؤگے" (دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۰۱) یہاں بھی گٹوں کا قطعاً کوئی ذکر نہیں اور نرے گٹے ڈال لینے سے کوئی شخص مطیع خدا ہرگز نہیں ہوسکتا خواہ وہ گٹے تمام چہرے پر ڈال لیئے ہوں! ایک قابل توجہ بات اس آیت میں لفظ مِنْهُمْ ہے جس سے ظاہر ہے کہ رسولؐ خدا کے ساتھیوں میں سے بھی اجر عظیم کا وعدہ صرف اُنہی کو ہے جو اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مصداق رہے، گویا کلمہ پڑھکر مسلمان بن جانا شرط نہیں بلکہ پیہم عمل کرتے رہنا اور ہر دم مجسمۂ ایمان بنے رہنا شرط ہے!

يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ○ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○ (۸: ۲۴-۲۵)

اے ایمان والو! جب اللہ اور رسول تمہیں کسی ایسے کام کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی اور قوت بخشتا ہو (یعنی قتال اور متعلقہ فرائض) تو تم اُنکے احکام کو بگوش دل سنو اور مستعدی سے اُنکی تعمیل کرو۔ اور خوب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۷۰) خواب استراحت میں مخل نہیں، کوئی امر امیر لائق امتثال و استیجاب نہیں۔ "اطاعت خدا" اور "اطاعت رسول" کی اصلی اور ابتدائی غرض و غایت کو عیاں کر دینے کا یہ موقع نہیں۔ یہ موضوع "اطاعت امیر" کے عنوان میں بالاستقلال باندھا گیا ہے جو دوسری جلد میں آئے گا مگر مذکرۂ صدر آیات (یعنی (۸: ۲۰-۲۲) اور (۸: ۲۴-۲۵)) سے جو یہاں بطور تمہید کے پیش کر دی گئی ہیں، ظاہر ہے کہ "اطاعت خدا" کا علمی منظر قرن اول میں کچھ ہی ہو، لیکن "اطاعت رسول" کا مقصود نبی آخر الزمان کے عہد حیات میں اسکے **بالمشافہ** احکام کی تعمیل ہی تھا۔ آیات (۸: ۲۰-۲۱) میں "وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ" اور "قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ" کے الفاظ، اور آیۂ (۸: ۲۴) میں "إِذَا دَعَاكُمْ" کی قید اس دعوے کی صریح تائید میں ہے۔ گویا رسول خدا کا کسی بات کو سُنہ سے کہنا، اور صدر اسلام کے مومنوں کا بطیب خاطر اُس حکم کی فوری تعمیل کرنا، اور لنگ عذرات پیش نہ کرنا ہی "اطاعت رسول" تھا۔ صدر اسلام میں نہ کوئی حدیث کی کتابیں تھیں جن کی رسمی درس و تدریس اطاعت رسول کے مترادف تھی، نہ فقہی تصانیف تھیں جنکو عینک لگا کر پڑھ لینا، اور پڑھکر باوجود تمام بالائے طاق رکھدینا اتباع رسول کے ہم معنی تھا، جیسا کہ آج اکثر سہل پسند مسلمانوں کا شیوۂ اعتقاد ہے۔ قرن اول میں رسول خدا مسلمانوں کے قائد اعظم اور سپہ سالار ہونیکی حیثیت میں وقتاً فوقتاً احکام نافذ کیا کرتے تھے جو مصالح وقت کے لحاظ سے مسلمانوں کے اجتماعی دفاع کے لیے ضروری تھے، عرب کے جس جس گوشے میں ان فرامین کی صدائیں پہنچتی تھیں لوگ لبیک لبیک کرتے حاضر ہو جاتے، اور اپنا تن من دھن اس نیک سیرت سردار کی خاطر قربان کر دیتے! یہ "اطاعت رسول" کا صحیح مفہوم تھا۔ رہا یہ امر کہ آج جب کہ رسول خدا بذات خود مصلحت وقت کے مطابق حکم دینے کے لیے موجود نہیں تو "اطاعت رسول" کا بدل کیا ہو، اور کسکے حکم کی تعمیل فرض ہے، یہ ایک علیحدہ سوال ہے جسکی تصریح اپنے موقع پر کرنا بیجا نہ ہوگی مگر اس صحبت میں آیۂ (۸: ۲۵) کے مطالب خاص طور پر قابل التفات ہیں جسمیں عصیان خدا اور رسول کا نتیجہ وہ فتنۂ عظیم قرار دیا گیا ہے جسکی لپیٹ میں بلا امتیاز احدے ساری کی ساری جماعت آرہتی ہے۔ یہ فتنہ لامحالہ سیاسی شکست ریخت اور اجتماعی بدنظمی ہی ہے جو امیر جماعت کی نافرمانی اور تشتت آرا سے ہر جا پیدا ہو جاتی ہے اور جو نظام کائنات کا اصل اصول ہے۔ اس نقطۂ نظر سے "اطاعت رسول" اور "استجابت للرسول" کے معانی اور بھی صاف ہو جاتے ہیں اور اسلامی جماعت کی رہنمائی کے لیے ہر وقت کسی ایسے **امیر** کا موجود ہونا لازم و ملزوم ہو جاتا ہے جو خدا و رسول کے احکام کی تابعداری حکماً کرائے اور جب موقع امت کو شکست و ریخت سے بچائے۔ "لِمَا يُحْيِيكُمْ" (۸: ۲۴) کے الفاظ بھی اس دعوے کی حتمی تائید کرتے ہیں کہ یہ لیا اجتماعی اور سیاسی قوت کا حاصل کرنا ہی تھا۔

اب رہا یہ امر کہ "أَطِيعُوا اللَّهَ" کا کیا مفہوم ہے اسکا جواب اعتقاداً اور نظریۃً اگرچہ یہی رہا ہے کہ "جو کچھ کلام الٰہی کے اندر لکھا ہے اُسکی پیروی کرنی اطاعت خدا ہے" مگر عملی مقام نظر سے یہ بات ناممکن العمل اسلیے ہے کہ قرآن حکیم ایسے احکام و قوانین کا مجموعہ ہے جنپر لشکر کی بیک وقت پیروی کرنی محال ہو جاتی ہے، اُن میں بعض (مثلاً جہاد بالسیف اور ہجرت وغیرہ) ایسے اوامر ہیں جن کا نفاذ وقتی اور مقامی حالات کو دیکھکر ہوتا ہے اور جو لامحالہ کسی امیر کے ماتحت رہکر ہی ہو سکتے ہیں۔ اس بنا پر بھی مسلمانوں کی اُمت کا کسی ایک "اولوالامر" کے اذن میں رہنا از روئے قرآن ضروری ہے، مگر رسول خدا کے عہد حیات میں "اطاعت خدا" سے مراد عملاً رسول خدا کے احکام کی تعمیل ہی تھی خواہ وہ احکام بالمشافہ اور مصلحتی تھے یا بذریعہ وحی خدا کے ہاں سے پہنچتے تھے، حتی کہ سورۂ نساء میں "مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ" (۴: ۸۰) کہہ کر اطاعت خدا کو فی الحقیقت اطاعت رسول میں مدغم کر دیا ہے۔ گویا قرون اولیٰ کے عرب کو بارگاہ خداوندی سے حکم ہوتا ہے کہ جس شخص نے رسول خدا کے کہے کو بلا چون و چرا مانا اُسنے فی الحقیقت خدا ہی کے کہے کو مانا۔ "پس أَطِيعُوا اللَّهَ" کا مفہوم بھی صدر اسلام میں "اطاعت رسول" ہی تھا۔ اس نکتے کی تائید "وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ" (۸: ۲۰) اور "إِذَا دَعَاكُمْ" (۸: ۲۴) کی واحد غائب ضمیروں سے بھی ہوتی ہے

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ○ (۲: ۱۴۳)

اور اے پیغمبرؐ! ہم نے کچھ عرصے کے لیے بیت المقدس کو قبلہ اسی غرض سے قرار دیا تھا کہ جب مستقل قبلے کا حکم پونہچے تو ہم ان لوگوں کو جو رسول کی بے چون وچرا پیروی کریں، اُن سے جو سرتابی کرکے الٹے پاؤں پھر جائیں، الگ معلوم کرلیں۔ اور قبلے کا دفعتہً بدلا جانا بلاشبہ ایک اہم بات تھی مگر جن لوگوں کو خدا نے اطاعت رسول کا رستہ دکھا دیا تھا اُنکے لیے کچھ قابل اعتراض نہ تھی۔ اور خدا ایسا نہیں کہ رسول کی صداقت پر تمہارے اِس حیرت انگیز عملی ایمان کو ضائع ہونے دے، وہ تو ایسے اعمال کو دیکھکر بیشک تمام عالم پر بیحد مشفق اور مہربان ہوجاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ○ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ○ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ○ (۸: ۲۰-۲۲)

اے ایمان والو! اللہ کے احکام مانو، اور رسول کے بالمشافہ احکام کی بھی بلا حیل وحجت تعمیل کیا کرو، اور درانحالیکہ تم اسکا حکم سُن رہے ہو (یعنی دیدہ ودانستہ) اُس سے سرتابی نہ کیا کرو۔ کیونکہ وہی تمھارا اولوالامر ہے۔ اور نہ تم ان لوگوں کی مانند بنو جو مُنہ سے ہاں کہہ چھوڑتے ہیں اور پھر حکم کی تعمیل فوراً نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات وہ ڈھیٹھ اور مچلے لوگ ہوتے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے خواہ اُنکو کتنا ہی سمجھایا جائے، اور اطاعت امیر کی لم سے بیخبر ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

† اس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ قرونِ اولیٰ میں متابعت رسول بھی فی الحقیقت ایمان کی ایک اہم شرط تھی۔ رہا یہ امر کہ یہ اتباع کن معنوں میں تھا اور آج جبکہ رسول خدا صلعم موجود نہیں کیونکر ہوسکے اسکی تصریح اسی صفحہ کے آیندہ تحت اللفظ میں کردی ہے۔ تحویل قبلہ کی متذکرۂ صدر توضیح سے صرف ظاہر ہے کہ رسولؐ خدا کے قدم بقدم چلنا اور بے چون وچرا اُسکے حکم کی تعمیل کرنا اُسپر ایمان لانیکے مرادف تھا۔ یہی بات "اٰمَنُوا بِاللّٰہِ" کے الفاظ سے ظاہر ہے جو آیہ (۷: ۱۵۷) میں آگے چلکر آرہی ہے۔ (دیکھو صفحہ ۱۷۲)۔

‡ "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ" کا الٰہی مقصود مرورِ مدت اور نسیان درس کے باعث مسلمانانِ جہان کے ذہنوں سے اسقدر محو ہوگیا ہے کہ وہ آج اِس انحطاط کے زمانے میں شرعی رسوم اور فقہی مسائل کی ایک نمایشی سی پابندی کو ہی اطاعت خدا ورسول سمجھکر اپنے آپ کو دین اسلام کے ایک اہم فریضے سے سبکدوش کررہے ہیں۔ اُنکے نزدیک صوم وصلوٰۃ وغیرہ وغیرہ ارکانِ دین کا شرعی التزام یا کتب احادیث کا مکتبی درس اور سطحی اتباع ہی اطاعت خدا ورسول کا انتہائی مقصود ہے۔ اِسکے سوا کوئی دوسری شے اُنکے ذہنوں میں سماتی نظر نہیں آتی۔ کوئی الٰہی یا پیغمبری آواز آج اُن کی

محلل اور منکر ماسوا توحید تھی جسنے دل کی تسلیم پر خدائے برتر کی کامل حکومت قائم کرکے انسان کو تسلیم کا خوگر اور قانون الٰہی کا پابند کردیا تھا: فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰي مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ[۵۱] ۝ (۲۲: ۳۴-۳۵)؛ اور یہ وُہ ادب آموزِ باطن، ماحیٔ نفس، مبطلِ کذب، اور محرّک اعتصاب اسلام تھا جسکا واحد منتہائے نظر تقویتِ قوم اور استحکام جماعت تھا۔ خدائے جل وعلےٰ کو اسکے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بندوں اور نطفۂ منی سے پیدا کیئے ہوئے انسان کے رسمی سجدوں، ظاہری عبادتوں، قربانیوں اور پیسوں کی مطلق حاجت نہ تھی: وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۳: ۹۷)۔ وہ اِس پیمپیر زبشر کے ترک اولاد اور ترک وطن، ایثارِ مال و ایثارِ جان سے قطعی بے نیاز تھا۔ اسکو اس ذرہ مقدار اور بے حقیقت انسان کی نصرت کی کچھ خواہش نہ تھی: وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ[۵۲] ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ[۵۳] ۝ (۲۹: ۶)؛ وہ اگر چاہتا تو ایک آنکھ کی جھپک میں سرکش اور متمرّد انسان کو فطرت کی زمیں پاش طاقتوں کے قابض ارواح ملائک، اور طبیعت کے عالم آشوب حوادث کے علمبردار مُصیطروں کو ایک اشارہ کرکے مکھی یا مچھر کی طرح مسل ڈالتا:

وَلَوْ نَشَاۗءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓي اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ۝ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰي مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ۝ (۳۶: ۶۶-۶۷)

اور اگر ہم چاہیں تو فوراً ان سب کی آنکھوں سے بینائی اچک لیں اور پھر یہ رستے کی طرف دوڑیں تو کہاں سے دیکھ پائیں اور اگر ہم چاہیں تو یہ جہاں ہیں وہیں انکی صورتیں اور طاقتیں مسخ کردیں پھر نہ تو ان سے آگے جاتے ہی بن پڑے اور نہ لوٹتے ہی بن پڑے۔

---

۵۱ تم سب کا خدا وہی خدائے واحد ہے پس اُسیکے احکام کی تعمیل کیا کرو اور اُسی کے آگے سرِتسلیم خم کردو۔ اور اے پیغمبر! تم ہماری طرف سے ہمارے حضور میں عاجزی سے رہنے والے بندوں کو بشارت دو کہ ہم انکی خدمت سے خوش ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو تعمیلِ احکام تو درکنار جب اللہ کا نام انکے آگے ذکر کیا جاتا ہے تو انکے دل لرز اٹھتے ہیں اور اسکی حمایت میں جو جو مصیبتیں بھی آپڑتی ہیں بطیب خاطر برداشت کرتے ہیں اور پھر ان میں پانچوقت ہمارے سامنے ماتھا رگڑتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انکو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ۵۲ اور جو کوئی خدا سے منحرف ہوا تو اللہ وہ غنی ذات ہے کہ تمام جہان سے بے نیاز ہے۔

۵۳ اور جس نے تکلیفیں سہیں اور جہاد کیئے، سعی وعمل کیا اور مصائب کا مقابلہ کیا سو وہ کچھ اپنے ہی بھلے کے لیئے کر رہا ہے ورنہ خدا تو تمام عالم سے قطعاً بے نیاز ہے، اُسکے واسطے کسی کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔

---

۵۲ اس ذاتی مفاد اور لِنَفْسِهٖ کی تشریح عنقریب آئندہ صفحوں میں آئے گی۔ (دیکھو صفحہ ۱۸۰-۱۸۱)

سمجھ لو کہ اللہ آدمی اور اُسکے دل کے درمیان حائل ہے، اور جو کچھ اُن کے درمیان بخت و پز ہوتی ہے اُسکو خوب جانتا ہے یہ بھی جانتے رہو کہ تم ایک نہ ایک دن اُسی کے حضور میں حاضر کیئے جاؤ گے۔ اور اُس اجتماعی موت سے ڈرتے رہا کرو جو امیر جماعت کی حکم عدولیوں اور داخلی فتنہ و فساد سے بالآخر پیدا ہوتی ہے اور جو خاصکر اُنھی لوگوں پر نازل نہیں ہوگی جنھوں نے تم میں سے سرتابی کی ہے بلکہ تم سب اُسکی زد میں آجاؤ گے، اور جانتے رہو کہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۷: ۱۵۷)

تو جو لوگ اِس رسول کی صداقت اور منجانب اللہ ہونے پر ایمان لائے، اور اُنکی حمایت کی، اور اُن کو مدد دی، اور بعینہٖ جو راہ ہدایت اُنھوں نے اِس نورِ عظیم (قرآن) کے ذریعے سے دکھلائی جو اُن کے ساتھ اُترا، یا جو اُن کے قلب میں تھا، اُسکی متابعت کرتے رہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو اِس دنیا میں کامیاب ہونگے۔

آہ! یہ وہ صادق النیۃ متابعت، اور وہ محیر العقل اطاعت امیر تھی جو مومنوں کے بمثال ائتلاف قلوب اور طہارتِ نفس کا نتیجہ تھی؛ یہ وہ کرشمۂ اتحاد و عمل تھا جس کا قطعی اور حتمی باعث تزکیۂ نفس اور اتقائے خدا تھا؛ یہ وہ محتسبانہ اتقا، اور مقامِ خدا کا ہول تھا جس کا محرک اصلی وجودِ خدا کا یقین اور اُسکی خالص عبادت تھی: فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۝ (۳۹: ۲-۳)؛ یہ وہ غیر

لہ تو خالص خدا ہی کی فرمانبرداری مدنظر رکھکر اُسی کی خدمت کیا کرو۔ دیکھو یہی خدمت گذاری خدا ہی کے شایاں ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۷۱) جن کا مرجع رسول ہی ہے، تثنیے کی ضمیروں کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن ان باتوں سے قطع نظر، آیہ (۸: ۲۵) میں ظَلَمُوْا کا لفظ سب سے زیادہ قابل غور ہے۔ مقدمہ کتاب میں کئی جگہ (مثلاً صفحہ ۸۱، ۹۶، پر) اس قرآنی اصطلاح کی جامعیت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ ان آیات (یعنی ۸: ۲۴-۲۵) سے صاف ظاہر ہے کہ شارع کائنات کی نگاہوں میں امیر جماعت کی نافرمانی کرنا ظلم ہے اور اسکا نتیجہ عذاب خدا اور اجتماعی شکست ہے۔ ظلم کے معانی کی یہ دوسری قسط ہے جو ضمناً یہاں پر ادا کردی گئی ہے۔ پہلی قسط صفحہ ۱۲۰ کی آیہ کریمہ (۳: ۱۳۹) کے تحت المتن میں ادا کی تھی جہاں بتلایا گیا کہ جو قوم بزدل ہوکر میدان جنگ میں لڑتی ہے وہ رب زمین و آسمان کی نظروں میں ظالم ہے۔

مہ ان آیات کے مطالب پر غور کرنیکے بعد لفظ دِیْن کے معانی اور بھی صاف ہوجاتے ہیں جو صفحہ ۱۶۱ کے تحت المتن میں بیان ہوئے۔ لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ کا مقصود یہی ہے کہ انسان کا سب سعی و عمل (الدِّيْنُ) خالصۃً (الْخَالِصُ) خدا ہی کی رضا میں وقف (لِلّٰهِ) ہو، سب خالص فرمانبرداری (الدِّيْنُ الْخَالِصُ) خدا ہی کی ہو ما سوا کی نہ ہو، سچے دل سے اطاعت (الدِّيْنُ الْخَالِصُ) اُسی احکم الحاکمین کی ہو، خالص راہ عمل (الدِّيْنُ الْخَالِصُ) خدا کے لیے مخصوص کردیا جائے گویا دِیْن کے معنی راہ عمل کے ہیں اور یہ طرز عمل ہی خدا کی نظروں میں کسی شخص کا چلن یا مذہب یا دین ہوسکتا ہے۔ اعتقادی یا نظری دین کے معنی خدا کی نگاہوں میں کچھ نہیں، جیسا کہ آج کل بعض خوش اعتقادوں نے دین اسلام کو سمجھ لیا ہے۔ مزید تشریح کیلئے اردو دیباچے کے پہلے صفحوں پر غور کرنا چاہیئے۔

قدرت کے عظیم الشان اور ممتنع الحصول اسرار سے آگاہ کردے: تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ[1] (۲۷: ۱-۲)، الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۭ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۭ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۭ[2] (۹۶: ۴-۸)۔ وہ اسکے محدود اور ناقص علم پر حکیم حقیقی کی لامتناہی حکمت کے مہتم بالشان سرائر و خفایا کا اضافہ کرکے اُسکو **حفظ نفس** اور اجتماعی استحکام کے اٹل اصول سکھلادے، وہ اسکے جزوی اختیار کے بالمقابل قادر مطلق کی ناپیدا کنار قدرت اور استطاعت کی عملی سرحد مقرر کرکے بنی نوع انسان کو تجاوز کے نفس کُش عمل، اور عدوان کے ضبط شکن فعل سے روک دے: تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝[3] (۲: ۲۲۹)۔ وہ اُن کو نظم و نسق کا طبعی اور صحیح طریقہ سکھلاکر، ان کے اعمال میں فطری صلاحیت، اور عزائم میں لازوال استقامت بخش دے۔ وہ انسان کے تنگ افق نظر کو کتاب خدا کے اٹل فیصلوں، اسکی فقید المثال ہدایت اور بشارت، برکت اور رحمت، علم اور حکمت، نور اور شفا کی[‡] وساطت سے وسیع تر کرکے اقوام عالم کے **تمکن و بقا** کا مسئلہ سہل تر کردے: وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰي عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝[4] (۷: ۵۲)۔ وہ الغرض انسان کی دینی اور دنیاوی انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کو اعتدال کے زریں اصول، صلاحیت کی محکم

---

[1] یہ قرآن کریم کی آیات ہیں اور اس کتاب مبین کے احکام ہیں جو ہر شخص کے پیش نظر ہے۔ ایمان والوں کے لیے ان احکام میں سرتاسر ہدایت عمل اور بشارت ہے۔

[2] خدا وہ پاک ذات ہے جسنے ظلوم و جہول انسان کو کتاب وحی کے ذریعے سے (بِالْقَلَمِ) وہ عظیم الشان حقائق سکھلادیے جو اس سے پہلے وہ ہرگز نہیں جانتا تھا۔ نہیں نہیں یہ درحقیقت انسان کی کمال سرکشی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہدایت سے بے نیاز سمجھتا ہے اور اگر وہ بنظر عمیق دیکھے تو وہ اسقدر محتاج ہے کہ ہر بات میں اُسکو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنے کی حاجت ہے۔

[3] یہ قانون فطرت ہے اور یہی اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں۔ پس اس سے تجاوز نہ کرو، حدود سے آگے نہ بڑھو۔ اور جس قوم نے خدا کی حدود سے تجاوز کیا وہی ظالم ہے۔

[4] اور ہم تو ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب لائے ہیں جسمیں ہم نے ہر اہم امر کی تفصیل اپنے علم کے ذریعے سے کردی ہے۔ ایمان والی قوم کے حق میں اسکے احکام سرتاسر ہدایت اور رحمت ہے۔ (یہ آیہ شریفہ صفحہ ۵۸ کے متن اور صفحہ ۹ کے تحت المتن میں آچکی ہے)

✤ 'كِتَابٍ مُّبِيْنٍ' کی ضمنی تشریح مقدمہ کتاب میں صفحہ ۶۱، ۶۲ پر گذر چکی ہے جہاں اس آیت کا ذکر بھی کیا گیا ہے

✤ یہاں 'ظَالِمٌ' کے متعلق فیصلہ کردیا ہے کہ جو قوم قانون فطرت کی حدود سے تجاوز کرے وہ شارع کائنات کی اصطلاح میں 'ظَالِمٌ' ہے اور آیہ (۶: ۴۷) صفحہ ۸۱ کے محاکمے کے مطابق ہلاکت کی اہل۔ 'ظُلْمٌ' کے معانی کے متعلق یہ تیسری قسط ہے جو ہم نے ادا کردی ہے پہلی دو قسطیں یعنی جُبْن فی القتال اور عصیان امیر صفحہ ۱۷۲ کے تحت المتن میں آچکی ہیں۔ ‡ قرآن حکیم کے متعلق صفحہ ۸۹-۹۰ کے تحت المتن کی آیات کی طرف اشارہ ہے۔

مگر اسکی شان عاطفت اور کبریائی اِس بات کی مقتضی تھی کہ وہ انبیائے کرام اور کتاب **وحی** کے ذریعے سے اُس ظلوم وجہول انسان کو جسنے فہم وادراک کی امانت اپنے ذمّے لیکر (۳۳: ۷۲) اور حیوانوں کی غیر مانند اپنے آپ کو قانونِ فطرت سے قطعی بے خبر کر رکھا ہے، جسکے ایک حد تک صاحب اختیار ہونے کی وجہ سے اسکو اپنی راہِ عمل میں ہر قدم پر لغزش کا سامنا ہے، جو آپ صاحب ارادہ ہونیکے باعث اپنے مالک حقیقی کے ارادے سے طبعًا ناآشنا ہے، جسکے صاحب تدبیر ہونیکے جرم میں فطرت نے اُس کو اپنے پاس سے کوئی ہدایت نامہ یا طرزِ عمل مہیا نہیں کیا، جسکے فساد فی الارض کی اور خونریزی کی داستانیں. جسکے ظلم و ستم اور تمرد، نفس پرستی اور خود پسندی کی حکایتیں، اسکی نشاۃِ اوّل سے پہلے ہی. زمین و آسمان کی حکمبردار قوتوں، اور مقدس فرشتوں کے بزبان ہو چکی تھیں، جو آج اپنے علم و عقل کے غرور اور ہوش و تمیز کے گھمنڈ میں کتابِ خدا حتّٰی کہ وجود خدا کا بھی متکبرانہ انکار کر رہا ہے: اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ۝ (۳۶: ۷۷)، جو اپنی تجویز پر نازاں، اور اپنی سعی و عمل پر مفتون ہو کر قدرت کی قاہر اور جابر روحانی قوتوں، اور کارخانہ جہان کے اٹل اور عدیم المثال اخلاقی اصولوں کی معاندانہ روک اور تمسخر کے درپے ہے: فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ ؕ بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۹: ۴۹)، ہاں وہ کتاب **وحی** کے ذریعے سے اِسی ظلوم وجہول انسان کو فطرت کے عالم آرا اخلاقی اور احسانی، مادی اور روحانی قانون سے باخبر کر کے، ابدالآباد تک بیخوف و خطر، اور قوت و استقامت سے رہنے کے قابل بنادے؛ وہ اُسکی قوائے مُدرکہ کے سامنے **فطرت** کی کتاب مبین کا فوری اور تیار ملخص پیش کر کے کارگاہ

---

۵۱ کیا انسان کو معلوم نہیں کہ ہم نے اُسکو گندے پانی سے پیدا کیا پھر بھی وہ کھلم کھلا ہمارا مخالف بنا رہتا ہے اور ہماری نسبت باتیں بنانے لگا ہے، اپنی اصل کو بھول گیا اور کہتا ہے کہ بھلا گلی سڑی ہڈیوں کو کون از سرِ نو زندہ کرے گا۔

۵۲ انسان کی عادت ہے کہ جب اُسے کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب اسکو کوئی نعمت ہم بطور احسان عطا فرماتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجھے میری ذاتی لیاقت کی وجہ سے (یعنی سمع و بصر اور ذہن سلیم کے صحیح استعمال کے باعث (عَلٰی عِلْمٍ کا ترجمہ دیکھو صفحہ ۸۳) ملی ہے۔ اے ناسمجھ انسان! یہ نعمت تو آزمایش کے طور پر ہی ہے کہ ہم دیکھ لیں کہ تو اسکا جائز استعمال کہاں تک کرتا ہے لیکن افسوس کہ انہیں سے اکثر لوگ ہماری اور دستد کے قانون کا علم نہیں رکھتے۔

کہ لوگ اِن مشرح احکام کو سُنکر اتقا پیدا کریں، بربادی سے بچیں۔ اور حفظِ نفس اختیار کریں (یَتَّقُوْنَ)

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (۷: ۳۴-۳۵)

اور ہر ایک قوم کے صفحۂ ہستی سے مٹنے کی ایک میعاد مقرر ہے۔ پھر جب اُسکی تباہی کے اسباب مکمل ہو چکتے ہیں تو اُس سے ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں، نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پھر اگر اسوقت کوئی عذر پیش کرے گا تو ہم کہیں گے کہ اے بنی آدم! جسنے تمہیں پہلے ہی کہدیا تھا کہ جب کبھی ہماری طرف سے تم ہی میں سے ہمارے قاصد تمہارے پاس پہنچیں اور ہمارے احکام تم پر واضح کردیں۔ تو جو قوم ہلاکت سے دامن بچاکر چلی اور جسنے اپنی حالت کی اصلاح کرلی، اُنکو اِس دنیا میں کسی قسم کا خوف و خطر لاحق نہیں ہوگا۔

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ † (۲: ۱۱۲)

اصل تو یہ ہے کہ جسنے اپنے آپ کو ہمہ تن قانون خدا کے سپرد کردیا، اور اسکے بتائے ہوئے پسندیدہ عمل کیے تو اسکا اجر تو اس شخص کو اُسکے پروردگار کے ہاں سے ملیگا۔ لیکن وہ قوم دنیا میں بے خوف و خطر ہے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ

---

† یہ آیت مسئلۂ اتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۳ میں آچکی ہے مگر وہاں پر "اتقٰی" اور "اَصْلَحَ" کے صحیح مفہوم کو ملتوی کردیا گیا تھا۔ اِس وقت تک "اتقا" کے اسی مفہوم کی کئی شقیں ظاہر ہو چکی ہیں: مثلاً اُمت، وحدہ بننا (آیہ ۲۱: ۹۲) صفحہ ۴۹)، باہمی اتحاد قائم رکھنا (آیہ ۳: ۱۰۳) صفحہ ۱۵۰)، ایک دوسرے کو استقلال کی تلقین کرنا (آیہ ۳: ۱۹۹) صفحہ ۱۵۰)، تفرقہ نہ پیدا کرنا (آیات ۳: ۱۰۱-۱۰۲) صفحہ ۱۴۴) مصائب میں لفریقین کرانا (آیہ ۲۹: ۱۰) صفحہ ۱۶۰)، آیندہ مصائب کے لیے پیش ازوقت تیاری کرنا اور حفظ نفس کے لیے مستعد رہنا (آیہ ۵۹: ۱۸) صفحہ ۱۶۲) وغیرہ وغیرہ سب اعمال "اتقا" میں داخل ہیں جس قوم میں یہ خاصیتیں بدرجۂ اتم موجود ہوں گی وہ از روئے قرآن "فَمَنِ اتَّقٰى" کا مصداق ہے اور اس دنیا کے اندر "وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" کا مصداق بننا بھی اُسی کا حصہ ہے۔ "اَصْلَحَ" کی تشریح بھی کچھ کچھ ہو چکی ہے۔ مثلاً "رَحْمَةً لِّبَنِيْهِمْ" والی آیت (۱۸: ۲۹) صفحہ ۱۶۸ کے متن میں اور اُن آیتوں میں جو مقدمۂ کتاب میں صفحہ ۴۰، ۸۷، اور ۱۵۹ پر ہو چکی ہیں۔

‡ "اسلام" اور "احسان" کا ذکر جو اِس آیت میں آیا ہے وہ دراصل "اتقا" اور "اصلاح" ہی کے دوسرے نام ہیں جیسا کہ کچھ دیر بعد عیاں کردیا جائے گا اِسی لیے "مُسْلِم" اور "مُحْسِن" قوم بھی دنیا میں بے خوف و خطر ہے۔ بَلٰى سے رَبِّهٖ تک احد کی ضمیر استعمال کرنا اور بعد ازاں عَلَيْكُمْ اور يَحْزَنُوْنَ میں جمع کی ضمیر لانے کا مقصود یہ ہے کہ ہر متنفس کو اُسکے ذاتی عمل کا اجر آخرت کی صورت میں واضح ہو جائے (فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ) اور جر قوم کا وہ رکن ہے اُسکا دنیاوی اجر (لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ) کی صورت میں ہویدا ہو۔ مَنْ یہاں بھی اجتماعی موصول ہے جسکی ایک مثال صفحہ ۴۳ پر گذر چکی ہے۔

سطح، اور اتقا و اتحاد کی استوار زمین پر لاکر انکی جماعت کو پیش از وقت شکست کے **خوف** سے قطعی نجات اور بیوقت **فنا** سے عملاً مامون و مصئون کردے!

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۵: ۱۵-۱۶)

اے باشندگانِ زمین! پروردگارِ عالم کی طرف سے تمہیں وہ نور اور واضح کتاب آچکی ہے جسکے ذریعے سے خدا اُس قوم کو جو منشائے ایزدی کی متابعت کرتی ہے، قیام فی الارض اور سلامتی کے رستوں پر لے جائیگا، اُنہیں اپنے فضل و کرم سے جہالت اور ناعاقبت اندیشی کی ظلمتوں سے نکالکر علم اور حفظ نفس کے نور کی طرف لائیگا، اور انہیں اس نعمتِ عظمیٰ کے سیدھے رستے پر ڈال دیگا!

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶: ۸۹)

اور اے محمدؐ! ہم نے تمپر یہ کتاب اِس پائے کی نازل کی ہے کہ اسمیں انسان کے متعلق تمام اصولی قواعد کا مفصل بیان موجود ہے۔ اور تسلیم و عمل کرنے والی قوم کے لیئے تو یہ سرتاسر ہدایت ہی، رحمت ہی اور سلامتی اُمم کی بشارت ہی!

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (۳۹: ۲۷-۲۸)

اور ہم نے تو کافۃ الناس کو راہ ہدایت اور طریق عمل جتلانیکے لیئے اِس قرآن میں ہر ممکن حالت کو پیشِ نظر رکھکر مثالیں بیان کردی ہیں تاکہ لوگ اُن سے نتائج اخذ کرسکیں۔ اسی وضاحت کے لحاظ سے ہم نے اسکو عربی زبان میں کردیا ہی۔ اسمیں کسی طرح کی پیچیدگی یا منطق کی کجی نہیں رکھی۔ اور یہ سب اس لیئے

♣ آیہ (۵: ۱۵) کے متعلق بحث صفحہ ۶۲ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے: سُبُلَ السَّلٰمِ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کا منتہا اقوامِ عالم کو تمکن فی الارض اور حفظ نفس کے اصول سکھلانا ہے۔ ظُلُمٰتِ، کا صحیح مفہوم بھی جہالت اور عدم تعقل قوانینِ خدا کی تاریکیوں کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مقدمۂ کتاب میں ثابت کردیا گیا ہے کہ قرآن کا طغرائے امتیاز اسکا علم ہی اور یہی بات آیۂ (۵: ۱۹۶) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۱۷۵ کے متن میں آچکی ہی۔ روحانی ظلمتوں اور روحانی نور، کا ذکر جو بعض ناقرآن شناس مسلمان کرتے ہیں ایک بے معنی سی اور بے نتیجہ بات ہی صفحہ ۵۸ کی آیت (۱۱۱۴) بھی اسی معانی کی مؤید ہی لکن الظلمٰت اور النور پر مکمل بحث بعد میں ہوگی۔

ضمناً ان آیاتِ کبرےٰ سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہی کہ سُبُلَ السَّلٰمِ یعنی حفظِ نفس کی راہوں پر چلنا اور جہالت کی ظلمتوں سے نکلکر علم کی منور راہوں پر گامزن ہونا ہی صراطِ مستقیم ہی۔ صفحہ ۹۳۴، اور ۹۵ کے حواشی میں کسی قوم کا علم کی حقیقت نما راہوں پر چلنا سبیل خدا پر چلنے کے مترادف قرار دیا گیا تھا، اور قریب قریب یہی مضمون ان آیات میں ہی صراطٌ مُّسْتَقِيْمٌ کے مکمل مفہوم بیان کرنیمیں ابھی کچھ دیر ہی مگر اسکی پہلی قسط یہی ہے کہ اُمت اجتماعی خوف (دیکھو مسلہ ارتفاعات المتن صفحہ ۱۲) کے ماحول سے نکلکر سلامتی اور امن کی راہ پر قدم بڑھائے، اور جہالت کی قیود سے آزاد ہوکر علم کے جہاں کشا نور سے مزین ہو۔ یہ ہی صراطِ مستقیم ہی جس کی درخواست ایکدن میں پانچوقت خدا کے حضور میں ہوتی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۱: ۵) "اے خدا ہم کو صراطِ مستقیم یعنی سیدھی راہ پر چلا"۔

حصص تھے جنکا مآل کار لامحالہ اس دنیا میں حصول عافیت اور غلبۂ اسلام ہی تھا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۸ : ۱)، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (۴ : ۵۹)، قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۵ : ۱۱۲)۔ ہجرت اور جہاد کے جارحانہ اور مدافعانہ اوامر بھی حفظ نفس اور تقویت جماعت کے وہ عالم آرا، معرکۃ الآرا اور جلیل القدر اصول تھے جنپر بظہور آفرینش سے آجتک روئے زمین کی ہر زندہ قوم، عالم حیوانات کی ہر صالح اور مستعد نوع، بلکہ کائنات فطرت کی ہر ذی حیات جنس طبعًا اور حتمًا کاربند ہے! شارع فطرت کے نزدیک اعلائے حق کی خاطر حزب خدا اور اعلون بننا ہی وہ لازمۂ ایمان، مستحق اجر، اور موجب رضا فعل تھا جسکا انجام راحت دنیا اور فلاح عاقبت دونوں تھا: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۵۸ : ۲۲)، فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (۵ : ۵۶)، وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۳ : ۱۳۹)

۵۱ پس اس احکم الحاکمین کے مقام و منصب سے ڈرتے رہو اور اگر تمہیں اسکے منصب کا صحیح احساس ہے تو آپسمیں کامل طور پر متحد اور مصالحت سے رہو اور اگر تم ایمان اور تقوے کے مدعی ہو تو خدا کے سب احکام کی کلی متابعت کرو اور اسکے علاوہ رسول (یعنی تمہارے امیر جماعت) ہی جو کچھ تمہیں کہیں معًا تعمیل کیا کرو۔

۵۲ اے ایمان والو! اللہ کے احکام کی فوری اور کلی متابعت کرو، رسول کا کہا بلاچون وچرا مانا کرو، اور تم میں سے جو شخص تمہارے گروہ کا امیر مقرر کیا گیا ہو اُسکے احکام کی بھی پوری متابعت کرو۔ پھر اگر خدانخواستہ تمہارے اور حاکم وقت کے درمیان کسی معاملے میں جھگڑا ہی ہو جائے تو اللہ اور رسول پر چھوڑ دو (اور حاکم جماعت کی اطاعت میں کسر اٹھا نہ رکھو) اگر تم فی الحقیقت اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور روز قیامت کا تمہیں پورا یقین ہے (اُسدن آپ ہی خدا اور رسول نبٹ لینگے کہ کون غلطی پر تھا) یہی تمہارے لیے بہترین طریق عمل ہو اور تمہاری اطاعت گذاری کی بہترین تاویل ہے۔

۵۳ تو اس نے کہا کہ اگر تم میں فی الحقیقت ایمان موجود ہے تو خدا کو ہر دم محسوس کرتے رہا کرو اور اُس کا اتقا کرو (یعنی وہ اعمال پیدا کرو جو اتقا کے لیے ضروری ہیں)

۵۴ خدا اُن سے اُنکے اعمال کے باعث خوش ہو چکا ہے اور وہ خدا سے اپنے کیے کا اجر پاکر خوش ہو گئے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خدا کی فوج اور اللہ کے سپاہی ہیں۔ منکرو! گوش ہوش سُن رکھو اور مومنو! مطمئن رہو کہ خدائی فوج ہی اس دنیا میں غالب آئیگی اور آخرت میں فلاح پاکر رہے گی۔

۵۵ تو لامحالہ خدا کے سپاہی ہی اس دنیا کے اندر غالب آکر رہیں گے۔

۵۶ اور اگر تم فی الحقیقت ایمان والے ہو تو بالآخر تم ہی غالب آکر رہو گے

✝ اس وسیع التاویل اور پیچیدہ، لیکن اہم اور سبق آموز آیت کے صحیح مطالب کی تصریح دوسری مجلد میں پیش کر دی جاے گی۔ یہاں پر مطالب سے صرف اس قدر بحث ہے کہ اطاعت خدا، اور اطاعت رسول، کو ایمان کی شرط لاینفک قرار دیا گیا ہے۔ اطاعت اولوالامر کا سوال بعد میں اٹھایا جائیگا

✝ اس آیت میں صاف طور پر اتقا کو شرط ایمان قرار دیا ہے گویا اتقا کے اعمال کا موجود ہونا فی الحقیقت ایمان کے موجود ہونیکے مترادف ہے (دیکھو صفحہ ۱۶۶ آخری سطر)۔

فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ (۵: ۱۱)

اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب ایک دشمن قوم نے تم پر اپنا دست تعدی دراز کرنے کا تہیہ کر لیا تھا اور اللہ نے تمہیں صبر اور استقلال، تہور اور اتحاد کا سبق دیکر تم سے انکے ہاتھوں کو روک دیا۔ اور اے مسلمانو! مقام خدا کا خوف دلیر ہر آن رکھکر اسکے احکام کی متابعت کرتے رہو کیونکہ دشمن پر غالب آجانے کا راز اسی تقویٰ میں ہے اور ایمان والوں کو چاہیئے کہ اپنی حتی الامکان سعی کے بعد نتائج کے بارے میں خدا ہی پر توکل کیا کریں۔

آہ! اُس مالک الملک، اُس ربّ العالمین خدا کی عالم آرا رواداری اُمت رسولؐ کے اسی خوف حزن کو امن وامان میں بدل دینے کے اہتمام میں تھی۔ قرآن حکیم کے اوامر ونواہی، آجکل کے عام اور پست کن تخیل کے مطابق، دنیاوی نقطۂ نظر سے محض بے وجہ اور بے نتیجہ نظریّے نہ تھے، وہ کسی توشۂ آخرت اور زادِ معاد کے بے سبب اور بے دلیل، انفرادی اور شخصی سامان نہ تھے جنکا تیار کرنا خوشنودیٔ خدا کے لیئے "(مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ (۵: ۱۶)) رسماً اور فرداً ضروری تھا، بلکہ وہ مستقل اور نتیجہ خیز اجتماعی اعمال تھے جن کا اولین پیش نہاد اِس دنیا کو خوش اسلوبی سے نباہنا ہی تھا۔ خدائے واحد پر ایمان، اسکی عبادت اور طاعت، اسکے تقوے اور اتحاد، اسکے جہاد اور ہجرت، صبر اور توکل، بلکہ صدقات اور زکوٰۃ کا صحیح مآل یہی تھا کہ دین اسلام مسلمانوں کے متفقہ کسب وعمل سے دنیا کی تمام مجتمعات پر سیاسی اور اجتماعی معنوں میں غالب آجائے۔ وحدت جماعت، مصالحت افراد، ائتلاف قلوب، اطاعت خدا، اطاعت رسول، متابعت اولوالامر، ایمان کے وہ لاینفک اجزا، اور اتقائے خدا کے وہ ناقابل انفصال

---

† اس آیۂ شریفہ کے مطالب کی مسئلہ ارتقا کی شق ۳ و ۴ صفحہ ۱۲۱ سے مماثلت عیاں ہے۔ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ اسمیں دشمن سے بچ نکلنے کو نعمت خدا سے تعبیر کیا گیا ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ قانون خدا پر چلنا ہی دشمن کے دست تشدد سے بچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ نہیں بلکہ قرآن حکیم کی حکمت جامعہ نے حفظ نفس کا تیر بہدف نسخہ "وَاتَّقُوا اللَّهَ" کے جامع اور مانع الفاظ کے اندر بند کر دیا ہے۔ گویا جس قوم کے افراد میں "اتقا" کی صلاحیتیں موجود رہیں، جو قوم متحد اور متفق بنکر رہی، جس نے تفرقے سے اپنے آپ کو بچائے رکھا اور حفظ ماتقدم کے طور پر اپنے آپکو ہمہ وجوہ تیار کیا وغیرہ وغیرہ (دیکھو تحت السّتر صفحہ ۱۷۰) اسپر کسی دشمن کی دست درازی عبث ہے۔ آیت کے آخری حصے سے "توکّل" کے معانی کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ گویا توکل یہ ہے کہ انسان قانونِ خدا پر کماحقہٗ چلکر نتائج کا منتظر رہے، عافیت پسند مسلمانوں نے آج توکل کے معانی ہاتھ پر ہاتھ دھر بیٹھنا سمجھ لئے ہیں:

مَنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝ (۴۷ : ۳۸)، وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲۹ : ۶) ۔ وہ مسلمانوں کے سب اعتقادات اور معاملات اور ہر فعل وعمل کو اُنکی دنیاوی فلاح وبہبود کی خاطر ہی درست کرنا چاہتا تھا، وہ انکو دنیا کی اِس عظیم الشان کشمکش میں غیر اقوام کے بالمقابل قوت اور زور سے رکھنا چاہتا تھا، وہ کائناتِ جہان کی اِس ہولناک اور تابگسل مزاحمت میں مسلمانوں کو سلامتی کے طریقے، حفظ ومن کے دائمی اصول، اور عافیت اور تمکن کے اٹل قواعد بتلانا چاہتا تھا، وہ توحید کے متحد القلوب ماحول اور عبودیت کے سرشار شانہ ولولے میں مسلمانان عالم کو ایک نصب العین پر قائم کرکے اُنکو حقیقت اور حریت کے

---

۵۱ تم لوگ بگوش ہوش سُن رکھو کہ تم وہ قوم ہو کہ آج تمہیں خدا کی راہ میں اپنے قومی فائدے کے لیئے خرچ کرنے کو بلایا جاتا ہے۔ اسپر بھی تم میں ایسے آدمی موجود ہیں جو دینے سے بخل کرتے ہیں۔ اور جو آج بخل کرتا ہے تو حقیقت میں اپنے آپسے بخل کرتا ہے۔ خدا نہ تو غنی اور بے نیاز ہے اور تم ہی اسکے محتاج ہو۔ اور اگر تم نے حکم خدا سے روگردانی کی تو اسی بخل کے باعث ہلاک ہوجاؤ گے اور خدا دوسرے لوگوں کو تمہاری جگہ لا بٹھائیگا اور وہ تم جیسے بد عمل، نفس پسند اور ناکارہ لوگ بھی نہ ہونگے! ۵۲ اور جسنے خدا کی حمایت میں اپنے پر تکلیفیں سہیں اور دشمن سے جہاد کیئے تو وہ اپنے ہی بھلے (یعنی حصول قوت) کیلئے سعی کر رہا ہے ورنہ خدا تو دنیا جہان کے لوگوں سے بے نیاز ہے (۲۹ : ۲-۵ کو مدنظر رکھکر جَاهَدَ کا یہ ترجمہ کیا گیا)

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۸۰) ماسوائی محبت سے خدا کی محبت کو مُبرّا رکھنا 'حبّ' کا جزو لاینفک ہے۔ ایثار مال کا مطمحِ قلب ہونا (جو فی الحقیقت بِرّ کا مقام حاصل کرنیکے مترادف ہے) کلام الٰہی کی اس آیت سے ظاہر ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (۹ : ۱۰۳)

اے پیمبر! ان مشکین اور منافقین عرب سے (اُنکے تذبذب اور نفاق کے قلبی مرض کو دور کرنے کی غرض سے) اُنکے مال میں سے کچھ شئے بطور صدقہ لے لیا کرو (کہ یہ صدقہ باعتبار نظر میں انکی مزعومہ قلبی کیفیت کی تصدیق کرنا ہے) تم یہ طریقہ اختیار کرکے فی الحقیقت اُن کے دلوں کو محبت ماسوا سے پاک کروگے (تُطَهِّرُهُمْ) اور اُنکے نفوس کو آلایش حبِّ زر سے مبرا کردو گے (تُزَكِّيْهِمْ) اور یہی نہیں بلکہ ان کا شکریہ ادا کیا کرو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) انکو دعائے خیر دو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) انکے اس فعل کے عوض میں تحسین وآفرین کہو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) کیونکہ تمہاری شاباش (صَلٰوتَكَ) انکے لیئے موجب تسکین ہوتی ہے اور انکو اور بھی بہتر کام کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور یوں تو خدا ہر شخص کے ظاہر وباطن کو سمجھنے والا اور دل کی کیفیات کو خوب جاننے والا ہے۔

'صَلِّ' اور 'صَلٰوتَ' کے مفہوم کے متعلق تفصیلی بحث صفحہ ۱۳۳ کے تحت المتن میں ہوچکی ہے۔ یہاں پر اس نقطہ نظر کی کامل تصدیق ہوجاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صَلٰوةَ سے مقصود تحسین وآفرین ہی لیکن ضمناً یہاں پر تُزَكِّيْهِمْ کے لفظ سے 'زکوۃ' کی وجہ تسمیہ بھی معلوم ہوگئی کہ زکوۃ فی الحقیقت وہ شئے ہے جس سے تزکیہ نفس ہو یعنی مال کی محبت گھٹے اور خدا کا عشق بڑھے!

✤ آیہ (۴۷ : ۳۸) سے صاف ظاہر ہے کہ انفاق مال فی سبیل اللہ کی صحیح غرض وغایت اُمت کی اجتماعی اور سیاسی بہتری ہی ہے، اور اسمیں بخل کرنا گویا اپنی قومی بہتری میں مخل ہونا ہے۔ اس امر کی تائید کہ يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ سے مراد قوم کی دنیاوی اور اجتماعی بہبودی سے بخل کرنا ہی ہے، (نہ روز قیامت کے بہشت سے بخل کرنا جیسا کہ بعضوں نے زکوۃ کے عملی مدعا کو مسخ کرنے کی غرض سے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے) وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ کے الفاظ سے ہوتی ہے جو معاً بعد میں آئے ہیں گویا ایثار مال نہ کرنے کا نتیجہ ہوگا کہ قوم کی مالی قوت کو نقصان پہنچے گا، پہلی طرح سے غیروں کے بالمقابل اسکی مدافعت نہ ہوسکے گی

"خوشنودیٔ خدا" کی خاطر ایثار مال اور ایتائے زکوٰۃ بھی وہ مصدق ایمان، محرکِ عشق اور مطہر قلب اعمال تھے جن کی تہ میں اسلامی جماعت کی اقتصادی استواری اور مالی استحکام کا عظیم الشان راز مضمر تھا، انہی کے باقاعدہ اجراء و التزام میں **تاسیس بیت المال** کی وہ عظیم المنفعت اور کثیر النفع **حکمت** پنہاں تھی جو سب مہمات امور میں اور خوف و خطر کے موقع پر، اُمت کو مالی مشکلات سے قطعاً بے نیاز کر سکتی تھی۔ بالفرض اُس چارہ فرمائے جہان تک کو جس کی ذات مستجمع الصفات عارضۂ احتیاج سے قطعاً مستبعد ہے، اِس تمام کارفرمائی سے انسانوں کی اپنی ہی بہبودی منظر تھی: هَآ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ

---

* قرآن حکیم نے جابجا قربانیٔ مال کو ایمان کا جزوِ اعظم قرار دیا ہے، بلکہ ایک رو سے **ایمان** کی **تصدیق** کا معیار ہجرت، جہاد فی سبیل اللہ، نصرت و تائید مجاہدین کے ساتھ ساتھ (جن کا ذکر صفحہ ۱۱۴ کی آیہ (۸: ۷۴) میں ہو چکا ہے) اقامت صلوٰۃ اور جہاد بالمال کو بھی تسلیم کیا ہے جیسا کہ سورۂ انفال کی متصلہ ذیل آیت کے الفاظ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا سے ظاہر ہے:

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (۸: ۳-۴)

اور یہ وہ لوگ ہیں جو الصلوٰۃ پر قائم رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دے رکھا ہے اُس میں سے ایک معتد بہ حصہ تقویت جماعت کے لیے صرف کرتے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو فی الحقیقت ایمان والے بھی ہیں۔ پروردگار جل وعلیٰ کے نزدیک ایسے ہی لوگوں کے درجے بلند ہونگے، انکی پیلی ماندگیوں سے اغماض کیا جائے گا (مَغْفِرَةٌ) اور عزت و آبرو کے مقام اُنکے لیے وقف ہونگے۔

الصلوٰۃ کی حقیقت سے یہاں بحث نہیں، مگر المؤمنون حقاً کا استعمال تمام قرآن میں صرف انہی دو موقعوں پر ہوا ہے اور ان سے ایثار مال کا مصدق **ایمان** ہونا ظاہر ہے۔ کلام الٰہی نے صدقہ (یعنی انفاق مال) کی اصطلاح بھی اسی قرینے سے وضع کی ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۱۷) اور اسی شخص کو 'صادق' اور 'مصدق' ٹھیرایا ہے جو اپنے زبانی دعووں کو عملاً یعنی زر خرچ کر کے سچ کر دکھائے۔ سورہ حدید میں ہے:

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ (۵۷: ۱۸)

اِس میں شک نہیں کہ اپنے ایمان کی تصدیق کرنے والے مرد اور تصدیق کرنے والی عورتیں وہی ہیں جنہوں نے خدائے زمین و آسمان کی خاطر اپنے مال کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کر دیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو اُن کے ایثار کا اجر چند در چند کر دیا جائے گا، اور آگے چلکر بھی انکی اِس خدمت کا باعزت بدلہ ملیگا۔

ایثار مال کا **محرکِ عشق** الٰہی ہونا سورۂ آل عمران کی اِس آیت سے ظاہر ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ (۳: ۹۱)

لوگو! خدا کی محبت کے بارے میں تزکیۂ نفس اور اخلاص کے مرتبے (البِرّ) کو تم ہرگز نہ پہونچ سکو گے جبتک کہ اُسکے اعلا میں، اور اُسکے احکام کی تعمیل میں اُن چیزوں میں سے نہ خرچ کرو جنکو تم محبت کرتے ہو (مقابلہ کرو اسکا آیہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (۲: ۱۰۳) سے جو صفحہ ۱۱۵ پر گذر چکی ہے اور جس میں بتلایا ہے کہ خدا کی محبت کے بالمقابل کسی شئے کی محبت ٹھیر نہیں سکتی) اور یاد رکھو کہ جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے خدا اُس سے خوب واقف ہے۔

اِس آیۂ شریفہ میں بالصراحت اِس واقع الامر کا اظہار کیا گیا ہے کہ کسی محبوب کی خاطر کسی عزیز شئے کا ایثار کرنا عاشق کے شعلۂ محبت کو اور بھڑکاتا ہے۔ بالخصوص اُس حالت میں کہ عاشق کو اطلاع ہو کہ محبوب کو اُسکے ایثار کا علم ہے۔ بِرّ کی مکمل تعریف میں ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ یہاں ہم نے ترجمے میں ظاہر کر دیا ہے کہ

خدا وہ پاک ذات ہی جسنے اپنے رسول کو یہ عظیم الشان ہدایت اور سچا دین (راہ عمل) دیکر بھیجا تاکہ اسکے زور اثر سے باقی سب غلط راہ ہائے عمل پر غالب آجائے اگرچہ دشمنوں کو بُرا ہی لگے۔ اے ایمان والو! کیا میں تمہیں کوئی ایسی سوداگری بتلاؤں جو تمکو دنیاوی شکست کے دردناک عذاب سے نجات دے۔ وہ یہ ہی کہ خدا کو فی الحقیقت اپنا حاکم اعلیٰ مانو (تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ)، اور اُسکے رسول کے لائے ہوئے احکام کی تعمیل کرو، اللہ کی حمایت میں اپنی جانیں اور مال لڑا دو۔ تمہاری بہبودی اور غلبۂ اُمت کیلئے یہی بہترین دستور العمل ہی اگر تم اسکو سمجھو۔ ایسا کرتے رہوگے تو خدا تمہاری اگلی تقصیروں پر پردہ پوشی کریگا، تم کو خوشگوار باغوں میں داخل کریگا جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں، آخرت کے دائمی باغوں میں نہایت عمدہ مقام دیگا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہی۔ اور اس انعام کے علاوہ ایک اور نعمت بھی ہی جسکو تم پسند کرتے ہو وہ یہ کہ تم کو اس دنیا میں خدا کیطرف سے مدد ملیگی، فتح تمہارے شامل حال ہوگی، اور اے پیغمبر! یہ بشارت تمکن بھی ایمان والوں کو دے دو۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۸۲) صفحہ ۱۰۴، (۴) اِعْبُدُوْا رَبَّكُمْ اور جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کا مصداق بننا (۲۲: ۷۷-۷۸) صفحہ ۱۰۵، (۵) راہِ خدا میں جہاد اور ہجرت کرنا، مجاہدین کو مدد اور پناہ دینا (۸: ۷۴) صفحہ ۱۱۴، (۶) مشکک فی اللہ نہ ہونا اور جہاد بالمال والانفس کرنا (۴۹: ۱۵) و (۹: ۲۰-۲۲) صفحہ ۱۱۵ و (۹: ۸۸) صفحہ ۱۳۴ و (۹: ۱۱۱) صفحہ ۱۴۰، (۷) ثابت قدم ہوکر لڑنا (۳: ۱۴۰) صفحہ ۱۲۰ و (۳: ۱۶۵) صفحہ ۱۲۴ تحت المتن، (۸) اصْبِرُوْا اور صَابِرُوْا اور رَابِطُوْا کا مصداق بننا (۳: ۱۹۹) صفحہ ۱۴۲، (۹) دنیا کے اندر جم کر رہنا (۱۴: ۲۷) صفحہ ۱۴۳، (۱۰) اعتصام بحبل اللہ کرنا اور فرقہ بند نہ بننا (۳: ۱۰۱-۱۰۳) صفحہ ۱۴۴-۱۴۵، (۱۱) دشمن کے دل میں اپنی قوت کی ہیبت بٹھا دینا (۵۹: ۲) صفحہ ۱۵۵، (۱۲) اتقائے الٰہی کرنا اور سعی و عمل سے قرب خدا کی تلاش کرنا (۵: ۳۵) صفحہ ۱۵۶ و (۵: ۱۱۲) صفحہ ۱۷۹، (۱۳) ماسوا سے نہ ڈرنا (۹: ۱۳) صفحہ ۱۵۷، (۱۴) جہاد کے وقت لنگ عذرات نہ کرنا۔ (۹: ۴۴-۴۵) صفحہ ۱۵۸، (۱۵) اولیائے خدا بننا (۱۰: ۶۲-۶۴) صفحہ ۱۵۸، (۱۶) بادشاہ زمین بننا (۳۹: ۱۰) صفحہ ۱۵۹، (۱۷) حفظ نفس کرنا۔ (۵۹: ۱۸) صفحہ ۱۶۲ و (۵: ۱۱) صفحہ ۱۷۸، (۱۸) قتال بالسیف کی طرف راغب ہونا (۸: ۶۵-۶۶) صفحہ ۱۶۴، (۱۹) آپس میں کامل طور پر متحد ہونا (۸: ۶۳-۶۴) صفحہ ۱۶۷، (۲۰) اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ وغیرہ ہونا (۴۸: ۲۹) صفحہ ۱۶۸، (۲۱) امیر جماعت کا کامل طور پر مطیع ہونا (۲: ۱۴۳) (۸: ۲۰-۲۲)، (۸: ۲۴-۲۵) صفحہ ۱۷۰ و ۱۷۱، (۲۲) امیر جماعت کی مدد کرنا (۷: ۱۵۷) صفحہ ۱۷۲، (۲۳) اطاعت اولوالامر کرنا (۴: ۵۹) صفحہ ۱۷۹ (۲۴) اَلصلوٰۃ پر قائم رہنا اور الزکوٰۃ دینا (۸: ۳-۴) صفحہ ۱۸۰، (۲۵) لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا مصداق بننا (۶: ۹-۱۳) صفحہ ۱۸۲۔ ایمان ہے۔ صحیح بخاری باب الایمان میں ہی کہ ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا "ایمان کی کچھ اوپر ستاسٹھ شاخیں ہیں جن میں ایک شاخ حیا ہے" چنانچہ اسوقت تک پچیس شاخوں کی توضیح اس کتاب میں کردی گئی ہے۔ اسکے بعد اب جہاں جہاں قرآنی آیات میں لفظ ایمان آئیگا وہاں مراد یہی اعمال لینے چاہییں (۵) رسولؐ کے ساتھ "الْهُدٰى" اور "دِيْنِ الْحَقِّ" کے بھیجے جانے کا ذکر ہی۔ "دِيْنِ الْحَقِّ" کے معنی "راہ عمل" میں نے صفحہ ۱۶۱ کے تحت المتن میں ثابت کردیئے ہیں۔ اس پر "دِيْنِ الْحَقِّ" اس دنیا میں قوی بنکر رہنے کیلئے وہ صحیح راہ عمل ہی جو عرب نے رسول خدا کی سیادت میں اختیار کی تھی۔ جبتک مسلمان غالب آتے رہے یہ راہ عمل اندرونے قرآن درست رہی۔ جب اعلون بنکر رہنے کا نصب العین نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تو مسلمانوں کا طرز عمل بھی "دِيْنِ الْحَقِّ" نہیں رہا، اور اسی لئے "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" کا میثاق ایزدی آج پورا نہیں ہوتا۔ اب سوال یہ رہا کہ "الْهُدٰى" کیا شے ہی۔ اسکا علی الحساب اب تو یہی قرآن ہی جو مجسمہ ہدایت ہی مگر صحیح مفہوم وہ تکیف دل اور صحت عمل، وہ صلاحیت اور استعداد کار ہی جو قرون اولیٰ میں رسول خدا کی تعلیم نے پیدا کردی تھی اور جو آج قطعاً مفقود ہی لیکن اسکے حصول ثانی کیلئے صفحہ

اللہ اللہ! کسی زمانے میں دین اسلام کا واضح مطمح نظر تمکن فی الارض اور غلبہ اسقدر تھا کہ آٹھویں صدی ہجری کا مشہور مسافر ابن بطوطہ لکھتا ہی کہ شاہ محمد تغلق کے سکوں پر ایک طرف اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کے الفاظ کندہ تھے۔ ساتھ ہی اُس غلبے کو حاصل کرنیکے لئے اطاعت امیر کا درس اسقدر تازہ تھا کہ دوسری پشت پر من اطاع السلطان فقد اطاع الرحمٰن بے خوف خطر لکھا تھا گویا خدا رسول اور سلطان کی اطاعت اصلاً ایک ہی شے ہی۔ (دیکھو صفحہ ۱۷۱)

علمبردار، اخوت اور مساوات کے مبلغ، عالم آرا عصبیت کے محافظ، اور وراثت زمین کے اہل بنانا چاہتا تھا!

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ
اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ
خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَیُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ
مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (۶۱: ۹-۱۳)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۱) مجاہدین کو ہتیاروں سے لیس کہنا متعذر ہوجائے گا اور بالآخر کوئی دوسری قوم جو اعمال میں اس کم ہمت قوم سے بہتر ہوگی اُن کے ملک پر قبضہ کرے گی اور اس قوم کی سیاسی قوت کو تباہ کردے گی۔

جن خوش اعتقادوں نے 'زکوٰۃ' کو ہیت المال کی حکمت عملی سے الگ سمجھکر کسی بھک منگے کو چار پیسے دینا سمجھ لیا ہے اُنکے لیے یہ آیت ازبس قابل غور ہے لیکن فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کے صحیح معانی اور زکوٰۃ کے متعلق باقی بحث آگے چلکر آئے گی

آیہ (۲۹: ۶) میں بھی 'لِنَفْسِهٖ' کا لفظ ہے، اور ان دونوں آیتوں کے مضامین کی مماثلت سے ظاہر ہے کہ یہاں بھی 'فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ' سے مراد اپنی دنیاوی بہتری کے لیے سعی وعمل کرنا ہے۔ باغ بہشت کا قصہ جو لوگ آسانی سے وضع کر لیتے ہیں اور 'جَاهِدْ' کے لفظ سے مراد تسبیح پھیرنا اور روحانی مجاہدے کرنا لے لیتے ہیں، اُسکی سند قرآن میں موجود نہیں۔ بہشت بھی آخرت میں نہیں ملسکتا ہے جب سب اُمت اُمتیوں کی متفقہ طاقت عمل سے 'اَعْلَوْنَ' بنکر رہے۔ ورنہ نرے روحانی مجاہدے بے معنی ہیں اور اُنکی کچھ اُجرت نہیں۔ لیکن اس بحث کو چھیڑنا یہاں پر پیش از وقت ہے۔

❁ ان آیات جلیلہ میں چند باتیں غور طلب ہیں:-

(۱) اسلام کا اس دنیا میں منتہائے وحید اَعْلَوْنَ اور غالب بنکر رہنا ہے، اور اسی واحد غرض ومطلب کے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے تھے۔ قرآن کے تمام طول وعرض میں رسول کے بھیجنے کی اسکے سوا کوئی اور غرض کہیں نہیں بتلائی گئی۔ یہ اس سوال کا جواب ہے جو ہم نے صفحہ ۱۰۱ پر قائم کیا تھا۔

(۲) جہاد بالسیف اور جہاد بالمال کا نتیجہ قرآن حکیم نے عذاب الیم سے نجات، ذنوب کی مغفرت، جنت میں داخل ہونا اور مساکن طیبہ بتایا ہے۔ اگر یہ سب باتیں روز قیامت سے متعلق کرلیجائیں تو بھی 'اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ' کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اُمت کی دنیاوی اور اجتماعی بہتری بھی خدا کا وعدہ ہے۔ اس نقطۂ نظر سے ایثار مال یعنی زکوٰۃ کی غرض اور بھی عیاں ہوجاتی ہے۔

(۳) 'جنت' کی تشریح کے ضمن میں ہم نے صفحہ ۱۱۲ پر دعوے کیا تھا کہ قرآن حکیم میں یہ لفظ ارضی بادشاہت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے، آخرت کے باغ بہشت کے لیے 'الْجَنَّةُ' کا لفظ مخصوص ہے۔ یہاں پر اس دعوے کی بادی النظر میں تغلیط ہوتی ہے مگر چونکہ ساتھ ہی 'لِیُظْهِرَهٗ' اور 'فَتْحٌ قَرِیْبٌ' کے الفاظ استعمال کرکے سیاسی اور دنیاوی غلبے کو واضح کردیا ہے، 'جنت' کا ذکر عمداً اس انداز سے کیا ہے کہ دنیاوی تغلب اور اُخروی انعام دونوں معنے لیے جاسکیں گویا جس مجاہد بالمال والانفس کو باوجود اُسکے جہاد کے جنات زمین کی بادشاہت نہ مل سکی اسکے لیے اُخروی جنت مخصوص ہے۔ اسطرح کا استثنائی استعمال قرآن میں ایک دو جگہ اور ہوا ہے جو آگے آئینگے مگر یہ مستثنیات ایسی ہیں کہ اُن سے نفس دعوے کی تردید نہیں ہوتی۔

(۴) صفحہ ۸۱ کے تحت المتن میں بشارت رُسل کی نوعیت واضح کی گئی تھی یہاں 'وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ' (۶۱: ۱۳) کے الفاظ سے پھر اس دعوے کی تائید ہوتی کہ بشارت اجتماعی تمکن کی بشارت ہی ہے۔ ایمان کی ماہیت کے بارے میں ابتک جو کچھ قرآن حکیم سے مستنبط ہوا ہے یہ ہے کہ (۱) فطرت کا بغور مشاہدہ کرنا (۶۷: ۱۶) (۶: ۱۰۰) صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳، (۲) لرزش قلب کا موجود ہونا (۸: ۲) صفحہ ۱۰۳، (۳) مخالف متعلقین سے اعلائے اسلام کے لیے قطع تعلق کرنا آیہ (۲۲: ۵۸)

اور لوگو! خدا تو اِس بات کا ارادہ کر رہا ہے کہ اپنے احکام کے قوت افزا اثر سے صداقت کو اِس دنیا کے اندر مستحکم کر دے، اور منکرین کی جڑ بنیاد کاٹ ڈالے، اور یہ اسلیئے کہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھائے اگرچہ اُن مجرموں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے جو اسکے احکام کی تعمیل نہیں کرتے!

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (۱۰: ۸۲)

اور خدا اپنے احکام کی قوّت افزا وساطت سے حق کو اِس دنیا کے اندر مستحکم کر دیتا ہے اگرچہ مجرموں کو جو خدا کی نافرمانی کرتے ہیں بُرا ہی کیوں نہ لگے۔

غلبۂ اسلام و اتّحادِ عالَم†

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (۲: ۱۳۶، ۳: ۸۳)

ہم انبیاء میں سے کسی ایک کے مابین فرق نہیں کرتے (سب کو ایک پیغام کے لانے والا سمجھتے ہیں) اور ہم تو درحقیقت خدا ہی کو حاکم اعلیٰ ماننے والے ہیں

اُس قاضیٔ حاجات تعالیٰ کے پیش نظر دراصل ایک ایسی مقتدر جماعت کی تنظیم و تنسیق تھی جو مال و جان کی مہذب نفس اور مطہر اخلاق قربانیوں سے دنیا کی تمام اُمتوں پر غالب آکر انسان کی **دنیوی** فلاح اور **اجتماعی** نجات کا باعث ہو؛ وہ مسلمانوں کی جماعت کو عبادت خدا کے حوصلہ انگیز عمل، تقویٰ کی وحدت افزا خلش، اور ایمان کے غلبہ اندوز عزم کے ذریعے سے ہر معاند گروہ سے عہدہ برآ کر کے اُسکے عالم آرا **اتّحاد**، اور ناقابل شکست **اخوّت** کی ہیبت دلوں میں بٹھا رہا تھا! وہ جہاد فی سبیل اللہ کو حفظ جماعت اور دفاع نفس کا اسلحہ وحید اور فلاح عاقبت کا قطعی اور فوری وسیلہ قرار دیکر، ہر متنفّس کے دل میں مقابلے کی ناقابل شکست روح، اور فیروزمندی کی شدید تڑپ پیدا کرنا چاہتا تھا! ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (۶۱: ۱۱)۔

وہ اسلام کی عالم آرا صداقت، توحید کی ناقابل انکار حقیقت، اور انسان کے مخلصانہ اعمال کے استیلائے اثر سے پہنائے جہان کے اندر اُسکی ہیئت اجتماعی میں روز افزوں تقدم اور ارتقائی تقویت دیکھنا چاہتا تھا۔

† غلبے کو پیش نظر رکھکر اسلام کا اتحاد عالم کی دعوت دینا (جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا) ظاہر بین نظروں میں دو متضاد باتیں معلوم ہوتی ہیں لیکن ادنیٰ تامل اس نتیجے پر پونہچا دیتا ہی کہ اسلام انسان کی ہیئت اجتماعی میں ایک استعداد عمل (الھدیٰ)، ایک راہ عمل (الدین)، اور ایک صراط مستقیم (دین الحق) پیدا کر کے سب کو مجتمع کرنا چاہتا تھا گویا سب کو فطرت کے اس واحد راہ راست پر عملاً چلانا چاہتا تھا جس کا نتیجہ تمکن فی الارض ہی، یہودیوں اور نصرانیوں کیطرح ایک شرعی فرقہ بنجانا اسکا پیش نہاد قطعاً نہ تھا اگرچہ وہ آج یہی بن چکا ہی! اسی اتحاد اور نسل انسانی کے مجموعی فائدے کو پیش نظر رکھکر اسنے سب انبیاء کو ماننے کا اعلان کیا تاکہ فرقوں کا ذاتی تعصب اس اتحاد میں حائل نہو (دیکھو دیباچہ کتاب صفحہ ۶۲)

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ ✝
هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ (۶۱: ۸-۹)

یہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ اللہ کی مشعل نور کو پھونکیں مار مار کر بجھا دیں اور خدا اس بات پر اڑا ہوا ہی کہ علی الرغم اعدا اپنے نور کو پورا کر کے رہے۔ خدا ہی تو وہ پاک ذات ہی جسنے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو دنیا کے تمام مذاہب پر غالب کر دے، گو مشرکوں کو یہ بات کیسی ہی ناگوار لگے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ ✝ (۴۸: ۲۸)

وہ خدا کی مقتدر ذات ہی تو ہے جسنے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسکو بالآخر دنیا کے تمام طرق عمل پر غالب کر دے، اور درحقیقت اس طرز عمل کو کامیاب کرنے کیلئے خدا نگہبان بس ہی۔

وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝ (۸: ۷-۸)

✝ اس آیہ کریمہ سے جس کے لگ بھگ ایک آیت سورہ صف میں بھی متذکرہ صدر آیات (۶۱: ۹-۱۳) سے عین پہلے آئی ہے، اور بھی ظاہر ہے کہ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ سے مراد اسلام کا اجتماعی اور سیاسی غلبہ ہی ہے اسکے ماسوا حتماً کچھ نہیں؛ کافر عرب اسلام کی دنیاوی طاقت ہی کو مٹانا چاہتے تھے، وہ اپنی گھٹتی ہوئی قوت کے بالمقابل مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے درپے تھے۔ اور اس سیاسی تمکن ہی کو نُورَ اللَّهِ کہا گیا ہے جسکے اتمام کا وعدہ خدائے عزوجل کر رہا تھا۔ کفار کو اسلام کی روحانی طاقت سے کچھ حسد یا تعرض نہ تھا۔ جن نام نہاد مسلمانوں نے آج امت کی زبوں حالی اور شرعی وضع قطع کو مذاہب عالم پر اپنی روحانی فتح سمجھ لیا ہے انکے لیے یہ آیات نہایت سبق آموز ہیں، سورہ صف کی متذکرہ صدر آیت یہ ہی: يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ (۶۱: ۸)۔ اسکا پھر ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

✝ اس آیہ شریفہ سے پیشتر کی آیت ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ (۴۸: ۲۷)

اسمیں شک نہیں کہ خدائے عزوجل نے اپنے بھیجے ہوئے رسول کی وہ رؤیائے قلبی جو اسکو پیہم اضطراب اور شبانہ روز اہتمام کیجا تمہیں عالم خواب میں دکھائی دی تھی بالتحقیق سچ کر دکھایا اور وہ رؤیا یہ تھی کہ اگر خدائے بے نیاز نے ہماری سعی و عمل کو پسند فرما کر مناسب سمجھا (إِنْ شَاءَ اللَّهُ) تو تم لوگ مسجد حرام میں سب دشمنوں سے محفوظ و مامون ہو کر بے خوف خطر داخل ہو گے، اور وہاں جا کر رسم کے مطابق اپنا سر منڈواؤ گے یا بال کٹواؤ گے۔ پھر مسلمانو! فتح مکہ کے اس اہم مرحلے تک پہنچنے کیلئے خدا وہ وسیلہ تاڑ گیا جس کا تمہیں علم نہ تھا (فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا) اور حدیبیہ کا عہدنامہ مکے کے سر ہونے سے پہلے دشمن سے کرا دیا جو فی الحقیقت ایک ضمنی فتح ہے۔

رؤیا کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں اگرچہ ہم نے ترجمے میں رؤیا کے واقع ہونے کی توجیہ، اور مناسب حالات میں صحیح سعی و عمل کے بعد اسکے سچ ہو رہنے کی وجہ بھی اشارۃً بیان کر دی ہے مگر یہ آیت اس امر کا مزید ثبوت ہی کہ زیر بحث آیت یعنی (۴۸: ۲۸) میں لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ سے مراد مسلمانوں کا اجتماعی اور سیاسی غلبہ ہی ہے کیونکہ مسجد حرام میں داخل ہونے اور فتح قریب کا ذکر ہے، روحانی غلبہ، جسکی داستان آجکل کے کم ہمت اور ناکارہ مسلمانوں نے اپنا دل خوش رکھنے کیلئے گھڑ لی ہے حتماً مراد نہیں، اور نہ روحانی غلبہ کوئی ایسی شے ہی جسپر وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (۶۱: ۸-۹) اور وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (۶۱: ۹-۹) اور وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ (۸: ۸) (۱۰: ۸۲) کا اطلاق ہو سکے، اور جس سے کافروں کی جڑ بنیاد کٹ سکے، جیسا کہ آگے چلکر سورہ انفال میں ہے: وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ (۸: ۷)۔

بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (۳: ۶۴)

اے پیغمبر! ان سے کہدو کہ اے اہل کتاب! آؤ ہم سب ایک ایسی حقیقت پر متفق ہوجائیں جسکا ہمارے اور تمہارے درمیان کم از کم زبانی طور پر یکساں اقرار ہے، اور جسپر فی الواقع عمل کرنے میں نہ تمہیں کوئی عذر ہوسکتا ہے نہ ہمیں، اور وہ یہ ہے کہ ہم ماسوا خدا کے کسی غیر کے ملازم نہ بنینگے، اور نہ کسی شئے کو اطاعت گذاری میں اُسکے ہم مرتبت کرینگے، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا آقا نہ سمجھے گا۔ پھر اگر اس سچی اور مطلق العمل بات کے ماننے سے بھی مُنہ موڑلیں تو ان سے کہدو کہ اب گواہی دو کہ ہم ہی حقیقت میں خدا کو خدا مانتے ہیں نہ تم۔ کہ صرف مُنہ سے اقرار کرتے ہو لیکن اسکے احکام پر عمل نہیں کرتے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○ (۲: ۱۳۶ - ۱۳۸)

اے ایمان والو! تم تمام عالم کی اُمتوں سے مصالحانہ طور پر کہدو کہ ہم تو اللہ کو اپنا خدا مان چکے ہیں، اور ہم قرآن کو اُسکا قانون تسلیم کرکے اُسپر عمل کرتے ہیں اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اُترا، اور جو کچھ بھی موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا، اور جو کچھ دنیا کے اور تمام

---

* ان آیات الٰہی میں اتحاد کی طرف ایک اور اہم قدم بڑھایا گیا ہے اور صاف الفاظ میں تمام انبیائے جہان کو بلاتفریق احدے منجانب اللہ تسلیم کرکے متحد العمل ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔ لیکن اس اتحاد کا اساس کار پھر وہی خدا کو حاکم اعلےٰ تسلیم کرنا (وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲: ۱۳۶)) اور اسکی علی عبادت کرنا (وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○ (۲: ۱۳۸)) قرار دیا گیا ہے۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ ایمان فی الحقیقت عمل ہی کا دوسرا نام ہے، زبان سے اسکو کچھ تعلق نہیں، جو شخص کہتا ہے مگر کرتا نہیں وہ از روئے اسلام کچھ نہیں۔ اس امر کی تصدیق میں کہ دعوت عام ہے اور روئے سخن کسی ایک فرقے مثلاً یہود یا نصاریٰ کی طرف ہی نہیں بلکہ تمام عالم کی طرف ہے، قرآن حکیم کی ان آیات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ جن میں بصراحت تمام کہا گیا ہے کہ ہر اُمت بلکہ ہر فرقے میں خدا کا کوئی نہ کوئی رسول ہوگذرا ہے جو لوگوں کو عبادت خدا کی طرف بلایا کرتا تھا۔ سورۂ نحل میں ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ (۱۶: ۳۶)

یعنی ہم ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی رسول اس غرض کے لیئے بھیجتے رہے ہیں کہ لوگوں کو بتلائیں کہ اے لوگو! اس خدائے عزوجل کی ملازمت اختیار کرلو، اور شیطان کی غلامی سے بچتے رہو۔

اس قسم کی اور آیتیں آگے چلکر دوسری مجلد میں آئیں گی (دیباچہ کتاب میں میں نے اسلام کی اس اتحادی دعوت کی حکمت کو دوسرے نقطۂ نظر سے واضح کیا ہے)

(دیکھو صفحہ ۶۲-۶۳)

نہیں وہ سب نسلی اور تمدنی اختلافات، اور سب ملکی اور اعتقادی تفرقات کو خدائے مشترک کی مشترک ملازمت (عبادت)، اور ایک قانون اور ایک حاکم کی عملی اطاعت کے بالمقابل نسیاً منسیاً کرکے، انسان کی مختلف العقائد، متخالف الآرا، اور منتشر الاغراض جماعتوں میں بنی نوع آدم کی **طبعی یکرنگی**، اور کارگاہِ فطرت کی **جنسی یک وضعی** از سرِ نو قائم کرنا چاہتا تھا! وہ الغرض حیات کی اس المناک کشمکش میں خدا پرستاروں کی یک عمل اور باعمل، یک خدا اور باخدا، یک قانون اور تابع قانون جماعت کو حصول قوت کے محکم اصول، حفظ نفس کے لازوال طریقے، اور دنیوی ترقی کے مستحکم ضوابط سکھا دینا چاہتا تھا!

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ

✝ اس آیت میں اہل کتاب یعنی یہود و نصارے کو "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ" کی مشترک اساس پر بلا کر متحد العمل کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ یہود اور نصارے دونوں فرقے کم از کم زبانی طور پر "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ" کے مدعی تھے۔ اسی لیے اس کلمے کو کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ کہا گیا ہے مگر عملاً وہ خدا کے حکموں کی جو توراۃ و انجیل میں مذکور تھے کچھ تعمیل نہ کرتے تھے۔ آجکل کے مسلمانوں کی طرح خدا کو منہ سے خدا کہہ چھوڑنا، یا اس کے نام پر نماز پڑھ لینا انکا رسمی اعتقاد تھا مگر عبادت یعنی ملازمتِ خدا صحیح معنوں میں ہرگز نہ رہی تھی۔ یہودیوں نے احکام خدا کی تعمیل کو خیرباد کہکر، احبار اور رہبان (یعنی اسقفوں اور گوشہ نشینوں) کو اپنا مخدوم بنایا ہوا تھا، وہ ان کے پیچھے لگ کر ایک دوسرے سے الگ اور فرقہ بند بن گئے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس نصرانی بھی خدا کی اطاعت اور ملازمت کو چھوڑ کر اپنے اپنے پادریوں کے صحیح معنوں میں ملازم بنے ہوئے تھے۔ گویا ان کا مرتبہ عملاً خدا کے برابر بلکہ اس سے بہتر بنا رکھا تھا۔ سورۂ توبہ میں اسی عبادتِ ماسوا کی طرف اشارہ کرکے احبار اور رہبان کو "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کہا گیا ہے، "اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ" (۹:۳۱)، یعنی "انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علما اور مشائخ کو اور مسیح ابن مریم اپنے نبی کو خدا بنا کھڑا کیا ہے اور عملاً ان کی ملازمت اور عبادت میں لگے ہیں"۔ اس آیہ شریفہ میں قرون اولیٰ کے کارکن مسلمانوں کی طرف سے یہود و نصارے کو دعوت ہے کہ "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ" کے اصل اصول پر عملاً کاربند ہو جائیں (یہی معنی "تَعَالَوْا اِلٰی" کے ہیں) اور بصراحتِ تمام بتلایا ہے کہ خدا کی عملاً ملازمت کرنا، کسی شئے کو عملاً اور معناً اس کے برابر نہ کرنا، اور خدا کے حکموں کو پس انداز کرکے علما اور مشائخ کے من گھڑت حکموں پر نہ چلنا ہی عین اسلام ہے۔ گویا یہ زبانی اعتقاد کو خیرباد کہکر عمل کی طرف آنا اور خدا کو معناً حاکم اعلیٰ سمجھنا ہی مسلم بننے کے مترادف ہے: (فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ) یہ وہ بیمثال دعوت اتحاد اور وہ وسیع النظر بنائے مصالحت تھی جس پر قرن اول کے مسلمان سب دنیا کو متحد العمل کرنا چاہتے تھے۔ آج جو بُعد المشرقین انکے اور یہود و نصارے کے درمیان واقع ہو چکا ہے، نہیں، بلکہ جو ناقابل گذر خلیج انکے آپس کے فرقوں کے درمیان حائل ہے اور جسکے باعث وہ ایک دوسرے کو کاٹ کھانے میں مصروف ہیں، اسلام کی ماہیت نہ سمجھنے اور منشائے خدا کے مطابق عمل نہ کرنیکی صریح شہادت ہے۔ ماہیتِ اسلام اور اتحادِ عمل کے متعلق یہ اہم بحث تفصیل کیساتھ پھر پانچویں مجلد میں کیجائیگی۔ سردست جو بات غور طلب ہے یہ ہے کہ آج امتِ مرحومہ کا ایک ایک فرد بذات خود "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ" کے برخلاف صحیح معنوں میں عمل کر رہا ہے۔ یہود و نصارے کی طرح اپنے اپنے احبار اور رہبان کے پیچھے لگ کر فرقہ بند بن چکا ہے۔ انکو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ بنا رہا ہے۔ ہر سرگروہ نے اپنا اپنا طریقہ الگ کرکے امت کو صدہا بلکہ ہزارہا فرقوں میں تقسیم کر دیا ہے اور وہ غرض و غایت جو خدا کی مشترک عبودیت اور ایک حاکم اعلیٰ کی اطاعت میں مضمر تھی قطعاً مفقود ہو چکی ہے۔ گویا آج انکے طرزِ عمل کو "دین اسلام" کہنا حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔ ضمناً اس آیہ شریفہ میں "عبادت" کے معانی کی تائید ہو گئی۔ جس پر ایک طول و طویل بحث صفحہ ۱۰ الخ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔

ع چنانچہ اسی آیت میں ان الفاظ کے بعد ہے۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا (۹:۳۱) گویا عبادتِ خدا صحیح معنوں میں نہ ہو رہی تھی بلکہ کئی خدا بنے ہوئے تھے۔ یہاں عبادت کا صحیح مفہوم اسقدر روشن ہو گیا ہے کہ

انسان تو حقیقت میں ایک ہی امت ہیں کیونکہ ایک ہی نوع کی مخلوق ہیں اور اسی وحدت کو ملحوظ
نظر رکھکر خدا نے انکی طرف مشیت الٰہی سے باخبر انسان (نبی) بھیجے جو انہیں اجتماعی بقا کی بشارت دیتے
اور اجتماعی ہلاکت سے متنبہ کرتے رہے، اور خدا نے ان سب کے ساتھ بنی نوع انسان کیلئے (مختلف
زبانوں میں) ایک دستورالعمل بھیجا تھا جو کتاب کی صورت میں تھا اور مبنی برحق تھا تاکہ وہ کتاب ان کے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۸) ہیں: اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۝ (۴: ۱۱)، (۴: ۲۴)، بیشک خدا بڑا صاحب علم و حکمت ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝ (۴: ۱۶)، بیشک خدا بڑا توبہ قبول کرنیوالا اور رحم کرنے والا ہے؛ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۝ (۴: ۱۷)، اور خدا بڑا صاحب علم و حکمت ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا رَّحِیْمًا ۝ (۴: ۲۳)، بیشک خدا بڑا صاحب عفو و درگذر ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا ۝ (۴: ۲۹)، بیشک خدا تم پر بہت مہربان ہے؛ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ۝ (۴: ۳۰)، اور یہ بات کرنا خدا کے لیے بیحد آسان ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝ (۴: ۳۲)، خدا لامحالہ ہر شے سے موبموقف ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدًا ۝ (۴: ۳۳)، بیشک خدا ہر شے پر پوری نگرانی کر رہا ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیْرًا ۝ (۴: ۳۴)، خدا لامحالہ بڑا عظیم و جلیل خدا ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ۝ (۴: ۳۵)، خدا بیشک بڑا صاحب علم و خبر ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝ (۴: ۳۶)، بیشک خدا اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو اترائے اور بڑائی مارتا پھرے؛ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن کَانَ کا یہ استعمال خدائے عزوجل کی صفات کے متعلق مخصوص نہیں بلکہ ہر واقع الامر کے اظہار کے لیے آیا ہے۔ مثلاً سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: وَکَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝ (۱۷: ۱۱)، اور انسان بڑا ہی جلد باز ہے؛ علیٰ ہذا القیاس سورۂ کہف میں ہے: وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ۝ (۱۸: ۵۴)، اور انسان کثر معاملات میں جھگڑالو ہے؛ اسی سورۂ نساء میں آگے چلکر ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ (۴: ۱۰۳)، بیشک نماز وہ حکم الٰہی ہے جو ایمان والوں پر بتقید وقت فرض ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝ (۱۷: ۵۳)، بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے؛ الغرض کہاں تک مثالیں لکھی جائیں تمام کلام مجید اُن سے بھرا پڑا ہے لیکن اُنکے مطالعے سے عیاں ہو جاتا ہے کہ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ۝ (۲: ۲۱۳) میں صرف ایک واقع الامر اور حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، اور وہ حقیقت کبریٰ یہ ہے کہ کُل بنی آدم فی الحقیقت ایک ہی گروہ ہیں، ایک دوسرے کے اعضا ہیں، انکی نوع ایک ہی ہے۔ ایک جیسی شکل و صورت، ایک جیسے اعضا، ایک ہی آباؤ اجداد، بلکہ آفرینش بھی ایک ہی جوہر سے ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ اس وحدت نوع کے ہوتے ہوئے اُن میں بنائے نزاع و اختلاف طبعاً اور فطرتاً ناروا ہے۔ کارگاہ فطرت کے قانون کے مطابق اگر کسی غیر انسانی نوع یا فرد کو وجہ پرخاش ہے تو صرف غیر نوع کے افراد سے۔ ہم جنس سے برسرپیکار اور آمادۂ جدال رہنا مقتضائے طبیعت ہرگز نہیں، اور نہ ادنیٰ مخلوق کی طرز معاشرت اس طریق عمل کی تائید کرتی ہے۔ اس آئین طبیعت کی طرف مجمل اشارات مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۲ میں کیے جا چکے ہیں لیکن تفصیل کے لیے ابھی وقت درکار ہے۔ بہرنوع زیر بحث آیت میں اس گرانقدر حقیقت کو آشکارا کرکے کہا ہے کہ شارع کائنات نے انسان کو ایک ہی اُمت گردانکر انکی طرف مختلف اوقات میں مختلف انبیاؑ کی وساطت سے الکتٰب یعنی اُن کا واحد لائحہ عمل بھیجا جو اگرچہ مختلف زبانوں میں آتا رہا مگر اسکا منشا و اصل ایک تھا (وَاَنْزَلَ مَعَہُمُ الْکِتٰبَ)۔ اس لائحہ عمل کا مقصود بالذات نسل انسانی کو اجتماعی بقا کی بشارت دینا، یا عدم تعمیل کی صورت میں اجتماعی ہلاکت سے ڈرانا ہی تھا (فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ) انبیاؑ کے پیغام کی نوعیت کے متعلق کافی بحث صفحہ ۱۸ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ اور یہاں بھی علیٰ ہذا القیاس اسی اجتماعی بقا کی بشارت مقصود ہے جو قانون خدا کی تعمیل کا طبعی نتیجہ ہے۔ 'الکتٰب' کے صحیح مفہوم کے متعلق زیادہ توضیح کرنے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ آگے چلکر دوسری مجلد میں ہم نے ایک مستقل عنوان اس موضوع کے لیے باندھا ہے، مگر اَنْزَلَ مَعَہُمُ الْکِتٰبَ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ لائحہ عمل جو مختلف انبیاؑ کی وساطت سے آیا فی الاصل سب اقوام عالم کیلئے ایک تھا۔ اور معقول بات بھی در اصل یہی ہے کہ ایک خدا کی طرف سے ایک بنی نوع انسان کی طرف ایک ہی پیغام ہو، خواہ اُسکے پیغامبر کئی مختلف اشخاص ہوں۔ اسی حقیقت کبریٰ کو مدنظر رکھکر قرآن حکیم نے بلا امتیاز سب الہامی

پیغمبروں کو اپنے پروردگار سے ملا، سب اُسی ایک خدا کی طرف سے تھا۔ ہم اُن میں سے کسی ایک میں بھی، اِس معاملے میں کوئی مابہ الامتیاز تسلیم نہیں کرتے۔ اور ہم تو بہرنوع اُسی خدائے واحد کے فرمانبردار ہیں۔ تو اگر اسیطرح جس طرح تم نے اپنے آپ کو اطاعت احکامِ خدا کے لیئے وقف کر دیا ہے یہ بھی اپنے آپ کو سپرد کر دیں تو بس راہ راست پر آگئے اور تمہاری اِنسے کوئی وجہ پرخاش نہیں لیکن اگر یہ روگردانی کریں تو سمجھ لو کہ تمہاری ضد پر ہیں۔ پھر اس حالت میں خدا تم کو اُن کے شر سے اپنے حفظ و امان میں رکھیگا اور وہی حقیقت میں حالات کا بڑا سمجھنے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔ اُن سے کہدو کہ جس مصالحانہ اور اتحادی رنگ میں ہم رنگے ہوئے ہیں یہی اللہ کا رنگ ہے۔ اور اللہ کے رنگ سے بہتر رنگ کس کا ہوگا، اور ہم تو اُسی کی خدمت کرنیوالے ہیں۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (۳ : ۸۴)

اے محمدؐ! اِن یہود و نصارےٰ سے صلح صفائی سے کہدو کہ ہم تو اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور اس کتاب پر جو ہمکو دی گئی، اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور یعقوب پر اُتارا گیا تھا اور جو کچھ بھی موسیٰ اور عیسیٰ اور دنیا کے تمام پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کیطرف سے دیا گیا تھا۔ اُسی خدا کی طرف سے تھا۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی کوئی فرق تسلیم نہیں کرتے۔ اور ہم تو ہمہ تن اُسی خدا کے فرماں بردار غلام ہیں۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۲ : ۲۱۳)

---

† صفحہ ۱۸۷ کی آیۃ (۲ : ۱۳۶) سے اس آیت کی مماثلت عیاں ہے۔ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ کی شرط یہاں بھی التزام کے ساتھ موجود ہے۔ گویا مسلم بننا خدا کی خدائی کو عملاً تسلیم کر لینے کے ہم معنی ہے۔

‡ شارحین قرآن نے اِس آیۂ شریفہ کے مفہوم کو کثر غلط سمجھا ہے اور نہایت لایعنی، بے نتیجہ، اور متناقض ترجمہ کرکے مطالب کو گڈمڈ کر گئے ہیں۔ میں نے متن میں ایک بامعنی اور مدلل ترجمہ کر دیا ہے مگر ایک دو باتیں لائق تشریح ہیں:-

(۱) كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً میں 'كَانَ' کسی گذشتہ واقعہ کو بیان کرنیکے لیئے استعمال نہیں کیا گیا، بلکہ ایک ایسے واقع الامر کے اظہار کیلئے جو بہرحال درست ہے۔ اِس طرح پر 'كَانَ' کا استعمال قرآن میں بیسیوں جگہ ہوا ہے۔ ہم صرف سورۂ نساء کے پہلے چھ رکوعوں سے مثالیں اخذ کرتے

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ (۱۰: ۱۹)

اور انسان تو فی الحقیقت ایک ہی اُمت ہیں لیکن انہوں نے خدا اور کتابِ خدا کے متعلق باہمی ضد اور ہٹ دھرمی سے اختلاف پیدا کر لیا۔ اور اے پیغمبر! اگر تیرے پروردگار نے انکو ایک معین مدت تک دنیا میں رکھنے کی پہلے سے ہی نہ ٹھان لی ہوتی تو جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اب تک کبھی کا انکو صفحۂ ہستی سے معدوم کر کے فیصلہ کر دیا ہوتا۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ (۳: ۱۸-۱۹)

خدا کے نزدیک انسان کا سچا دستورِ عمل یہی اپنے آپ کو خدا کے ہمہ تن مطیع کر دینا ہے۔ اور اہلِ کتاب اگر اسلام کے اس جامع الناس مقصد کو غلط سمجھ کر آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے تو اُس

✤ یہاں بھی وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً سے مقصود ایک واقع الامر کو ظاہر کرنا ہے نہ کسی گذشتہ واقعے کو یاد دلانا۔ اس طرح کا وَمَا كَانَ کا استعمال قرآن میں بعض جگہ ہوا ہے مثلاً سورۂ شوریٰ کے اخیر میں: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا (۴۲: ۵۱)، "اور یہ کسی بشر کی مجال نہیں کہ خدا اُس سے دو بدو ہو کر کلام کرے مگر وحی کے ذریعے سے"۔ علیٰ ہذا القیاس سورۂ نمل میں ہے: مَا كَانَ لَكُمْ أَن تُنبِتُوا شَجَرَهَا (۲۷: ۶۰)، یعنی "تمہاری طاقت نہیں کہ اُن کے درختوں کو اُگا سکو"۔ اور سورۂ قصص میں مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ط ہے۔ یعنی "انکو کچھ اختیار نہیں ہے"۔ بہرنوع یہاں بھی صاف ظاہر ہے کہ منشائے خدا تمام عالم کو متحد کرنا ہے۔ اور یہ کہ انسان اپنی خود رائی کے باعث آپ متفرق ہو گیا ہے نیز یہ باہمی اختلاف اور ایک قوم کا دوسری قوم سے مجادلے اور محاربے کرنا رب زمین و آسمان کی نظروں میں وہ مکروہ اعمال ہیں جن کا فیصلہ وہ کسی نہ کسی دن کرے گا اور زیادتی کرنے والوں کو کما حقہٗ سزا دیگا!

✤ ان آیاتِ جلیلہ میں اسلام کی حقیقت قطعاً عیاں ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام وہ صحیح طرزِ عمل (الدِّین) ہے، وہ سچا انسانی دستورِ العمل (الدِّین)، اور خدا کا وہ طبعی آئین کار (الدِّین) [دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۶۱] ✤ جس کا دوسرا نام ایک حاکمِ اعلیٰ تہ کی ماتحتی میں رہکر اتحاد اور اصلاح بین الناس ہے۔ جو اختلاف پہلے حاملینِ الکتاب، میں قائم ہو گیا تھا وہ لوگوں کا خود پیدا کردہ تھا اور اس کا اصلی باعث انسان کی آئین خدا (العلم) سے بغاوت تھی (بَغْيًا بَيْنَهُمْ)، ورنہ اسلام، اور "اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ" کی صورت میں افتراق قطعاً پیدا ہو نہیں سکتا۔ کیوں کہ ایک آقا کے کئی غلام یا ایک حاکم کے کئی ماتحت ملازم بشرطیکہ وہ اُسکے آقا اور حاکم ہونیکے دل سے مقر ہوں اور اُسکی طاقتِ سزا و جزا سے خوفزدہ ہوں آپس میں پھوٹ پیدا نہیں کر سکتے۔ پس یہی اتحاد، یہی قانونِ خدا کے آگے سر جھکا دینا، یہی خدا کو خدا تسلیم کر لینا اسلام ہے اور یہی سچی ہدایت ہے، (فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا)۔ یہاں پہر اتحاد کو ہدایت کہا ہے۔ پہلے دو موقعے آیۂ (۳: ۱۳۷) صفحہ ۱۸۷ و (۲: ۱۳۸) صفحہ ۱۸۸ میں گذر چکے ہیں۔ افتتاحیہ اور دیباچہ کتاب میں میں نے بعینہٖ یہی اسلام پیش کیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۷، افتتاحیہ و ۶۲ الخ دیباچہ

اعمال کی رہنمائی کرے اور اگر کسی امر میں اُن میں اختلاف پیدا ہو تو اُسکا قطعی فیصلہ کر دیا کرے۔
لیکن جن لوگوں کو کتاب دیگئی تھی وہی لوگ اپنے پاس کھُلے کھُلے اور واضح احکام آئے پیچھے اُس کے
مقاصد میں اُسکے معانی اور مطالب میں بیحد اختلاف محض آپسمیں ضد کے باعث کرنے لگے اور
فرقے بن گئے۔ پھر آخر کار وہ راہ حق جسکے متعلق لوگوں میں اسقدر اختلاف پیدا ہو گیا تھا اللہ نے
اپنے حکم سے ان ایمان والوں کو دکھادی اور اللہ تو اُسی کو راہ راست دکھاتا ہے جسکو مناسب سمجھتا ہے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۹) کتابوں کو "الکتٰب" کے جامع اور مانع لفظ سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا، اور یہی وجہ ہی کہ سب انبیائے جہان کو منجانب اللہ تسلیم کرنا، اور اُن میں کوئی مابہ الامتیاز قائم نہ کرنا عین اسلام ہی۔ آیت زیر بحث میں بتایا ہے کہ "الکتٰب" اِس لیئے بھیجی گئی تھی کہ انسان کی اُمت واحدہ میں اگر کوئی جزوی یا فرعی اختلاف واقع ہو جائے، تو یہ کتاب جلیل اُسکے متعلق اپنا قطعی محاکمہ دے کر اُس اختلاف کو مٹاتی رہے، اور بنی نوع انسان بدستور اُمت واحدہ بنے رہیں جیسے کہ وہ فطرتاً بنائے گئے تھے: لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ، بعد ازآں انسانوں نے آپس میں ضد اور ہٹ دھرمی سے اِن روشن احکام (البیّنٰت) کو توڑ مروڑ کر نئے معانی پیدا کر لیئے اور الگ الگ فرقہ بندیاں کر لیں۔ کتاب خدا کے سب انسانی معاملات میں آخری اور قطعی حکم ہونیکے متعلق کئی آیتیں مقدمے کے اخیر (یعنی صفحہ ۹۶) میں پیش کر دی تھیں، مگر آیت زیر بحث سے عیاں ہے کہ "الکتٰب" کے بھیجنے اور انبیاءؑ کی بعثت کا مقصود بالذات نوع انسانی کو متحد الغرض اور متفق العمل کرنا ہی تھا، متفرق اور فرقہ بند کر کے ایک فریق کو دوسرے کے برخلاف لڑوانا حتماً نہ تھا۔ یہ اتحاد عالم کا برقرار رکھنا ہی اسلام کی تعلیم کا وہ درس اولین ہے جو اُسکے ہر صفحے سے عیاں ہے اور اسی کیلئے حتی الامکان سعی کرنا عین ایمان ہی: (فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا)۔ یہی سچی ہدایت ہی اور قرآن حکیم کی حکیمانہ لغت میں یہی صراط مستقیم کے مفہوم کی اہم شق ہے: (وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ) صراط مستقیم کے مفہوم کی پہلی شق، یعنی علم فطرت کا حاصل ہونا صفحہ ۳۷ کے تحت المتن (آیہ (۲۴: ۴۶)) میں، اور دوسری شق یعنی حفظ نفس صفحہ ۱۷۶ کے تحت المتن (آیہ (۵: ۱۶)) میں بیان ہو چکی ہے۔ دیباچہ کتاب میں جو دعوے میں نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ایک پیغام لانے کی بابت کیئے تھے اُنکی تصدیق یہاں پر بالصراحۃ ہوتی ہے۔

اس آیہ شریفہ کے مطالب میں نسیان مقاصد کے باعث معنوی تحریف اِسقدر واقع ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کے لیئے متذکرہ صدر مفہوم کا معترف بن جانا آج نہایت غیر مانوس معلوم ہوتا ہے۔ فرقہ بندی اور مذہبی تعصب انسان کے ہر رگ و پے میں اس شدت سے سرایت کر چکے ہیں کہ اسلام کو جامع ملل مذہب یقین کر لینا آج مسلمانیت کے منافی اکثر ہو چکا ہے۔ تاہم اگر غائر نظر سے حقیقت کی طرف دیکھا جائے تو ماننا پڑتا ہی کہ رب العالمین اور رازق گبر و برہمن خدا جسکے نزدیک سب انسان یکساں ہیں، جو سب کو کمال محبت سے پال رہا ہی۔ جسکے خزانۂ غیب سے سب یکساں انعام پا رہے ہیں، ایسا حکم دینا کیونکر گوارا ہو سکتا ہے جس سے انسان ایک دوسرے کو کاٹ کاٹ کر کھائیں، اُس روحانی باپ کی طرف سے اگر کوئی پیغام ہو سکتا ہی تو یہی کہ سب انسان مل جلکر رہیں۔ اتحاد اور اتفاق سے رہیں، ایک حاکم اعلےٰ کے حکموں پر چلیں، شیطان کی ملازمت کم کریں، آپسمیں بھائی بھائی بنیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہی عین اسلام ہی، اور یہی اسلاف صالحین کے اس قول کا صحیح مفہوم ہے کہ اسلام کے اندر کوئی فرقہ نہیں۔ قرآن حکیم کے بلیغ فی المطالب اور عمیق فی البیان ہونے کی یہ آیت ایک روشن شہادت ہی۔

قرآن کی عبارت کے متعلق ترتیل کے نشانات اور رموز اوقاف اہل عرب نے نزول وحی کے بہت دیر بعد غالباً حجاج بن یوسف والی عراق کے ایما سے امیر عبدالملک (المتوفی ۸۶ھ ۷۰۵ء) کے عہد خلافت میں لگائے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قرآن کا صحیح علم سینوں کے اندر تازہ بتازہ تھا۔ اسیوجہ سے رکوعوں کے نشان اور اوقاف کی علامتیں اکثر اوقات قرآن کے ربط کو معلوم کرنے اور صحیح مطالب کے حل کرنے میں بہت کچھ مدد دیتی ہیں آیت زیر بحث میں كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً کے بعد علامت قف ہی جس سے مراد یہ ہی کہ مطالب کی تہ تک پہونچنے کیلئے کافی دیر تک ٹھیرنا ضروری ہی۔ اگرچہ پڑھنے والے کو یہاں پر مسلسل عبارت کا گمان ہوتا ہی۔ یہ دلیل بجائے خود اس امر کی شہادت ہی کہ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً کے وہ معنی نہیں جو اخلاف شارحین کے کیئے ہیں۔ انبیائے کرام ہرگز اس مطلب کے لیئے نہیں آئے تھے کہ فرقہ بند بنکر لوگوں کو آپس میں لڑائیں۔

اگر اللہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا تو تم کو ایک اُمت بنا کر رکھتا اور تم میں کبھی کسی اہم امر کے متعلق اختلاف نہ پیدا ہوتا۔ لیکن جسکو گمراہی کا اہل سمجھتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسکو درخورِ ہدایت دیکھتا ہے ہدایت دیدیتا ہے لیکن لوگو! یاد رکھو کہ یہ سب تفرقہ جو تم بذاتِ خود آپس میں پیدا کر رہے ہو اُسکی بازپرس تم سے ضرور ہونی ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ (۵ : ۴۸)

اور اے ساکنانِ زمین! اگر خدا اپنی مرضی کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ)، اگر وہ اپنے حسب پسند کام کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ) تو ضرور تم انسانوں کو ایک ہی اُمت بنا دیتا (تم سب کے سب متحد الخیال اور متفق الاعمال ہو جاتے اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۲) اور واحد الاصل ہو (یہاں اللہ کے لفظ پر زور ہے) لیکن چونکہ اُسنے تم اشرف الخلق اور ذی شعور انسانوں کو اپنے اعمال پر ایک بہت بڑی حد تک قدرت دے رکھی ہے اسلیے یہ اختلاف جو پیدا ہو رہا ہے تمہارے اپنے کرتوت سے ہے۔ اس صورت حال میں وہ خدائے عظیم بھی تمہارے اعمال کو دیکھکر جس قوم کو نااہل قرار دیتا ہے، اپنی مشیت[1] (یعنی قانون اور سنت اللہ) کے رو سے تفریق و شکست کی راہ ضلال دکھاتا ہے: (وَلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ)، اور جسکو بہمہ وجوہ اہل سمجھتا ہے اپنی مشیت کے اٹل زور سے اتحاد عمل کا راہ راست دکھاتا ہے، (وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ)، لیکن لوگو! یاد رکھو کہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اُسکی پرسش ضرور ہوگی۔ (وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ)"

آگے چلکر ہم دوسری مجلد میں عیاں کر دینگے کہ خدائے خیر آفریں نے اپنی سب ادنیٰ حیوانی مخلوق کی ہر نوع کو جو انسان کی غیر مانند اپنے میں کچھ اختیار و ارادہ نہیں رکھتی، اور جسکا ذاتی اقتدار منشائے خدا میں کچھ دخیل نہیں ہوتا، امت واحدہ ہی بنایا ہے اُن کے افراد کے مابین حتماً کوئی اختلاف رونما نہیں ہوتا۔ وہ سب کے سب مختلف جماعتوں میں منقسم ہیں۔ لیکن آپس میں متحد اور متفق ہیں پس یہ انسان کا اپنی نوع کے ساتھ تخالف و تباین فی الحقیقت اسکی خود رائی اور صاحب اختیار و ارادہ ہونیکے باعث ہے ورنہ فطرت کا منشائے وحید کم از کم ایک نوع کے افراد میں اتحاد ہی اتحاد ہے۔

✤ اس آیہ کریمہ سے اور بھی واضح طور پر عیاں ہو جاتا ہے کہ اختلاف کا اصلی باعث خود انسان ہی ہے: (بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ) اور خدا کی عین مرضی یہ ہے کہ بنی نوع انسان متحد ہو کر رہے۔ (الْخَيْرٰتِ) کے صحیح مفہوم کی تشریح صفحہ ۱۳۵ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے اور ظاہر ہے کہ خدا کا کسی اُمت کو اجتماعی انعاموں سے مشرف کرنا، اس بات کی علامت ہے کہ وہ اُمت مشیت ایزدی کے مطابق چل رہی ہے۔ (مثال کے طور پر اگر وہ اُمت اُمَّةً وَّاحِدَةً بنکر رہتی ہے اور فرقہ بند نہیں بنتی تو لامحالہ خزانۂ خدا سے بادشاہت یا آزادی وغیرہ کا انعام پاتی ہے) ابتلائے اقوام کے بارے میں ایک آیت مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۳ میں آچکی ہے۔ اور یہاں بھی ظاہر ہے کہ اقوام عالم کے متعلق منشائے ایزدی انکا سعی و عمل اور ایک دوسرے پر مسابقت ہی ہے۔ مسئلہ ارتقا کو پیش نظر رکھکر اس آیت کا مفہوم اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

[1] آگے چلکر فلسفۂ عمل میں ہم ثابت کر دینگے کہ مشیت خدا فی الحقیقت اس کا قانون ہی ہے۔ جو قانون خدائے عزوجل نے روز اول سے بنا دیا ہے، اُسی کے مطابق عمل درآمد ہو رہا ہے، اُسیکے رو سے جزا و سزا مل رہی ہے اور وہی اُسکی مشیت ہے۔ ہر معقول حاکم کے شایان شان یہی ہے کہ ایک دفعہ سوچ سمجھکر قانون نافذ کر دے اور پھر اسکے مطابق عمل کرنا اپنا فرض گردانے، حتی الامکان اُسپر قائم رہے، بلکہ اُسکو ہر خارجی آسیب سے بچائے رکھے۔ خدا کی مشیت العیاذ باللہ کوئی استبدادی مشیت نہیں کہ گھڑی میں ماشہ اور گھڑی میں تولہ بن دکھائے بلکہ وہ روز آفرینش سے اٹل ہے، ناقابل رد و بدل اور نالائق ترمیم ہے، فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ (۳۵ : ۴۳)، یعنی "اے مخاطب! تو قانون خدا میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا اور ہرگز کوئی تحول نہیں دیکھیگا"

علم کے آئے پیچھے جو انکو نبیوں کی وساطت سے منشائے خدا کے متعلق ملا تھا۔ اور زیادہ تر اس اختلاف کی وجہ آپس میں ضد ہی تھی لیکن جو شخص خدا کے صحیح احکام کو پس پشت ڈالتے ہیں اُن سے بہت جلد حساب لے لیتا ہے۔ پس اے پیغمبر! اگر مشیت خدا کی اس کامل تشریح کے بعد بھی یہ لوگ تم سے کٹ حجتی کریں (اور اپنی بزدلی، کم ہمتی، اور ہٹ کے باعث اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنے سے گریز کریں) تو اُن سے کہدو کہ میں تو خدا کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر چکا اور جو لوگ میرے پیرو ہیں وہ بھی اپنے آپ کو اللہ کے غلام بنا چکے۔ پھر ان اہل کتاب اور عرب جاہلوں کو کہو کہ کیا تم اس بات کے لیئے تیار ہو پھر اگر ہاں کریں تو بیشک راہ راست پر آگئے اور اگر مُنہ موڑیں تو اے پیغمبر! تم پر حکم خدا کا پونہچا دینا فرض ہے اور بس۔ اور اللہ بندوں کے اعمال کو بغور تمام دیکھ رہا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (۱۶ : ۹۳)

† اس آیہ شریفہ میں اُمت واحد بن کر رہنے کو بصراحت تمام ضلال کہا گیا ہے (يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ)، اور متفق و متحد بننے کو پھر چوتھی بار ہدایت سے تعبیر کیا ہے (وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ)، اور غیر مشکوک الفاظ میں دھمکی دی ہے کہ تفریق و انتشار کی پرسش خدا کی جناب سے ضرور بالضرور ہوگی جیسا کہ آج مسلمانانِ عالم کو ہو رہی ہے، مگر وہ نہیں سمجھتے۔ یہاں پھر اجتماعی موصل ہی اور تمام قوم کیلئے آیا ہے۔ پہلی مثالیں صفحہ ۴۳، ۷۷ پر گذر چکی ہیں۔ اتحاد کو بالالتزام (۲ : ۱۳۷)، (۲ : ۲۱۳)، (۳ : ۱۹)، اور (۱۶ : ۹۳) میں ہدایت کے لفظ سے تعبیر کرنا قرآن حکیم کے حیرت انگیز استقلالِ مطالب اور بے مثال تطابق کا وہ بدیہی ثبوت ہے جو ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔

شَآءَ کا استعمال اس آیت میں تین بار ہوا ہے اور اس دقیق المطلب اصطلاح کے متعارف مفہوم کو پیش نظر رکھکر بادی النظر میں اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب خدائے عزوجل نے انسان کو ایک اُمت بنانا نہیں چاہا، تو اس بیچارے کا اسمیں کیا قصور ہے، اور جب خدا اپنے حسب مرضی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور علی الحساب ہدایت دیتا ہے تو پھر ہم سے پرسش کیوں کرے گا اور اس فعل کو كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ سے تعبیر کرنا نارواہے یہ اعتراض بجائے خود اس امر کی روشن دلیل ہے کہ شَآءَ کے وہ معنی قطعاً نہیں ہیں جو عوام نے لے لیئے ہیں مشیت خدا کے متعلق مکمل بحث فلسفۂ عمل کے عنوان (غالباً تیسری جلد) میں آئے گی مگر متذکرۂ صدر آیات کو پیش نظر رکھکر جو اختلاف پسندیٔ انسان کے متعلق پیش ہوئی ہیں ظاہر ہے کہ انسان کے اعمال ہی اختلاف کا باعث ہوتے رہے ہیں، خدا کا منشا ہرگز نہ تھا کہ انسان مختلف الغرض اور منتشر العمل ہو کر رہے لیکن خدائے عزوجل چونکہ قَادِرٌ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ ہے، اور اسکے بالمقابل انسان کا جزوی اختیار محض ہیچ ہے، اسلیئے بلند مقام نظر سے یہ باہمی اختلاف بھی جو انسان نے اپنے اعمال کے باعث پیدا کیا ہے لامحالہ اسکی مشیت کے مطابق ہو رہا ہے۔ اسکے دائرہ قانون و اقتدار سے باہر نہیں ہوتا۔ منشائے الٰہی اور مشیت ایزدی کے درمیان یہ باریک فرق بعد میں اور بھی عیاں کر دیا جائے گا لیکن قرآن حکیم میں خدائے عزوجل کے متعلق شَآءَ کا استعمال جہاں کہیں ہوا ہے اسی اصول کو پیش نظر بیشتر ہوا ہے اور اس آیہ کریمہ میں تو عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کہہ کر انسانی ذمہ داری کو قطعاً صاف کر دیا ہے۔ پس جب انسان ہی تمام اختلاف کا بانی ہے تو زیر بحث آیت کا ایک ہی مفہوم ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر خدا اپنا منشا کرتا (وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ)، اگر وہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا اور تمہاری مرضی کو اپنے منشا میں دخیل نہ ہونے دیتا (وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ) تو تم کو اُمت واحدہ بناتا اور روز قیامت تک یوں ہی بنائے رکھتا (لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً)، کیونکہ تم سب ایک ہی نوع کی مخلوق ہو

تو وہی رہتے ہیں جن پر تمہارا پروردگار رحم کرے۔ فی الحقیقت خدا نے انسانوں کو پیدا بھی اسی لئے کیا تھا کہ ایک اُمت بن کر رہیں، لیکن اگر یہ اختلاف نہ مٹا تو فرمودۂ خدا پورا ہو کر رہیگا کہ ہم کیا جن اور کیا انسان سب سے دوزخ کو ضرور بھر دینگے، اور نافرمانی احکام کا انتقام لیکر رہیں گے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۴) دور جا پڑے ہیں۔ لیکن اتحاد کا اسلامی تعلیم کا جزو اعظم ہونا چونکہ مسلمانوں کی موجودہ فرقہ بندیوں کا شدت سے مانع ہے اور آگے چلکر ایسی اُمت کے کل جن وانس کو جہنم میں بھر دینے کی دھمکی بھی دی گئی ہے اس لیے امت حاضرہ پر جسکے لیئے امت کے ناخداؤں کے زعم میں جہنم کی آگ مدت سے حرام ہو چکی ہے) اسکا اطلاق حتماً نہیں ہو سکتا! اس خوش اعتقادی کا نتیجہ بعض اوقات یہانتک ظاہر ہوا ہے کہ لوگوں نے لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ، تک ایک مضمون سمجھا ہے اور لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ کو نیا مضمون فرض کرکے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر گئے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض حلقوں میں جہنم والے آخری جملے کو پہلے مضمون کے ساتھ ملا کر پڑھنا ناروا سمجھا گیا ہے۔ اور دلیل یہ دی گئی ہے کہ جب اختلاف پیدا کرنے سے مشیت ایزدی کی تکمیل ہو رہی ہے اور یہی انسانی فطرت بھی ہے تو پھر اس میں انسان کا کوئی قصور نہیں، اور جہنم کی سزا بھی اس قصور کے متعلق نہیں۔

اصل کتاب میں ان آیات کے صحیح مطالب واضح کر دیے گئے ہیں اور ہر صاحب نظر بطور خود سمجھ سکتا ہے کہ قرآن حکیم کس استقلال اور التزام سے جا بجا اتحاد بنی نوع انسان کا حامی اور وحدت امت کا مؤید ہے اور تناقض اور اختلاف کے انسانی عیب سے کسقدر منزہ ہے لیکن آیۂ (۱۱: ۱۱۹) کے آخری جملے کے متعلق تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ کے معانی کی ضروری توضیح باقی ہے جو یہاں پر لکھدی جاتی ہے۔

سورۂ اعراف میں شیطان کے انسانی اغوا کے متعلق یہ معنی خیز مکالمہ درج ہے۔ جس پر آج ہر جگہ حرف بحرف عمل ہوتا ہوا ہر صاحب نظر کو نظر آ رہا ہے:

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَدْحُورًا ۖ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (۷: ۱۶-۱۸)

پھر شیطان رب زمین وآسمان کی جناب میں یوں گستاخی سے بولا کہ اے مالک کون ومکاں! جس طرح تو نے مجھے ناحق ناروا انسان کے مطیع ہو کر نہ رہنے اور اسکے آگے سجدہ نہ کرنیکے جرم میں جنت کے آرام دہ سبزہ زاروں سے نکالا ہے تو میں بھی بنی نوع انسان کی تاک میں تیرے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر بیٹھا رہونگا، پھر انکو اس صراط مستقیم سے بہکانے کی غرض سے طرح طرح کے لباس پہنکر اور قسما قسم کے مکر و فریب کے جتنے اوڑھ کر کبھی آگے سے آؤنگا اور پیچھے سے جا ملونگا کبھی داہنی طرف سے آملونگا کبھی بائیں طرف سے آسلام کرونگا، اور جس طرح بن پڑے گا سادہ لوح انسان کو بہکا کر رہونگا، اور اگر میرا تیر نشانے پر بیٹھ گیا تو انسانوں میں کسی کو تو اپنا قدردان اور مطیع نہ پائیگا۔ شیطان کی اس انتہائی گستاخی پر خدائے عزوجل تمتما اٹھا اور فرمایا کہ باغ بہشت سے یکدم نکل باہر ہو، اور سدا کے لیئے ملعون اور مردود بنا رہو۔ لیکن بنی نوع انسان میں سے جس جس نے تیری پیروی کی ہوگی تو یہ میرا حتمی وعدہ ہے کہ میں بھی تم سے اور اُن سب سے جہنم کو لبالب بھر دوں گا۔

شیطان کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں، اور نہ اسپر کہ یہ مکالمہ کیونکر ہوا اور کہاں پر ہوا لیکن ان آیات کے آخری جملے سے ظاہر ہے کہ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ، والی آیت یعنی (۱۱: ۱۱۹) میں اسی قول کی طرف اشارہ ہے صفحہ ۱۸۸ کے تحت المتن میں آیت (۲: ۲۱۳) کی تشریح کے ضمن میں ہم ابھی ابھی بتا آئے ہیں کہ اتحاد امت ہی صراط مستقیم کی ایک اہم شق ہے۔ پس شیطان کا صراط مستقیم سے ورغلانا انسانوں کے درمیان نفاق پیدا کرنا ہی ہے۔ اور اسی اختلاف کی سزا میں شیطان اور انسان دونوں کو جہنم میں بھر دینے کی دھمکی دی گئی ہے اور صاف فرمایا ہے کہ جو قوم اس طرح پر شیطان کی متابعت کرے گی اُسپر یہ قول پورا ہو کر رہے گا۔ بعینہٖ اسی طرح کا مکالمہ سورۂ ص میں ہے:- (باقی)

تم میں کسی امر کے متعلق کوئی کشمکش پیدا ہی نہ ہوتی) لیکن یہ صورت اختلاف جواب تمہاری اپنی خودرائی، خدا سے برگشتگی، اور ضلال کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اسلیئے ہی کہ وہ خدائے عالمیان تم سب مختلف شدہ اُمتوں کا امتحان اُن اہلیتوں کے بارے میں لے جو اُسنے تم کو دی ہیں (لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰىكُمْ)، تو اے انسانی اُمتو! تم بھی اس آزمایش میں پورے اُترنے، اور اس کشاکش عظیم میں فتح پانے کیلئے خداوند عالم کے بہترین اجتماعی انعاموں کی طرف مسابقت کرو (فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ)، جانے رہو کہ تم سب نے خدا کی طرف لوٹنا، اور اُسکے حضور میں اپنے سعی و عمل کی جوابدہی کرنی ہے، پھر اُسدن وہ انسانوں کا خالق خدا تم کو اُس حقیقت حال سے آگاہ کردیگا جسکے بارے میں تم آپس میں اختلاف پیدا کرتے تھے!

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ † (۱۱: ۱۱۸-۱۱۹)

اور اے پیغمبر! اگر تیرا پروردگار اپنے منشا کے مطابق کرتا تو تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا۔ لیکن یہ لوگوں کی شقاوت ہی کہ وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف قائم کرتے رہتے ہیں۔ اور متحد اور متفق العمل ہوکر

† جو حیرت انگیز اور موت افزا معنوی تحریف کچھ مدت سے ان دو آیات جلیلہ کے مطالب میں بعض ناعاقبت اندیش مسلمانوں نے عمداً اور شرارتاً پیدا کرلی ہے، جس دیدہ دلیری اور ابلیسی مکر و ریا سے وہ ان آیات الٰہی کو سند گردانکر اپنی موجودہ فرقہ بند اور شکست انگیز حالت کو "جبلت انسانی" بلکہ "مشیت ایزدی" پر محمول کرکے موت کی نیندیں لے رہے ہیں اور چار دانگ عالم سے ایک آواز اس تشریح کے برخلاف اُٹھتی دکھائی نہیں دیتی، اس سے آج عالم اسلام کے فقدان فہم و فکر کا خوب پتہ چلتا ہے اور یہ امر متحقق ہوجاتا ہے کہ جب کسی اُمت کی اجتماعی موت قریب ہوتی ہے تو سمع و بصر اور قلب سلیم اُسکے افراد سے خود بخود رخصت ہوجاتے ہیں، اور اِذَا جَآءَ الْحِيْنُ لَمْ يَبْقَ اُذُنٌ وَّلَا عَيْنٌ کا سماں ہر طرف عملاً بندھ جاتا ہے۔ آج مسلمانوں نے "وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ" کا یہ مطلب سمجھ لیا ہے کہ انسان فطرتاً اور خلقاً اختلاف پیدا کرنے پر مجبول و مجبور ہے، اور وَلَوْ شَآءَ کا محاکمہ اسکی تائید میں ہے! اور اسی لیئے مسلمانوں کی موجودہ حالت طبعاً اور حکماً لاعلاج ہی، بلکہ اختلاف پیدا کرنا اور امت کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے شکست و ریخت کے جہنم کی طرف گھسیٹنا ہی "رحمت" الٰہی کی علامت اور مشیت خدا کی تکمیل ہے! اس شرارت انگیز تعلیم کی تلقین آج ہر وظیفہ خور مُلّا اپنے ماتم افزا حجرے میں بیٹھکر کبر و تمکنت سے کر رہا ہے اور اپنے زعم میں رب زمین و آسمان کی ایک اہم ہدایت کی تبلیغ کر رہا ہے۔ اور یہ سب نشر و تبلیغ صرف و نحو کے اُن خدا فرستادہ قاعدوں کے تتبع میں ہو رہی ہے۔ جن کے پیغمبر قطرب اور کسائی وغیرہم تھے، اور جنہوں نے اپنی متنبیت کے زعم میں کبھی کہہ دیا ہوگا کہ ذٰلِكَ اکثر اشارۂ قریب کے لیئے آتا ہے، اور اشارۂ بعید کے لیئے ذَاكَ کا لفظ وقف ہی۔ اس فرمان واجب الاذعان کے رُو سے ذٰلِكَ کا مشار الیہ مُخْتَلِفِيْنَ ہی ہوسکتا ہے، "اُمَّةً وَّاحِدَةً" نہیں ہوسکتا۔ اور اسی لیئے رب زمین و آسمان اُن کے زعم میں اختلاف کا یکسر حامی ہے! یہ سب طرز استدلال ظاہر ہے کہ نہایت لغو اور شرمناک ہی۔ اور کسی ذہن سلیم کے لیئے قابل التفات نہیں۔ یہاں پر اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ کے الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اختلاف پیدا نہ کرنا اور امت واحدہ بنے رہنا رحمت خدا کی نشانی ہے، اور "لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ" کا اشارہ قریبہ اسی رحمت مستمرہ کی طرف ہی، "وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ" کے الفاظ کی طرف نہیں جو نسبتاً

ائتلاف کی طرف یہ وہ آخری بازگشت تھی جسکا اولین پیش نہاد ساکنانِ عالم کو پابندِ خدا، اور بریدۂ ماسوا کرکے ایک کردینا تھا! دین اسلام کی صلائے عام (۳: ۹۳)، (۳: ۸۳)، (۲: ۱۳۶)[۵۱] انسان کی اعتقادی اور نسلی، ملکی اور تمدنی تفریق و تخریب کے برخلاف وہ عربدہ جو صدا، اور آمادۂ پیکار آواز تھی جس سے عہدہ برآ ہونے کی شرط وحید **توحید** کا عملی اقرار، اور بندگی خدا کا عملی اعتراف تھا: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝[۵۱] (۳: ۸۴)، فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝[۵۲] (۴۰: ۱۴)؛ بین الملی مصالحت اور جنسی اتحاد عمل کی یہی وہ طبعی اور قابل تسلیم بنا، اور یہی وہ مشترک اساس تھی جس پر خلقِ خدا کے اجماع و ائتلاف کا امکان ہوسکتا تھا؛ اِس **اللہ احد** کی عملی اور نتیجہ خیز للکار میں ہی وہ آسمان شگاف

---

[۵۱] اور جو شخص اس عملی اسلام کے سوا کسی اور مذہب عمل کی تلاش میں ہوگا، اُسکا وہ مسلک ہرگز قابل قبول نہیں ہوگا، اور بالآخر وہ زیاں کاروں میں سے ہوگا

[۵۲] تو اے ایمان والو! اپنی تمام ارادتمندی اور عقیدت کو اُسی خدا کے لیے مخصوص کرکے اُس کو پکارا کرو، اگرچہ منکرین خدا کو بُرا ہی کیوں نہ لگے۔

✤ یہ آیہ شہیرہ قرآن حکیم میں صفحہ ۱۸۸ کے متن کی آیہ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (۳: ۸۳) کے عین بعد واقع ہوئی ہے دونوں آیتوں کو ملاکر پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ الاسلام، درحقیقت انبیاے جہان کو صرف ایک پیغام (الکتب) کا حامل سمجھنے، اُن میں سے کسی ایک کو دوسرے سے الگ مذہب کا موجد نہ یقین کرنے، بنی نوع انسان کو مشترک اساس عمل پر لانے اور خدا کو فعل و عمل میں حاکم اعلیٰ تسلیم کرکے اسکے قانون پر عمل کرنے کا نام ہے۔ یہی وہ راہ عمل (دین) تھی جسکے سوا کوئی اور طرز عمل اختیار کرنا خدا کی نظروں میں پسندیدہ نہ تھا: (فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ) گویا تفرقہ ایجاد بننا، عمل میں اتحاد انسانی کو پیش نظر نہ رکھنا، اور اپنے سعی و عمل کا مطمح نظر اصلاح بین الناس نہ سمجھنا وہ شیوۂ کار ہے جسکا نتیجہ بہت بُرا ہے، جس کا انجام شکست و ریخت ہے۔ (وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ)، جس میں بالآخر نامرادی ہی نامرادی ہے یہ دونوں آیتیں اسلام کو مجسمۂ اتحاد ثابت کرنے میں بے مثل ہیں مگر آج لوگوں نے آیۂ وَمَنْ يَّبْتَغِ الخ کا مطلب یہ سمجھ لیا ہے کہ جب تک کوئی قشقہ نما برہمن اپنی چٹیا کاٹ کر اور زنار توڑ کر کسی امام مسجد کے ہاتھ پر اُس کے کہنے کے مطابق کلمۂ شہادت نہ پڑھ لیگا، اور بعد ازاں ٹخنوں تک کے پائینچے والے پاجامے اور شرعی جبہ و دستار کو تادم موت اپنا اسلامی شعار نہ بنالے گا تب تک اِس بے چارے کو قیامت کے دن گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ گویا آخرت کو سدھارنے کے لیے اس ہیئت کذائی میں ہونا لازمی ہے۔ اور رب زمین و آسمان اسی طرح کی قطع کی ہوئی قمیص و ازار کو پسند فرماتا ہے۔ کسی دوسرے خیاط کے ہاں کا بنا ہوا کپڑا اُسکو پسند نہیں۔ آہ! قرآن حکیم کے الفاظ اُسیطرح باقی ہیں صرف روح نکل چکی ہے۔ اور نکلکر کسی حقیقت شناس اور دقیقہ رس قوم کے جسم کی مکیں بن رہی ہے! مگر جس قوم میں حلول کر گئی ہے۔ اُس کی رگ رگ میں بس کر انمیں حیات کا عالم انگیز خون دوڑا رہی ہے مسلمان لاکھ بار اپنے اس شرعی اور موت انگیز اسلام کو اسلام سمجھتے رہیں لیکن اسلام وہیں ہے جہاں اُس خدائے بے نیاز اور حاکم عادل کیطرف سے **قبولیت** کی سند مل رہی ہے، جہاں طاقت اور حکومت، عزو شرف کا دریا اُمڈ رہا ہے، جہاں سلطنتیں لونڈیاں بنی ہوئی ہیں، جہاں بادشاہت زمین کی عروس جلوہ گر ہے۔ جہاں دولت، وقار، رعب اور حکم کی دیویاں ہاتھ باندھے کھڑی ہیں نہ اُسجگہ جہاں سب طرف عجز و مسکنت ہے، خوف و بیچارگی ہے، مانگے ہوئے ٹکڑوں پر گذارہ، اور جوئیں جزو بدن ہو رہی ہیں!

[۵۱] دیکھو صفحہ ۱۸۷ و ۱۸۸۔

تمدن اسلام و نقش توحید

كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ (۴: ۱۳۵)

(اے وجود کی گواہی دیتے ہوئے اعتدال پر قائم رہو)

آہ! یہ وہ ماحیٔ اختلاف، متحد الاعمال، اور جامع الناس اسلام تھا جس کا آماجگاہ سعی روئے زمین پر ایک اُمت کا قیام تھا۔ فطرت کی اساسی وحدت اور اتحاد، اور اولاد آدم کے طبعی اور نوعی

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۹۵) قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ۝ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (۳۸: ۸۲-۸۵)

(شیطان لعین نے کہا کہ مجھے تیری عزت کی قسم کہ میں بھی ان سب کو اُن چند بندوں کے جو خالصۃً تیرے ہی غلام ہیں اور جو میرے بس کے نہیں باقی سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ رب العزت نے فرمایا کہ بہت خوب تو نے اپنا عہد یہ سچ سچ کہہ دیا اور اب میں بھی سچ ہی کہتا ہوں کہ اگر یہ ہوا تو تم بھی تم کو بمع تمہارے چیلے چانٹوں کے جہنم میں لبالب بھر دونگا)

یہاں مِنْكَ کی تخصیص سے ظاہر ہے کہ انسانوں کے سوا خود ابلیس بھی جہنم میں بھر دیا جائیگا۔ گویا آیت زیر بحث یعنی (۱۱: ۱۱۹) میں مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ کے الْجِنَّةِ سے مراد شیطان یا وہ شیاطین کا گروہ ہے، انسان کو صراط مستقیم سے وغلا تا رہتا ہے میں اس وقت بہ حقیقت شیطان یا ماہیت جن کی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ صرف اپنے قول کی تائید مزید میں سورۂ کہف کی آیت كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ (۱۸: ۵۰) کو پیش کرتا ہوں جہاں بصراحت تمام ابلیس کو از قسم جن کہا گیا ہے جس نے حکم خدا سے سرتابی کی تھی۔ جہنم کو بھر دینے کا ایک اور اشارہ سورۂ سجدہ میں ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ (۳۲: ۱۳)

اور اگر ہم اپنی مرضی کے مطابق عمل کرتے (وَلَوْ شِئْنَا) (یہاں بھی آیہ (۱۱: ۱۱۸) صفحہ ۱۹۴ کی طرح شِئْنَا کے نا پر زور ہے) اور انسانی اختیار و ارادے کو اپنے منشا میں دخیل نہ ہونے دیتے تو ہم ضرور بالضرور ہر فرد متنفس کو اُسکے صراط مستقیم اور صحیح راہ عمل (هُدَاهَا) پر چلا دیتے (اور وہ ہدایت لامحالہ یہی امت واحدہ بننے کی ہدایت ہوتی) لیکن چونکہ انسان اصلاً خود اسے ہی اور ہدایت کو من وعن مان لینا اکبر شان سمجھتا ہے اس لئے لامحالہ میرا وہ قول پورا ہو کر رہے گا جو میں نے شیطان سے کہا تھا کہ میں ضرور بالضرور جہنم کو جن و انس سے لبالب بھر کر رہوں گا۔

یہاں وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا اور لَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً میں معنوی ترادف عیاں ہے کیونکہ ہدایت کے قرآنی معانی کی ایک اہم شق ہم اتحاد و امت ثابت کر چکے ہیں (دیکھو صفحہ ۱۹۲) اور یہاں پر اس مفہوم کی تائید مزید ہوتی ہے۔

بہر نوع اس تمام استدلال کو پیش نظر رکھکر حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اُمت واحدہ بنے رہنا فطرت انسانی ہے اور منشائے الٰہی کے عین مطابق ہے، اختلاف کی ہر شکست ریخت کا جنم اس دنیا میں، اور آخرت میں اس سے بدترین حالت ہے۔ اسلام تمام عالم کو توحید کے نصب العین پر متفق العمل کر کے امت واحدہ بنانے آیا تھا، فرقہ بندیاں پیدا کرنا اسکا کام ہرگز نہ تھا سب انبیاءؑ کو منجانب اللہ تسلیم کر لینا، سب الہامی کتابوں کو نفس موضوع ایک سمجھنا، ایک خدا کی ملازمت پر متفق العمل ہو جانا، ایک حاکم اعلیٰ کو ماننا، اور اُسکے سوا کسی دوسرے رب کے پیچھے لگ کر فرقہ بند نہ بننا، اسلام کی اصلی تعلیم تھی۔ اُمت واحدہ بنے رہنا اسکا بتایا ہوا صراط مستقیم تھا، متحد الغرض اور متفق العمل رہنا اسکی ہدایت تھی۔ یہی الْهُدَىٰ، اور دِينِ الْحَقِّ کا صحیح مفہوم تھا (دیکھو آیہ (۶۱: ۹) صفحہ ۱۸۲) اسی فطرت کے عظیم الشان اصل اصول کو لیکر رسولؐ آیا تھا اور اسکا نتیجہ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ تھا۔ اسی پر عمل کر کے قرنوں تک مسلمان عالم غالب رہے۔ اسی پر آج سب مغرب چلکر غالب آ رہا ہے، یہی وہ دین فطرت کی ایک اہم شق ہے جسپر تمام عالم مجبول ہے (فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰: ۳۰)) اور اگر آج مسلمان اس سبق کو بھولکر شکست پر شکست کھا رہے ہیں تو اسکی وجہ بھی اسی دین فطرت سے انحراف کے سوا کچھ نہیں!

جانباز بطل، اسلام کی تنبیہی صدا اور اللہ کے امر و نہی کے آگے یوں جھک گئے تھے کہ اُنکے اعمال کو دیکھکر بعض اوقات ان کی بشریت پر گمان گذرتا تھا! وہ سلاطین عالم پر تحکم کی نظر رکھتے تھے، مگر استکبار و تعلّی کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۸) اور لوگو! جب جب کسی شئے کے کرنے کا اپنے دل میں عزم مصمم کرلو تو اس خدا سے باندھے ہوئے عہد کو پورا کرکے رہو اور یہی نہیں بلکہ اُن معاہدوں کو جبکو تم اپنے داہنے ہاتھوں (الأیمان) کو ایک دوسرے سے ملا کر کرتے ہو، پکا کیئے پیچھے نہ توڑو کیونکہ اگرچہ معاہدہ دو شخصوں ہی کے درمیان ہوا ہے مگر تم فی الحقیقت خدا کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو اور اسمیں شک نہیں کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اُس سے بخوبی واقف ہے۔

اسلام نے ایفائے عہد کو ہر حالت میں سختی سے برقرار رکھنا اپنے پر اسقدر لازم کرلیا تھا کہ عین اُسوقت جب کہ اکیس برس کی مسلسل سعی و عمل کے بعد مدینے میں مسلمانوں کی اجتماعی طاقت اوج کمال پر پہونچ چکی تھی، جب دشمنانِ دین کو خدا کی جناب سے قتال کی صلائے عام مل رہی تھی اور برائت کی آیتیں نازل ہوچکی تھیں، رب عزوجل نے مسلمانوں کو عہد پورا کرنے کی بہرحال تلقین فرمائی اور کہدیا کہ میری دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ میری ضمانت رسوا نہ ہونے پائے، جبتک عہد ہوچکا ہے تب تک قائم رہے بعد ازاں تمہارا اختیار ہے لیکن اُس سے پہلے دشمنوں کو چھیڑنا اتقائے خدا کے برخلاف ہے:

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ (۹:۴)

ہاں یہ سب کرو لیکن دشمنانِ دین میں سے جن لوگوں کے ساتھ تم نے صلح کا عہد و پیماں کر رکھا ہے، اور بعد ازاں انہوں نے ایفائے عہد میں تمہارے ساتھ کسی طرح کی کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی، وہ مستثنیٰ ہیں۔ اُن کے ساتھ جو عہد و پیمان ہے اُسے اس مدت تک جو انکے ساتھ ٹھہرا ہی تھی پورا کرو۔ اور جانے رہو کہ خدا بے ریا اُنہی لوگوں کا دوست ہے جو اُس سے صحیح معنوں میں ڈرتے رہتے ہیں اور ہر حال اُسکی آبرو کو برقرار رکھتے ہیں۔

یہاں چھ سو رنوں کے تفاوت کے بعد ایفائے عہد کے بارے میں پھر وہی اِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ کے الفاظ دُہرانے، اور تکمیل عہد کو اتقائے الٰہی پر محمول کرنا قرآن کے حیرت انگیز تطابق اور اتحاد مطالب کا بدیہی ثبوت ہے۔

عہد و پیمان کو برقرار رکھنا، اسمیں ذاتی اغراض کو ہر حال حائل نہ ہونے دینا، ہر دم خدا کو فریق ثالث سمجھتے رہنا، اور ایفائے عہد کا اطلاق بلا تفریق رنگ و نسل ہر قوم پر کرنا وہ عظیم الشان سیاسی اصول ہیں جنپر ہر سلطنت کی بنیاد اور استوار ہوتی چلی آرہی ہیں۔ جبتک مسلمانانِ عالم نے اس اصل اصول کو برقرار رکھا وہ تمام عالم کے بادشاہ بنے رہے، جب اُن سے یہ حبل متین چھوٹ گئی، اور مغربی اقوام کی استواری عہد کی دھاک بیٹھی تو مغرب کو ایشیائی اقوام پر وہ تسلط اور تمکن، اور عزت کو نیز وہ اعتماد و اتکا نصیب ہوا کہ دنیا عش عش کر اُٹھی۔ اور آج جبکہ انگلستان کے عدم اتقا اور بدعہدی کا چرچا ہر جا ہو رہا ہے تو اُسکے رعب و وقار کی بنیادیں بھی اُسی تیزی سے ہل رہی ہیں کہ ہر صاحب نظر قانون خدا کے اٹل ہونے کا ثبوت پاکر کپکپا جاتا ہے۔

قرآن حکیم کے عجائب خانے کے اندر یہ آیتیں وہ عزیز القدر جواہر ریزے ہیں جو تہوں کے اندر لپٹے ہوئے موجود ہیں، انکی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانا، انکی حکمت عالیہ کی تہ تک پہونچنا ناشناس کا کام نہیں! یہ وہ انمول موتی ہیں جنکو نااہل کا ہاتھ لگنا بھی جائز نہیں، وہ انکو سنگ و خذف سمجھکر پھینک دیگا، اُسکے اُلٹے سیدھے معانی کرکے دلمیں اساطیر الاولین سمجھ لیگا۔ لیکن جن قوموں نے ان کشور کشا اصول کو لیکر خزانہ غیب سے انعام پائے ہیں وہی ان الفاظ کو سمجھیں گی، نادان کیا سمجھے اور کیا پائے اسکا پلید دماغ اور ناشاد ذہن قرآن کے پاکیزہ مقولات کو معرض بحث میں لاکر دو حقیقت پلید کر رہا ہے اور اسی لیئے قرآن عظیم کو ایسے شخص کے ہاتھ لگنے سے جڑ چکے:

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (۵۶: ۷۷-۸۰)

† سورۂ برائۃ کی پہلی آیتوں کا نزول ۹ھ میں ہوا تھا گویا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کو آٹھ برس گذر چکے تھے۔

طاقت، اور وہ انجذابی اثر پنہاں تھا جو ہر مقامی نصب العین، اور ہر نسلی مطمح نظر کو نالائق التفات کر دیتا تھا؛ اسی حقیقت کی عالم آرا عظمت، اور مہتم بالشان نافعیت† کے باعث مومن کا ایمان ایثار کا لازوال مصدر، اضطرار عمل کا عظیم الشان پیکر، اور ہجوم قوت کا بے خوف و خطر مسکن بن گیا تھا۔ لیکن یہ توحید ہی وہ مسکنِ قلب اور مزکّی نفس دوا تھی جو غلبے کے مسکر اثر کے باوجود قدم قدم پر بہیمی جذبات کو مشتعل ہونے سے روکتی تھی، جو بڑے سے بڑے دشمن کے بالمقابل رفق و مسامحت، حسن معاملت اور اخلاق کے ملکوتی صفات کو ہر مومن کے قلب میں موجزن کیے رکھتی تھی، جو احتساب نفس کی پیہم قطع و برید کے باعث اُسکے ادنیٰ سے ادنیٰ عمل کو بھی حدِ اعتدال سے گذرنے نہ دیتی تھی، جو حق خدا کی ہر دم محافظ، اور حقوق عباد کی ہر آن نگراں تھی، جسنے حُسنِ خلاق کی ربانی فضیلتیں، اور خوفِ خدا کی قدوسی بزرگیاں ہر متنفس کے اعمال میں جاری و ساری کر دی تھیں، جسکے صحیح نقش نے مومنوں کے زندہ قلوب میں باہمی محبت کا حس، اور یک رنگی کی لہر دوڑا دی تھی، جسکے مصلح اعمال اثر نے مسلمان کی زندگی کو ہر انسان کے لیے قابل تقلید نمونہ بنا دیا تھا۔ اسی توحید کے نفع مند اور نتیجہ خیز یقین نے، مسلمانوں کے روزانہ معاملات میں بلا تفریق قوم، اور بلا امتیاز مذہب راستی اور صلاحیت پیدا کر دی تھی: بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (۳: ۷۵)؛ میدانوں میں لڑنے والے یہ شیر ہژبر، اور پہاڑوں سے ہاتھا پائی کرنے والے یہ

§ سچ تو یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنے عہد پر قائم رہا، اور خوفِ خدا کے باعث بدمعاملگی سے بچا تو اللہ تقویٰ کرنے والوں کو بیشک دوست رکھتا ہے۔

† توحید کے متعلق میں نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ اس کا اٹل نتیجہ اتحاد قلوب ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جو قوم متحد ہے اُسکے افراد کے دلوں میں توحید بس رہی ہے! چونکہ سب ایک کام کر رہے ہیں اسلیے اُنکا آقا بھی ایک ہی جو قوم منفرق ہے اُسکے خدا بھی الگ الگ ہیں بلکہ اسکا خدا درحقیقت شیطان ہے جو آپس میں عداوتیں ڈالتا رہتا ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے خدا میں منہمک ہے۔ اسی لیے اتحاد عمل کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہی راز اللہ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ (۸: ۶۳) صفحہ ۲۶ کے الفاظ میں مضمر تھا۔ اسی نقطۂ نظر سے توحید کی نافعیت ظاہر ہوتی ہے۔

‡ یہاں ایفائے عہد کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے گویا جو شخص اپنے قول کا پکا اور معاملے کا راستباز ہے وہ خدا سے صحیح معنوں میں ڈرتا رہتا ہے۔ اسکو اللہ کے ہر دم حاضر و ناظر ہونے کا یقین ہے، وہ فی الحقیقت اُس پاک ذات کو اپنے اور فریق ثانی کے درمیان گواہ (یعنی شاہد) اور ضامن ٹھیرا کر عہد کرتا ہے، اور پھر ایسی جلیل القدر ذات کی ضمانت میں اُس عہد کو نباہنے کے لیے اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتا۔ ایسا کھرا شخص اور ایسی خوش معاملہ قوم بلاشبہ خدا کی دوستی کے قابل ہے (اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝) سورۂ نحل میں ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (۱۶: ۹۱)

(باقی)

اُن کے قدموں پر نچھاور ہوتے تھے، مگر اُن کے انکسارِ طبع، اُنکی لینتِ دل، اُنکی ملائمتِ سلوک، اُن کی نیچی نظروں میں فرق نہ آتا تھا! فرمانروائی کی اُمنگیں، اور جہانبانی کے ولولے اُن کے دلوں میں موجزن تھے مگر طبائع میں وہی سادہ پن اور خاکساری، وہی اطاعت کیشی اور اللہ کا شغف، وہی فکر انجامِ قوم اور ناموسِ اسلام کا پاس گھر کر گیا تھا۔ انکی زندگیاں فطرت کے **اعتدال** کی صحیح تصویریں، اور اُنکے دل خشیتِ خدا کے مستقل نشیمن بن گئے تھے: قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ (۷: ۲۹)۔ اُن کا ہر عمل اور ہر شغل ربّ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۰) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کسی لغو بات کو سنتے ہیں تو اس سے حتی الوسع کنارہ کش ہو جاتے ہیں، اور ایسے لوگوں سے کہدیتے ہیں کہ بھائی جو ہم کر رہے ہیں اسکا نتیجہ ہم کو ملیگا اور جو تم کر رہے ہو تمہارے ساتھ ہے آپ مہربانی فرمائیں اور ہم کو اس بحث میں شامل نہ سمجھیں، خدا کی سلامتی تم پر ہو لیکن ہم ان لوگوں کی تلاش میں نہیں جو علم نہیں رکھتے اور بے علم اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

یہاں پر قریب قریب وہی مضمون ہے جو زیر بحث آیت (۲۵: ۶۳) میں ہے۔ بلکہ قَالُوْا اور سَلٰمٌ اور الْجَاهِلِيْنَ کے الفاظ بھی مشترک ہیں اگرچہ سَمِعُوا اللَّغْوَ کا مضمون آیہ (۲۵: ۶۳) میں بالصراحت بیان نہیں کیا گیا بلکہ آگے چلکر اسی سورۃ میں عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کی تعریف کے تسلسل میں بیان کیا گیا ہے: وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (۲۵: ۷۲)، یعنی "خدا کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی بیہودہ مشغلوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو بے نیاز ہو کر گذر جاتے ہیں"۔ اس تکرار کو پیش نظر رکھکر جو وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (۲۵: ۶۳) اور وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (۲۵: ۷۲) کے دو قریب المعانی مضامین میں ایک ہی بیان کے سیاق میں واقع ہوئی ہے، مجھے خیال پیدا ہوا ہے کہ اول الذکر آیت میں جٰهِلُوْنَ سے مراد کم علم اور اُجڈ لوگ نہیں بلکہ ناواقف اور ناآشنا لوگ مقصود ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں مستحق زکوٰۃ فقراء کے بارے کہا گیا ہے: يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (۲: ۲۷۳) یعنی "یہ فقراء وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے اور اپنے مال و جان کو لٹانے والے مستِ الست لوگ ہیں کہ ناواقف اُن کی ظاہرا بے نیازی اور خودداری کو دیکھکر اُن کو غنی سمجھتا ہے، اُنکے چہرے اسقدر بارونق اور پیشانیاں اسقدر کشادہ کشادہ ہیں کہ تم اُن کی صورت سے اُنکو صاف پہچان جاؤگے، وہ بھک منگوں کی طرح لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے"۔ علی ہذا القیاس خَاطَبَهُمْ سے مراد بھی مخاطب ہونا یعنی بالمقابل آجانا ہے نہ بحث و مباحثہ کرنا۔ اگر اس تاویل کو تسلیم کر لیا جائے تو آیہ (۲۵: ۶۳) کے معانی نہایت مربوط اور صاف ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

"اور اللہ کے خاص بندے تو وہ ہیں جو اس زمین پر فروتنی اور انکسار کے ساتھ چلیں، اور انکی اخوت کا حس اس قدر تیز ہے کہ جب ناواقف اور ناآشنا آدمی بھی سر بازار اُن سے دوچار ہو جاتے ہیں (خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ) تو انہیں سلام کرنے میں سبقت کرتے ہیں"۔

یہ تشریح اسقدر مستحسن اور نتیجہ خیز ہے کہ میں اسکو عالمِ اسلام کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ یہ ناواقف اور ناآشنا شخص کو سلام کرنے میں پہل کرنا عالی ہمتی اور حسنِ اخلاق کا وہ انتہائی درجہ ہے جسکو مسلمان کسی زمانے میں سیکھکر تمام عالم کے بادشاہ بن گئے تھے، اسی کے باعث ایک دنیا اُنکے قدموں پر نثار ہو گئی تھی، یہی وہ عالم آرا اخوت تھی جسنے دشمن کو کپکپا دیا تھا۔ رسولِ خدا خود اسی خلقِ عظیم کے موجد تھے راہ چلتے لوگوں کو سلام کرتے، اور ہمیشہ پہلے سلام کرنے میں بازی لیجاتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب الایمان میں ہے کہ ایک دفعہ فرمایا "بہترین اسلام یہ ہے کہ فقراء کو کھانا کھلاؤ (یعنی اُن فقراء کو جنکی تعریف (۲: ۲۷۳) میں گذری) اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو اُسکو سلام کرو"۔ یہی اسوۂ حسنہ فاروقِ اعظمؓ کا تھا۔ اسلام کا یہ جابر امیر المومنین اور احزابِ خدا کا یہ اولوالعزم سپہ سالار مدینے کی گلیوں میں مشک اپنے کندھے پر اُٹھائے ہوئے چاروں طرف واقف اور ناواقف سب کو سلام سلام کرتا گذر جاتا تھا۔ اور اگر آج مسلمانانِ عالم بھی چند لمحوں کے لیے یہ شیوۂ عمل اختیار کر لیں تو اب بھی اُنکی سب بگڑی پھر بن سکتی ہے مگر آہ! اب اخوت کا وہ پرانا احساس باقی نہیں رہا۔ اور اُنسے نکلکر یورپ کی "بداخلاق" اور "کافر" قوموں میں چلا گیا ہے!

اُن میں نام نہ تھا! وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝ (۱۷: ۳۷) ؎ وہ آسمان کی زمینوں پر تمکن کے چشم براہ تھے، مگر اللہ کی اِس زمین پر دھیمے چلتے تھے! وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝ (۲۵: ۶۳) ؎ مغرور و متکبر شہنشاہوں کے تاج آئے دن

---

۵۱ اور اے انسان! سیدھی اس زمین پر اکڑ کر مت چلا کر کیونکہ اس دھماکے کے ساتھ چلنے سے تُو زمین کو پھاڑ نہیں سکیگا، اور نہ تن کر چلنے سے تُو پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکیگا۔ ۵۲ اور اللہ کے پیارے بندے تو وہ ہیں جو اس زمین پر نرمی تنی کے ساتھ چلیں، اور جب کم علم اور لغو ران آدمی اُنسے بحث مباحثہ کریں تو سلام کہہ کر ٹال دیا کریں۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۹) لوگو! یہ قرآن عظیم بڑی ہی عزیز القدر کتاب ہے۔ اسکے امد کے جواہر ریزے اوراق میں تہ در تہ اس طرح لپٹے ہوے ہیں کہ قدر شناس لوگوں (الْمُطَهَّرُونَ) کے سوا کوئی اسکو چھونے نہیں پاتا۔ کوئی اسکی تہ کو نہیں پہنچتا، اُسکی عظیم الشان نافعیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اسکے اندر یہ بے بہا گوہر کیوں نہ ہوں یہ تو پروردگار عالم کی طرف سے اتارا ہوا کلام ہے!

سلطنت کے امور عالیہ تو یک طرف، ذاتی اور چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی آج مسلمان کو قطعاً حِسّ نہیں رہا کہ وعدہ کیا شے ہے، اسکے ایفا کے کیا معنی ہیں، وہ کس سبیل کا نام ہے، اسکے کرتے ہی کسقدر اہتمام کی ضرورت ہے، خدا کے نزدیک اسکا پورا کرنا کسقدر محبوب ہے۔ اسلاف صالحین کے نزدیک کریم النفسی بلکہ مروت یہی تھی کہ وعدہ بہر حال وفا ہو خواہ اسکے ایفا میں جان جوکھوں میں پڑے الکریم اذا وعد وفی۔ اور قول مرواں جان دارد کے مقولے اسکی شہادت میں ہیں۔ لیکن آج بدعہدی اور ناوفاداری کا شیوہ زنان مسلمانوں میں اسقدر رواج پاگیا ہے کہ مرد ایک نظر نہیں آتا۔ یورپ کی قومیں مقابلۃً اب بھی بدرجہا اچھی ہیں، اِن میں ایفائے عہد کا خاص اہتمام ہے، پابندیٔ وقت بیحد ہے، زمین و آسمان ملجائے لیکن اوسط مغربی اپنے وعدے کو ٹال دینا نامردی سمجھتا ہے اور اسی لیے صحیح معنوں میں متقی ہے، محبوب خدا ہے، اور اسی محبوبیت کے صدقے میں بادشاہت زمین کا انعام پا رہا ہے!

✝ تکبر نہ کرنا اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا ہمارا نبانی، حکمرانی، اور ہر دلعزیزی کا وہ عظیم الشان اصل اصول ہے جس کی اہمیت کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے متکبر اور سرنگوں اعمال اقوام کی بادشاہت کے تختے اپنی آنکھوں سے الٹتے دیکھے ہیں۔ آج مغرب کے ستمرو اور ناانجام شناس حاکموں کے اپنی رعیت سے فرعونی سلوک کا دردناک نتیجہ ہندوستان کی مسافر نواز اور غیر پرور زمین میں سے دیکھ رہا ہے کہ برطانیہ کی عالم آرا سلطنت کی بنیادیں سو برس کی نہایت قلیل مدت میں متزلزل ہو چکی ہیں، دلوں پر حکومت کے آثار قطعاً باقی نہیں رہے، اعتماد کا اکثر حصہ کالعدم ہو چکا ہے، رعیت کے دل بگڑ چکے ہیں، اور اگر نظام سلطنت بایں ہمہ باقی ہے تو کشور ہیرو تعدی کے زور پر، ورنہ بیخ کھوکھلی ہو چکی ہے، اور کوئی انسانی تجویز آج اسکو مضبوط نہیں کر سکتی۔

✤ اس آیۂ شریفہ میں منکسر المزاج اور فروتن انسانوں کو عِبَادُ الرَّحْمٰن کا خطاب دیا گیا ہے۔ گویا ایسا اخلاق پیدا کرنا صحیح معنوں میں خدا کی عبادت ہے۔ جو شخص اِس قطع کا ہو، ہر ایک سے نہایت اخلاق سے پیش آئے، عُجب و غرور کا اُسمیں نام تک نہ ہو، اور بڑے سے بڑا دنیاوی مرتبہ رکھنے کے باوجود خوش خلقی سے پیش آئے وہ فی الحقیقت خدا کی خدائی سے مرعوب ہے، اپنے آپ کو اُسکے بالمقابل ہیچ سمجھتا ہے، سب انسانوں کو برابر یقین کرتا ہے، اور اسی لیے صحیح معنوں میں اُسکا بندہ (عبد) ہے۔ علی ہذا القیاس جاہل اور کم علم آدمی سے بحث نہ کرنا اور حکمت عملی سے اُسکو ٹال دینا بھی عبادت میں داخل کیا گیا ہے گویا باوجود اِس تمام انکسار طبیعت کے لغو اور لایعنی آدمیوں کی صحبت سے حتی الوسع اعراض کرنا بھی ملازمت خدا میں شامل ہے۔ سورۂ قصص میں صاحب ایمان لوگوں کی تعریف میں ہے:

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ۝ (۲۸: ۵۵)

حکمتِ عبادات

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ (۲۲: ۶۷)

ہر امت کے لیے ہم ہی نے ایک نشانِ بندگی مقرر کیا ہے جس کو وہ شعار بنائے ہوئے ہیں تو چاہیئے کہ لوگ قانونِ خدا کے بارے میں تم سے نزاع نہ پیدا کریں[1]

اِس رُوحانیت، اور علوِّ اخلاق میں وہ آسمانی طاقت، اور زبردست تبلیغی اثر پنہاں تھا جو اسلام کی تقویت اور اشاعت کا بہترین سامان تھا۔ بڑے بڑے دشمنانِ دین اور جبابرۂ کفر مومنوں کے اِن اعمال کو دیکھکر وجودِ خدا کے ازخود قائل ہوجاتے، اور دینِ الٰہی کے بہترین معاون اور مددگار بنتے! اسلام کا زورِ اثر قرونِ اُولیٰ کے ابتدائی ایام میں، ایک بہت بڑی حد تک اِسی خاموش طریقِ عمل، شہادتِ خدا، اور تقوے پر تھا۔ مومنوں کا صلاحِ عمل، اُنکی ربانیت، اُن کا سچا زہد و تورّع خود بخود دلوں میں گھر کرجاتا اور وہ آپ نمونۂ اخلاق بنکر عوام کے لیے ایک مستقل اور غیر متزلزل ہدایت کا باعث بنتے۔ خود رسول کریمؐ کی پاکیزہ زندگی کا مقصود بالذات خلقِ خدا کے سامنے انسانی حیات کی ایک لائق رشک اور قابلِ تقلید مثال قائم کرنا تھا۔ قرآن حکیم کی اصلی غرض وغایت فی الحقیقت بنی نوع انسان کی درستیٔ اخلاق اور اصلاحِ اعمال ہی تھی: إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ[2] (۱۱: ۸۸)

اسلام اور سب باتوں سے قطع نظر "امر بالمعروف" کا سراپا مجسمہ، اور "نہی عن المنکر" کا مکمل ضابطہ ہی تھا مگر اور سب مذاہب کی غیر مانند، اُسکی حیثیت خالصۃً داعیانہ تھی، اُسکی نسبت بزرگ تر تھی۔ وہ ختمِ رسالت کی تمامیت اور پیامِ اخیر کی قطعیت کا حکم رکھتا تھا۔ اُس میں پیامِ خدا کی **انانیت**، اور انتخابِ ربّ العرش کی **رعونت** تھی! إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ[3] (۳: ۱۸)۔ اُسمیں تقویتِ نفس کا ہیجان، اور اجماعِ خلق کا

---

[1] اسپر شعیب علیہ السلام نے اہلِ مدین سے کہا کہ میں تو حتی الامکان تمہارے اعمالِ اخلاق میں اصلاح ہی پیدا کرنا چاہتا ہوں، کچھ تم سے اجرت اور رزق نہیں مانگتا (۱۱: ۸۸) قرآن کریم)، میرا اس ارادے میں کامیاب ہونا خدا ہی کے اختیار میں ہے اسی پر توکل کرکے میں نے اپنا کام شروع کیا ہے، اور نتائج کے بارے میں میرا رجوع بھی اُسی کی طرف ہے۔

[2] خدائے زمین و آسمان کی نگاہوں میں اسلام ہی پسندیدہ ترین مذہب ہے! یہ ایک سرسری ترجمہ ہے جو ہم نے کردیا ہے اور جو عوام کے ذہنوں میں راسخ ہے۔ اگرچہ صحیح مفہوم یہ ہے "آج میں نے تمہارے لیے (یعنی خدا کو عملاً احکم الحاکمین تسلیم کرلینا) ہی وہ طرزِ عمل (دین) ہے جو خدائے زمین و آسمان کی نظر میں پسندیدہ تر ہے" جیسا کہ ہم نے صفحہ ۱۹۱ میں واضح کردیا ہے۔

لم یزل کے وجود کی صریح شہادت، اور اسلام کے دین اللہ ہونے کا زندہ ثبوت تھا۔ توحید کی یہ روح عمل، لاریب اُس مصورِ حقیقت، اُس سیدالبشر، اُس ہادیٔ اسلام (علیہ التحیۃ والسلام) کی حیرت انگیز تعلیم اور مقلب القلوب صحبت کا نتیجہ تھی جسنے غارِ حرا کی انجمن آرا خلوتوں سے نکلکر ریگ زارِ عرب کے اِن بادیہ پیما بدوؤں کے سامنے خدائے بیمثال کی ذات اِسقدر مشخص کردی تھی!

سرِّ خدا کہ عابد و زاہد بکس نگفت
در حیرتم کہ دُردکشاں از کجا شنید

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ (۴: ۱۳۵)

اے ایمان والو! علی الاعلان خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہوئے اعتدال اور میانہ روی پر قائم رہو، خواہ یہ اعتدال تمہیں اپنے پر یا والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ کرنا ہو!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ (۵: ۸)

اے ایمان والو! انصاف کے شاہد بنکر خدا کی حمایت میں جم کر کھڑے ہو جاؤ اور کسی قوم کی عداوت بھی تم کو بے انصافی کے ارتکاب کی باعث نہو۔ نہیں! بہر حال انصاف کرو، یہی تقویٰ ہے، اور خوف خدا سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ہر دم ڈرتے رہو، وہ جو کچھ تم کر رہے ہو اچھی طرح جانتا ہے۔

† یہاں ہر معاملے میں قسط و اعتدال پر قائم رہنے، اور عدل کو بہر حال اور بلا امتیاز اصدے رہنمائے حیات بنانے کو اتقائے خدا پر محمول کیا گیا ہے گویا وہی شخص خدا کے وجود کا صحیح معنوں میں شاہد ہے وہی اُسکا نوکر اور اُس سے بیگانہ ڈرتا ہے جو بڑی سے بڑی آزمایش اور ذاتی مفاد کے موقع پر بھی ناانصافی نہیں کرتا، بلکہ ہر آن اُسکو حاضر و ناظر یقین کرکے اُس کے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

آہ! صدر اسلام کا عالم انگیز زمانہ تو درکنار، نزول قرآن کے کامل سات سو برس بعد تک بھی مسلمانوں نے فخر رسل کے اِن آسمان سے لائے ہوئے پیغام پر عمل کرنا اسقدر ضروری سمجھا ہوا تھا کہ محمد شاہ تغلق بادشاہ ہند کی انصاف پسندی کا ذکر کرتے ہوئے مشہور مسافر ابن بطوطہ (المتوفی ۷۷۹ھ ۱۳۷۷ء) اپنا چشمدید واقعہ (۷۴۳ھ) بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ کسی ہندی لڑکے نے دعوے کیا کہ بادشاہ نے بلا سبب اُسکو مارا ہے، قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ یا لڑکے کو راضی کرے، ورنہ قصاص دے۔ ابن بطوطہ ذکر کرتا ہے کہ شاہ تغلق نے لڑکے کو دربار میں بلایا اور لکڑی اُسکے ہاتھ میں دیکر کہا کہ اپنا عوض لیلے۔ پھر اپنے سر کی قسم دلاکر کہا کہ جیسا میں نے تجھکو مارا ہے تو بھی مار۔ لڑکے نے ہاتھ میں لکڑی لیکر کیس بیہ بادشاہ کے لگائے۔ حتی کہ ایک دفعہ اُسکی کلاہ بھی سر سے گر پڑی!!

ہاں! لیکن جہاں اُس نے ماننے میں حکم خدا کی تعمیل یہ تھی، جہاں خوف خدا اِس اوج کمال تک پہونچ چکا تھا وہاں بارگاہ خدا سے انعام بھی یہ تھا کہ مسلمانان عالم کے دنیا کے طول و عرض کے بادشاہ بن گئے تھے، دنیا انکے رعب و وقار کے آگے لرزہ براندام رہا کرتی تھی۔ آج جبکہ قرآن کو چوم چوم کر بالائے طاق رکھنا اسلام کا ماحصل بن چکا ہے تو صدا بھی کان سے پکڑ کر دلوں کے سے نکال رہا ہے۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔

مگر سرنوشت اُمت کے اُس **خوشنویس اجل**[تعہ] نے، اِن تمام احکام کی تہ میں، **غلبۂ اسلام** کی وہ نستعلیق حکمت عملی ملحوظ نظر رکھی تھی جو صدہا برس تک مسلمانوں کو اور امتوں کے بالمقابل، مابہ الامتیاز مقام دیتی رہی! اِن احکام کی اجتماعیت، اِن کی مرکزیت، اِنکی پابندیٔ وقت اور یک رنگی میں فطرت کی صلائے اتحاد کی تکرار، انسان کی نوعی وحدت کا اظہار ضبطِ نفس کی تعلیم، مساوات کا حوصلہ افزا اثر، اور عصبیت کی روح تھی، اُنکے استمرار و تعلل میں، اُن کے تعود اور تسلسل میں **حکومتِ** خدا کا متواتر سماں اور **اتقائے** قلوب کا پیہم ضبط باندھ دیا تھا! وہ تقویت اسلام کے بہترین اوزار، اور تکثیر جماعت کے زبردست محرک تھے، وہ تہذیب نفس اور اصلاح اعمال کے بہترین کفیل تھے۔ اِس

الصلوٰۃ

کے پنجوقتہ قیام میں باہمی محبت کی لہریں تھیں! اِسمیں خدا کی خدائی کا مشترک اقرار، اور اللہ کی غلامی کا مشترک اعلان تھا! اسمیں ہر دل کی دوسرے دل سے سچی رسم وراہ تھی! اسمیں خوف خدا کی مشترک لرزشیں، اور نیازمندی کی مشترک خلشیں تھیں! وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ[لہ] (۷: ۵۶)۔ اسمیں ہم آہنگ دلوں کی طبعی ہمرنگی، اور ہم غرض انسانوں کی فطری یک جہتی تھی! اسمیں یک منعموں کا باہمی اُنس واجلاس، اور ہم انعاموں کا برادرانہ ربط واختلاط تھا! اِسمیں ایک امیر کی عملی اطاعت، ایک غرض اور ایک غرض، ایک کی پیشوائی اور سب کی اقتدا، ایک کے عرض حال اور سب کے سکوت کا سچا سماں باندھ دیا گیا تھا! یہ ایک منظم اور منضبط، ایک مرعوب خدا اور منکرِ ماسوا، ایک لرزہ براندام اور سربکف فوج کی پنجوقتہ اپنے **قائد اعظم**[تعہ] کے حضور میں **پیشی** تھی! اسمیں عصیان کار اور خود پسند، تفرقہ ایجاد اور مختلف نواز

[لہ] عذاب خدا سے ڈرکر اور انعام کی آس میں دونوں موقعوں پر اُسکو پکارا کرو، بے شک فضل خدا ان لوگوں کے شامل حال ہے جو خلوص دل سے اُسکو پکارتے ہیں اور اُسکے احکام کی متابعت میں حُسنِ عمل کرتے ہیں۔

[†] 'اِحسان' کا صحیح قرآنی مفہوم صفحہ ۱۳۰ پر واضح کر دیا تھا جس سے ظاہر ہو کہ یہاں پر خوف اور طمع بھی اجتماعی شکست کا خوف اور اجتماعی راحت کی طمع ہی ہو سکتی ہے خوف وطمع مراد نہیں۔ اُدْعُوْهُ اور مُحْسِنِيْنَ کا جمع کا صیغہ بھی اسی پر دال ہے۔

اضطرار تھا! دعوتِ جہاں اُسکا مایۂ خمیر، اور کل کائنات اسکی مشارٌالیہ تھی؛

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۷: ۱۵۸)

اے محمدؐ! تمام عالم کے لوگوں سے کہدو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس خدائے عظیم کا قاصد ہوں جسکی سلطنت تمام آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔ اُسکے سوا کوئی شے لائق عبادت نہیں۔ وہی زندہ کردیتا ہے، وہی مارتا ہے۔ تو آؤ! اُس پاک ذات کو اپنا مالک یقین کرو اور اُسکے بھیجے ہوئے اُمّی نبیؐ کو جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اور اُسکے احکام بجالاتا ہے، اپنا رہنما تسلیم کرو۔ اور اُسی کی پیروی کرو تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ؛ (گویا ایک آقا کو مان کر سب کے سب متحد ہوجاؤ دیکھو ھدایت کا منسوم تحت المتن صفحہ ۱۹۲)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۴: ۲۸)

اور اے محمدؐ! ہم نے تو تم کو تمام دنیا کے لوگوں کی طرف قاصد بناکر بھیجا ہے تاکہ تم ہمارے قانون پر چلنے والوں کو اجتماعی بہبودی کی خوش آئیند خبر اور ہمارے منکروں کو دائمی عذاب کا پیغام پہونچادو۔ لیکن اکثر لوگ ابھی تک اس امر سے مطلع نہیں ہوئے کہ ہمارا پیغام تمام عالم کے نام ہے

ہر متنفس قوم، اور مجتمع انسانی کے پیش پیش رہنا اسکی حیات کی علامت تھی! اسکے صلائے عام میں سیما کی جاذبی تڑپ، اور قبلہ نما کا مقناطیسی اضطراب تھا! حصول قوت اُسکا نشانِ سیما، اور غلبۂ عام اُس کا طرۂ امتیاز تھا! وہ عامۃ الناس کو اپنی حقیقت اور سادگی تعلیم سے، اپنے روز افزوں اثر اور جماعتی اقتدار سے، اپنی انقلاب انگیز تجویز اور بے مثال ہدایت سے، مومن کے زورِ اخلاق اور روحِ عمل سے خدائے واحد کی عملی عبادت اور غلامی کیطرف کھینچکر **جامعیت** اور **وحدت** پیدا کرنا چاہتا تھا، اِسی حیثیت کی بنا پر اُسکے اوامر و نواہی کا ہر شعبۂ عمل جلب اقتدار، توسیع اثر، اخوت اور مساوات کا بطور خود متواتر **جہاد** تھا۔ اخلاق کی درستی میں بلاشُبہ ایک سطحی نقطۂ نظر سے متنفس کی ذاتی ہدایت، یا انفرادی نجات ہی پیش نظر تھی، صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے انفرادی افعال بظاہر ایک مسلمان کے اپنے خدا سے تعلق قائم کرنیکے انفرادی ذرائع ہی تھے، صوم کا فریضہ بادی النظر میں، کسی ایمان دار کا شخصی ایثار یا اُسکے نفس امارہ کا شخصی اجتہاد ہی تھا، طواف بیت الحرام بھی ظاہر اسلمانوں کے درمیان خدا سے اظہار ارادت کا ایک مُرتسم شیوہ ہی تھا، قرآن حکیم کے اوامر و نواہی بھی سطحی نظروں میں تدین اور نکوکاری کی یہی انفرادی شان لیئے ہوئے تھے،

+ دیکھو تحت المتن صفحہ ۸۱

اَکْبَرُ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ (۲۹: ۴۵) ؎ مقام خدا کا پیہم اور زنہار وہ احساس اُن کے اعمال کو یکسر سُدھار رہا تھا، دلوں میں حمیّت دین کے جوش زن تنوّر، اور ذہنوں میں غلبۂ اسلام کے موّاج دریا تھے۔ پھر تذلّل و

؎ بیشک نماز بشرطیکہ اسمیں خدا کا سچّا احساس ہو، اور اسکو الصّلوٰۃ کہہ سکیں، وہ مطہّر نفس شئے ہے جو تمام اخلاقی بداعمالیوں (الفحشآء) اور اجتماعی تفرقہ اور نفاق (المنکر) سے روکتی ہے۔ اور خدا کا پیہم احساس تو نماز سے زیادہ موثر ہے۔ اور خدا جو کچھ بھی تم کرتے ہو موبمو جانتا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۶) میں الفحشآء کا ذکر چند موقعوں پر آیا ہے۔ لیکن وہ موقعے معانی کی تعیین کے لیے کافی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲: ۱۶۸-۱۶۹)

اے لوگو! زمین میں جو چیزیں پاکیزہ صورت اور خوش تاثیر، ممدّ صحت اور دافع شہوات (حَلٰلًا طَیِّبًا) ہوں اُنکو کھایا کرو اور نفس امّارہ کا کہا مان کر شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور ہمیشہ ایسی چیزوں کے کھانے کی ترغیب دیگا جس سے تمہاری شہوات نفسانی کا ہیجان ہوتا رہے شیطان لعین تو لامحالہ تمہیں بدی اور بے حیائی (السُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ) کے کام کرنے کو کہیگا، اور ضرور اس بات پر آمادہ کرے گا کہ نفس پروری کے جوش میں جھوٹ موٹ وہ احکام خدا کی طرف منسوب کردو جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔ (آیۂ (۲: ۱۶۹) کا مقابلہ آیۂ (۷: ۲۸) سے کرو جو اسی صفحہ کے اخیر میں ہے)

حلال و حرام کی حکمت سے یہاں پر بحث نہیں۔ یہ موضوع پانچویں مجلّد میں آئے گا۔ نہ یہاں پر شیطان کی حقیقت سے سروکار ہے لیکن الفحشآء سے مراد یہاں پر صاف بیحیائی، نفس پروری، اور شہوات نفسانی کو فروغ دینے والی باتیں ہیں کیونکہ آگے چلکر آیہ (۲: ۱۷۳) میں لحم خنزیر کو حرام کردیا ہے۔ جو بڑا مہیج شہوت تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی سورۃ میں ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَ اللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (۲: ۲۶۷-۲۶۸)

اے ایمان والو! اپنی امّت کی تقویت اور اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر اپنی کمائی میں سے بہترین اشیاء (طَیِّبٰتِ) صرف کیا کرو، اور جو اشیاء ہم نے تمہارے لیئے زمین سے پیدا کی ہیں اُن میں سے بھی بہترین چیزیں دو، اور ناکارہ چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا، کہ لگو اسی سے خیرات کا چندا سا اتارنے حالانکہ وہی شئے اگر کوئی تم کو دیا چاہے تو تم اُسکو بطیب خاطر منظور نہ کرو ماسوا اسکے کہ دیدہ دانستہ اپنی بات رکھنے کے لیئے اُس شئے کے بیکار ہونے سے چشم پوشی کرو۔ جانے رہو کہ خدا ان چیزوں کو اپنے لیے نہیں مانگتا، جو کچھ ہے تمہاری اپنی خاطر ہے، اور وہ بڑا بے نیاز اور بڑا سزاوار حمد ہے شیطان لعین تمہیں ایثار مال اور بہترین اشیاء کے دینے کے وقت افلاس سے ڈراتا ہے، اور بُخل و امساک کی باطنی بے حیائی (الفحشآء) کا حکم دیتا ہے اور خدا تمہیں اس ایثار کے بعد اجتماعی بدحالیوں پر پردہ پوشی (مَغْفِرَةً) اور دنیاوی انعام و اکرام (فَضْلًا) کا وعدہ فرماتا ہے اور جانے رہو کہ وہ خدائے عظیم بڑی گنجایش والا اور ہر قوم کی نیات سے بخوبی واقف ہے۔

یہاں اُس قلبی بے حسی اور باطنی بے حیائی کو جو قوم کی بہتری کی خاطر ایثار مال نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے الفحشآء سے تعبیر کیا ہے! سورۂ اعراف میں شیطان کے آدمؑ کو بہکانے کے قصّے کی تفصیل کے بعد ہے:

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَاۤ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۷: ۲۷-۲۸)

اے اولاد آدم! کہیں شیطان تم کو پھر اسی آزمایش میں نہ ڈالے جس طرح کہ اسنے تمہارے والدین کو بہشت سے نکلوایا تھا، انکے لباسوں کو بدنوں سے

انسان کو دن میں پانچوقت ایک کی قیادت اور سب کی پیروی، ایک کے اقدام اور سب کے اتباع، ایک کی خدائی اور سب کی عبودیت کا عملی سبق دیا گیا تھا! یہ جماعت کے خارجی‡ نظم و نسق، باطنی ضبط اور ظاہری مساوات، وحدت خدا اور وحدتِ امام کی سچی محرک تصویر تھی! اسکے رکوع و سجود میں ادنی اور اعلیٰ، شاہ و گدا کی تمیز عمداً اُٹھا دی گئی تھی! اسکے وضو میں احکم الحاکمین کی پیشی کا اہتمام، جسم کی پاکیزگی اور لباس کی تطہیر ظاہر کی صفائی اور خوف پریشان حالی کا سماں چھایا ہوا تھا! وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝[۵۱] (۷۴: ۳-۵) اسکی تسویہ صفوف نے پیشگاہِ خداوندی کا ضبطِ ادب، مساوات کا باطنی احساس اور قرب و ہم پلگی کی عصبیت پیدا کر دی تھی، مساجد میں جماعت کے بے تکلف قیام نے مسکینان فقر و افلاس کو صدر نشینان جاہ و حشم کے ساتھ، ایک قطار میں کھڑا کر کے، ایک کر دیا تھا! وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝[۵۲] (۷: ۲۹) بارگاہ رب العالمین میں اس پنجوقتہ محاسبے اور غیر منقطع حاضری نے اُن کے نفس عصیان و نفاق سے پاک کر دیئے تھے! إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ‡ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ

---

[۵۱] اور اے پیغمبر! اپنے آقائے نامدار کا بول بالا کیا کرو، اور جب جب اُسکے حضور میں جانے کا ارادہ کیا کرو تو صاف ستھرے اور پاکیزہ کپڑے پہنکر جایا کرو، اور کپڑوں کی پاکیزگی کے علاوہ بدن کو تمام نجاست اور آلایش سے پاک صاف رکھو۔

[۵۲] اور درگاہ احکم الحاکمین میں ہر ماتھا رگڑنے کیوقت ہمہ تن توجہ بن جایا کرو اور اپنی تمام ارادتمندی اور عقیدت کو اُسی کیلئے مخصوص کر کے اُسکو پکارا کرو

---

‡ جن لوگوں نے "الصّلوٰۃ" کی ماہیت کا بامعانِ نظر مطالعہ کیا ہے انکو یقین ہو چکا ہے کہ اس پنجگانہ حاضری کی تہ میں خدائے عزوجل کی حکمت عملی بعینہ یہ تھی کہ اُمت کے افراد کو دن میں پانچ وقت خارجی اور باطنی ضبط کا وہ مکرر سبق دیا جائے جو اسکو کبھی بھولنے نہ پائے۔ اگر ایک فوج کے سپاہیوں کو ہر روز علی الصباح میدان میں نکالکر قواعد سکھائی جاتی ہے، اگر انکو معلمِ قواعد کی آواز پر حرکت کرنیکی تعلیم دیجاتی ہے، اگر سب کو ایک حکم پر چونک اُٹھنے کا سبق پڑھایا جاتا ہے، اور وہ سب کے سب بیک وقت اور بالالتزام ایک ہی انداز پر حرکت کرتے ہیں تو اسکا مقصود یہی ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں اُنکی اس اطاعت سے فائدہ اٹھایا جائے، اور وہ اپنے سپہ سالار کے حکموں پر فی الفور عمل کرنیکا سبق سیکھیں اگرچہ لڑائی میں سپہ سالار کے احکام اس روزانہ قواعد کے احکام سے مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی مقصود بعینہ نماز سے تھا اور امام مسجد کی پنجوقتہ اطاعت سے امیر جماعت کی اطاعت حسب موقع مراد تھی، یہی حکمت تسویہ صفوف میں تھی، یہی راز وقت کی پابندی اور مقتدیوں کے خاموش رہنے میں تھا۔ اور اسی نکتے کو پیش نظر رکھکر اگر ایک شخص امام کے پیچھے کئی گز یا ایک میل دور بھی کھڑا ہو (مثلاً عیدین کے موقع پر) اور اُس کی قرأت کا ایک لفظ بھی نہ سن سکے لیکن رکوع و سجود اسکے تتبع میں ادا کرتا جائے تو اسکی نماز کا ہو جانا علمائے سلف نے مسلّم قرار دیا تھا کیونکہ نماز کا مقصود بالذات اتحادِ عمل اور اطاعت تھا، خدا کو اس پنجوقتہ چاپلوسی کی کچھ حاجت نہ تھی۔ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات اپنے مقتدیوں کی گھٹی میں اسقدر ڈالدی تھی اور نماز کو اطاعت کے نصب العین کیساتھ اسطرح مدغم کر دیا تھا کہ عین وسط نماز میں تحویل قبلہ کیوقت بھی انکو کچھ دقت محسوس نہ ہوئی (دیکھو صفحہ ۱۶۹) اسی تعلیم کی بنا پر عہد نبوۃ میں لوگوں نے نماز کیوقت ظاہری ضبط کا قائم رکھنا اسقدر ضروری سمجھا تھا کہ اُنکے نزدیک مسجد کے اندر وضو کرنے یا سنتیں پڑھنے سے بے ترتیبی اور انتشار کا ماحول پیدا کرنا نماز کی حکمت کے منافی تھا۔ لوگ اپنے گھروں سے وضو کر کے اور سنتیں پڑھکر آتے اور رسولِ خدا صرف فرض پڑھاتے۔ آج جبکہ الصّلوٰۃ کا اصلی رُخ بھلایا جا چکا ہے لوگ اپنی مسجدوں کے اندر وضو کرتے میں کُلیاں بھر بھر کر وضو میں پھینکتے ہیں، نالائقین عمل برباد کرتے ہیں، اور سنتیں پڑھ پڑھکر مسجد کو محشرستان فساد بنا دیتے ہیں، اور نہیں سمجھتے کہ یہ تیر طاقت و نظم کے اندر گستاخیاں ہیں جنہیں صفحہ ۵۰ کے تحت ملت میں ثابت کر دیا تھا کہ خدا تعالی کی نگاہ میں سب سے زیادہ مکروہ فتنے تفرقہ اندازی ہے اور آپس میں نفاق ہی رہنا ہی المنکر کا صحیح مفہوم ہے۔ اب اس آیہ کہ الفحشاء کا اصلی مقصود کیا ہے، قرآن حکیم

تو اسلام کی جماعت کو سیدھے سے سیدھے، چھوٹے سے چھوٹے، اور قریب سے قریب راستے سے دنیاوی نعمت اور اقتدار تمکن فی الارض اور تخلف کے اُس معراج پر پونہچا جسکو حاصل کرنیکے لیئے تو نے اپنا پاک رسول الھدیٰ و

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۸) فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (۲۴:۲۱) یعنی اے ایمان والو! ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ شیطان کے قدم بقدم نہ چلو اور اسطرح کی بیحیائی کی باتیں آپس میں نہ پھیلنے دیا کرو اور تم میں سے جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلیگا تو جان لے کہ شیطان یعنی اُسکو ایسی ہی بیحیائی کی باتیں (الفحشآء) کرنے کا حکم دیگا اور آپس میں فساد برپا کرنے اور نفاق پھیلانے (المنکر) کی ترغیب دیگا۔ اور مسلمانو! اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم شامل حال نہ ہوتا تو تم میں سے ایک فرد بھی نفس کا دل بھی آلایش عصیاں سے پاک ہوتا۔ لیکن وہ خدائے عظیم جسکو مناسب سمجھتا ہے (یشآء) تزکیہ نفس کی توفیق دیتا ہے، اور وہ بڑا نیتوں کو سمجھنے والا (سمیع) اور دلوں کی پخت و پز کو جاننے والا (علیم) ہے۔ یہاں 'الفحشآء' اور 'المنکر' دونوں کو اکٹھا کر دیا ہے اور دونوں کے مطالب کی تصریح کر دی ہے۔ گویا الفحشآء شیطان کی طرف سے نفس امارہ کو وہ باطنی ترغیب و تحریص ہے جس سے کوئی شخص اپنی قوم کے کسی فرد کے متعلق کوئی بیحیائی یا بدنامی کی بات پھیلانے پر آمادہ ہوتا ہے، اور المنکر وہ باہمی نفاق اور باطنی کدورتیں، وہ فساد آرا اور انتشار عمل ہے جو ایسی باتوں کے ناحق پھیلانے سے پیدا ہوتا ہے اور جو آج ہر مسلمان کی گھٹی میں پڑا ہے۔

اِس تمام بحث و تمحیص سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ الفحشآء سے مراد وہ انسانی عیوب ہیں جو شیطان نفس امارہ کی وساطت سے کراتا ہے اور جن میں بالتخصیص (۱) شہوات نفسانی کے ہیجان کی تدابیر اختیار کرنا (۲) محبت مال میں غلو کرنا اور خدا کیلیئے بہترین شئے نہ دینا، (۳) آبا و اجداد کی بیہودہ اور ہلاکت انگیز رسموں کی اندھا دھند تقلید کرنا، (۴) زنا کاری کیطرف مائل ہونا، (۵) افراد ملت کو بدنام کرنیکی غرض سے بیحیائی کی باتیں لوگوں میں پھیلانا، شامل ہیں۔ ان باتوں کا کرنا شیطان کا صحیح معنوں میں اتباع اور اسکی سچی عبادت ہے۔ زیر بحث آیت یعنی (۲۹:۴۵) میں کہا گیا ہے کہ الصلوٰۃ وہ شے ہے جو الفحشآء اور المنکر سے قطعاً روک دیتی ہے۔ اگر ایک شخص صحیح معنوں میں الصلوٰۃ کو خدا کے حضور میں حاضری سمجھ رہا ہے، اگر وہ دن بھر کے اعمال کے بعد الصلوٰۃ کو حاکم اعلیٰ کی پیشی میں ان اعمال کا محاسبہ سمجھتا ہے تو وہ لامحالہ فحشآء سے بچیگا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر الصلوٰۃ وہی متفقہ درخواست ہے جو تمام اسلامی جماعت کی طرف سے خدا کے حضور میں کی جاتی ہے تو اسکے بعد مسلمانوں کے آپس میں نفاق (المنکر) واقع ہونے کی گنجایش قطعاً نہیں رہتی۔ انہی معنوں میں الصلوٰۃ الصلوٰۃ ہے اور اسی لیئے اَل تخصیصی اُسپر داخل ہے۔ الصلوٰۃ کی ماہیت کے متعلق مفصل بحث چوتھی جلد میں آئیگی۔ ان اوراق میں اسکی حکمت عملی سے بحث ہے لیکن الفحشآء کی تخصیص اور تحدید جو قرآن عظیم نے متذکرہ صدر آیات میں کی ہے زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ یہ پانچوں شقیں ہر قوم کی اجتماعی زندگی کیلیئے ازبس مہلک ہیں۔ اگر مسلمانان عالم مذکورہ بالا حقیقت مجرم کی پنجوقتہ پیشی سمجھکر فواحش کی ان پانچوں قسموں سے محترز رہیں تو آج انکی بگڑی سنور سکتی ہے۔ مغربی اقوام میں دوسری، تیسری اور پانچویں شقیں اسقدر کالعدم ہیں کہ الفحشآء کا ایک عظیم حصہ انکی ہیئت اجتماعی سے بالکل نکل چکا ہے۔ ایثار مال انمیں بیحد ہے، آبا و اجداد کی واہی رسموں کی تقلید تین صدیوں سے بالکل غائب ہے، علیٰ ہذا القیاس اپنی قوم کے افراد کی بدنامی کے درپے نہ ہونا انکا قومی شعار ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ وہ پہلی اور چوتھی شق یعنی نفسانی شہوات اور زنا کاری کی طرف نسبتہً بہت زیادہ مائل ہیں اور ممکن ہے کہ زمانہ قریب میں یہی انکی اجتماعی ہلاکت کا باعث بن جائے لیکن اس موضوع پر بحث غالباً تیسری جلد میں آئے گی۔

الصلوٰۃ کی اس جامع و مانع تعریف کے بعد قرآن حکیم نے زیر بحث آیت یعنی (۲۹:۴۵) میں وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کہکر نماز کی حکمت عملی اور صحیح منتہائے نظر کو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ بعبارۃ اخریٰ یہ کہا ہے کہ الصلوٰۃ، اگرچہ دن بھر میں پانچ وقت خدا کے حضور میں حاضری اور اپنے اعمال کی جوابدہی ہے لیکن خدا کو ہمہ یاد رکھنا (ذکر اللہ)، اُس کے کٹہکا میں ہر وقت لگائے رکھنا (ذکر اللہ)، چوبیس گھنٹے اُس حاکم اعلیٰ کا خوف مجسم و رکھنا (ذکر اللہ)، غیبت و حاضری، نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں پر اسکو حاضر ناظر اور نگران اعمال یقین کرنا وہ مصلح اعمال شئے ہے جو الصلوٰۃ کے کہیں بہتر ہے (اکبر) ہے۔ انسان کو اگر یہ کیف و حال نصیب ہو جائے تو الصلوٰۃ سے بدرجہا بہتر ہے۔ ذکر کے معنی وہ نہیں جو لوگوں نے نہایت نافہمی سے وضع کر لیئے ہیں اور وہ یہ کہ سب کاروبار چھوڑ کر تسبیح ہاتھ میں لے لیں اور خدا کا نام تمام دن رٹ رٹ کر بے اثر کرتے رہیں۔ یہ تشریح نہایت پھیکی اور مضحکہ انگیز ہے اور واللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ تمام دنیاوی کاروبار کے ضمن میں خدا کا کٹہکا لگائے رکھنا اور ان اعمال کو قانون خدا کے مطابق کرنا ہی ذکر خدا ہے۔

انکسار کے اس ملکوتی ارتعاش میں سب شخصی معاملات اور ذاتی تمناؤں کو بالائے طاق رکھکر، جو تنہا اور اہم سوال تمام جماعت کی طرف سے متفقہ طور پر، بآواز بلند پیش کیا جاتا تھا یہ تھا کہ اے بار الٰہا!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۷) کھینچتا پھرتا تھا کہ اُنکے عیوب اور شرمگاہیں اُنپر ظاہر ہو جائیں، وہ بمع اپنے چیلے چانٹوں کے تمہاری گھات میں لگا ہے اور تمکو وہاں سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم اُسکو نہیں دیکھتے، پس تم اُس سے حتی الوسع بچتے رہو اور اُسکے دام تزویر میں پھنسکر اپنے آپ کو شکار ہونے اور اپنی شرمگاہوں کو عیاں کرنے کا موقع نہ دو۔ لوگو! ہم نے اس دنیا میں اُن لوگوں کو جو ایمان کے قوت افزا اعمال و خصائص سے بے بہرہ ہیں (اَلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ) انہی شیطانوں کا محب صمیم (اَوْلِیَآءَ) بنا رکھا ہے۔ اور یہ بے ایمان لوگ وہ ہیں کہ جب جب کوئی مفسر قوم، اُمت کُش، یا موت افزا عمل (فَاحِشَۃً) کرتے ہیں تو اپنی عیب پوشی کے لیے یہ بہانہ ایجاد کر لیتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو شروع سے یہی کرتے دیکھا ہے، بلکہ درحقیقت خدا نے ہم کو اس کام کا حکم دے رکھا ہے، اے محمد! ان نادانوں سے کہہ دو کہ خدا ہرگز کسی بیہودہ کام (الْفَحْشَآءِ) کا حکم نہیں دیتا جسکا انجام ہلاکت ہو، جسکا نتیجہ حفظ و امن کے جنت سے اخراج ہو، کیا تم جھوٹ موٹ خدا پر وہ باتیں تھوپ رہے ہو جن کا تمہیں علم نہیں۔

یہ قصہ نہایت نتیجہ خیز ہے اور اسکا انطباق جو انسان کی موجودہ نسلوں پر کیا گیا ہے اور بھی عبرت انگیز ہے مگر نفس قصے سے یہاں پر بحث نہیں نہ آدم اور شیطان کی شخصیتوں سے البتہ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر الْفَحْشَآءِ سے مراد قوم کے وہ پشتینی عیوب اور اجتماعی بداعمالیاں ہیں جو لوگ نہایت وثوق سے بدیں خیال کرتے ہیں کہ باپ دادا سے چلی آئی ہیں، اور اس نقطہ نظر سے خدا کا حکم ہیں۔ ان بداعمالیوں میں مثال کے طور پر فرقہ بندیاں، گور پرستی، رسوم قبیحہ، اعتقادات واہیہ وغیرہ شامل ہیں جن کا نتیجہ بحیثیت مجموعی یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کے اجتماعی (سَوْاٰن) عیوب روز بروز عیاں ہوتے جاتے ہیں، اور بالآخر وہ ساری کی ساری قوم شیطان کو دوست رکھنے کے جرم میں قوت اور امن کے دار السلام سے بیک بینی و دو گوش نکال دیجاتی ہے۔ فَحْشَآءِ کے ان معانی کی تائید ان آیات سے اگلی آیت سے بھی ہوتی ہے جو متن کتاب میں صفحہ ۲۰۱، ۲۰۶ پر آچکی ہے: قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ فقط وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۝ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ (۷: ۲۹) یعنی اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ ان بداعتدالیوں کا حکم ہرگز کہیں نہیں دیا گیا بلکہ میرے پروردگار نے تو مجھے بہر نوع قسط و اعتدال پر پر رہنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہر سجدے کے وقت ہمہ تن متوجہ ہو جایا کرو، اور تمام ارادتمندی اور اخلاص اس احکم الحاکمین کے لیے وقف کر کے اس کے حضور میں کرا ہو، جانے رہو کہ تم اسی طرح بے یار و مددگار اُس کے حضور میں واپس آؤ گے جس طرح کہ تم روز آفرینش کو تھے۔"

اس آیت میں صاف کسی ماسوا کو وسیلہ نہ بنانے اور خالصۃً خدا کی غلامی اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ہر معاملے میں حد سے تجاوز نہ کرنے (قِسْط) کو پیش نظر رکھنے کی تلقین کی ہے۔ ان تینوں آیتوں میں ظاہر ہے کہ اول سے آخر تک ربط تبھی مکمل ہو سکتا ہے جب الْفَحْشَآءِ کو ان معنوں میں لیا جائے جو ہم نے کیے ورنہ الْفَحْشَآءِ کے بالمقابل الْقِسْطِ اور اُدْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ کے الفاظ ٹھیک نہیں بیٹھتے۔ الْفَحْشَآءِ کا ذکر قرآن حکیم میں اور جگہ بھی ہے۔ مثلاً یوسفؑ اور زلیخا کے مشہور قصے میں جب اول الذکر بدفعلی سے صاف بچ نکلے تو فرمایا: وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ۚ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ۝ (۱۲: ۲۴) "اور وہ عورت تو یوسف کے ساتھ ارادۂ بد کر ہی چکی تھی اور علی ہذا القیاس اگر یوسفؑ کو اپنے خدا کے احکم الحاکمین اور حاضر و ناظر ہونے کی دلیل اُسوقت آنکھوں کے سامنے نہ پھر جاتی تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ ارادۂ بد کر بیٹھتے، اور یہ اسباب ہم نے اس لیے پیدا کر دیے کہ یوسفؑ کو بدکاری اور بے حیائی سے باز رکھیں، اس میں شک نہیں کہ وہ ہمارے خالص اطاعت گذاروں میں سے تھا۔" یہاں الْفَحْشَآءِ سے مراد صاف زناکاری اور بے حیائی ہے۔ سورۂ نحل میں خدا کے متعلق یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ (۱۶: ۹۰) ہے مگر وہاں الْفَحْشَآءِ کا مفہوم کچھ نہیں دیا۔ سورۂ نور میں قصہ افک کے متعلق حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی بریت کے بعد ایمان والوں سے خطاب ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ۭ وَمَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ

الصِّرَاطَ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۱) کہ کوئی سند سورہ فاتحہ کے اندر موجود نہیں، اور نہ اس فیصلے سے، خواہ وہ تمام مسلمانانِ عالم کا متفقہ فیصلہ ہی کیوں نہ ہو، قانونِ خدا یا قولِ ربّ العالمین کے مفہوم میں کوئی تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔ جو بات کسی دلیل کی محتاج نہیں یہ ہے کہ ربّ زمین و آسمان نے ان آیاتِ شریفہ میں ہر مسلمان کو دن میں پانچ وقت بلکہ ہر نماز میں کئی دفعہ صراطِ مستقیم پر رہنے کی دعا سکھلائی ہے، گویا یہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ہی وہ شے ہے جس سے ہر انسان کے بھٹک جانے کا ہر لحظہ خطرہ ہے، ہر مسلمان کے اس راہ سے بے راہ ہو جانے کا ہر آن امکان ہے، اور جب تک اسکی تمام توجہ صرف نہو، اُسکا اِسپر از خود چلتے رہنا محال ہے۔ یہ سیدھی سادی دلیل ہر ہوشمند شخص کو اس نتیجے پر پونہچا دیتی ہے کہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر قائم رہنے کے لیے بیحد جدوجہد کی ضرورت ہے اور جب تک وہ سعی و عمل جاری ہے ایک مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان ہے۔ اگلے وقتوں کے ہوشمند، دقیقہ رس اور اسلام شناس عُلما نے اِس حقیقت کبریٰ کو اِن نہایت خوب صورت، بلیغ، اور نتیجہ خیز الفاظ میں ادا کیا تھا کہ اسلام کا صراطِ مستقیم ایک نہایت دشوار گذار **بال سے سوا باریک، اور تلوار سے سوا تیز رستہ ہی** جسپر سے ہر متنفس کو گذرنا ہے، جو شخص **مسلمان** ہے وہ اس رستے پر سے آسانی سے گذر جائے گا (کیونکہ مسلمانی کی شرط ہی جید ہر لحظہ سعی و عمل کرتے رہنا اور باحتیاط تمام اِس راہ کو عبور کرنے کی سعی کرنا ہے) جو مسلمان نہیں وہ کٹ مر کر جہنم میں جا گرے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔" بعد کے جاہل کٹ ملاؤں نے ان الفاظ کی حقیقت کو توڑ مروڑ کر صراطِ مستقیم کو عالمِ آخرت کے دوزخ کا کوئی پُل بنا دیا۔ اور سعی و عمل سے گریز کرنے کا بہانہ ڈھونڈنے کے لیے اِس معنی خیز بیان کو احوالِ قیامت کا ایک واقعہ بنا کر اعلان کر دیا کہ اِس پُلصراط پر سے ہر شخص گذرے گا مسلمان اپنی قربانیوں کے دُنبوں پر سوار ہو کر سرپٹ جنّت میں جا داخل ہوں گے۔ یہودی اور نصرانی وغیرہ کٹ کٹ کر دوزخ میں دھڑام سے گر پڑینگے! آج یہ سب حکایت حقیقت سے اسقدر دور ہو گئی ہے کہ ہر سلیم الذہن شخص اِس کو سُنکر بے اختیار ہنس پڑتا ہے اور مسلمانیت کو بیہودہ افسانوں کا مجموعہ قرار دے کر اس سے یکسر متنفر ہو جاتا ہے!

ادنیٰ تامل بھی ہر شخص کو اس نتیجے پر پونہچا دیتا ہے کہ جو خطِ مستقیم بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز ہو اُس پر چلتے رہنا کس قدر انتہائی احتیاط کا کام ہے اور اسمیں اِدہر اُدہر ہٹنے کی کسقدر کم گنجایش ہے۔ نہیں بلکہ جس طرح کوئی بازیگر کسی رسّی پر چلتے ہوئے تمام توجہ **عدل و توازن** قائم رکھنے میں صرف کر دیتا ہے اسی طرح کسی اُمت کا ہر لحظہ اپنی تمام احتیاط **قسط و اعتدال پر رہنے میں صرف کر دینا صراطِ مستقیم پر چلنے کے مترادف ہی** ہے۔ دینِ اسلام کا یہ اصل اصول قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ (۷، ۲۹) کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے جو اس سے پیشتر صفحہ ۲۰۱ پر آچکے ہیں۔ اصل کتاب میں آئندہ اوراق (صفحہ ۲۲۶-۲۴۶) میں صراطِ مستقیم کی قرآنی تعریف بصراحت تمام بیان کر دی جائے گی۔ جس کے مطالعے کے بعد واضح ہو جائے گا کہ جو اُمت صراطِ مستقیم کے اِس مفہوم پر بعبور تمام اور بسعیِ اتم چل رہی ہے اُس کا اِس دنیا میں قوت اور تمکّن سے رہنا اٹل ہے، اُس کا بقا فی الارض اور استخلاف قطعی ہے، کوئی دوسری قوم اُسکے بالمقابل صف آرا ہو کر اُسکو میدانِ حیات میں پچھاڑ نہیں سکتی، سب دنیاوی انعام اور افضال الٰہی اُس قوم کے شاملِ حال ہو رہے ہیں اور رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ دنیاوی تمکّن ہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس کی تعریف ربّ زمین و آسمان نے صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے الفاظ میں کی ہے۔ اور اسی سے ہٹ کر قومیں مغضوب علیہم بن جاتی ہیں یا الضَّالِّينَ میں شمار ہو کر شدید العقاب خدا کے عذاب کو دعوت دیتی ہیں۔ اِن آیات میں یہود و نصاریٰ کی حتماً کوئی تخصیص نہیں اور نہ مسلمان بالخصوص الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں وہ بلاشبہ اُس وقت تھے جب فیضِ رس خدا کے انعام اُن کو ہر طرف سے مالا مال کر رہے تھے مگر اب سب طرف قہرِ خدا ہے۔ تاہم نماز میں پنجوقتہ گذارش اِسی کی ہے کہ ہم کو اُس صراطِ مستقیم پر چلا۔ جسپر چلنے سے تو خوش ہو جائے اور دنیاوی انعامات اور تمکّن سے مالا مال کر دے۔ یہی دعا ایک تنخواہ دار غلام کی اپنے آقا سے ہو سکتی ہے، اور اسی صلاحیت عمل کا کوئی آقا اپنے غلاموں سے متمنّی ہو سکتا ہے۔ 'اِهْدِنَا' اور 'الَّذِينَ' اور 'عَلَيْهِمْ' اور 'الضَّالِّينَ' کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ انعام اور سزائیں سب **اجتماعی** ہیں۔ اور اسی لیے الصَّلٰوۃ خدا کے حضور میں قوم کی طرف سے ایک **متفقہ درخواست** ہے، افراد کا اپنی جماعت سے الگ ہو کر اس دعا کو حضورِ خدا میں گذارنا ایسا ہی بے معنی ہے جیسا کہ کسی مسلمان کا افراد

دِیْنِ الْحَقّ ساتھ دے کر بھیجا تھا!

اِھْدِنَا

✝ اَلْھُدٰی اور دِیْنِ الْحَقّ کا اشارہ آیہ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ (۶۱ : ۹) کی طرف ہے جو صفحہ ۱۸۲ پر سنتہائے اسلام کی تعیین کے ضمن میں پیش کی گئی تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس اَلْھُدٰی کے بھیجے جانے کا ذکر اس آیت میں ہے، اسکی ایک اہم شق کی توضیح صفحہ ۱۹۲ وغیرہ پر ہو چکی ہے جہاں یہ ثابت کر دیا ہے کہ اَلْھُدٰی کا اتنی مفہوم وُہ استعداد و مصالحت و اتحاد ہے جو پیغمبر آخر الزمانؐ نے عرب قوم کے اندر ایک قلیل مدت میں پیدا کر دی تھی اور جو صحیح معنوں میں لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کا باعث ہوئی۔ دِیْنِ الْحَقّ کے معنی سچائی کی راہ عمل کے ہیں گویا سورۂ فاتحہ میں جس اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پر چلنے کی درخواست پنجوقتہ ہوتی ہے وہ یہی دِیْنِ الْحَقّ ہے جو رسول خدا کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ اگلے اوراق میں اسی صراط مستقیم کی تبیین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ کیا ہے اور کیونکر لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ یا اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کا مصداق بنا، اسکا ذکر

✝ ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے سورۂ فاتحہ کا صحیح مفہوم پا لینا، اور بعد ازاں اسکو پیش نظر رکھکر زندگی کا منتہائے عمل بنانا اشد اہم ہے کہ اسکے بغیر نہ کوئی نماز صحیح معنوں میں نماز ہے اور نہ اُس غرض و مطلب کے لیے کوئی مستقل عمل پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر آج قرنہا قرن کے تدریجی نسیان اور فقدان علم کے بعد اوسط مسلمان کو یہ بھی پتہ نہیں رہا کہ وہ خدا کے حضور میں پنجوقتہ ہاتھ باندھ کر کیا مانگ رہا ہے، وہ سیدھے سے کچھ مانگتا بھی ہے یا نہیں، یہ رکوع و سجود کیوں ہیں، یہ اُٹھنا بیٹھنا کس مطلب کے ہے، یہ ظاہری ادب اور مسلسل قومے اور قعدے کس اضطراب دل کے مظاہر ہیں، اگر یہ سب جو نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیئیس ۲۳ برس کے مسلسل عمل کے بعد پڑھایا تھا قطعاً بھولا جا چکا ہے تو ایسی نماز سوائے اس کے کہ وہ کچھ بن جائے جو آجکل ہے اور کیا ہو سکتی ہے۔ ان آیات میں بعض امور نہایت غور طلب ہیں: 'اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ' کیا شے ہے؟ اگر اس کی تعریف صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہے تو اس میں 'اَنْعَمْتَ' کا کیا مفہوم ہے؟ 'الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ' سے بعینہٖ کون مراد ہیں؟ 'الضَّآلِّیْنَ' کے مصداق کون لوگ ہیں؟ یہ سب سوالات ایسے ہیں کہ ان کے اطمینان بخش حل کے بغیر 'الصلوٰۃ' کی ماہیت کو سمجھنا ازبس محال ہے۔

شارحین کلام الٰہی نے بالعموم ان عظیم الشان آیات کے مطالب کو اپنے مشہور خود پسندانہ اور متحکمانہ لہجے میں بیان فرما کر چند جملوں میں مرتفع کر دیا ہے۔ اُن کے نزدیک 'اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ' دین اسلام کا سیدھا رستہ ہے۔ گویا تعریف المجہول بالمجہول ہے۔ 'اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ' سے مراد اُنکی رائے میں 'روحانی نعمتیں' ہیں جن کے اہل روز ازل سے 'مسلمان' قرار پا چکے ہیں۔ 'اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ' یہودی ہیں جن پر قہر خدا صدیاں گذریں نازل ہوا تھا اور اب تک اُن کی اولاد پر نازل ہو رہا ہے۔ 'اَلضَّآلِّیْنَ' نصرانی لوگ ہیں جن پر غضب خدا آنے والا ہے اور اُن کی گمراہی مُسلّم ہے۔ گویا اس مقام نظر سے مسلمان دن میں پانچوقت وہ شے مانگ رہا ہے جو اسکو الحال حاصل ہے۔ اور ابد الآباد تک حاصل رہے گی بشرطیکہ منہ سے مسلمان بنا رہے! آج یہ ناروا تخیل ہر مسلمان کی قلیم خیال میں اسقدر مستحکم اور متمکن ہو گیا ہے کہ کوئی دلیل اُسکو اقوام عالم کی اس مفروضہ صدر نشینی سے ہٹانیکے لیے کارگر نہیں ہوتی، بلکہ لطف یہ ہے کہ جب اُسکو اسلامی اُمت کی خستہ حالی اور نصرانی کی دنیاوی خوشحالی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ غیظ و غضب میں آکر اور بھی اپنے آپ کو خدا کا منظور نظر اور 'اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ' کا صحیح مصداق شمار کرتا ہے۔ اور اس کرسی نشینی سے دست بردار ہونا اپنے لیے گناہ سمجھکر روحانیت کی نادیدہ اور ناقابل درک کشور میں سر چھپا لیتا ہے۔ اسکی نظروں میں نصرانی بہر نوع مستوجب عذاب ہیں، اُن سے خدا بیحد ناخوش ہے۔ یہ انعام جو آج انکو مل رہے ہیں بلا استحقاق مل رہے ہیں۔ نہیں بلکہ اُسکے نزدیک آج دنیاوی نعمت کچھ شے نہیں رہی، اگرچہ تیرہ سو برس سے وہ اسی دنیاوی نعمت کا راگ الاپتے ہوئے بادشاہت زمین کو اپنے منظور خدا ہونے کا ثبوت دیتا رہا ہے، اور طرفہ تر یہ کہ اسکو یہود کے مغضوب علیہم ہونے کا اعتراف بھی اکثر اسی بنا پر ہے کہ اُنکی قوم پر اجتماعی مسکنت اور ذلت چھا رہی ہے، اُنکی کوئی زمینی بادشاہت نہیں رہی، وہ دنیا کے ملکوں میں دربدر اور مارے مارے پھر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ مگر جب اسی حالت کا اطلاق آج بعینہٖ اپنے آپ پر ہوتا ہوا دیکھتا ہے تو اسکا ذہن سلیم اسکو جواب دے دیتا ہے، اور وہ باصرار اسی خیال پر قائم ہو جاتا ہے کہ مسلمان باوجود اس زبون حالت کے 'صراط مستقیم' پر ہیں، 'اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ' ہیں، مغضوب علیہم ہرگز نہیں، 'اَلضَّآلِّیْنَ' بننے کا امکان اُن کے حق قطعاً نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس دل خوش کن تخیل کی ظاہر

صراط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۲) اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (۴۶: ۱۵)

اور لوگو! ہم نے انسان کو حکم دیدیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے، وہ فی الحقیقت اس سلوک کے مستحق بھی ہیں کیونکہ تکلیف اٹھاکر ہی اسکی ماں نے اسکو پیٹ میں رکھا، اور دردناک اذیت کے بعد ہی اسکو جنا، پھر یہی نہیں بلکہ اس کا پیٹ میں رہنا اور اسکے دودھ کا چھوٹنا کچھ ڈھائی برس میں جاکر ختم ہوتا ہے (لیکن انسان وہ ناشکرا اور احکام خدا سے باغی انسان ہے کہ ماں کی ان تکالیف کی کماحقہٗ پروا نہیں کرتا اور طفولیت کی نادانیوں اور کم عقلیوں میں مست رہکر ماں باپ سے اینٹھا اینٹھا پھرتا ہے اور اُسکے احسان کو کچھ خاطر میں نہیں لاتا۔ اُسکو صحیح معنوں میں ہوش نہیں آتی) جب تک کہ آخر کار وہ سن رشد و تمیز کے کمال کو پونہچکر آپ چالیس برس کی عمر کا ہوجاتا ہے (حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ) پھر جب باپ بن کر خود اُن تکالیف کو سہنے لگتا ہے تو بزبان حال پکار اٹھتا ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے اس بات کی توفیق دے (قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ) کہ میں تیری ان نعمتوں کی صحیح معنوں میں قدر کروں (اَنْ اَشْكُرَ ؛ دیکھو شکر کے معانی تحت المتن صفحہ ۱۳۷) جو تم نے بمیر طفولیت میں عطا کی نہیں اور آج کر رہا ہے، اور جو میرے ماں باپ پر کی ہیں، اور مجھے توفیق دے کہ میں وہ مناسب اعمال کروں جسے تو راضی ہوجائے، اور میری اولاد کو بھی (جو ہماری میاں بیوی کی تکالیف سے پیدا ہے) مناسب راہ پر لا (وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ) میں تو اب چالیس برس کی غفلت کے بعد تیری ہی طرف لوٹ آیا ہوں (اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ) اور صحیح معنوں میں تیرے احکام کو پر از حکمت سمجھکر انکو تسلیم کرتا ہوں۔

(قرآن کی بلاغت یہی ہے کہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطلب ادا ہوجائے اور ہر صاحب غور و فکر فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس آیہ شریفہ کا بعینہٖ یہی مطلب ہے جو بیان ہوا۔ اسمیں انسان کی فطرت اور عادت مستمرہ کو واضح کیا گیا ہے۔ چالیس برس کی عمر کو پونہچکر حقیقت حال کا کھلنا ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔ زندگی کی اسی منزل پر استعداد و تمیز حد کو پونہچ جاتی ہے اور انسان کو اپنی ماہیت پر غور کرنے اور اس دنیا جہان کے کارخانے کو بنظر تعمق دیکھنے کی اہلیت پیدا ہوجاتی ہے۔ خود رسول خدا صلعم کو نبوت کا خلعت بھی اسی عمر میں عطا ہوا تھا۔ فافہم وتدبر۔ لیکن اس بحث سے قطع نظر، اس آیہ شریفہ میں 'بلغ' کا مفہوم سراسر دنیاوی احسان ہی ہیں۔ روحانیت کا یہاں پر کچھ ذکر نہیں۔ سورۂ یوسف میں علیٰ ہذا القیاس تاویل احادیث کے علم کو اتمام نعمت قرار دیا ہے۔ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (۱۲: ۶)، یعنی "اسی طرح خدا تم کو 'تاویل احادیث' کا علم سکھادے گا اور اپنی نعمت کا تمہیں اتمام کرے گا"۔ 'تاویل احادیث' کے صحیح مفہوم سے یہاں پر بحث نہیں مگر ظاہر ہے کہ تحصیل علم کو یہاں پر نعمت فرمایا ہے۔ سورۂ نساء آیۂ (۴: ۷۲) میں اَنْعَمَ اللّٰهُ کے الفاظ دنیاوی مصیبت سے نجات پانے کے معنوں میں آئے ہیں اور وہ آیت صفحہ ۱۲۵ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے مگر یہاں پر اُس سے استدلال نہیں کیا کہ وہ الفاظ بطور قول غیر استعمال ہوئے ہیں نعمت الٰہی مقصود اُن سے مستنبط کرنا روا نہیں سمجھا!

(ب) انسان کی ناقدر شناسی کے ضمن میں کئی جگہ لفظ نعمت کا ذکر ہے جس سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں۔ سورۂ زمر میں ہے فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ۝ (۳۹: ۴۹)، یعنی "انسان کی عادت ہے کہ جب اُسکو کوئی تکلیف پونہچے تو ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اسکو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجھکو میرے علم کی وجہ سے ملی ہے"۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ میں ہے: وَاِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ۝ (۴۱: ۵۱)، یعنی جب ہم انسان پر اپنا دنیاوی فضل و کرم کرتے ہیں تو وہ ہم سے منہ پھیر کر کنارہ کش ہوجاتا ہے اور جب اُسکو کوئی تکلیف پونہچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے"۔ سورۂ بنی اسرائیل میں قریب قریب یہی مضمون ہے: وَاِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ۝ (۱۷: ۸۳)، یعنی "..... تکلیف کے وقت آس توڑ بیٹھتا ہے"۔ ان دونوں موقعوں پر اَنْعَمْنَا عَلٰی کے الفاظ قابل لحاظ ہیں۔ سورۂ زمر کے شروع میں پھر اسی دنیاوی نعمت کا ذکر ہے: وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا

اَلْمُسْتَقِيْمَ ۙ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۱) قوم سے الگ تھلگ ہو کر صراط مستقیم پر چلنے کی سعی کرنا جیسا کہ آگے چلکر اس وقت واضح ہوگا جب کہ صراط مستقیم کے متعلق سب اعمال اجتماعی ثابت کر دیئے جائینگے پیغمبر خدا صلعم نے اسی مقام نظم سے الصلوٰۃ کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے باصرار تمام فرمایا تھا کہ جماعت کے بغیر کوئی نماز فی الحقیقت نماز نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، کے الفاظ سے دنیاوی نعمتیں ہی مراد ہیں، یہ نماز کی رکعتوں میں دمبدم اُٹھنا اور بیٹھنا، یہ حکم الحاکمین کے حضور میں دست بستہ کھڑا ہونا، یہ گھٹنوں کے بل جھک جانا اور بار بار ماتھا رگڑنا، پھر اُٹھنا اور رگڑ رگڑانا، وغیرہ وغیرہ سب کچھ دنیاوی انعام کی امید اور اجتماعی سزا کے خوف سے تھا۔ اس کا ثبوت خود قرآن کے اندر موجود ہے۔ قرآن حکیم میں نعمت کا لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے مگر ماسوا اُن شاذ موقعوں کے جن کا ذکر آگے چلکر آئے گا سب جگہ نعمت سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں روحانی نعمتوں کا جنکے صحیح معانی کی تعیین بھی از بس مشکل ہے، قرآن حکیم میں کہیں ذکر نہیں۔ توضیح مطالب کے لیئے یہ سب موقعے یہاں پر لکھ دیئے جاتے ہیں مگر خوف طوالت کے باعث بعض حوالوں کو مختصراً بیان کر دیا ہے۔ مزید معلومات کے لیئے سیاق کلام کو دیکھنا چاہیئے۔

(الف) سورۂ انفال میں ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ" (۸: ۵۳) یعنی "یہ اس وجہ سے کہ خدا کا دستور ہے کہ وہ کسی قوم پر سے اپنی عطا کی ہوئی نعمت کو نہیں بدلتا جب تک کہ لوگ آپ اپنی استعداد کو نہ بدلیں"۔ یہاں نعمت صاف دنیاوی راحت اور امن ہے، اور اَنْعَمَهَا عَلٰى، کے الفاظ بھی آئے ہیں جن کی مماثلت سورہ فاتحہ کے اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے عیاں ہے۔

سورۂ ابراہیم میں دنیاوی نعمتوں کی تفصیل کے بعد فرمایا ہے: وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ (۱۴: ۳۴) اور لوگو! اُس نے تم کو جو کچھ تم نے مانگا بقدر ضرورت دیا، اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز نہ گن سکو گے"۔ یہی بات آیت (۱۸: ۱۶) میں ہے مگر اُسکے اعادے کی ضرورت نہیں۔ سورۂ لقمان میں کشتیوں کے سمندر میں چلنے اور اس ترکیب سے انسان کے لیئے سہولت سفر پیدا کرنے کو بھی نعمت الٰہی کہا گیا ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (۳۱: ۳۱) یعنی "اے مخاطب! کیا تو نے اس حیرت انگیز حقیقت پر غور نہیں کیا کہ کشتیاں سمندر میں خدا کی نعمت (احسان) کے باعث چل رہی ہیں، اور یہ اسلیئے کہ خدا تم کو اپنی قدرت کے حیرت انگیز عجوبات دکھلائے! اسمیں شک نہیں کہ عجائبات قدرت پر استقلال سے ہر غور کرنے والے (صَبَّارٍ دیکھو صبر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۱۸) اور نعمتہائے خدا کے صحیح معنوں میں قدردان (شَكُوْرٍ دیکھو شکر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۳۷) شخص کے لیئے کشتیوں کے سطح سمندر پر چلنے میں علم و عمل کے بہتیرے اشارات (لَاٰيٰتٍ) موجود ہیں"۔ علیٰ ہذا القیاس سورۂ قمر میں کنکروں کے پتھراؤ سے آل لوط کی نجات کو نعمت خدا کہا ہے: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ (۵۴: ۳۴-۳۵) یعنی "پھر ہم نے اُس قوم پر پتھروں کی بارش کی مگر خاندان لوط کے لوگوں کو ہم صبح ہوتے ہوتے بچا لے گئے، یہ ہمارے ہاں سے آل لوط پر نعمت تھی اور جو لوگ ہمارے احکام کی قدردانی کر کے اُن کی کما حقہ تعمیل کرتے ہیں (مَنْ شَكَرَ دیکھو شکر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۳۷) انکو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں"۔ سورۂ قلم میں حضرت یونس کے مچھلی کے پیٹ سے نکل کر نجات پانے کو نعمت خدا سے تعبیر کیا ہے۔ گویا اِس موقع پر بھی نعمت دنیاوی مصیبت سے نجات پانے کے مترادف ہے، روحانیت سے اسکو کچھ واسطہ نہیں: لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ (۶۸: ۴۹)، یعنی "اگر خدائے رحیم کا فضل و کرم ان کی دستگیری نہ کرتا تو برے حالوں چٹیل میدان میں پھینک دیئے ہوتے"۔ سورۂ احقاف میں نعمت کا دنیاوی مفہوم ذرا واضح تر ہے۔ چنانچہ اس نہایت دقیق آیت کے مطالب جسمیں اَنْعَمْتَ عَلَيَّ کے الفاظ قابل لحاظ ہیں ہمانپر تمام کمال لکھے جاتے ہیں:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۴)، یعنی "کیا تم لوگوں نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ خدا نے تمہارے فائدے اور استفادے کیلئے آسمان اور زمین کے اندر جو کچھ ہے تسخیر کر رکھا ہے، اور اِس تسخیر کے باعث گویا اپنی ظاہری اور باطنی سب نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں"۔ یہ آیہ جلیلہ ناقابل انکار طور پر اِس حقیقت کبریٰ کی مؤید ہے کہ اشیائے فطرت سے استفادہ کرنا ہی ظاہری اور باطنی نعمتوں کی تکمیل ہے، گویا نعمت کا کامل اور مکمل مفہوم خدا کی تمام بنائی ہوئی اشیاء کا جائز استعمال ہی ہے، اِسکے ماسوا حتماً کچھ نہیں۔ یہاں پر روحانی نعمتوں کے وجود کی یکسر تغلیط ہو جاتی ہے اور جیسا کہ چوتھی مجلد میں علم کے عنوان میں واضح کر دیا جائے گا فطرت کی اشیاء کے صحیح استعمال کے اندر اور اُس کے ضمن میں ہی 'روحانیت' کے تمام مدارج کی تکمیل بھی ہو سکتی ہے۔ اور یہی وہ اوج مرتبت ہے جس کے حاصل ہونے کے بغیر کسی قوم کا اِس دنیا میں تمکن ناممکن ہے۔ (کتاب کے عربی افتتاحیہ میں قرآن حکیم کی اِس تعلیم کی ایک جھلک دکھلا دی گئی ہے (دیکھو صفحہ ۳۸-۴۸)

(۵) انسانوں کی طرف، عام خطاب سے قطع نظر بنی اسرائیل کیطرف خدائی خطابات بھی اسی حقیقت کبریٰ کو ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن حکیم میں نعمت کا مفہوم دنیاوی افضال و اکرام ہی ہے۔ سورۂ ابراہیم میں حضرت موسیٰ کا قول ہے: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ (۱۴: ۶) یعنی "ایک وہ وقت تھا کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے لوگو! خدا کی اُس نعمت کو یاد کرو جب اُس نے تم کو فرعون کے لوگوں کے ظلم سے نجات دی تھی، وہ تم کو غلامی میں رکھکر دردناک طور پر تکلیفیں دیتے، تمہارے بیٹوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کرتے کہ تم تعداد میں تھوڑے رہ جاؤ، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے کہ لونڈیاں بنکر رہیں"۔ یہاں ایک قوم کی سیاسی نجات کو نعمت خدا کہا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے، وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۵: ۲۰)، "اور ایک وہ وقت تھا کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے لوگو! خدا کی اُس عظیم الشان نعمت کو یاد کرو جب کہ اُسنے تم ہی میں کے پے در پے کئی پیغمبر تمہاری ہدایت کیلئے بھیجے پھر تم کو بادشاہ بنا دیا، اور وہ وہ انعامات عطا فرمائے جو دنیا جہان میں کسی قوم کو نہ دیئے تھے"۔ یہاں ایک سطح بین شخص کہہ سکتا ہے کہ انبیاء کا بنی اسرائیل میں مبعوث ہونا ایک روحانی نعمت تھی، لیکن ادنیٰ تامل بھی اِس نتیجے پر پونہچا دیتا ہے کہ اِن انبیاء کا آنا درحقیقت اُس قوم کی تباہی اور دنیاوی بہتری کے لیئے ہی تھا، جیسا کہ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا اور اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ خود موسیٰ علیہ السلام کا پیش نہاد بھی بنی اسرائیل کو فراعنہ مصر کے مظالم سے نجات دینا، اور اُس قوم کو قانون خدا کا پابند بنا کر بادشاہ بنانا ہی تھا جیسا کہ متذکرۂ صدر آیت (۱۴: ۶) سے بھی ظاہر ہے۔ نہیں بلکہ اِس آیت سے بعد کی آیتیں (یعنی ۵: ۲۱-۲۶)، جس میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارض مقدس پر حملہ کرنے اور دشمن سے مردانہ وار لڑکر بادشاہت زمین حاصل کرنے کی زبردست ترغیب دی ہے، پیغمبری کے منتہا، اور جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ کی نعمت کے مفہوم کو اظہر من الشمس کر دیتی ہیں۔ آگے چلکر اسی تحت المتن میں اس واقعے کی مزید تفصیل کر دیجائے گی لیکن ہر صاحب نظر بطور خود دیکھ سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کے پیغمبر، بشمولیت موسیٰ علیہ السلام، اُس قوم کو اِس دنیا میں متمکن اور مستلط کرنے کیلئے ہی مبعوث ہوئے تھے۔ اور یہ اجتماعی بقا کی بشارت دینا ہی ہر مرسل کا پیغام جلیل ہوا کرتا ہے جیسا کہ صفحہ ۱۸۱ کے تحت المتن میں واضح کر دیا گیا ہے۔ نبی اپنی قوم کے لیئے یا تمام دنیا کے لیئے چند روشن احکام خدا کے ہاں سے لے آتا ہے، پھر جبتک لوگ اُنپر عامل رہتے ہیں اجتماعی بقا کی بشارت اُنکو ملتی رہتی ہے، جب اُس راہ سے ہٹ جاتے ہیں ہلاک ہو جاتے ہیں، یہی سچی روحانیت، اور صحیح معنوں میں نعمت ہے۔ اِسی حقیقت کبریٰ کو اللہ صاحب نے سورۂ بقرہ میں دوسرے لفظوں میں واضح کیا ہے: سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۲: ۲۱۱)، یعنی "اے محمدؐ! تم بنی اسرائیل سے پوچھو تو سہی کہ ہم نے اُن کو کیا کچھ روشن قانون اور کتنے کھلے کھلے اور غیر مشکوک حکم دیئے تھے (اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ)، (وہ اگر اُنپر عامل رہتے تو ہمارے خزانۂ عامرہ سے کیا کیا انعام نہ پاتے) لیکن جس قوم نے خدا کی نعمت کو اُسکے آنے پیچھے

الدّین

(بقیہ تحت المتن صفحہ ٢١٣) إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوٓا إِلَيْهِ مِن قَبْلُ (٣٩: ٨)" یعنی جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو خدا کی طرف ہمہ تن رجوع ہو کر کراہتا ہے، پھر جب خدا اپنی طرف سے کوئی نعمت اُسکو عطا کرتا ہے تو جس مطلب کے لیے اُس نے خدا کو پہلے پکارا تھا اُسکو بھلا دیتا ہے۔" سورہ نحل میں ایک جگہ اسی قطع کی یاد دہانی ہے: وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْـَٔرُونَ (١٦: ٥٣)، یعنی "لوگو! جسقدر نعمتیں تم کو مل رہی ہیں سب خدا ہی کی طرف سے ہیں، پھر جب تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اُسی کے آگے آہ و زاری کرتے ہو۔" سورۂ ہود میں پھر اسی ناشکر انسان کا ذکر ہے، وَلَئِنْ أَذَقْنَٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّـَٔاتُ عَنِّيٓ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ (١١: ١٠)، یعنی "اور اگر اسکو کسی تکلیف کے بعد نعمتہائے الٰہی کی لذت چکھائیں تو وہ کہنے لگتا ہے کہ اب میری سب بدحالیاں (السّیّئات) دور ہو گئیں، اسمیں شک نہیں کہ انسان بڑا جلد خوش ہو جانے والا اور جلد شیخی میں آجانے والا ہے۔"

(ج) دنیاوی نعمتوں کے بارے میں انسان کو خطاب کئی جگہ ہے۔ سورۂ نحل میں ہے: وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّمَّا خَلَقَ ظِلَٰلًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَٰنًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَٰبِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَٰبِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ (١٦: ٨١)، یعنی "لوگو! وہ خدا ہی ہے جس نے تمہارے فائدے اور آرام کے لیے پیدا کردہ اشیا کے سائے بنائے، اور تمہاری پناہ کے لیے پہاڑوں کے اوٹ بنائے اور لباس جو تم کو گرمی سے بچائیں۔ اور ایسی زرہیں بھی جو تم کو ایک دوسرے کی مار سے بچائیں، خدا یوں ہی اپنی نعمتیں تم لوگوں پر پوری کرتا ہے۔ تاکہ تم اسکو صحیح معنوں میں خدا تسلیم کرو۔" یہاں بھی صاف طور پر (نِعْمَتَ) سے مراد دنیاوی نعمتیں ہیں جن کا ذکر آیہ (١٦: ٨١) سے برابر چلا آیا ہے اور آگے چلکر تاکید کے طور پر پھر يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَٰفِرُونَ (١٦: ٨٣) فرمایا ہے۔ یعنی "لوگ خدا کی نعمتوں کو خوب سمجھتے ہیں، پھر دیدہ و دانستہ اُن سے انکار کرتے ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ اُن میں سے اکثر ناشکر (کٰفِرُونَ) ہیں۔" اس آیۂ شریفہ میں خدا کی عطا کی ہوئی دنیاوی نعمتوں کو **نعمت نہ تسلیم کرنیوالوں کو بصراحت تمام کافر کہا گیا ہے**، جو مسلمان آج دنیاوی نعمتوں کو ہیچ سمجھکر اس دنیا کو قابل نفرت سمجھتے ہیں اُنکے لیے یہ تہدید ازبس عبرت انگیز ہے۔ اسی سورۃ میں انسان کی دنیاوی خوشحالی کو بار دگر نعمت سے تعبیر کیا ہے: وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَآدِّي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَآءٌ أَفَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ (١٦: ٧١)، "اور لوگو! اُس خدائے ذو الجلال نے ہی تم کو رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے تو جن کو زیادہ روزی دیگئی ہے وہ کچھ اپنی دولت اپنے پیش خدمت غلاموں اور ماتحتوں کو لوٹا نہیں دیا کرتے تاکہ آقا اور غلام آپس میں برابر ہو جائیں۔ جب وہ ایسا نہیں کرتے اور اپنے تفضل رزق کو نہایت اہتمام سے برقرار رکھتے ہیں تو کیا اس کے بعد بھی اللہ کے احسانات سے منکر ہیں۔" اس مغلق آیت کے مطالب کے متعلق مدلل بحث اپنے موقع پر آئیگی، مگر صاف ظاہر ہے کہ یہاں تفضل رزق کو نعمت کہا گیا ہے۔ اس سے اگلی آیت ہے: وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَٰجِكُم بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَٰتِ أَفَبِالْبَٰطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللَّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ (١٦: ٧٢)، "اور لوگو! خدا ہی وہ کارساز حقیقی ہے جس نے تمہاری آسایش کے لیے تم ہی میں کی بیبیاں بنائیں، اور تمہاری بیبیوں سے تمہارے لیے بیٹوں اور پوتوں کو پیدا کیا اور تم کو نہایت عمدہ رزق ارزانی فرمائے، تو کیا یہ لوگ اس حقیقت کے کھل جانے کے بعد بھی فرضی معبودوں کے لاطائل انعاموں پر ایمان رکھیں گے، اور خدا کی دی ہوئی صریح نعمتوں کا کفران کرینگے؟" یہاں بھی صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں بیویوں، اولاد، اور طیبات رزق کو نعمت کہا گیا ہے اور اُنکے عدم اقرار کو کفر پر محمول کیا ہے۔ سورۂ فاطر میں ہے: يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَٰلِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ (٣٥: ٣)، یعنی "اے ساکنان زمین! خدا کی نعمتوں کو جو تم کو دی گئی ہیں یاد کیا کرو اور غور کرو کہ کیا فی الحقیقت خدا کے سوا کوئی اور وجود بھی ہے جو اس قدر طاقت رکھے کہ تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچائے۔" یہاں نعمت وہ مادّی وسائل ہیں جن پر انسان کی حیات کا مدار ہے۔ سورۂ لقمان میں ہے: أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُۥ ظَٰهِرَةً وَبَاطِنَةً عـــہ (٣١: ٢٠)

عـــہ نعمت بمعنی احسان، وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ (٢٦: ٢٢) میں یہی معنی موسیٰ فرماتے ہیں کہ اے فرعون کیا یہ مجھ پر احسان رکھتے ہو کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلامی میں لے رکھا ہے ...

غیر

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۶) مومنوں کو خدا کے ہاں سے (مِّنَ اللّٰہِ) دنیوی انعام واکرام اور فضل وکرم کی بشارت دے رہے ہیں۔ یہاں نعمت سے صاف دنیاوی نعمت مراد ہے کیونکہ اُخروی انعام کا ذکر پیشتر کی آیت میں آچکا ہے۔ سورۂ فتح میں صلح حدیبیہ کی دُور رس حکمت عملی کو فَتْحًا قَرِیْبًا (۴۸: ۱) کہہ کر اتمام نعمت اور صراط مستقیم کے معنی خیز القاب عطا فرماتے ہیں: وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَیَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا (۴۸: ۲) یعنی "یہ معاہدہ جو بظاہر خفت آمیز معلوم ہوتا ہے کمزور مسلمانوں کے لیے درحقیقت فتح مبین ہے کیونکہ ان کو اس اثنا میں اپنی قوتوں کو اور جمع کرنیکا موقع مل جائے گا۔ دشمن اپنی قوت کے غرور میں اور قوی بننے کی سعی نکرسکے گا، اور یہ متارکہ فی الحقیقت تم پر خدائے عزوجل کی نعمت مکمل ہوجانے کا پیش خیمہ ہوگا، اور نیز اسلیئے کہ خدا تم کو دشمن پر غالب آنیکے صراط مستقیم پر لیجائے۔" یہاں نعمت کے سیاسی مفہوم کی توضیح کے ساتھ ساتھ صراط مستقیم کے مطالب کی بھی ایک حد تک تشریح کردی ہے۔ سورۂ آل عمران میں قرون اولیٰ کے مومنوں کے بمثال اتحاد اور اخوت کو دوبار نعمت کہا ہے: وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا (۳: ۱۰۲) مطالب صفحہ ۴۵ پر آچکے ہیں یہاں اعادے کی ضرورت نہیں۔ سورۂ مائدہ میں بدن کی تطہیر اور نماز سے پیشتر ہاتھ منہ دھونے کو بھی اتمام نعمت فرمایا ہے: مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۵: ۶)، یعنی "خدا اس وضو اور تیمم کی بندش سے فی الحقیقت تم پر کوئی ناروا یا بے سبب تنگی کرنا نہیں چاہتا، بلکہ وہ انسان ایسی اشرف المخلوقات کو ظاہری نجاست اور آلایش سے ہر دم پنجوقتہ پاک وصاف کرنا چاہتا ہے، اور جہاں اُسنے تمہاری دنیاوی بہتری، معاشری بہبودی، اور اُخروی نجات کیلئے تم کو نہایت گرانقدر اصول سکھلائے ہیں وہاں وہ تمہاری جسمانی صفائی کا یہ چھوٹا سا اصول سکھلا کر فی الحقیقت تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کرنا چاہتا ہے تاکہ تم اُس نگہبان حقیقی کی اس حیرت انگیز محافظت کی دل سے قدر کرو (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)۔" گویا یہاں بھی نعمت سے دنیاوی نعمت (یعنی جسمانی صحت) مقصود ہے، محض بدن کو دھولینا کسی شخص میں روحانیت پیدا نہیں کرسکتا، اور نہ وضو سے اُس روحانیت کا اتمام پیش نظر ہے۔ بعینہٖ اسی نقطۂ نظر سے اس آیہ شریفہ سے ذرا پہلے احکام حرمت ماکولات کے ضمن میں اتمام نعمت کا تذکرہ کیا ہے: اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (۵: ۳) یعنی "آج اے مسلمانو! ہم نے معاشری اور اجتماعی اوامر ونواہی کی کامل شرح وبسط کے بعد حلت اور حرمت کے ان نتیجہ خیز احکام کی بھی توضیح کرکے گویا تمہارے آیندہ اور مجوزہ طرز عمل کو (دِیْنَكُمْ) دنیا کے اس ابتلاگاہ سعی وعمل میں پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ہے۔ بلکہ ایک رو سے اپنی تمام نعمتوں کی تکمیل کردی ہے، اور تمہارے لیے اسی تقویت انگیز اور غلبہ اندوز اسلام کو بطور راہ عمل پسند کیا ہے۔" حلت اور حرمت کے احکام کی نتیجہ خیز حکمت اور انکی اہمیت کے متعلق فلسفیانہ بحث کرنے میں ابھی بہت دیر ہے۔ یہ موضوع غالباً پانچویں مجلد میں آسکیگا، مگر پوری آیت کے مطالعے سے ظاہر ہے کہ مُردار شے کے کھانے سے بچنا، لہو جیسی کراہت انگیز شے سے پرہیز کرنا، یا لحم خنزیر سی پلید اور مُضر صحت چیز کو حرام سمجھنا، یا اور باقی اشیا جنکی حرمت کی تصریح اس آیت میں ہوئی ہے اُنکے کھانے سے گریز کرنا فی الحقیقت انسان کی معاشری اور دنیاوی زندگی کی اصلاح کا ایک منظر ہی ہے، ان کو روحانیت سے خاطر کوئی تعلق نہیں، اور اسی لیے اتمام نعمت کا مفہوم یہاں پر بھی دنیاوی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس طلاق کے متعلق احکام خدا کی شرح وبسط کے بعد ارشاد ہے: وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَمَاۤ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ یَعِظُكُمْ بِهٖ (۲: ۲۳۱)، یعنی "مسلمانو! احکام خدا کو ہنسی مخول یا بے نتیجہ اور بے مطلب باتیں (هُزُوًا) سمجھکر نہ ٹال دیا کرو، بلکہ اُن کی تعمیل خدا کے اُن بیش قیمت احسانوں کو دل میں رکھکر کیا کرو جو اُسنے وقتاً فوقتاً تم کو مناسب احکام دے کر کیئے۔ اور جو گرانقدر کتاب اُس نے تم پر اُتاری ہے بلکہ حکمت الٰہی کے جو بیشمار نکات اس نے تم کو اپنی جناب سے عطا فرمائے ہیں اور جن کے ذریعے وہ تم کو مناسب راہ عمل بتاتا رہتا ہے اُنکو پیش نظر رکھکر تعمیل کیا کرو۔" یہاں بھی نعمت سے مراد وہ اجتماعی خوش حالی ہے جو احکام خدا پر کماحقہٗ عمل کرنیسے ہر قوم کو اس دنیا میں نصیب ہوتی ہے، روحانی بہجت حتماً مراد نہیں

عَلَيْهِمْ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۵) بدل ڈالا تو خدا نے بھی آخر اُس قوم سے انتقام لینا ہی تھا اور اسمیں شک نہیں کہ وہ بہت شدت سے بدلہ لینے والا ہے۔" یہاں اُن احکامِ خدا ہی کو نعمت کہا گیا ہے کیونکہ اُنپر عمل کرنے کا نتیجہ اجتماعی راحت تھی، اور رد کرنے کا بدلہ ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہی بات سورۂ بقرہ کے اِس خطاب سے ظاہر ہے: يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲: ۴۷، و ۲: ۱۲۲)۔ یعنی "اے بنی اسرائیل! میری اُس نعمت کو یاد کرو جو کسی زمانے میں میں نے تم کو عطا کر رکھی تھی، اور بالخصوص اسکو کہ میں نے تم کو دنیا جہان کی سب قوموں پر ہر طرح کی فوقیت دی تھی۔" نہیں بلکہ ایک اور موقع پر دنیاوی فضیلت کو دوبارہ واپس دینے کا اقرار کیا ہے بشرطیکہ احکام پر عمل از سرِ نو شروع ہو جائے۔ یا بعبارۃ اُخریٰ ماسوا کا خوف (جو فی الحقیقت تمام عصیان و عدم تعمیل کا باعث ہے) اُٹھ جائے: يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ (۲: ۴۰)، یعنی "اے بنی اسرائیل! یاد کرو وہ نعمتیں جو میں نے تمہیں دے رکھی تھیں، یاد کرو کہ وہ کیونکر چھن گئیں اور میری تو یہ شان ہے کہ اگر آج میرے عہد کو پورا کر دو گے تو آج ہی میں بھی اپنے عطائے سلطنت کے عہد کو پورا کر دونگا۔ اور وہ عہد یہی ہے کہ مجھکو حاکم اعلیٰ مانکر مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔" کسی دوسرے موقع پر اِس عہد و پیمان کی جو خدائے عزوجل نے بنی اسرائیل سے کیا تھا تصریح کر دیجائے گی، یہاں پر بحث صرف نعمت کے صحیح مفہوم سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ نعمت بادشاہت زمین ہی تھی جو اُن سے چھین لی گئی۔ علیٰ ہذا القیاس فرعونیوں کے بارے میں ہے: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ (۴۴: ۲۵-۲۷)

(ھ) بنی اسرائیل سے خطاب کے علاوہ قرآن حکیم میں کئی موقعے ہیں جہاں بالخصوص قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں سے خطاب ہے، لیکن وہاں پر بھی نعمت سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں۔ سورۂ نحل میں رزق کی حلت اور حرمت کے بارے میں ہے: فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (۱۶: ۱۱۴)، "پس اے مسلمانو! جو کچھ ہم نے تم کو دے رکھا ہے اُسمیں سے پاکیزہ اشیا کو کھاؤ اور اگر تم فی الحقیقت خدا ہی کے تابع اور ملازم ہو (اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) تو اسکی نعمتوں کا صحیح استعمال کرو (معانی شکر کے لیے دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۷)، سورۂ احزاب میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ (۳۳: ۹)، یعنی "اے ایمان والو! خدا کی اُس نعمت عظمیٰ کو یاد کرو جب کہ غزوۂ خندق میں تم پر لشکر کے لشکر آ چڑھے تھے پھر ہم نے اُنکے زور کو توڑنے کے لیے اُن پر تند ہوا بھیجدی اور آندھی کے علاوہ اور مقابلہ کرنے والی قوتیں اور افواج جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔" یہاں بھی نعمت وہ خدائی تائید تھی جسکا نتیجہ دنیاوی فتح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ سورۂ مائدہ میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ (۵: ۱۱)، یعنی "اے ایمان والو! اپنے اوپر خدا کے اُس احسان کو یاد کرو جب ایک گروہ نے تم پر دست تعدی دراز کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن خدا نے تم سے اُن کے ہاتھوں کو روک دیا۔" یہاں دشمن کے حملے سے بچ جانا نعمتِ خدا ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں بدر الصغریٰ کے میلے پر جو تجارتی فوائد مسلمانوں کو حاصل ہوئے اور جو اخلاقی فتح اُنکو ابوسفیان کی دھمکی سے نہ ڈرنے اور بدر میں حسب وعدہ آ دھمکنے سے ہوئی اسکے اعتراف میں ہے: فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ (۳: ۱۷۳)، یعنی "پھر اسلام کا جرار لشکر اور اُن کے بہادر سرخیل لوٹے تو اس شان سے لوٹے کہ خدا کی نعمتوں اور اُس کے فضل و کرم سے لدے ہوئے تھے، بدر کے میدان میں تین دن رات پڑے رہنے کے باوجود اُن کا بال تک بیکا نہوا (لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ)، وہ خدا کی خوشنودی پر کاربند ہوئے تھے اور خدا بڑا ہی صاحب فضل و کرم ہے جو پل میں کچھ کا کچھ کر دیتا ہے۔" یہاں 'نعمت' کے دنیاوی مفہوم کے علاوہ 'فضل' کے معانی بھی صاف ہو گئے کہ قرآن کی لغت میں اِس کا مفہوم بھی دنیاوی مال و دولت ہی ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں راہ خدا میں اپنی جان لڑا دینے والے مجاہدین کی نسبت فرمایا ہے۔ وہ مرے نہیں بلکہ زندہ اور خوش بخوش خدا کے پاس موجود ہیں، اُن مجاہدوں کو جو ابھی مارے نہیں گئے اُخروی امن کی بشارت دے رہے ہیں پھر اسکے بعد فرمایا ہے: يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ (۳: ۱۷۰)، یعنی "وہ لوگ دنیا میں رہنے والے

ھ یعنی "ان لوگوں کو ہماری نافرمانی کے عوض کیسے کیسے عمدہ باغات اور چشمے، کیسی کیسی کھیتیاں اور عزیز القدر مقام اور تنعم کی چیزیں جنمیں مزے لوٹا کرتے تھے چھوڑنی پڑیں۔" دیکھو صفحہ ۱۱۶۔

عَلَيْهِمْ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۸) مشکوک سا معلوم ہوتا ہے، یا کم از کم اس مفہوم کے متعلق وہاں پر تاویل کی بہت کچھ گنجایش ممکن ہے۔ سورۂ احزاب میں حضرت زید بن حارثہؓ کے مشہور قصے کے ضمن میں ہے: وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ (۳۳: ۳۷)، یعنی اے محمدؐ! وہ بھی عجب وقت تھا جب تم زید بن حارثہؓ کو جس پر خدا نے چند در چند احسانات کیے تھے، اور تم بھی اُس پر احسان کر رہے تھے، سمجھاتے تھے کہ اپنی بی بی زینبؓ کو زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر۔" یہاں شارحین نے کہا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو بچپن سے پالا تھا، پھر غلامی سے آزاد کر کے اپنی پھوپھی زاد بہن اُنسے بیاہ دی، وغیرہ وغیرہ۔ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ میں انہی احسانوں کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سب نبوی انعامات ظاہر ہے کہ مادی اور دنیاوی تھے، تخیل کی کوئی پرواز ان کو روحانی قرار نہیں دے سکتی، لیکن اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کے متعلق مفسرین نے بہت کچھ خیال آفرینی کر کے "اسلام کی روحانی نعمت" کو انعام خدا قرار دیا ہے۔ ممکن ہے کہ خدائے عزوجل نے اِس آیۂ شریفہ میں حضرت زیدؓ کو اسی روحانی نعمت کا احسان جتلایا ہو مگر الفاظِ وحی کے اندر اس دعوے کی قطعاً کوئی سند موجود نہیں نہیں بلکہ جب پیغمبر خدا کے انعام و احسان کی نوعیت دنیاوی تھی تو غالب گمان یہی ہے کہ خدا نے اپنے احسانات بھی اُسی قطع کے یاد دلائے ہوں۔ ایک حیثیت اور ہے جو پیغمبر خدا کے انعام واحسان کی نوعیت دنیاوی تھی تو غالب گمان یہی ہے کہ خدا نے اپنے احسانات بھی اُسی قطع کے یاد دلائے ہوں۔ ایک حیثیت اور ہے جو پیغمبر خدا کا غلام کا پیغمبر عرب کی خالہ زاد بہن سے رشتہ کر دینا ہی میرے نزدیک اُس منعمِ بے حساب کا وہ غیر معمولی انعام تھا جس کو صحیح معنوں میں اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کہا جا سکتا ہے، حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کا احسان کم از کم یہاں نہیں جتلایا کیوں کہ اوّلاً اس کی تخصیص صرف زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ نہ تھی بلکہ سب مسلمان اس میں داخل تھے۔ ثانیاً اس احسان کو یاد دلانا یہاں پر اصلاً غیر متعلق ہے کیوں کہ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ سے اس کا کوئی ربط نظر نہیں آتا۔ اگر عورت کو طلاق دینا اسلام میں شرعاً ممنوع ہوتا تو زیدؓ کے مسلمان ہونے کا احسان یاد دلانا کچھ معنی رکھتا۔ یہاں صرف اس قدر کہا گیا ہے کہ تو دیکھ اُن احسانات کو نہ بھول جو خدا نے تمہاری ذات پر کیے، تم کو ایک ادنیٰ طبقے سے اُٹھا کر پیغمبر خدا کا کفو اور عرب کا سردار بنا دیا، خود پیغمبرؐ نے تم کو پالا پوسا، غلامی سے آزاد کیا، وغیرہ وغیرہ۔ ایسے منعم کی بہن کو طلاق دینے سے ڈر اور خدا کا خوف کر۔ بنی اسرائیل کے خروج کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس بات پر اُبھارا تھا کہ اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے اور پوری ہمت دکھلا کر ارض مقدس پر حملہ کر دیں، دشمن کے بالمقابل جم کر لڑیں اور کسی حالت میں پیٹھ نہ دکھلائیں، مگر صدیوں کی یہ محکوم قوم اپنی موروثہ بزدلی اور جبن کے باعث اُس "زبردست دشمن" (قَوْمًا جَبَّارِيْنَ (۵: ۲۲) پر ہجوم کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو سکی اور لنگ عذرات پیش کر کے ٹال دیا۔ اس واقعہ کا ذکر سورۂ مائدہ میں ہے، بنی اسرائیل کے دو جواں مرد یوشع اور کالب عام قوم کے برخلاف، اس برانگیخت میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے ہمزبان تھے، اُن کی بابت ارشاد ہے: قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۵: ۲۳)، یعنی بنی اسرائیل کے اس بیہودہ عذر پر خدا سے صحیح معنوں میں ڈرنے والوں (مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ)، اور اُسکا سچا تقویٰ کرنے والوں (مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ) میں سے دو شخصوں جنہیں خدا نے خاص احسان کیا تھا (اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا)، کہا کہ اے نامردو! دشمنوں کی ظاہری ڈیل ڈول کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ اُنکے گرانڈیل قد دیکھکر بزدل نہ بن جاؤ (دیکھو آیۂ (۵: ۲۲))، تم جس طرح بن پڑے چڑھائی کر کے شہر کے دروازے میں گھسو، اور جب دروازے پر قبضہ کر لیا تو بلاشبہ فتح تمہاری ہی ہے، اور یاد رکھو کہ اگر تم میں ایمان موجود ہے تو ایک دم آمادۂ سعی ہو کر نتائج کو خدا پر چھوڑ دو (فَتَوَكَّلُوْٓا)۔ تمام رکوع کا سیاق و سباق یہی ظاہر کرتا ہے کہ اَنْعَمَ اللّٰهُ سے مراد وہ **ہمتِ مردانہ** اور وہ **عزمِ صمیم** ہے جو ان بندگانِ خدا کو تمام قوم کے جمود و سکوں کے بالمقابل بارگاہ خدا سے عطا ہوا تھا، اور یہی وہ **قوتِ ایمانی** تھی جسکو بعض محبل پسند اصحاب نے 'روحانیت' سے تعبیر کیا ہے۔ ادنیٰ تامل بھی ہر شخص کو اس نتیجے پر پہونچا دیتا ہے کہ روحانی نعمت در اصل انسان کی اُس اخلاقی برتری، اسکے اُس خلقِ ہمت اور تربیتِ نفس کا دوسرا نام ہے جس کا نتیجہ دنیاوی تمکن و امن ہی ہے، اس سے کمتر کچھ نہیں۔ اس آیۂ شریفہ میں یوشع اور کالب کی 'روحانیت' یا بعبارۂ اُخریٰ اُنپر خدا کا انعام یہی تھا کہ اُنہوں نے اپنے پیغمبر کے

المغضوب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۷) قریب قریب یہی مضمون سورۂ مائدہ میں احکام وضو کے بعد ہے: وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ "إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۵: ۷)، یعنی "اے مسلمانو! وضو کے بارے میں اس الٰہی حکم کو بے سبب یا بے نتیجہ نہ سمجھو بلکہ اُس اجتماعی راحت اور قوت (نعمت) کو خیال میں لاؤ (اذکروا) جو تم کو خدائے ہاں سے دمبدم نصیب ہوتی رہی ہے، نیز اُس الٰہی عہد و پیمان کے قوت انگیز نتائج پر غور کرو جسکے ساتھ اُسنے کچھ مدت ہوئی تم کو وابستہ کر دیا تھا (وَاثَقَكُمْ بِهِ)، اور جس کی نتیجہ خیز اہمیت کو پیش نظر رکھکر تم نے بھی اُسکے مشمولہ احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کی ٹھان لی تھی (إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا)" اور دیکھو! خدائے قاہر کے قہر و غضب سے ڈرکر (وَاتَّقُوا اللّٰهَ) اُسکے ہر حکم کی بطیب خاطر تعمیل کیا کرو کیونکہ وہ تمہارے دلوں کی کشمکش اور سینوں کی شش و پنج کو بھی موبمو جانتا ہے (عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ)" اِس آیت کا ربط پہلی آیت کے ساتھ نہایت غور طلب ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ خدائے عزوجل نے صفائی بدن کی اہمیت کو دلنشین کر دینے کی غرض سے قرون اُولیٰ کے مسلمانوں کو ثبوت کے طور پر وہ اجتماعی فائدے (نعمت) یاد دلائے جو احکام خدائی کی تعمیل کے باعث اِس سے پیشتر مل چکے تھے۔ گویا یہاں پر ترغیب و تحریص کا بعینہ وہی رنگ ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنی رعیت کو کہے کہ فلاں کام بھی اُسی انہماک اور سرگرمی سے کرو جیسا کہ اور حکم مانتے آئے ہو، اور ذرا خیال میں لے آؤ کہ پہلے حکموں کی تعمیل کے باعث تم کو کیا کیا فائدے حاصل ہوئے ہیں۔ اِس مقام نظر سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں بھی نعمت سے مراد دنیاوی متمتعات ہی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں علیٰ ہذا القیاس تحویل قبلہ کی بحث کے ضمن میں اسلام کی عالم آرا اُمت کے لیے ایک مرکز کی ضرورت کو واضح کرکے فرمایا ہے: وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (۲: ۱۵۰)، یعنی "اور یہ تمام عالم اسلام کا ایک نقطے پر تمرکز اسلیے ہے کہ میں اپنی نعمت کی تکمیل تم پر کروں، اور تاکہ تمکو اس دنیا میں قوت اور اتحاد کے ساتھ رہنے کا راہ راست ملجائے[1]" سورۂ عنکبوت میں پھر اسی بیت الحرام کے تقدس اور فوقیت کی شان میں ہے: أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُونَ (۲۹: ۶۷)، یعنی "اے محمدؐ! کیا دشمنانِ اسلام نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم ہی نے بیت الحرام کو روز اول سے جائے امن بنا رکھا ہے حالانکہ عین اسکی چاردیواری کے باہر یہ حال ہے کہ لوگ اِن کے آس پاس سے بے دھڑک جھپٹا مارے جا رہے ہیں (اور کوئی شخص انکی داد رسی نہیں کر سکتا)، تو کیا یہ لوگ لاطائل اور بے نتیجہ باتوں کو مانتے ہیں اور خدا کی اس نعمت عظمیٰ کی قدر نہیں کرتے[2]" گویا خدا کا حرم کعبہ کو پر خطر ماحول کے بیچ و بیچ دارالامان بنا دینا نعمت الٰہی ہے اور منکروں کو جو احکام خدا کے امن انگیز ہونے پر کچھ یقین نہیں رکھتے۔ ایک زندہ مثال انکے گرد و پیش سے لیکر دی ہے تاکہ بطور خود غور کریں کہ خدا کیونکر خوف و خطر کے گرد و نواح میں امن و آسایش کی صورت پیدا کر سکتا ہے، اور کیوں کر ایک وقف اجل، خوفزدہ اور تختۂ مشق عدد قوم میں سے ایک بارعب، صاحب قرار اور محفوظ اُمت کنری کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ یہاں پر بھی صاف نعمت سے مراد دنیاوی امن و راحت ہی ہے۔ خود پیغمبر آخر الزمانؐ کو الٰہی ارشاد ہے: مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ (۶۸: ۲)، یعنی "اے محمدؐ! تم اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے پاگل نہیں ہو (جیسا کہ اہل مکہ کہتے ہیں)" گویا صحیح الاعضا ہونا بھی نعمت الٰہی میں داخل ہے۔ سورۂ واللیل میں خدا کے ہاں سے انعامات کی تقسیم کے متعلق ایک قاعدہ کلیہ بیان کرکے اسکے دنیاوی مفہوم کو اور بھی واضح کر دیا ہے: وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى (۹۲: ۱۹-۲۰)، یعنی "اے لوگو! خدائے عزوجل کے پاس (عِنْدَهُ) کسی فرد واحد کے لیے بھی (لِأَحَدٍ) کوئی نعمت (مِنْ نِعْمَةٍ) نہیں کہ بطور بدلے کے (بجائے (تُجْزَى)) مگر یہ کہ وہ انعام اُس شخص کو اپنے پروردگار جل و علیٰ (رَبِّهِ) کی تلاش رضا کے صلے میں ملتا ہے" یعنی اِس دنیا کے اندر جسکو جو کچھ مل رہا ہے خوشنودی خدا کے صلے میں مل رہا ہے۔ یہاں پر اِس جلیل القدر کلیے کی صداقت پر بحث نہیں صرف لفظ 'نعمت' سے سروکار ہے۔ سورۂ والضحیٰ میں ہے: وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (۹۳: ۱۱)، یہاں پر بھی نعمت صاف دنیاوی ہے۔

(۹) اِن تمام نصوص صریحہ کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہوا، قرآن میں چند موقعے ایسے بھی ہیں جہاں نعمت کا مفہوم بادی النظر میں

[1] ضمناً اس آیہ شریفہ میں تَهْتَدُونَ کا لفظ بصراحت تمام ظاہر کرتا ہے کہ ہدایت کا قرآنی مفہوم اتحاد ہی ہے۔ اس مفہوم کی کئی مثالیں ہیں صفحہ ۱۹۳ کے تحت المتن میں دی ہیں۔

اے پروردگارِ عالم اور اے نعمتوں کے بخشنے والے خدا! تو ہم سب کو اُس سیدھے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۰) بے مثال علمی زندگیوں، اُنکے اس دنیا میں عالم انگیز کارناموں، اور مخلوق خدا کی اجتماعی اصلاح کے بارے میں اُن کی ان تھک کوششوں کو پیش نظر رکھکر ہی رب زمین و آسمان نے جابجا اُنپر سلام بھیجا ہے، اُنکے اعمال کو سراہا ہے، اور عوام کے سامنے اُنکو بطور نمونہ پیش کرکے اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ کا غیر القدر لقب دیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں جابجا اس سلام بھیجنے کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ جن کے اعادے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔

(نمبر) انبیائے عظام کی اسی عاملانہ حیثیت کو پیش نظر رکھکر سورۂ زخرف میں خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (۴۳: ۵۹)، یعنی مسیح تو فی الحقیقت ہمارا ایک حکمبردار اور کارکن غلام (عَبْدٌ) دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۱۰ الخ) ہی تھا جس پر ہم نے اپنی جناب سے توفیق عمل عطا فرماکر خاص الخاص احسان کیا تھا (اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ)، اور یہ روح عمل اس حد تک ارزانی کردی تھی کہ ہم نے اُسکو بنی اسرائیل کی جمود زدہ اور غافل قوم کے لیے ایک نمونہ (مَثَلًا) بنادیا"۔ بنی اسرائیل کے اس باعمل اور اولوالعزم نبیؑ پر خدائے جلّ وعلےٰ کے یہی وہ بے مثال انعامات تھے جن کی بنا پر سورۂ مائدہ میں حضرت کی والدہؑ پر احسان جتلایا ہے۔ یہاں پر ربط قائم کرنیکے لیے اِس سے پہلی آیت بھی نقل کردی جاتی ہے جس سے احسان جتلانے کا سبب اور بھی واضح ہوجائے گا:

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰي وَالِدَتِكَ ۘ (۵: ۱۰۹-۱۱۰)

اے پیغمبر! وہ وقت بھی نہایت ہی کڑا اور کپکپا دینے والا ہوگا جب وہ مالک زمین و آسمان اور صاحب کبریا و جبروت خدا اپنے سب پیامبروں اور قاصدوں کو اکٹھا کرکے (یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ) اُن سے اپنے پیغام کے صحیح طور پر ادا کرنیکے متعلق محاسبہ کرے گا اور فرمائے گا کہ بہت خوب! آج تم اپنا اپنا بیان پیش کرو کہ ساکنانِ زمین کی طرف سے تم کو ہمارے پیغام کا کیا جواب ملا (فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ (۵: ۱۰۹))، اُنہوں نے تم کو کیونکر قبول کیا (مَاذَآ اُجِبْتُمْ)، اُس کا باشندگانِ زمین پر کیا اثر ہوا (مَاذَآ اُجِبْتُمْ) اور بعد ازاں اور پیغمبروں سے صرف نظر کرکے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جس کی امت نے پیغام رب العالمین کی ہیئت کو قطعی مسخ کرکے اُسکو "خدا کا بیٹا" بنالیا تنہا متوجہ ہوگا اور فرمائیگا (اِذْ قَالَ اللّٰہُ) کہ اے مریم کے بیٹے عیسےٰ! تم میرے اس احسان کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری ماں پر کیے تھے۔

سورۂ مائدہ کے دو آخری رکوعوں کے مطالب کو مربوط کرنے کا یہ موقع نہیں بلکہ پوری آیت (۵: ۱۱۰) کی شرح و بسط کردینا بھی یہاں پر بہت کچھ پیش از وقت ہے، مگر اوقاف قرآن کے رموز کو جاننے والے غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر بطور خود پہنچ سکتے ہیں کہ اس آیہ شریفہ میں اِذْ قَالَ اللّٰہُ سے عَلٰي وَالِدَتِكَ تک ایک مستقل بیان ہے جس میں خدائے عظیم نے احساناً بلکہ تہدید آمیز لہجے میں حضرت عیسیٰ کی توفیق عمل اور استعداد نبوت کو اُنپر بلکہ اُن کی ماں پر بھی احسان کے طور پر جتلایا ہے۔ اِس دعوے کی تائید علامت هـ سے ہوتی ہے جو وَالِدَتِكَ کے بعد ہے اور جس سے مراد یہ ہے کہ اسکے بعد ٹھیر جانا لازمی ہے۔ ورنہ بعد کی عبارت سے ملاکر پڑھنے سے مطالب کے بگڑ جانے (حتیٰ کہ بعض ظاہر پرست اشخاص کے نزدیک کفر کے مرتکب ہونے) کا خوف ہے! گویا تم جیسے باعمل اور کارکن شخص کا ہونا ہی تم پر خدا کا ایک احسان عظیم تھا، اور بالخصوص اُس ماں پر جسنے ایسا سپوت جنا"۔ ماں اور بیٹے دونوں کو احسان جتلانے کا سبب سولھویں رکوع کے شروع میں ظاہر ہوتا ہے۔ جہاں پندرھویں رکوع کے بعد انبیائے جہاں کے بھرے مجمع میں فرمایا ہے کہ "اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے فی الحقیقت لوگوں کو کہا تھا کہ خدا کو چھوڑکر مجھے اور میری ماں کو خدا بنالو"؟ حالانکہ میں نے ہی تم کو بنی اسرائیل کا سردار بنایا تھا اور تمہاری ماں کو ایسا کارکن بیٹا دیا تھا۔ اکثر شارحین نے کلام خدا کے ربط کو نظر انداز کرکے آیہ (۵: ۱۱۰) میں وَالِدَتِكَ کے بعد کی عبارت کو متذکرۂ صدر ٹکڑے سے ملاکر اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا، وغیرہ وغیرہ کو نعمت قرار دیا ہے۔ یہ واقعات یعنی تائید روح القدس اور کلام فی المہد وغیرہ خواہ ان کا مفہوم کچھ ہی ہو حضرت عیسیٰؑ پر بطور

وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (۱-۷)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۹) حکم کی اطاعت کرنا اپنا فرض عین سمجھ لیا تھا، اور اسکی تعمیل میں اپنی جانوں کو لڑا دینے سے نہیں جھجکتے تھے پس نعمت سے مراد یہاں پر بھی وہ توفیق عمل ہے جسکا نتیجہ قوم کی دنیاوی راحت ہی ہے، وہ کوئی اعتکافی کسرت یا تسبیحی ورزش نہیں جسکا اس دنیا میں بظاہر کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ ایمان اور علو اخلاق کی یہی وہ عملی اور نفع مند حیثیت ہے جس کی بنا پر خدا نے عزوجل نے احکام الٰہی کے عاملوں، اور رسول کے بالمشافہ احکام کی تعمیل کرنے والوں کو اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کا لقب عطا فرمایا ہے: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (۴: ۶۹) یعنی مسلمانو! تم میں سے جس شخص نے اپنے آپ کو احکام خدا کی متابعت کے لیے وقف کر دیا، اور جس نے رسول کے بالمشافہ احکام کی تعمیل تندہی اور خلوص نیت سے کی تو یہی وہ لوگ ہیں جو ان لوگوں کے دوش بدوش چل رہے ہیں اور مثل انکے اُخروی اجر کے مستحق ہوں گے (مَعَ الَّذِيْنَ) جنپر اللہ نے اپنا خاص احسان کیا (اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ)، مثلاً وہ انبیائے کرام جنہوں نے راہ حق میں جہاد کیے (مِّنَ النَّبِيّٖنَ) یا وہ صادق، لوگ جنہوں نے عمل سے اپنے ایمان کو سچ کر دکھایا (وَالصِّدِّيْقِيْنَ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۱۷) یا وہ شہدا سے خدا جو اپنے بلامزد اعمال سے خدا کی گواہی دیتے دیتے چل بسے (وَالشُّهَدَآءِ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۵)، یا وہ صالح العمل، لوگ جنہوں نے اپنی جماعت کی حالت درست کی (وَالصّٰلِحِيْنَ (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۶۸) اور یہ لوگ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں"۔ 'اطاعت رسول' کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک ضمنی بحث صفحہ ۱۷۱ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے وہاں پر اشارہ کر دیا ہے کہ اس سے مراد رسول خدا صلعم کے اُن بالمشافہ احکام کی فوری تعمیل ہے جو آپ بحیثیت قائد اعظم یا رہنمائے اُمت وقتی اور مقامی حالات کو مدنظر رکھکر دیا کرتے تھے، اور جن کا منتہائے نظر تقویت جماعت یا غلبہ اسلام ہی تھا۔ چنانچہ یہاں پر بھی جہاد بالسیف اور ہجرت وطن کے احکام اس آیت سے پیشتر آیہ (۴: ۶۶) میں اُقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ کے الفاظ میں ہو چکے ہیں۔ اور اَنْعَمَ اللّٰهُ کا محاکمہ بھی اسی قطع کے جان و مال ایثار کرنے والوں کے بارے میں ہے۔ اس بنا پر مختصر الفاظ میں اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے مراد یہاں پر بھی وہ توفیق عمل ہے جو ایمان کا جزو لاینفک ہے اور جسکا اس دنیا میں نتیجہ فلاح قوم، اور آگے چل کر فلاح آخرت ہی، اسکے ماسوا کچھ نہیں۔ جن لوگوں نے اسلامی اوامر و نواہی کے اجتماعی مقاصد کو نظر انداز کر دیا ہے اور بعد ازاں انمیں سے چند سہل احکام مثلاً نماز روزہ کو اپنے لیے پسند فرما کر اُن کی انفرادی مشق پیدا کر لی ہے، اور زہد و تورع کی اس عامیانہ شان کو روحانیت فرض کر کے اپنے آپ کو اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کا مصداق مانا ہے اُنکے لیے یہ آیت از بس سبق آموز ہے۔ صدیق اور شہدا اور صالحین اور انبیاء کی ہمدوشی کا مقام حاصل کرنیکے لیے انتہائی سعی و عمل شرط ہے، جان و مال کی قربانی شرط ہے، خدمت عباد شرط ہے وغیرہ وغیرہ، پس ہی شخص اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کا صحیح مصداق ہو سکتا ہے جو اُن جیسے نتیجہ خیز اور غلبہ اندوز، مصلح قوم اور محرک اعضا کام کر رہا ہے۔ سورہ مریم میں صدیق العمل، ابراہیم (۱۹: ۴۱)، مخلص الاعمال، موسیٰ (۱۹: ۵۱)، اور صادق الوعد، اسمٰعیل (۱۹: ۵۴) علیہم السلام کے ذکر کے بعد ارشاد الٰہی ہے: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۖ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ (۱۹: ۵۶-۵۸) یعنی "اے پیغمبر! ابراہیم اور موسیٰ اور اسمٰعیل کے جلیل القدر کارناموں کو یاد کرنیکے بعد اس ہماری کتاب میں ادریس کا تذکرہ بھی کر دو کیونکہ ہمیں شک نہیں کہ یہ کارکن شخص بھی اپنے اعمال و افعال سے اپنے ایمان کی بڑی ہی تصدیق کرنے والا (صِدِّيْقًا)، اور قانون خداوندی کا بڑا ہی باخبر (نَّبِيًّا) تھا، اور اسی وجہ سے ہم نے اسکو ایک نہایت بلند منصب پر سرفراز کیا تھا، (مَكَانًا عَلِيًّا)۔ اولاد آدم میں سے یہی وہ انبیاء لوگ تھے جنپر خدا نے اپنے بیحد احسان کیے، اور جو اس دنیا سے فی الحقیقت سرخرو ہو کر گئے"۔ گویا یہ عمل کے ذریعے سے اپنے ایمان کو سچ کر دکھانا اور "صدیق" بننا ہی خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے، اور یہی سچی "روحانیت" بھی ہے۔ گوشہ نشین بنکر خدا خدا کرتے رہنا اور مخلوق سے بے نیاز ہو جانا درحقیقت نہ کوئی عمل ہے اور نہ اسمیں خلق خدا کی بہتری کی کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ انبیائے کرام علیہم التحیۃ والسلام کی

اُن کی راہ نہ دکھا جو تیرے غیظ و غضب کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور نہ اُنکی جو تیرے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۲) پیدا کر رہی ہے جو محافظِ نفس ہے، زور آور اور تنومند ہے، فاتح اور غالب ہی۔ ایسی ہی امت کے لیے اُخروی انعام بھی وقف ہیں، اور یہی وہ قوم ہے جسکی روحانیت اور تقویٰ، جسکا اخلاقی تفضل اور عملی تعبد اسکو رضائے خدا کے بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز راہ پر لیجا رہا ہے! لیکن اصل کتاب میں بعینہ اسی نتیجے پر ایک اور طریقے سے پونہچنے کی سعی کیجائے گی۔

"المغضوب علیہم" کے صحیح مفہوم کے متعلق بھی قرآن حکیم میں کئی جگہ شہادت موجود ہے۔ یہودیوں کی اجتماعی شکست و ریخت اور اُن کے سیاسی انحطاط کے ذکر میں دو جگہ ہے: وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (۲: ۶۱)، وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ (۳: ۱۱۱)، یعنی "اُنپر ذلت اور غربت لیس دی گئی، اور وہ خدائے قاہر کے غضب میں آگئے" سورۂ اعراف میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۷: ۱۵۲)، یعنی "جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی ہے ان پر عنقریب غضب خدا نازل ہونے والا ہے اور اس دنیا میں ذلت اُنکے دامنگیر ہوگی" اور بھی جہاں جہاں غضب اللہ کے الفاظ آئے ہیں اُن سے مراد اجتماعی انحطاط یا ہلاکت ہی ہے، اس شہادت کو یہاں پر جمع کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مابہ النزاع محض اسقدر ہی کہ "المغضوب علیہم" سے مراد صرف یہود ہی نہیں بلکہ جس قوم کا سیاسی اور اجتماعی اقتدار زائل ہو رہا ہے، جو قوم ہلاکت کے قریب پونہچ رہی ہے اُسپر غضب خدا نازل ہو رہا ہے، اُسمیں کسی ایک قوم کی تخصیص نہیں۔ اس امر کا ثبوت سورۂ طٰہٰ کے اندر مفصلہ ذیل آیات میں ہی جنکے محاکمے کی تعمیم اظہر الشمس ہے:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ (۲۰: ۸۰-۸۲)

(پھر لوگو! خروج مصر کے واقعہ عظمیٰ کے بعد ہم نے صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے بنی اسرائیل پر یہ امر واضح کر دیا تھا کہ) اے بنی اسرائیل! ہم نے اب تم جیسی جمود زدہ اور غلامی میں پلی ہوئی قوم کو ظلم کار دشمن کی مضبوط گرفت سے نجات دیدی ہے اور مقدس اور بابرکت کوہ طور (کوہ سینا) کے دامن میں تم کو جمع کر کے تم سے احکام خدا کی تعمیل، اور بشرط تعمیل تمہاری اجتماعی بہبودی کے سامان مہیا کرنے کا باہمی معاہدہ بھی کر لیا ہے (وٰعَدْنٰكُمْ) اور یہی نہیں بلکہ اس معاہدے کی پخت و پز کے بعد عین قادیش کی پر فضا وادیوں میں تم کو آباد کر کے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۷۹) تم پر شیرینی و رخت حاج (الْمَنَّ) اور بٹیروں کے شکار کا مائدہ مہمانی کے طور پر نازل کر دیا ہے تاکہ تم اطمینان سے اس معاہدے کی تکمیل کر سکو، تو اب تم بیفکری سے جو عمدہ روزی ہم نے تمکو دی ہے کھاؤ پیو، لیکن اس ہمارے عہد کے بارے میں جو ہم نے تم سے کیا ہی سر مو تجاوز نہ کرو (لَا تَطْغَوْا فِيْهِ) اگر ایسا کروگے تو تمپر ہمارا غضب نازل ہوگا، اور جس قوم پر ہمارا غضب آ نازل ہوا تو جانے رہو کہ وہ قوم ہلاک ہو گئی (هَوٰى) اور یہ بھی سمجھے رہو کہ جو قوم میرے قانون کی طرف لوٹ آئی (تَابَ) جسنے ایمان کی اٹل قوتیں اپنے اندر قائم رکھیں (وَاٰمَنَ) اور جسنے مناسب اعمال بھی کیے (عَمِلَ صَالِحًا)، اور بعد ازیں اس راہ راست پر قائم بھی رہی تو میں اس قوم کے حق میں بڑا پردہ پوش ہوں (لَغَفَّارٌ)۔

مَنْ یہاں پر اجتماعی موصول ہی جسکی شرح و بسط صفحہ ۴۳ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى کے الفاظ سے ظاہر ہی کہ جو قوم ہلاک ہو رہی ہی اُسپر غضب خدا نازل ہو رہا ہی۔ یہ ایک عام اور مطلق محاکمہ قرآن حکیم کا ہے جسمیں بنی اسرائیل کی کچھ تخصیص نہیں پس اس مقام نظر سے بھی غیر المغضوب علیہم کے الفاظ میں اس امر کی استدعا ہی کہ اسلامی اُمت اس راہ پر نہ چلے جسپر چلکر اجتماعی ہلاکت کا سامنا ہی گویا یہ قوم کی دنیاوی حالت کا بگڑنا ہی صراط مستقیم سے ہٹ جانیکے مترادف ہی۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھکر "الضَّآلِّيْنَ" کے مطالب بھی بالکل صاف ہو جاتے ہیں اور اس امر کے ثبوت کی مزید حاجت نہیں رہتی کہ اجتماعی انحطاط کا واقع ہو جانا ہی صحیح معنوں میں ضلال ہی۔ ضلال کے ان معانی کی حتمی تائید وہ اور آیات الٰہی (۱۴: ۲۷)، (۱۶: ۹۳) سے ہوتی ہی جو علی الترتیب صفحہ ۱۴۳ اور ۱۹۲ پر آچکی ہیں اور جنکے متعلقہ حاشیوں سے ظاہر ہی کہ کسی قوم کا اجتماعی طور پر متمکن فی الارض اور متثبت نہ ہونا اور امت واحدہ بن کر نہ رہنا ہی ضلال ہے۔ ضلال کے ان معانی کے علاوہ ایک اور معنی فقدان علم ہے جسکا ذکر مقدمہ کتاب صفحہ ۸۷، ۹۳، ۹۵ کے حاشیوں میں ہو چکا ہے۔

راستے پر لے چل، ان لوگوں کے رستے پر جن کو تُو نے اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا ہے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۱) احسان کے حامد ہو سکتے مگر حضرت مریم پر ان کا جتانا کچھ بے معنی سا ہے۔ یہ آیت اس امر کی بہترین مثال ہے کہ قرآن حکیم کے اوقاف اور نشانات رکوع جو علمائے سلف نے حجاج ابن یوسف کے زمانے میں لگائے تھے کس حزم و احتیاط سے لگائے اور انکو کلام الٰہی کے صحیح مطالب پر کتنا عبور تھا۔ اس بنا پر میرا غالب گمان بلکہ یقین یہی ہے کہ آیۃ (۵ : ۱۱۰) میں بھی نعمت سے مراد حضرت کی وہ حیرت انگیز روح عمل تھی جسنے اسکو مَثَلًا لِّبَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ۝ (۴۳ : ۵۹) بنا دیا تھا، اور نوعیت احسان حضرت مریم پر یہی ہے کہ ایسے جلیل الشان نبیؑ کی ماں تھیں۔ چنانچہ اسی امتیاز کی بنا پر سورۂ آل عمران میں ولادت مسیحؑ کی بشارت دینے والے 'ملائک' کا خطاب مریم علیہا السلام سے ہے: إِنَّ ٱللَّهَ ٱصْطَفَىٰكِ وَطَهَّرَكِ وَٱصْطَفَىٰكِ عَلَىٰ نِسَآءِ ٱلْعَٰلَمِينَ ۝ (۳ : ۴۱)، یعنی "اے مریم! بیشک نہیں کہ خدا نے تمہیں منتخب کر لیا ہے تم کو آلائش گناہ سے پاک صاف کر دیا ہے، اور یہی نہیں بلکہ دنیا جہان کی عورتوں سے تمہیں اس منصب یعنی اُمِّ نبیؑ بننے کے لیے پسند فرمایا ہے" قرآن حکیم کے مطالب میں مزید غور و خوض کرنے والے شاید اس نتیجے پر بھی پہونچ سکیں کہ یہ انتخاب محض بے سبب یا علی الحساب نہ ہوا تھا بلکہ خود مریم علیہا السلام کی بے لوث اور پاکیزہ زندگی، اُن کا عملی ایمان، اُن کی **صدیقیت اور حکمبرداری** اس انعام و اکرام کا باعث ہوئی تھی جیسا کہ سورۂ تحریم کے اخیر میں ست بمثال نے وَضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ کے الفاظ میں زوجۂ فرعون (آسیہ) اور مریم علیہا السلام کی زندگیوں کو **ایمان والوں کے لیے بطور نمونہ پیش کر کے** مؤخر الذکر کے حق میں فرمایا ہے: وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِۦ وَكَانَتْ مِنَ ٱلْقَٰنِتِينَ ۝ (۶۶ : ۱۲)، یعنی "اے ایمان والو! مریم علیہا السلام کی پاکیزہ زندگی تمہارے لیے نمونۂ عمل اس وجہ سے ہے کہ نیک اور با عمل خاتون ہمیشہ احکام خدا کی بذریعۂ عمل تصدیق کرتی رہی، اور اسکی بھیجی ہوئی کتابوں کو قانونِ خدا سمجھکر اُسپر حتی الوسع عمل پیرا رہی، اور وہ فی الحقیقت خدا کے فرماں بردار بندوں میں سے ایک بندی تھی" یہی توفیق عمل صحیح معنوں میں وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس کی بنا پر سورۂ مومنون میں عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریمؑ دونوں کو "خدا کی نشانی" کہا گیا ہے، وَجَعَلْنَا ٱبْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُۥٓ ءَايَةً (۲۳ : ۵۰)، یعنی "ہم نے ابن مریم اور اسکی ماں کو اُن کی بے لوث و ریا عملی زندگی کی وجہ سے خدا کی قدرت کی ایک نشانی اور اعجوبہ بنا دیا تھا" اور اسی نعمت کا ذکر آیۃ (۵ : ۱۱۰) میں ہے جس کی تشریح میں یہ سب ضمنی آیتیں پیش کی گئی ہیں۔

اِن تمام حیرت انگیز شہادتوں سے جو متذکرۂ صدر عنوانات (الف۔ س) میں پیش ہوئیں ہر نوع یہ ظاہر ہے کہ نعمت کا الٰہی مفہوم ہمہ تن **اور بہر کیف دنیاوی ہی ہے**، کہیں اس سے مراد وہ **اجتماعی تمکن اور راحت ہی** جو منعمِ حقیقی اقوام عالم کو ان کے حُسن عمل کے صلے میں عطا فرماتا ہے (الف) (۸ : ۵۳)، (۳۵ : ۵۴)، (ک) (۱۴ : ۶)، (۵ : ۲۰)، (۲ : ۲۱۱)، (۲ : ۴۷)، (۲ : ۱۲۲)، (۲ : ۴۰)، (۴۴ : ۲۷) (ھ) (۵ : ۱۱)، (۳ : ۱۷۳)، (۳ : ۱۷۰)، (۴۸ : ۲)، (۵ : ۳)، (۲ : ۲۳۱)، (۵ : ۷)، (۲ : ۱۵۰)، (۲۹ : ۶۷)، کہیں اِس سے مقصود انفرادی مگر دنیاوی انعام و اکرام ہیں (الف) (۶۸ : ۴۹)، (۴۶ : ۱۵)، (۱۲ : ۶)، (ب) (۳۹ : ۴۹)، (۴۱ : ۵)، (۱۷ : ۸۳)، (۳۹ : ۸)، (۱۶ : ۵۳)، (۱۱ : ۱۰)، (ھ) (۶۸ : ۲)، (۹۳ : ۱۱)، (و) (۳۳ : ۳۷)، کہیں پیشِ نظر **بنی نوع انسان کے عام عطیات** کو یاد دلاتا ہے (الف) (۱۴ : ۳۴)، (ج) (۱۶ : ۸۳)، (۱۶ : ۷)، (۱۶ : ۷۲)، (۳۵ : ۳)، (۳۱ : ۲۰)، کہیں نعمت سے مراد اجتماعی بہتری کے لیے **تائید خدا** ہے (ھ) (۳۳ : ۹)، کہیں وہ **حفظِ نفس** کے مرادف ہے (ھ) (۵ : ۱۱)، کہیں یہ **خانگی مصالحت، معاشری امن، یا بدنی طہارت** ہے (ھ) (۵ : ۶)، (۲ : ۲۳۱)، کہیں اسکا مطمح نظر **علم** ہے، (الف) (۱۲ : ۶)، کہیں وہ **توفیق عمل** ہے جس کا نتیجہ دنیاوی اصلاح اور اجتماعی امن ہے (و) (۵ : ۲۳)، (۴ : ۶۹)، (۱۹ : ۵۶ - ۵۸)، (س) (۴۳ : ۵۹)، (۵ : ۱۱۰) وغیرہ وغیرہ۔ پس سورۂ فاتحہ کے صِرَٰطَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں بھی انہی دنیاوی اور اجتماعی انعاموں کی طرف اشارہ ہے، فرضی یا خیالی، روحانی یا اُخروی انعاموں کی طرف قطعاً نہیں۔ وہی قوم صراط مستقیم پر صحیح معنوں میں چل رہی ہے جو اُس منعمِ مثال کے **اجتماعی انعاموں کیطرف لپک رہی ہے**، جو اِس غرض و غایت کو پیش نظر رکھکر اپنے افراد میں سعی و عمل

ع۵ یہ الفاظ آیۃ (۳۶ : ۱۱) میں آئے ہیں۔

نجات مانگی گئی تھی؛ اسمیں عام انسانی لغزشوں، اور سہو و خطا کی طویل اور دشوار گذار راہوں سے پناہ طلب کیگئی تھی۔ یہ ہر اسلامی معاملے میں حُسن عمل کی استدعا، اور عطائے سہولت کی عرضداشت تھی؛ نہیں یہ ہر متنفس کی طرف سے سطح زمین کی تمام اسلامی جماعت کے حق میں توفیق عمل کی گذارش تھی: اِهْدِنَا† الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ[۱]۔ ریگستان عرب کے ہزاروں بلکہ لاکھوں نفوس کی یہ جماعت صبح و شام، زوال آفتاب پر اور دن ڈھلے، رات کی خاموشیوں اور دن کی مصروف کاریوں میں، ایک مرکز کی طرف قبلہ رُو ہوکر، نہایت عجز و الحاح سے یہ کہا کرتی تھی کہ اے آلہ العالمین! تُو دنیا کی اس عظیم الشان کشمکش

---

[۱] ہماری تمام امت کو نعمت کا صراط مستقیم دکھا۔ سلسلے کے لیئے دیکھو آیہ (۱:۵-۷) نَا کا صیغہ جمع کا ہے اسلیئے خطاب تمام اُمت کی طرف سے ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۴) ہر غرضمند شخص اپنے دنیاوی منعم کے روبرو دست بستہ کھڑے ہوکر ظاہر کرتا ہے، وہ انعام کو جلد تر حاصل کرنے اور اپنے منعم کے دل کو اقل قلیل مدت میں نرم کرنے کی غرض سے کبھی اُسکے پاؤں پڑتا ہے، کبھی اپنی پگڑی اُسکے پاؤں پر ڈال دیتا ہے، کبھی اُسکے آگے زمین پر سجدہ کرتا ہے، کبھی گر گر کر اُٹھتا ہے اور پھر ہاتھ جوڑنے لگتا ہے۔ اس تمام اضطراری عمل سے مقصود منعم کے دل کو نعمت کے فوراً عطا کرنے کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے اور بس۔ اور میرا یقین ہے کہ نماز کے قومے اور قعدے بھی اُس منعم حقیقی کے حضور میں اسی کیفیت دل اور اضطراب کے مظاہر تھے۔ اگرچہ آج وہ سب کیف و حال ہر نمازی کے دل سے اصلاً محو ہو چکا ہے۔ فَسَيُدْخِلُهُمْ کے سَ سے بھی، جو مستقبل قریب کے لیئے بالعموم استعمال ہوتا ہے، یہی انعام کا جلد تر عطا ہونا مترشح ہوتا ہے۔ رَحْمَةٍ اور فَضْلٍ کے دنیاوی مفہوم کے متعلق شہادتیں صفحہ ۲۱۶ کے تحت المتن میں اور چند صفحہ ۱۱۵، ۱۲۳، ۱۵۲ پر گذر چکی ہیں، باقی شہادت کو خوف طوالت کے باعث نظر انداز کر دیا ہے۔

يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا میں اِلَيْهِ کی ضمیر کو بعض روح پسند اور سطح بیں اصحاب نے خدا کی طرف پھیرا ہے اور اس جملے کا مطلب یوں ادا کیا ہے کہ ایمان والوں کو "خدا اپنی طرف کا سیدھا رستہ دکھاویگا"۔ ادنیٰ تامل بھی ظاہر کرتا ہے کہ خدا کی طرف کا سیدھا رستہ، وہ ناقابل درک شے ہے کہ اُسکے صحیح مفہوم کے متعلق ایک برس بحث کرنیکے بعد بھی کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا! ہم نے اِلَيْهِ کی ضمیر کا مرجع فَضْلٍ ظاہر کیا ہے، یہی از روئے قواعد صحیح تر مرجع ہے، اور اسی سے مطالب بالکل مربوط ہو جاتے ہیں۔

† یہاں پر نَا کی ضمیر اس امر کی شہادت ہے کہ صراط مستقیم کی درخواست تمام جماعت کی طرف سے ہے، انفرادی نہیں۔ اور اس لیئے صراط مستقیم بھی لامحالہ وہ اجتماعی طریق عمل ہے جس پر چلکر جماعت کے دنیاوی انعام حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ آگے چلکر ثابت ہوگا۔ اسلامی نماز کی تمام قرات میں جو بات غور طلب اور دلچسپ ہے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں (جسکو پیش امام اُمت کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے بآواز بلند پڑھتا ہے درآنحالیکہ مقتدی خاموش کھڑے رہتے ہیں) متکلم اور غائب کی سب ضمیریں جمع کی ہیں۔ باقی تمام حصص جو مقتدی دبی آواز میں بطور خود ادا کرتے ہیں سب کے سب انفرادی ہیں، اُن میں سب متکلم ضمیریں اور صیغے (ماسوا ایک[۲] کے) واحد ہیں گویا اجتماعی حصوں کو پیش امام کی زبان سے بآواز بلند کہنے اور انفرادی حصوں کو فرداً فرداً دبی آواز میں ادا کرنے کا سبب انکا اجتماعی اور انفرادی ہونا ہی ہے۔ اس مقام نظر سے ظاہر ہے کہ انفرادی طور پر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی درخواست اصالتاً بے معنی ہے۔ اور نماز کو اسلامی جماعت سے الگ ہوکر، یا خانہ نشین بنکر ادا کرنے سے اسکی اصلی غرض و غایت ایک بہت بڑی حد تک مفقود ہو جاتی ہے۔

[۲] التحیات میں السلام علینا کی نَا کی ضمیر لیکن ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک فرد کا سب اُمت پر انفرادی معنوں میں سلام ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

بتائے ہوئے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔

"صراطِ مستقیم"

یہ تھا سچا فلسفہ اُس **نماز** کا جسکے اہم ترحصّے کو خود خدائے جلّ وعلیٰ نے مومنوں کی ہدایت اور آیندہ نسلوں کی رہنمائی اور اطمینان مزید کے لیئے، بطور وحی نازل کرکے قرآن کے ورقِ اوّل پر لکھدیا تھا۔ یہی وہ واحد، فراخور سعی، اور درخورِ طلب نصب العین تھا جو اسلام کی دنیاوی اور اخروی بہتری کے اُس بہترین مجوّز نے، دن میں پانچوقت مسلمانوں کے پیش نظر کردیا تھا! اِس **صراط مستقیم** کی دعا میں ربّ العالمین کے حضور میں نعمت کے **جلد تر** عطا ہونے کی درخواست تھی؛ اِسمیں اُس اعلیٰ مقام حاصل کرنے کا صبر گسل اشتیاق شعلہ زن تھا، اِسمیں درنگ کی بے صبرانہ تڑپ، اور تعویق والتوا کا بسملانہ اضطراب تھا:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّیَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا (۴: ۱۷۶)

سو جن لوگوں نے خدا کو اپنا آقا مان لیا، اور جم کر اُسکے قانون کی تعمیل کرتے رہے، اُنہیں عنقریب اپنی مہربانیوں اور بخششوں سے مالامال کردے گا۔ اور اُنہیں دنیاوی مرفہ الحالی کیطرف مختصر سے مختصر اور قریب سے قریب راستے سے لے آئیگا۔

اسمیں اوّلین فرصت پر، اور سہل تر طریقے سے، اِس معاملے کو طے کرنے کی خواہش کیگئی تھی؛ اسمیں گنجایش صبر اور تاب مہلت کا انکار تھا؛ اِسمیں ناقابلیت اور سوءِ تدبیر، نادوربینی اور غلط طریقِ عمل کی مشکلات سے

---

* اس آیہ کریمہ میں الفاظ بَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا۔ اِس امر کی شہادت ہیں کہ صراط مستقیم کا انہی مفہوم مختصر سے مختصر اور قریب سے قریب راستہ بھی ہے۔ دو مقامات کے درمیان سب سے مختصر راستہ خطِ مستقیم ہے، اور ایک شئے کو دوسری شئے کی طرف سیدھے رہنے سے یعنی میں اختصار اور سرعتِ نقل و حرکت دونوں منظر ہوتی ہیں، لہٰذا راستہ اختیار کرنے میں لامحالہ طوالت اور دیری دونوں کا خوف لاحق ہے پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ (۱: ۵-۶) کی دعا میں اس نعمت تک نہایت سرعت اور مختصر سے مختصر راستے سے پہنچنے کی دعا بھی ہے اور اسمیں اس نعمت کے جلد تر حاصل ہونے کا اضطراب مضمر ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے دلوں کی جو وہ اضطراری کیفیت تھی جو نماز کے وقت منعم حقیقی کے حضور میں انکو خشوع و خضوع کرنے بلکہ بار بار اٹھنے اور بیٹھنے پر بدل مجبور کردیتی تھی۔ آج یہی اضطراب

عطا فرما! وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ (۱۴: ۱۲) ؎ تو اُن میں قانون خدا کا صحیح علم و عمل، اور ایمان کی اٹل طاقتیں قائم رکھ؛ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۲۲: ۵۴)، مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۴۲: ۵۲) ؎ تو ان میں ایثارِ مال کے محبت انگیز ولولے اور ایثارِ جان کا نتیجہ خیز ہیجان پیدا کر! اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۠ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۲۳: ۷۲-۷۳) ؎ تو ان کو تفریق کے ہولناک نتائج اور اشتات و انتشار کی

؎ اور قاصدانِ خدا نے قوم موسیٰ سے کہا کہ ہم کیوں نہ اپنا تمام معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں، اور ڈٹ کر مشائے خدا کی تبلیغ و اشاعت کریں، حالانکہ اسنے ہمارا طریق عمل ہم کو بتلا دیا ہے۔ اور ہم کیوں نہ استقلال سے اس دُکھ کو برداشت کریں جو تم نے ہم کو دیا، اور توکل کرنیوالوں کو تو یہی چاہیئے کہ اللہ پر توکل کریں۔

؎ اور فی الحال ان لوگوں کو جو اسکے خدا ہونے پر ایمان لے آئے اور جنہوں نے اسکی تصدیق میں فرمودۂ خدا اعمال کیئے، صراطِ مستقیم کیطرف ضرور لیجائیگا۔

؎ اے پیغمبر! تم اس سے پہلے کیا جانتے تھے کہ کتابِ خدا کیا چیز ہے، اور کیا سمجھتے تھے کہ ایمان کسے کہتے ہیں۔ مگر ہم نے اس ایمان کو تمہارے اندر نور کر دیا ہے جس سے تمام اصلیت تم پر کھل چکی ہے۔ اپنے بندوں میں جسکو ہم مناسب سمجھتے ہیں اس نور کے ذریعے سے رستہ دکھا دیتے ہیں اور تم تو لامحالہ لوگوں کو صراطِ مستقیم پر ہی چلا رہے ہو۔

؎ اے محمدؐ! کیا تم اِن نابکار اور ناانجام شناس لوگوں (یعنی منافق اہل عرب) سے خیر مانگ رہے ہو، کیا تم اُمت کی بہتری کے لیے انکو ایثارِ مال کے واسطے کہہ رہے ہو، ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو، خدا کا بھیجا ہوا مال جو سچے مسلمانوں کی وساطت سے تم کو ملا ہے تمہاری اُمت کے حق میں بہتر ہے کیونکہ وہ دردمند لوگوں نے دیا ہے، اور وہی بہترین رزق دینے والا ہے اور تم تو لامحالہ اِن لوگوں کو صراطِ مستقیم پر ہی بلا رہے ہو۔

؎ صبر کے صحیح مطالب صفحہ ۳۹، ۴۰، ۱۱۸، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۹ کے حاشیوں میں بیان ہو چکے ہیں، علیٰ ہذا القیاس تَوَكُّل کے بحث کے لیے صفحہ ۷۸ کا تحت المتن دیکھنا چاہیئے۔ هَدٰىنَا سُبُلَنَا سے مراد صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی ہے گویا مصائب کو استقلال سے برداشت کرنا۔ ان کا ہم کو معاف کرنا، ان کے دفعیے کے لیے سعی کرنا اور بعد از آں نتائج کے بارے میں خدا کے فیصلوں پر بہرحال اعتماد کرنا اسلامی صراطِ مستقیم کی ایک شق ہے۔

؎ ایمان کی کرنی شرطوں اور اسکے قوت افزا اعمال کے متعلق مفصل بحث ابھی ابھی ہو چکی ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں پر اٰمَنُوْا سے مراد صرف منہ سے آمنّا باللہ کہنا نہیں بلکہ اُن جانگداز اور روح فرسا اعمال کا کرنا ہے جسکا نتیجہ غلبہ قوم ہے اور انہی اعمال کو شعار بنانا صراطِ مستقیم کی طرف جانا ہے۔

؎ الکتاب کے مفہوم کے متعلق ایک ابتدائی بحث صفحہ ۱۲ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ یہاں مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ الکتاب سے مراد قانونِ خدا ہی ہے۔ اور یہ لفظ مطلق معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے کوئی خاص کتاب الٰہی مراد نہیں۔ تُو نہیں جانتا تھا کہ قرآن کیا ہے؟ اسوقت کہنا جب کہ قرآن آنحضرتؐ پر نازل بھی نہیں ہوا تھا بے معنی ہے۔ اِیمان سے مراد یہاں پر بھی وہ کیف قلب ہے جسکا نتیجہ خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانی ہے۔ مُنہ سے کہہ کہہ کر چھوٹ جانا مراد نہیں۔ اس مقام نظر سے ایمان کو جَعَلْنٰهُ نُوْرًا کہا گیا ہے اور بالآخر اسکو صراطِ مستقیم کی ایک شق گردانا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا کی ضمیر ھُوَ کا مرجع نہ صرف اِیمَانٌ بلکہ الکِتٰبُ بھی ہو کیونکہ کتاب خدا کو نور سے تشبیہ پہلے بھی دی جا چکی ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۶۱۔ آیہ (۵: ۱۵)۔

میں جہاں ہر قدم پر مشکلات کا سامنا ہے، جہاں معاملات کی عظمت و اہمیت کے باعث کم علم اور کوتاہ بیں انسان کے لیئے اکثر اوقات حق و باطل میں تمیز، اور صحیح و غلط میں فرق کرنا محال ہو جاتا ہے، تو دنیا کے اس وسیع مجادلے میں اسلام کی جماعت کو حصول قوت کے سیدھے اور آسان طریقے بتا دے، تو اُن میں حُسن تدبیر اور صلاح عمل کی اہلیت پیدا کرے، تو اُن میں اعتصام خدا اور تسلیم، اتقا اور اتحاد کے جذبات موجزن کرے! وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ † يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (۳: ۱۰۰-۱۰۲) ؎ تو اُن میں صبر کی توفیق اور توکل کی ہمت

؎ اور جو لوگ اللہ کے دامن کو جسم کر پکڑے رہے، (اُسکے قانون کی تن دہی سے تعمیل کر کے اُسی کا آسرا ڈھونڈتے رہے)، وہ تو صراط مستقیم پر لگ گئے۔ اے ایمان والو! تمہارے لیئے راہ راست یہی ہے کہ مقام خدا سے ہر وقت ڈرتے رہا کرو اور ایسا ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے، اور اُسکے احکام کے آگے مرتے دم تک سر تسلیم خم رکھو۔ اور سب ایک دوسرے سے مِل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہو اور دیکھنا آپس میں تفریق ہرگز پیدا نہ ہونے دینا۔

† یہاں سے صراط مستقیم کی قرآنی تعریف شروع ہے۔ بعد کی آیات جو اس عنوان کے تحت میں پیش کی گئی ہیں۔ سب کی سب اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے مفہوم کی کسی ایک شق کی توضیح کر رہی ہیں۔ یہاں یہ امر نہایت غور طلب ہے کہ ماسوا **ایک** مقام کے جس کا ذکر آگے چلکر کر دیا ہے، قرآن حکیم کے تمام طول و عرض میں اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے الفاظ سورہ فاتحہ سے قطع نظر، اور کہیں نہیں آئے۔ سب موقعوں پر صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ بالتنوین موجود ہے، جس سے ظاہر ہے کہ ان آیات میں اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے الٰہی مفہوم کی صرف **ایک** شق بیان کر دی ہے، تمام و کمال مفہوم کا ادا کرنا اُس جا مقصود نہ تھا۔ صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کی تین شقیں یعنی (۱) **علم فطرت** کا حاصل کرنا صفحہ ۱۷۶۔ آیہ (۵: ۱۶) میں اور (۲) **اتحاد امت** صفحہ ۱۸۰۔ آیہ (۲: ۲۱۳) میں بیان ہو چکی ہیں دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۹۰۔ (۳) **حفظ نفس** پر کاربند ہونا صفحہ ۱۹۶۔ آیہ (۵: ۳۲) میں اور

آیت زیر بحث (یعنی ۳: ۱۰۰) کے موضوع کی مماثلت صفحہ ۲۴۴ کی آیت (۴: ۱۷۶) سے واضح ہے۔ 'اعتصام باللہ' اور 'صراط مستقیم' کے الفاظ دونوں جگہ استعمال ہوئے ہیں اور مضمون بھی قریب قریب واحد ہے۔ آیہ (۳: ۱۰۱) سے نئے رکوع کے شروع ہونے کے باعث اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ لَا تَفَرَّقُوْا یعنی اتحاد کے مضمون کو جو (آیہ ۳: ۱۰۲) میں آیا ہے صراط مستقیم کا ایک شقی مفہوم سمجھنا دور از کار تاویل ہے مگر ادنےٰ تامل بھی اس نتیجے پر پہونچا دیتا ہے کہ یہ محاکمہ درست نہیں۔ اولاً قرآن حکیم میں نئے رکوع کا شروع ہونا اس امر کی حتمی کوئی دلیل نہیں کہ بعد کے رکوع کا پہلے رکوع سے تعلق نہیں، برخلاف اس کے کلام الٰہی کے ربط کو سمجھنے والے اشخاص خوب جانتے ہیں کہ قرآنی رکوع بسا اوقات ایک سلسلۂ استدلال کی کئی منازل کے مابین بطور وقفے کے ہوا کرتے ہیں، انکے واقع ہونے سے اُس موضوع کا انقطاع مراد نہیں ہوتا۔ اکثر موقعوں پر کئی رکوعوں میں ایک ہی تواتر بیان اور تسلسل خیال چلا جاتا ہے۔ اور بعد کا رکوع پہلے رکوع کے دعاوی کا مؤید بنکر اُس بیان کی توکید مزید یا تشریح کر دیتا ہے۔ بعینہٖ یہی بات اِن دو رکوعوں میں ہے جو زیر بحث آیات کے متعلق ہیں جیسا کہ کسی آیندہ موقع پر تمام سورۃ کا مربوط ترجمہ کرتے وقت عیاں ہو جائیگا۔ ثانیاً آیہ (۳: ۱۰۲) میں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا کے الفاظ اور آیہ (۳: ۱۰۰) میں يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ کو صراط مستقیم کی ایک شق قرار دینا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ بعد کے رکوع میں صراط مستقیم کے مفہوم کی مزید توضیح ہی لَا تَفَرَّقُوْا کے الفاظ میں کی گئی ہے اور مضمون برابر ایک ہی چلا آ رہا ہے۔ گویا شقہ طور پر اعتصام بحبل اللہ کرنا، اور فرقہ بندی نہ بننا نہ صرف 'ایمان' (اٰمَنُوْا)، اور 'اتقا' (اتَّقُوا اللّٰهَ)، اور 'اسلام' (وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ) ہی کی ایک اہم شق ہے بلکہ صراط مستقیم کا ایک شوشہ بھی ہے۔

مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲: ۱۴۲)

تو اُن کو ابراہیم کی مخلصانہ اطاعت اور یک منعمی کے کامل اتحادِ عمل کی طرف مائل کر: قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ

سلہ ناسمجھ اور نادان لوگ تو یہی کہیں گے کہ بھلا محمد (صلعم) کے پیرو کیوں بے وجہ اور بلا سبب اپنے پہلے قبلے سے ہٹ کر دوسرے قبلے کی طرف آگئے، اور وہ کیا ہی معمولی سی بات تھی جس پر یہودیوں اور عیسائیوں سے لڑائی مول لی۔ قانون خدا کے اِن نادانوں کو یہی مختصر سا جواب دے کر چُپ کرا دو کہ تمہیں اِس بات کی کیوں خلش ہے، خدا ہی کا مشرق اور خدا ہی کا مغرب ہے۔ وہ جو چاہے پسند کرے۔ لیکن وہ جس قوم کو چاہتا ہے۔ اور جس میں اہلیت دیکھتا ہے تمرکز اور وحدت کا صراط مستقیم دکھا دیتا ہے۔

✤ اس آیہ شریفہ کے صحیح مطالب میں نے مذکورۂ بالا ترجمے میں ظاہر کر دیئے ہیں۔ شارحین نے جو کچھ لکھا ہے۔ سوال از آسماں اور جواب از ریسماں کا مصداق ہے۔ سفہاء اور نادانوں کا اعتراض ہے کہ قبلہ بیت المقدس سے مکہ معظمہ کیطرف کیوں بدل دیا گیا انکو بے وقوفوں کا سا جواب دیا ہے کہ مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی اللہ کا۔ اسنے جو چاہا پسند کر لیا۔ عاقلوں اور سوچ والوں کے لائق یہ جواب ہے کہ اسلام کو ایک مرکز چاہیئے تھا۔ سو جس قوم میں خدا اہلیت دیکھتا ہے اُسکو ایک مرکز پر آنے کا صراط مستقیم دکھا دیتا ہے۔ اگر بیت المقدس بدستور قبلہ رہتا تو یہ تمرکز ممکن نہ تھا۔ عیسائی الگ تھلگ رہ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بناتے، یہود جدا شور مچاتے، اور وہ سچا اتحاد جو پیش نظر تھا قائم نہ ہو سکتا۔ پس بہتر یہی تھا کہ الگ مرکز بنایا جائے جس پر یہود و نصارٰے بلکہ تمام عالم مجتمع ہو سکے اور ہو جائے۔ ضمناً جواب میں اس اہم حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ خدا کو مشرق مغرب کی کچھ تخصیص نہیں، سب اُسی کے ہیں۔ اسلیئے نہ بیت المقدس مقصود بالذات تھا نہ اب مکہ ہے جو مقصود ہے وہ تمرکز اور اتحاد ہے گویا مسلمانوں کو متنبہ کر دیا ہے کہ اصل قانون کی طرف رجوع کریں جیسا کہ میں نے مَنْسَكْ کے تحت المتن کے اخیر (صفحہ ۲۳۳) میں واضح کرنے کی سعی کی ہے۔ یہ تحت المتن چنانچہ اِس صفحے پر بھی جاری ہے اور اس آیت کے مطالب پر غور اُس تمام تحریر کو پڑھ کر کرنا چاہیئے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۸) علامات کی پابندی کسی قوم کے اُسکے اپنے معبود سے لگاؤ کا صرف ایک **ظاہری نشان** ہے، معبود کے **احکام کی تعمیل پر آمادگی** یا اُسکے بتائے ہوئے **قانون کی پابندی** اُن سے لازم نہیں آتی۔ بہت ممکن بلکہ انسب ہے کہ ایک شخص اِن رسومات کے ساتھ ساتھ صحیح معنوں میں **ملازم** خدا بنا رہے۔ مگر ہر رسمی نباہنے والا **غلامی** (یعنی عبادت) کا دعوٰے اُس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ اصل **قانون** اور احکام کی تعمیل بھی کما حقہ نہ ہوتی رہے۔ اِس مقام نظر سے کسی مذہب کے اُس کے اپنے معبود سے اظہار تعلق کی اِن ظاہری علامات کو **عبادات** کہنا **قطعاً نادرست** ہے کیونکہ عبادت آقا کے حکموں پر پیہم عمل اور اُس کی خاطر **مسلسل** تکلیف برداری ہی ہے۔ اور اِن رسوم کو بقید وقت پورا کر لینا صحیح معنوں میں **عمل** نہیں گو کہ ان کی پابندی بھی معبود کے **احکام** میں داخل ہو۔ قرآن حکیم نے اسی نقطۂ نظر سے اِس قطع کے وقتی اور رسمی افعال کو **مَنَاسِكْ** کے جامع اور مانع لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور **عبادت** کا لفظ کسی شخص کے باطنی تعبد اور اُس کی قلبی اطاعت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی موضوع پر ایک مستقل بحث عبادت کے تحت المتن صفحہ ۱۰۵ الخ میں گذر چکی ہے۔ اسلام میں صلوٰۃ اور حج، صوم اور زکوٰۃ کے افعال، یا وہ شرعی مجالس، فقہی مراسم اور اجتماعی تیوہار جو ظہور اسلام کے بعد اُمت میں رواج پا گئے ہیں، اور جن کے باعث مسلمان باقی نامسلمان امتوں سے ممتاز نظر آتے ہیں، سب کے سب مناسک میں داخل ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ نماز اور حج کے ادا کرنے یا دن بھر بھوکا رہنے اور مقررہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیئے ہر متنفس میں کچھ نہ کچھ اطاعت کا مادہ موجود ہونا ضروری ہے۔ مگر نرے نمازگذار، صائم یا حاجی وغیرہ بن جانے سے **عبد** کا درجہ لازماً حاصل نہیں ہوتا جبتک کہ **اطاعت کا کیف اِن مناسک کے ادا کرنے کے بعد بھی بہر وقت موجود نہ رہے**، اور تمام احکام قرآن کی حسب موقع تعمیل نہ ہوتی رہے۔ پس **نُسک** اور **عبادت** میں فرق فی الحقیقت **کیف دل کا فرق** ہے اور جو نسک قلبی اطاعت سے ادا ہو اور حاکم کا کھٹکا پیدا کر دے وہ بلاشبہ عبادت کا ایک جزو ہے۔ مناسک اسلام کی اسی باطنی استعداد اصلاح کو مدنظر رکھکر میں نے صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ کو عبادات میں داخل کیا ہے، اور اصل کتاب میں بحث اُسی الصلوٰۃ پر ہو رہی ہے جو کیفیت دل کے ساتھ ادا ہو کر

لاعلاج شکست وریخت سے بچا! وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (۲: ۲۱۳)[۱]؛ تو اُن میں اپنی سچی ملازمت اور لاشریک عبادت کے ولولے پیدا کردے! أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ (۳۶: ۶۰-۶۱)[۲]؛ تو اسلامی اُمت کے لیے ایک منسکِ عمل، ایک طریق ملازمت، اور ایک انداز عبادت مقرر کرچکنے کے بعد اُنکو اصل قانون (اتحاد) کے متعلق سب تنازعات سے باز رکھ! لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ۝ (۲۲: ۶۷)[۳]؛ تو اُن کو صورتاً اور معناً ایک مرکز پر جمع کرکے اُنکی جماعت کو قوت کا لازوال مصدر، تمرکز کا بے مثال پیکر، اور شہادت خدا کا بیعدیل نمونہ بنادے! سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ[۴]

---

[۱] اور کتاب خدا کے متعلق تو انہی لوگوں نے آپس میں، صریح احکام آنے پیچھے، اختلاف قائم کرلیا جن کو وہ دی گئی تھی، اور اس اختلاف کی وجہ اُن کی آپس میں ضد ہی تھی۔ پھر آخر کار وہ راہ حق، جسکے بارے میں لوگوں میں اسقدر اختلاف پیدا ہوگیا تھا، اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ان ایمان والوں (یعنی قرون اولیٰ کے مسلمانوں) کو دکھادی، اور اللہ تو جس کو مناسب سمجھتا ہے صراط مستقیم کی طرف لیجاتا ہے۔

[۲] اے اولاد آدم! کیا ہم تمکو وقتاً فوقتاً تاکید نہیں کرتے رہے، اور کیا ہم نے تم سب کی جبلت سے اس بات کا معنوی عہد نہیں لیا کہ دیکھو شیطان کی غلامی نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور میری ہی عبادت اور عملی خدمت میں لگے رہنا کہ یہی صراط مستقیم ہے، (عبادت کا مفہوم ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی نماز نہیں کیونکہ کوئی شخص شیطان کی نماز نہیں پڑھتا۔ مقصود عملی اطاعت ہی ہے۔ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۶۔ اس آیت کے مطالب کا مقابلہ آیہ (۵۱: ۵۶) صفحہ ۱۱۸ سے کرنا چاہیئے۔

[۳] لوگو! ہم نے روئے زمین کی ہر اُمت کے لیے خدا کی عبودیت اور قانون خدا کی اطاعت کا ایک ظاہری نشان مقرر کردیا ہے جسپر وہ چل رہی ہے لیکن اصل قانون سب کے لیے ایک ہے (اور وہ اتحاد ہے) تو لوگوں کو چاہیئے کہ اصل قانون (الامر) کے متعلق تم سے کوئی نزاع قطعاً قائم نہ کریں۔ پس تم سب دنیا کو اپنے پروردگار ہی کی طرف بلاکر ایک مرکز پر جمع کردو اور اسی توحید کے ذریعے سے اتحاد عالم پیدا کرو۔ اسمیں شک نہیں کہ تم عالم کے مابین اس اتحاد معنوی کے قائم کرنے میں تم لامحالہ صراط مستقیم پر ہو۔ الامر کی تشریح کیلئے آیندہ تحت المتن کے علاوہ دیباچہ کتاب صفحہ ۳-۹ و ۳۲-۳۳ کے مطالب پر غور کرنا چاہیئے۔

[۴] اس مشکل آیت کے صحیح مفہوم کو میں نے متذکرۂ صدر تشریح میں ظاہر کرنے کی سعی کی ہے اور مطالب کو گذشتہ اور آیندہ سیاق سورۃ سے مربوط کردیا ہے۔ تحولۂ بالا مطالب کی صحت کا اندازہ شاید اُس وقت زیادہ صراحت سے ہوسکے گا۔ جب سورۂ حج کے داخلی ربط اور مطالب کو جس میں یہ آیت واقع ہوئی ہے واضح کردیا جائے گا اور حج کی الٰہی حکمت عملی بھی ذہن نشین ہوجائے گی۔ حج بیت الحرام کے متعلق ایک ابتدائی بحث دوسری جلد میں آنے والی ہے اور وہاں پر بھی اس آیت کے مذکورۂ بالا مطالب کی تصدیق کا موقع مل رہے گا۔ یہاں پر فی الحال لفظ مَنسَكًا اور لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا کے صحیح مفہوم سے بحث ہے۔ مَنسَكٌ کے معنی میں نے "نشانِ ملازمت خدا" کیے ہیں، اور میری مراد اس سے وہ اجتماعی رسم و رسوم اور شرعی رواجات ہیں جن کے ذریعے سے روئے زمین کی ہر قوم بلالحاظ مذہب وملت وقتاً فوقتاً معبود سے اپنے تعبد اور تعلق کا رسمی اظہار کرتی رہتی ہے۔ بعض اُمتوں میں یہ مناسک حیوانی قربانیاں ہیں، بعض میں سالانہ اجتماع اور میلے ہیں، بعض میں کسی ظاہری نشان مثل قشقہ وزنار کا لگائے رکھنا ہے، بعض میں عجیب وغریب اور ناقابل فہم رسومات ہیں جن کی اصلی غرض وغایت مرور مدت کے باعث مسخ ہوچکی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان شرعی

لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (۶ : ۱۶۲-۱۶۴) ۔ تو اُن میں تسلیم کی خو، اطاعت خدا کا ولولہ، اور اپنی دی ہوئی نعمتوں کی سچی قدر کرنے کی قوت دے! اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ کَانَ اُمَّۃً

ل اے پیغمبر تم علی الاعلان کہدو کہ اُس خدائے عظیم نے مجھے صراط مستقیم دکھا دیا ہے، اور وہ وہی راہ رہست (دِیْنًا قِیَمًا) ہے جو ابراہیمؑ کا تھا اور جو خالصۃً خدا ہی کے ہو رہے تھے، اُسی کے قانون کی عملاً متابعت کیا کرتے تھے، اور اطاعت گذاری میں کسی شئے کو بھی خدا کے برابر نہ کرتے تھے (مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ)۔ اے پیغمبر تم کہدو کہ میں تو اُس رب زمین و آسمان کے قانون کی عملی اطاعت کی طرف اس طرح جھک گیا ہوں کہ میرے سب افعال، میرا نماز میں جھکنا، میری ملازمت و اطاعت کے سب انداز (نُسُکِیْ) میری خدمت اور بندگی کے سب ظواہر (نُسُکِیْ) میری باطنی اطاعت (صَلَاتِیْ) اور ظاہری عبودیت (نُسُکِیْ) حتی کہ میرا جینا اور مرنا بھی اُسی رب العالمین کے اعلاء کے لیئے ہے، اُسی کی حکومت کو لوگوں کے دلوں میں استوار کرنیکے واسطے ہے۔ اور وہ وُہ حاکم اعلیٰ ہے جس کا کوئی ہم پلہ نہیں، جس کے برابر کوئی حکمران نہیں۔ یہی حکم مجھے اُسکے ہاں سے ملا ہے اور میں سب سے پہلے اُسکو اپنا خدا تسلیم کرتا ہوں (اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ)۔

ط مناسک کے تحت اللفظ میں جو اس صیغے پر جاری ہے میں نے آیۂ (۶ : ۱۶۳) کی تشریح کر دی ہے۔ چنانچہ یہ آیت حُسن اتفاق سے اِسی صیغے کے ذیل میں آگئی ہے۔ آیۂ (۶ : ۱۶۴) کے الفاظ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ سے واضح ہے کہ یہاں پر بھی نُسُک سے مقصود تسلیم و اطاعت ہی ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ خدا کو چھوڑ کر ماسوا کی محبت میں گرفتار ہونا (مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ) اپنی تمام قلبی نیازمندی (صَلَاتِیْ) اور ظاہری نشانِ ملازمت (نُسُکِیْ) اور زندگی (مَحْیَایَ) اور جان (مَمَاتِیْ) کو قانون خدا کے مطیع کر دینا اور تسلیم اپنا شیوۂ عمل بنا لینا صراط مستقیم ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳۰) لَکَ ۚ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (۲ : ۱۲۸) یعنی اے حاکموں کے حاکم اور ہمارے پالنے والے خدا! تو اس ریگستان اور بیابانِ عرب کے اندر ہماری ناچیز کوششوں کو جو ہم اس چھوٹے سے اور بے حیثیت گھر کو تیرے جلیل القدر نام پر موسوم کرنیکے لیئے کر رہے ہیں، قبول کر (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا کا ترجمہ جو آیۂ (۲ : ۱۲۷) میں ہے)، تو ان نیک نیت مساعی کو بار آور کر، اور اے حکم الحاکمین! تو ہم کو صحیح معنوں میں اپنا حکمبردار بنا۔ اور ہماری اولاد میں سے ایک اُمت پیدا کر جو فی الحقیقت تیرے حکموں کو ماننے والی ہو، اور ہم کو ہماری ملازمت کے نشان (مَنَاسِکَنَا) بتلا، ہماری گذشتہ واماندگیوں سے درگذر، کیونکہ اس میں شک نہیں کہ تو تائب بندوں کے حق میں بڑا ہی درگذر کرنیوالا مہربان ہے"۔ اِسی **اطاعت** کے منتہا کو مدنظر رکھکر ابراہیم علیہ السلام کے "دِین قیم" اور "ملت حنیفہ" کو دوسرے موقع پر یوں واضح کیا ہے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ **الْمُسْلِمِیْنَ** ۝ (۶ : ۱۶۳-۱۶۴)۔ لیکن چونکہ یہ آیات عنقریب آگے چل کر اصل کتاب میں آرہی ہیں۔ اسلیئے مطالب کے لیئے وہاں دیکھنا چاہیئے۔ تاہم ظاہر ہے کہ یہاں پر صلات سے باطنی تعبد اور نُسُک سے اُس تعبد کے ظاہری نشان مراد لیئے ہیں۔ اور یہ اس وجہ سے کہ از روئے قرآن وہی نماز فی الحقیقت صلوٰۃ ہے جس کا نتیجہ باطنی تعبد ہے ورنہ کچھ نہیں۔ گویا مقصود یہ ہے کہ اگر میرا باطن (صَلَاتِیْ) کسی کی ملازمت کر رہا ہے تو رب العالمین کی، اور اگر میرا ظاہر (نُسُکِیْ) کسی کے ملازم ہونے پر دال ہے تو خدا کے۔ اور یہی اصل دین، دِین حنیف اور صراط مستقیم ہے! سورۂ حج میں احکام قربانی کی توجیہ بھی اسی **ذکر** خدا اور تسلیم کے اصل اصول پر کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ مِّنْ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَلَہٗ اَسْلِمُوْا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (۲۲ : ۳۴-۳۵)۔

اے مسلمانو! تم قربانیٔ جان کے اِن ظاہری مراسم کو احکام خدا میں شامل و کمیکر متعجب نہ ہو، ہم نے اس روئے زمین کی ہر اُمت کے لیئے اُس کے مخصوص احوال کو پیش نظر رکھکر کوئی نہ کوئی نشان ملازمت قرار دے رکھا ہے اور ہمارا مقصود اسمیں یہ تھا کہ وہ اُمتیں مویشی اور چارپایوں کے عزیز القدر اور بے مثال انعاموں کو جو خدا نے اُنہیں دے رکھے ہیں پیش نظر رکھکر قربانیاں کرتے وقت اُس منعم حقیقی کی تڑپا دینے والی یاد اُسکا اطاعت کا پیدا

ی چنانچہ یہ آیتیں اسی صیغے کے متن میں آگئی ہیں اور مطالب بھی اسی صیغے پر مدرج ہیں۔

رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۹) صحیح معنوں میں "تعبد" پیدا ہو سکے۔ نرے قومے اور قعدے کر لینا اگرچہ مناسک میں داخل ضرور ہے لیکن عبادت خدا نہیں۔ قرآن حکیم نے مناسک حج کے اسی سطحی نظارہ تعبد کو پیش نظر رکھکر سورۂ بقرہ میں واضح کر دیا تھا کہ ان سے اصلی مقصود اُس حاکم اعلیٰ کا کھٹکا ہی ہے، تو جونہی وقت وہ مناسک ادا ہو جائیں اصلی غرض وغایت کی طرف بیش از پیش رجوع ہو جاؤ: فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (۲: ۲۰۰)، یعنی "جب تم مراسم حج ادا کر چکو تو اس احکم الحاکمین کی یاد میں اسطرح لَو جس طرح جوش محبت میں اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی بڑھکر اُسکا کھٹکا لگا رہے تو اچھا ہے"۔ یہاں ذکر سے مراد تسبیحیں چلانا نہیں بلکہ خدائے عظیم کی دھک دلمیں رکھنا ہے۔ لوگ اپنے باپوں کو تسبیحیں چلا چلا کر یاد نہیں رکھتے بلکہ اُن کا خیال کرنا اُن سے دلی رسم وراہ رکھنا ہی اُن کا ذکر ہے۔ اس آیت سے ذرا پہلے ہے: فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ (۲: ۱۹۸)، یعنی پھر جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام (یعنی مزدلفہ) میں ٹھیر کر خدا کا کھٹکا اپنے دلوں میں پیدا کرو (فَاذْكُرُوا اللّٰهَ)، اور اسکو اس شدت سے دل میں لاؤ جس طرح تمہیں بتلایا ہے"۔ بعینہٖ یہی مقصود الصلوٰۃ کے مناسک ادا کرنیکے بعد پیش نظر کر دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ نساء میں اُس نماز کے بارے میں جو میدان جنگ میں خوف عدو کے باعث "قصر" کر دی جائے، ارشاد ہے کہ اُسکے مناسک ادا کر لینے کے بعد وہی تکیف دل میں پیدا کرو جو الصلوٰۃ کا منتہائے نظر ہے: فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ (۴: ۱۰۳)، یعنی "پھر جب میدان جنگ میں نماز کے ارکان کو افراتفری اور گھبراہٹ میں ادا کر چکو تو اسکے بعد کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے جس طرح بھی ہو سکے خدا کا کھٹکا دل میں پیدا کرو (کہ یہی مقصود و اصل نماز کا ہے)، پھر جب دشمن کی طرف سے بے خوف وخطر ہو جاؤ تو اُسی اصلی کھٹکے والی، اور یاد پیدا کرنے والی نماز (الصلوٰۃ) کو پھر قائم کرو اور یہ جو میدان جنگ میں بھی تم کو نماز پڑھنے کے لیے کہا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ) صاحب ایمان بندوں پر یہ پنجوقتہ حاضری بقید وقت فرض ہے، (نہ یہ کہ جب جی میں آیا اور قلب مطمئن ہوا پڑھ لی اور جب چاہا ملتوی کر دی)"۔ اس آیہ شریفہ کے معانی نہایت غور طلب ہیں اور ان مطالب کے جو پیش کیے گئے ہیں بعض اہم نتائج مترشح ہوتے ہوتے ہیں: اوّلاً مناسک صلوٰۃ کو انتہائی خطرے کے وقت بھی ادا کر لینا اسلیئے ضروری ہے کہ پابندیٔ وقت کا درس جو قرآن حکیم نے الصلوٰۃ کی تہ میں رکھا تھا نہ بھولنے پائے۔ ثانیاً الصلوٰۃ "ایمان والوں" کے لیئے "موقوت" اسلیے بھی ہے کہ بادشاہ زمین وآسمان کے حضور میں بروقت حاضر نہ ہونا آداب شہنشی کے برخلاف، اور اطاعت کے منافی ہے۔ ثالثاً صرف مراسم یعنی قومہ اور قعدہ کر لینے سے نماز ادا نہیں ہوتی بلکہ اسکے بعد خدا کی ٹیس دلمیں پیدا کرنا بھی ایسا ہی ضروری ہے۔ بہرنوع ان تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ اسلامی مناسک "عبادت" کے درجے پر اُسیوقت پہنچ سکتے ہیں جب ان سے "ذکر خدا" یعنی اطاعت پیدا کرنے والی دھک صحیح معنوں میں پیدا ہو، اور یہ ذکر کا پیدا ہو جانا اُن مناسک کی رسمی تکمیل سے کہیں بہتر ہے۔ جیسا کہ آیہ (۲۹: ۴۵) میں وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کے الفاظ سے ظاہر ہے جو صفحہ ۲۰۹ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ اگرچہ مناسک کا اپنے وقت اور موقع پر ادا کرنا بھی ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے اور اوامر ونواہی کی تعمیل۔ اس مقام نظر سے اسلامی مناسک فی الحقیقت ایک شخص کو مطیع خدا بنانیکے اوزار یا وسائل ہی ہیں۔ بجائے خود منتہا، یا اصالتاً عمل نہیں۔ اُن کے ہوتے ہوئے یا ان کی وساطت سے تعبد پیدا ہو سکتا ہے مگر اُسکا اختیار کر لینا فی نفسہ عبادت نہیں اگر ایک شخص کسی حاکم کے نشانات ملازمت مثل چپڑاس یا تمغہ جات، یا رنگ لباس وغیرہ اختیار کرتا ہے، اور اسکو علانیہ پہنے پھرتا ہے تو یہ ہیئت کذائی ایک رو سے اس حاکم اعلیٰ کی اطاعت کرنے کی محرک ہو سکتی ہو والا بات ممکن ہے کہ محض نمایش کے لیئے چپڑاس لگاتا پھرے، لیکن فی الحقیقت مطیع نہ ہو۔ ابراہیم علیہ السلام کی اُس دل شگاف اور زہرہ گداز دعا کا جو آپنے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت کی تھی بعینہٖ یہی راز تھا، اور اسی لیئے مٹی اور گارے کی ٹوکریاں سر پر اٹھاتے وقت پہلی بے اختیار ٹیس جو اُس اولوالعزم نبیؑ کے دل سے نکلی یہی مُسلم اور مطیع بننے کی ٹیس تھی: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً

دنیاوی نعمتوں سے مالا مال کر! وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ [1] (۴۸: ۲۰)؛ تو اُن کی ہیئت اجتماعی میں پیغمبرانِ جہان

[1] اے ایمان والو! اللہ تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر چکا ہے جن پر تم تمام عالم کے دشمنوں کو شکست دیکر قابض ہوگے تو یہ خیبر کی غنیمت تم کو سردست دلوا دی اور بڑی بات تو یہ ہے کہ دشمنوں کے دست تعدی سے تم کو بچائے رکھا۔ اور یہ سب افضال الٰہی تمہارے شامل حال اسلئے ہیں کہ ایمان والوں کو قوت ایمان کا پتہ لگ جائے اور تمہیں دشمن کے بالمقابل غلبہ حاصل کرنے کا صراط مستقیم معلوم ہو جائے۔

† یہ آیت بیعت رضوان کے ذکر کے عین بعد آئی ہے جہاں پر حضرت عثمانؓ کی افواہ قتل کے بعد پندرہ سو مومنوں نے ایک درخت کے نیچے رسول خدا صلعم کیساتھ دشمن سے جان توڑ کر لڑنے کا عزم کیا تھا یہاں اور اس سے پہلی آیت (۴۸: ۱۹) میں خدائے عزوجل نے بصراحت مومنوں کو مال غنیمت بمقدار کثیر اور بعجلت تمام دلوانیکا وعدہ کیا ہے، دشمن سے بچ نکلنے کو ایمان کا جز قرار دیا ہے، اور ان سب اعمال کو صراط مستقیم کہا ہے گویا اس دنیا میں رہنے کا صراط مستقیم یہی ہے کہ دشمن کے خلاف کامل طور پر حفظ نفس کیا جائے، اُنپر حسب موقع جارحانہ تشدد کر کے انکے قوے کو کمزور کر دیا جائے مسئلہ ارتقا کی شق سوئم و چہارم (صفحہ ۱۲ و ۱۳) سے اس قانون الٰہی کی مماثلت عیاں ہے اور ظاہر ہے کہ فطرت کی ادنیٰ حیوانی مخلوق بھی کس شدت سے اس دین اسلام اور دین فطرت کی پابند ہے! جن لوگوں نے نفس کو دھوکا دیکر یا کسی خارجی طاقت کے خوف میں آکر اسلام کو بہرحال ایک امن پسند اور مرنجان و مرنج مذہب قرار دیا ہے اور نبی عرب کے حیات انگیز غزوات کو بھی اشد شدید مجبوری کے اکراہی اعمال مشہور کر کے آپ اس کر کی آڑ میں آرام سے بسر کر رہے ہیں انکے لیے یہ آیات از بس عبرت انگیز ہیں سلامتی کے رستوں کو صراط مستقیم گردانا آیہ (۵: ۱۶) صفحہ ۱۷۶ میں آچکا ہے اور صفحہ ۲۳۴ پر پھر آئیگا۔ آیہ (۵: ۱۱۱) صفحہ ۱۷۷ بھی دیکھنی چاہیے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳۲) اور اطاعت خدا ہی تھی کہ یہی اصل قانون اور اس کارگاہ جہان کا الامر ہے) تو ان لوگوں یعنی یہود و نصاریٰ اور اور اقوام کو جنکو مناسک اسلام کے قبول کرنے میں اعتراض ہے، چاہیئے کہ ایک منسک اور دوسرے منسک کے مابین ظاہری فرق کو نظر انداز کر دیں اور اصل قانون کے بارے میں تم سے کوئی نزاع پیدا نہ کریں (فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ)، اور وہ اصل قانون اے محمدؐ! یہی ہے کہ تم لوگوں کو صحیح معنوں میں اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیکر متحد العمل کر دو (وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ) اور اسمیں شک نہیں کہ توحید کی یہ مشترک سطح قائم کرنے میں تم لامحالہ راہ راست پر ہو؛ ان مطالب کی صحت کی قطعی شہادت اس آیہ شریفہ کے عین بعد کی آیات سے ہوتی ہے جو مطالب کو مربوط کرنے کی غرض سے یہاں پر لکھدی جاتی ہیں؛ اس مضمون کے بعد ارشاد ہے:

وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ اللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ (۲۲: ۶۸-۶۹)

اور اے محمدؐ! اگر اس حقیقت کشائی کے بعد بھی یہ لوگ تم سے اختلاف قائم کریں اور اپنے مناسک پر ضد سے اڑے رہیں تو تم ان سے کہدو کہ جو تفرقہ اندازیاں اور انتشار تم بنی نوع انسان میں پیدا کر رہے ہو اس سے خدا موبمو واقف ہے اور وہی روز قیامت کو تمہارے مابین اُن باتوں کے متعلق فیصلہ کر دے گا جن میں تم ناحق اختلاف پیدا کر رہے تھے۔

اسلام بنی نوع انسان کے اتحاد کیلئے آیا تھا (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۹۰)؛ خدا فرماتا ہے کہ منسک بنفسہ کچھ شئے نہیں، وہ سب ہم ہی نے مقرر کیے تھے کیا یہود کے مناسک اور کیا نصاریٰ کے، انکا مطلب اتحاد قوم تھا، جب یہ مطلب انسے فوت ہو گیا ہے تو انپر اڑے رہنا اب بے معنی ہے۔ اب یہ اسلامی مناسک ہیں جو ہم ہی نے رائج کیے ہیں انکی غرض بھی بعینہ وہی ہے بلکہ ایک رو سے یہ حج کا منسک تمہاری جاہلی اور پیشینہ مراسم نماز کی ترمیم شدہ صورت ہی ہے پس الامر میں نزاع پیدا نہ کرو اور متحد بنجاؤ کہ صراط مستقیم یہی ہے میرے نزدیک مکہ اور بیت المقدس، چین و روم سب ایک ہیں مشرق اور مغرب ایک ہے۔ زمین و آسمان ایک ہے، نہ مجھے تمہاری قربانیوں کے گوشت پونہچتے ہیں نہ خون، مجھ تک تو صرف تمہارا تقویٰ، تمہارا اتحاد عمل، تمہاری اطاعت اور خوئے تسلیم، تمہاری قلبی دبک (ذکر) اور لرزش پونہچتی ہے اور بس۔ انہی کو دیکھکر میرے سب فیصلے ہیں۔ انہی پر سزا و جزا کا سب حصر ہے! لیکن یہ جامع الانام اور عالم انگیز اسلامی مناسک آج خود رسم و رواج کی لکیر میں پڑ کر وہ بے مطلب اور انتشار پرور، وہ اصنام خیز اور تفریق آرا شئے بن گئے ہیں کہ ایک متنفس بھی آج انکی اس خالص حکمت عملی کا معترف نہیں رہا!

پس الامر اس کارگاہ جہان کا وہ مختص قانون، اُس بے پروا خدا کا وہ خاص الخاص حکم، اُس شدید العقاب آقا کا وہ اٹل آئین عمل ہے

قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا ۚ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۚ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ (۱۶ : ۱۲۰-۱۲۲) ۔ تو ان کو دشمن کے بالمقابل کامل حفظ و امن عطا فرمائیگا

لہ بے شک ابراہیم دنیا کے جلیل القدر رہنماؤں میں سے تھے۔ وہ خدا کے کامل فرمانبردار بندے تھے اور غالبتہً اُسی کے ہو رہے تھے۔ اور کسی شئے کو بھی خواہ وہ انہیں کتنی ہی عزیز ہو خدا کے ہم مقام نہ کرتے تھے، اور بااین ہمہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی سچی قدر کرنیوالے تھے۔ خدا نے انہیں منتخب فرمالیا تھا اور انہیں صراط مستقیم چلا دیا تھا۔ اور ان تمام اعمال کے صلے میں ہی ہم نے اُن کو دنیا میں ہر طرح کی نعمتوں سے معزز فرمایا تھا اور بے شک آخرت میں بھی وہ ہمارے معزز بندوں میں سے ہوں گے۔

ٹ یہاں قَانِتًا لِّلّٰهِ بمعنی تسلیم و اطاعت کو شعار بنالینا اور خدا کی دی ہوئی ہر شئے کا صحیح استعمال کرنا لہٰذا شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ دیکھو معانی شکر تحت المتن صفحہ ۱۳۰) صراط مستقیم ہے۔ جو شخص یا قوم نعمتہائے الٰہی کا مناسب استعمال کرتی ہے اسکی دنیا بھی درست ہے۔ اسی لیئے اس پیمبر اعظم کے بارے میں کہا ہے وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳۱) کرنے والا ڈر اپنے دلوں میں وقتاً فوقتاً جاگزیں کریں (لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ)، (لیکن لوگوں نے اس پیش نہاد کو خیر باد کہکر قربانیوں کو نئے نئے معبودوں پر چڑھانا شروع کیا یا اُسکے اصلی مفہوم سے الگ ہوکر ان نتیجہ خیز رسوم کو بے اثر کر گئے)، تو اے مسلمانو! بگوش ہوش سُن رکھو کہ تمہارا احکم الحاکمین وہی ایک خدا ہے، تم اُسی خدائے واحد کے تابع بن کر رہو (فَلَهُ أَسْلِمُوا)، اور اپنے پیغمبر درگاہ خدا میں خشوع و خضوع کرنے والی قوم کو اجتماعی بقا اور دنیوی امن کی خوشخبری دو۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدا کی یاد اُن کو دلائی جاتی ہے تو اُنکے دل تڑپ اٹھتے ہیں اور وہ بیش از بیش احکام خدا کی تعمیل میں منہمک ہو جاتے ہیں۔

اِن تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ مناسک کی صحیح حکمت عملی یہی تھی کہ ان کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً انسان کے دل میں شارع زمین و آسمان کی یاد پیدا ہوتا کہ لوگ احکام خدا کی طرف بیش از بیش رجوع ہوں، اُسکی ٹیس اور ڈر دلمیں رکھیں، اُسکے امن افزا احکام سے غافل نہ ہونے پائیں اُسکی سزاؤں کو یاد کرکے لرز اُٹھیں، اُسکے انعاموں کو خیال میں لاکر تیار عمل ہو جائیں۔ اِس سے زیادہ اُن سے فی الحقیقت کچھ مقصود نہ تھا، اور جب خدائے عظیم کا دعوے ہے کہ ہر اُمت کے مناسک اُس نے بذات خود مقرر کیئے تھے تو صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک قوم کے مناسک کو دوسری قوم کے مناسک پر کوئی وجہ فضیلت نہیں، اُنکے مابین کوئی بنیادی فرق نہیں، وہ کسی قوم کیلئے فی نفسہ مقصود بالذات شئے نہیں، وہ صرف تسلیم، ہیجان قلب اور ذکر پیدا کرنیکے آلے ہیں، جو شئے اُنسے بہر نوع مقصود ہے اطاعت احکام الٰہی ہی سمعی و عملی ہے حکمبرداری اور تقوٰی ہے، احکم الحاکمین کا ڈر اور اتحاد ہے چنانچہ اسی سورہ حج میں قربانیوں کے احکام کے ضمن میں صاف فرمادیا کہ لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۝ (۲۲ : ۳۷) یعنی "خدا تک نہ تو ان قربانیوں کے گوشت ہی پہنچتے ہیں اور نہ اُنکے خون، بلکہ اگر کوئی شئے وہاں برائے کار آتی ہے تو وہ تمہارا تقوٰے ہے"۔ پس جب تقوٰی کا جزو اعظم اتحاد ہے، لَا تَفَرَّقُوا ہے، اِعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ ہے، صَابِرُوا اور رَابِطُوا ہے، اُمَّةً وَاحِدَةً بنے رہنا ہے وغیرہ وغیرہ (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۵۲)، تو ارکان اُمت کا فرض ہے کہ خدائے عظیم کے مقرر کیئے ہوئے مناسک کو اسی اتحاد قوم، اسی عبودیت، اسی حکمبرداری اور اطاعت کو پیش نہاد بناکر بالاجماع ادا کریں، انکو فی نفسہ مقصود و منتہا نہ سمجھیں کیونکہ اصل قانون اُمت کے افراد کے مابین اجماع و اتحاد پیدا کرنا ہے، افراد قوم کے دلوں میں خدا کا ڈر پیدا کرکے انکو متحد رکھنا ہے، اس سے کمتر حتماً اور اصلاً کچھ نہیں۔

اِس تمام بحث و تمحیص کے بعد اصل کتاب کی آیت یعنی لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلٰى رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ۝ (۲۲ : ۶۷)، کے معانی بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔ خدائے عزوجل فرماتا ہے کہ مراسم عبادت جو دنیا جہان کی سب اُمتیں چل رہی ہیں فی الحقیقت ہم ہی نے مقرر کیئے تھے لیکن اُن سب کے رائج کرنے کی اساسی حکمت اتحاد بین الافراد اور تقوٰی بالتسلیم خدا

مُّسْتَقِيمٍ ○ (۵: ۱۵-۱۶)

لوگو! پروردگار عالم کی طرف سے تمہیں وہ رہنما نور اور وہ واضح قانون (یعنی صحیفۂ فطرت کا ملخص دیکھو تحت المتن صفحہ ۶۲) آچکا ہے جسکے ذریعے سے خدا اُس قوم کو جو رضائے الٰہی کی متابعت کرتی ہے، قیام فی الارض اور سلامتی کے رستوں پر لے جائیگا، اُنہیں اپنے فضل وکرم سے جہالت اور ناانجام شناسی کی ظلمتوں سے نکالکر حفظ نفس، علم، اور تمکن کے نور کی طرف لائیگا، اور اُنکو قیام وبقا کے صراط مستقیم پر ڈال دیگا۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا إِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۚ وَيَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ○ (۱۰: ۲۵)

اور اللہ تو اُمتوں کو حفظ نفس اور سلامتی کے گھر کیطرف بُلا رہا ہے، اور جس قوم میں اہلیت دیکھتا ہے اُسکو تمکن اور قیام کا صراط مستقیم دکھا دیتا ہے۔

پس "صراط مستقیم" کیا تھا! **تحفظ و بقا** تھا! قوم کی سلامتی تھی! اُمت کا "دارالسلام" تھا! جماعت کا کامل امن اور فرد کا اضطراب عمل تھا! **اتحاد** کا التہاب درون، اور **توحید** کا کرداری اظہار تھا! **تعبد** کا معنوی اقرار اور ملازمت کا عملی پہلو تھا!

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ○ (۴۳: ۶۴)

اے لوگو! وہ خدائے عظیم میرا اور تمہارا پروردگار ہے: مولیٰ ہے: آقائے نامدار ہے: رازق ہے: مشاہرہ وہ حاکم ہے: تو اُسی حکم الحاکمین کے غلام بنے رہو (فَاعْبُدُوْهُ)، اُسی کی خدمت میں لگے رہو (فَاعْبُدُوْهُ)، اُسی کے قانون کی تعمیل کرو (فَاعْبُدُوْهُ) اُسی کے آگے سرِ تسلیم خم کرو (فَاعْبُدُوْهُ)، اُسی کے سچے بندے بنو کہ یہی صراط مستقیم ہے:

عبادت کا وحدت انگیز کیف، اور **اختلاف** سے اجتماعی گریز تھا: **اتقا** تھا! **اطاعت امیر** تھی!

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ (۴۳: ۶۳-۶۴)

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ (۴۳: ۶۵)

---

* "دارالسلام" کے الفاظ کو لوگوں نے "بہشت" کا نام سمجھکر اس تمام آیت کو عالم آخرت میں منتقل کر دیا ہے، لیکن اس بھیانک تاویل کی کوئی سند نہیں۔ تیسری جلد میں اس گروہ کا جس نے یہ آیت واقع ہوئی ہے بہ تمام وکمال ترجمہ کرکے واضح کر دیا جائیگا کہ "دارالسلام" ہرگز کوئی اخروی مکان نہیں۔ لیکن اگر "دارالسلام" جنت کے باغوں میں کوئی بارہ دری ہے تو خوش اعتقاد شارحین سے پوچھنا چاہیئے کہ پھر "سُبُلَ السَّلٰمِ" جو آیہ (۵: ۱۶) میں واقع ہوا ہے کیا شے ہے، کیا وہ بھی جنت کی سڑکیں ہیں۔ افسوس کہ لوگوں نے قرآن حکیم کو کیسا افسانہ بنا لیا ہے!

کی عالی ہمتی، اُن کے اخلاف کا تفضل، اور اسلاف کی برتری بخش! وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [۵۱] (۶ : ۸۶-۸۸) تو عالمگیر غلبہ عطا فرما کر ان کے ہر فرد میں عدل دوستی اور حق پسندی کی خصلتیں برقرار رکھ! يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ (۳۸ : ۲۶) [۵۲] تو اُن میں قانونِ خدا کے احترام، اور حدودِ خدا کی رعایت سے، حمایت حق اور طہارت نفس سے، تقویٰ کے مقتدر عزائم اور ایمان کی اٹل طاقتوں سے، اعانت عدل اور نگہداریٔ عہد سے، وہ اجتماعیت، وہ عزم بالجزم، اور وہ قوتِ نظم و ادارت نصیب فرما، جو اسلام کے شیرازۂ اُمت کو تشتت کی شکست و ریخت سے ہمیشہ کیلئے مامون و مصون کر دے!

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ † اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ

---

[۵۱] اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط (علیہم السلام) یہ سب ہمارے حکمگزار رہنمایان خلق تھے۔ اور ہم نے ان سب کو تمام عالم کے لوگوں پر برتری دی۔ ان کو اپنی قوم کا سردار بنایا اور بادشاہت دی۔ اور نہ صرف اُنہی کو بلکہ ان کے آباؤ اجداد اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی بہتیروں کو اُن کے علو ہمت، حُسن عمل، اور شجاعت کے صلے میں دنیا جہان کی قوموں میں سرفراز کیا۔ اور ہم نے اُن کو باقی قوموں سے منتخب کر کے ممتاز کر دیا اور اُن کو دنیا میں قوت سے رہنے کا صراط مستقیم دکھا دیا۔

[۵۲] اے داؤد! ہم نے جو تم کو اس زمین پر بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں کے معاملات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، اور خواہشات نفس کا تتبع نہ کرنا کیونکہ یہی خواہشات نفسانی تم کو اعتدال کے صراط مستقیم سے بھٹکا دیں گی۔ جو لوگ عدل و انصاف کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں انکو اس دنیا میں سخت عذاب ملیگا۔ اسلئے کہ روزِ جزا کو بھول گئے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۲۳۳) جس کا نام اتحاد ہے، اتحاد بین الافراد اور اتصال بین الاجزا ہے، اتحادِ عمل اور اتحادِ اثر ہے۔ یہی وہ شے ہے جس کے باعث انتیس چشم زدن میں تمکن کے بامِ بلند پر چڑھ جاتی ہیں، جو باعثِ قیام عالم اور علت تکوین کائنات ہے جو فنا و زوال کا حجاب کیا ہے جس سے ہر شے میں زندگی ہے۔ جس کا نہ ہونا موت و شکست کے مترادف ہے۔ یہی وہ رازِ حیات ہے جس کے ہوتے ہوئے شکست ناممکن، نامرادی کالعدم، اور نامرادی امکان سے خارج ہے۔ میرا یقین ہے کہ روئے زمین کے ہر مذہب و ملت کا اصل اصول یہی تھا۔ یہی وہ پیغام تھا جو سب انبیائے جہان اپنے آقائے نامدار تک سے لائے تھے۔ اور اسی حقیقتِ کبریٰ کو کتاب کے دیباچے میں میں نے سب مذاہب کی **الاصل** اور احکم الحاکمین کا **الاکمل** قرار دیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۴ و ۳۱۔

† الظُّلُمٰتِ سے میں نے اس کتاب میں بالالتزام قانون خدا کے عدم تعقل کی تاریکیاں اور اجتماعی انحطاط کی نارواہ بنیاں، اور النُّوْر سے علم و عمل کی انجام شناسیاں اور تمکن فی الارض کی روشنیاں مراد لیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۵۵ و ۱۳۳ و ۱۷۶۔ ان معانی پر ایک فیصلہ کن بحث عنقریب اس مجلد کے اختتام پر آئے گی۔

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ[۱] (۴۹ : ۱۳)۔ جس سے ہٹ کر قہرِ خدا نازل ہوتا ہے، اُمتیں مغضوب علیہ ہوجاتی ہیں، ذُل و مسکنت، موت و افلاس صدیوں اور قرنوں تک پیچھا نہیں چھوڑتے: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّاۗلِّيْنَ[۲] (۱ : ۷)۔ وہ سیاست تھی جس پر چلکر ہر سو امن ہے، امتوں اور نسلوں کا امن ہے، افراد اور قبیلوں کا امن ہے، گھروں اور محلّوں کا امن ہے! وہ "مذہبِ خدا" اور راہ مالک الملک تھی جس پر دنیا کی سب زندہ اور انعام یاب اُمتیں آج چل رہی ہیں اور اختلافِ مناسک کے باوجود، اپنے اپنے دائرے کے اندر قانونِ خدا اور "الامر" میں نزاع پیدا نہیں کرتیں، لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ[۳] (۲۲ : ۶۷)۔ نہیں! صراطِ مستقیم، وہ تلوار سے سوا تیز اور بال سے سوا باریک راہ تھی جس پر چلتے رہنا کمال حزم و احتیاط کا کام ہے، جس سے ذرا اِدھر ہٹ کر ضلال ہے، شکست و انتشار کا جہنم ہے، محکومیت کا دوزخ ہے، افلاس کی آہ و بکا ہے! وہ دراصل سعی اور امن، تلاش اور مقصود، طالب اور مطلوب کے درمیان وہ خطِ مستقیم تھا جسکے سوا کوئی دوسرا خطِ راست نہیں، کوئی سعی مشکور نہیں، کوئی عمل نتیجہ خیز نہیں! وہ وُہ تکیّفِ قلب اور وہ ضبطِ نفس تھا جس سے قوم کے سب افراد تسلیم کے مجسّمے اور سعی و عمل کے فوّارے بن جاتے ہیں، جس سے سینے قانونِ خدا کی اطاعت کے لیئے یکسر کھُل جاتے ہیں، جس سے دلوں کی تنگیاں اور حوصلوں کی پستیاں کالعدم ہوجاتی ہیں، ہر شخص

---

[۱] اے ساکنانِ زمین! ہم نے تم سب کو ایک ہی نوع کے مرد اور اسی نوع کی عورت سے پیدا کیا، اب تم سب ایک ہی جنس کے ہو، اس لیئے آپس میں اختلاف پیدا نہ کرو، ہمارے نزدیک تم سب برابر ہو۔ اور تمہارے مختلف گروہ اور قبیلے محض اسلیئے بنادیئے کہ تم ایک دوسرے سے امتیاز کرسکو ایک دوسرے کے مصالحانہ حریف بنو۔ اور خدا کے نزدیک تم میں سے وہی گروہ عزت اور انعام کا مستحق ہوگا جو سب سے زیادہ قانونِ خدا سے خوف زدہ رہیگا، جو سب سے زیادہ متحد، سب سے زیادہ صابر، محافظِ نفس، اولوالعزم، اور متفق اہل بن کر رہے گا۔ (اَتْقٰىكُمْ دیکھو اتقا کے معانی تحت المتن صفحہ ۱۵۴) اور استقلال سے احکام خدا پر عمل کرے گا۔ یاد رکھو کہ خدا تمہارے اعمال سے موبمو واقف، اور تمہاری نیتوں کو سر بسر جاننے والا ہے۔

[۲] ان قوموں کی راہ نہ دکھا جو تیرے قہر و غضب میں آکر ہلاک ہوچکی ہیں، اور نہ اُنکی جو راہ راست سے بھٹک کر تیرے قہر و غضب کو دعوت دے رہی ہیں۔

[۳] اے لوگو! ہم نے ہر نبی کو زمین کی ہر اُمت کیلیئے خدا کی عبودیت اور قانون خدا کی اطاعت کا ایک ظاہری نشان مقرر کردیا ہے جسکو وہ شعار بناتی ہے لیکن قانون کے لیئے ایک ہے تو لوگوں کو چاہیئے کہ اصل قانون (الامر) کے متعلق تم سے کوئی نزاع قطعاً قائم نہ کریں، اور وہ اصل قانون یہ ہے کہ تم تمام عالم کو اپنے پروردگار ہی کی اطاعت کیطرف بلاؤ۔ اور سب کو اس ایک مرکز پر ہی جمع کردو۔ اسمیں شک نہیں کہ اس اتحادِ معنوی قائم کرنے میں تم صراطِ مستقیم پر ہو۔

اور جب عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس خدائے جلّ و علیٰ کے روشن اور کھلے کھلے احکام (البیّنٰت) لے کر آئے تو انہوں نے اُن کو مخاطب ہو کر کہا کہ اے بھائیو! میں تمہارے پاس یہ احکام کیا لایا ہوں، دراصل وہ عظیم الشان حکمتی اصول لایا ہوں جس کا شارح خود خدائے بیمثال ہے (جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ)۔ اور میرے آنے کا اہم مقصد یہ ہے کہ میں تم پر اُن باتوں کی اصلیت واضح اور دل نشین کر دوں جن میں اختلاف پیدا کرنے کے باعث تم ایک دوسرے سے الگ ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہو، تم میں اتحاد کی مشترک سطح از سرِ نو قائم کروں، تم سب کو ملا کر ایک کر دوں! پس اے لوگو! اُس شدید العقاب خدا سے ڈرو! اُسکے مشترک خوف سے متحد ہو جاؤ (اتَّقُوا)، اور سب کے سب ایک امیر کی (یعنی میری) اطاعت کرو، میرے پیچھے لگ جاؤ، وہ خدائے عظیم میرا اور تمہارا دونوں کا آقا ہے پس اُسی کی غلامی میں لگ کر ایک ہو جاؤ، اُسی کے سچے بندے بن جاؤ کہ صراطِ مستقیم یہی ہے۔ لیکن لوگوں نے اس اولوالعزم پیغمبرؑ کا کچھ کہا نہ مانا، وہ آپس میں اُسی طرح اختلاف کرتے رہے، اُسی طرح فرقہ بند بنے رہے، تو جن لوگوں نے یوں اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اُنپر ہلاکت کے دردناک اور کپکپا دینے والے دن کے اعتبار سے ہزار حیف ہے۔

تمسک قانونِ خدا تھا!

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۴۳ : ۴۳)

تو اے پیغمبر! تم اس قانون کو جو تم پر وحی کر دیا گیا ہے مضبوطی سے پکڑے رہو، اُس پر جم کر عمل کرو۔ اس میں شک نہیں کہ تم صراطِ مستقیم پر ہو (اور لامحالہ اپنی مراد کو پہنچو گے)۔

خوف عذابِ الٰہ تھا! بیم روزِ جزا تھا!

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ † فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (۴۳ : ۶۱)

اور لوگو! اِس میں شک نہیں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) بھی بنی اسرائیل جیسی تفرقہ آرا اور فرقہ بند قوم کے لیے ہلاکت اور موت کی عینی اور قطعی، آخری اور قرار واقعی دلیل تھے (عِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ)۔ اُن کا آنا اور جھٹلایا جانا، اتحاد کی تبلیغ کرنا اور ناکام رہنا، یہود کے لیے صلائے اجل تھا، پیام موت تھا، ہلاکت کی علی الاعلان شہادت تھی (عِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ)۔ پس اے لوگو! اُس روزِ بد کے آنے میں کبھی شک نہ کرو، اس سے اہل یہود کی طرح بے پروا نہ ہو جاؤ، لمبی تان کر نہ سوؤ (فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا)، اور میرے احکام کی تعمیل کرو کہ یہی صراطِ مستقیم ہے! (دیکھو علم کی تعریف تحت المتن صفحہ ۸۳-۸۴۔ گویا حضرت کا آنا یہود کی ہلاکت (السّاعۃ) کا علم (نشان) تھا)۔

وہ صراط تھا جس پر چل کر تعزز اور نعمت ہے، خدا کے دنیوی انعام، اور بے حساب بخششیں ہیں، صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ (۱ : ۶) ؛ وہ خوف تھا جس کا اٹل نتیجہ انعام و اکرام ہے، يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى

† "السّاعۃ" اور یوم آخرت کے متعلق بحث۔ یہ لفظ کے باعث اس آیۂ شریفہ کے صرف ایک شقی معنی بیان کر دیے گئے ہیں۔ کامل مفہوم کیلئے ابھی انتظار کرنا چاہیے یا عربی اضافیہ صفحہ ۱۳۶ دیکھیں۔

اِس بات کا احساس رہ گیا ہے کہ صراطِ مستقیم یہ ہے، نماز میں پنجوقتہ اسی کی گذارش ہو، اسی سے ہٹ جانے کا ہر لحظہ ڈر ہے، اسی کی آرزو اور اسی کی تڑپ ہے، اِسی کے لیئے اُٹھنا اور بیٹھنا ہے، اِسی کی درخواست میں رکوع و سجود ہیں، قومے اور قعدے ہیں، جُھکنا اور سرنگوں ہوجانا ہے؟ کیا دلوں میں اِسکے متعلق ذرا سی چوٹ، رتّی بھر حِس، ادنی سی سنسناہٹ، یا اُردکی سفیدی کے برابر سعی و عمل باقی ہے؟ نہیں، کیا اِس مفہوم کی آج سرے سے خبر بھی ہے! کیا گذشتہ ایک ہزار برس کے اندر ہزار در ہزار فرقہ بندیوں اور شرک آرائیوں، تفریقِ عمل اور عصیانِ امیر، عدمِ تمرکز اور تشتتِ آرا، حُبِّ نفس اور محبتِ مال، عبادتِ طاغوت اور ملازمتِ شیطان† کے مہلک اثرات کے باوجود ہر مسلمان اِس زعم میں نہیں کہ وہ "دینِ اسلام کے صراطِ مستقیم" پر چل رہا ہے، وہ خدا کو خدا مان رہا ہے، رسول کو رسول کہہ رہا ہے، اُس کے حلال و حرام کو نباہ رہا ہے، 'خیر الاُمم' کا رکنِ اعظم ہے، اسلیئے اسکو کسی اصلاح کی ضرورت نہیں، کسی مزید راہ ڈھونڈنے کی حاجت نہیں۔ کیا وہ اِس مہلک گراں خوابی، کوتاہ نظری اور آشوبِ چشم کا مریض نہیں کہ دنیا کی سب انعام یاب اور خدا کی نعمتوں سے مالا مال اُمتیں اُسکی نگاہ میں ٹیڑھے راستوں پر چل رہی ہیں، جہنّم کی مکین ہو رہی ہیں، دوزخ کا ایندھن بن رہی ہیں، مگر اسلام کی لاڈلی مگر بے نوا اُمت صراطِ مستقیم پر چل رہی ہے، 'اَنعَمتَ عَلَیہِم' کی مصداق ابدالآباد تک ہے! کیا آج ارضی نعمتوں کے چھن جانے کے بعد کسی "روحانی نعمتوں" کی تاویل کرکے، یا 'دارالسلام' کے بے ضرر لفظ کو اسلامی بہشت بنا بنا کر دل کو تسکین دے دینا قہرِ خدا کو کم کرسکتا ہے؟ کیا صاحب القرآنؒ کی اِس حیرت انگیز اور ناقابلِ انکار، اِس نصّی اور صریح شہادت کے ہوتے ہوئے کوئی انسانی لغت، کوئی قیاس و رائے کوئی اجماعِ اُمت، کوئی یونانی حکمت، کوئی مُلّائی تاویل، یا خود ساختہ حدیث "صراطِ مستقیم" کی اِس سے بہتر اور صحیح تر تشریح کرسکتی ہے؟ کیا قربانیوں کے حشر سے بکروں کے مینڈھے اور مینڈھوں کے گھوڑے بنا بنا کر اُمت کو 'پلصراط' پر سے گذار دینا، سُنّتِ خدا اور قانونِ ربّ العالمین کو بدل سکتا ہے!

† یہ اعمال صراطِ مستقیم پر چلنے کے نقیض ثابت کردیئے گئے ہیں (دیکھو اہل کتاب: صفحہ ۲۲۶ تا ۲۳۰)۔

دوسرے ہمقوم اور ہم جماعت فرد کے لیئے اپنی آغوش مرحبا کھول دیتا ہے، کوئی سینہ بھچا ہُوا اور تنگ ظرف نہیں رہتا، پھر محبت اور اخوت کی نہر سلسبیل دلوں میں چل جاتی ہے، اور اس حسن عمل کے صلے میں امن و اُنس کا "دار السّلام" اُس قوم کے استقبال کے لیئے دوڑتا ہے!

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۶: ۱۲۵-۱۲۸)

اے لوگو! جس قوم کی نسبت خدا ارادہ کر لیتا ہے کہ اسکو صحیح راہ عمل دکھاوے تو اُسکے سینوں کو 'الاسلام' اور تسلیم قانون خدا کے مطابق مذہب عمل کے لیئے یکسر کھول دیتا ہے، اور جسکو اپنی ہی بد اعمالی کے باعث گمراہ کر دینے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اُس قوم کے سینوں کو بھچا ہوا اور تنگ کر دیتا ہے، اُن میں حوصلہ عمل اور توفیق خیر مفقود ہو جاتے ہیں۔ باہمی مدد اور بھلائی کرنے کا یارا نہیں رہتا، اُن کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ احکام خدا کی تعمیل کرنا اُنکے نزدیک گویا آسمان پر چڑھنا، اور اپنے آپکو ناحق تکلیف میں ڈالنا ہے۔ جو لوگ ہمارے احکام کے مفید ہونے پر ایمان نہیں رکھتے اُن پر خدا کی پھٹکاریوں پڑا کرتی ہے!

اور اے پیغمبر! یہ اپنے سینے کسب عمل کے لیئے کھول دینا ہی تیرے آقائے جلیل کا بتایا ہوا صراط مستقیم ہے۔ یہی عین اسلام ہے، غور و فکر اور صحیح نتائج اخذ کرنے والی قوم کے لیئے ہم نے اپنے حکم کھول کھول بیان کر دیئے ہیں۔ یہی وہ قوم ہے جن کے لیئے اس دنیا کے اندر، اُنکے پروردگار کے نزدیک اُن کے اعمال کے صلے میں امن و امان کا گھر ہے، اور وہی اس دنیا میں اُس کا سچا دوست اور خبر گیراں ہے۔

کیا آج اس پہنائے زمین کے طول و عرض میں صراط مستقیم کے اس مفہوم کے متعلق ایک شق باقی ہے جسپر اسلام کا کوئی فرد بشر چل رہا ہے؟ کیا دن بھر میں بار بار اور خوش الحانی سے دُہرانے کے باوجود کسی متنفس کو

---

* یہاں یَشْرَحْ صَدْرَهٗ کے بالمقابل يُضِلَّهٗ کا آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کلام الٰہی کی اصطلاح میں کسی قوم کے اندر الاسلام پر عمل کرنے کی توفیق کا ناپید ہو جانا (دیکھو تعریف الاسلام، تحت المتن صفحہ ۱۹۱)، احکام خدا پر عمل کرنے سے ناقابل برداشت تکلیف کا محسوس ہونا ہی ضلال ہے۔ ضلال کے پہلے تشریح شدہ معانی میں نے صفحہ ۲۲۳ کے تحت المتن میں درج کر دیئے ہیں۔ یہ ایک فنی قسط ہے۔ مسلمانوں کو سوچنا چاہیئے کہ وہ آج خود اس ضلال کے مصداق کس شدت سے ہیں!

رکھو۔ ہم کسی شخص کو اُسکی استطاعت سے بڑھکر تکلیف نہیں دیتے، اسلیئے تجارت کے متعلق اور کوئی بندش نہیں کرتے۔ اور جب کسی کے متعلق کچھ کہو تو انصاف کو مدنظر رکھکر کہو، گو وہ تمہارا عزیز ہی کیوں نہو، اور سب سے بڑھکر یہ کہ عہد خدا (وعدے) کے پابند ہر دم رہو۔ یہ سب کچھ تمہیں اسلیئے کہا گیا ہے کہ تم اُس کے نتائج پر غور کرو۔ اور بیشک یہی میرا صراط مستقیم ہے، جس میں امتوں کی سلامتی اور امن ہے، اور اسی کی پیروی کرو۔ اور دوسرے راستوں پر نہ پڑ لینا کہ تم کو امن اور حفظِ نفس کے راستے سے بھٹکا کر تمہاری طاقت کو منتشر اور جماعت کو تتر بتر کر دیں۔ یتیم کو خاص طور پر اس لیئے کہا گیا ہے کہ تم شکست و انتشار کے خوفناک نتائج سے بچتے رہو۔

الغرض صراط مستقیم کی اِس شق میں بھی ایمان اور تقوے، صبر اور توکل کے اجتماعی اغراض اور استلافی مصالح کی طرح، جماعتی استحکام، تمدن اور سیاست کے جراثیم مخفی تھے†۔ اِس تمام اصلاحی ترغیب و تاکید کا آل کار بھی مسلمانانِ عالم کو جہانگیری سے قطع نظر **جہانبانی** اور **جہانداری** کے سیاسی رموز، اور بادشاہت اور حکومت کے دقیق آداب و قواعد سے باخبر کر دینا تھا: ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (۶: ۱۵۲)۔ انصاف پسندی اور بے رُو و ریا عدل، ضبطِ نفس اور حُسن سلوک، حُسن معاملت اور اعتماد باہمی ہی قیام سلطنت کے وہ عبرت آموز اور نصیحت آمیز اصول تھے جن پر سختی سے عمل کرنا ناگزیر، اور جنسے تغافل روا رکھنا مجرمانہ خودکشی تھی: ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (۶: ۱۵۲)۔ خدائے بیمثال نے کلام پاک

لہ یہ نصیحت تم کو خدا نے اسلیئے کی ہے کہ تم معاشری اور اجتماعی، سیاسی اور تمدنی اصولوں کو سمجھ جاؤ۔ دیکھو آیہ (۶: ۱۵۲) صفحہ ۲۴۰۔

لہ ان باتوں کا حکم خدا نے نہیں اسلیئے دیا ہے کہ تم اس سے نصیحت اخذ کرکے اُسکے مطابق عمل پیدا کرو۔ دیکھو آیہ (۶: ۱۵۳) صفحہ ۲۴۰۔

† ایک موقع پر احکام خدا کی اجتماعی اور سیاسی مصلحتوں کو متذکرۂ صدر آیات (۶: ۱۵۲-۱۵۳) سے زیادہ واضح الفاظ میں ادا کیا ہے اور انکی سیاسی حکمت عملی بھی بالصراحت بیان کر دی ہے۔ سورۂ نساء میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝ (۴: ۵۸)

اے مسلمانو! خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اُن کے مالکوں کے حوالے کر دیا کرو، اِس کارگاہ سعی و عمل میں خائن ہونے کے مجرم ہرگز نہ بنو، اور جب تم اپنی رعیت کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو نہایت دیانت داری اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اس میں شک نہیں کہ خدا جو نصیحت تم کو کر رہا ہے تمہاری معاشری اور اجتماعی ترقی کے حق میں بہت اچھی ہے کیونکہ بلاشبہ وہ اس کارگاہ فنا و بقا کے قانون کو بڑا سمجھنے والا (سَمِيْعًا) اور اس کی باریکیوں کو خوب پرکھنے والا ہے (بَصِيْرًا)۔

کیا حالات حاضرہ کے ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں میں دھول ڈالکر نصرانیوں کو مغضوب علیہ کہہ دینا اور آپ اس غضب سے ہمیشہ کے لیئے بچے رہنا، اس نعمت کو عالم خیال میں اجارے پر لے لینا، آیئن زمین و آسمان میں تغییر پیدا کر سکتا ہے؟ کیا صدر اسلام کا صراط مستقیم، آجکل کے اسلام کی مانند ہی منہ سے خدا کہہ چھوڑنا، حلال و حرام میں فرق کرنا، سؤر سے پرہیز کرنا، اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر اپنی خانہ بربادی کو دیکھتے رہنا ہی تھا جسکے صلے میں چند برسوں کے اندر اندر روئے زمین کی سرداری مل گئی تھی!

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (۶: ۱۵۲-۱۵۴)

اے محمدؐ! ان حلال و حرام پر لغو بحثیں کرنے والوں (۶: ۱۴۶) کو کہدو کہ آؤ! میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ دراصل حرام کیا چیز ہے، اور تمہارے پروردگار نے تم پر فی الحقیقت کیا حرام کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اطاعت گذاری اور حکمبرداری میں خدا کے ساتھ کسی دوسری شئے کو ہم مقام نہ کرو، اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو، اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو کیونکہ ہم ہی تمہارے رزق کے اسباب پیدا کرتے ہیں، اور انکی روزی کے وسائل بھی ہم ہی پیدا کر دینگے۔ اور تمام ظاہری اور باطنی بداعمالیوں سے بچو، اور انسانی جان جسکا مارنا اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے۔ ناحق (یعنی ماسوا جہاد کے) نہ لو۔ یہ وہ عظیم الشان معاشرتی اصول ہیں جنکا حکم خدا نے تمہیں اسلیئے دیا ہے کہ تم دنیا میں مل جلکر رہنے کا طریقہ سمجھو۔ اور یتیم اور بیکس شخص کے مال میں مداخلت بیجا ہرگز نہ کرو، ہاں اگر اسکے حق میں مفید ہے تو اسمیں ہمدردانہ تصرف کرو یہانتک کہ وہ اسکو خود سنبھالنے کے قابل ہو جائے، اور تمام کاروبار اور لین دین میں انصاف، راست روی، اور پورے ماپ تول کو ملحوظ نظر

اُنہیں نگہبانیٔ زمین کا انعام عظیم ایثارِ جان، ترکِ وطن، اور شدائدِ سفر کے پیہم تحمل کے عوض میں میدانِ جنگ کی روح گسل مصائب کے بطیبِ خاطر برداشت کے صلے میں، اور اولوالامر کے احکام کی فوری اور قطعی تعمیل کی شاباش میں ملا کرتا تھا: وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۚ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۙ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ (۴: ۶۶-۷۰) لیکن صراطِ مستقیم کے اِن تمام شقی اور قسمی، اِن وقتی اور مقامی معانی سے قطعِ نظر، نماز اور فاتحۃ الکتاب کے

لہ اور اگر ہم اُن کمزور ایمان والے مسلمان نما منافقوں کو حکم دیتے کہ تم اپنی جانوں کو اللہ کی حمایت میں لڑا دو، یا اپنے وطن سے ہجرت کر جاؤ، مگر دشمن سے کمزور صلح نہ کرو تو ان میں سے چند آدمیوں کے سوا بہتیرے ہمارے اس حکم کی تعمیل نہ کرتے۔ اور اگر جو کچھ ان کو سمجھایا جاتا ہے کرتے تو اُن کی اپنی ہی بہتری کی بات تھی کیونکہ اُن کی جماعت اور بھی مضبوط اور طاقتور بن جاتی۔ اور اس صورت میں ہم اُن کو ضرور اپنی طرف سے بڑا اچھا بدلہ دیتے۔ اُن کی جماعت غالب رہتی، اور حفظِ نفس کا صراطِ مستقیم اُنکو ہم دکھا دیتے۔ پس جس نے تمہ تن اپنے آپ کو احکام خدا کی متابعت کے لیئے وقف کر دیا۔ اور جسنے اپنے امیر جماعت (رسول کریم) کا کہا مانا تو یہی وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے دوش بدوش چل رہے ہیں جنپر اللہ نے اپنی نعمتیں بخشیں، مثلاً وہ انبیاے کرام جنہوں نے راہ حق میں جہاد کیئے، یا وہ صادق لوگ جنہوں نے اپنے اعمال سے اپنے ایمان کی تصدیق کی، یا وہ شہدائے راہِ خدا جو خدا کا بول بالا کرتے کرتے ہلاک ہو گئے، یا وہ صالح العمل لوگ جنہوں نے اپنی جماعت کی حالت کو درست کیا اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ یہ توفیق عمل محض اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ ہر شخص کی نیتِ دل جاننے کے لیئے بس ہے۔

---

† شارحین قرآن نے اِن آیات کے سیاق کو نظر انداز کر کے آیۂ (۴: ۶۹) کے مطالب پر وہ عجیب و غریب اور ظلمت انگیز بحثیں کی ہیں اُن کی وجہ سے خدا اور رسول کو روحانی مجاہدے فرض کر کے بہشت اور آخرت میں انبیاءؑ و صالحینؑ کی مصاحبت کے متعلق افسانوں کا وہ طومار عظیم مطالب کے گرد اگرد کھڑا کر دیا ہے کہ انکی طرف نوازی کو دیکھکر بعض اوقات عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اصل کتاب میں آخری آیتیں (۴: ۶۹-۷۰) پہلے مضمون کے تسلسل میں پیش کی گئی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ آیۂ (۴: ۶۶) میں بودے ایمان والے منافقوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اُنکے حوصلے اسقدر بلند نہیں کہ وہ خدا اور رسول کے حکم سے اعلاے جماعت کی خاطر اپنی جانوں کو لڑا دیں، یا اپنے گھروں کو چھوڑ کر جہاد بالسیف کریں، حالانکہ یہ جہاد اور ترکِ وطن اُن کی اپنی بہتری کی خاطر ہی ہے، اور جماعتی حفظِ نفس کا صراطِ مستقیم ہے (۴: ۶۶-۶۸)۔ آیۂ (۴: ۶۹) میں صرف اس قدر کہا ہے کہ نبیؐ اور صدیق اور شہداء اور صالحین کا بلند مقام حاصل کرنیکے لیئے جان و مال کی ایسی ہی انتہائی قربانی کی ضرورت ہے ورنہ اسکے بغیر جنت کا حاصل کرنا جیسا کہ رسولؐ و صالحینؓ وغیرہ کے برابر اجر پانا محال ہے۔ صفحہ ۱۰۱ کے تحت المتن میں واضح کر دیا گیا تھا کہ یُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ کا قرآنی مفہوم صدر اسلام میں رسول خدا صلعم کے وقتی اور مقامی احکام کی تعمیل تھی۔ علیٰ ہذا القیاس یہاں پر بھی یہی مطلب ہے کہ رسول جو اُنکو وقتاً فوقتاً حسب موقع لڑائیاں لڑنے اور مال و اولاد سے مفارقت اختیار کرنے کا حکم دیتا رہتا ہے اور وہ اِن احکام کی تعمیل سے اکثر کتراتے ہیں، اگر اِن میں اطاعت رسولؐ کی توفیق پیدا ہو جاتی تو اُن کے درجے بھی ایسے ہی بلند ہو جاتے جیسے کہ انبیائے کرام کے جنہوں نے اپنی تمام عمر اصلاح انسانی میں صرف کر دیں، یا اُن صدیقین

میں قرون خالیہ کی کئی ایک متمدن اور متسلط قوموں کی ہلاکت آفریں غلط کاریوں اور سہل انگاریوں کی مثالیں دے کر، ان اعمال کی اہمیت کو بصراحت تمام بیان کر دیا تھا، مگر با اینہمہ نماز کے صراط مستقیم کا فوری اور پیش نظر مفہوم تقوے کا وہی التیام آفریں اثر، اور توحید کا مجتمع القلوب احساس تھا: وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (۶: ۱۵۴) ۔ متحد اور متفق قلوب کی یہ اسلامی جماعت، بارگاہ خداوندی میں اپنے دن بھر کے جلیل القدر کارناموں کی خاموش شہادت اور حوصلہ افزا سند پیش کر کے، اپنے آپ کو سزاوار انعام، اور مستحق اجر سمجھتی تھی؛ اعلائے حق کے متعلق انکے مخلصانہ اعمال، اور رب عظیم کی غائبانہ خدمتیں، انہیں تحسین آفریں کا بسملانہ اضطراب اور حضوری خدا کی اضطراری تڑپ پیدا کر دیتی تھیں۔ عمروں کے سلجھے ہوئے یہ مخلص ملازم اپنی روز روز کی نئی اور خوش کن خدمتوں کے بعد اس دانائے نہان و عیاں کے حضور میں لپک لپک کر پہنچتے اور دست بستہ کھڑے ہو جاتے! ان کو روئے زمین کی سلطنتیں اور حفظ و امان کی راہیں اُن کے شبانہ روز جہاد اور متواتر عمل کے صلے میں ملا کرتی تھیں: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۲۹: ۶۹)؛ انہیں اتمام نعمت کا راہ راست اور حصول قوت کا صراط مستقیم، صلح حدیبیہ جیسی اہم حکمت عملیوں، اور فتح خیبر و فتح مکہ جیسے مہتم بالشان کارناموں کے عوض میں ملتا تھا: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ (۴۸: ۱-۲)

---

۵۱ اور مسلمانو! مختلف راستوں کا اتباع ہرگز نہ کرنا، کہ یہ تفرقہ پن و انتشار تم کو خدا کے امن و رستے سے ہٹا کر مضمحل کر دے گا، تمہاری ہیئت اجتماعی کو کمزور، اور قوت کو سلب کر دے گا۔ یہ نصیحت تم کو خاصکر اس لیے کی گئی ہے کہ تم اجتماعی ہلاکت سے بچے رہو۔ سلسلے کے لیے دیکھو آیہ (۶: ۱۵۴) صفحہ ۲۴۰۔

۵۲ اور جن لوگوں نے ہمارا نام بلند کرنے کی غرض سے جہاد کیے ان کو ہم ضرور دنیا میں اس سے رہنے کے اپنے طریقے بتلا دیں گے، اور بیشک اللہ تو حسن عمل کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے (مُحْسِنِيْنَ کی تعریف صفحہ ۱۳۰ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے اور یہاں بھی صاف ظاہر ہے کہ جہاد کرنا سچا حُسن عمل ہے)

۵۳ اے پیغمبر! یہ معاہدہ حدیبیہ کیا، واقعیت میں ہم نے تم کو دشمن پر کھلم کھلا فتح دی۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تیری اگلی اور پچھلی مصلحتی واماندگیوں اور کمزوریوں پر پردہ ڈال دے، اور دشمن کے بالمقابل تم اس دنیا میں اور بھی مضبوط ہو جاؤ، اور تاکہ یہ آئندہ نعمتوں کے اتمام کا پیش خیمہ بنے، اور تمہیں حفظ نفس کی حکمت عملی اور غلبے کا صراط مستقیم دکھلا دے (نوٹ سے یہاں صاف طور پر یہ مصلحتی واماندگیاں مراد ہیں جو ہر نئے قوم سے کسی اہم اجتماعی معاملے کے متعلق صراط مستقیم نہ ملنے کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔)

سکون کوششوں کا اجرا، تسلسل اور تکمیل ہی تہا جنکے لیئے وہ اپنی زندگیاں وقف کر گئے تھے، اور جسکی ذمہ داری کا بوجھ وہ اخلاف عالمین پر قاطبۃً چہوڑ گئے تھے:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِى الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۴) نَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (۴: ۶۴)، یعنی ہم نے آجتک کوئی رسول ہی نہیں بہیجا مگر یہ کہ اسکے بہیجنے سے ہمارا مقصود ہمیشہ یہی رہا ہے کہ لوگ ہمارے حکم سے اُسکی اطاعت بے چون وچرا کریں، اور اگر یہ منافق بھی علی ہذا القیاس اُس ظلم کے بعد جو اُنہوں نے تمہاری نافرمانی کے باعث اپنی جانوں پر کیا تہا اللہ سے معافی مانگتے اور تم بھی اس درخواست میں اُسکے شریک حال ہوتے تو اُن کو معلوم ہوجاتا کہ خدا بھی فی الحقیقت بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور ظلم کار انسان پر بڑا ہی رحم کرنے والا ہے"۔ گویا رسول کا مقام من حیث الجماعت کسی سپہ سالار یا حاکم اعلیٰ کا مقام ہے۔ اور اسکے اس دنیا میں بہیجے جانے کی غرض وغایت اکثر یہی ہوئی ہے کہ سب لوگوں کو ایک حاکم اور ایک حکم کے حلقۂ اطاعت میں لاکر منظم اور منسلک کردے، اور جب وہ آپ اس دنیا سے رخصت ہوجائے تو یہ اطاعت کا مادّہ ارکان اُمّت میں بدستور جاری رہے۔ اور اسکی بجائے اولوالامر منکم کی طرف منتقل ہوتا رہے۔ اس مقام نظر سے رسالت کا مقصود افراد اُمّت میں اطاعت پیدا کرنا ہے اور بس: لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴: ۶۴)۔ مطاع کی ذات اس اطاعت میں مخصوص اسلیئے نہیں کہ ہر رسول اپنے اپنے وقت میں خدا کی اجازت سے لائق اطاعت رہا ہے جیسا کہ مثلاً آیہ (۴۳: ۶۳) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ سے ظاہر ہے جو اصل کتاب صفحہ ۲۳۵ پر آئے ہیں۔ رسول کے بعد وہ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۴: ۵۹)، جو اُمّت کی شیرازہ بندی اور غلبے کو قائم رکہنے کے لیئے بِاِذْنِ اللّٰهِ مقرر ہوتے ہیں۔ اس اطاعت کے اہل ہیں، اور از روئے قرآن ان کی اطاعت کرنا فی الحقیقت خدا کی اطاعت کرنا ہے۔ متذکرۂ صدر آیت (۴: ۶۴) کے الفاظ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ سے بھی ظاہر ہے کہ عصیانِ امیر درحقیقت وہ شکست انگیز شئے ہے جسکے بُرے نتائج نافرمانوں کے اپنے حق میں مضر ہوتے ہیں۔ گویا اس حکم عدولی کے باعث تمام جماعت کا شیرازہ درہم برہم ہوجاتا ہے اور بدیر یا بزود سب اُمّت کو موت کے گہاٹ اُترنا پڑتا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۷۱ کی آیات میں عصیان رسول کو ظلم سے تعبیر کرکے صاف الفاظ میں بیان کردیا ہے کہ امیر اُمّت کی نافرمانی کرنا وہ فتنۂ عظیم ہے جسکی سزا تمام جماعت کے افراد کو بھگتنی پڑتی ہے۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۝ (۸: ۲۵)۔

✦ قرآن حکیم کے تمام طول وعرض میں سورۂ فاتحہ سے قطع نظر صرف یہی ایک موقع ہے جہاں پر "الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کے الفاظ واقع ہوئے ہیں باقی سب موقعوں پر صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ[ع] بالتنوین موجود ہے اور مطالب کی تنکیر عیاں ہے۔ اس نادر اور معنی خیز تخصیص اور آیات کے سباق وسیاق سے صاف ظاہر ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی بے لوث دریا زندگیوں کا تمام سعی وعمل، انکی اپنی امّت کی خاطر مسلسل تکلیف برداریاں، اُن کے دشمنوں سے جہاد بالسیف، اُن کا ترک وطن، اُنکی قربانیٔ مال وجان، اُن کا فرعون پر غلبہ حاصل کرنا، اُنکی وادی سینا اور عین قادیش میں جماعتی تنظیم وتنسیق، اور بالآخر مسلسل تعلیم وتلقین کے بعد بنی اسرائیل ایسی غلام اور محکوم، ذلیل اور نامراد، پست اخلاق اور نامرد قوم کو اقل قلیل مدت کے اندر غالب اور متمکن، حکومت کے اہل اور بادشاہت کے لائق قوم بنادینا ہی وہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تہا جو قرآن عظیم کے رو سے اس دنیا کو نباہنے کا واحد اور سچا دستور العمل ہے۔ یہی وہ عزیز القدر اور پسندیدہ خدا لائحہ عمل ہے جسکے مطابق چلکر عرب کے پیغمبر جلیل اور سرور انبیاء نے تیئیس برس کے جانگزا اور روح فرسا سعی وعمل کے بعد وہ فقید المثال کامیابی حاصل کی کہ دنیا ابدالآباد تک اس کارنامے پر سر دھنتی رہے گی۔ یہی اُسوۂ عمل اور انبیائے کرام کا

ع یا بعض جگہ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ہے۔ وغیرہ۔

اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا جامع اور مانع مفہوم دراصل انبیائے اولوالعزم اور اجلّہ رہنمایان زمین کی اُن مزلزل الارض اور مقلب الانام مہموں، اُنکی اُن بلند نظر اور وسیع الاثر تحریکوں، اُن لشکر انگیز اور بیخ برانداز

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۳) اور شہداء اور صالح العمل لوگوں کے جنہوں نے جماعت کی خاطر قربانیاں کیں۔ اس سے زیادہ ان آیات کا کچھ مطلب نہیں۔ رہا یہ امر کہ اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے کس طرح کی معیت اور رفاقت مراد ہے۔ اسکے متعلق بحث کرنا عبث ہے۔ کیونکہ آخرت کی کیفیت کا علم خدا ہی کو ہے۔ انسان کو اسمیں پیش از وقت دخل دینے کی ضرورت نہیں (دیکھو تحت المتن صفحہ ۸۴) آیہ (۴: ۶۹) 'نعمت' کے تحت المتن میں صفحہ ۲۲۰ پر بھی آچکی ہے اور وہاں پر عیاں کر دیا ہے کہ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے مراد وہ توفیق عمل ہے جو ہر باایمان شخص کے شامل حال ہوتی ہے اور یہ استعداد سعی و عمل کا حسب موقع موجود ہونا ہی صراط مستقیم پر چلنے کے مترادف ہے۔

'اَلصِّدِّيْقِيْنَ' کے صحیح مفہوم کی مکمل تشریح صفحہ ۱۱۷ کے تحت المتن میں آیہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (۴۹: ۱۵) کے ضمن میں کر دی تھی اور عیاں کر دیا تھا کہ از روئے قرآن 'صدیق' وہ شخص ہے جو اپنے 'ایمان' کی تصدیق ہر لحظہ اور بہر حال عمل سے کرتا ہے۔ 'ایمان' کی اہم قرآنی شرائط بھی اصل کتاب میں بالتفصیل آچکی ہیں اور صفحہ ۱۸۳ کے تحت المتن میں جمع کر دی گئی ہیں۔ 'الشُّهَدَآءَ' کی توضیح بھی صفحہ ۱۰۵، ۱۲۱ تحت المتن اور صفحہ ۲۰۲ کے متن میں آچکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ 'شاہد خدا' وہی شخص ہے جو اپنے کاموں کے ذریعے سے خدا کے نوکر ہونیکی شہادت ہر وقت دیتا رہے، اور جان و مال کو آقا کی خدمت میں پیش کرتے رہنا اس نوکری کی اہم شرط ہے (دیکھو آیہ (۱۴: ۱۳) صفحہ ۱۰۵) اَلصّٰلِحِيْنَ کا معہود ذہنی بھی علی ہذا القیاس کچھ کچھ صفحہ ۱۶۸ کے متن آیہ (۴۸: ۲۹) میں، کچھ صفحہ ۴۰ کے تحت المتن میں آچکا ہے۔ صلاحیت کی مکمل تشریح از روئے قرآن ابھی نہیں ہوئی، اور اسکی تکمیل کے لیے ابھی بہت دیر بھی ہے تاہم اس اجمال سے ظاہر ہے کہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ہونا (دیکھو آیہ (۴۸: ۲۹) صفحہ ۱۶۰) وہ اجتماعی اعمال کرنا جس سے قوم کے ہر عضو میں بیداری اور حیات پیدا ہو (دیکھو آیہ (۷: ۱۸۹) صفحہ ۴۰) وارث زمین بننا (دیکھو آیہ (۲۱: ۱۰۵) صفحہ ۴۰)، استخلاف فی الارض کا مستحق بننا (دیکھو آیہ (۲۴: ۵۵) صفحہ ۷) وغیرہ وغیرہ صلاح ہے۔ آیہ (۴: ۶۹) کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ 'اَلصّٰلِحِيْنَ' کا درجہ تعبد کا کمترین درجہ ہے اور یہی عامۃ الناس کے اتباع کے لائق ہے، اس سے بلند تر درجہ 'الشُّهَدَآءَ' کا ہے جس میں مال و جان کی انتہائی پیشکش شامل ہے، اس سے بلند درجے کے لوگ 'الصِّدِّيْقِيْنَ' ہیں جن کا سعی و عمل اور بھی جانگزا اور روح فرسا ہونا چاہیئے مثلاً حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے رتبے کے لوگ جنپر خدا راضی ہو چکا ہے۔ 'النَّبِيِّيْنَ' کا درجہ سب سے بلند اور منیع الحصول ہے، اسکے مفہوم کی تشریح حسن اتفاق سے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق آیندہ آیات (۳۷: ۱۱۴-۱۲۲) صفحہ ۲۴۵ میں آرہی ہے جنسے ظاہر ہے کہ 'النَّبِيِّيْنَ' وہ لوگ تھے جو ایک جمود زدہ اور شکست خوردہ، ایک مضمحل اور محکوم قوم کو اپنے زہرہ گداز اور مزلزل الارض عمل سے اقل قلیل مدت میں ترقی اور امن کے فلک الافلاک تک پونہچا گئے۔ اور اب مالک کون و مکاں بھی اُنپر سلام بھیج رہا ہے! 'نبوت' کی ماہیت کے متعلق میں نے چند اشارے دیباچہ کتاب (صفحہ ۲۵+۲۶) میں بھی کیے ہیں جنسے نبوت کا کیف ایک حد تک واضح ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ موضوع کسی آیندہ بحث کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔

اس امر کی تصدیق کہ ان آیات میں 'يُطِعِ الرَّسُوْلَ' سے مراد صدر اسلام میں رسولؐ کے بالمشافہ یا وقتی احکام کی فوری یا حسب موقع تعمیل ہی تھی۔ اور آج جبکہ رسولؐ خدا اُمت کے درمیان بالمشافہ حکم دینے کے لئے موجود نہیں تو اُس کا بدل امیر جماعت کے احکام کی فوری اطاعت ہی ہے اس سے کم و بیش کچھ نہیں۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۴: ۵۹) کے الفاظ سے ہوتی ہے جو آیات زیر بحث سے کچھ پہلے آئے ہیں اور جن میں ایمان والوں کو کہا گیا ہے کہ خدا، رسولؐ اور امیر جماعت کے احکام کی تابعداری کریں۔ اسی اطاعت پر زور آیات زیر بحث (۴: ۶۶-۷۰) سے دو آیتیں پہلے ان الفاظ میں دیا گیا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ

کی جناب میں ان وقف عمل اور اسلام کے سچے خادموں کو ضرب دل اور خشوع و خضوع سے آمادۂ رکوع و سجود کر دیتا تھا: اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝ (۲۱: ۹۰)[1] یہ دستگیری رب پر اعتماد، اور نصرت خدا کا یقین ہی تھا جو تملق کی رسم آفریں اور مضطر انعام حالت میں خدا کی سچے دل سے تحمید و تقدیس کراتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ (۱: ۱-۴)

اے پروردگار عالمین! سب تعریف اور شکرانے کا مستحق تو ہی ہے۔ تو بڑا ہی رحم کرنے والا، اور بڑا ہی مہربان ہے۔ روز جزا و سزا کا بھی تو ہی حاکم ہے۔ ہم اپنے سب اعمال میں تیری ہی خدمت اور تیری ہی چاکری کرینگے، اور ہر معاملے میں تجھی سے مدد مانگیں گے۔

یہ دوستیٔ حق پر اعتماد، اور تائید خدا کا انتظار ہی تھا کہ انعام کی آس پر سب کی سب جماعت یکدم گھٹنوں پر، اور ہاتھوں کے بل گر پڑتی! پھر اٹھتی اور بار بار گرتی! اس نماز میں روح تھی؛ اس میں مقصد تھا، اس میں غرض کی دلچسپی تھی، اس میں انعام کی لم اور رکوع و سجود کی منطق تھی، اس میں ایمان کے شعلے تھے، اس میں عصبیت کی یک رنگی تھی، اس میں سچا خشوع و خضوع تھا، اس میں محبت کی جنبشیں اور مواخات کے باہمی تلطم تھے! اس میں اطاعت کا پیہم احساس، اور نظم و نسق کا سچا سبق تھا! اس میں توحید کا عملی اور نتیجہ خیز منظر تھا! اس میں خدا کی سچی خوشامد، اور متفقہ جماعت کی اسقدر عجز و زاری کے بعد طمانیت دل اور تسکین قلب حاصل ہوتی تھی: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝ (۱۳: ۲۸)[2] یہی وہ مسکن روح اور مفرح قلب دوا تھی جو

---

[1] اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ خدا کے قوت اقتدار اور مفید قوم اعمال (الخیرات) کیطرف لپک لپک کر پہنچتے تھے، اور ہمکو اجتماعی انعام کی رغبت سے اور اجتماعی سزا کے خوف سے پکارا کرتے تھے، اور پھر اس بیم و رجا کے تکیف کو دلمیں رکھکر ہماری جناب میں سچا خشوع و خضوع کیا کرتے تھے۔

[2] لوگو! گوش دل سن رکھو کہ دلوں کو کامل تسلی خدا کے سچے احساس سے ہوا کرتی ہے۔

---

* الخیرات کے صحیح مفہوم کے بارے میں ایک طولی و طویل بحث صفحہ ۱۳۲ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے وہاں پر یہ آیت بھی آئی ہے متذکرہ صدر مطالب کی تصدیق کے لیے وہاں دیکھنا چاہیئے۔

** صفحہ ۱۰۰ کے تحت المتن میں عبادت کا صحیح مفہوم واضح کر دیا تھا: نماز کے عین وسط میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا اقرار بادشاہ زمین و آسمان کے سامنے کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وعدہ پیہم ملازمت اختیار کرنے کا ہی نہ نماز پڑھنے کا۔ یہ نکتہ ہم نے صفحہ ۱۱۲ پر بھی واضح کر دیا ہے۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۳۷: ۱۱۴-۱۲۲)

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی بہت سے احسانات کیے، ایک بڑا احسان یہ تہا کہ ہم نے اِن دونوں بہائیوں کو اور اُنکی قوم کو فرعون کی مصیبت عظمیٰ سے بالآخر نجات دی، اور فرعون کے بالمقابل اُنکو کامیاب طریق عمل کی ہدایت دیکر اُن کی مدد کی، اور پہر آخر کار یہی لوگ غالب رہے اِس کے علاوہ ہم نے اُنکو ایک واضح اور بلیغ فی البیان دستور العمل کتاب کی صورت میں دیا، اور اُنکو دنیا میں خوش اسلوبی سے اور غالب بنکر رہنے کا صراط مستقیم دکھایا، اور پہر ان دونوں بہائیوں کے عظیم الشان اعمال کا اثر اُنکے اخلاف میں بھی باقی رکھا موسیٰ اور ہارون پر ہمارا اور اُن کے بعد کی اُمتوں کا سلام ہو! بیشک ہم حسن عمل کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور اسمیں کچہہ شک نہیں کہ وہ دونوں ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھے!

اِن نتیجہ خیز، صبر آزما، اور بلند پایہ اعمال کے بعد یہ چشم انعام ہی نماز کی اصلی محرک، اور پنجوقتہ حاضری کی روح رواں تھی: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝[1] (۳۲: ۱۶)

یہ لطف و کرم کی اُمید، اور غضب خدا کا ہول ہی تہا جو اُس علۃ العلل، اُس قادر مطلق اور مسبب الاسباب خدا

---

[1] یہ وہ صاحب سعی و عمل لوگ ہیں کہ احکام خدا کی تعمیل، اور بہبودی اُمت کی جد و جہد میں اُن کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے، فرمودۂ خدا کی تعمیل میں اُنکی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں، وہ اپنے پروردگار کی جناب میں اجتماعی ہلاکت کے خوف اور غلبۂ اُمت کے طمع سے کراہتے ہیں، اُسکے لطف و کرم کے امیدوار اور سزا سے خوفزدہ رہکر دعائیں مانگتے ہیں، اور حتی الامکان اسمیں سے جو ہم نے اُنکو دے رکھا ہی ایثار مال بہی کرتے ہیں۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۵) تھا، نوح، ابراہیم، لوط، صالح وغیرہم علیہم السلام سب اِسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پر چلتے رہے، اسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پر چلکر نعمت اور دنیوی تعزز ہے (صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ)، اِسی سے آخرت اور عقبیٰ کا چہٹکارا ہے، یہی فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰: ۱۳۰) صفحہ ۴ ہے، اِسی سے غضب خدا کی بندش یکسر ہو جاتی ہے۔ خدا کے فرشتے اور بادشاہ زمین و آسمان سلام بہیجتے ہیں (سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ)، رب ذو المنن کی نگاہیں مہر آلود بن جاتی ہیں (وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ) یہی سچا حسن عمل ہے (اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ) یہی اُس آقائے نامدار کی صحیح عبادت ہے، یہی اصل ایمان اور عین اسلام ہے۔ اِسی کا محاسبہ اور الٰہی کی درخواست پنجوقتہ دن میں تہی، اسی کی تڑپ کے اظہار میں قومے اور قعدے تھے۔ اِسی عمل کو قائم کرنا اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ تہا۔ مگر آہ! کہ مسلمان آج اِس الٰہی اور نبوی سبق کو قطعاً بہول گئے ہیں!

[2] ایمان کے متعلق وہ تمام قرآنی اعمال جنکا ذکر اُسوقت تک اس کتاب میں آچکا تہا صفحہ ۱۸۲-۱۸۳ پر جمع کر دیے تھے اُنکے مطالعے سے ظاہر ہی کہ موسیٰ اور ہارون پر "الْمُؤْمِنِيْنَ" کا لفظ کسقدر صادق آتا ہی نہیں بلکہ اِن دونوں پیغمبروں کے جانکاہ اور زہرہ گداز اعمال کو دیکھکر جو اُنہوں نے بنی اسرائیل کو متمکن فی الارض بنانیکے لیے کیے، اِس امر کا اندازہ ہو جاتا ہی کہ ایمان فی الحقیقت کس انتہائی سعی و عمل کا نام ہی، اور اسکا منتہائے وحید کس حد تک اِس دنیا کے اندر قوت اور زور سے رہنا ہے جو شخص اپنے آپکو اور اپنی قوم کو دشمن کے دست تطاول سے نجات دلا کر نَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ اور نَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ کا مصداق بنتا ہی وہی قرآن کی اصطلاح میں مومن ہی، کلمۂ شہادت کو پڑھ کر مومن بننا حقیقت کا منہ چڑانا ہی۔ اِن آیات الٰہی سے اِس امر کی بھی مزید تصدیق ہو جاتی ہی کہ ایمان کا اٹل نتیجہ اِس دنیا میں سیاسی غلبہ ہی ہی، "روحانی غلبے" کا کہیں ذکر نہیں۔ "حَسَنَات" کے صحیح مفہوم پر بحث صفحہ ۱۲۷-۱۳۱ میں آچکی ہی جس سے ظاہر ہی کہ "الْمُحْسِنِيْنَ" سے مراد صفحہ ۱۳۰ کی آیت (۱۷: ۷) کے لفظ اَحْسَنْتُمْ کیطرح یہاں پر بہی وہ اجتماعی جد و جہد ہی جسکا اٹل نتیجہ غلبہ قوم ہی، گویا یہی سیاسی غلبہ حاصل کرنا صلاح عمل ہے۔

طپشِ دل کے زوال نے اِسکے رہے سہے نباہنے والوں اور خداداد دستی کے بڑے دعوے داروں اور شب زندہ داروں میں ایک المناک دوریٔ دل اور پریشانیٔ خیال پیدا کردی ہے؛ اِسکا ہر رکوع و سجود، درحقیقت ایک غیر دلچسپ اور مضحکہ انگیز بیگار بن گیا ہے: اِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ[1] (۲: ۴۵)؛ بڑے بڑے رسمی اولیاء اللہ اسکو برسوں تک نباہ کر اپنے آپ کو خدا سے ویسا ہی دور پاتے ہیں جیسا کہ روزِ اول میں تھے! اُدھر مجددینِ دین کہن، اور نبض شناسانِ عہد حاضر، اِس نماز کو یورپ کے فراعنہ کبر و تمکنت اور مبلغینِ فسق و شیطنت کے آبگینۂ تہذیب و وجاہت کو ٹھیس نہ لگ جانے کی خاطر، ازمنۂ مظلمہ کی ایک جاہلی رسم اور لغو حرکت خیال کر رہے ہیں! اِسکی اذانیں محفل آرایانِ طرزِ جدید کے لطیف اور نازک تخیل دماغوں میں، بے ہنگام اور تکلیف دہ صدائیں بن گئی ہیں! یورپ کا شیوۂ حکومت آج اپنے بےمثال تمکن اور خاموش تبلیغ سے اپنی مخصوص طرزِ تعلیم اور مصالحانہ دخل سے، اپنی باطنی بدنیتی اور ظاہر احسان سے، اصلاح کے دلفریب بہانوں اور تہذیب کے مشہور عُذروں سے محکوم مسلمانوں میں تفرنج کا رنگ پیدا کرکے، اُنکی محبوب روایات اور مہتم بالشان شعائر کی بیخ و بُنیاد کو کھوکھلا، اور اسلام کی فاتحانہ براندازی کا تماشا نہایت ٹھنڈے دل سے کر رہا ہے! اِسکی پُرفن اشاعتی تعلیم محکوم مشرق میں مذہب اور جماعت کو عمداً کالعدم کر رہی ہے۔ نئی پود کی اکثر عصبیت، اُن کے امتیازی نشان، اُنکی ملی خصائص اور اخلاقی بزرگیاں حرفِ غلط بن بن کر مٹ رہی ہیں۔ اسلام کی مسخ شدہ تصویر کے بقیۃ الموت سب خط و خال علم جدید کی عاریتی اور خانہ سوز شعاع کے بالمقابل برف بن بن کر گھل رہے ہیں۔ مغرب کی شان مکر و تمکنت آج مشرق کی ہر خوبی کے متعلق اپنے معنی خیز استخفاف اور عیارانہ سکوت سے ہی سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں پر مصالحانہ اِحتلال کرکے اُن کو اپنے دین سے، اپنی روایات سے، اپنے اعمال سے، اپنے ابطال اور اعاظم الرجال سے، اپنے خدا سے قطعاً متنفر بنا رہی ہے! مرد تو درکنار، اسلام کی محفوظ اور محافظ مرد صنفِ لطیف، یورپ کی آغوشِ لطف و مرحبا میں اِس حیاسوز

[1] اِس میں شک نہیں کہ یہ نماز ماسوا ان لوگوں کے جنکا سب بیم و امید ہمارے ساتھ وابستہ ہو چکا ہے باقی لوگوں کے نزدیک بیگار ہی بیگار ہے۔

مشکلات کے آسان کرنے میں معین خاص ہوا کرتی تھی: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (۲: ۱۵۳)۔ آج یہی نماز جسکے ہر قومے اور قعدے پر خدائے بے نیاز کی رگِ لطف و مرحمت میں مسلسل و متصل جنبشیں ہوا کرتی تھیں، جسکے ہر کیفِ سجود پر مُنشیانِ لطف و کرم کے قلم مشرستانِ صریر بنجاتے تھے: لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ (۱۴: ۷)، جسکی ہر تہلیل جراحتِ عشق کی بے اختیاریٹیں، اور ہر تکبیر کسی نمک بخت ناسور کی جگر شگاف چیخ تھی، جسکے ہر زمزمہ اذان اور ہر مضراب دعا پر لطفِ الٰہی کے لاانتہا ساز یکدم بجنے شروع ہو جاتے تھے: وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ط (۴۰: ۶۰)، جسکی جاذب القلب صدائیں پردۂ زنگاری کے اُس بے نیاز، سیر چشم، اور پُرکار معشوق کو بھی مجبور یاد اور آمادۂ جواب کر دیتی تھیں!

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝ (۲: ۱۸۶)، فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ ط (۲: ۱۵۲)، آہ! یہی نماز آج اُمت کی بے حسی اور ایمان کی سطحیت، مطالب کے نسیان اور مقاصد کی فروگذاشت کے باعث ایک بے معنی اُٹھک بیٹھک بنگئی ہے! غرض تو درکنار، اِسکے لفظی معانی بھی آج نوّے میں پانچ نماز گذاروں کو میسّر نہیں! اِسکی اہمیت، غرض و غایت کی ناواقفیت کے باعث روز بروز ذہنوں سے اُٹھ رہی ہے! مقصود کے فقدان اور کساد بازاری کی وحشت نے اِسمیں بے مطلبی کا تنفر، اور بے سبب فرضیت کا اکراہ پیدا کر دیا ہے، نصب العین کے سقوط، اور

---

۵۱ اے ایمان والو! مشکلات و مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے استقلال اور خدا کی سچی یاد سے مدد لیا کرو۔ بے شک خدا اُنہی کا ساتھ دیتا ہے جو مستقل رہتے ہیں (گویا اوّل مرحلہ سعی و عمل میں استقلال (الصَّبْرُ) ہے اور آخری مرحلہ دعا (الصَّلٰوۃ) ہے)۔

۵۲ اگر تم میری نعمتوں کا صحیح استعمال اور اُن کی سچی قدر کر کے میرا شکریہ ادا کرتے رہو گے تو میں تم کو اور بھی زیادہ کرونگا (شکر کے ان معانی کے لیے دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۰)

۵۳ اللہ فرماتا ہے مجھے بلاؤ اور دردِ دل سے بلاؤ میں تمہاری مدد کروں گا اور تمہاری درخواست کو قبول کروں گا۔

۵۴ اور اے محمدؐ! جب ہمارے بندے تم سے ہماری بابت پوچھیں تو اُن کو کہہ دو کہ ہم اُن کے پاس ہر وقت موجود ہیں۔ ہم پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں بلکہ اگر اُس کا دل کرانے لگے تو جواب بھی دیتے ہیں۔ پس اُنکو چاہیئے کہ سراپا ہمارے حکموں اور اشاروں پر چلیں اور پھر حتی الوسع سعی کر کے ہم پر اعتماد بھی کریں۔ ممکن ہے کہ انکو راہ مل جائے

۵۵ تو تم کو ہر وقت سچے دل سے محسوس کرتے رہا کرو پھر ہم بھی تمہارا خیال رکھیں گے۔

اے ایمان کے دعوے دارو! اُن اہل کتاب اور یہود و نصاریٰ میں سے، جن کو تم سے پہلے کتاب الٰہی دیجا چکی ہے، جن لوگوں نے تمہارے دین اسلام کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، نیز اُن لوگوں کو جو خدا کے سرے سے منکر ہیں، اپنا دوست نہ بناؤ، اور اگر تم سچے ایمان والے ہو تو خوف خدا کر کے اُن سے الگ تھلگ رہو، اور اُن سے میل ملاپ پیدا کر کے خود کشی نہ کرو! اور یہ باتیں وہ قومیں ہیں کہ جب تم لوگوں کو نماز کی طرف بلاتے ہو تو یہ لوگ اُسکو ہنسی اور مخول بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے، اور یہ اس لیئے کہ ان ناسمجھوں اور بے وقوفوں کو نماز کی مہتم بالشان اہمیت کا کچھ اندازہ ہی نہیں، (یا محض تجاہل عارفانہ کر کے تمہارے دلوں میں اسکی اہمیت کو کم کرنا چاہتے ہیں)۔

خود مساجد خدا کی معنوی حالت اس ملحدانہ لاابالیت سے کہیں ابتر ہے! اُن کے صحنوں میں دردناک خموشیاں، اور حجروں میں ہولناک ویرانیاں ہیں۔ خدا کے نام لیواؤں کی ایک تعداد کثیر بے حسی کے موت آفریں ماحول میں خانہ نشین رہکر، اس نماز کو، نہیں اس صراط مستقیم کی متفقہ درخواست کو! گھروں کے اندر ہی اندر ترخالیتی ہے، لیکن رب زمین و آسمان کیلیئے دس قدم چلنا گوارا نہیں کرتی! سینوں کی کپٹ اور دلوں کی سیاہی کا یہ حال ہے کہ مساجد میں حاضر ہونے کے باوجود، نماز کی جماعتی حیثیت حتماً اور معناً نابود ہو گئی ہے؛ وہ مسجدیں اور الٰہی دربار گاہیں جو کسی زمانے میں مسلمانوں کے سیاسی اجتماع اور دینی مواخات کی پنجوقتہ انجمنیں ہوا کرتی تھیں، جن میں اسلامی بہبودی کے ہر ممکن موضوع پر بے تکلف مباحثے، اور دشمن سے عہدہ برآ ہونیکے بے خوف و خطر منصوبے سوچے جاتے تھے، وہ اعلان خدا کے نقارخانے آج باہمی رنج و حسد کے باعث خموشوں کے مقبرے بن گئے ہیں! ہر مسجد دوسری مسجد کے مقابل صف آرا، اور ہر دل دوسرے دل سے جُدا ہے! فرعی اختلافات ہیں، عقائد کی ہولناک تفریق ہے، الفاظ اور لغات پر فرقہ بندیاں ہیں، پیش امام کا جہل محیط ہے، بیحسی کی بیکاری اور نامرادی کا جمود ہے! پھر پریشانیٔ دل اور فکر معاش میں چند پے در پے سجدے ہیں، برسوں کی بھولی ہوئی باتوں کی یاد دہانیاں وسط نماز میں ہیں، پھر منافقت کے رسمی علیک سلیک، یا دو ایک سطحی مصافحے ہیں، پھر خانۂ خدا سے نکلکر ان سجدوں کی رعونت، اور اس عبادت کا

سرعت سے ہمکنار ہو رہی ہے کہ ہر صاحب نظر کی نگاہیں زمین میں گڑی جا رہی ہیں! نا انجام شناس مسلمان نشر و تبلیغ کے ان مقلب القلوب مرکزوں میں ایک ناقص اور سطحی، نظری اور بیکار کن علم کی پتلی سی تہ چڑھا کر تعلیم کے خوشنما تیر سے اپنی ہی جڑ کاٹ رہا ہے۔ اُدھر علمائے دین کی ماتم انگیز کم علمی، علم و شہادت کے اس عہد حکومت میں اسلام کی ایک قطعاً ناقابل تسلیم اور مضحکہ خیز تصویر پیش کرنے میں بڑھ بڑھ کر قدم مار رہی ہے۔ الغرض دنیائے اسلام کے اکثر اہم حصوں میں خدائے زمین و آسمان کے اس لشکر انگیز اور جہان کشا دین کا ہر باقی ماندہ اصول مغرب کے ائمۃ المکر کی ہشیار فریب چالبازیوں، اور مشرق کے اجلۃ الجہل کی نارواضد کے باعث عجب ہنسی مخول بن رہا ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ۝ (۵: ۵۷-۵۸)

* ان احکام الٰہی میں اُن اعدائے اسلام کے ساتھ جو مناسک دین کا تمسخر اڑائیں، جو اُن کی تخفیف و توہین کر کے مسلمانوں کو اس سے بیزار کرنے کی سعی کریں، کسی قسم کی دوستی اور موالات نہ رکھنے کو اتقائے الٰہی اور ایمان پر محمول کیا گیا ہے، اور صاف لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ ایسا کرنا ایمان کا جزو لاینفک ہے۔ گویا جو شخص یا جماعت اُن سے موالات اختیار کرتی ہے اسکے ایمان میں خلل ہے، اور اُسکے مومن ہونے کا ادّعا محض تہمل ہے (اِن کُنتُم مُّؤمِنِینَ)۔ جو جماعت اس صورت حال کو دیکھکر بھی ایسی جماعت سے معرکہ آرا رہتی ہے، جو اُس کے ساتھ تجارتی کاروبار یا معاندانہ تعامل، مراسم حُبّ یا تعاون برقرار رکھنا کچھ عیب نہیں سمجھتی وہ لامحالہ شدید العقاب خدا کی دردناک سزاؤں کا کچھ خوف (اگر) نہیں کرتی، اُسکو اُس اجتماعی ضعف و شکست کا کچھ باک نہیں رہا جسکا ایسی حالت میں اُمت پر خدا کے ہاں سے نازل ہونا قطعی ہے، اور اسی لیے ایسا گروہ کچھ متقی بلکہ کچھ مومن نہیں۔ جو قوم اَعْدَوْنَ کے نصب العین سے پرے ہٹ رہی ہے، جسکے اعمال اُمت کی اجتماعی قوت کو ضعف پونہچا رہے ہیں، اُس کا ایماندار بنے رہنا اندوئے قرآن بہت مشکوک ہے۔ مسلمانوں نے آج 'موالات' کے معافی میں بھی عافیت دہ تاویلیں پیدا کر لی ہیں حالانکہ آیۂ (۵: ۵۷) سے صاف ظاہر ہے کہ اس ترک دوستی سے غرض دشمن قوم کی مُنصفانہ تلقین و تعلیم کے اثرات سے محفوظ رہنا اور ضمناً اُن کو اس ترک دوستی کے باعث انتہائی مالی اور اقتصادی نقصان پونچا کر اپنی قوت کو محفوظ رکھنا ہی ہے۔ حفظ نفس کا اصل اصول قرآن حکیم کے ہر ورق پر لکھا ہے۔ یہی اسلام کی اصلی تعلیم ہے، یہی ایمان و تقوے ہے! اپنی انتہائی حفاظت کرنا اور دشمن کو انتہائی ضرر پونچانا، اس دنیا کو خوش اسلوبی سے نباہنے کا وہ صراط مستقیم ہے جو جریدۂ کائنات کے ہر شعبۂ بقا پر جلی حروف میں لکھا ہے۔ ادنےٰ مخلوق سے لیکر اعلےٰ سے اعلےٰ مخلوق تک سب اسی پر عمل پیرا ہیں، قانون فطرت کا لُبِّ لباب یہی ہے، یہی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ہے، یہی دین اسلام ہے اور یہی دفاعی حکمت عملی الصّلاۃ کے قیام میں مضمر ہے! مگر اس موضوع پر مبسوط بحث کسی آیندہ صحبت میں کیجائے گی۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ (۴: ۱۴۲-۱۴۳)

اسلامی جماعت میں نفاق ڈالنے والے اور فرقہ بند لوگ تو گویا اپنی ظاہرداری سے خدا کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں خدا ہی اُن کی بداعمالیوں کو اُنکی نظروں میں اچھا دکھا دکھا کر اُنکو دھوکا دے رہا ہے۔ اُنکی نشانی یہ ہے کہ جب نماز کے لیئے کھڑے ہوتے ہیں تو بیدلی سے اور اَلکسائے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں محض دکھلاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں اور نہ خدا کا احساس اُن کے دلمیں فی الحقیقت بہت ہی کم ہے۔ انہیں خدا کا یقین تو ہے نہیں، کفر اور ایمان کے بَین بَین کہہ مذبذب سے رہتے ہیں۔ نہ پورے اِدہر کے نہ اُدہر کے۔ سو جن کو خدا گمراہ کردے اُنہیں کوئی مستقل طریق عمل کبھی نہیں ملتا۔

جب اسلام کے اِس بہترین شعار، اور اسلام جماعت کے اِس بہترین چارہ کار کے متعلق مسلمانوں کی کارفرمائی کے یہ عنوان ہوں، افراد میں یہ تفریق و انتشار، اور اتحاد میں یہ سطحیت اور نمائش ہو، یہ بے توجہی اور خدائے ذوالجلال کی جناب میں پنجوقتہ یہ صریح گستاخی ہو، بندگانِ خدا میں کفر و الحاد کی یہ طرحداری اور خودداری کی یہ وضع بن گئی ہو، اللہ کے آگے ماتھا رگڑنا یہ باعث ننگ و عار، اور بے روح سجدوں میں کبر و اَدعا کی یہ شان ہو، جب نصب العین مفقود، اور مدعائے سوال کالعدم ہو، نہیں، جب سائل کو

---

† یہاں پر الصلوٰۃ کا پیش نہاد وہی اتحاد اور اصلاح بین الناس ظاہر کیا ہے۔ نفاق پیدا کرنے والے لوگوں کی بابت کہا ہے کہ نماز میں اکسائے ہوئے شامل ہوتے ہیں اسلیئے کہ الصلوٰۃ کا مطمح نظر اتحاد ہے اور یہ لوگ تفریق پیدا کرنیکے درپے ہیں، بدیں وجہ نماز اُن کو کچھ بھلی نہیں لگتی۔ اُن کی نمازیں بھی اِسی لیئے محض دکھلاوے کی ہیں۔ یعنی غرض لوگوں کو دھوکا دینا ہے۔ یُرَآءُوْنَ کا لفظ یہاں پر آیا ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہاں بھی دکھلاوے کی نماز پڑھنا مراد ہے جیساکہ پیشتر کی آیت (۴: ۱۰۷، ۶) میں دعوے کیا تھا۔ عبرت کا مقام ہے کہ آج عالم اسلام میں کتنے لوگ ہیں جو نماز میں اکسائے ہوئے شامل ہوتے ہیں، اور از روئے قرآن وہ کس گروہ میں شامل ہیں جس کی بابت اسی آیت سے خدا آگے آیا ہے: إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۴: ۱۴۵) یعنی جماعت میں نفاق پیدا کرنے والے لوگ جہنم کے سب سے نچلے حصے میں ہوں گے۔ فاعتبروا۔

ضمناً یہاں اس بات کا فیصلہ بھی ہوگیا کہ منافقوں کی سی نماز پڑھنا ذکر خدا قطعاً نہیں ہے (وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝) نہیں بلکہ ذکر سے مراد تسبیحیں چلانا بھی نہیں بلکہ وہی خدا کا کھٹکا دل میں لگائے رکھنا ذکر خدا ہے۔

غرور ہے! فاحش اور منکر خیالات بیش از پیش ہیں، تمام باقی وقت استیصال حریف، تھڑدلی اور تنک ظرفی، ایذائے خلق اور مدِّ مقابل سے جھڑپ مول لینے میں صرف ہو رہا ہے گویا فلاح و نجات کا منشور ایزدی خانۂ خدا کی دہلیز پر مل چکا ہے!

زبادہ ہائے صبوحی بدامنِ عصمت

چہ داغِ شرم کہ ننہادۂ۔ دریغ از تو!

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ † (۱۰۷: ۴-۷)

تو اے لوگو! حیف ہے اُن نمازگذاروں پر جو اپنی نماز کی اصلی غرض و غایت کو فراموش کر چکے ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جو محض دکھلاوے کیلئے نمازیں پڑھتے ہیں اور باہمی مصالحت اور اتحاد، رافت اور رحمت کے سبق کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ انکی باہمی کپٹیں اسقدر بڑھ گئی ہیں، اور دل ایسے تنگ ہو گئے ہیں کہ محبّت تو درکنار، وہ ایک دوسرے کو روزمرّہ کے برتنے کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے مدد کرنا بھی گوارا نہیں کرتے!

† آیۂ (۱۰۷: ۴-۵) سے ظاہر ہے کہ نماز کے ارکان ادا کر دینا اور اسکی غرض و غایت یعنی مسامحت اور مصالحت بین الناس کو فراموش کر دینا وہ عمل ہے جس کی خدا کے نزدیک کچھ وقعت نہیں، ایسی نماز محض دہوکا اور دکھلاوا ہے۔ ورنہ الصّلوٰۃ وہ نیتوں کو نیک، ارادوں کو بلند، اور حوصلوں کو فراخ کر دینے والی شئے ہے کہ اسکے ذریعے انسان دوسرے انسان کے لیے ہر ممکن ایثار کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ ایسا تھڑدلا اور کم حوصلہ ہو جائے کہ ادنیٰ سی مسامحت (مثلاً ایک دوسرے کو روز کی برتنے والی اشیاء سے مدد دینا) بھی روا نہ رکھے۔ الصّلوٰۃ کی اس مصلح الاعمال استعداد کا ذکر سورۂ المعارج میں بھی ہے:

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ (۷۰: ۱۹-۲۳)

لوگو! اس میں شک نہیں کہ آدمی بڑا ہی کم حوصلہ اور تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے۔ اگر اسکو کسی طرح کا نقصان پونہچتا ہے تو ہائے وائے کرنے لگتا ہے اور اگر ذرا سا فائدہ پونہچ جاتا ہے تو پرلے درجے کا بخیل اور خسیس بن جاتا ہے البتہ وہ الصّلوٰۃ کو قائم رکھنے والے لوگ جن کا پیش نہاد اپنی فراخ حوصلگی سے دلوں کو موہ لینا ہے اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں اور یہ لوگ ہیں جو دم بھر کے لیے الصّلوٰۃ کے پیش نہاد کو نظر انداز نہیں کرتے (الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝) الصّلوٰۃ پر دیمومت کرنیکے یہی معنی ہیں کہ ایک لمحے کے لیے بھی اسکی الٰہی حکمت کو بھولا نہ جائے، ہر دم نماز پڑھتے رہنا نہ ہو سکتا ہے اور نہ مقصود ہی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس زیر بحث آیات (۱۰۷: ۴-۷) میں الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ سے مراد نماز کے مضمون کو بھلا دینا یا اُسکے ادا کرنے میں غفلت کرنا نہیں بلکہ نمازی بنکر نماز کے منتہا کو بھول جانا مراد ہے۔ دونوں جگہ الْمُصَلِّينَ کا ذکر ہے بے نمازوں سے بحث نہیں اور اسی لیے آیۂ (۱۰۷: ۶) میں يُرَاءُونَ کہا ہے یعنی نمازیں تو پڑھتے ہیں مگر محض دکھلاوے کی۔ شارحین قرآن نے ان معنی خیز آیات کا نہایت لغو ترجمہ کر دیا ہے اور اصلیت سے دور جا پڑے ہیں۔

مسجد تھی جسکے محل وقوع پر پیغمبرِ اسلام نے مکّے سے ہجرت کے چند روز بعد تک نماز پڑھی تھی اور بعد ازاں یہ مقام تعظیماً مسجد میں تبدیل کر دیا تھا۔ محلّہ والوں کی ایک شریر مسلمان نما جماعت نے اسلام میں نفاق ڈالنے کی غرض سے ایک اور جماعت اس مسجد قبا کے بالمقابل اس عذر پر کھڑی کی کہ بیماروں اور معذوروں کو آسانی ہو، مگر نماز اول کی امامت بطور افتتاح خود صاحبِ شریعت سے کرانی چاہی کہ ضد میں کسر باقی نہ رہے اللہ کے اُس نکوکار و نکوسگال رسولؐ نے وعدہ کیا کہ جنگ تبوک سے واپسی پر اسی مسجد میں نماز پڑھ کر شہر میں داخل ہونگے، مگر وہ دانائے اسرار قلوب اور محافظِ اسلام خدا جسنے نماز کی بنیاد میں مومنوں کے تالیف قلوب اور حقیقی اتحاد کی اہم حکمت عملی رکھی تھی، جسنے نماز کو استحکام جماعت اور عالم آرا اخوّت کا بہترین پیش خیمہ قرار دیا تھا، اِس غیر مجاز وعدے پر برہم ہوگیا، اور ارشاد ہوا کہ جس مسجد کی وجہ بنا پراگندگیٔ امّت اور تفریق جماعت ہو، جو مسجد تقوے کے حقیقی منتہا اور عبودیت کے صحیح مطمح نظر کے مخالف ہو، اور اسلامی جماعت کو اشتات و انتشار کے جہنّمی گڑھے کی طرف لیجاوے اسمیں تیرا ایک لمحے کے لیئے بھی کھڑا ہونا مہلک ہے!

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (۹: ۱۰۷-۱۱۰)

ان آیاتِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ جماعت کے اندر نفاق پیدا کرنے والے اور فرقہ بند لوگ قرآن حکیم کی مطلق اصطلاح میں ظالم ہیں، اور اسلیئے آیات (۲۸: ۵۹) و (۶: ۴۷) صفحہ ۸۱ یا آیت (۶: ۴۵) صفحہ ۲۵۴ کے رو سے اُنکی اجتماعی ہلاکت قطعی ہے۔ ایسے لوگوں کو ظالم اس لیئے کہا ہے کہ وہ

سوال کی خبر اور منعم سے سوال کا رخ بھی نہو، جب اعمال قطعاً نابود، انعام کا حس زائل، اور سعی سے ناامید گریز ہو تو پھر خدا سے کیا شکایت ہو کہ بجس ہے اور صدیوں کی خواب آفریں مہلت، اور شوکت و احتشام کے بعد یہ ناگہاں عذاب کیا ہے!

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (۶: ۴۴-۴۵)

پھر جب یہ اُمت رفتہ رفتہ اُس تمام دستور العمل کو بھول گئی جو ہم نے انکو کبھی اچھی طرح یاد دلایا تھا۔ تو ہم نے بھی انکو اور مغالطے میں ڈالنے کی غرض سے اُنپر تمام دنیاوی نعمتوں کے دروازے چوپٹ کھول دیئے، یہانتک کہ جب وہ اُن نعمتوں کے نشے میں اچھی طرح مست ہو گئے اور یقین کرنے لگے کہ یہی طریق عمل فرمودۂ خدا ہے، اور ہم ہی اس دنیا کے اندر خدا کے چاہیتے ہیں، تو ہم نے یک لخت انکو آدبوچا۔ اور عذاب کا آنا تھا کہ اب وہ بے آس ہیں اور ہمارے حضور میں کراہ رہے ہیں۔ پھر کیا تھا اُس ظالم قوم کی جڑ کاٹ کر رکھدی گئی اور اس پروردگار عالم کا شکر ہے کہ ان نااہل لوگوں کا قصہ پاک ہو گیا!

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ○ (۴۰: ۶۰)

لوگو! پروردگار فرماتا ہے کہ ہمیں پکارا کرو۔ اگر ضرب دل سے ہمیں پکارو گے تو ہم تمہاری دعائیں بھی قبول کر لیا کرینگے لیکن جن لوگوں نے اپنے آپ کو بڑا سمجھکر اور غرور کے مارے ہم سے سرتابی کی انکو ہم عنقریب ذلیل و خوار کر کے جہنم واصل کر دینگے۔

لیکن الصلوٰۃ کی ماہیت کے متعلق جو عبرت انگیز تنبیہی حکم رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو منافقین دین کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کرنے، اور مساجد کو تفریق سے باز رکھنے کی غرض سے نازل ہوا تھا بجائے خود نماز کے فلسفے کی بہترین تشریح تھا۔ مدینے سے چار میل باہر قصبۂ قبا میں بنی عمرو بن عوف کے محلے میں ایک

---

* ظالم کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک مبسوط حاشیہ آگے چلکر صفحہ ۲۵۵ پر آرہا ہے۔ یہاں صرف اسقدر کہنا ہے کہ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ظالم قوم کی ہلاکت قطعی ہے جیسا کہ مثلاً صفحہ ۸۱، حاشیہ ۱۲۱ پر آچکا ہے۔

اِس بات کا خدا گواہ ہے کہ یہ جھوٹے ہیں! تم اِس مسجد میں ہرگز کبھی نماز نہ پڑھانا بلکہ کھڑے بھی نہ ہونا۔ وہی مسجد جسکی بنیاد روزِ اول سے ہی ائتلاف اُمّت اور خوفِ خدا (تقوےٰ) کو پیشِ نظر رکھکر ڈالی گئی تھی اسکی اہل ہے کہ تم اُس میں امامت کیا کرو۔ اسی مسجد میں ایسے لوگ موجود ہیں جو طہارت نفس کو پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ تو حقیقت میں دل صاف رکھنے والے لوگوں کو پیار کرتا ہے۔ بھلا جس شخص نے اپنے تمام اعمال کی بنیاد خوف احکم الحاکمین اور خوشنودی خدا پر رکھی وہ اچھا ہے یا وہ کم بخت جس نے اپنی عمارت کی بنیاد تفریق و انتشار کے ایک کھوکھلے گڑھے کے کنارے پر رکھدی؟ اور جو بعد میں اُسکو جہنّم کی آگ میں لے گری۔ اور اللہ تو تفریق پیدا کرنے والی ظالم قوم کو کسی مستقل طریق عمل کیطرف ہرگز راہنمائی نہیں کرتا۔ یہ مسجد جو اِن لوگوں نے تفرقہ آرائی کی غرض سے تیار کی تھی اپنے منوں کی بجائے خود اِنہی کے دلوں میں چور پیدا کرے گی۔ یہاں تک کہ اِن سب کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے۔ اور ایک ایک کا دشمن بنجائے گا، اور اللہ تو بڑا واقف حال اور صاحب حکمت ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۶) اُترنے سے روکنے کا کوئی مؤثر ذریعہ رہ گیا ہے تو وہی جو خود فخرِ رسل اور سیدِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی عین حیات میں تجویز کیا تھا اور وہ یہ کہ ایسی سب مساجد کو بالاتفاق آتشیں اصطباغ دے کر اُمت کو نفاق کی شیطانی آلایش سے ایک دفعہ پھر پاک صاف کر دیا جائے اور فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا (۹: ۱۰۸) کا مصداق بن کر از سرِ نو وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ (۹: ۱۰۸) کا انعام حاصل کیا جائے۔ اگر نہیں تو اُمت کے منافقوں کو نَارِ جَهَنَّمَ کا اصطباغ تو آگے چلکر ملنا ہی ہے۔

لیکن بڑی بات جو متذکرہ صدر آیات ضرار (۹: ۱۰۷-۱۱۰) اور بالخصوص آیہ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ (۹: ۱۰۸) سے مستنبط ہوتی ہے یہ ہے کہ ازروئے اسلام خدائے عظیم کے نزدیک سچی طہارت دلوں کے **تفریق و نفاق سے پاک صاف ہونیکی طہارت ہی ہے**، اور یہی اُسکے **ہاں محبوب بھی ہے**۔ بدنی صفائی کا ذکر اِن آیات میں ضمناً نہیں آیا۔ تمام بحث صرف **تَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ** کے متعلق ہورہی ہے۔ اسلئے طہارت کا الٰہی مفہوم صاف ہے۔ جن لوگوں نے وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ سے صرف طہارت بدن مقصود سمجھکر اپنی زندگیاں استنجاؤں کے درست کرنے اور ڈھیلوں کو نہایت خوش اسلوبی سے آرپار کرنے میں وقف کردی ہیں، اور ائتلاف قلوب اور اتحاد کی اہم حکمت کو غیر ضروری سمجھ لیا ہے۔ اُن کو یہ آیات بہ امعانِ نظر دیکھنی چاہئیں! اسمیں شک نہیں کہ بدنی صفائی اور بالخصوص طہارت ایک نہایت ضروری اور نفعمند شے ہے۔ جسمانی صحت کا اکثر انحصار اسی پاکیزگی پر ہے، اور جن قوموں نے اس کی طرف کما حقہٗ توجہ نہیں کی وہ آج اسکے بُرے نتائج نہایت التزام سے بھگت رہی ہیں، بلکہ بدن صاف رکھنے والی قوموں کی عام جسمانی بہتری کو دیکھکر اُنپر رشک کھارہی ہیں لیکن بایں ہمہ اِن **فروعات** کو نفس اسلام سمجھکر سارا زور انکی رسمی تکمیل پر صرف کردینا اور اہم امر کے متعلق خالی الذہن ہوکر **اصلِ دین** سے غافل ہوجانا بھی وہ **غلو فی الدین** ہے جسکا نتیجہ آج مسلمانوں کے حق میں بُرا ثابت ہورہا ہے۔ قرآن حکیم نے دن میں پانچوقت وضو کرنے کی حکمت کو **اتمام نعمت** کہا ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۱۷۔ آیہ (۵: ۶))۔ اور ظاہر ہے کہ پاکیزگی بدن کی توفیق بھی ایک خداداد انعام ہے جو ہر قوم کو حاصل نہیں۔ قرآن کی تمام تعلیم کا نفاذ بہر نوع اور بہر حال قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ (۲۹: ۷) (صفحہ ۲۰۱) اور كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ (۴: ۱۳۵) (صفحہ ۲۰۲) کی عام حکمت کے ماتحت رکھا ہے۔ اسکے کسی امر و نہی میں قسط و اعتدال کو ہاتھ سے چھوڑ دینا یا اُسکی تکمیل میں حد سے متجاوز ہونا بھی فی الحقیقت اُس تعلیم کے منتہا کی تغلیط کرنا ہے۔ آج جہاں اقوامِ مغرب اور ایشیائی نامسلموں کو بعض مخفی اور ہولناک بیماریاں طہارت بدن کے نہ ہونیکے باعث لاحق ہورہی ہیں، ایک دانتوں میں لازماً مسواک نہ کرنے اور کھانیکے بعد کلّی نہ کرنے ہی کا جرمانہ محکمۂ فطرت نے یوں وصول کر لیا ہو کہ

عــہ اتمام نعمت [illegible]

اے محمدؐ! تمہاری اُمت کے جن منافق مسلمانوں نے آج اس غرض سے ایک مسجد بنا کھڑی کی ہی کہ اسلام کو نقصان پونہچائیں، خدا و رسول کے منکر بنیں، مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کر دیں، اور ان دشمنان اسلام کو پناہ دیں جو اس سے پہلے خدا و رسول سے لڑ چکے ہیں، اور اگر ان سے پوچھا جائے تو قسمیں کھانے لگیں گے کہ ہم نے تو نیکی کے سوا اور کوئی ارادہ ہی نہیں کیا تھا، تو آج

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۵) تمام جماعت پر، اور پھر اسکی وساطت سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور نااتفاقی کے باعث سب کو شکست و ریخت کی طرف گھسیٹتے ہیں۔ لائق غور بات یہ ہے کہ یہاں ظالمین کا اطلاق اُس جماعت پر ہوا ہے جو اپنے آپ کو رسماً مسلمان کہتی تھی گویا از روئے قرآن خود اسلام کے اندر فرقہ بندیاں پیدا کرنا بھی حتماً ممنوع ہی اور بلالحاظ احدے رسمی مسلمانوں کو نار جہنم کا مستوجب بنا دیتا ہے۔ جو عافیت پسند مسلمان کلمہ گو مسلمانوں کو انتہائی بداعمالی کے باوجود نار جہنم سے مستثنےٰ قرار دے کر آج مکر کی نیندیں لے رہے ہیں انکے لیے یہ آیات اور بالخصوص یہ نَارِ جَهَنَّمَ کے الفاظ (۷: ۱۰۹) ازبس قابل غور ہیں۔ یہ دوسری دفعہ ہے کہ خدائے عظیم نے انسانی تفرقے کو نار سے تشبیہ دی ہے، پہلا موقع كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (۳: ۱۰۲) کے الفاظ میں صفحہ ۱۴۴ پر گذر چکا ہی گویا تفرقہ ڈالنا یا متفرق ہو جانا جہنم کے گڑھے پر کھڑے ہونے کے مترادف ہی!

ظلم کی جامع و مانع اصطلاح کے الٰہی مفہوم کے بارے میں ابتدائی بحثیں مختلف مواقع پر آچکی ہیں جن کے مطالعے سے ظاہر ہے کہ از روئے قرآن میدان جنگ میں جم کر نہ لڑنا اور نامردی ظاہر کرنا ظلم ہے (آیہ (۳: ۱۳۹) و تحت المتن صفحہ ۱۲۰ الخ) کچے ایمان والے اور بزدل بننا ظلم ہے (آیہ (۱۴: ۲۷) و تحت المتن صفحہ ۱۴۳)، امیر جماعت کی نافرمانی کر کے جماعت کو شکست و ریخت کی طرف گھسیٹنا ظلم ہے۔ (آیہ (۸: ۲۵) صفحہ ۱۷۱، تحت المتن صفحہ ۱۷۲ و آیت (۴: ۶۴) تحت المتن صفحہ ۲۴۴)، جماعت کے اندر تفریق و انتشار پیدا کرنا ظلم ہے (آیت زیر بحث یعنی (۹: ۱۰۹)) جو قوم ان اجتماعی جرائم کی مرتکب ہے اُسکی ہلاکت کا ایک نہ ایک دن واقع ہونا قطعی ہے۔ اور اسی بنا پر هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (۶: ۴۷) کا محاکمہ قرآن میں بالالتزام موجود ہے۔ ظلم کے الٰہی مقصود کی باقی شقیں بھی اپنے اپنے موقع پر آتی رہیں گی۔ لیکن اتقا بمعنی اتحاد کے بالمقابل ظلم بمعنی تفرقہ انگیزی اس استقلال کے ساتھ قرآن حکیم میں مستعمل ہوا ہی کہ اسکی کئی مثالیں آگے چلکر اس کتاب میں پیش ہونگی۔ یہاں پر گذشتہ حوالہ جات کو اسلیے یکجا کر دیا ہے کہ آگے چلکر صفحہ ۲۵۹ پر ایک اہم آیت (۲: ۱۲۴) امامت کے منصب کے متعلق آرہی ہے اور اُسمیں الظّٰلِمِيْنَ کا لفظ واقع ہوا ہے۔ چنانچہ اس تصریح سے وہاں کے مطالب صاف ہو جاتے ہیں۔

آج عالم اسلام کے قریب قریب ہر قریے اور قصبے میں محلوں اور کوچوں کی اکثر مسجدیں صحیح معنوں میں مساجد ضرار ہیں۔ وہ سب کی سب دین اسلام کے اندر ہولناک تفرقے ڈال رہی ہیں۔ اُمت کی اجتماعی قوتوں کو منتشر کر رہی ہیں۔ ہر پیش امام اپنی اپنی دکان سجائے سر بازار بیٹھا ہے حتی الامکان اپنے حلقۂ اثر کے مٹھی بھر افراد کو جمہور سے الگ رکھنے کی سعی کرنے میں منہمک ہے، جا بیجا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدا مسجد کو سراہتا ہی۔ اور اپنے باہمی ٹکڑوں اور ریزگی کو محفوظ رکھنے کی غرض سے شہر کے کسی بڑے سے بڑے پیش امام کا مقتدی اور مطیع بننا گوارا نہیں کرتا۔ رہنمایان امت اور پیش اماموں میں یہ اطاعت کا فقدان اور یہ عصیان امیر فی الحقیقت وہ ظلم عظیم ہی جسکا سم آلود اثر مقتدیوں کی رگ رگ میں بھی اثر کر چکا ہی۔ آج مسلمانوں کے ہر محلے میں اُمرا اور غربا کی الگ مسجدیں ہیں، ذاتوں اور پیشوں پر مسجدیں ہیں، اماموں اور پیروں پر مسجدیں ہیں، حدیث اور قرآن پر مسجدیں ہیں، آمین اور غیر آمین پر مسجدیں ہیں۔ الغرض ہر طرف ضرار ہی، تفریق بین المسلمین ہی، کفر ہے، خدا سے محاربے ہیں، رسولؐ سے لڑائی ہی (اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ) دشمن خدا کی حمایت ہی! ہاں لیکن جس اُمت کے دشمن خدا اور رسول بن چکے ہوں اسکی موت کا پیغام جلد سے جلد نہ آنے کو ہو تو کیونکر ہو!

میرے نزدیک اگر آج ان مساجد ضرار کا کوئی علاج ہی، اگر ان مارہائے آستین کے مہلک اور سم آلود اثر کا کوئی حکمی تریاق ہے، اگر اُمت کی اس دردناک پراگندگی اور ریزش کو اتحاد میں پھر بدلنے کی فی الحقیقت کوئی سبیل باقی رہ گئی ہے، نہیں اگر اُس شدید العقاب خدا کے زمین برانداز ملائک کو زمین خدا پر

ہاں جس عہدِ جلیل پر صدیوں کے عزل و التوا کے بعد عرب کا اولوالعزم نبی اور آلِ ابراہیم کا بہترین رکن فائز المرام ہو کر ختمِ رسالت کی مُہر ابدالآباد تک ثبت کر گیا جس اوجِ مرتبت اور معراجِ امتم کا اہل نبوت کے بعد فاروقِ اعظمؓ جیسا عدیم المثال شخص قرار پایا تھا، جو مقام بلند کسی زمانے میں مجاہدینِ اسلام اور سپاہیانِ خدا کے لیے مختص ہو چکا تھا، آہ! اُس امانتِ عظمیٰ اور اُس موہبتِ کبریٰ کو آج اُمت کے گدیہ گر سنبھال رہے ہیں! اجل زدہ قوم کا سب سے ناکارہ، سب سے بزدل، کم حیثیت اور کم علم، فرقہ بند اور محتاج ترظالم اِس عہدے پر فائز القنوط ہے۔ عجز و مسکنت کا ماحول پیدا کر رہا ہے، جہل و جمود کا اشتہار دے رہا ہے، تفریق و انتشار کو ثواب سمجھ رہا ہے، شدید العقاب خدا کی سزا کو جزا کہہ رہا ہے، عذاب کو انعام بتا رہا ہے، اور کذب و غلط کی بیجا منادی کر کے اُمت کو ہلاکت کے قعرِ عمیق کی طرف گھسیٹ رہا ہے! اُمتِ مرحومہ کا فقدانِ فہم و عقل اِس غلط انتخاب کے بارے میں آج اِس اوجِ کمال تک پہنچ چکا ہے کہ جہاں کسی ادنیٰ سی ادنیٰ دنیاوی حکومت سے تعبد کا اظہار حاکمِ وقت کے بڑے منظورِ نظر اُس کے بڑے سے بڑے کارندے، اُس کے بااثر کارکن، اُسکے مشہور ترجاں باز اور سرفروش کی سیادت میں کرتے ہیں!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۸) اِس آخری مکتوب۔ اِس ذِکرٌ لِّلعٰلمین کی مٹی پلید کی ہے، اسکو دیکھکر اگر آسمان و زمین کپکپا اُٹھیں تو کچھ عجب نہیں رسولِ خدا کی اِس نام لیوا اُمت پر آسمان ٹوٹ پڑے تو کچھ دور نہیں! شارحین کا ایک بڑا گروہ اِبتلیٰ اِبرٰھیمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ کی تشریح میں اپنی حیا سوز جہالت اور ملائی تکبر کے باعث اِس طرف گیا ہے کہ حضرت اپنے بدن کو خاص احتیاط سے پاک صاف رکھا کرتے تھے، زیرناف کے بال نہایت صفائی سے دور کرتے تھے وضو کے سب ارکان خوش اسلوبی سے ادا کرتے تھے، داڑھی کو شریعت ابراہیمی کے مطابق کترواتے تھے، مونچھوں کو بڑا کر نہ رکھتے تھے، ناخن ترشواتے تھے، ختنہ اُنہوں نے کرا رکھا تھا، پانی سے استنجا کرنا اُن کا شیوہ خاص تھا، اِن امور عمدہ کے علاوہ حضرت کو توحید کے کلمے اور عقائد ابراہیمی خوب ٹوک زبان تھے، وغیرہ وغیرہ۔ ابراہیم علیہ السلام نے "اِن احکام کی تعمیل ایسی عمدگی سے کی"، بدن کو زائد بالوں سے اِس خوش اسلوبی اور حکمت سے صاف کہنا داڑھی ایسی خوب صورت اور متشرع بڑھائی، اِسکی پرورش اور اُنکی جنبکنی میں اِسطرح دن رات مشغول رہے کہ "خدا نے رضامند ہو کر اُن کو لوگوں کا امام بنا دیا"!! اِس منصبِ اعلیٰ کو خوش بخوش منظور کرتے ہوئے حضرت نے بتقاضائے جبلت چاہا کہ ان کی نسل بھی اِس انعام سے محروم نہ رہے۔ "خدا نے اِس رعایت کو بھی منظور فرمایا لیکن صرف ظالموں کو مستثنیٰ کر دیا"! چنانچہ اُسوقت سے آجتک اُمت کی یہ شرطیں برابر چلی آرہی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی ذریت ہر مسجد کے حجروں میں موجود ہے۔ اگر مالک مین و آسمان کے اوصاف میں حلم و درگذر کا ناپیدا کنار عنصر شامل نہ ہوتا تو صرف اِس آیت الٰہی کی تشریح شارحین قرآن کی سطح زمین پر سے بیخ و بنیاد اکھیڑ دینے کیلئے کافی تھی لیکن یہ اسکی شانِ حلیمی کا ایک مظہر ہی ہے جو اسکے باوجود فوری گرفت نہیں ہوتی اور ہر شخص جو چاہتا ہے اُسکی شان میں بے خوف و خطر بکے دیتا ہے۔ یہاں پر اِبتلیٰ کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا آسمانی امتحان کوئی بڑی سے بڑی اور کڑی سے کڑی آزمایش ہوگی، کوئی صبر آزما اور تاب گسل تکلیف ہوگی، وہ آزمایش بھی لامحالہ اِس قطع کی ہوگی کہ اُسمیں پورا اُترنا (فَاَتَمَّھُنَّ) انکے خلق خدا کی پیشوائی اور رہبری کا اہل بنانا ہوگا، پس جب وہ ایک طول طویل اور زبردست عمل کے بعد قوم کو شرک کے ظلم عظیم سے نجات دلا چکے، جب قوم غفلت اور ناانجام شناسیدی

جب تبوک سے واپس پہرے تو سرورِ کائنات ؐ نے مالکؓ اور معنؓ بن عدی کو حکم دیا کہ جاکر اس مسجد میں آگ لگادیں!

امامت جس کا جلیل القدر اور عالم انگیز منصب کسی زمانے میں **نبوّت** کا شائبہ خاص الخاص ہوا کرتا تھا، جسکو اس زمین پر خوش اسلوبی سے نباہنے کیلئے **آسمان** سے تقرری ہوتی تھی! جسکا منتہائے وحید خلق خدا کو اس دنیا میں اسلام کے بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز صراطِ مستقیم پر بحفظِ تمام چلائے رکھنا تھا، جسکے حاصل کرنے کی شرطِ فرید امتحانِ خدا میں کامیابی تھی! جس مسندِ اعلیٰ پر ابراہیم ایسا صاحب **الْاَیْدِیْ** † **وَالْاَبْصَارِ** (۳۸:۴۵) نبی مدۃ العمر سعی و عمل اور روح فرسا بصیرت کے بعد متمکن ہوا تھا، جس مقام منیع کو ورثۃً اور بے زور عمل پالینا ربّ امتحان طلب کو اپنے دوست (یعنی ابراہیم خلیل اللہ ۱۲) کی اولاد کے لیئے گوارا نہ تھا!

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ ‡ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ **اِمَامًا** ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی **الظّٰلِمِیْنَ** ۝ (۲:۱۲۴)

اور اے ساکنان زمین! کیا تم کو وہ لشکر انگیز زمانہ یاد ہے جب خلاق زمین و آسمان اور صناع کون و مکان تعالیٰ نے بعض مہماتِ امور میں ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا، اور اس آزمایش کو پیش نظر رکھکر انکو سخت ابتلا میں ڈالا، لیکن اُس جلیل القدر نبی کے عزم صمیم نے اُن سب امور کو بوجہ احسن پورا کر دکھایا تو رب ذوالجلال نے خوش ہوکر اپنی جناب سے حکم دیا کہ اے ابراہیم! میرے ہاں تمہارے سعی و عمل کو دیکھکر فیصلہ ہو چکا ہی کہ میں تم کو ساکنان زمین کا امام اور پیشوا بناؤں، (تم کو یہ منصب مبارک ہو اور تم اسپر ایک مدت مدید تک فائز رہو) ابراہیم نے فرط انبساط کے اضطراب میں عرض کیا کہ اے حضور! یہ منصب بدستور میری اولاد میں بھی جاری رہیگا؟ خدائے امتحان طلب نے فرمایا کہ ہمارے اس اقرار میں وہ حتماً داخل نہ ہونگے جو ہماری اصطلاح میں ظالم ٹہیریں گے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۲۵۷) تمام مغرب کے دانت ہمیشہ کیلئے بگڑ گئے ہیں، وہاں مسلمانوں کے احکام طہارت میں توغل کا اکثر یہ نتیجہ ہوا ہی کہ ہر شخص فقہ کے چند مسئلے مسائل پر عمل کرکے اپنے آپ کو پکا مسلمان سمجھ لیتا ہے اور اصل دین سے قطعاً غافل ہوگیا ہے۔ امام مسجد کے نزدیک آج مسلمانی یہی وضو کو نہایت صحت سے کرلینا، پانی کو بالوں کی جڑوں تک پونہچانا، ضروری بالوں کو دور کرنا، اور استنجاؤں کی نہایت بداہت و بیحیائی سے تکمیل کرنیکا نام رہگیا ہی، اسلام کی روح انکی تعلیم سے اصلاً نکل چکی ہے۔

† سورہ ص کی آیہ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (۳۸:۴۵) کیطرف اشارہ ہی یعنی اے محمد! ہمارے بندوں ابراہیم اسحٰق اور یعقوب کا ذکر اذکار کیا کرو کہ یہ لوگ فی الحقیقت بڑے صاحب دست و قدرت (اُولِی الْاَیْدِیْ) بڑے باخبر اور صاحب علم و فضل بندے (وَالْاَبْصَارِ) تھے گویا انکے بیمثال علم و عمل کیوجہ سے انکو یہ لقب دیا۔

‡ جس حیرت انگیز ملائی نادانی اور طاغوتی تجاہل سے شارحین قرآن نے آسمانی وحی کے ان الفاظ کا مفہوم بیان کیا ہے، جو حیا سوز اور شرم پاش شرطیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منصب امامت پر مقرر ہونے کی بیان کی ہیں، جس درد انگیز بے رحمی سے انہوں نے فاطر زمین و آسمان کی نسل انسانی کی طرف

آج شدید العقاب خدا کی یہی آسمانی رِجز مسلمانانِ جہان کو سانپ بن بن کر ڈس رہی ہے، خدا کے ناقابل بدل قول کو بدل دینے اور شکل سے پڑھائے ہوئے سبق کو بُھلا دینے کے جرم میں مسکنت کے گھٹا ٹوپ بادل سروں پر چھا رہے ہیں، اُنکی قوت اور امن کی سب کِشت زاریں وقف خزاں ہو چکی ہیں، جہانبانی کا ناز و راہ لُٹ چکا ہے، اُمت کی سب شیرازہ بندی، اُسکا تعبّد سے پیدا کیا ہوا نظم و نسق، اُسکا الصّلوٰۃ سے بنایا ہوا نظام اُسکا خوف احکم الحاکمین سے نکلا ہوا بھائی چارہ معنًا کالعدم ہے! اب ہر طرف غیروں کی لتاڑ اور غلامی کی جوت پیزار ہے، مظلومیت کی چیخیں اور لکدزنی کی کراہیں ہیں، مُلک یک بیک ہاتھوں سے نکل رہے ہیں، زمین خدا تنگ ہو رہی ہے، ظالم اور نااہل مسلمان اِس پاکبازی میں مست ہیں، خانۂ خدا کو ہار کر لمبی تان رہا ہے اور گھر پُھونک اپنی بربادی کا تماشہ نہایت مزے سے دیکھ رہا ہے!

مُنتہائے الصّلوٰۃ

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ (۲:۴۵)

(اور یہ نماز سوائے اُنکے جن کا خشوع ہم سے بیم رجا کے باعث ہو باقی سب کے لیے بیگار رہی بیگار ہے)

الغرض الصلوۃ کی الٰہی حکمت کی تہ میں اُمتِ اسلام کا لاینفک اتحاد تھا، باہمی رافت اور رحمت تھی، قوم کو پنجوقت اطاعت کا مکرر سبق تھا، شاہ و گدا کی مساوات کی یاد دہانی تھی، وقت کی پابندی تھی، انہاء عن الفحشاء والمنکر تھا، شب و روز خدا کی ملازمت اور اطاعت میں صرف کر کے پانچوقت آقائے نامدار کو سلام تھا، اُسکے حضور میں مؤدبانہ پیشی اور عرضمندانہ حاضری تھی، اسکی خدمت میں دست بستہ عرض معروض تھی، صراط مستقیم✝ کی استدعا تھی، حصول نعمت کی گذارش تھی، بادشاہت زمین کی تڑپ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۰) ماہیت کو بھول گئے۔ آج اگرچہ خلیفۃ المسلمین سلاملیک کی رسم ادا کرنیکے لیے مسجد ایاصوفیہ میں جاتا ہے مگر خود امامت نہیں کراتا۔ لیکن سیاسی اقتدار کے کم ہو جانیکے باعث اسکا مذہبی مقام خود اسقدر مُلّایانہ ہو گیا ہے کہ عالم اسلام پر اسکی شخصیت کا فی الجملہ کچھ اثر باقی نہیں رہا۔

✝ صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کے بارے میں جو کچھ اب تک حاصل ہوا ہے اسکو یہاں پر یکجا جمع کر دیا جاتا ہے، صفحہ ۲۲۴-۲۴۶ کے مباحث سے ظاہر ہے کہ (۱) اعتصام بحبل اللہ کرنا اور فرقہ بند نہ بننا (آیات ۳: ۱۰۰-۱۰۲) صفحہ ۲۲۶) صراط مستقیم ہے (۲) توکل بخدا کر کے صبر و استقلال سے مصائب کا مقابلہ کرنا اور دشمن پر غالب آکر رہنا (آیت ۱۴: ۱۲) صفحہ ۲۲۷) صراط مستقیم ہے، (۳) ایمان کے اعمال (دیکھو تحت المتن

اُسی کو سرخیل اور رئیس وفد بنا کر اپنی معروضات پیش کرتے ہیں، اُسیکو پیش پیش رکھکر اپنی لرزش انگیز اور دل آسا نیازمندیوں کا اظہار کرتے ہیں، وہاں حاکمِ زمین و آسمان کی اِس زبانی اور سطحی، دودلی اور مشرکانہ عبادت کو ٹرخانے کی غرض سے اپنی نگاہوں میں سب سے کم مایہ اور بینوا، محتاج اور ذلیل شخص کو اَکْرَمُ اور اَتْقٰی فرض کرکے اُسکی پنجوقتہ پیشی اور عرض گذاری کے لیئے منتخب کر رہے ہیں! ہاں لیکن جس قوم کا نصب العین جہانبانی اور خداوندی، قوّت اور عزّت سے ہٹ کر گداگری اور غلامی، محکومیّت اور خوشامد، تعبّد ماسوا اور تملّق غیر کی طرف منتقل ہوگیا ہو۔ اُس کے مرشد و رہبر بالآخر یہی بھک منگے نہ بن جائیں تو اور کیا ہو!

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ (۷: ۱۶۲)

تو لوگو! اِس اُمّت میں سے ناحقیقت شناس اور اپنے اوپر ظلم کرنیوالے گروہ نے خوشحالی اور امن کے اِس سرِ عظیم کو جو اُنکو سکھا دیا گیا تھا بدلکر کچھ اور ہی رویّہ اختیار کر لیا، اور اُس تعلیم کو یکسر فراموش کر دیا تو ہم نے بھی اُنکے اِس ظلم عظیم کی پاداش میں آسمان سے بلا اُتاری اور اُنکی سب عظمت خاک میں ملا دی۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۹) ظلمتوں سے نکلکر علم و عمل کے نور کیطرف آنکلی اور اُنکے رہنما نے بھی قوم کی ایذا رسانیوں کو صبر و تحمّل سے برداشت کیا، دشمن سے پیہم جہاد بالسیف کیئے، جان کھچ کھچکر حلق تک پونہچی مگر سعی و عمل کو نہ چھوڑا تو خدا نے بھی انکو اپنی قوم کی **پیشوائی** اور **امامت** کا منصب عطا فرمایا، **بادشاہت زمین** دی، **نبوّت** سے سرفراز کیا۔ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (۴۵:۳۸) صفحہ ۲۵۸ کے الفاظ سے یاد فرمایا وغیرہ۔ ابراہیم علیہ السلام نے امامت کی اِس موہبت عظمیٰ کو پاکر طبعاً یہ چاہا کہ پیشوائیِ خلق کا یہ منصب اعلیٰ اُنکی اولاد میں بھی برقرار رہے لیکن خدا نے **ظالم** قوم کو اِس منصب سے ہمیشہ کیلئے محروم کر دیا۔ ظلم کی بعض اہم شقوں کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۲۵۵ و ۲۵۶ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ خدائے عزّوجل نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ! تم بلاشبہ اِس منصب کے اہل ثابت ہوئے ہو لیکن میدان جنگ میں جم کر نہ لڑنے والے اور نامردی ظاہر کرنیوالے ظالم، کچے ایمان والے اور بزدل بنے رہنے والے ظالم، امیر جماعت کی نافرمانی کرکے جماعت کو شکست و ریخت کی طرف گھسیٹنے والے ظالم، جماعت کے اندر تفریق پیدا کرنے والے ظالم وغیرہ وغیرہ۔ اِس عہد خداوندی اور امامت کو ہرگز نہ پا سکینگے۔ بادشاہت کا منصب مجھ سے وہی قوم لیتی ہے جسمیں یہ خاصیتیں نہ ہوں اور **ظلم کار قوم کی ہلاکت تو ایک طے شدہ امر ہے**! (دیکھو صفحہ ۲۵۶ تحت المتن)۔

صدر اسلام میں مسجدوں کے اندر امامت کا منصب بھی اسی ابراہیمی امامت کی تجدید کا ایک مظہر تھا، قرن اوّل کے مسلمانوں کی خدائی فوج دن میں پانچوقت کسی جلیل القدر مجاہد کی پیشوائی اور امامت میں سپہ سالار اعظمؐ کے روبرو پیش ہوتی، اُسکے آستانۂ علیہ پر حاضر ہوکر اطاعت کے ولولے میں جھک جھک پڑتی، بہتر سے بہتر شخص اِس ریاست کیلئے منتخب ہوتا، مسجد نبوی کے اندر رسول خدا صلعم اپنی حین حیات میں اِس منصب کے فرائض خود ادا کرتے رہے، باقی مسجدوں کی امامت کیلئے اکثر وہی صحابہ کرام رہے جنکا علم و عمل بیمثال ہوتا تھا، وفات سے کچھ مدت پہلے رسولِ خدا صلعم کا حضرت ابوبکرؓ کو امامت نماز کیلئے مقرر کرنا بھی عوام کی نظروں میں اُنکے بعد اُنکے جانشین بننے کا ایما سمجھا گیا تھا۔ الغرض اِن وقتوں میں بادشاہت، خلافت اور امامت ایک شئی تھی، خلیفۂ وقت خود امام اعظم ہوتا تھا، اُسکے مقرر کیئے ہوئے امام صحیح معنوں میں **اولو الامر** تھے نہیں بلکہ جو شخص اولو الامر مقرر ہوتا تھا اُسپر امامت کا فرض بھی ادا کرنا ضروری تھا۔ بادشاہانِ سلف نے صرف ایک حد تک اِس اہم رواج کی متابعت کی لیکن رفتہ رفتہ امامت کی

رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۖ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (۳۲: ۱۶)! اِسی مجموعی نعمت کی طمع میں اجتماع اُمّت تہا، قیام جماعت تہا، دلوں کے اندر خوف خدا کی مشترک جنبشیں اور باہمی محبّت کی مشترک لہریں تہیں، کسیکو کسی سے کچہہ دریغ نہ رہا تہا، بخل، حسد، دلوں کے کینے، کم ظرفی کی رنجشیں سب مٹ گئی تہیں، مسجدیں ایک منظّم اور پُرامن، ایک طاعت آموز اور عصبیّت خیز انجمنیں بن گئی تہیں! اِسی الصّلوٰۃ کا قیام اور لرزشِ قلب یہی تعمیل احکام خدا اور پیہم سعی و عمل، یہی اطاعت ربّ اور استجابت رسول، قربانیٔ مال اور طاعت امیر آپس میں اتحاد اور علی التوکّل عمل قرن اوّل میں سچّے مومن بننے کی نشانی تھی، اِسی ایمان کا اٹل نتیجہ اُمّت کی واماندگیوں پر پردہ پوشی اور اِس دنیا میں عزّت اور آبرو کی روزی تھی:-

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (۸: ۱-۴)

اے محمدؐ! مسلمان تم سے مالِ غنیمت کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو اِن سے کہدو کہ مال غنیمت صرف خدا اور اُسکے رسول کا ہے، وہ جس طرح مناسب سمجھے اُسکو تقسیم کردے تو تم لوگ مال غنیمت کی تقسیم میں

✤ ان آیاتِ الٰہی میں چند امور غور طلب ہیں (۱) پہلی آیت یعنی (۸: ۱) میں متحد ہوکر رہنے (وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ) اور بہر نوع اطاعت امیر کرنے (وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۷۰-۱۷۱) کو نہ صرف اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہی بلکہ انکو ایمان کی شرط لاینفک قرار دیا ہی، گویا جو قوم متحد بنکر نہیں رہتی اور امیر جماعت سے کسی امر کے متعلق (خواہ وہ معاملہ مال غنیمت ہی کا کیوں نہ ہو) نزاع پیدا کرتی ہی، اُسکا ایمان یکسر ساقط ہی۔ قرآن حکیم میں صرف چند موقعے ہیں جہاں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے الفاظ آئے ہیں۔ ایک اعلون بنکر رہنا ہی (دیکھو صفحہ ۷۔ آیہ (۳: ۱۳۸))، دوسرا اتقائے خدا کرنا ہی (دیکھو صفحہ ۱۷۹۔ آیہ (۵: ۱۱۲))، تیسرا یہی اتحاد اور اطاعت امیر ہی۔ باقی آیتیں جنکے اندر اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کی شرط ہی اپنے اپنے موقع پر آئینگی۔ افتتاحیہ کتاب صفحہ (۸۰-۹۰) میں ان میں سے بعض اہم موقعوں کو یکجا جمع کردیا ہی۔

(۲) آیہ (۸: ۲) میں آیہ (۴۹: ۱۵) کی طرح اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ کے الفاظ آئے ہیں اور یہ آیت خود صفحہ ۱۰۳ پر آچکی ہی۔ گویا ایمان کی باقی لاینفک شرطیں صفحہ ۱۱۵ کی جہاد بالمال اور جہاد بالسیف کی شرطوں کے علاوہ لرزشِ قلب یعنی اتقائے خدا (وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ)، اور تعمیل احکام الٰہی میں استقامۃ (زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا)، اور توکل یعنی نتائج کے میں خدا پر اعتماد کرنا بہی ہیں۔ (۳) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کے الفاظ قرآن حکیم میں صرف دو جگہ آئے ہیں (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۸۰)۔ ایک آیہ (۸: ۷۴) صفحہ ۱۱۴ پر اور ایک زیر بحث آیہ (۸: ۴) میں۔ گویا ایمان کی شرط لاینفک تقویت قوم کیلئے ہجرت وطن، جہاد بالسیف یا نصرت باہمی کے علاوہ (دیکھو صفحہ ۱۱۴) اقامت الصلوٰۃ اور جہاد مال بہی ہی (آیہ (۸: ۳)) الغرض ان تمام آیات الٰہی کو پیش نظر رکھکر ظاہر ہے کہ ایمان از روئے قرآن وحدت اُمّت ہی، اطاعت امیر ہے، دنیا میں اعلون بنکر رہنا ہے جہاد بالمال ہی، جہاد بالسیف ہی، استقامۃ فی السعی ہے، توکل فی النتائج ہی، ہجرت ہے، باہمی نصرت، مسامحت اور رواداری ہی، اور ان سب کے علاوہ اقامت الصلوٰۃ بہی ہی پس جب یہ سب ایمان کی لاینفک شرطیں ہیں تو ظاہر ہی کہ الصلوٰۃ کو صحیح معنوں میں قائم کرنیوالے وہی شخص ہوسکتے ہیں جنمیں یہ سب باتیں موجود ہوں، نرا ماتھا رگڑنا يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ نہیں ہوسکتا۔ فتدبر

تھی، منعم علیہ بنجانے کی طمع تھی، مغضوب علیہ نہ بننے کا خوف تھا! اسی بیم و رجا کی تڑپ میں قومے اور قعدے تھے، اسی کے اضطراب میں رکوع و سجود تھے، اسی کی تڑپ میں شام و سحر، فراغت اور شغل میں، سوتے جاگتے سلام تھا، اسی اجتماعی ہلاکت کے خوف میں شب و روز سعی و عمل تھا، دنوں کو جہاد بالسیف تھے، چیتھڑوں کے پرتلوں میں حمائل کی ہوئی تلواریں تھیں، رسیوں سے مرمت کیے ہوئے نیزے تھے، راتوں کو کوچ اور اسکی جناب میں کراہیں تھیں، بستروں سے پہلو آشنا نہ ہوتے تھے: تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ

سلہ مطالب کے لیے دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۴۶۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۱) صفحہ ۱۸۲-۱۸۳) اپنے اندر قائم رکھنا (آیہ (۲۲: ۵۴) و (۴۳: ۵۳) صفحہ ۲۲۷) صراط مستقیم ہے (۴) قوم کی بہتری کے لیے ایثار مال کرنا (آیات (۲۳: ۷۲-۷۳) صفحہ ۲۲۷) صراط مستقیم ہے۔ (۵) قانون خدا کے مطالب اور مقاصد کے بارے میں اختلاف پیدا نہ کرنا (آیہ (۲: ۲۱۳) صفحہ ۲۲۸ اور آیات (۴۳: ۵۳-۶۵) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۶) خدا کی ملازمت میں شیطان کی عبادت کو حائل نہ کرنا (آیہ (۳۶: ۶۰) صفحہ ۲۲۸ اور آیہ (۴۳: ۶۴) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۷) الامر اور قانون خدا میں نزاع نہ پیدا کرنا (آیہ (۲۲: ۶۷) صفحہ ۲۲۸) صراط مستقیم ہے، (۸) ایک مرکز پر عملاً اور معناً قائم ہو جانا آیہ (۲: ۱۴۳) صفحہ ۲۲۹) صراط مستقیم ہے، (۹) سب اعمال انسانی کو خدا کیلئے وقف کر دینا اور ان اعمال میں کسی غیر کی اطاعت کو شریک نہ کرنا ابراہیم علیہ السلام کی توحید پر چلنا آیات (۶: ۱۶۲-۱۶۴) صفحہ ۲۲۹-۲۳۱) صراط مستقیم ہے، (۱۰) نعمتہائے خدا کی کماحقہٗ قدر کرنا خالصۃً قانون خدا کے مطیع رہنا، آیات (۱۶: ۱۲۰-۱۲۲) صفحہ ۲۳۲) صراط مستقیم ہے، (۱۱) دشمن کو اپنے سعی و عمل سے بے دست و پا کر دینا، اسکے وسائل حفظ و دفاع پر قابض ہو کر اسکو تباہ کر دینا، اور حتی الوسع اپنے آپ کو اسکے دست تعدی سے بچائے رکھنا (آیہ (۴۸: ۲۰) صفحہ ۲۳۳) صراط مستقیم ہے، (۱۲) اس دنیا کے اندر قوت اور زور سے رہنا، دنیا جہان سے بڑھ چڑھ کر اور برگزیدہ ہو کر رہنا (آیات (۶: ۸۷-۸۸) صفحہ ۲۳۴) صراط مستقیم ہے، (۱۳) بادشاہ زمین ہو کر رعیت پر عدل و انصاف سے حکومت کرنا (آیہ (۳۸: ۲۶) صفحہ ۲۳۴) صراط مستقیم ہے، (۱۴) اس دنیا کے اندر سلامتی اور بقا کے رستوں پر چلنا، قانون خدا کے عدم تعقل کی تاریکیوں سے نکلکر علم و عمل کے نور کیطرف آنا (آیات (۵: ۱۵-۱۶) صفحہ ۲۳۴-۲۳۵ اور آیہ (۱۰: ۲۵) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۱۵) خدا کی عملی ملازمت اور اتقا اور اطاعت امیر کرنا (آیات (۴۳: ۶۳-۶۴) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے (۱۶) قانون خدا سے استمساک کرنا اور اسپر ہمیشہ چلتے رہنا (آیہ (۴۳: ۴۳) و (۴۳: ۶۱) صفحہ ۲۳۶) صراط مستقیم ہے، (۱۷) اپنے سینے سعی و عمل کیلئے کھول دینا اور انکے اندر احکام خدا کی تعمیل کے بارے میں کوئی تنگی نہ رکھنا (آیات (۱۶: ۱۲۶-۱۲۸) صفحہ ۲۳۸) صراط مستقیم ہے، (۱۸) ملازمت خدا کی تعمیل میں غیر خدا کے حکم کو حائل نہ کرنا، والدین کے ساتھ احسان، اولاد کے ساتھ رافت، مکارم اخلاق پر عمل، قتل سے پرہیز کرنا، مال یتیم کی نگہداشت، پورے ماپ، پورے تول، عدل، ایفائے عہد پر قائم رہنا اور متحد بنے رہنا (آیات (۶: ۱۵۲-۱۵۴) صفحہ ۲۴۰) صراط مستقیم ہے (۱۹) راہ خدا میں جہاد بالسیف کرنا، دشمن سے مشارکہ حفظ نفس کی خاطر کرنا (آیات (۲۹: ۶۹) و (۴۸: ۱-۲) صفحہ ۲۴۲) صراط مستقیم ہے (۲۰) قوم کی بہتری اور تثبیت کیلئے جہاد بالسیف کرنا، ہجرت وطن اختیار کرنا، اطاعت امیر بے چون و چرا کرنا (آیات (۴: ۹۷-۹۹) صفحہ ۲۴۳) صراط مستقیم ہے، (۲۱) اور سب سے اہم یہ کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے اعمال کر کے ایک ذلیل اور مجہود زدہ قوم کو جائر بادشاہ کے ظلم و ستم سے آزاد کرنا، اور بالآخر قانون خدا کا پابند بنا کر اسکو زمین کا حکمران اور بادشاہ بنا دینا، وہ الصراط المستقیم ہے جسکی تعریف سورۂ فاتحہ میں انعمت علیہم کے الفاظ میں کیگئی ہے۔ مسلمانوں کو سوچنا چاہئے کہ آج وہ ان اکیس شقوں میں سے ایک پر بھی صحیح معنوں میں عامل ہیں؟ نہیں بلکہ دیکھنا چاہئے کہ مغربی قومیں کس حد تک اس صراط مستقیم پر کسی قدر انسانی عمل ہے۔ اور انکے انعمت علیہم ہونے کی کیا وجہ ہے اور تازہ کی اس دنیا پر کسقدر عامل ہیں۔ جو احکام یہاں پر جلی قلم سے لکھے ہیں ان میں سے کتنے پر مغربی اقوام کا بیشتر عمل ہے۔

زمینیں تنگ ہو ہو کر سخت ہو گئیں، جب مسامحت اور رواداری، خوف خدا اور ہدایت، **اتقا اور ایمان** کا آب زلال باقی نہ رہا اور قلوب کے اندر حسد اور نفاق کا چور، کبر اور ریا کا چور، تھڑدلی اور بے مرادی کا چور، بخل اور کمظرفی کا چور، الفحشاء اور المنکر کا چور گھر کر گیا، ہاں جب قوم خدا کے اُس دیئے ہوئے درس کو بھول گئی، جب غرضمند رہنما اور کبرائے خلق ضد اور بغاوت سے مقصود خدا کو محرّف کرنے لگے۔ احبار اور رہبان نے لوگوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے اپنے پیچھے صفیں کھڑی کر لیں، مشترک خدا کے مشترک خوف اور اطاعت کو چھوڑ کر آپ **ربّ** بن بیٹھے اور پیغام خدا میں **خیانت** کرنا قوم کا شعار بن گیا، اُسی دن سے میثاق ٹوٹ گیا، جنّات زمین چھین لیئے گئے، ذلّت اور محتاجی لیس دی گئی لعنت مُونہوں پر برسنے لگی، آوارۂ جہاں ہو گئے، مردود زماں بن گئے، قسمت بگڑ گئی، خدا دشمن بن گیا: فَبِمَا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۴) نہ صرف رسمی نماز کی رکعتوں کو مسجد میں جا کر بصحت تمام ادا کر دینا ہی بلکہ اُن تمام اعمال (مثلاً وحدت اُمّت، اطاعت امیر، جہاد بالمال، ہجرت جہاد بالسیف، استقامۃ فی السعی، توکّل فی النتائج، نصرت باہمی، اعلونیت، وغیرہ وغیرہ) کو جو ایمان کی لاینفک شرائط ہیں اپنے اندر پیدا کر کے خدا کے حضور میں حاضر ہوتے رہنا ہی۔ جو شخص مومن ہی اُسمیں اِن اعمال کا بلا حیل و حجت موجود ہونا اٹل ہی پس الصلوٰۃ کی اقامت بھی دراصل اسی کی ہی جسمیں (نماز کے علاوہ) مومن ہونے کی باقی شرائط بوجہ احسن موجود ہوں۔ سورہ مائدہ کی زیر بحث آیت (۵: ۱۳) میں اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ کے اس مفہوم کی قطعی تائید ہوتی ہی کیونکہ موسوی شریعت کی نماز کے ظواہر اسلامی نماز کے ظواہر سے بالکل جدا تھے اور باوجود اس ظاہری اختلاف کے اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ کی مطلق اصطلاح کا استعمال اس امر کی دلیل ہی کہ اس میثاق سے مراد اُس **قانون کی پابندی** تھی جو الصلوٰۃ سے مقصود بالذات ہی، صرف ظواہر کی پابندی مقصود نہ تھی۔ دیباچہ کتاب صفحہ ۳۲-۳۳ میں قرآن حکیم کی اس مطلق لغت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اور اس اطلاق کی کئی مثالیں آگے چلکر ملیں گی۔

آیت زیر بحث (۵: ۱۳) میں لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے الفاظ اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ جنّت سے مراد جنات زمین ہی تھے، اُخروی جنّت کا ذکر یہاں پر قطعاً نہ تھا۔ عہد عتیق میں اسی میثاق ایزدی کی جزا "ابدی بادشاہت" لکھی ہی۔ (کتاب خروج باب ۶، آیت ۳-۸) بعض موقعوں پر ان ابدی جنّات کو شہد اور دودھ کی نہروں والی سرزمین کہا ہے (کتاب استثنا باب ۶ آیت ۲-۳)، کتاب ثانی سموئیل باب ۸ آیت ۲۳-۲۹ میں پھر وعدہ اسی ابدی سلطنت کا ہی، اور کتاب اوّل سلاطین باب ۹ آیت ۱-۹ میں اس سلطنت کو چھین لینے کی دھمکی بھی دی گئی ہی۔ علاوہ ازیں بنی اسرائیل میں دنیاوی سلطنت کا قائم ہو جانا اس امر کی شہادت ہی کہ وعدہ جنّات زمین ہی کا تھا اور اسی لیئے فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ کی شرط بھی موجود ہی۔ خود آیۂ استخلاف میں مسلمانوں کے ساتھ وعدہ بھی دنیاوی سلطنت کا تھا جیسا کہ الفاظ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۲۴: ۵۵) صفحہ ۷ سے ظاہر ہے اور وہاں بھی وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ کے الفاظ آئے ہیں۔ سورہ فاطر میں بھی اسی قطع کا اسلوب بیان ہی: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا (۳۵: ۳۹) یعنی لوگو! وہ خدا ہی ہے جسنے تم کو اس زمین میں (تمہاری سعی و عمل کو پسند فرما کر) بادشاہ بنا رکھا ہی تو اس نعمت عظمیٰ کے حصول کے بعد جس قوم نے قانون خدا سے انکار کیا (کفر) تو اس انکار کی ذمہ داری کا بوجھ بھی اُسی کی گردن پر ہی اور قانون خدا سے منکر قوم کو تو اُن کا انکار خدا کی نگاہوں میں سوائے ناراضگی کے کسی شے کو نہیں بڑھاتا اور کفران نعمت کرنیوالی قوم تو سوائے اسکے کہ روز بروز گھاٹے میں رہے کسی اور شے میں ترقی نہیں کرتی۔" الغرض اس تمام شہادت کے بعد اس امر کا ناقابل انکار فیصلہ ہو جاتا ہی کہ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ سے مراد ہر جگہ جنّات زمین ہی ہیں۔ آخرت کیلئے الجنّۃ کی اصطلاح مخصوص ہے۔ جنّت کی قرآنی اصطلاح پر پیشتر کی بحثیں صفحہ ۱۱۵-۱۱۶، ۱۳۱، ۱۸۲ وغیرہ پر گذر چکی ہیں۔ افتتاحیہ سے قطع نظر، دیباچہ کتاب صفحہ ۶۶-۷۳ میں کئی مثالیں اسی قطع کی

اپنے مابین جھگڑا نہ کرو اور اُس غضب خدا سے ڈرو جو فساد کرنے والی قوم پر نازل ہوتا ہے اور اپنے باہمی تعلقات کو درست کرکے متحد بنے رہو اور اگر تم فی الحقیقت صاحب ایمان لوگ ہو تو خدا کے حکموں اور اُسکے رسول کے فیصلوں کے آگے سرِ تسلیم خم کردو۔ اصلی ایماندار تو وہی لوگ ہیں کہ جب خدا اُنکو یاد دلایا جاتا ہے تو اُنکے دل کانپ اُٹھتے ہیں اور جب احکام خدا (اٰیٰتُہٗ) اُنکو بتائے جاتے ہیں تو اُن کا اُنکی تعمیل پر یقین اور آمادگیٔ عمل (اِیْمَانًا) اور بھی بڑھ جاتی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو حتی الوسع تعمیل کے بعد نتائج کے بارے میں خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں (یَتَوَکَّلُوْنَ)، جو اس تمام اتحاد اور اطاعت اور لرزش اور مصالحت اور توکل اور سعی و عمل کو پیش نظر رکھکر الصلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے اُنکو دے رکھا ہے اُسمیں سے حتی الامکان ایثار مال بھی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ہی فی الحقیقت سچے ایمان والے ہیں، اور یہی وہ ہیں جنکے لیئے اُنکے پروردگار کے ہاں عزّ و مکرمت کے درجے ہیں، جنکی واماندگیوں اور اجتماعی بدحالیوں پر خدا کی طرف سے پردہ پوشی (مَغْفِرَۃٌ) ہے اور جنکو بالآخر اس دنیا میں عزت اور آبرو کی روزی ہے۔

یہی وہ قوت انگیز اور غلبہ اندوز "الصلوٰۃ" تھی جس کا الٰہی میثاق **بنی اسرائیل** سے جب بندھا تو امت چشم زدن میں نہال ہوگئی، اُسکی اجتماعی بدحالیاں یکسر کافور ہوگئیں، جنات زمین قدموں پر نثار ہونے لگے، نیچے سے نہریں پھوٹ بہیں، قوت اور حکومت، عزت اور امن قوم کے گہوارے ہوگئے، خدا دوست بن گیا، وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝ [1] (۵: ۱۲)۔ لیکن جب قوم اس **عہد خداوندی** کو بھول گئی، جب دلوں کی

[1] اور لوگو! بنی اسرائیل سے عہد اُس خدائے پاک ہی نے لیا تھا اور ہم ہی نے اُنہی میں کے بارہ سردار اُنپر مامور کردیئے تھے اور وہ خدا ہی تھا جس نے اپنا قول دیا تھا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارا دوست اور رفیق ہوں، اگر تم الصلوٰۃ پر قائم رہے، الزکوٰۃ کو دیتے رہے، میرے پیغمبروں کو منجانب اللہ یقین کرکے اُن کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرتے رہے (اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ) وقتاً فوقتاً اُنکی بدل و جان مدد بھی کی، خدا کے احکام کی تعمیل میں اپنے آرام اور مال و اسباب کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کردیا (اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۷-۱۳۸) تو میں تمہاری سب اجتماعی بدحالیوں کو تم سے دور کردونگا (لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۱)، اور تمکو ایسے خوشگوار باغوں اور سرسبز ملکوں میں لیجا داخل کرونگا جنکے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہونگی، پھر جس نے ان نعمتوں کے حصول کے بعد کفران خدا کیا اور اس عہد کو توڑا تو وہ راہ راست سے یکسر بھٹک گیا۔

[2] صفحہ ۲۶۳ کے تحت المتن میں اور نیز سورۂ انفال کی آیتوں (۸: ۱-۴) کے متذکرۂ صدر ترجمے میں یہ بات ظاہر کردی گئی تھی کہ اقامت الصلوٰۃ کا قرآنی مفہوم

اُس صادق الوعد خدا کی بتائی ہوئی الصلوٰۃ' وہی قرن اوّل کے نتائج پیدا نہیں کرتی تو وہ الصلوٰۃ بگڑ چکی ہے، اُسکا کیف دل بدل چکا ہے، مطمع نظر بدل چکا ہے، اُسکے ادا کرنے والوں کے دل بدل چکے ہیں، حوصلے اور جگر بدل چکے ہیں، نصب العین بگڑ چکا ہے، نہیں اُسکو ادا کرنے کا محرک باقی نہیں رہا، نعمت کا پیش نہاد نہیں رہا، خشوع پیدا کرنے والی غرض نہیں رہی، غرض کا پیدا کیا ہوا اضطراب نہیں رہا، صرف ڈھانچ یا الفاظ باقی رہ گئے ہیں، اُٹھک اور بیٹھک رہ گئی ہے، مصیبت کو کم کرنے کا ترنم رہ گیا ہے: اِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ[1] (۲:۴۵) یا پانی کو بالوں کی جڑوں تک پونچھانے کے وسوسے رہ گئے ہیں یا مسح اور قصر، غسل اور استنجا، تیمم اور وضو کے مسئلے رہ گئے ہیں یا خدا پر احسان اور سجدوں کا ادّعا رہ گیا ہے، یا جنت کے سبز باغوں کے خواب رہ گئے ہیں ورنہ نماز کا الصلوٰۃ رہکر وہی قرن اوّل کے نتائج پیدا نہ کرنا ناممکن ہے! صراط مستقیم کے نصب العین کو ہر وقت پیش نظر رکھکر اُسکے لیئے شبانہ روز سعی و عمل کرنا، سعی و عمل کرکر کے اُس راہ راست کی وعدہ دی ہوئی نعمت کی تڑپ میں منعم لم یزل کے حضور میں لپک لپک کر پونہچنا، دست بستہ کھڑے ہو جانا اور نعمت کو مانگنا، بیٹھ جانا اور پھر اُٹھ اُٹھ کر بالحاح تمام مانگنا، ماتھا رگڑ رگڑ کر مانگنا، گھٹنوں پر جھک جھک کر مانگنا، اور ساتھ ہی باقی وقتوں میں صبر اور استقلال، تکلیف برداری اور مشقت، عزم

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۶) آجکل مساجد کے اندر وضو کرنیکے لیئے حوضوں اور کنوؤں، حماموں اور غسلخانوں کا موجود ہونا بھی وہ بدعت اور فن آسانی کے شیوے ہیں جو قرن اوّل کی مساجد میں قطعاً موجود نہ تھے۔ اُس زمانے میں لوگ مساجد کے اندر اپنے گھروں سے تیار ہو کر آتے اور خانۂ خدا کے اندر آجکل کی بد لحاظیاں اور بے تکلفیاں کرنا گستاخی سمجھتے۔ فرقہ بند لوگوں نے جو اختلافات نماز کے ارکان میں از خود پیدا کر لیئے ہیں وہ اِنکے علاوہ ہیں اور آہستہ آہستہ نماز کی اصلی صورت کو بگاڑ رہے ہیں۔ التحیات کے بعد اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے الفاظ جو پڑھے جاتے ہیں گمان غالب ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عین حیات میں امامت کے وقت خود نہ پڑھتے تھے۔ نہ معلوم کہ یہ درود شریف کب سے پڑھے جانے شروع ہوئے، کس کے حکم سے ہوئے اور خود رسول خدا کی [illegible] کرتے تھے۔ 'فلق' اور 'حفد' کی مشہور آیتیں جو آجکل نماز عشا کے بعد وتروں میں پڑھی جاتی ہیں اگر بدستور عہد نبوت میں بھی پڑھی جاتی تھیں [illegible] قرآن کے وقت اُنکے کلام وحی نہ ہونے میں شکوک کیوں پیدا ہوئے۔ الغرض ان سب امور کو پیش نظر رکھکر یہ کہنا کچھ غلط نہیں کہ نماز کی [illegible] بھی آہستہ آہستہ نامحسوس طور پر بگڑ رہی ہے اور یہ بگاڑ اس شئے میں پیدا ہو گیا ہے جسکی بابت ہر مسلمان کا دعویٰ ہے کہ وہ علی التواتر قرن اوّل سے [illegible] فرزندان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مؤکدہ سے ہم تک پونہچی ہے۔ میرا یقین ہے کہ قرن اوّل والی مردوں اور عورتوں کی مخلوط نماز جس کی امامت رسول خدا [illegible] کرتے تھے نہ صرف اپنے کیف و حال میں، خشوع و خضوع میں، اصلاح قلوب میں، تزکیہ نفس میں، انہاء عن الفحشاء والمنکر میں، اتحاد اور اطاعت، مساوات [illegible] کا نتیجہ خیز اخلاق پیدا کرنے میں اصلاً مختلف تھی بلکہ اسکے ادا کرنے کا اہتمام، اسکی قرأت کے الفاظ وغیرہ وغیرہ بھی کچھ نہ کچھ مختلف اور جداگانہ تھے!

[1] سابقہ کے لیئے دیکھو عنوان صفحہ ۲۶۱۔

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۵: ۱۳)۔ اگر مسلمان آج اس عہد خداوندی کو توڑ کر لعنت خدا کے مستحق بنے ہوئے ہیں، اگر آج اُن سے بھی سب کچھ چھین کر اُن لوگوں کو دیا جا رہا ہے جنہوں نے عمر بھر ایک رسمی نماز نہیں پڑھی، ایک اسلامی رکعت ادا نہیں کی، ایک شرعی سجدہ نہیں کیا، ایک محمدی کلمہ نہیں پڑھا تو اسکی وجہ بھی یہی قساوت قلب ہے، یہی تحریف دین اور نسیان درس ہے، یہی مقاصد خدا میں مجرمانہ خیانت ہے، یہی الصلوٰۃ کو معناً اور صورتاً† بگاڑ دینا ہے، یہی خدا کو چھوڑ کر نفسانی خواہشات کی پیروی ہے۔ ایسی نمازیں پانچ نہیں پانچ ہزار ہوں خدا کے نزدیک سب ضائع ہیں، اِن سے ضعف کے سوا کچھ حاصل نہیں، اِن کا نتیجہ ہلاکت کے کچھ نہیں؛ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (۱۹: ۵۹)۔ پس اگر آج

---

۱ لیکن بنی اسرائیل کے اس میثاق الٰہی کو توڑ دینے کے باعث ہم نے اُنپر ذلّ و ادبار کی لعنت برسا دی، اُن کے دلونکو اپنے احکام کی تعمیل کیلئے پتھر کر دیا، پھر وہ اسقدر جمود زدہ اور غافل ہو گئے کہ ہمارے کلمات اور احکام کو اُنکے مناسب موقعوں سے ہٹا کر اُنکے الٰہی مقاصد میں حسب مطلب ردّوبدل کرنے لگے (يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ)، مکر و تاویل سے اپنے آرام کیلئے اُن میں معنوی تحریفیں پیدا کیں (يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ)، اور یہی نہیں بلکہ اسی تن آسانی اور آرام پسندی کے باعث رفتہ رفتہ اس درس الٰہی کے ایک اہم حصے کو بھول گئے جو اُنکو اچھی طرح یاد دلایا گیا تھا، اور اے محمدؐ! تم ان میں سے معدودے چند کے ماسوا نت نئے دن کسی نہ کسی ایسے مکار کی اطلاع پاتے رہو گے جس نے صریح خیانت اور بدمعاشی سے احکام خدا کے مقاصد میں ردّوبدل کر کے اپنی امت کو گمراہ کیا ہو تو ان خائنوں اور مکاروں کا علاج سوا اسکے کچھ نہیں کہ تم انسے پرے پرے ہٹے رہو (فَاعْفُ عَنْهُمْ)، اُنسے قطعاً کنارہ کشی اختیار کرو (وَاصْفَحْ) (دیکھو ان معانی کی تائید میں دیباچہ کتاب صفحہ ۱۲۰ کی آخری سطر)، خدائے عزوجل تو انہی لوگوں کو پسند کرتا ہے جو سعی عمل کر کے اپنی اُمت کو قوت اور عزت کے مدارج علیا تک پونہچا دیتے ہیں (اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ دیکھو مُحْسِنِيْنَ کی تعریف صفحہ ۱۳۰ تحت المتن آیہ (۱۷: ۶-۷) و صفحہ ۲۴۶ تحت المتن آخری دو سطریں و آیات (۳۷: ۱۲۱-۱۲۲)۔

۲ پھر ان لوگوں کے بعد ایسے نابکار جانشین آئے جنہوں نے الصلوٰۃ کو بالکل ناکارہ کر دیا، اسکی حکمت کو اسقدر بھلا دیا کہ وہ بالکل ایک لاطائل شئے بن گئی (وَاَضَاعُوا الصَّلٰوةَ) اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے رہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو عنقریب ہلاکت سے دوچار ہونگے۔

بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۵) پیش کر دی ہیں جنکے بغور مطالعے سے اس امر کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ جنّت سے مراد ارضی بادشاہت ہی تھی۔ شارحین قرآن نے بادشاہت زمین پر لات مارنے اور اپنے نفس کیلئے آسانیاں پیدا کرنیکے لیئے اس سے مراد اخروی جنت لیلیا اور مذہب اسلام کو رفتہ رفتہ بے نتیجہ بنا کر رہبانیت کیطرف لیگئے!

آیت زیر بحث میں فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ کے الفاظ بھی نہایت قابل غور ہیں۔ گویا ارضی بادشاہت کا کفران نعمت کرنا ہی صراط مستقیم سے پرے ہٹنا اور صحیح معنوں میں ضلال ہے۔ یہ مفہوم بعینہ وہی ہے جو صفحہ ۲۴۳ کے تحت المتن کے اخیر میں سورۂ فاتحہ کے لفظ الضَّآلِّيْنَ کی تشریح میں حاصل ہوا تھا۔

---

† الصلوٰۃ کے معناً بگڑ جانیکے علاوہ اسکے صورتاً بگڑ جانیکے متعلق ایک ابتدائی بحث صفحہ ۱۱۱-۱۱۲ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے جس سے کم از کم یہ ظاہر ہے کہ مساجد میں امام صاحبان کا خدا کے حضور میں نماز کو ترنم سے ادا کرنا وہ بدعت سیئہ ہے جو نص قرآن کے قطعاً برخلاف ہے۔ مساجد میں سنت اور نوافل کا ادا کرنا اور اسطرح پر خانہ خدا کے اندر بے ترتیبی اور بدنظمی کا ماحول پیدا کرنا بھی (جسکا ذکر صفحہ ۲۰۶ کے تحت المتن میں ہو چکا ہے) رسول خدا صلعم کے اسوۂ حسنہ کے برخلاف صریحاً ہے

کوئی نصب العین نہیں۔ یہ اُس خدا کی زمین پر نعمت خدا کو برقرار رکھنے کا علم حاصل کرنا ہی وہ نور ہے جس سے بڑھکر نفعمند کوئی نور نہیں۔ سعی و عمل کے اس کارگاہ عظیم میں اسی علم سے بیخبر رہنا اور حصول نعمت کیلئے اپنے ہاتھ پاؤں، تن من دھن وقف نہ کر دینا ہی وہ ظلمت عظمیٰ ہے جس سے تاریک تر کوئی ظلمت نہیں، عزیز اور حمید خدا کا بتایا ہوا یہی وہ معزز اور محمود مقام، اور یہی وہ عزت افزا اور قابلِ ستائش صراط ہے جس سے مستقیم تر کوئی صراط نہیں۔ اسی الصراط المستقیم کو ہر دم پیش نظر کر دینے کیلئے سبع مثانی کا دُہرانا نماز میں تھا، اور اسی واحد غرض و مطلب کے لیئے خدائے عظیم کا قرآن عظیم اس زمین پر نازل ہوا تھا:

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۙ (۱۴:۱)

اے محمدؐ! یہ قرآن عظیم ایک مکتوب خدا اور حکمنامہ رب العلمین ہے جسکو ہم نے تمہاری طرف اس نیت سے بھیجا ہے کہ تم تمام عالم کو قانونِ خدا کے عدم تعقل اور اس دنیا میں نامراد اور مغضوب علیہ ہو کر رہنے کی ظلمتوں (الظُّلُمٰتِ) سے علم و عمل اور تنومند بنکر رہنے کے (النُّوْرِ) کیطرف نکال لاؤ قانون آپکے عامل بنا کر انکے آقا و نمدار خدا و غربت سے انکو قوت اور عزت کے اُس صراط مستقیم کیطرف لیجاؤ جو صاحب عزت اور لائق ستائش خدا کا بتایا ہوا راستہ ہے۔

اگر یہ الصلوٰۃ مسلمانانِ عالم کے شرعی ملاؤں کی جہالت اور نا قرآن دانی یا مسلمانوں کی اپنی تن پروری

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۸) اہمیت، اور اُسکے قرآن عظیم سے الگ ذکر کرنے کی وجہ اشارۃً بیان کر دی ہے، اور یہ مسلمانوں کے سامنے وراثت زمین کی موہبت کبریٰ اور لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ کی نعمت عظمیٰ کا لازمال نصب العین پیش کر دینا یا الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ اور الضَّآلِّیْنَ نہ بننے کا قلبی ہیجان پیدا کر کے قوم کو سعی و عمل کیطرف متوجہ کر دینا ہی میرے نزدیک سورۂ فاتحہ کی واحد اور بے مثال فضیلت تھی جو آج نظروں سے نہاں ہو چکی ہے۔ صفحہ ۲۶۱-۲۶۲ کے تحت العین میں صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کو یکجا جمع کر دیا تھا اور اُسکا بغور مطالعہ کرنے اور اُسکے متعلق تمام قرآنی آیات کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہر صاحب غور و فکر اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ کلام الٰہی کی تمام تعلیم کا لبِ لباب در اصل اسی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے الفاظ میں مضمر ہے۔ تمام اوامر و نواہی جو دین اسلام کے اصل اصول اور اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ والے صراط پر چلانیکے صحیح اندار ہیں اسی صراط مستقیم کی جامع و مانع اصطلاح میں داخل ہیں۔ سورۂ فاتحہ اگر اس نصب العین کو قرآن کے ورق اوّل پر پیش کر رہی ہے تو باقی تمام قرآن اُس نصب العین کو حاصل کرنیکے وسائل بتلا رہا ہے۔ توحید کا اصل اصول بھی اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے الفاظ میں اسی سورہ کے اندر ہے۔ ایمان، اتقا، صلاح، فسق، شرک، کفر، الغرض دین اسلام کی تعلیم تمام کمال اسی اِهْدِنَا سے لیکر الضَّآلِّیْنَ تک کے الفاظ میں مضمر ہے (دیکھو فقتا یہ کتاب صفحہ ۵۶ تا صفحہ ۱۲۹)۔ انہی معنوں میں سورۂ فاتحہ تمام باقی قرآن کا ملخص، اسکا صحیح مفہوم حاوی، بلکہ اسکی صحیح معنوں میں تفسیر ہے۔ اسی لیئے اسکی یہ بیمثال فضیلت بھی ہے جس قوم نے سورۂ فاتحہ کے مطلع نظر کو پا لیا اور اسکے بعد اُسپر عامل ہو گئی، اسکو فلاح دارین قطعاً حاصل ہے۔ اسکے ماسوا نہ اسکے اندر کوئی اسم اعظم ہے، نہ اسکو بار بار دُہرانے میں کوئی ثواب ہے۔ نہ اسکو صحیح طور پر پڑھ لینے کا کوئی اجر ہے، نہ اسکی تعظیم اور بے تشریحیں کر کے اسکے الفاظ کی وہمی فضیلتیں جتلانا خدا کو خوش کر سکتا ہے!

* یہ آیۂ جلیلہ سورۂ ابراہیم کے شروع میں واقع ہوئی ہے اور صفحہ ۵۵ پر آچکی ہے۔ یہاں پر صرف اس بات کا قطعی فیصلہ کرنا ہے کہ الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ سے الٰہی مراد

اور محنت کو اپنا مستعان بنا لینا وہ شیوۂ مسلمانی تہا جسپر چلکر اسلام کو چند برسوں کے اندر وہ شوکت نصیب ہوئی کہ آج اُسکو پھر دیکھنے کیلئے آنکھیں ترس رہی ہیں: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ[1] (۲:۴۵)۔ صاحب القرآن تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کی انہی بار بار اور ضرب دل سے دُہرائی ہوئی آیتوں کی اہمیت کو اسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی ہدایت اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے راہ راست کے نصب العین کی ضرورت کو اسلامی اُمت پر یہ کہکر واضح کر دیا تہا کہ خدا کا اپنے بندوں پر سب سے بڑا احسان نہ صرف قرآن عظیم کو عطا کرنا بلکہ ساکنان زمین کے سامنے یہی سبع مثانی کا لشکر انگیز مطمح نظر دن میں پانچوقت پیش کر دینا ہے!

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ[†] وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (۱۵:۸۷)

اور اے محمدؐ! سب سے بڑا احسان جو ہم نے تم پر اور تمہاری اجل زدہ قوم عرب پر کیا ہے یہ ہی کہ ہم نے سورۂ فاتحہ کی بار بار دُہرائی ہوئی آیتوں کا اہم اور عظیم الشان نصب العین پیش کر کے تمہاری قوم میں حصول نعمت اور الصراط المستقیم پر چلنے کی ایک لازوال ترغیب و تحریک پیدا کر دی ہے (اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ)، اُن کے دلوں میں اس نعمت کے حاصل کرنیکے ولولے پیدا کر دیئے ہیں (اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ)، اُنکے اندر اس دنیا میں قوت اور زور سے رہنے اور ہلاک شدہ قوموں (دیکھو آیات (۱۵:۶۴) تا (۱۵:۸۴)) کی طرح مغضوب علیہ اور ضالین نہ بننے کا ایک دائم اور قائم ہیجان پیدا کر دیا ہے، اور یہی نہیں بلکہ ہم نے تم کو قرآن عظیم بھی دیا ہے جسکے اندر اُس الصراط المستقیم پر چلنے کا مکمل دستور العمل درج ہے۔

یہی وہ فراخور سعی اور درخور طلب نصب العین ہے جس سے بڑھ کر انسانی جماعت کے لیے اس دنیا کے اندر

---

[1] اور اے لوگو! اس کارگاہ سعی و عمل میں مشکلات کا خاطر خواہ مقابلہ کرنیکے لیے استقلال سے استعانت کیا کرو (اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ) اور حتی الوسع سعی و عمل کر کے خدا کے حضور میں گڑگڑایا بھی کرو کہ اُس حلال مشکلات کے حضور میں حاضری حوصلوں کو بڑہانے میں خاص مدد دیتی ہے اور یہ نماز تو ماسوا اُن لوگوں کے جن کا خشوع و خضوع ہم ہی سے بیم و رجا ہونیکے باعث ہی باقی سب کے نزدیک بیگار ہی بیگار ہے۔

---

† اس آیہ شریفہ کے الفاظ خاصکر قابل غور ہیں۔ خدائے عزوجل نے سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ یعنی سورۂ فاتحہ کو اسقدر اہمیت دی ہی کہ رسول صلعم کو اسکے وحی کرنیکا احسان قرآن عظیم کو عطا کرنیکے احسان سے الگ جتلایا ہے، بلکہ سورۂ فاتحہ کی اہمیت کو دلنشین کر دینے کے لیے اسکو باقی قرآن سے الگ کر دیا ہے۔ شارحین قرآن نے چنانچہ اس آیت کو پیش نظر رکھکر سورۂ فاتحہ کے الفاظ کی اہمیت پر ضخیم بحثیں کی ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ سے لیکر الضَّآلِّيْنَ تک کے ایک ایک لفظ کو لیا ہے اُنپر ظن و اعتقاد کے طومار باندہکر ظلمت انگیز مناظرے پیدا کئے ہیں۔ کہیں اللّٰه کے لفظ کو کوئی اسم اعظم قرار دیا ہے جسکو دُہرانے کے فضائل لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰى کہے ہیں، کہیں الرَّحْمٰنِ اور الرَّحِيْمِ میں فرق بتلایا ہی، کہیں الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پر اعتقادی مباحث چھیڑ دیئے ہیں۔ الغرض جتنے منہ اتنی باتیں مگر ایک متنفس نے بہی ذہن کو کام میں لاکر اسطرف رجوع نہیں کہ سورۂ فاتحہ میں خدائے عظیم نے کیا اہم نصب العین دن میں پانچوقت مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ایک فرد واحد کا خیال اسطرف نہیں دوڑا کہ وہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کس بیل کا نام ہے اور اسکی صحیح قرآنی تعریف کیا ہے۔ میں نے متذکرۂ صدر ترجمے میں اللہ صاحب کے سورۂ فاتحہ کو مَثَانِيْ کہہ کر یاد فرمانے کی توجیہ، اُسکے پیش کیے ہوئے نصب العین کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۷۰)

اُن میں پیدا کر کے اُنکے اندر صبر اور استقلال، بادشاہت کی صحیح قدر شناسی یعنی صَبَّار اور شَکُور بننے کا اخلاق جاری و ساری کردو۔ یہی وہ منتہا تھا جسکے لیئے موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے اور یہی اُنہوں نے کر دکھایا۔ چنانچہ اسی سورۃ کے سیاق میں نوح علیہ السلام وغیرہ کے بارے میں بھی وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ (۱۴: ۱۵) آیا ہے، یعنی انہوں نے وہ ملک فتح کرلیا۔ اور ہر معاند اور ظالم گروہ مُنہ دیکھتا رہ گیا۔ بلکہ (۱۴: ۲۳) میں ہے: وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝ (۱۴: ۲۳) یعنی عمل صالح کرنے والے ایمان دار سرسبز باغوں میں داخل کردیئے گئے، وہ جب تک خدا ان کا راضی رہے گا (بِاِذْنِ رَبِّهِمْ) اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اُنکے اندر سب طرف سے یہی دعائے خیر ہوگی کہ امن سے رہو!" (ضمناً اُدْخِلَ کا ماضی کا صیغہ اس امر کی ناقابل انکار دلیل ہے کہ جنّت سے مراد ارضی بادشاہت ہی تھی)۔

الغرض سورۂ ابراہیم کی متذکرۂ صدر آیت (۱۴: ۵) الظُّلُمٰت اور النُّور کے معانی کی صحیح تعیین حتماً کردیتی ہے۔ اور قرآن عظیم کی بابت بھی سورہ ابراہیم کے شروع میں یہی کہا گیا تھا کہ یہ وہ کتاب ہے جو اقوام کو محکومیت اور افلاس کی ظلمتوں سے نکالکر قوت اور عزت، غلبہ اور امن، بادشاہت اور جنات زمین حاصل کرنیکے نور کی طرف جو عزیز و حمید خدا کا بتایا ہوا صراط مستقیم ہے نکال لاتی ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی دنیاوی قوت اور غلبے کو قرآن حمید میں کئی جگہ بالصراحت نور کہا گیا ہے۔ مثلاً يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (۹: ۳۲) اور يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (۶۱: ۸) میں جو صفحہ ۱۸۴ پر آچکی ہیں اور جہاں نور سے مراد سیاسی تمکن اور دنیاوی قوت کے سوا کچھ اور لینا ناممکن ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۸۴)۔ علیٰ ہذا القیاس سورۂ حدید کی آیات (۵۷: ۱۲-۱۵) اور سورۂ تحریم کی آیت (۶۶: ۸) میں يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (۵۷: ۱۲) اور نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (۶۶: ۸) کے الفاظ بلکہ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے الفاظ بھی آئے ہیں اور وہاں مراد صاف یہ ہے کہ جب مسلمان جنات زمین میں داخل ہونگے تو بادشاہت اور غلبے کا نور اُنکے آگے آگے دوڑ رہا ہوگا، منافق عرب جنہوں نے اس بادشاہت زمین کے حاصل کرنے میں روڑے اٹکائے تھے حسرت کے مارے مسلمانوں کو کہیں گے کہ ذرا ٹھیرو ہم بھی اس نور سے کچھ لے لیں اور جب جواب نفی میں ملے گا تو حجتیں کرینگے کہ کیا ہم تمہارا ساتھ نہیں دیا کرتے تھے؟ پھر جواب ملے گا کہ نہیں۔ تم منتظر رہا کرتے تھے، ہمارے فتحمند ہونے میں شک کیا کرتے تھے، تم کو تمہاری من مانی آرزوؤں نے دہوکا دے رکھا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان آیات کو یہاں پر نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ جس وقت ان کا موقع آئے گا ان کا پورا مفہوم عیاں کردیا جائے گا۔ لیکن نور کے مفہوم کے لیئے صفحہ ۱۷۲ کی آیت (۷: ۱۵۷) پر بھی غور کرنا چاہیئے +

تَمَّ الْمُجَلَّدُ الْاَوَّل

من کتاب

تذکرہ

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

اور ناخداشناسی کے باعث ایک نابکار اور ناکار برآر، ایک مضحکہ انگیز اور بے مطلب، ایک ناقوت اندوز اور مسکنت خیز، ایک بیگار اور مصیبت بن چکی ہے تو اسمیں قرآن اور اسلام یا خدا اور رسولؐ کا کیا گناہ ہے!

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ (۱۷:۹)

اسمیں شک نہیں کہ یہ قرآن عظیم اپنے عاملوں کو اُس راہ پر لے جاتا ہے جو سب سے زیادہ راست اور قیام آفریں ہے اور ان صاحب ایمان لوگوں کو جو ایمان کے لوازم پیش نظر رکھکر مناسب سعی و عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ بڑا اجر ہے۔

(بقیہ تحت المتن ۲۶۹) بعینہ کس قسم کی تاریکیاں اور کس قطع کی روشنی ہے۔ شارحینؒ قرآن حسب معمول ان الفاظ سے علی الحساب "روحانیت کی روشنیاں" یا "ناخدادانی کی تاریکیاں" لے لیتے ہیں لیکن یہ سب غیر معین اور بے نتیجہ باتیں ہیں جو دراصل قرآن حکیم کو بغور مطالعہ نہ کرنے کا نتیجہ ہیں۔ ایک آیت (۳۳: ۴۳) جسمیں الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ کے الفاظ آئے ہیں صفحہ ۱۳۳ کے تحت المتن میں آچکی ہے، دو آیتیں (۵: ۱۵-۱۶) جن میں یہی الفاظ آئے ہیں صفحہ ۱۷۶ پر آچکی ہیں۔ صفحہ ۱۷۶ والی آیتوں سے کم از کم اسقدر مستنبط ہوتا ہی کہ صاحب القرآن تعالیٰ نے قرآن عظیم کو نُوْرٌ کہا ہی اور فرمایا ہے کہ یہ قرآن وہ نور ہے جسکے ذریعے سے خدا اقوام عالم کو سلامتی، قیام فی الارض، اور بقا کی راہوں پر لیجاتا ہے اور انکو الظُّلُمٰت سے النُّوْر کی طرف نکالکر صراط مستقیم کی طرف لیجاتا ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ تَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۵: ۱۵-۱۶) (دیکھو صفحہ ۱۷۶ و ۲۳۴)۔ گویا اس آیہ کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ الظُّلُمٰت کا الٰہی مفہوم وہ تاریکیاں ہیں جو اقوام کو سلامتی اور بقا کے راستوں سے پرے ہٹا دیتی ہیں اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ والے صراط مستقیم سے ورغلاکر الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور الضَّآلِّيْنَ بنا دیتی ہیں۔ اور النُّوْر وہ روشنی ہے جو اقوام کو اس دنیا میں بے خوف خطر کر دیتی ہے اور صراط مستقیم پر چلائے رکھتی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے الظُّلُمٰت، دراصل قانون خدا کو نہ سمجھنے یا اُسپر عامل نہ ہونے کی تاریکیاں ہی ہیں اور النُّوْر وہ قانون خدا کا تعقل اور اسکی تعمیل ہے جسکا نتیجہ اجتماعی دوام و بقا ہے۔ اور اسی لحاظ سے خود قرآن (یعنی قانون خدا) کو بھی نُوْر کہا گیا ہے۔ زیر بحث آیت (۱۴:۱) میں بھی یہی دونوں الفاظ آئے ہیں اور صِرَاط کا معنی خیز لفظ بھی وارد ہوا ہے بلکہ صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ کہکر کنایۃً یہ بھی کہدیا ہے کہ وہ صراط عزت اور حمد کا صراط ہے ذلت اور مغلوب ہوکر رہنے کا صراط نہیں۔ الظُّلُمٰت اور النُّوْر کے ان مطالب کی قطعی اور ناقابل انکار تائید اسی سورۂ ابراہیم کی آیت (۱۴: ۵) سے ہوتی ہے جس میں صاف طور پر فرمایا ہے کہ "ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے احکام دے کر بھیجا کہ وہ ان احکام کے ذریعے سے اپنی قوم کو الظُّلُمٰت سے النُّوْر کی طرف نکال لائیں اور حکم دیا کہ اس غفلت زدہ قوم کو ایام خدا کی یاد دہانی کراؤ، اسمیں شک نہیں کہ اس یاد دہانی جہاد میں ہر مستقل مزاج (صَبَّار) عامل اور نعمت خدا کے قدردان (شَكُوْر) بندے کے لیئے بہت سے ارشادات موجود ہیں: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ (۱۴: ۵)۔ ایک ہی سورۃ میں چار آیتوں کے وقفے کے بعد الظُّلُمٰت اور النُّوْر کے مطالب کی یہ الٰہی تشریح اس بات کی حتمی دلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو یہی کہا گیا تھا کہ قوم کو محکومیت اور بیچارگی، خوف اور ضعف، قانون خدا کے عدم تعقل اور ناانجام شناسی کی ظلمتوں سے نکالکر بادشاہت اور امن، قوت اور عزت کے سُبُلَ السَّلٰم پر لے آؤ، اور جہاد بالسیف (اَيّٰمِ اللّٰهِ) کے ولولے

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ

اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ

عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَ

اعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

الْكٰفِرِيْنَ ۝ (بقرہ) رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا

الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس) رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (یونس)

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِىْٓ اَمْرِنَا (آل عمران) وَاَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى

الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (بقرہ) رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۚ رَبَّنَا

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۚ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا

عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ

اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا

مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَ

قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ

تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ

اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ (آل عمران)